کلیاتِ مائل

حصّہ اوّل



یعنی

حضرت مرزا محمد تقی بیگ مائل دہلوی مرحوم کی غزلیات کا مجموعہ



مسکین مظہر علی خان

اہلِ ادب باذوق احباب
کے لیے تحفہ پڑھنیے
اور دعاؤں میں یاد
رکھیے

Misken Mazhar ali
Khan

مجھے تراش کے رکھ لو کہ آنے والا وقت

خزف دکھا کے گُہر کی مثال پوچھے گا
فضا ابنِ فیضی✍️

مائلؔ ترے کلام میں کچھ اور بات ہے
گذرے مری نظر سے ہیں دیواں ہزار ہا

——— مرزا مائلؔ

ڈاکٹر راجندر شرما، ڈائرکٹر راجستھان ساہتیہ اکیڈیمی نے نیشنل اکاڈمی نئی دہلی سے
چھپوا کر دفتر راجستھان ساہتیہ اکیڈیمی (سنگم)، اودے پور سے شائع کیا۔
مطبع: ——— نعمانی پریس، دہلی

کلیاتِ مائل

حصّہ اوّل

یعنی

حضرت مرزا محمد تقی بیگ مائل دہلوی مرحوم کی غزلیات کا مجموعہ

مرتّب

مولوی احترام الدین احمد شاغل عثمانی جے پوری مرحوم

ناشر

راجستھان ساہتیہ اکیڈمی (سنگم)، اُودے پور

اشاعتِ اوّل : ——— مارچ ۱۹۷۶ء

تعدادِ اشاعت : ——— ۵۰۰

قیمت : ——— ۷/۳ روپے ۵۰ پیسے

اس کتاب کے لیے کاغذ حکومتِ ہند کی طرف سے رعایتی نرخوں پر مہیّا کیا گیا ہے جس کے لیے ہم شکر گزار ہیں۔

——— ناشر

عرضِ ناشر

صوبہ کے ممتاز ادیبوں کی نمائندہ تخلیقات کی اشاعت راجستھان ساہتیہ اکیڈیمی کا ایک اہم مقصد ہے۔ ہندی، سنسکرت، راجستھانی اور اُردو کی کئی مطبوعات اکیڈیمی نے شائع کی ہیں۔ 'کرنیں' اور 'کلام' کے بعد اُردو رسم الخط میں یہ کلّیات قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔

حضرت مائل دہلوی مرحوم اُردو کے کلاسیکل شعراء میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ آپ کی زندگی کا بیشتر زمانہ جے پور میں گذرا اور یہیں آپ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ اس دوران آپ نے سرزمینِ راجستھان کو فنِ شعروادب سے سرسبز و شاداب کیا۔ مولانا کوثر سندیلوی، صبا صاحب، شاغل صاحب، عاصم جے پوری اور دیگر صدہا صاحبِ فن شعرائے آپ سے اکتساب کیا۔

مولوی احترام الدّین احمد شاغل عثمانی نے حضرتِ مائل کے پورے کلام کو جمع کر کے نہایت دیدہ ریزی اور محنت و کاوش سے ترتیب دیا۔ نیز اکیڈیمی کو مولوی صاحب موصوف، چاند بہاری لال صبا اور پنڈت اوتار نرائن بہادر نے اس کا مسوّدہ بغرضِ اشاعت پیش کیا۔ ادارہ ہٰذا آپ سب حضرات کا مشکور ہے۔

'کلّیاتِ مائل' کا پہلا حصہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے ہمیں مسرّت ہے اور یقین ہے کہ اُردو حلقہ میں اسے قدر کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

راجندر شرما
ڈائریکٹر
راجستھان ساہتیہ اکیڈیمی، اودے پور

مؤرخہ:
۱۸ مارچ ۱۹۷۶ء

تعارفِ مائل

نام ونسب وغیرہ محمد تقی بیگ نام ۔ نسباً مغل ۔ مذہباً سنی ۔ مسلکاً چشتی الجمالی ۔ والد ماجد کا نام مرزا مغل بیگ ۔ مولد و وطن دہلی ٹیا محل ۔ مسکن و مدفن جے پور ۔ بیرون گھاٹ دروازہ تکیہ بھور اشاہ میں قبر ہے ۔ مگر کتبہ سے عاری ۔ دیگر اقوال و خیالات سے قطع نظر آخری تحقیقات کی بنا پر سنہ ولادت ۱۸۵۰ء قرار پاتا ہے ۔ تاریخِ وفات ۱۹ ر جمادی الاول ۱۳۵۰ھ مطابق ۲ ر اکتوبر ۱۹۳۱ء یوم جمعہ بمقام جے پور ۔

بلحاظ تعلیم فارغ التحصیل تو نہ تھے مگر فارسی کی استعداد اچھی تھی اور طبعی لگاؤ اور اہلِ علم کی خدمت و صحبت سے اس کی تکمیل کر لی تھی ۔ اردو گھر کی زبان تھی اور اس پر کماحقہٗ قدرت حاصل تھی ۔ عربی سے برائے نام آشنا تھے مگر انگریزی سے متنفر اور ہندی سے قطعاً ناواقف ۔

تلمذ دلی کے ماحول سے متاثر ہو کر چودہ برس کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا اور سید شجاع الدین حسین خاں عرف امراؤ مرزا المتخلص بہ انور دہلوی سے تلمذ اختیار کیا اور دلی کے مشاعروں میں شریک ہونے لگے ۔ مرزا غالب کی خدمت میں بھی بارہا حاضر ہوئے ۔ مگر کوئی غزل انھیں نہیں دکھائی ۔ پچیس سال کی عمر میں مالی مشکلات سے مجبور ہو کر

اوّل گوالیار گئے، مگر کوئی سلسلۂ معاش نہ ہو سکا تو ۱۸۶۹ء میں جے پور چلے آئے اور کچھ عرصہ بعد ہی بزمرۂ اہلکارانِ ریاست ملازم ہو گئے۔ انور پہلے ہی جے پور آ گئے تھے اور ان کے مزاج میں شورش پیدا ہو گئی تھی۔ مرزا صاحب نے جے پور آنے پر حضرت مولانا ابوالبیان حافظ محمد سلیم الدین تسلیم عثمانی نارنولی سے تلمذ اختیار کیا اور تا حیاتِ مولانا اُن سے ہی اصلاح لیتے رہے۔

وضع و قطع

قدیم وضع کا مکمل نمونہ اور تمدن و معاشرتِ پیشیں کا آئینہ تھے۔ تفصیل کے لیے "تذکرہ شعرائے جے پور" قابلِ ملاحظہ ہے۔

اخلاق و عادات

خوش اخلاق، پابندِ وضع و رسومِ اخلاص۔ خوش تقریر اور ملنسار۔ طبیعت میں لطیف مزاح اور کامل استغنا۔ عُجب و غرور سے دور اور انکساری میں بھرپور۔ غیبت سے سخت متنفر۔ راست باز و راست کردار۔ منہیاتِ شرعی سے قطعاً بے تعلق۔ صوم و صلوٰۃ اور اوامرِ اسلام کے پابند۔ متواضع و مہمان نواز۔ حقہ نوشی کے شائق۔ تلامذہ پر شفقت اور بزرگوں کا ادب طبعِ ثانیہ۔ فقیر دوست اور خوش عقیدہ۔ اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ محمد خلیل الرحمٰن جمالی سرسادی ؒ سے عقیدت، پیر پرستی کی حد تک بڑھی ہوئی تھی۔ دیر و حرم کے مناقشات سے بیزار اور اتحاد و رواداری کے آئینہ دار تھے۔ معاصرین سے خوشگوار تعلقات تھے البتہ میر حیدر حسن زکی و یکتا سے شاعرانہ چشمک تھی۔ الغرض:

بہیں جانتے ہیں خدا اس کو بخشے
بہت خوبیاں تھیں محمد تقی میں

شعر و شاعری

مرزا مائل غزل گو شاعر تھے اور یہ رنگ ایسا رچا تھا کہ ہر صنفِ سخن میں نمایاں نظر آتا تھا حد تو یہ ہے کہ جوان بیٹے کا مرثیہ لکھ رہے ہیں مگر غیر شعوری طور پر رنگِ تغزل بعینہٖ اشعار تک میں پھوٹا پڑتا ہے۔ انھوں نے کہنے کو تو مثنوی، رباعیات اور قطعات و مخمس بھی کہے ہیں مگر حقیقتاً ان کا شاہکار غزل ہے۔ اور غزل میں سب کچھ ہے۔ ہر اہلِ ذوق اور مبصرِ سخن ان کی غزلیات سے اپنے مذاق

اور پسند کے کافی اشعار بآسانی منتخب کر سکتا ہے۔

مرزا صاحب کے کلام میں مے و میخانہ اور رحمت کے مضامین کی بہتات ہے جن کو نئے نئے انداز میں پیش کیا ہے تاہم دیگر مروجہ مضامین اور بہت سے نئے خیالات بھی دلکش و نادر ترکیب سے باندھے ہیں۔

مرزا صاحب کے کلام پر تفصیلی بحث اور مسلمہ اساتذہ سے موازنہ کرنے کے بجائے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اُن کے زمانے کے بیسیوں مبصرین سخن و نقادانِ فن میں سے صرف دو صاحبان کی رائے یہاں درج کر دوں :۔

(۱) خان بہادر ناصر علی خاں دہلوی ایڈیٹر "صلائے عام" دہلی فرماتے ہیں :۔

"دلی کی شاعری کا مدار اس وقت جناب مائل اور سائل پر ہے"

(صلائے عام بابت جون ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۵)

"دلی والوں کو ناز کرنا چاہیے کہ اب بھی یہاں کے بزرگوں میں اساتذہ کے مرتبہ کا کلام سُننا نصیب ہو جاتا ہے۔ میں نے یہ شعر چھ سات بار پڑھے اور ہر بار تازہ لطف آیا"

(صلائے عام بابت دسمبر ۱۹۲۹ء)

مذکور عبارت کے ساتھ جو غزل درج ہے اس کا مطلع ہے :

دعائے خیر میں میری اگر تاثیر ہو جائے
تو پھر غمخوار قاتل کیا دمِ شمشیر ہو جائے

ایک اور غزل شائع کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں :

"شعر میں دلی کے نامور اساتذہ کے کلام کا حق آپ اور صرف آپ (مائل) ادا کر رہے ہیں"

(صلائے عام دسمبر ۱۹۳۰ء ص ۳۰)

"مرزا مائل دہلوی اس وقت شعرائے دہلی میں اس مرتبہ کے شاعر ہیں جن کو ہم شعرائے لکھنؤ کے مقابلہ میں فخریہ پیش کر سکتے ہیں" (صلائے عام بابت اپریل ۱۹۳۶ء ص ۲۴)

۲) حسرت موہانی لکھتے ہیں کہ :

"راقم الحروف کی رائے میں امیر، داغ، جلال تسلیم اور حالی کے بعد اُن کے طبقۂ شعرا میں مائل دہلوی، نظم لکھنوی اور شاد عظیم آبادی بلاشک استاد کہلانے کے مستحق ہیں۔"

(اردوئے معلّٰی بابت مئی و جون ۱۹۲۳ء)

"ہر حیثیت سے مرزا مائل کا کلام اُردو شاعری کا بہترین نمونہ ہے اور ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانے میں سخنورانِ دہلی میں مرزا مائل سے بہتر کہنے والا اور کوئی شخص نہیں۔"

(اُردوئے معلّٰی بابت ماہ ستمبر ۱۹۳۱ء)

تصانیف

حضرت مائل نے اگرچہ چار واقعاتی مضمون نثر میں بھی لکھے ہیں جن کے عنوان ہیں یا مجیدُ، اخلاقِ ناسخ، مقبول خدا و رسول اور دادِ سخن۔ یہ مضامین "صلائے عام" کے مختلف پرچوں میں شائع ہو چکے ہیں مگر ان کی اصل تصنیف ان کے دو دیوان ہیں۔ پہلے دیوان کا کاغذ اس قدر کمزور ہے کہ اس کی ورق گردانی میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے البتہ دوسرا ٹھیک ہے۔ منشی چند بہاری لال صبا جانشینِ حضرت مائل نے دونوں کی نقل بقلم خود تیار کر لی تھی۔ دیوانِ اوّل کا ایک نامکمل نسخہ شیخ ذوالفقار علی صاحب وفا علوی کے پاس تھا جو انھوں نے براہِ نوازش میرے طلب کرنے پر مجھے عنایت کیا۔ ان سب نسخوں کی مدد سے کئی سال کی مسلسل محنت کے بعد کلیاتِ مائل مرتب کیا گیا جو تین حصّوں پر مشتمل ہے۔ حصّۂ اوّل میں غزلیات، حصّۂ دوم میں حمد و نعت و منقبت اور حصّۂ سوم میں مختلف اصنافِ سخن کو شامل کیا گیا ہے جن کا مفصل حال گوشوارۂ کلام میں درج کیا گیا ہے۔ کلیات کی ترتیب ردیف وار ہے اور قوافی میں بھی اس کا التزام رکھا گیا ہے بجز حصّۂ اوّل و دوم کی پہلی غزلیات کے جن کی ردیف "کا" ہے۔

کلیات کی ترتیب کی صورت یہ ہوئی کہ علوی صاحب کا نسخہ میرے پاس رہا اور منشی عبدالواسع اکمل عباسی، صبا صاحب کے دولت کدے سے مرزا صاحب کے کلام کی نقل کر کے روزانہ لاتے رہے۔

صبا صاحب خود لکھواتے تھے اور اکمل صاحب اس کو لکھتے تھے۔ دونوں صاحبان روزانہ دو تین گھنٹے صرف کرتے اور وہ نقل، اصل سے مطابقت کے بعد میرے پاس پہنچا دی جاتی تھی۔ اس کی مطابقت علوی صاحب کے عطیہ نسخے سے کرنے کے بعد اس کی ترتیب کا کام انجام دیا جاتا۔ اس طرح کلیات کی ترتیب کے ساتھ علوی صاحب کا نامکمل نسخہ بھی مکمل ہو گیا۔ میں صبا صاحب، علوی صاحب اور اکمل صاحب کا تہِ دل سے ممنون ہوں کہ ان کی توجہ، محنت اور نوازش سے یہ نسخۂ کلیاتِ مآل مکمل ہو سکا۔ نیز منشی رام چندر نظر "جواہر رقم" کا بھی شکر گزار ہوں کہ اس کلیات کے حصۂ سوم کا کچھ حصہ انھوں نے بھی نقل کیا ہے۔

مذکور الصدر نسخہ جات کے علاوہ ایک نسخہ صاحبزادہ عبدالقیوم خاں ضابط ٹونکی مرحوم کے پاس بھی تھا جس کا اب کچھ پتہ نہیں۔ دوسرا نسخہ نہایت خوشخط اور مکمل سید خورشید علی مہر نقوی نے ۱۹۴۷ء سے کافی پہلے تیار کر لیا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں وہ نسخہ بھی خوانِ یغما بن کر ضائع ہو گیا۔ اسی طرح ایک نسخہ عبدالوہاب خاں صاحب عاصم کے پاس تھا جس میں ردیف "ی" کی چند غزلیں کم تھیں۔ ممکن ہے پاکستان میں ان کے پاس محفوظ ہو۔

احترام الدین احمد شاغل عثمانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ردیف الف

خدا کے نام سے لکھتا ہوں مطلع اپنے دیواں کا
کہیں ایسا نہ ہو، ہو جائے دھوکا اس پہ قرآں کا

مرے دل ہی میں رہتا ہے خیالِ ابروئے جاناں کا
ہے کیونکر نہ بیت اللہ مطلع میرے دیواں کا

گماں ہوتا ہے اُس پر بھی کبھی مجھ کو رگِ جاں کا
بس اے دستِ جنوں! اک تار باقی ہے گریباں کا

چمکتا ہے ہر اک شے میں تجلی گاہ کس کا ہے
نظر آتا ہے ہر ذرّے میں وہ جلوہ ہے انساں کا

کسی کا قامت و رُخ دیکھ کر ایمان لایا ہوں
نہ قائل ہوں قیامت کا، نہ قائل ہوں میں قرآں کا

تغافل اک زمانے کا ترے حصّے میں آیا ہے
مرے دل میں ٹھکانا ہے جہاں کے یاس و حرماں کا

جو اُلجھا اس میں الجھا، پھر نہ نکلا وہ قیامت تک
زمانہ ایک پر تو ہے کسی کی زلفِ پیچاں کا

خبر بھی وہ نہیں ہوتا کیے سجدے ہزاروں ہی
فلک پر ہے دماغ اللہ اکبر اُس کے درباں کا

تجھے سودا ہے اے ناصح! مرا دل گھر میں بہلے گا؟
مری آنکھوں میں پھرتا ہے وہی عالم بیاباں کا

اُلجھنا بے سبب کیوں ہے، یہ کیا کم آفتِ جاں ہے؟
بگڑ جانے میں بن جانا تری زلفِ پریشاں کا

یہ کہہ کر اُس کی محفل میں لیے جاتا ہوں ناصح کو
مصور کھینچ لایا ہے مُرقّع بزمِ حیراں کا

اثر اُس میں کہاں ایسا، لبوں سے تیرے کیا نسبت
فقط شہرہ ہی شہرہ ہے جہاں میں آبِ حیواں کا

جنابِ خضر کو اپنی بہت ہی جان پیاری ہے
بتا دیتے ہیں رستہ دور ہی سے کوئے جاناں کا

نہ چھوڑا ہے نہ چھوڑے گا کبھی حائل کے ایماں کو
ہوا دشمن وہ کافر ہائے کس مردِ مسلماں کا

تمکینِ یار ہے جو ہم آغوشِ نقشِ پا
اُڑتے نہیں ہوا سے کبھی ہوشِ نقشِ پا

جاؤں نہ عرش پر جو زیارت کے واسطے
مجھ کو کہے گی خلق فراموشِ نقشِ پا

کم بخت غیر اس سے جو بگڑا تو کیا ہوا
جائے اُسے منانے کو پاپوشِ نقشِ پا

کیسی ہوا ہو تندہ سلامت رہے گا وہ
سجدے ہیں عاشقوں کے بلانوشِ نقشِ پا

حیرت سی چھا گئی تری صورت کو دیکھ کر
جنبش میں آئے کیا لبِ خاموشِ نقشِ پا

سینے سے اپنے کیوں نہ لگائے رکھوں اُسے
اُٹھنا ہے روزِ حشر ہم آغوشِ نقشِ پا

کیا اُس کا ہاتھ، ہاتھ میں لیکر چلے تھے آپ
ہے نقشِ پائے غیر جو ہم دوشِ نقشِ پا

موتی لگے ہوئے ہیں جو پاپوشِ یار میں
بھڑ بھڑ کے بن گئے ہیں درِ گوشِ نقشِ پا

گزرا ہے وہ ہی شوخ ستمگر عتاب میں
سمجھو تو کہہ رہا ہے یہی جوشِ نقشِ پا

قدرت ہے شاعروں کو تو جو چاہیں وہ بنائیں
ہے چشم نقشِ پا کے، نہ ہے گوشِ نقشِ پا

عاصی سمجھ کے اپنے کو باہر جو رہ گیا
سایہ بنا حرم کا خطا پوشِ نقشِ پا

مٹ کر یہ شان پائی ترے رہگذار میں
اپنے کو دیکھتا ہوں ہم آغوشِ نقشِ پا

اُس کے قدم کے نور کا اعجاز دیکھنا
ہر ذرّہ بن گیا ہے دُرِ گوشِ نقشِ پا

سر پر ہے اپنے بارِ دو عالم لیے ہوئے
دیکھت کا ہے ذرا سا تن و توشِ نقشِ پا

عاشق کو کہہ رہے ہیں ادب چاہیے ضرور
آہوں سے میری اُڑ گئے جب ہوشِ نقشِ پا

وہ میں ہی نامراد، ترے عاشقوں میں ہوں
جس کی دُعا بنی ہے بلانوشِ نقشِ پا

کیا جانے کوئی مرتبہ مجھ خاکسار کا
برسوں رہا ہوں عرش پہ ہم دوشِ نقشِ پا

فریاد میری سنتے ہی دیدی مرادِ دل
اب تو ہوا یقین کہ ہیں گوشِ نقشِ پا

ساقی کے ہر قدم پہ جو پیتا ہوں میں شراب
کہتے ہیں مجھ کو رند، قدح نوشِ نقشِ پا

مائل جو وقتِ سجدہ مٹانے لگی ہوا
میری کلاہ بن گئی سرپوشِ نقشِ پا

○

اے ستمگر نہیں دیکھا جاتا
زخم دل پر، نہیں دیکھا جاتا

ہم سے زاہد کو برابر اپنے
لبِ کوثر نہیں دیکھا جاتا

رُخ سے پردہ تو ہٹاؤ، ہم سے
دیکھیں کیونکر نہیں دیکھا جاتا

تیرے خنجر سے کسی عاشق کے
دوش پر سر نہیں دیکھا جاتا

دشت کی جس میں کوئی بات نہ ہو
ہم سے وہ گھر نہیں دیکھا جاتا

کیا کروں چارہ ترا، یہ عالم
دلِ مضطر نہیں دیکھا جاتا

تیرے کوچے میں عدو سو سو بار
کھائے چکر نہیں دیکھا جاتا

وہ نہ جائیں اثر اتنا تجھ میں
دیدۂ تر! نہیں دیکھا جاتا

طُور پر دیکھنے جاتے ہیں کلیم
دل کے اندر نہیں دیکھا جاتا

دیکھتے بھی ہیں اُسے اکثر ہم
اور اکثر نہیں دیکھا جاتا

جانتا ہوں کہ عدو پر یہ کرم
ہے ستم، پر، نہیں دیکھا جاتا

میں سمجھتا ہوں، مجھے محفل میں
کچھ سمجھ کر نہیں دیکھا جاتا

ہم نے دیکھا ہی نہیں جلوۂ یار
کہیں کیونکر، نہیں دیکھا جاتا

دیکھنا شوقِ شہادت میرا
مجھ سے خنجر، نہیں دیکھا جاتا

اب یہ نوبت ہے مجھی سے اپنا
حالِ مضطر، نہیں دیکھا جاتا

محتسب دل تو شکستہ دیکھا
مجھ سے ساغر نہیں دیکھا جاتا

دیکھ کر حال مرا کہہ اُٹھا
وہ ستمگر، نہیں دیکھا جاتا

مے پیو توبہ کہاں کی مائل!
ہم سے مضطر نہیں دیکھا جاتا

○

تم کہتے ہو، کیا ضبطِ فغاں ہو نہیں سکتا
ہم میں نہیں اب تاب و تواں ہو نہیں سکتا

موزوں کوئی مضمونِ دہاں ہو نہیں سکتا
جو راز نہاں ہے وہ عیاں ہو نہیں سکتا

حسرت ہے مری ڈال آئے کبھی کان میں اُسکے
یہ کام بھی کیا تجھ سے فغاں ہو نہیں سکتا

جب تک کہ زمیں پر ہے نشانِ قدم اُسکا
برہم کسی فتنے سے جہاں ہو نہیں سکتا

ساقی نے کہا جب مرے آنسو نکل آئے
تجھ پر کرمِ پیرِ مغاں ہو نہیں سکتا

جب تک کہ نہ ہو دل میں ندامت کا اثر کچھ
اک اشک بھی آنکھوں سے رواں ہو نہیں سکتا

جو رنگ تری بزم کا ہے، دیکھ رہا ہوں
جو حال ہے میرا وہ بیاں ہو نہیں سکتا

مجھ کو حرم و دیر میں آنے نہیں دیتے
مجھ سا کوئی رسوائے جہاں ہو نہیں سکتا

یہ کام انھیں کا ہے جو آفت بھی نہیں کرتے
ہر ایک سے جورِ بتاں ہو نہیں سکتا

دم بھر کو تم آ جاؤ تو دعوے سے کہوں گا
برباد مرے دل کا مکاں ہو نہیں سکتا

کھنچ جائے جو نالہ دلِ بیتاب کا میرے
باقی رہے دنیا کا نشاں ہو نہیں سکتا

اللہ رے اللہ مرے اشکوں کی روانی
اس جوش سے دریا بھی رواں ہو نہیں سکتا

اے شیخ ترا لاکھ ہو گنبد سا عمامہ
میخانے پہ مسجد کا گماں ہو نہیں سکتا

دیکھے نہ سوئے کعبہ وہ عبرت کی نظر سے
جس دل میں کہ عشقِ بتاں ہو نہیں سکتا

چل جائے گا اُن پر عمل اچھا ہے جو کرلوں
پر نامِ عدو وردِ زباں ہو نہیں سکتا

مغرور رہے جو حُسنِ خداداد پہ اپنے
اُس پر اثرِ آہ و فغاں ہو نہیں سکتا

ہر مذہب و ملت کے ترے منہ کو ہیں تکتے
تجھ سا کوئی مقصودِ جہاں ہو نہیں سکتا

مقتل کا تو حیلہ ہے مرے قتل کا ساماں
جب کھینچ لو تلوار، کہاں ہو نہیں سکتا

جب تک کہ قیامت کی زباں ہو نہیں سکتی
رفتار کے فتنوں کا بیاں ہو نہیں سکتا

میخانے کی دیوار کا کوثر پہ ہے سایہ
اب اس سے بلند اور مکاں ہو نہیں سکتا

اتنا تو سمجھتا ہوں کہ ہوں خاک کا پُتلا
پر اپنی حقیقت کا بیاں ہو نہیں سکتا

گھبراہٹیں دیکھیں جو مری ہنس کے وہ بولے
ہم سے تو علاجِ خفقاں ہو نہیں سکتا

میخانے میں یارب نہ کبھی اُن کی ہوا آئے
جن سے کہ ترا رازِ نہاں ہو نہیں سکتا

جو دیکھ رہا ہوں کسی کافر کی ادائیں
ایماں کی تو یہ ہے کہ بیاں ہو نہیں سکتا

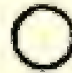
اس گھر میں تو لڑتی ہے قدح خوار کی قسمت
میخانے میں آئے رمضاں ہو نہیں سکتا

آیا ہے بڑھاپا مجھے کچھ ایسی گھڑی سے
یوسف کی دعا سے بھی جواں ہو نہیں سکتا

جو بات ہے اس کی وہ سمجھ میں نہیں آتی
کچھ اس کے کرشموں کا بیاں ہو نہیں سکتا

دلّی کی جو مٹی سے بنایا نہ گیا ہو ۔۔۔ اُردو کا تو وہ اہلِ زباں ہو نہیں سکتا
جب تک نہ کرے سجدہ ترے نقشِ قدم کو ۔۔۔ کعبہ کبھی مسجودِ جہاں ہو نہیں سکتا
ذرّوں نے تری راہ کے وہ شان ہے پائی ۔۔۔ جبریلِ امیں سے بھی بیاں ہو نہیں سکتا

جس میں کہ نہ ہو ایک بھی مائلؔ سا گنہگار
وہ قافلہ کعبے کو رواں ہو نہیں سکتا



دلِ بدظن کو کرلیں صاف ہم سے ہو نہیں سکتا ۔۔۔ یہ جھگڑا طے ترے قول و قسم سے ہو نہیں سکتا
ہمیں چھوڑے تو کیونکر غم یہ غم سے ہو نہیں سکتا ۔۔۔ نکالیں دل سے غم کو ہم یہ ہم سے ہو نہیں سکتا
ہماری خاکساری سے ہے اتنی بدگمانی کیوں ۔۔۔ اٹھائے سر کبھی نقشِ قدم سے ہو نہیں سکتا
اگر لینا ہے یوسف کو زلیخا دیکھتی کیا ہے ۔۔۔ کہ سودا عاشقی کا بیش و کم سے ہو نہیں سکتا
جو ہم چاہیں تو وہ کرلیں فرشتے جس سے حیراں ہوں ۔۔۔ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ ہم سے ہو نہیں سکتا
زبانِ یار کالے دل پہ کیونکر ملے تجھ کو ۔۔۔ سفر آگے ترا ملکِ عدم سے ہو نہیں سکتا
فغانِ عاشقاں چشمِ غضب سے رک نہیں سکتی ۔۔۔ علاجِ دردِ دل قہر و ستم سے ہو نہیں سکتا
ملے رندوں میں تو واعظ کہ خاکِ پائے ساقی ہو ۔۔۔ تری تعظیم دب پی کر یہ ہم سے ہو نہیں سکتا
تمھارے ابروئے خمدار کو دیکھے تو سجدے میں ۔۔۔ نہ گرجائے یہ محرابِ حرم سے ہو نہیں سکتا
جو وہ آئیں تو کیا ہوگا بہار آئے تو کیا ہوگا ۔۔۔ دلِ عاشق تو خالی درد و غم سے ہو نہیں سکتا
خدا جانے کہ کس رتبے کے میکش آکے بیٹھے ہیں ۔۔۔ تری مجلس میں آئے جامِ جم سے ہو نہیں سکتا
خیالِ غیر چھوڑو تم، تمھاری یاد چھوڑیں ہم ۔۔۔ وہ تم سے ہو نہیں سکتا یہ ہم سے ہو نہیں سکتا
یہ مانا آپ آئیں گے، مگر چارہ نہیں اس کا ۔۔۔ یقیں دل کو مرے تیری قسم سے ہو نہیں سکتا
چلا آتا ہے جو ساغر بزرگوں کے زمانے سے ۔۔۔ اُسے میکش بدل لیں جامِ جم سے ہو نہیں سکتا
نہ ہو آلودۂ عصیاں بشر سے بن نہیں پڑتا ۔۔۔ نہ بخشے تو تری شانِ کرم سے ہو نہیں سکتا
لکھے ہیں عمر بھر فرمان اُس نے تیری رحمت کے ۔۔۔ لکھے فردِ گنہ میری اُس قلم سے ہو نہیں سکتا
رکھا ہے پاس ہی خنجر گلے پر پھیر لیں کیونکر ۔۔۔ شبِ غم میں ذرا سا کام ہم سے ہو نہیں سکتا

ہزاروں کوس پردوں سے تجلی گاہِ جاناں کے
ذرا ٹھہرے کسی ثابت قدم سے ہو نہیں سکتا

دلِ عاشق کو اپنے دام میں لاکر رہائی دے
تمھارے گیسوئے پُرپیچ و خم سے ہو نہیں سکتا

کرے شکوہ ترا یہ تو زباں سے بن نہیں پڑتا
لکھے تیری شکایت یہ قلم سے ہو نہیں سکتا

بس اک خنجر لیے بیٹھے ہو سینے پر تو کیا ہوگا
ہمارا کام تو تیغِ دودم سے ہو نہیں سکتا

نہ گھبرا عندلیب روح گھبرانے سے کیا حاصل
قفس سے چھوٹنا رنج و الم سے ہو نہیں سکتا

کرشمہ ایک یہ بھی تھا ادائے بے نیازی کا
خدا کے گھر میں جا بیٹھے صنم سے ہو نہیں سکتا

ادائے دلبری دیکھو سوالِ قتل پر بولے
تم ایسا کام کہتے ہو جو ہم سے ہو نہیں سکتا

امامت خانۂ کعبہ کی مل سکتی ہے اے مائلؔ
مگر پیرِ مغاں تو ایک دم سے ہو نہیں سکتا

○

کچھ اس کو تو میں لطف و ستم کہہ نہیں سکتا
کیا چیز ہے یہ عشق کا غم کہہ نہیں سکتا

جھوٹی جو قسم کھائی تھی سر کی مرے تو نے
وہ لطف ترے سر کی قسم کہہ نہیں سکتا

ساغر مجھے دیتے ہو نظر سوئے عدو ہے
اس لطف کو بیداد سے کم کہہ نہیں سکتا

کچھ محو ہے ایسا تری رفتار کے احوال
کہتا ہے، مگر نقشِ قدم کہہ نہیں سکتا

اغیار حقیقت کو مری سن نہیں سکتے
جو کچھ ہے ترا لطف و کرم کہہ نہیں سکتا

وہ زخم ہے دل پر کہ بھرا ہے نہ بھرے گا
ابرو کو ترے تیغِ دودم کہہ نہیں سکتا

میں نے جو کہا غیر کے ملنے میں ہے کیا لطف
کہتا ہے ترے سر کی قسم کہہ نہیں سکتا

کیا چیز بنائی ہے محبت بھی خدا نے
ہوتے ہیں ستم اور ستم کہہ نہیں سکتا

آیا نہیں اب تک کوئی نالہ مرے لب پر
دُنیا کو ابھی مُلکِ عدم کہہ نہیں سکتا

ٹھہرے نہ کہیں گبر و مسلماں سے لڑائی
جو کچھ کہ ہیں یہ دیر و حرم کہہ نہیں سکتا

جو مجھ پہ گزرتی ہے وہ تم سُن نہیں سکتے
جو کچھ ہے مجھے درد و الم کہہ نہیں سکتا

ہر شیشۂ دل میں مئے الفت نہیں ہوتی
ہر جام کو میں ساغرِ جم کہہ نہیں سکتا

جھپکی تھی ذرا آنکھ کہ وہ خواب میں آئے
اس رات کو میں اب شبِ غم کہہ نہیں سکتا

کیسی ہی محبت ہو، عجب دور ہے آیا
کعبے میں کوئی ہائے صنم کہہ نہیں سکتا

ہر عضو کو اک نور کے سانچے میں ہے ڈھالا
جو کچھ کہ ہو سر تا بہ قدم کہہ نہیں سکتا

جائیں وہ مرے گھر سے مری جان نہ جائے
جو مجھ کو وہ دے جاتے ہیں دم کہہ نہیں سکتا

باور تمھیں آئے کہ نہ آئے شبِ غم کو
میں روزِ قیامت سے تو کم کہہ نہیں سکتا

اِس ڈر سے کہ پوشیدہ نہ ہو جائے نظر سے
کوچے کو ترے باغِ اِرم کہہ نہیں سکتا

ڈرتا ہوں زباں کو مری کاٹے نہ ستم گر
کیوں ہاتھ ہوئے میرے قلم کہہ نہیں سکتا

کعبے میں مجھے ہائے صنم کہہ کے رُلایا
مائلؔ نے کیا ہے وہ ستم کہہ نہیں سکتا



کہا جو میں نے کہ کیوں بے وفا نہیں ملتا
تو کس ادا سے ہے کہنا کہ جا نہیں ملتا

بجا ہے ہم سے جو وہ مہ لقا نہیں ملتا
کسی سے کوئی کبھی بے مدعا نہیں ملتا

جنوں بھی، داغ بھی، حسرت بھی، دل گدازی بھی
جنابِ عشق کی درگہ سے کیا نہیں ملتا

کہا جو کچھ سرِ محفل تو کہتے ہیں تجھ سے
اسی لیے تو میں اے بے حیا نہیں ملتا

وظیفہ حضرتِ پیرِ مغاں سے واعظ کو
کسے خبر ہے کہ ملتا ہے یا نہیں ملتا

ملا جو اُن سے تو کہتے ہیں مسکرا کر، کیا
بہت دنوں سے کوئی خاکِ پا نہیں ملتا

جنابِ شیخ تبرّوں ہی میں اچھے ہوتے ہیں
شراب خانے میں کیا پارسا نہیں ملتا

یہ نکتہ حضرتِ پیرِ مغاں نے سمجھایا
بشر کے ملنے سے پہلے خدا نہیں ملتا

گلہ کیا جو ستم کا تو مجھ سے کہتے ہیں
بُرا بھلا تمھیں میرے سوا نہیں ملتا

یہ آرزو ہے کہ اس طرح تو ملے مجھ سے
شباب جیسے کہ ہو کر جدا نہیں ملتا

مرے تو دل میں نہیں دعویِ مسلمانی
وہ مجھ سے کس لیے کافر ادا نہیں ملتا

کہے تو کس سے کہے ماجرائے دل بلبل
قفس میں کوئی بھی درد آشنا نہیں ملتا

مزا تو موت کا آنا ہے زندگی میں مگر
بغیر دل کے لگائے مزا نہیں ملتا

خدا کی یہ بھی ہے حکمت کہ غم بھی کھانے کو
فراقِ یار میں بے انتہا نہیں ملتا

جنابِ خضر ملیں میکشوں سے کس منہ سے
شرابِ ناب سے آبِ بقا نہیں ملتا

قبول کیا ہو کہ مسجد میں دل نہیں لگتا
شراب خانے میں وقتِ دُعا نہیں ملتا

ہر ایک بزم میں جاتے ہو سب سے ملتے ہو
غریب خانہ ہمارا ہی کیا نہیں ملتا

یہ بات کیا ہے کہ افسردہ شیخ رہتے ہیں
شراب خانے کا جب تک گلا نہیں ملتا

نجات فکر سے مشکل ہے اہلِ دُنیا کو
ملا سفینہ تو اب نا خدا نہیں ملتا

وہ مجھ سے کہتے ہیں مٹھی کو باندھ کر اپنی
ابھی تو تھا ابھی رنگِ حنا نہیں ملتا

ہزار سعی کرے کوئی رزق قسمت کا
بغیرِ حکمِ خدا اک ذرا نہیں ملتا

سرِ نیاز کو عاشق اُٹھائیں تو کیونکر
کہ تیرے در کے سوا دوسرا نہیں ملتا

نہ چھوڑ دامنِ یوسف کو اے زُلیخا تُو
کہ چھُٹ کے ہاتھ سے پھر مدعا نہیں ملتا

یہ کس کے منہ سے ہے نکلا "وفا ہے اچھی چیز"
کہ عاشقوں سے مزاجِ وفا نہیں ملتا

کبھی یہ گھر سے تو نکلے نہ آگ لینے کو
کہا ہی کرتے ہیں واعظ خدا نہیں ملتا

جو جستجو ہے خدا کی تو مل بھی جائے گا
مگر وہ کافرِ نا آشنا نہیں ملتا

مزاجِ دہر میں ایسی کدورت آئی ہے
کہ میکدے میں بھی قلبِ صفا نہیں ملتا

رسائی کیسی ہی آور رسا کرے پیدا
مگر یہ رُتبۂ زلفِ رسا نہیں ملتا

لپٹ کے اُس گلِ رعنا سے آئی ہے شاید
مزاج ہم سے جو بادِ صبا نہیں ملتا

کبھی نہ آئی محتسب کے خیال میں توبہ
شراب خانے میں میرے سوا نہیں ملتا

خدا سے ملنے کا رستہ ہی اور ہے مائل
حرم میں جانے سے مردِ خدا نہیں ملتا



میں ہی ہوتا نہ یہ میرا دلِ مضطر ہوتا
شبِ فرقت میں مرے پاس جو خنجر ہوتا

گھر میں چھپ کر وہ مرے آئیں یہ کیونکر ہوتا
اُن کے قدموں سے لگا فتنۂ محشر ہوتا

رشک اس کا تو نہ اے چرخِ ستمگر ہوتا
جو ستم یار کا ہوتا وہ مجھی پر ہوتا

بن بُلائے وہ چلے آتے مرے گھر سیدھے
دلِ شیدا کا جو اُلٹا نہ مقدر ہوتا

بادہ وہ چیز ہے لے شیخ جو تو پی لیتا
حشر میں رندِ خرابات کا ہمسر ہوتا

لطف جینے کا شبِ ہجر میں کچھ آجاتا
فلکِ پیر جو تجھ سا ہی ستم گر ہوتا

دل میں جب دیکھیے کھٹکا سا لگا رہتا ہے
ایک دن موت کے آنے کا مقرر ہوتا

دردِ دل ہی کے لیے خاص بنا ہے انساں
درد گر دل میں نہ ہوتا تو یہ پتھر ہوتا

دیکھ کر انجمنِ غیر یہ حسرت آئی
آپ آتے تو یہ ہنگامہ مرے گھر ہوتا

دل مرا پہلے ہی بت خانہ بنا ہے اے شیخ
کعبہ بنتا تو صنم خانہ مقدر ہوتا

وہ تنک ظرف ہے جمشید زباں بند ہوتا
گھر میں واعظ کے اگر ایک بھی ساغر ہوتا

کاٹنا کچھ بھی شبِ ہجر کا دشوار نہ تھا
میرے قابو میں جو میرا دلِ مضطر ہوتا

طرزِ شوخی ہے نئی مجھ سے کہا کرتے ہیں
میں تجھے قتل ہی کرتا جو ستم گر ہوتا

کھل ہی جاتا حرم و دیر کا پردہ مائل
دل میں جو کچھ کہ بھرا ہے جو زباں پہ ہوتا

○

کچھ تو میرے دلِ بیتاب کا درماں ہوتا
گر شبِ وصل میں طولِ شبِ ہجراں ہوتا

میں جو وحشت میں رواں سوئے بیاباں ہوتا
قیس کوسوں مرے سایہ سے گریزاں ہوتا

گر وہاں غیر کی صورت میں نہ شیطاں ہوتا
عرف کوچے کا ترے روضۂ رضواں ہوتا

میرے قابو میں اگر دیدۂ گریاں ہوتا
نہ ہوا تھا نہ کبھی نوح کا طوفاں ہوتا

سن کے اشعار مرے تابعِ فرماں ہوتا
فلکِ پیر اگر کچھ بھی سخنداں ہوتا

جو نہ محشر میں وہ سرمایۂ ایماں ہوتا
دردمند دل کا وہاں کوئی نہ پرساں ہوتا

پھر تو بت خانوں کا اللہ نگہباں ہوتا
گر حرم میں کوئی غارت گرِ ایماں ہوتا

ہم وہاں ہیں کہ جھلک بھی نہ دکھاتا وہ شوخ
مثلِ موسیٰ جو ہمیں دید کا ارماں ہوتا

ساتھ اپنے جو اجل کو بھی لگا کے لاتی
مجھ پہ احسان ترا اے شبِ ہجراں ہوتا

شب کو میخانے میں کی شیخ نے وہ بدمستی
آگے رحمت کا فرشتہ بھی پشیماں ہوتا

سچ تو کہتی ہے شبِ غم کہ نہ پی سکتے خضر
اس اندھیرے میں اگر چشمۂ حیواں ہوتا

حشر تک نوح کی کشتی نہ کنارے لگتی
سلسلے میں جو مرے اشک کے طوفاں ہوتا

بیقراری کے مزوں کو جو بیاں ہم کرتے
صبر کر کے دلِ ایوب پشیماں ہوتا

گر فلک تو ہمیں جمعیتِ خاطر دیتا
شمعِ تربت کا دھواں تک نہ پریشاں ہوتا

آکے دل میں مرے اکثر وہ کہا کرتے ہیں
ہم نہ ہوتے تو یہ گھر آپ کا ویراں ہوتا

نارسائی مری قسمت کی نہ جانے دیتی
دو قدم پر بھی اگر کوچۂ جاناں ہوتا

تیری رحمت سے مجھے کیا ہی ندامت ہوتی
مختصر سا جو مرا دفترِ عصیاں ہوتا

ہم سمجھتے کہ ہوئی مشق تجھے، دستِ جنوں
ایک جھٹکے میں، نہ دامن نہ گریباں ہوتا

چارہ گر یاس کی صورت نظر آتی نہ کبھی
دلِ بیمار اگر قابلِ درماں ہوتا

میں نے اُس رنگ میں دیکھا اُسے اللہ اللہ
دیکھتا خود بھی تو ہر آن پہ قرباں ہوتا

پردے پردے میں وہ ناصح کو سنائیں میں نے
کچھ تو کمبخت بگڑتا اگر انساں ہوتا

دلِ مجروح پہ اک بار اُلٹ ہی دیتا
شہرِ سانبھر جو مقدر سے نمکداں ہوتا

اپنے انداز کی جو داد خدا سے چاہے
میں اُسے دل کبھی نہ دیتا تو پشیماں ہوتا

شیخ جو پیرویِ پیرِ مغاں تو کرتا
تیرے قدموں سے لگا روضۂ رضواں ہوتا

کھینچ کر جذبۂ وحشت جو اسے لے آتا
دل میں رکھ لینے کے قابل یہ بیاباں ہوتا

جھڑکیاں شیخ نہ سنتا کبھی میخواروں کی
میکشی کا جو میسر اُسے ساماں ہوتا

آکے میت پہ تو ممنون کیا ہے تم نے
مٹی دے جاتے اگر، اور بھی احساں ہوتا

تجھ میں تو بو بھی دوئی کی نہیں پاتے مائل
پیروی تیری ہی کرتے جو مسلماں ہوتا

○

کچھ نہ ہوتا تو نواسنجِ فغاں کیوں ہوتا
دل کی جانب وہ ستمگر نگراں کیوں ہوتا

دین و ایماں سے عاشق کے جو ہوتا مطلب
تو یہ انداز ترا طالبِ جاں کیوں ہوتا

تشنگی اور ہی تھی ورنہ لبِ نہرِ فرات
آلِ احمد میں کوئی تشنہ دہاں کیوں ہوتا

غیر کے دل میں اگر کچھ بھی محبت ہوتی
یہیں ہوتا وہ ستمگار وہاں کیوں ہوتا

ستم آمیز نہ ہوتا جو تغافل اُن کا
تو خموشی میں مری رنگِ فغاں کیوں ہوتا

کوئی تسکیں کی اگر اور بھی صورت ہوتی
اس طرح نام ترا وردِ زباں کیوں ہوتا

خیر ہے حضرتِ ناصح تمھیں کیا سوجھی ہے
دشمنِ جاں جو وہ ہوتا مری جاں کیوں ہوتا

گر دعا میں مری تاثیر ذرا بھی ہوتی
آپ ہوتے ملک الموت یہاں کیوں ہوتا

شعر کہنا جو نہ ہوتا مری قسمت میں لکھا
گلشنِ دہر میں وہ غنچہ دہاں کیوں ہوتا

جلوۂ طور چھپانا جو نہ ہوتا منظور
نسلِ آدم میں تو اے جانِ جہاں کیوں ہوتا

اس تغافل سے ترے ضبط کی طاقت نہ رہی
ورنہ آنکھوں سے مری خون رواں کیوں ہوتا

ناصحو یہ تو بتاؤ کہ نہ ہوتا جو لگاؤ
وہ ستم گار مرے دل میں نہاں کیوں ہوتا

مائلؔ، آغازِ جوانی ہی میں دنیا سے اُٹھا
تھی طبیعت ہی بلا کی وہ جواں کیوں ہوتا



سُن لے گا کبھی تیری بھی فریاد کیے جا
اللہ کو ہر حال میں تو یاد کیے جا

ہونے کو سحر آئی ہے فریاد کیے جا
دو چار گھڑی اور اسے یاد کیے جا

تو کام ترا اپنا دلِ ناشاد کیے جا
تاثیر بھی ہو جائے گی فریاد کیے جا

لیلیٰ بھی ہے کیا شوخ کہ دل کو تو اڑایا
اور قیس سے کہتی ہے سبق یاد کیے جا

منظور ہے گر رونقِ میخانۂ عالم
رندانِ قدح خوار کی امداد کیے جا

مر جائے کہ مٹ جائے کوئی تیری بلا سے
تو اپنی خود آرائی میں ایجاد کیے جا

محرومیِ تقدیر کو جو روتے ہیں رو دیں
میرے دلِ ناشاد کو تو شاد کیے جا

اے غمزۂ خوں ریز کرم کر دلِ عاشق
اک چیز ہے دنیا میں نہ برباد کیے جا

اک نالے میں اس تنگ قفس سے ہے رہائی
جتنا کہ ستم ہو سکے صیاد کیے جا

منظور ہے گر رونقِ بازارِ محبت
تو گنجِ شہیداں کو نہ آباد کیے جا

ہمت سے ذرا کام لے اے پیرِ مغاں تو
مضبوط نہ میخانے کی بنیاد کیے جا

یہ کون کہے اُس سے کہ اے فتنۂ دوراں
اس خانۂ ہستی کو نہ برباد کیے جا

عاشق ہیں تو ہچکی کی بھی طاقت نہیں اور وہ — اس بات پہ مرتے ہیں ہمیں یاد کیے جا
محرومیِ تقدیر کا رونا تو پڑے گا — ہمت کا مگر کام تو فریاد کیے جا
اے دل وہ کہاں ولولۂ جوشِ جوانی — گزری ہوئی باتوں کو نہ تو یاد کیے جا
عاشق تو ازل ہی سے گرفتارِ بلا ہیں — تو ہم سے اسیروں کو نہ آزاد کیے جا
ٹلنے کے نہیں ہم رہِ تسلیم و رضا سے — جو کچھ تجھے کرنی ہو وہ بیداد کیے جا

مائلؔ نہ غرض دیں سے نہ کچھ کفر سے رکھ تو
جس کام کی ہاں پڑ گئی افتاد کیے جا



وہ جوش، نہ وہ ولولہ، دل ہے ہمارا — جو کچھ بھی ہے اب دعویِ باطل ہے ہمارا
اپنا تو بھروسا ہے ترے لطف و کرم پہ — ہر چند سفینہ لبِ ساحل ہے ہمارا
آتا ہے جو شمشیر بکف وہ بُتِ کافر — تیور تو یہ کہتے ہیں کہ قاتل ہے ہمارا
تم عہد سے پھر جاؤ کہ پھر جائے زمانہ — پھرنے کا نہیں تم سے اگر دل ہے ہمارا
یارب یہ زمانہ ہے کہ آئینہ ہے گویا — ہر عکس ہمارا ہی، مقابل ہے ہمارا
انداز اگر ہیں گلِ رعنا میں تمہارے — یہ نکڑہ دل سوزِ عنا دل ہے ہمارا
بتخانے کے جلووں سے بھی ہے سرگریباں — اللہ یہ دل کیا اسی قابل ہے ہمارا
دفتر کو گنا ہوں کے، مئے ناب سے دھولے — وہ پیرِ مغاں مرشدِ کامل ہے ہمارا
اے دستِ کرم تو ہی نکالے تو نکالے — غرقاب سفینہ لبِ ساحل ہے ہمارا
وحشت میں نہ کیوں نکہ ہو شگفتہ دلِ مجنوں — لیلیٰ نے کہا ہنس کے یہ محمل ہے ہمارا
سنتے تھے بڑی دھوم تری شورِ قیامت — تجھ سے تو سوا شورِ سلاسل ہے ہمارا
کیا خاک ہماری ہو خبر اہلِ چمن کو — گلشن سے قفس بھی کئی منزل ہے ہمارا
ابرو کے اشارے نے وہ اعجاز دکھایا — بُت بھی اُسے کہہ اٹھے کہ قاتل ہے ہمارا
کچھ تم ہو سمجھتے اسے کچھ ہم ہیں سمجھتے — اعزاز یہ جو کچھ سرِ محفل ہے ہمارا
کشتی ہے جو طوفان میں یہ ہوش ہیں بگڑے — ہر موج کو کہتا ہوں کہ ساحل ہے ہمارا

اللہ رکھے شرم کہا پیرِ مغاں نے ہشیار تو واعظ کا ہے غافل ہے ہمارا
کیا کیا نہ ہوا رشک شہیدانِ وفا کو اُس نے جو کہا مجھ کو یہ بسمل ہے ہمارا
درباں سے لگے کہنے جو آتے مجھے دیکھا اس کو نہ جھڑکنا کہ یہ سائل ہے ہمارا
یہ شامِ جدائی ہے کہ آفت ہے بلا ہے اس رات میں جینا بڑی مشکل ہے ہمارا

کعبے میں کہ بت خانے میں جس گھر میں گیا ہوں
آئی ہے صدا کان میں سائل ہے ہمارا



سب کو تسلیم خدائی کا ہے دعویٰ تیرا کون ہے وہ کہ نہیں جس کو بھروسا تیرا
یہ کرم خاک کے پتلے پہ خدایا تیرا کہ رہے ہوش میں بھی محوِ تماشا تیرا
یہ جو ہیں رندِ خرابات انھیں میں شاید کوئی مل جائے تو مل جائے شناسا تیرا
دل میں جب شعلہ اٹھا آنکھ سے آنسو ٹپکا آتشِ عشق میں پوشیدہ ہے دریا تیرا
خارِ صحرائے جنوں اُس کے قدم لیں کیونکر قیس وارفتۂ لیلیٰ مجھے سودا تیرا
ہوش میں اس لیے رہتا ہوں تصور میں ترے کبھی ہو جائے نہ اپنے ہی پہ دھوکا تیرا
اشکِ خوں آنکھ سے اس کے ہی ٹپکتے دیکھا جس کے دل میں کہ جما رنگِ تمنا تیرا
سچ کہا ہے کہ جنوں میں نہیں رہتی ہے تمیز اس خرابات میں لایا مجھے سودا تیرا
ہوش کچھ ایسے اُڑے ہیں کہ نہیں کہہ سکتا آپ اپنا ہوں کہ ہوں محوِ تماشا تیرا
کون مر جائے نہ اس عجز پسندی پہ تری ہر دلِ خاک نشیں عرشِ معلی تیرا
خاکساروں کی نہ رہے کیوں نہ نظر ہو عالی اُن کی آنکھوں میں ہے پھرتا قدِ بالا تیرا
مرحلے لاکھ پڑیں دیر و حرم سے رہ میں نذر کا ہے نہ رُکے گا کبھی شیدا تیرا
نا زیبا تک کر رہا اپنے جنوں پر دل کو نہ ملا پیرہ نہ ملا گوشۂ صحرا تیرا
زیب دیتا ہے اگر داغ، تو الفت کا تری دل پہ کھلتا ہے اگر زخم تو اچھا تیرا
اُس سے پوچھو کہ قیامت میں ہیں کیا کیا نقصاں جس نے ہر رنگ میں دیکھا قدِ بالا تیرا
گو کہ قطرہ ہوں مگر تیرے کرم سے ہو امید کر ہی دے گا مجھے شامل کبھی دریا تیرا

یاں تو ہر لحظہ قیامت پہ قیامت ہے بپا
کس قیامت کا ہے یہ وعدۂ فردا تیرا

زندگانی کا انھیں پھر تو مزا ہی نہ رہے
دل سے عشاق کے مٹ جائے جو کھٹکا تیرا

نہ مکاں تیرے لیے ہے نہ کہیں تو ہے مکیں
نہ حرم میں تجھے پایا نہ کلیسا تیرا

ایک بیمارِ محبت ہیں مسیحا تیرے
اک کرشمہ سا ہے اعجازِ مسیحا تیرا

قرض مے لیکے پشیماں ہوں کہ اے بادہ فروش
ملک الموت سے بڑھ کر ہے تقاضا تیرا

دل اُڑانے کے اُسے یاد ہیں لاکھوں انداز
شکلِ یوسف میں گیا کام زلیخا تیرا

اہلِ میخانہ سے مائلؔ ہمیں امید نہ تھی
رہن اک جام میں رکھ لینگے مصلا تیرا



دل بتوں سے اُچٹ گیا میرا
اب مقدر پلٹ گیا میرا

دل بھی بک بک میں بٹ گیا میرا
دن بھی ناصح سے کٹ گیا میرا

خط کا مضمون تھا کہ تھا جادو
سنتے ہی دل الٹ گیا میرا

ناامیدی نے جب بڑھایا ہاتھ
دامنِ دل سمٹ گیا میرا

کیوں پشیماں ہے آپ کا خنجر
خود بخود سر تو کٹ گیا میرا

اپنے دامن کی تو ادا سے پوچھ
کیوں گریبان پھٹ گیا میرا

یہ زمانہ بھی کاٹ ہی دوں گا
وہ زمانہ بھی کٹ گیا میرا

سنتے ہی سامنے بُلاتے ہیں
خون سیروں ہی گھٹ گیا میرا

رمضاں میں ثواب کی صورت
اک خُمِ بادہ بٹ گیا میرا

خس و خاشاکِ غم کہاں پھونکوں
خانۂ دل تو اٹ گیا میرا

رنگِ دنیا بدل گیا ایسا
دل زمانے سے پھٹ گیا میرا

آپ اب آئے بتکدے میں شیخ
نورِ ایماں تو بٹ گیا میرا

خبر آئی ہے معتبر اے یاس
نامہ جاتے ہی پھٹ گیا میرا

گریہ عالم کو مل گیا میرا
صبر دنیا میں بٹ گیا میرا

مر کے دشمن نے یہ غضب ڈھایا
ایک ارمان گھٹ گیا میرا

باغِ شدّاد کیا گیا مائل
ایک میخانہ لُٹ گیا میرا

○

یہ دیکھو شوقِ شہادت کا جوش تو میرا [1]
کہ عمر بھر تہِ خنجر رہا گلو میرا

کہو گے جب بھی کہ نفرت ہے تیری صورت سے
تمہارا نقشہ جو ہو جائے ہو بہو میرا

مجھے یہ ڈر ہے کہ محشر میں اپنی شوخی سے
مقابلہ نہ کرا دے خدا سے تو میرا

جو آئی بوئے وفا وقتِ قتل حوروں نے
زمین پر نہیں گرنے دیا لہو میرا

تڑپ یہی ہے اگر، دل، جگر سے کہتا ہے
ترا یہ بخیہ رہے گا نہ یہ رفو میرا

فریفتہ مجھے گل سا سمجھ گئی بلبل
اڑا جو رنگ چمن میں بشکلِ بو میرا

نہ تیری بات کو ناصح سنوں نہ واعظ کی
نہ تو ہی دوست ہے میرا نہ وہ عدو میرا

تجھے تو گریۂ بے اختیار جب جانوں
گنہ معاف کرا دے خدا سے تو میرا

بس اس خیال سے گریہ کو ضبط کرتا ہوں
بہا بہا نہ پھرے خونِ آرزو میرا

وہ حسن کے ستم کو جو روجفا یہ کہتے ہیں
گلہ کرے گا یقیں ہے خدا سے تو میرا

خدا کے ہاتھ ہے مقتل میں بات دونوں کی
ترا ہے خنجرِ خوں ریز اور گلو میرا

پڑھی نماز وہاں میں نے حوضِ کوثر پر
یہاں شراب سے ہوتا رہا وضو میرا

تری نگاہ کی شوخی یہ کہتی ہے ظالم
کسی زمانے میں قاتل بنے گا تو میرا

شراب خانے میں واعظ کرم ہیں کب کرتے
کہاں سے لائیں وہ اندازِ گفتگو میرا

کہی جو بات پلٹ کر تو مسکرا کے کہا
اڑا لیا مگر اندازِ گفتگو میرا

بڑھا یہ حوصلہ آخر کہ بزمِ رنداں میں
مقابلہ کیا واعظ نے دو بدو میرا

تمام عالمِ حیرت میں رہ گئے عشاق
کہا جو اس نے کہ مائل ہے ایک تو میرا

---

[1] یہ جوشِ شوقِ شہادت تو دیکھ تو میرا

کسے ہو تیرے سوا پاسِ آبرو میرا
ترا ہوں بندۂ مسکیں خدا ہے تو میرا

کسی کے ابروئے خمدار کا کرشمہ ہے
وگرنہ تیغ کہاں اور کہاں گلو میرا

شرابخانے میں جنت کی کیوں نہ ہو خوشبو
رکھا ہے ساغرِ صہبائے مشکبو میرا

خدا کے واسطے لے مرگ پھیر آنکھوں سے
ٹپک رہا ہے ابھی خونِ آرزو میرا

ہزار شکر کہ مجمع میں اہلِ محشر کے
خدا نے رکھ ہی لیا پاسِ آبرو میرا

وہ رند ہوں کہ رکھا ہے سبیلِ کوثر پہ
شرابخانے کا بہتا ہوا سبو میرا

خدا نے بحرِ کرم میں ڈبو دیا مجھکو
نمازِ شیخ سے بڑھ کر رہا وضو میرا

تمام مفتی و واعظ کرم ہیں فرماتے
شرابخانہ ہے مشہور قبلہ رو میرا

وہی تو میں ہوں جو مسجود تھا ملائک کا
وہی تو میں ہوں کہ ہے آسماں عدو میرا

فراق سے مری صورت بدل گئی ایسی
کہ ذکر کرتے ہیں میرے ہی روبرو میرا

تلاشِ یار میں ہمت بھی آ ہی جاتی ہے
کہ عرش پر بھی نہ ٹکا پائے جستجو میرا

دعا کا طور ہے اے شیخ جس طرح تیرا
یہی کسی سے ہے اندازِ گفتگو میرا

تری وہ شان کہ بُت کیا تمام بتخانہ
زباں ہو تو یہ کہے "خدا ہے تو میرا"

وسیلہ رحمتِ حق کا ہے لے بھی جا واعظ
شرابخانے کا ٹوٹا ہوا سبو میرا

کہوں یہ جاکے زلیخا سے اب کرو الفت
یہ خوبرو ہے تمہارا یہ خوبرو میرا

ملا نہیں تمہیں منصور! ظرف مائل سا
وہ بیخودی میں ہے کہتا خدا ہے تو میرا



نہ کہیں دم ہی لیا اور نہ کہیں دل ٹھہرا
جب قدم اس نے اٹھایا سرِ منزل ٹھہرا

قیس دل میں بھی نہ اپنے سرِ منزل ٹھہرا
کبھی محمل تو کبھی پردۂ محمل ٹھہرا

ایسی تقریر تو قاصد کی نہیں پُرتاثیر
یہ بھی اک شان ہے اسکی کہ مرا دل ٹھہرا

کیا کہوں شوقِ شہادت کی ہوئی کیا حالت
چلتے چلتے جو ذرا خنجرِ قاتل ٹھہرا

یہ سمجھ لے کہ قیامت کی ہٹا ہیں یہ ہی
میرے نالوں کو نہ تو شورِ عنادل ٹھہرا

ہو گئی ہے مری تدبیر سے تقدیر کو لاگ
اب تو جینا مجھے مرنے سے بھی مشکل ٹھہرا

کہیں ایسا نہ ہو، ہو جائے قیامت برپا
نہ اشاروں سے کسی کو سرِ محفل ٹھہرا

کہیں بیت خانہ بنا اور کہیں بیت اللہ
میرے پہلو میں رہا اور نہ مرا دل ٹھہرا

وہ نہ آئے نہ سہی اُن کا تصور تو رہا
دلِ ناکام تو اپنا کسی قابل ٹھہرا

بحرِ مواجِ محبت کا تلاطم دیکھو
کہ سفینہ نہ کسی کا لبِ ساحل ٹھہرا

عکسِ رخسار سے تیرے یہ مقدر چمکا
آئینہ بختِ سکندر کا مقابل ٹھہرا

اب کھلا یہ کہ کدورت تھی محبت آمیز
چلتے چلتے جو مری گرد یہ قاتل ٹھہرا

عالمِ عشق کا ہر کام ہے دُنیا سے نیا
اس میں ہشیار رہا جو وہی غافل ٹھہرا

قبر میں بھی تو فرشتوں نے بہت تسکیں دی
حشر تک یہ نہ ہمارا دلِ بسمل ٹھہرا

بات بن جائے گی پھر تو ترے دیوانوں کی
شورِ محشر بھی اگر شورِ سلاسل ٹھہرا

حسرتِ بادہ کشاں نکلے تو کیونکر نکلے
ایک ہی رات کا مہماں مہِ کامل ٹھہرا

دام دینے کو نہیں پیرِ مغاں سے نہ بگاڑ
قیمتِ بادہ نہ اس قحط میں مائل ٹھہرا



نظر پڑا ہے کوئی بے حجاب اپنا سا
کہ مانتے ہیں مرا اضطراب اپنا سا

نہ مانیں آپ تو اس کا جواب ہی کیا ہے
وگرنہ دے تو چکے ہیں جواب اپنا سا

دکھاؤں آئینے میں اُنکی چشمِ مست انھیں
کہ ڈھونڈتے ہیں وہ پی کر شراب اپنا سا

نہ جام مے ہے نہ ساقی نہ سبزۂ لبِ جُو
ملے کسی کو نہ یارب شباب اپنا سا

بس اتنے کام کو محشر میں ہم بھی جائیں گے
کہ دیکھ لیں کوئی روزِ حساب اپنا سا

یہ پردہ داغِ جگر سے اُٹھا دیا کس نے
کہ لے کے رہ گیا مُنہ آفتاب اپنا سا

غضب کے ڈھب ہیں تمھیں یاد میرزا مائل
بنا لیا ہے اُسے بے حجاب اپنا سا



محتسب تجھ کو کیا تو کیا کیا مستانہ سا　　آسماں کو گرد کھائیں بادہ کش پیمانہ سا
کیوں نہ ہو مائل ترا دیواں جلوۂ جانانہ سا　　ہر غزل میں اُس کی ہے اندازِ معشوقانہ سا
کیا نہیں ہم جلوہ زارِ کفر دایماں، کیا نہیں　　کیا نہیں ہے دل ہمارا کعبہ و بُت خانہ سا
آگ لگ اُٹھتی کسی کی محفلِ عشاق میں　　شمع تجھ میں سوزِ دل ہوتا اگر پروانہ سا
ہمسری کیا کر سکو گے رندِ دریا نوش کی　　شیخ صاحب ظرف پایا آپ نے پیمانہ سا
تھے اُسی میں کیا فروکش حضرتِ پیرِ مغاں　　متصل کعبہ کے تھا جو اک مکاں میخانہ سا
کعبہ ہو میری نظر میں کیوں نہ عبرت کا مقام　　یاد پڑتا ہے کہ یہ گھر تھا کبھی بت خانہ سا
اب گلہ یہ ہے کہ تو نے مجھ کو رُسوا کر دیا　　میں گلی کوچوں میں جب پھرنے لگا دیوانہ سا
یہ نصیبہ دیکھ کر تقدیرِ کعبہ رو پڑی　　جب دلِ عاشق بنایا کوچۂ جانانہ سا
مژدہ باد اہلِ بصیرت کعبۂ دل ہیں مرے　　کوئی بیٹھا تو نظر آتا ہے صاحب خانہ سا
کام میرا تھا بہارِ روئے جاناں دیکھ کر　　اپنے قابو میں رکھا برسوں دلِ دیوانہ سا
وحشتِ دل نے نہ چھوڑا ساتھ بعدِ مرگ بھی　　میری آنکھوں میں رہا باغِ جناں ویرانہ سا
خاک میں ملتے ہی اس کے یہ تو عقدہ کھل گیا　　گھر خدا کا بھی نہیں ہے کوچۂ جانانہ سا
توبہ توڑی یا نہ توڑی یہ تو دیکھا دُور سے　　شیخ نے جو ظرف توڑا تھا وہ تھا پیمانہ سا

جی میں آتا ہے کہ مائل زہد و تقویٰ چھوڑ کر
اک درِ توبہ بنا لیں ہم درِ میخانہ سا

○

فلکِ پیر ہے کیا عرشِ معلیٰ کیسا　　کھنچ گیا نالہ تو پھر پاس کسی کا کیسا
ہمتِ پیرِ مغاں خوب سنبھالا مجھ کو　　ورنہ واعظ نے دیا تھا مجھے دھوکا کیسا
بے قراری کو جو عاشق کی تماشا سمجھے　　ایسے بے مہر سے اظہارِ تمنا کیسا
سہل سمجھے ہو کہیں ضبطِ فغاں کا کرنا　　دل میں دیکھو تو مرے حشر ہے برپا کیسا
جس کے کوچے کی ہوا سے ہوئے مُردے زندہ　　ہے خدا جانے کہ وہ رشکِ مسیحا کیسا
اپنی صورت مری آنکھوں میں جو پھرتی دیکھی　　آپ اپنا وہ ہوا محوِ تماشا کیسا

عرش تک رازِ محبت کو کرے آ کے افشا
میرے نالوں نے کیا ہے مجھے رُسوا کیسا

نقشِ کثرت سے نمودار ہے رنگِ وحدت
آ کے دُنیا میں یہ دیکھا ہے تماشا کیسا

مثلِ گل چاک گریباں جو رہا کرتا ہوں
عشق کا یہ بھی اِک انداز ہے سودا کیسا

دی ہوئی جیسے انھیں کی ہے ستم تو دیکھو
دے کے دل جان کا کرتے ہیں تقاضا کیسا

قطرے قطرے میں مرے دیدۂ تر کے پنہاں
سینکڑوں نوح کے طوفان ہیں دریا کیسا

زور چلتا نہیں اب اپنے ہی دل پر اپنا
تھا کبھی دل پہ کسی کے ہمیں دعوی کیسا

راہ میخانے کی لیتے ہیں سحر سے پہلے
پڑ گیا حضرتِ واعظ کو یہ چسکا کیسا

اُس کو تو دیر و حرم میں تجھے دکھلانے نیرنگ
پڑ گیا شیخ و برہمن میں یہ جھگڑا کیسا

زندگی کا شبِ ہجراں میں بھروسا کیا ہے
آج آنا ہے تو آ وعدۂ فردا کیسا

خادمِ پیرِ خرابات ہوں مائل مجھ کو
غمِ عقبیٰ نہ رہا، پھر غمِ دُنیا کیسا



چلا آتا ہے گھبرایا ہوا کوئی یہاں کیسا
خدا جانے کہاں پہنچا ہے نالہ لامکاں کیسا

جہاں ہوتا ہے وہ سفاک داغِ خونِ عاشق ہے
بچائے رہتی ہے دامن کو مرگِ ناگہاں کیسا

دیا کرتا ہے جھوٹی ہم کو خبریں وصلِ دشمن کی
بنا ہے دشمنِ جانی ہمارا رازداں کیسا

وہ میری بیقراری دیکھ کر تو مجھ سے کہتے ہیں
اثر دکھتا ہے سچ کہنا مرا سوزِ نہاں کیسا

خوشی کیا ہو قفس سے اب رہائی کی کہ بجلی نے
نہ چھوڑا ایک تنکا آشیاں کا آشیاں کیسا

قفس میں آتے ہی ہم آ گئے ہیں اور عالم میں
مٹا ڈالا دل سے یادِ گل خیالِ آشیاں کیسا

عجب بہتا وہیں حُسن و محبت کے گذرتا ہے
ہوائے مصر سے بچ کر غبارِ کارواں کیسا

ہمیں تم نے، تمھیں ہم نے سمجھ رکھا ہے جیسے ہیں
ہماری آزمائش کیا، تمھارا امتحاں کیسا

یہاں ہیں غرقِ صہبا ہیں وہاں دریائے رحمت میں
خدا کو کر لیا ہے میکشوں نے مہرباں کیسا

اگر لے نام توبہ کا تو سو درّے لگاتا ہے
ملا ہے شیخ کو تقدیر سے پیرِ مغاں کیسا

مسیحا کہہ اٹھیں سُن سُن کے باتیں میرے دلبر کی
کہ ہے اس حُسن و زیبائی پہ یہ معجز بیاں کیسا

یہ مانا کم نہیں دل بستگی میں سیرِ جنّت کی
مجھے پر یاد آتا ہے تماشائے جہاں کیسا

بُرا ہو اس محبت کا ملایا خاک میں اس نے
نہ جھکتا سر کہیں بھی یہ تمہارا آستاں کیسا

فرشتے کیوں نہ ہوں جاروب کش مائلؔ کی تربت پر
کہ تھا وہ خادمِ میخانہ و پیرِ مغاں کیسا



آیا نہ آج تک ڈھب اظہارِ مدعا کا
اور اس پہ سہل سمجھے ہم مانگنا دُعا کا

لائے نہ ہم زباں پر اک حرف مدعا کا
نکلا نہ منہ سے شکوہ احسان ہے خدا کا

رفتار میں ہے جادو گفتار سے بھی بڑھ کر
دل کھینچتا ہے ظالم اندازِ نقشِ پا کا

آنا ہوا یک دم کو جی ہی جلا کے جانا
تم نے اُڑا لیا ہے ڈھب نالۂ رسا کا

نکلی نہیں لبوں سے اور مدعا بر آیا
ممنون ہوں اثر کا مرہون ہوں دُعا کا

جب جستجو میں تیری عرشِ بریں پہ پہنچا
ملتا ہوا سا دیکھا اندازِ نقشِ پا کا

اُلجھاؤ میرے دل کے ڈالے ہیں آسماں نے
مشکل ہے اب نکلنا تِی کاکلِ دوتا کا

میں جانتا ہوں جو کچھ اُس نے لکھا ہے خط میں
آیا نہیں ہے قاصد، پیغام ہے قضا کا

جب تک کہ دم میں دم ہے جب تک کہ تن پہ سر ہے
زیبا نہیں ہے مجھ کو لوں نام بھی دغا کا

ہم بھی تو دل نہ رکھتے، بچتے تو کیسے بچتے
انداز تھا ستم کا اور ناز تھا بلا کا

ہر ناز میں ہے شوخی ہر بات میں شرارت
بسمل ہو کیوں نہ عالم تیری ادا ادا کا

دی ہے جو چشمِ حق بیں تو دیکھ ہر بشر کو
بندے میں ہے جھلکتا کچھ رنگ تو خدا کا

وہ بدگماں ہے اے دل سمجھے مگر نہ اپنا
شکوہ کبھی نہ کیجو، تو بختِ نارسا کا

نکلا نہ ایک دو ہی لاکھوں ہی ڈھب نکالے
تقدیر میں پڑا ہے بل کاکلِ دوتا کا

گھبرا کے تم کو لایا کیا جانے یہ کہاں سے
آتا اثر تو دیکھا اِس نالۂ رسا کا

جینا تو تجھ پہ مر کر، مرنا تو تجھ پہ مٹ کر
یہ کام ہے ہمارا یہ ڈھنگ ہے وفا کا

اُس کے لبوں کا میں نے مذکور دیں پہ چھیڑا
بگڑا جو نام سن کر وہ چشمۂ بقا کا

نکلے نہ بت کدے سے مر کر بھی ہم تو مائلؔ
احسان ہے خدا کا احسان ہے خدا کا

○

ذرّہ جو کام دینے لگا آفتاب کا　　کیا بند کھُل گیا ہے کسی کی نقاب کا

پیدا نفس نفس سے ہے رنگ انقلاب کا　　ہستی کو غور کیجیے تو عالم ہے خواب کا

واعظ پیے ہوئے ہیں خدا کے لیے نہ چھیڑ　　دھڑکا مٹا ہوا ہے ثواب و عذاب کا

پوچھے جو نامہ بر وہ تغافل شعار حال　　کہنا کہ منتظر ہے تمہارے جواب کا

تاثیر کس کی شوخیِ رفتار کر گئی　　پیدا ہے ذرّے ذرّے سے رنگ اضطراب کا

واعظ ہو کیسے رحمتِ حق کا وہاں نزول　　جس گھر میں ایک بھی نہ ہو ساغر شراب کا

وعدے کی رات یونہی گئی ابر اب تو کھُل　　کیا ڈھنگ اُڑا لیا مری چشمِ پُر آب کا

پی جاؤ خم ہی منہ سے لگا کر نہ ایک بار　　واعظ جو خوف ہے تمہیں روزِ حساب کا

کیا کیا بگڑ رہے ہیں وہ بُت بیچ بزم میں　　آشوب روزگار ہے عالم عتاب کا

اب کی غضب کی آمدِ فصلِ بہار ہے　　بدلا ہوا ہے رنگ جہانِ خراب کا

پھر جا ملا ہے دل کو دہی تاک جھانک ہو　　پھر ڈھونڈتا ہوں لطف سوال و جواب کا

زاہد کو بادہ خواری کا چسکا لگا دیا　　یہ کام عمر بھر میں ہوا ہے ثواب کا

مجھ سا وفا شعار، نہ تم سا ستم شعار　　ہے خوب آسمان کو ڈھنگ انتخاب کا

معشوق مستِ حُسن ہے عاشق کو بیخودی　　لے لطف کون طَور سوال و جواب کا

شوخی تو یہ ہے بزم میں بیٹھے ہیں اس طرح　　گویا کھنچا ہوا ہے مرقّع حجاب کا

دل پر بنی کبھی تو کبھی جان پر بنی　　آفت ہے زندگی میں زمانہ شباب کا

پھولی نہ بوئے سوز کبھی اے شیخ بزم میں　　اچھا ہے انتظام شراب و کباب کا

واعظ کا کیوں نہ حجرہ مبارک مقام ہو　　ہوتا ہے ذکرِ خیر شراب و کباب کا

کیا جانے کس کی راہ میں مائلؔ نے جان دی
ہے نقشِ قبر میں قدم بو تراب کا

○

یقیں اب بھی تجھے کافر نہیں میری محبت کا
مُرقّع بن گیا ہوں یاس کا ارماں کا حسرت کا

دو عالم میں نظر آیا نہ سایہ اس کے قامت کا
خدا جانے کہ ٹھہرہ کس بنا پر ہے قیامت کا

ہوا زاہد کو کیسا رشک مے خواروں کی قسمت پر
ملائک نے جو پہنایا کفن دامانِ رحمت کا

بگولا دشت میں اٹھا تو ہم تعظیم کو اٹھے
نہ چھوڑا ہم نے وحشت میں بھی شیوہ آدمیت کا

دُعا پیرِ مُغاں نے دی جو دیکھا غرقِ مے مجھکو
"رہے سر پر ترے سایہ ہمیشہ ابرِ رحمت کا"

خدا حافظ ہے قاصد کا الٰہی دیکھیے کیا ہو
مرے نامے کا اک اک حرف ہے دفتر شکایت کا

کسی کو جب سفر کرتے ہوئے سنتا ہوں دُنیا سے
مری آنکھوں میں پھر جاتا ہے عالم شامِ غربت کا

ہوا شوقِ بیاباں وہ کہ چھوڑا کوئے لیلیٰ کو
سُنا تھا کچھ دنوں مجنوں نے شُہرہ میری وحشت کا

سخن پہ پیرزن کے کوہکن اور جان دے دیتا
یہ سب کہنے کی باتیں ہیں تقاضا تھا محبت کا

رہِ دیر و حرم سے بچ کے کوسوں دُور چلتا ہوں
چھڑایا خوب جھگڑے سے بھلا ہو اس محبت کا

یہ کیونکر ہو کہ دل پہلو میں تڑپے اور نہ تڑپوں میں
شریک اپنا سمجھتا ہوں اُسے میں رنج و راحت کا

دِکھا دینا تو ہے آسان سینہ چیر کر اپنا
بیاں کرنا بہت دُشوار ہے دل کی حقیقت کا

کھلا محشر میں پردہ کشتۂ رفتار کا اُس کے
قدم لینے لگا اُٹھ کر ہر اک فتنہ قیامت کا

بلا سے کچھ بھی ہو ذکرِ عدو پر چھیڑ کر دیکھوں
بگڑنا وہ بناوٹ کا برسنا وہ ندامت کا

وہ شمعِ بزمِ دشمن ہو جلے یہ قبر پہ میری
عذابِ آب و آتش ہے یہ رونا شمعِ تُربت کا

بنا کر اس لیے تو نے فلک مجھ کو بگاڑا ہے
کہ بن جاؤں ہدف تیرِ نگاہِ چشمِ عبرت کا

وہی خط ہے یہ میرا جس کو سو سو بار پڑھتے تھے
اِسی کو آپ فرماتے ہیں دفتر ہے شکایت کا

ہنسی آئے نہ کیونکر سادگی پر اہلِ دنیا کی
کیا کرتے ہیں اس غمخانہ میں سامان عشرت کا

جسے ہم نے دیا ہے دل وہ ہم سے بچ کے چلتا ہے
زمانہ ہی نہیں ہے اب محبت اور مروّت کا

نہ کیونکر میں اس اپنی آہِ بے تاثیر کو مانوں
سکھایا دل سے مضطر کو اُٹھانا دردِ فرقت کا

نہ عاشق ہیں وفا پیشہ نہ بت کافر ادا کوئی
خدا کے واسطے سائل نہ چھیڑو ذکر اُلفت کا

اللہ رے مرتبہ درِ باغِ بہشت کا / شجرہ لکھا ہوا ہے بزرگانِ چشت کا

مے خانہ کیا مقام ہے اہلِ بہشت کا / کعبے کا تذکرہ ہے نہ یاں ہے کنشت کا

واعظ کو میکدے پہ ہے دھوکا بہشت کا / چلنے دو، دَور بادۂ عنبر سرشت کا

کیونکر خیال آئے وہاں توبہ و زشت کا / ملتا نہیں حرم میں تو پتھر کنشت کا

کعبہ میں کام آئے جو دستِ خلیلؑ سے / ایسا کہاں نصیب ہے ہر سنگ و خشت کا

جلنے میں بھی جو لَو ہے اسی کی لگی ہوئی / جلوہ ہے دُور دُور چراغِ کنشت کا

کہتا ہے صاف آتشِ ہجراں سے پھنک گیا / کعبے میں ہے سیاہ جو پتھر بہشت کا

حسرت سے روئی شمعِ حرم اپنے حال پر / سُنتے ہی ذکر سوزِ چراغِ کنشت کا

بنیادِ میکدہ میں ہوئے صرف اس قدر / سونے سے بڑھ کے نرخ ہوا سنگ و خشت کا

خط پڑھ کے کیا کروں کہ لفافہ پہ ہے لکھا / مضمون سربسر ہے تری سرنوشت کا

یارانِ زندہ دل ہوں جو دو چار ساتھ میں / ہر باغ پھر جواب ہے، باغِ بہشت کا

چارہ جو دردِ عشق کا میرے نہ کر سکا / کعبہ بتا گیا مجھے رستہ کنشت کا

کھانے سے اِس کے بڑھتی ہے قوت گناہ کی / گندم غضب کا میوہ ہے باغِ بہشت کا

بیت الحرم کے واسطے سوغات کچھ تو ہو / لے آئے شیخ اُڑا کے جو پردہ کنشت کا

اے شیخ میکدے کی کرامت تو دیکھو، تو / توبہ کو مل گیا مری رستہ بہشت کا

پہنچا جو دردِ عشق سے بیتاب و بے قرار / ہر لغزے اُٹھا مجھے اہلِ کنشت کا

بیٹھتے ہی دل کے اُس بُتِ کافر نے جو کہا / پہلا ہی حرف ہے وہ مری سرنوشت کا

اب دیکھیے کہ جانِ زلیخا پہ کیا بنے / دامن ہے پاک یوسفِ عصمت سرشت کا

اِن واعظوں کی عقل پہ پتھر پڑے ہیں کیا / گھر کو خدا کے جانتے ہیں سنگ و خشت کا

دیکھا تو وہ ہی کعبہ کی صورت نظر پڑی / اُٹھتے ہی درمیان سے پردہ کنشت کا

اُٹھ اُٹھ کے پچھلی رات کو کرنے لگا دعا / سودا ہوا ہے شیخ کو کیا بہشت کا

واعظ خدا سے دلقِ ریائی کی خیر مانگ / شعلہ بھڑک اُٹھا ہے چراغِ کنشت کا

بے مہریِ زمانہ سے یہ حال ہے کہ برق / مجھ سے ہی پوچھتی ہے پتہ مری کنشت کا

اے شیخ تیرے خرمنِ ہستی کو پھونک دے
اک پھول آ پڑے جو چراغِ کنشت کا

بخشا گیا رقیب تو دم بھر بھی رشک ہے
صدمہ سہا نہ جائے گا مجھ سے بہشت کا

لیتے ہیں ہم تو اُس کی بلائیں بھی دُور سے
ہم کو کہاں نصیب مزا ہشت ہشت کا

اے نقش بندِ کون و مکاں کر نگاہِ لطف
میں بھی تو ہوں غلامِ بزرگانِ چشت کا

دو چار کائنات میں واعظ کے ہیں مُرید
مائل تو سرگروہ ہے اہلِ کنشت کا



ساکنانِ عرش سے پوچھو اثر فریاد کا
حال کیا تم سے کہوں اپنے دلِ ناشاد کا

میرے نالہ سے اُڑا جو رنگ رُخِ صیاد کا
تھا قفس سے شور گلشن تک مبارکباد کا

کیا بھروسا عشق میں آہ دلِ ناشاد کا
ظلم سہنا ہی پڑے گا چرخِ بے بنیاد کا

یار کا اغیار کا اپنے دلِ ناشاد کا
تیز ہے خنجر ہمیں پر ہر ستم ایجاد کا

بے سبب بارانِ رحمت قہرِ واعظ پر نہیں
کوئی پتھر لگ گیا ہے خانے کی بنیاد کا

ہم وہاں ہیں اب کہ آتا ہی نہیں ملنے خیال
بھول جانے کا کسی کے اور کسی کی یاد کا

جانتا ہوں جو بنے گی جا کے بزمِ غیر میں
ساتھ کیونکر چھوڑ دوں اپنے دلِ ناشاد کا

زندگانی کا مزہ آتا ہے ہر ہر زخم پر
ہم سے پوچھو لطف اپنے خنجرِ بیداد کا

قصۂ غم وہ بلا ہے کہنے والا چاہیے
ہم نے پانی ہوتے دیکھا ہے جگر فولاد کا

خاک کا پُتلا بنا اور جا ملا اللہ سے
ہے غضب کیا حوصلہ انسانِ بے بنیاد کا

یاس نے گھیرا ہے یاں تک جوشِ وحشت میں بھی
کام دے خارِ بیاباں تیشۂ فرہاد کا

کوہ و صحرا میں نہ اُڑتا گر مرا مشتِ غبار
نام مٹ جاتا جہاں سے قیس اور فرہاد کا

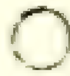
جس نے دیکھا رُخ شیریں بے تامل رو دیا
حشر تک ماتم رہے گا حسرتِ فرہاد کا

کہہ رہا ہوں تیری نیرنگ آفرینی دیکھ کر
ہو نہ ہو تو ہی ہے بانی عالمِ ایجاد کا

دیکھتے ہیں حال اپنا اور ہم مرتے نہیں
دل ہے پتھر کا ہمارا اور جگر فولاد کا

کان رکھ کر جب سے وہ سننے لگا غفلت شعار
سچ تو یوں ہے لطف ہی جاتا رہا فریاد کا

جس کے طالب ہو کے جاؤ وہ ہی ملتا ہے وہاں
کام کیا کعبے میں اے سائلؔ کسی کی یار کا



اللہ رے شوقِ ساقیٔ مہ رو کی دید کا — مشتاق اک زمانہ ہوا ماہِ عید کا

کیوں لا کر خلق ماہِ مبارک کہے اسے — لایا مہِ صیام ہے پیغام عید کا

تھی ایسی بھیڑ بھاڑ جنازے پہ غیر کے — آنکھوں میں پھر گیا مرے ہنگامہ عید کا

یارب وہ فتنہ گر نہ ہو دشمن سے ہم بغل — کٹ جائے ساتھ خیر کے یہ روزِ عید کا

روزے سی پاک چیز کو اس نے کیا حرام — ادنیٰ سا اک کرشمہ ہے یہ روزِ عید کا

مل جاؤ آؤ دل سے کدورت نکال دو — لگ جاؤ تم گلے سے نہ لو نام عید کا

ساقی سے شیخ کہتے ہیں پی شیخِ وقت ہوں — لے کر ملوں گا آج تو انعام عید کا

مے خانہ میں رہے گا یہ ہنگامہ سال بھر — مسجد میں دو گھڑی کا ہے ہنگامہ عید کا

ملتے ہو عاشقوں سے تو بے واسطہ ملو — ہم سے نہ اٹھ سکے گا یہ احسان عید کا

مسجد کی ہے دعا کہ نہ جائے مہِ صیام — مے خانہ منتظر ہے کہ ہو شور عید کا

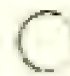
روزے کو رکھو طاق پہ شیشے اتار لو — پہنچا یہ خانقاہوں میں فرمان عید کا

روزے سے تیس دن کے ملی ہے نجات آج — بھولوں گا عمر بھر نہ یہ احسان عید کا

واعظ شراب خانہ ہے اللہ کا گھر نہیں — کر لیجے اک طرف کو یہیں جشن عید کا

ہم نے جو انتخاب کیا جامِ مے تو کیا — اک روز منتخب ہے خدائی میں عید کا

سائلؔ مہِ صیام میں مر کر کھلے نصیب
خلدِ بریں میں جا کے کیا جشن عید کا



پروردگار روز ہے شقی و سعید کا — سنتا ہے نالہ نالہ قریب و بعید کا

ہم روزِ حشر سیر و تماشے میں کاٹ دیں — کھٹکا لگا ہوا نہ ہو بیم و امید کا

ساقی کی چشمِ مست میں ممکن نہیں کہ شیخ — ہم پلہ تو ہو پیرِ مغاں کے مرید کا

سمجھے نہ سمجھے کوئی مگر ہم سمجھ گئے
جو کر گئے ہو فیصلہ یاس و اُمید کا

وہ ہی جو تم نے غیر سے کی چھپ کے بات چیت
چرچا ہے جا بجا اُسی گفت و شنید کا

کہتا ہے اک زمانہ شفق ہے شفق نہیں
نالہ ہے خونچکاں یہ دلِ نااُمید کا

وضعِ قدیم ایک بھی مے خوار میں نہیں
ساغر کا دَور بھی ہے تو طرزِ جدید کا

قاصد کی رُوح بھیجی لفافے میں ڈال کر
مضمون ہے نیا مرے خط کی رسید کا

رکھتی ہے آس اُن سے تغافل شعار سے
اللہ رے حوصلہ مرے دل کی اُمید کا

مائل تمھیں کہو کہ رہوں کیوں نہ بند بند
ملتا نہیں پتہ مرے دل کی کلید کا



کیوں کر چھُپے گا خون تمھارے شہید کا
شاہد ہے حرف حرف کلامِ مجید کا

حد ہے ترے کرم کی نہ بخشش کی انتہا
دامن وسیع تر ہو کہاں تک اُمید کا

جو بے خبر ہے مصحفِ رُخسار سے ترے
کیا کر سکے ادب وہ کلامِ مجید کا

ہم سے گُناہ گار بھی بخشے گئے تمام
نعرہ بلند کیوں نہ ہو ھل من مزید کا

میں اپنے نامہ بر کی پڑھوں فاتحہ کہاں
دیتے نہیں پتہ بھی وہ قبرِ شہید کا

پر وہ پڑا ہے در پہ کسی کے شفق نہیں
یا خوں چکاں کفن ہے کسی کے شہید کا

تھا ترِ کہ خشک اس سے حلف دے کے پوچھ لو
خنجر ہے اک گواہ گلوئے شہید کا

تیغِ ادا کا اور ہے تیغِ جفا کا اور
رُتبہ جدا جدا ہے ہر اک کے شہید کا

دیکھا جو اُن کے مصحفِ رخ کو تو کہتے ہیں
پڑھنا تو سیکھو آؤ کلامِ مجید کا

بحرِ کرم ہے رحمتِ عالم کا جوش پر
اب کیا ہوا امتیاز شقی و سعید کا

کعبہ سے کچھ غرض ہے نہ بتخانہ سے ہے کام
میں رستہ دیکھتا ہوں قریب و بعید کا

پردے تمام اُٹھ گئے جھپکی ذرا جو آنکھ
موسیٰ کو کیوں نہ رشک ہو اس چشم دید کا

کہتے تھے اہلِ راز کہ ہاں لے بُراق ہاں
مشتاق ہو رہا ہے کوئی اپنی دید کا

نامِ نبی سے قلب منور ہے حرف حرف
نامِ خدا ہے تاج کلامِ مجید کا

مائل کو کیا یہ کہتے ہیں تم جانتے نہیں
یہ بھی ہے ایک نام تمھارے شہید کا



سر اُڑایا اُس نے میرا یا مرے اغیار کا ... سب مرے سر پہ ہوا احسان تری تلوار کا

لب تک آنا شرط ہے ہاں آہِ آتش بار کا ... بل نکل جائے گا سارا چرخِ کج رفتار کا

کہہ رہا ہے صاف عالم شوخیٔ گفتار کا ... ہے تصور دل میں میرے محفلِ اغیار کا

ہاتھ اُٹھا اے چارہ گر تو زندگانی سے مری ... وار پورا پڑ گیا تیغِ نگاہِ یار کا

سُرخ ہی رہتی ہے خونِ عاشقاں سے رات دن ... ہے مقدر سا مقدر خاکِ کوئے یار کا

حُسن تیرا جان و دل دیر و حرم کا حُسن ہے ... حُسنِ یوسف مصر میں تھا حُسن اک بازار کا

ہے عجب رسمِ محبت ذبح ہونا اک طرف ... سو طرح کا ناز اٹھایا خنجرِ خوں خوار کا

آتشِ غم سے دلِ عاشق نہیں ہے داغ داغ ... ایک تختہ ہے خلیل اللہ کے گلزار کا

اب جہنم میں بھی ہم جائیں تو ہم کو غم نہیں ... دل میں رکھتے ہیں تصور کوچۂ دلدار کا

تم جو آئے اُس کے کہنے سے عیادت کے لیے ... اک زمانہ بن گیا دشمن مرے غم خوار کا

تم تو کیا جنت میں مجھ کو لے چلو گے واعظو! ... آؤ میں رستہ بتاؤں خانۂ خمار کا

چارہ گر ہو زخم کے بھرنے کی صورت کونسی ... ہے تصورِ دل میں تیغِ ابروئے خمدار کا

یہ ہے جرأت ہم تو اُس کا مُنہ ہی تکتے رہ گئے ... زخم نے لے ہی لیا بوسہ لبِ سوفار کا

جی گئے جنت میں میکش حوضِ کوثر دیکھ کر ... مل گیا تھوڑا سا نقشہ خانۂ خمار کا

کہہ گیا ہے چلتے چلتے کچھ تمھارے کان میں ... مُسکرانا کہہ رہا ہے یہ لبِ سوفار کا

پی رہا ہے بادۂ گلرنگ وہ دشمن کے ساتھ ... یہ برسنا کہہ رہا ہے دیدۂ خونبار کا

زندگی ہے اس کی بُوئے زلفِ عنبر بار پر ... ہے دماغ اللہ اکبر کیا ترے بیمار کا

حاملانِ عرش جو کہتے ہیں مجھ کو دور دور ... پڑ گیا کیا عرش پر سایہ تری دیوار کا

خفتگانِ خاک کا بھی خواب راحت لے اُڑا ... کس بلا کا حشر فتنہ ہے تری رفتار کا

رحمتِ حق کے لیے زاہد وسیلہ چاہیے ... تو کفن میں ٹانک رکھ دامن کسی میخوار کا

ہر نفس میں دیکھتا ہوں دل پہ تازہ زخم ہے　　دم ہے سینے میں مرے گیا خنجرِ خونخوار کا
ہاں دماغ اُس سرزمیں کا آسماں پر کیوں نہ ہو　　روز و شب سایہ پڑے جس پہ تری دیوار کا
سُن کے حرفِ لن ترانی مر ہی جاتا تھا کلیم　　شوق گر دل میں بھرا ہوتا جلوۂ دلدار کا

سرو قد تعظیم دیتے ہیں اُسے پیرِ مغاں
مرتبہ سا مرتبہ ہے سائلِ مے خوار کا

○

میں ہوں عاشق ابروئے خمدار کا　　مجھ پہ کیجے امتحاں تلوار کا
کیا اثر ہے فرقتِ دلدار کا　　دیکھنا عالم درو دیوار کا
کیوں نہ محفل سے اٹھائیں وہ مجھے　　ہوں مرقع حسرتِ دیدار کا
برق بن کر میرے ہی دل پر گری　　میں تو ہوں قائل نگاہِ یار کا
اور وہ دل سوزِ دشمن بن گئے　　کیا اثر ہے آہِ آتش بار کا
موت بھی اس کی ہوا سے بچتی ہے　　حال ہے ایسا ترے بیمار کا
حشر کہتے ہیں جسے مجمع ہے وہ　　کشتگانِ شوخیِ رفتار کا
پھر قفس میں زندگی دشوار ہے　　پھر تصور بندھ گیا گلزار کا
بے نقاب آتے ہوئے سُن کر انہیں　　شوق ہی جاتا رہا دیدار کا
آہ بھی اب اُس سے کھنچ سکتی نہیں　　ہے خدا حافظ ترے بیمار کا
جاؤ واعظ یا پیو دو چار جام　　مے کدے میں کام کیا ہشیار کا
ایک دم میں آہِ سوزاں نے مری　　بل نکالا چرخِ کج رفتار کا
خونِ عاشق کی محبت دیکھ تو　　بن گیا جوہر تری تلوار کا
حُسن کا ہوتے ہی سودا کھل گیا　　بخت کیسا مصر کے بازار کا
ہر ستم کی تیز ہے مجھ پر چھری　　ہر ادا کو پاس ہے اغیار کا
خود ہی بگڑیں خود ہی چھیڑیں ذکر غیر　　یہ نیا انداز ہے تکرار کا
پاس اور اُس کافرِ بے مہر کو　　عہد کا پیمان کا اقرار کا

خو پڑی ہے کب اُسے اقرار کی　　جب مجھے لطف آگیا انکار کا

شہر میں ہیں سینکڑوں ہی میکدے
کیا پتہ ہے مائلِ مے خوار کا



کشتہ ہوں میں تجلیِ رخسارِ یار کا　　خورشید ذرہ ذرہ ہے میرے غبار کا
تجھ کو سمجھ کے غیر کے پہلو سے اُٹھ گئے　　آنکھوں میں چھا رہا ہے یہ عالم خمار کا
جینا نہ مجھ سے تنگ ہے میں ہوں قفس سے تنگ　　جھونکا جو آگیا ہے نسیمِ بہار کا
بے رحمیاں سجا ہیں کہ اُس شوخ نے ہنوز　　دیکھا نہیں ہے حال کسی دلفگار کا
نوبت کسی کی آئے گی کاہے کو روزِ حشر　　ہم ہوں گے اور ذکر شبِ انتظار کا
افشائے راز کا مجھے کتنا خیال ہے　　وحشت میں بھی خیال ہے دامن کے تار کا
شاید کہ زلف و رخ میں ترے کچھ بگڑ گئی　　بدلا ہوا ہے رنگ جو لیل و نہار کا

مائل سا رند اور گزر خانقاہ میں
واں ہے مگر گزر کسی بادہ خوار کا



وہ جلوہ ہے کہ دھوکا کیوں نہ ہو اللہ کے گھر کا　　جو پتھر سنگِ اسود ہے مرے دلدار کے در کا
ملا رستہ اسی ڈھب سے اُسے اللہ کے گھر کا　　ادب کرتا رہا مائل صنم خانے کے پتھر کا
اشارہ کہہ رہا ہے ابروئے مژگانِ دلبر کا　　سمجھنا ہے بہت مشکل زبانِ تیغ و خنجر کا
بھلا منصور سے آتا زباں پر رازِ دلبر کا　　مگر مستی میں یاد آیا چھلکنا اُس کو ساغر کا
عیاں تھا نقش سجدے کا خدا جانے کہ کس در کا　　دیا جھک کر جو بیت اللہ نے بوسہ مرے سر کا
اِدھر اک ابر آتا ہے اُدھر اک ابر جاتا ہے　　مزہ آجائے اے ساقی اگر ہو دورِ ساغر کا
نظر جس کی ہے لے واعظ خدا کے ابرِ رحمت پر　　فسانہ سن چکا وہ آفتابِ روزِ محشر کا
یہ مانا باغِ جنت کو نہیں نسبت نہیں نسبت　　مگر ہے ہو بہو نقشہ ترے در کا ترے گھر کا
جنابِ نوح کہہ اُٹھتے کہ طوفاں اس کو کہتے ہیں　　ٹپک پڑتا اگر قطرہ ہمارے دامنِ تر کا

یہ میخانہ تو کیا واعظ ہی ابر ایک عالم پہ — برس جائے اگر دوں واسطہ مینا و ساغر کا

جنابِ نوح کی کشتی، خدا حافظ ہی ہو جاتی — جو اُٹھتی موج لے کر نام میرے دیدۂ تر کا

جو دیکھا فیضیابِ داغِ دل اپنا نکل آیا — سُنا کرتے تھے شہرہ آفتابِ روزِ محشر کا

کھُلیں کیونکر جنابِ شیخ پر اسرارِ میخانہ — اِدھر تلچھٹ ملی اُن کو اُدھر رستہ لیا گھر کا

زبانِ بوالہوس کٹ کر زمیں پہ آ پڑی آگے — لیا جو بے وضو نامِ مبارک اس کے خنجر کا

کہا کرتا ہے یہ طوفاں جنابِ نوح کا مجھ سے — بہت ممنون ہوں حضرت تمہارے دیدۂ تر کا

خطا اولاد کی کیا حضرتِ آدم کا افسانہ — ورق اوّل ہے اے واعظ گنہگاروں کے دفتر کا

چلے جاتے ہیں کعبہ کو چڑھا کر دین و ایماں کو — طریقہ یہ تو دیکھا ہے صنم خانے میں اکثر کا

نہ دل کعبہ میں لگتا ہے، نہ بت خانے میں گھبراؤں — محبت نے تری رکھا نہ اس گھر کا نہ اُس گھر کا

سجائے کس سے حیراں ہے فلک بازارِ عبرت کو — نہ ٹکڑا جامِ جم کا ہے نہ آئینہ سکندر کا

کرم شیوہ ہے ساقی کا نہ گھبرا اس قدر واعظ — میسّر ہو ہی جائے گا جو قطرہ ہے مقدر کا

تصور باندھ کر اُس کا جھکا لیتے ہیں جب گردن — کیا کرتے ہیں دل میں ہم نظارہ روئے دلبر کا

عنایت ساقیِ کوثر کی کہتی تھی وہ مائلؔ ہے
ملا تھا جام جس کو سب سے پہلے آبِ کوثر کا



غم نہیں آفتابِ محشر کا — سایہ کیا کم ہے دامنِ تر کا

نام کس نے لیا ہے خنجر کا — دیکھنا رنگ جانِ مضطر کا

واں گلے پر زبان کٹتی ہے — نام لینا پڑا مقدر کا

واہ کیا بات ہے نزاکت کی — دل ملا آپ کو تو پتھر کا

رَبطِ قلبی نہ کس طرح ہو کہ دل — یاں ہے دیوانہ۔ واں ہے چکر کا

دیر و کعبہ قدم قدم پر ہے — کیا پتہ پوچھیے ترے در کا

لو مبارک عدو کو لطفِ خرام — ہو لیا میں تو ایک ٹھوکر کا

نہ ملا مجھ کو کچھ بھی ساری عمر — غم ہی غم تھا مرے مقدر کا

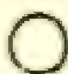
جھوٹی امید پر جئیں گے ہم / کر تو لو وعدہ روزِ محشر کا
ابر آیا ہے جاؤ اے واعظ! / دور چلنے دو اب تو ساغر کا
زہر دیتا نہیں مجھے کم بخت / چارہ گر کا بھی دل ہے پتھر کا
کیا ہی ویران ہے کہ سیلِ بلا / پوچھتا ہے پتہ مرے گھر کا
شعر کیسا جو درد ہو دل میں / کام کرتی ہے بات نشتر کا
ہائے رے حسن کی دل آویزی / بوالہوس محو ہے ستم گر کا
لاابالی خرام ہے قاتل! / کیا کروں چارہ جانِ مضطر کا

لے کے دونوں جہان بھی مائل
شکوہ کرتا رہا مقدر کا



دشمن ہے خواب راحتِ اہلِ قبور کا / زندوں کو کیوں نہ خوف ہو یوم نشور کا
دل میں ہے عاشقوں کے جو عالم سرور کا / سرچشمہ ہے وہ ایک شرابِ طہور کا
کیا جانے ہے خیال یہ کس رشکِ حور کا / دل میں جو دیکھتا ہوں تو عالم ہے نور کا
واعظ بھی تنگ ظرف ہے کتنا کہ بے پیے / مستانہ بن رہا ہے شرابِ طہور کا
کم بخت تو نے دل تو لگایا نہیں کہیں / اے شیخ تجھ سے ناز نہ اُٹھے گا حور کا
اِک آہِ شعلہ بار کو بس کر کے ضبط میں / جھگڑا مٹا ہی دوں نہ دلِ ناصبور کا
گزرا جو باغِ خلد میں ہو کر وہ نوجواں / حیرت سے تکتی رہ گئی منہ حور، حور کا
گردش کو چشمِ یار کی اُس وقت دیکھیے / منظور جب ہو قتل کسی بے قصور کا
مجنوں کے ذکرِ خیر کو یارو رکھو معاف / اب آ گیا ہے دور ہمارے ظہور کا
دل سے اگر ہو یاد کسی کی لگی ہوئی / آتا نہیں خیال بھی نزدیک و دور کا
ناصح سے مجھ سے کیسے بنے میں تو کھو چکا / سرمایہ اک نگاہ میں عقل و شعور کا
جب سے کسی سے ہم نے تعلق اُٹھا دیا / مضموں بھی سوجھتا نہیں نزدیک دور کا
شاید کہ تیرِ آہ کہیں کارگر ہوا / بدلا ہوا ہے رنگ دلِ ناصبور کا

مائلؔ سے شیخِ وقت نے جب سر جھکا دیا
اب پوچھنا ہی کیا ہے بتوں کے غرور کا



اللہ رے انتظام تری بزمِ ناز کا
نالہ نہ جا سکا کسی اہلِ نیاز کا

اللہ کیا غرور ہے انداز و ناز کو
بندہ نیاز مند ہے کس بے نیاز کا

دیکھیں گے روزِ حشر کی طولانیوں کو ہم
قصہ جو چھڑ گیا تری زلفِ دراز کا

پھر جس کو ڈھونڈھیے وہی ناصح ہے کوئی ہو
کھلتا نہ تو غضب ہے محبت کے راز کا

کیسی حیا کہاں کی حیا کوئی بات بھی
ہم خوب جانتے ہیں سبب احتراز کا

کہنے کو کہہ دیا ہے جایا غلام تھا
محمود سے تو پوچھیے رتبہ ایاز کا

کاٹی نہ ایک رات تصور میں زلف کے
پایا نہ لطف خضر نے عمرِ دراز کا

بے اختیار جلوہ گری کر رہا ہے حسن
تم سے مواخذہ نہیں انداز و ناز کا

کچھ حسن و عشق کے تو غضب ہیں معاملے
عالم جدا ہے عالمِ ناز و نیاز کا

مائلؔ کو جانتے بھی ہو حضرت ہیں ایک رند
کیا اعتبار آپ کے روزے نماز کا

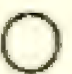


جب کوئی یگانہ ہے نہ بیگانہ ہے اس کا
پھر کیا ہے کہ ہر بزم میں افسانہ ہے اُس کا

انسان کی تقدیر میں جلنا ہی لکھا ہے
ہر رنگ سے ہر شمع پہ پروانہ ہے اُس کا

انسان کا مقدور نہیں دل کا بچانا
واللہ غضب جلوۂ جانانہ ہے اُس کا

مائلؔ کو ملا کفر میں وہ رتبۂ عالی
کعبہ جسے کہتے ہیں صنم خانہ ہے اُس کا



ہر دل میں نہاں نالۂ مستانہ ہے اُس کا
ہر گل میں عیاں جلوۂ جانانہ ہے اُس کا

اس بات پہ مرتا ہوں وہ پوچھے کہ نہ پوچھے
کہتے تو ہیں یہ لوگ کہ دیوانہ ہے اُس کا

آیا ہوں وہ گلزار ابھی چھوڑ کے رضواں
یہ گلشنِ فردوس تو ویرانہ ہے اس کا

جو لوگ ہیں عاشق انھیں کعبے سے غرض کیا
کہتے ہیں جسے دل وہی کاشانہ ہے اس کا

بیساختہ کہدیتے ہیں وہ شعر پہ میرے
یہ دردِ فزا نالۂ مستانہ ہے اس کا

اتنا تو کوئی عشق میں اپنے کو مٹائے
دیوانہ سہی قیس پہ افسانہ ہے اس کا

پہنچائی جو بُو زلف کی دربان کو صبا نے
کیا کہیے دماغ آج تو شاہانہ ہے اس کا

توبہ تو گیا بھول ہی پیتے ہی بن آئی
جس وقت سُنا یہ کہ یہ پیمانہ ہے اس کا

بس شام ہوئی جائیے اے حضرتِ ناصح
اب رات ہے اور ہم ہیں اور افسانہ ہے اس کا

مائلؔ کو غرض کیا ہے کہ جنت کی کرے فکر
کوثر سے کہیں بڑھ کے تو میخانہ ہے اس کا

○

تو دل میں شوق بھی ہے تو کس کے وصال کا
جس کو گراں ہے نام بھی میرے خیال کا

پی پی کے لوگ چل دیئے جام و سبو و خُم
جھگڑا ابھی وہی ہے حرام و حلال کا

سیری نہ ہوگی تشنۂ دیدار کو ترے
ہو جائے روزِ حشر جو دو لاکھ سال کا

تم کیا عدو بھی روئے گا دل تھام تھام کے
قصہ سُنا دیا جو کسی خستہ حال کا

وہ لامکاں میں جا کے چھپیں جائیں گے کہاں
دامن بہت وسیع ہے میرے خیال کا

اچھے ہیں جو ہیں بے ہنری میں بھی ناتمام
پُرساں نہیں ہے کوئی بھی اہلِ کمال کا

کیا تیری رہگذار کی ان کو ہوا لگی
ملتا نہیں دماغ صبا و شمال کا

کیا یہ بھی دل ہے جس میں ہے یہ کچھ مضائقہ
دیتے نہیں جواب وہ میرے سوال کا

ہجراں میں جانتے ہیں کئی حشر ہو چکے
آتا نہیں حساب ہمیں ماہ و سال کا

کہتے ہیں مجھ سے سن کے وہ مائلؔ کا کچھ کلام
کم بخت نے پڑھا بھی تو شعر اپنے حال کا

○

جلوہ ہے سنگ سنگ میں شانِ جلال کا — پرتو ہے رنگ رنگ میں طرزِ جمال کا
شکوہ کیا ہے غیر کا تم کیوں ہو شرمسار — پوچھا ہے کیا کسی نے سبب انفعال کا
واعظ کدھر خیال ہے فردا ہے ہو گیا — روزِ جزا تو نام ہے روزِ وصال کا
مے خانے کا جہان ہے دنیا ہی سے جدا — جو چاہو پی واں نہیں ہے حرام و حلال کا
مرنے کی آرزو ہی میں رہتے ہیں عشق باز — الفت میں کام ہی نہیں رنج و ملال کا
پوچھے تو ہم سے کوئی درازیِ روزِ حشر — باتوں میں دن تمام کیا ہے وصال کا
دامن کو بار بار لپٹتا جو ہے ترے — شاید کہ ہے غبار کسی پائمال کا
کیوں پوچھتے ہو میری خرابی ہر ایک سے — شاہد ہے ایک غمزہ مرے سارے حال کا

مائل، مجھے نہ چھیڑ گنہگار کہہ کے تو
دامن پکڑ لیا ہے محمدؐ کی آل کا

○

قہر ہے اضطراب بسمل کا — وار خالی گیا ہے قاتل کا
جان پر پھر بنائی یاروں نے — چھیڑ کر ذکر اس کی محفل کا
سعی کی انتہا نہیں معلوم — کیا بتاؤں نشان منزل کا
تیری تاثیر دیکھ لی اے آہ! — پردہ اٹھا نہ اس کے محمل کا
مار ڈالا شکستہ پائی نے — تک رہا ہوں نشان منزل کا
بوئے گل بھی نہیں فغاں سے کم — ٹکڑے ٹکڑے ہے دل عنادل کا
یہ تماشا بھی دیکھتے جاؤ — شوق بڑھتا چلا ہے بسمل کا

دل لگا بیٹھے ہیں کہیں حضرت
چہرہ اترا ہوا ہے مائل کا

○

سمجھ رہا ہے مرقع ہوں ان کی محفل کا — مرے خیال میں یہ بھی خیال ہے دل کا
قتیل ہوں جو تلون مزاج قاتل کا — دکھا رہا ہوں تماشا ہزار بسمل کا

تمھارے شوق سے بڑھتا ہے حوصلہ دل کا
تمھارے نام سے کھلتا ہے عقدہ مشکل کا

نکل کے پاؤں سے میرے فلک سے جا لپٹی
جنوں کا جوش تو دیکھو مری سلاسل کا

بنا سکا نہ کوئی خال اُس کے رُخ کا سا
مٹا سکا نہ کوئی داغ ماہِ کامل کا

عدو پہ جا پڑی مقتل میں کیوں مرے ہوتے
گلہ خُدا سے کروں گا نگاہِ قاتل کا

نصیبِ شوقِ شہادت کو اب کہاں پھوڑوں
پتہ چلا نہ شہیدوں سے کوئے قاتل کا

جنوں کے جوش میں مجنوں کے پاؤں میں ڈالوں
کہ مان جائے وہ لوہا مری سلاسل کا

فغاں کی، آہ کی، نالہ کی، کیا ضرورت ہے
سُلجھ رہا ہے دُعا سے معاملہ دل کا

تمام گورِ غریباں ہوا تہ و بالا
تڑپ رہا ہے جو لاشہ تمھارے بسمل کا

غُبارِ قیس سلام اس کو دور سے کر لے
مزاجِ یار سے نازک ہے پردہ محمل کا

خُدا کے واسطے رندو نکالو واعظ کو
شراب خانے میں کیا کام ایسے غافل کا

بناتے جاؤ تمھیں ہاں ہمیں نہیں آتا
شبِ فراق میں دم بھر سنبھالنا دل کا

مزاج پُوچھ کے اس کا مری دُعا کہنا
صبا اگر کوئی ٹکڑا ملے مرے دل کا

چلو بھی شیخ شبِ قدر کو یہ سُنتے ہیں
شراب خانے میں ہوتا ہے عرس مائل کا



یہ مختصر سا بیاں ہے شہادتِ دل کا
ادائے تیغِ محبت ہے نام قاتل کا

سخن میں کیا ہے یہی سوز و ساز ہے دل کا
چمن میں کیا ہے یہی شور و غل عنادل کا

غلاف اُس کو بناتا وہ کعبۂ دل کا
ہوا نصیب نہ مجنوں کو پردہ محمل کا

کروں جو سجدہ تو ایمان پھر کہاں دل کا
حرم ہے نام محبت میں کفر منزل کا

خدا ہی جانے کہ مجھ کو کہاں بٹھائیں گے
ابھی تو دیکھ رہے ہیں وہ رنگ محفل کا

تھکا ہوا ہوں بتا دے رہا ہے کتنی دُور
بلائے شامِ غریباں نشان منزل کا

تمھارے کوچے میں اُن کا کہاں وصال ہوا
ہمارے سینے میں روضہ ہے حضرتِ دل کا

وہ زُلفِ یار شبِ قدر جس کو کہتے ہیں
ملا ہے سلسلہ اُس سے مری سلاسل کا

خدا ہی جانے کہ بہتا گیا کہاں سے کہاں
پتہ چلا نہیں طوفانِ عشق میں دل کا

اُٹھائے بیٹھے ہیں ہم پردۂ رُخِ لیلیٰ
اُٹھا سکا نہ کبھی قیس پردہ محمل کا

اُٹھائے شوقِ شہادت میں سر کوئی کیونکر
کہ اٹکا رہے سجدے میں تیغِ قاتل کا

دِکھا رہا ہے رُخ ان کا قمر کا شق ہونا
جدھر کو دیکھیے ٹکڑا ہے ماہِ کامل کا

سفینہ جن کا توکل ہے اُن کو کب آئے
ہزار بار ہو طوفاں، خیالِ ساحل کا

شگونِ نیک نہیں ہے یہ شمع کا رونا
سحر تک اور نہ ہو جائے رنگ محفل کا

علاج کرتے ہیں صورت کو دیکھ کر اس کی
جو اپنے دل میں سمجھتے ہیں درد سائل کا

جنابِ شیخ تو چند آیتوں کے حافظ ہیں
مجھے تو یاد ہے سارا کلام مائل کا



بن گیا آبلہ بڑھ کر جو گریباں دل کا
کیوں نہ مشتاق ہو ہر خارِ بیاباں دل کا

یارِ غمخوار اُسے کہتے ہیں جگر کو دیکھو
ساتھ دیتا ہی رہا ہے شبِ ہجراں دل کا

اُس کے نزدیک ہے خورشیدِ فلک بھی اک چیز
جس نے دیکھا ہی نہ ہو مہرِ درخشاں دل کا

ساتھ چھوڑا ہی نہیں روزِ ازل سے اب تک
یارِ دیرینہ ہے کیسا غمِ جاناں دل کا

سر جھکائے ہوئے وحشت میں جو بیٹھا کیونکر
نظر آتا ہے اِن آنکھوں سے بیاباں دل کا

ہم نے کیا قہر کیا دی جو شبِ غم تسکیں
پاس کرتے ہیں سبھی گبر و مسلماں دل کا

کھینچ کر جذبِ محبت سے اسے لے آیا
کبھی بھولا ہوں نہ بھولوں گا یہ احساں دل کا

دل جسے جان سمجھتا ہے وہ جاں ہے اپنی
جو ہے ایمان ہمارا وہ ہے ایماں دل کا

ہاتھ سینہ پہ وہ رکھ کر کہے کیا حالت ہے
کبھی نکلا ہے نہ نکلے گا یہ ارماں دل کا

وہ رہے شب کو وہاں انجمن آرائے عدو
یاں بنا داغِ جگر شمعِ شبستاں دل کا

کھینچ کر تیغ ڈراتا ہے مجھے کیا کافر
کوئی پروا نہیں ہوتا ہے مسلماں دل کا

کان اور اُس کے بھرے آہ عدو کی فریاد
جس نے برسوں نہ سنا نالہ و افغاں دل کا

صدمۂ فرقتِ یوسف نہ اٹھاتی ہرگز
بن سکا ہائے زلیخا سے نہ زنداں دل کا

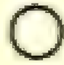
کیسے مائل نہ پڑھوں ایک غزل اور بھی میں
کوئی بیٹھا تو ہے اِس بزم میں پرساں دل کا



حال کہتے ہیں کسی سے کہیں انساں دل کا — آئے اور میری زباں پر غمِ پنہاں دل کا
تیرے کوچے میں ہے کیا گنجِ شہیداں دل کا — کہ عیاں خاک سے ہے جلوۂ ایماں دل کا
دِل کے ہوتے جو کیا شیخ طوافِ کعبہ — پاس کچھ بھی نہ کیا مردِ مسلماں دل کا
حوصلہ جوشِ جنوں نے یہ بڑھایا میرا — کہ نظر میں ہے مری تنگ بیاباں دل کا
یہ تو مانا کہ ہوں ناداں مگر اتنا تو نہیں — ماجرا تجھ سے کہوں ناصحِ ناداں دل کا
محفلِ یار میں جاتا ہوں مگر ڈرتا ہوں — راز افشا نہ کرے دیدۂ حیراں دل کا
میں دکھا دوں گا نہیں دیر و حرم کا جلوہ — گر سلامت ہے مرا خانۂ ویراں دل کا
دستِ وحشت میں کہاں خنجرِ بُرّاں کا مزہ — کام دیتا ہے کہیں چاکِ گریباں دل کا
بھول جاؤ گے ابھی دیر و حرم کا رستہ — ذکر چھیڑو ہی نہیں گبر و مسلماں دل کا
میرے گریہ کو نہ دو نوح کے طوفاں سے مثال — تھا وہ طوفان دُعا کا یہ ہے طوفاں دل کا
اِس سے بچتا ہی نہیں شست بندھے یا نہ بندھے — ایک ہے دشمنِ جاں ناوکِ مژگاں دل کا
ایک وہ ہیں ترے درباں کی ہیں منت کرتے — ایک میں ہوں نہ اُٹھایا کبھی احساں دل کا
کوئی غمخوار نہ پایا تو کہا میں نے بھی — دل سے رو رو کے فسانہ شبِ ہجراں دل کا
بَرِشِ تیغِ تغافل کی خبر کیا تجھ کو — تو نے دیکھا ہی نہیں گنجِ شہیداں دل کا
وقت پر بات جو ہوتی ہے اثر کرتی ہے — کارگر کیوں نہ ہو نالہ شبِ ہجراں دل کا
بُھول جائے گی سب آشفتگیِ دہر کے رنگ — سایہ پڑ جائے اگر زلفِ پریشاں دل کا
جان کو غیر سمجھ کر جو نکالا دل سے — کہیں عاشق تو نہ تھا ناوکِ جاناں دل کا
اب کے اُس شوخ پہ مریے کہ مٹانے جھگڑا — ہم سے برسوں سے ہے یہ عہد یہ پیماں دل کا
جو پریشانیِ عالم کو تماشا سمجھے — لکھنے بیٹھا ہوں اسے حالِ پریشاں دل کا
ہم سے اور دل سے محبت میں بنے تو کیونکر — آرزو ہے جو ہماری وہی ارماں دل کا

رنگ جمتا ہی نہیں واں کسی ڈھب سے اپنا حال سنتا ہی نہیں وہ کسی عنواں دل کا

کیا ہی آسان ہو طے کفر کی منزل مائل
کوئی ٹل جائے اگر دشمنِ ایماں دل کا



بس اک نظر کے لیے تھا مقابلہ دل کا وگرنہ آنکھ ملائے یہ حوصلہ دل کا
تم ایک بار اجازت تو ہم کو دے دیکھو پھر ایک آہ میں ہوتا ہے فیصلہ دل کا
فلک کے توڑنے کا ہے اُس آہ کو دعویٰ کبھی نہ ٹوٹ سکا جس سے آبلہ دل کا
بس اب کی موسمِ گل میں خدا ہی حافظ ہے نکالتا ہے نئے رنگ ولولہ دل کا
یہ قصہ عہد سے آدم کے سنتے آئے ہیں مگر کسی سے ہوا کچھ نہ فیصلہ دل کا
ادائے ناز میں تم بھی کمی نہ کرنا اب خدا پہ ہم نے تو چھوڑا ہے فیصلہ دل کا
کسی کی شوخ مزاجی کے تھے یہ سارے رنگ نہ اب وہ حال جگر کا نہ ولولہ دل کا

ستمگروں ہی پہ کچھ منحصر نہیں مائل
خدا کسی سے نہ ڈالے معاملہ دل کا



تم خوب اُڑاتے رہو خاکا مرے دل کا پیدا نہیں دشمن کوئی تم سا مرے دل کا
جاتے ہو کدھر ناوکِ دل دوز لگا کر دیکھو تو مری جان تماشا مرے دل کا
بگڑے ہوئے سب کام سنور جائیں جو اس کو ہو جائے دلِ غیر پہ دھوکا مرے دل کا
تِل بن کے عیاں ہے لب و رخسار پہ تیرے لایا ہے عجب رنگ سویدا مرے دل کا
سمجھے ہوئے ہیں نرگسِ بیمار کا بیمار کیا چارہ کریں حضرتِ عیسیٰ مرے دل کا
دیکھا نہیں اس ڈر سے کبھی میں نے کسی کو ہو جائے نہ دشمن کوئی پیدا مرے دل کا
بھولوں گا نہ ہرگز کبھی احسان تمھارا مٹ جائے اگر داغِ تمنا مرے دل کا
پروانہ صفت ہوں میں کہ نہیں شمع کا جلنا مذکور ہے ہر بزم میں گویا مرے دل کا
یہ کس نے کہا ہے وہ عدو کے لیے مضطر شوخی نے ہے انداز اُڑایا مرے دل کا

دشمن کے اشاروں سے تڑپتا ہے سرِ بزم — دیکھو تو یہ ہے طرفہ تماشا مرے دل کا
ڈر ہے مجھے یہ بزم میں شوخی سے تمہاری — ہو جائے کہیں راز نہ افشا مرے دل کا
آتے وہ نہیں آپ تو میں جذب سے لاؤں — برسوں سے ہے یہ جذبہ تقاضا مرے دل کا
پھرتی ہے نظر میں کسی گیسو کی درازی — بڑھتا ہی چلا جائے گا سودا مرے دل کا
گر آج بچی جان محبت میں تو کل کیا — چھوٹا ہے نہ چھوٹے گا یہ لپکا مرے دل کا
ڈرتا ہوں پیمبر ہیں نہ کھل جائے مرا راز — یارب نہ کریں چارہ مسیحا مرے دل کا
میں اور کروں یوں کسی درباں کی خوشامد — یہ صبر ہے کرشمہ مرے دل کا مرے دل کا
کس چیز کو نازش سے لیے پھرتے ہیں موسیٰ — اک داغِ کہن ہے ید بیضا مرے دل کا
دیکھے سے جسے آہ، بھر آتا ہے دلِ غیر — اللہ ہوا حال اب ایسا مرے دل کا
الٹی ہے نہ الٹیں گے نقابِ رخِ روشن — مانا ہے نہ مانیں گے وہ کہنا مرے دل کا
کہتا ہے بتوں کو کبھی سجدہ نہ کروں گا — دیکھو تو خدا کے لیے دعویٰ مرے دل کا

مائل ترے اشعار سنو لہ بزم میں کیونکر
یہ راز کیے دیتے ہیں افشا مرے دل کا



یہ کارِ خیر بے ستوں نہیں شیریں کے نام کا — ہے یادگارِ عشق علیہ السلام کا
فتنے تھے جس قدر تری رفتار کو ملے — باقی رہا نہ کوئی قیامت کے نام کا
وہ بات ہی نہیں ہے وہ اعزاز ہی نہیں — مہمان ہے رقیب بھی اب صبح و شام کا
اے شوقِ وصلِ یار نہ کر اس قدر ذلیل — لکھنا پڑا جواب عدو کے سلام کا
وہ ناز نیں جو میرے جتانے کے ساتھ ہے — دھڑکا لگا ہوا ہے تجھے اذنِ عام کا
زاہد شراب خانے میں کم بخت اب تو آ — ہے فرق خانقاہ سے دو چار گام کا
اے چرخ باز آ کہ مرے دل کی آہ کو — اب تک تو حوصلہ ہے ترے انتقام کا
منبر پہ چڑھ کے کرتے ہیں پیرِ مغاں پہ طعن — کیا پوچھنا ہے واعظِ عالی مقام کا
اے ہم نشیں نہ پوچھ کوئی وقت ہی نہیں — پیغامِ یار کا نہ اجل کے پیام کا

واعظ بتا کہ روزِ قیامت سے کیا ڈروں کشتہ ازل سے ہوں کسی محشر خرام کا

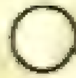
ہر وقت چاہتا ہے اٹھانے بتوں سے ہوں یہ دل نہیں رہا ہے ذرا میرے کام کا

مفلس سمجھ کے شیخ کو دیتے ہیں بادہ کش اک جام روزِ ساقیِ کوثر کے نام کا

اے مرغِ دل امیدِ رہائی کی چھوڑ دے تو ہے اسیر زلفِ مسلسل کے دام کا

دل میں ہے اس قدر مئے الفت بھری ہوئی جیسے کہ رنگ ہاتھ پہ لبریز جام کا

مائل رہا ہوں خدمتِ پیرِ مغاں میں یوں
جیسے غلام ہو کوئی ادنیٰ غلام کا



اثر دیکھیں ہم آج اپنی فغاں کا مٹا ہی دیں یہ جھگڑا آسماں کا

مرا سر جائے یا رب یار سے پر مزا پڑ جائے اس کو امتحاں کا

گری ہے آج ہی تو اس پہ بجلی پتہ کیا دوں میں اپنے آشیاں کا

چپک کر رہ گیا میری جبیں پر گھسا یاں تک ہے پتھر آستاں کا

چھپے کیا راز اِدھر تھمتے نہیں اشک اُدھر رنگ اُڑ رہا ہے رازداں کا

کبھی کعبہ نہ بڑھتا بت کدے سے مگر نقشہ ہے تیرے آستاں کا

گرا دیتا ہے بجلی جان و دل پر قفس میں یاد آنا آشیاں کا

مجھے منظور ہے نکلیں نہ ارماں جہاں سے ساتھ لے جانا جہاں کا

جنوں کے جوش میں جاتا کہاں ہوں خدا جانے ارادہ ہے کہاں کا

تمھیں اک بات وعدے پہ نہ آنا ہمیں اک مشغلہ آہ و فغاں کا

مٹا ہوں جب سے راہِ عاشقی میں بنا ہوں رہنما ہر کارواں کا

محبت کو سمجھتا ہو جو وحشت کرے کیا کوئی ایسے بدگماں کا

چمن میں آشیانہ اک بنا کر اٹھائے کون احساں باغباں کا

پڑھے مائل نے گو دو چار ہی شعر
مگر لطف آ گیا اردو زباں کا



ملا جب سے مضمون اس کے دہن کا ہوا قافیہ تنگ اہلِ سخن کا
بہار آئی پھر رنگ بدلا چمن کا پھر آیا وہی دَور دیوانہ پن کا
نہ کیونکر کہوں مرثیہ کوہکن کا کہ جاں دادہ نکلا وہ شیریں سخن کا
یہ شامِ غریباں کو کہتے سُنا ہے خدا ہی ہے حافظ غریب الوطن کا
اسیری مقدر تھی اس کا ہے رونا قفس میں نہ یاد آئے نقشہ چمن کا
وہ ہے عطر بیز اُس کی زلفِ معنبر کہ ہے سرد بازار مشکِ ختن کا
ابھی اشکِ خوں میں ٹپکنے لگیں گے چبھو دوں گا دل میں جو نشتر سخن کا
کہاں جاؤں اس دشتِ غربت میں یا رب نہیں یاد مجھ کو تو رستہ وطن کا
یہ انگشتِ واعظ کا تسبیح اثر ہے کہ ہر دانہ موجد ہوا مکر و فن کا
یہ سمجھاؤ ناصح کو دونوں جہاں میں کہیں بھی ٹھکانا نہیں دل شکن کا
وہیں اس کی حسرت تڑپتی رہے گی جہاں خون ٹپکا سرِ کوہکن کا
وہ تیرِ حوادث مرے دل پہ برسے مٹا تفرقہ زخمِ نو و کہن کا
لگا ہی لیا اُس کو نالے کی لے پر یہ مجھ پر ہے احسان مُرغِ چمن کا

مجھے آخرت کی ہو کیوں فکر مائل
کہ مقطع میں ہے قافیہ پنجتن کا



کُھلا راز اُن پر نہ تیرے دہن کا ملا جن کو قطرہ نہ چاہِ ذقن کا
ارادہ کیا ہم نے چرخِ کُہن کا ملا جب نہ رستہ تری انجمن کا
یہ آرائشیں ہیں جو دونوں جہاں کی یہ پرتو ہے سارا کسی انجمن کا
خبر بھی ہے اے داغِ الفت تجھے کچھ کہ ہنستا ہے کس پر چراغ انجمن کا
مبارک ہو داغِ محبت کہ تجھ کو بنایا ہے اُس نے چراغ انجمن کا
مرے دل سے ملتی ہے ٹکڑوں کی صورت یہ جامِ شکستہ ہے کس انجمن کا

مرے دل سے ملتی ہے ٹکڑوں کی صورت ۔۔۔ یہ جامِ شکستہ ہے کس انجمن کا

وہ مُردہ دلوں کا ہے گورِ غریباں ۔۔۔ نہ ہو ذکر جس جا تری انجمن کا

کہوں کیوں نہ دنیا کو غم خانہ کیونکر ۔۔۔ تصور ہے دل میں تری انجمن کا

ہماری نظر میں وہ پھرتی ہے رضواں ۔۔۔ یہ ساماں ہے جنت میں جس انجمن کا

غرض مے سے اُسکو نہ ساغر سے مطلب ۔۔۔ جو ہو شیفتہ ساقیِ انجمن کا

وہ جھڑکے، پلائے سمجھ لو یہ واعظ ۔۔۔ کرم ہے کرم ساقیِ انجمن کا

نہ دیکھی اک اپنی ہی کم بخت صورت ۔۔۔ مُرقع تو دیکھا تری انجمن کا

جو آیا بنا صاحبِ جامِ عرفاں ۔۔۔ کرشمہ ہے یہ ساقیِ انجمن کا

ہوئیں فرض یوں پنجگانہ نمازیں ۔۔۔ کہ ہوتا رہے تذکرہ پنجتن کا

خدا سے بس اتنی سی مائل دُعا کر
وہ دلدادہ ہو جائے میرے سخن کا



بوسہ تو ہم کو ملتا کب ہے ترے دہن کا ۔۔۔ مضموں جو ہاتھ آیا اعجاز ہے سخن کا

ہے خُلد میں بھی جبّہ پہنے ہوئے کفن کا ۔۔۔ زاہد نے یاں کبھی چھوڑا شیوہ نہ مکر و فن کا

ویران ہے اب ایسا کیا دوں پتہ وطن کا ۔۔۔ مجنوں ہے اک بگولا جس دشتِ پُر محن کا

یہ قول ہے کسی کے گیسوئے پُر شکن کا ۔۔۔ سیکھے تو ہم سے سیکھے انداز بانکپن کا

یہ حکم شمع کو ہے آتے ہی پھونک دیجو ۔۔۔ کہدے نہ راز جا کر پروانہ انجمن کا

کیسے چلے ہو واعظ، حب لطف ہے کرو ہیں ۔۔۔ دل لے اُڑے تمہارا اک طفل برہمن کا

درباں کو اُس کے در سے کیونکر اُٹھاؤں یارب ۔۔۔ کہنے کو آدمی ہے پتھر ہے لاکھ من کا

تھمتے نہیں ہیں نالے، رُکتی نہیں ہیں آہیں ۔۔۔ مشکل ہے اب تو بچنا اس گنبدِ کہن کا

رو دیا ہے کوئی مے کش میت پہ میری آکر ۔۔۔ ہے موجِ مے کی صورت جو تار ہے کفن کا

فرقت کی سختیوں سے اک بات میں چھڑایا ۔۔۔ فرہاد کے ہے سر پر احسان تیشہ زن کا

کیفیتیں اُسی کی ہر میکدے میں پائیں ۔۔۔ ساقی اُسی کو پایا ہر ایک انجمن کا

بُلبل کی ہے قفس میں یہ زندگی کی صورت
دل میں اثر ہے باقی کیفیتِ چمن کا

مجھ سے تو کوئی پوچھے دل پر ہے کیا بنا تا
غربت میں یاد آنا یارانِ ہموطن کا

دل میں رہا کھٹکتا خسرو کے زندگی بھر
جینا بھی کوہکن کا مرنا بھی کوہکن کا

تربت نے عاشقوں کو اس طرح دل میں رکھا
میلا نہ ہونے پایا اک تار بھی کفن کا

اُلفت بھی کیا بلا ہے، یعقوب سے نبی کو
جینے کو ہو سہارا یوسف کے پیرہن کا

سائل مجھے نہیں ہے کچھ خوفِ روزِ محشر
اُٹھتا ہوں نام لے کر ہر روز پنجتن کا



ذکر سُن سُن کے اجل سے تری تلواروں کا
منہ ذرا سا نکل آیا مرے غمخواروں کا

سر ہے وہ جس پہ رہے سایہ ہی تلواروں کا
دل وہی ہے جو گذرگاہ ہو سوفاروں کا

بادہ کش بن گئے کیا شہر کے سارے واعظ
ایک انبار ہے میخانے میں دستاروں کا

یہ تری راہ پہ واعظ نہیں آنے والے
رہ نما پیرِ خرابات ہے میخواروں کا

لبِ جاں بخش میں تاثیر بڑھانے کے لیے
چومتے منہ ہیں مسیحا ترے بیماروں کا

دل کے داغوں ہی کو گن گن کے گذارو شبِ تار
آسماں پر تو کہیں نام نہیں تاروں کا

حشر میں شیخ و برہمن کے یہ جھگڑے پھیلے
کوئی پرساں نہ ہوا ہم سے گنہگاروں کا

ایک سے ایک سوا میرے جلانے کے لیے
محفلِ یار تو مجمع ہے ستمگاروں کا

تیرے کوچے سے جب آتے ہیں تسلی کے لیے
دل میں لے آتے ہیں سایہ تری دیواروں کا

ہائے کیا دلِ مضطر نے کیا ہے بیتاب
زور چلتا ہی نہیں کچھ بھی تو غمخواروں کا

ایک مدت اسی دھوکے میں رہا جنت میں
کہ یہ سایہ ہے ترے کوچہ کی دیواروں کا

آگ وہ دل میں بھری ہے کہ شرر تو کیسے
آہ کھینچوں تو ابھی ڈھیر ہوا انگاروں کا

عاشقوں کے دلِ مضطر کا خدا حافظ ہے
کہہ رہا ہے یہ تبسم ترے سوفاروں کا

نالہ سنجی کی ہوئی ہے دلِ صیاد میں جا
چھوٹنا ہو ہی چکا ہم سے گرفتاروں کا

کچھ تو کر رحمتِ حق پر بھی بھروسا واعظ   کچھ تو دے ساتھ کبھی تو بھی گنہگاروں کا

اس کو زیبا ہے اگر پیرِ خرابات کہیں
مائلؔ اک خادمِ دیرینہ ہے میخواروں کا



نالہ کھنچتا ہے سخت جانوں کا   اب خدا حافظ آسمانوں کا
درِ جنت پہ یا ترے دَر پر   زور چلتا ہے پاسبانوں کا
جو بنائے گئے بتوں کے لیے   ہے مقدر تو اُن مکانوں کا
حال سُن سُن کے عبرت آتی ہے   اس زمانے کے مہربانوں کا
کوئے جاناں میں نیم جانوں سے   ایک عالم ہے ناتوانوں کا
فلکِ پیر کا حسد دیکھو   دشمنِ جاں ہے نوجوانوں کا
بات میری بنائی محفل میں   مجھ پہ احسان ہے ہم زبانوں کا
کیوں ہیں مضطر دل و جگر میرے   کون تیر ساں ہے نیم جانوں کا
دلِ پُر داغ کب ہے سینے میں   اک نشاں ہے یہ بے نشانوں کا
جب چلے ہم تو یہ کھلا کہ جہاں   ہے گذرگاہ کاروانوں کا

کوئی اچھی غزل پڑھو مائلؔ
یہ تو مجمع ہے خوش بیانوں کا



پاسِ آداب ہو گیا اس سے ترے کانوں کا   نالہ ہوتا ہے پریشان پریشانوں کا
میکدہ ایک ہے سب چشم کے مستانوں کا   سلسلہ ایک ہے سنبلت کے دیوانوں کا
شمع کی تیغِ کرشمہ نہ رکے گی جب تک   بزم میں گنجِ شہیداں نہ ہو پروانوں کا
محتسب کا ستم اے ساقیٔ کوثر دیکھو   کہ نشاں تک نہ رہا شہر کے میخانوں کا
تیرے کوچے سے کہاں جائیں گے مرنے والے   اور سودا کہیں ہوتا ہی نہیں جانوں کا
نامِ دنیا ہی رکھا ظرفِ تماشا دیکھو   جا بجا نقش بنا کر مرے غم خانوں کا

پریشانوں کا

فصلِ گل آتے ہی دو چار بنا لیتے ہیں — چارہ سازوں کو مرے شوق ہے زندانوں کا
دلِ بریاں ہے نہ ہے سینۂ سوزاں واعظ — کام جنّت میں نہیں ایسے مسلمانوں کا

توبہ کے ساتھ ہی مائل یہ دعا بھی کر لو
نہ خیال آئے چھلکتے ہوئے پیمانوں کا



داغ پر داغ پڑا ساتھ کے دیوانوں کا — دل مرقع ہے مرا چاک گریبانوں کا
یاد مضموں ہے مجھے یار کے فرمانوں کا — ایک حافظ ہوں جہاں میں تیٖ قرآنوں کا
نہ جنوں کا نہ فرشتوں کا نہ انسانوں کا — ہے طریقہ ہی جدا اُس کے ادب دانوں کا
کوئی غمخوار نہیں دشت میں دیوانوں کا — کوئی دل سوز نہیں بزم میں پروانوں کا
کیوں نہ مرجع ہے میخانہ خدا دانوں کا — اُس کے شیشوں میں بھرا نور ہے ایمانوں کا
صحنِ زنداں کو مرے کیسی ہنسی آتی ہے — ذکر سنتا ہے جو مجنوں کے بیابانوں کا
مرتے ہی بن گئے آئینۂ عبرت دیکھو — جاندا روں پہ یہ احسان ہے بے جانوں کا
رشک پتھر کو بھی بننے میں جوا کرتا ہے — ذکر کعبہ سے نہ کرنا کوئی بت خانوں کا
اپنی آنکھوں سے انھیں جا کے کہیں دیکھ لیا — اپنے ہاتھوں سے کیا خون ہے ارمانوں کا
وجد کرتے ہوئے جنت میں چلے جائیں گے — پوچھنا کیا نگہِ یار کے مستانوں کا
ایسے ہنگامے میں کیا راز کھلیں گے یارب — ایک محشر ہو جدا اُس کے ادب دانوں کا
آج آیا ہے یقیں دیکھ کے صورت تیری — نالہ کرتا ہے اثر دل میں پریشانوں کا
بے گنہ قتل وہ کرتے ہیں تو میں بھی خوش ہوں — بوجھ تو سر سے اُتر جائے گا احسانوں کا
کوئی ہمدرد جو ملتا ہے کہا کرتا ہوں — اس کے در کا کبھی قصہ کبھی دربانوں کا
باغِ فردوس کے تختے ہیں بنائے جاتے — کیا ہی چھوٹا ہے نصیبہ مرے ویرانوں کا
خاک بھی، آگ بھی پانی بھی ہوا بھی اس میں — ایک مجموعہ ہے انسان بھی طوفانوں کا
ہر لبِ زخم یہ کہتا ہے قیامت کیا ہے — نام تیروں کا ہوا کام ہے پیکانوں کا
ہندوئے زلف ہوا فتنۂ دوراں اس کا — نام بدنام ہے دنیا میں مسلمانوں کا

کچھ تو حاصل مری صحبت میں تجھے ہو مجنوں سیکھ لے نام ہی دو چار بیابانوں کا
وہ صنم خانہ کا پتھر ہی نہیں ہے جس کے خون سر پر نہ ہو دو چار مسلمانوں کا

کوئی میخانے میں مائلؔ سا نہیں توبہ شکن
ہر طرف ڈھیر ہے ٹوٹے ہوئے پیمانوں کا



شور کیا طورِ تجلّی کے ہے افسانوں کا ایک کرشمہ ہے مرے سوختہ سامانوں کا
بے ثباتی یہی کہتی ہے کہ ساری دنیا ایک مجموعہ ہے گویا ترے پیمانوں کا
وہ کہاں عصمتِ کعبہ کہ کہا کرتے تھے اک صنم خانہ ہے یہ لاکھ صنم خانوں کا
تیری رحمت کے ہوں قربان کرم کے صدقے دونوں عالم پہ ہے سایہ ترے دامانوں کا
بات تو کچھ بھی نہیں تیرے کرم کے نزدیک ایک آنسو ہو مرا لاکھ پشیمانوں کا
دامنِ حضرتِ یوسف نے کہا میں بھی ہوں ذکر آیا جو ترے چاک گریبانوں کا
تو جہاں چاہے مجھے بھیج مگر داورِ حشر سجدۂ شکر تو کر لوں ترے احسانوں کا
حرم و دیر سے آتے ہیں صبوحی کے لیے کیوں نہ احسان ہو مجھ پر مرے مہمانوں کا
کیا عجب ہے کہ تر انوار ہو طبقہ طبقہ نور ہے زیرِ زمیں کتنے ہی ایمانوں کا
سر اٹھاتا کبھی سجدے سے نہ ابلیسِ لعیں طوق گردن میں جو ہوتا ترے دیوانوں کا
رُخِ تاباں پہ کیا سبزۂ خط نے ہے عمل اب زمانہ نہ رہا ہائے مسلمانوں کا
کبھی آتی ہے خزاں اور کبھی آتی ہے بہار ناک میں دم ہے الٰہی ترے دیوانوں کا
بے نیازی نے تو کعبہ سے نکالا ان کو اب ترے در پہ ٹھکانا نہ ہے مسلمانوں کا
جب کہا اُس بُتِ کافر سے کرم کو تو کہا قابلِ رحم نہیں حال مسلمانوں کا
میں سمجھتا ہوں اسے شیخ کمندِ دنیا یہ جو حلقہ ہے ترے ہاتھ میں سو دانوں کا
یا بَصِیْرُ سے ہوئیں نور سے آنکھیں معمور یا سَمِیْعُ سے گیا نقص مرے کانوں کا

ہمنشیں عقل و خرد کے نہ رہو اے مائلؔ
ساتھ چھوڑو بھی خدا کے لیے نادانوں کا



مِلا موقع نہ اُن سے گفتگو کا ۔۔۔ رہا ہر دم مجھے پاس آبرو کا

ستم سے کچھ فزوں ہے لطفِ تقریر ۔۔۔ جہاں بسمل ہے اُن کی گفتگو کا

بجا ہے آپ بگڑے ہیں عدو سے ۔۔۔ کہے دیتا ہے عالم گفتگو کا

اُٹھانا حشر کا دشوار کیا ہے ۔۔۔ مگر عاشق ہو تم سے فتنہ جو کا

بِٹا ہوں ایک اک نقشِ قدم پر ۔۔۔ نیا ہے ڈھنگ میری جستجو کا

مِٹا ہوں میں کسی کی جستجو میں ۔۔۔ پتہ ملتا نہیں کچھ آرزو کا

یہ جوشِ عشق اور پینا ہو آنسو ۔۔۔ مجھے ہے پاس کس کی آبرو کا

سُنا کرتے ہیں ہم مائل کی باتیں
سلیقہ کیوں نہ آئے گفتگو کا



جب سے سُنا ہے غلغلہ عفو اللہ کا ۔۔۔ ہے عرش پر دماغ ہمارے گناہ کا

شعلہ شرر فشاں جو گیا اپنی آہ کا ۔۔۔ اک شور اُٹھا فلک پہ خدا کی پناہ کا

دیکھا عروج بھی مرے بختِ سیاہ کا ۔۔۔ پہنچا فلک پہ اور بنا داغ ماہ کا

ڈر ہی نہیں رہا مجھے روزِ سیاہ کا ۔۔۔ ہر داغِ دل جواب بنا مہر و ماہ کا

دشمن بنا ہوا ہے ہر اک بے گناہ کا ۔۔۔ یہ حوصلہ بڑھا فلکِ کینہ خواہ کا

کیونکر چہ ذقن میں زلیخا کے ڈوب جائیں ۔۔۔ صدمہ ہنوز یاد ہے یوسف کو چاہ کا

وہ بات ہے کچھ اور جو دل میں جگہ کرے ۔۔۔ نالے کا یہ اثر ہے نہ یہ کام آہ کا

خالی نہیں ہے چھیڑ سے توبہ کی خیر ہو ۔۔۔ آنا یہ جھوم جھوم کے ابرِ سیاہ کا

سب ساکنانِ عرش کو دیوانہ کر دیا ۔۔۔ اللہ رے اثر دلِ وحشی کی آہ کا

واعظ کو میکدے کی ہوا بھی نہیں لگی ۔۔۔ کیا کام ہے بہشت میں اُس روسیاہ کا

ایسی پلاؤ شیخ کو لغزش نہ ہو کہیں ۔۔۔ ساقی یہ چلنے والا ہے کعبہ کی راہ کا

یہ اعتقادِ شیخ ہے کہتا ہے اُس کو نور ۔۔۔ چہرے پہ جو غبار رہے کعبہ کی راہ کا

اک زلزلہ ہے دل سے لگا لامکاں تک ۔۔۔ کرنے لگا ہے کام مرا ضبط آہ کا

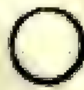
میرا یہ حوصلہ ہے کہ سہتا ہوں جورِ چرخ
ہر چند جانتا ہوں کہ ہے ایک آہ کا

کیونکر رکھوں عزیز نہ داغِ جگر کو میں
ہے یادگار یہ دلِ غفراں پناہ کا

گریہ جو ہو قبول تو کیا کچھ بعید ہے
بہہ جائے ایک اشک میں دفتر گناہ کا

وہ جانتے ہیں خوب مرے دل کا ماجرا
جو زخم دل پہ رکھتے ہیں تیغِ نگاہ کا

مائل تو در پہ کعبے کے ہوگا پڑا ہوا
کیا کام بتکدے میں ہے اُس روسیاہ کا



عاشق پہ ہے الزام عبث پردہ دری کا
ہر ذرہ ہے آئینہ تری جلوہ گری کا

دیکھا تو شبِ غم کی درازی نظر آئی
سُنتے ہی رہے نام نسیمِ سحری کا

کچھ ہے بھی تو ہے اپنی ہی قسمت کی شکایت
صیاد کا شکوہ ہے نہ بے بال و پری کا

خنجر بھی گلو پر مرے رُک رُک کے ہے چلتا
عقدہ یہ کھُلا آج تری کینہ وری کا

اپنی ہی پریشانی کا کل میں رہے محو
دیکھا نہ تماشا مری آشفتہ سری کا

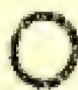
تھی فکر مری چارہ گروں کو اور ابھی تک
چرچا نہ ہوا تھا تری بے دادگری کا

کیا خاک کہوں حال جب آتا ہے وہ کافر
ہوتا ہے وہی وقت مری بے خبری کا

ہوتی کبھی تاثیر تو یہ چھیڑ بھی جاتی
ممنون ہوں اے آہ تری بے اثری کا

اک آہ نے چھوڑا تجھے اے چرخ نہ مجھ کو
نکلا یہ نتیجہ تری بیدادگری کا

پیری میں تو کیا جانیں کہ کیا حال ہو مائل
عالم ہے جوانی میں چراغِ سحری کا



قرآن ہے یا مصحفِ رخسار کسی کا
یہ مد ہے کہ ہے ابروئے خمدار کسی کا

سرمایۂ بخشش ہے خریدار کسی کا
بازارِ قیامت کا ہے بازار کسی کا

یہ دل ہے کہ ہے ساغرِ سرشار کسی کا
یہ سینہ ہے یا خانۂ خمّار کسی کا

دُنیا بھی ہے اک شوخیِ رفتار کسی کی
محشر بھی ہے اک فتنۂ رفتار کسی کا

صحت ہے مقدّر میں تو دم بھر میں ہے اچھا
کر لے جو تصوّر دلِ بیمار کسی کا

ہم سوختہ جاں آتشِ نمرود ہے کیا چیز
سینہ بھی بنا دیتے ہیں گلزار کسی کا

کیوں آگ لگانے کو چلی عرش سے آگے
گھر تو ہے قریب آہِ شرربار کسی کا

اُٹھے نہ کبھی ہاتھ بُرائی کی دُعا کو
نکلا نہ سخن لب سے دل آزار کسی کا

جھگڑا حرم و دیر کا مٹنا نہیں ممکن
یہ راز ہے اے کافر و دیندار کسی کا

خورشیدِ قیامت تو ہمیں پھونک ہی دیتا
ہوتا نہ اگر سایۂ دیوار کسی کا

مقصودِ قیامت سے ہے بس اتنا کسی کو
ہو جائے ہر اک رنگ میں اظہار کسی کا

اے طُور تجھے سوختہ جانی کی قسم ہے
کیوں کر ہو میسّر مجھے دیدار کسی کا

مینا بھی ہے ساغر بھی ہے خمخانہ میں جم بھی
سینہ نہیں گنجینۂ اسرار کسی کا

ہو جائے اگر اپنی حقیقت سے خبردار
آئینہ میں دیکھا کرے دیدار کسی کا

شیرینیِ گفتار یہ کہتی ہے کہ مائل
ہے شیفتۂ لعلِ شکربار کسی کا



جب تک کہ نہ دیکھے گُلِ رخسار کسی کا
تھمتا ہی نہیں دیدۂ خونبار کسی کا

کچھ تیغِ کرشمہ ہی نہیں کارگر ایسی
خالی نہ گیا دل پہ مرے وار کسی کا

میخانہ میں دستار ہوئی رہن کسی کی
اور جبّہ بکا ہے سرِ بازار کسی کا

تم اور پھر وہ ڈھونڈتے دُنیا میں کسی کو
لایا ہے عجب رنگ دلِ زار کسی کا

محفل میں اُنھیں دیکھ کے رونے جو لگا میں
کہتے ہیں کہ ہے تازہ گرفتار کسی کا

فتراک میں باندھے ہوئے لایا ہے کسی کو
سچ ہے نہیں صیّادِ ستم گار کسی کا

تو نے دلِ ناکام بتوں سے جو بگاڑی
ہو گا نہ تجھے عشق سزاوار کسی کا

کہتے ہیں یہ عاشق مجھے بدنام کریں گے ۔۔۔ لاشہ جو پڑا ہے پسِ دیوار کسی کا
آنکھیں تو یہ کہتی ہیں کہ اے حضرتِ موسیٰ ۔۔۔ قسمت میں نہیں جلوۂ دیدار کسی کا
جنت میں تو جا آ ہوں مگر کیسے بنے گی ۔۔۔ یاد آئے اگر روزنِ دیوار کسی کا
جنبش نہیں ابرو کی قیامت کی ادا ہے ۔۔۔ کرتی ہی نہیں پاس یہ تلوار کسی کا
اُس آگ میں پھنکتا ہوں جو دوزخ میں نہیں ہے ۔۔۔ جب ذکر کیا کرتے ہیں اغیار کسی کا
کیا رنگ زمانے کا ہے کیا دور ہے آیا ۔۔۔ دنیا میں نہیں کوئی بھی غم خوار کسی کا
اک شور ہے دنیا میں کہ مے پیتے ہیں واعظ ۔۔۔ عمامہ گرا تھا سرِ بازار کسی کا

کرتی ہے دعا ساقیِ کوثر کی غلامی
محتاج نہ ہو مائلِ میخوار کسی کا



رہوں گا حشر تک ممنون اپنی سخت جانی کا ۔۔۔ کہ بخشا حوصلہ مجھ کو حیاتِ جاودانی کا
جہاں کچھ ذکر ہوتا ہے شرابِ ارغوانی کا ۔۔۔ مری آنکھوں میں پھر جاتا ہے اک عالم جوانی کا
سخن ہی درمیاں آنے نہ دیتے لن ترانی کا ۔۔۔ جو ہوتا یاد ڈھب موسیٰ کو تقریرِ زبانی کا
نہ کیونکر دل مرا لرزے تصور سے شبِ غم کے ۔۔۔ اُترنا یاد ہے مجھ کو بلائے آسمانی کا
طفیلِ بادہ خواری سرخروئی مجھ کو حاصل ہے ۔۔۔ عیاں ہے رنگ چہرے سے شرابِ ارغوانی کا
سنا ہے ساتھ دشمن کے وہ آتے ہیں اب جائے ۔۔۔ نہ بھولوں گا کبھی احسان مرگِ ناگہانی کا
مسیحا اٹھ گئے اک آہ بھر کر میری بالیں سے ۔۔۔ پشیماں ہو رہا ہوں حال کہہ کر خستہ جانی کا
وہ میرے ہمزباں ہوتے ہیں دشمن کی بُرائی میں ۔۔۔ مٹائے کس طرح کھٹکا ہیں دل سے بدگمانی کا
کبھی پہلو میں ہیں میرے کبھی دشمن کی محفل میں ۔۔۔ ٹھکانا مہربانی کا نہ کچھ نامہربانی کا
یہ مانا آپ وعدے کے ہیں سچے آئیں گے لیکن ۔۔۔ بھروسا کیا مریضِ دردِ غم کی زندگانی کا
ستم ہے داستانِ کوہکن سن کر وہ کہتا ہے ۔۔۔ یہ ہے اک فقرۂ رنگیں محبت کی کہانی کا
تری خلوت میں ہم داخل تری جلوت میں ہیں شامل ۔۔۔ ہمارے آگے اور دشمن کو دعویٰ رازدانی کا
یقیں آتا نہیں کیونکر کہ مضموں ہی مرے خط میں ۔۔۔ کہیں تھا بیقراری کا، کہیں تھا ناتوانی کا

وہ ہم سے اب جو ملتے ہیں تو دل پر داغ دیتے ہیں
ہمیشہ بھیجتے رہتے ہیں جو چھلا نشانی کا

نظر پڑتے ہی اس بت پر نہ کچھ ہم تھے نہ ارماں تھے
مزہ دوری میں کچھ آیا تو آیا زندگانی کا

مٹانا اس کا آساں ہے اگر ہمت ہو کچھ دل میں
مگر ہاں چھوڑنا دشوار ہے دنیائے فانی کا

برا ہو بوالہوس تیرا کہ اپنی بات رکھنے کو
سکھایا اس بتِ کافر کو شیوہ لن ترانی کا

خدا کی شان مائل آج شیخِ وقت بن بیٹھے
لیے جاتے تھے کل سامان شرابِ ارغوانی کا



ترے ہی در پہ ملا لطف جبہ سائی کا
تری ہی یاد میں آیا مزہ خدائی کا

بڑھا یہ حوصلہ اس بت کی دلربائی کا
خدا کے سامنے دعویٰ کیا خدائی کا

نہ بدگماں ہے وہ ہم سے نہ بدظنی ہم کو
مزا شباب کے ہمراہ تھا لڑائی کا

جنابِ شیخ پہ کیوں طعن کرتے ہیں میکش
خدا کسی کو نہ ڈالے مزا گدائی کا

حرم کی خاک اڑا آئے شیخ اس پر بھی
بہت دنوں میں جما رنگ پارسائی کا

درِ حرم نہیں واعظ کسی سے سیکھ آؤ
طریق اور ہے میخانے کی گدائی کا

نہ خانقہ میں طلبگار جام و مینا کے
نہ میکدے میں خریدار پارسائی کا

ملا نصیب سے مجھ کو وہ نفسِ امارہ
جو ورثہ دار ہے فرعون کی خدائی کا

رہے گی حضرتِ ناصح کی زندگی کب تک
وصال کی نہ خوشی ہے نہ غم جدائی کا

عجیب چیز ہے دنیا میں کوچۂ جاناں
وہاں خیال بھی آتا نہیں خدائی کا

نہیں یقین اگر آبلوں کا رکھتا ہوں
گواہ وادیٔ ایمن برہنہ پائی کا

شراب خانے سے نکلو تو شیخ لے لینا
یہ دو قدم پہ ہے بازار پارسائی کا

اسیرِ دامِ محبت اسی کو کہتے ہیں
خیال دل میں نہ لائے کبھی رہائی کا

مقامِ یار کو گردن اٹھا کے جب دیکھا
ہوا نہ حوصلہ آہوں کو بھی رسائی کا

کہے ہی جاتے ہو نالوں کو نارسا پھر بھی
نشان آپ کے در پر ہے جبہ سائی کا

شبِ فراق فلک کو رلا دیا ہم نے
سنا سنا کے فسانہ تری جدائی کا

کچھ ایسے محو ہیں اس میں خبر نہیں آتی — یہ وصل کا ہے زمانہ کہ ہے جدائی کا
ہر اک قدم پہ بتاتا گیا مرے آگے — نہ لیں گے نام کبھی خضر رہنمائی کا

وہی ہیں حضرتِ مائل شراب خانے میں
جو رہن کر گئے سامان پارسائی کا

○

یہ عقیدہ ہے اک زمانے کا — تو یگانہ رہا یگانے کا
آسماں اس کے آستانے کا — ایک ٹکڑا ہے شامیانے کا
اس کے نزدیک اک زمانے کا — طائرِ جاں ہے اک نشانے کا
شوق ہو جائے گا اسے پیدا — رفتہ رفتہ مرے فسانے کا
جب سے عاشق کشی کا ڈھب آیا — خون سر پہ ہے اک زمانے کا
ہوں وہ بلبل کہ عرش کی قندیل — نام ہے میرے آشیانے کا
میں قفس میں وہ شاخِ گل پہ ہے — یہ مقدر ہے آشیانے کا
نقش ہے دل پہ دردمندوں کے — فقرہ فقرہ مرے فسانے کا
بحرِ رحمت نے عجب کیا ہے — قطرہ قطرہ شرابخانے کا
ایک تیرے لیے لیا ہم نے — سر پہ احسان اک زمانے کا
قیس دیوانگی کے عالم میں — قصہ خواں تھا مرے فسانے کا
رہ گیا ہے نشان سا دل میں — مرغِ ہمت کے آشیانے کا
تجھے لکھتے ہیں تم تو شاعر ہو — لطف اٹھاؤ مرے بہانے کا
چل دیے ہم عدم کو جب دیکھا — رنگ بدلا ہوا زمانے کا
غور کی جو طلسمِ دنیا پر — اک ورق ہے مرے فسانے کا
منفعل ہیں جنابِ رضواں بھی — ذکر سن کر شراب خانے کا
جا نکلتا ہے حوضِ کوثر پر — یہ ہی رستہ شرابخانے کا
حسن کے ہوتے ہوا بد پیدا کیوں — کیا اثر ہے مرے فسانے کا
فتنۂ حشر جھوم کر اٹھا — شور سن کر شرابخانے کا

ننگ کے دیر و حرم سے چلتا ہوں — شوق ہے کس کے آستانے کا
کیوں نہ خوش خوش ہوں موت سے اپنی — ہے بہانہ ترے بلانے کا
اک نمونہ ہے خاک کا پتلا — اُس کی قدرت کے کارخانے کا

کیوں نہ دیں خضر غسل مائلؔ کو
رہ نما تھا شراب خانے کا



زلف و رُخ کا جلوہ جو پیشِ نظر ہونے لگا — میں رموزِ کفر و دیں سے باخبر ہونے لگا
لطفِ ساقی شیخ پر جو بے خبر ہونے لگا — نورِ مے چہرے سے اُس کے جلوہ گر ہونے لگا
شان پر اُس کی ترا دھوکا مگر ہونے لگا — خلوت و جلوت میں شامل جب بشر ہونے لگا
اب نصیحت کا تری ناصح اثر ہونے لگا — اک مرض باقی رہا تھا اور دردِ سر ہونے لگا
عشق سے تو اور دو نا جلوہ گر ہونے لگا — عشق کیا ایمان کا دھڑکا اگر ہونے لگا
بیکسی میں روؤں کیوں زخمِ جگر کو دیکھ کر — اب خداوندِ دو عالم چارہ گر ہونے لگا
بڑھتے بڑھتے بڑھ گئی اولادِ آدم نیک و بد — ہوتے ہوتے اس جہاں میں خیر و شر ہونے لگا
دیکھ کر صورت مری اہلِ وطن رونے لگے — بیکسی کا قافلہ جو ہم سفر ہونے لگا
اب ترا اے ناامیدی خاتمہ بالخیر ہے — با اثر نالہ بھی اپنا بے اثر ہونے لگا
میں لکھوں یارب کہاں تک مرثیہ پر مرثیہ — قتل اب تو نامہ بر پہ نامہ بر ہونے لگا
اب رہوں افسردہ خاطر کس لیے جب آپ کا — دل کے اندر تذکرہ آٹھوں پہر ہونے لگا
نالہ و آہ و فغاں کی پھر تو ہمت بندھ گئی — جب دعا کے ساتھ گریہ ہم سفر ہونے لگا
پُرزے پُرزے کر کے نامہ زیرِ ترا نور رکھ دیا — فقرہ فقرہ کیا ہمارا کارگر ہونے لگا
پہلے سجدہ کر گیا آ کر ترے رخسار کو — حُسن جب روز افزا حُسنِ بشر ہونے لگا
کیا زمانہ آ گیا ہے مے کے بدلے دیکھنا — جامِ جم میں خونِ دل خونِ جگر ہونے لگا
کیوں لکھا میں نے خدا بخشے دلِ بیتاب کو — آہ بھر کر وہ ستمگر چشمِ تر ہونے لگا
تنگ آیا میں تو اپنی ہر گھڑی کی موت سے — تنگ اپنی زندگی سے چارہ گر ہونے لگا

وصل کی شب وہ بتِ کافر جہاں جا کر رہا
شام سے اُس شہر میں وقتِ سحر ہونے لگا

اب چلیں گے طور پر اک گفتگو کے واسطے
اب ہماری بات میں پیدا اثر ہونے لگا

یہ نہ سمجھا اتنی جانیں میں کہاں سے لاؤں گا
ہر ادا پر اس کی شیدا نامہ بر ہونے لگا

اب چلے آؤ تغافل کی ادا کو چھوڑ کر
اب سنبھالو دردِ الفت پردہ در ہونے لگا

بات تو رکھ لی خدا نے اپنے حسن و عشق کی
جس قدر وہ بے خبر ہیں باخبر ہونے لگا

تنگ آ کر فصلِ گُل کے ساتھ اُس کو کر دیا
جب بلائے جانِ دل شوریدہ سر ہونے لگا

میں سناؤں شعر کس کو خوب داں کوئی نہیں
اب مرا مضمون مضمونِ کمر ہونے لگا

اب مجھے مائلؔ قوی امیدِ رحمت ہو گئی
اب گریباں میں مری توبہ کا سر ہونے لگا



جو دیکھ جاؤ دلِ بیقرار کیا ہوگا
چلے جو آؤ اِدھر ایک بار کیا ہوگا

قیامت آ گئی پہنچا نہ اُس کے دامن تک
خدا ہی جانے کہ میرا غبار کیا ہوگا

جو قتل کرتے ہوئے مجھ کو اب نہ شرمایا
خدا کے سامنے وہ شرمسار کیا ہوگا

سحر بھی شام بھی ملنے لگے وہ دشمن سے
اب اور گردشِ لیل و نہار کیا ہوگا

ستم اُٹھانے کی ہمت نہیں ہے گر اے دل
کسی کے لطف کا امیدوار کیا ہوگا

گئی ہوئی وہ جوانی کہاں سے آ جائے
برس رہا ہے جو ابرِ بہار کیا ہوگا

نہ ہوں گے حشر میں ہم سے جو روسیہ ایک
ظہورِ رحمتِ پروردگار کیا ہوگا

شبِ فراق کو کاٹا نفس شماری میں
بس اس سے بڑھ کے تو روزِ شمار کیا ہوگا

ہزار رنگ بدلتا ہے عشق دن بھر میں
خدا ہی جانے کہ انجام کار کیا ہوگا

پڑیں جو فکر میں بیٹھے بٹھائے کیا حاصل
رکھیں کسی سے جو دل میں غبار کیا ہوگا

۱: بھُول۔

اثر سے ضبطِ فغاں کے تو حشر اٹھتا ہے　　کھنچا جو نالۂ بے اختیار کیا ہوگا
تجھے نہ اشک بس مرگ حشر تک اپنے　　اب اور گریۂ بے اختیار کیا ہوگا
فغاں نے حشر تو عالم میں کر دیا برپا　　یہ فکر ہے دمِ رفتارِ یار کیا ہوگا
نہ میں جیوں گا نہ وہ آئیں گے تیرے رونے سے　　خدا کے واسطے شمعِ مزار کیا ہوگا
سمجھ چکا ہوں اُنھیں پاسِ غیر ہے جلنا　　بنائیں مجھ سے وہ باتیں ہزار کیا ہوگا

بس ایک جام میں مائل کے کھل گئے جوہر
کہا نہ کرتے تھے ہم بادہ خوار کیا ہوگا



تری محفل میں یہ حاصل ہمیں اے فتنہ گر ہوگا　　کبھی مجروح دل ہوگا، کبھی زخمی جگر ہوگا
کسی سے بھی توقع ہی نہیں انصاف کی ہم کو　　خدا کو روزِ محشر، جان رکھا ہے جدھر ہوگا
رہے گا دور دورہ کیا ہمیشہ چرخِ گردوں کا　　کبھی تو خستہ جانوں کا بھی نالہ کارگر ہوگا
نہیں ہیں گریہ و خندہ ہمیں کچھ حال پر اپنے　　کبھی گریاں، کبھی خنداں ہمارا نوحہ گر ہوگا
ستم کرنے سے کیا ہوگا وہ کافر مجھ سے کہتا ہے　　بہت ہوگا تو یہ ہوگا کہ نالہ بے اثر ہوگا
جہاں تک بوالہوس چاہے چھپائے جان کو اپنی　　قدم راہِ محبت میں ہمارا پیشتر ہوگا
نصیب ایسے کہاں اپنے کہ وہ آئیں گے تربت پر　　چراغِ گور تو ہنستا ہمارے حال پر ہوگا
مری آنکھیں لگا جانا بر رفعِ خجالت کو　　کہ اس کوچے میں اک ہنگامۂ اہلِ نظر ہوگا
کہا تھا مجھ سے ناصح نے کہ شام و صبحِ فرقت میں　　نہ کچھ رنگِ شفق ہوگا نہ کچھ نورِ سحر ہوگا
شکایت کیا نہ سننے کی کہو کیوں بات ہی ایسی　　اُتر جائے گا دل ہی میں سخن جو پُر اثر ہوگا
غضب کی موت پائی ہے شہیدِ ناز نے تیرے　　نہ دل میں رشک جو جس کے کوئی ایسا بشر ہوگا
ابھی تو اک تصور ہی نے تیرے گھر بنایا ہے　　خدا جانے کہ کس کس کا ہمارے دل میں گھر ہوگا
جنابِ شیخ صاحب کو ملا ہے ظرف ہی ایسا　　جو اک چلو بھی پی لیں گے تو میخانے میں شر ہوگا
یہ سب جھگڑے ہیں دنیا کے چلیں گے جب یہاں سے ہم　　نہ کوئی راہ بر ہوگا نہ کوئی ہم سفر ہوگا

نہیں ہے بے سبب جانا صنم خانے سے کعبے کو
وہاں بھی حضرتِ مائل کوئی مدِ نظر ہوگا



کہوں کیونکر کہ وصل اُس کا نصیبِ دشمناں ہوگا
ہوا ہے اور نہ وہ ظالم کسی پر مہرباں ہوگا

خضر کو ہم پہ کیا نازِ حیاتِ جاوداں ہوگا
غبار اپنا ہمیشہ رہنمائے کارواں ہوگا

خوشی تو کچھ نہیں ایسی حرم میں آکے مرنے کی
مگر ہاں رنج ہے اس کا وہ کافر بدگماں ہوگا

نہ خنجر تم سے اٹھتا ہے نہ آہیں مجھ سے کھنچتی ہیں
نہ تم سا کوئی نازک اور نہ مجھ سا ناتواں ہوگا

سمجھ کر خوب ہی دل میں ترے در پر ہیں آبیٹھے
اگر تو مہرباں ہوگا خدا بھی مہرباں ہوگا

نہ سمجھا محتسب لے آہ اجڑے گا جو میخانہ
مصلّی حضرتِ واعظ کا رہنِ مے کہاں ہوگا

بیانِ حشر میں واعظ کہی ہے اک مرے دل کی
کہ اُس کا جلوۂ دیدار بھی شاید وہاں ہوگا

مزہ آئے گا اُس دن ہم کو اپنے قتل ہونے کا
گلوئے غیر پر جس دن ترا خنجر رواں ہوگا

دلِ وحشت زدہ ٹکنے نہیں دیتا کہیں اک جا
پسِ مردن[ل] خدا جانے مزار اپنا کہاں ہوگا

کہوں کیا تجھ سے اے قاصد پلٹ کر جلد آجانا
ترا آنا تو میرے حق میں مرگِ ناگہاں ہوگا

یہ نکلے ہیں کسی کے تیرِ مژگاں کے تصور میں
مقابل اور مرے نالوں کے کیونکر آسماں ہوگا

مجھے خاموش رہنے دے نہ اب تک شبِ غم میں
کبھی تجھ سے ہوا ہے کچھ جو اب تجھ سے فغاں ہوگا

کسی نے باغِ دنیا میں بنایا گھر تو کیا حاصل
قفس میں بند ہے بلبل چمن میں آشیاں ہوگا

اجازت ہوگئی ہے اب تو گھر میں آنے جانے کی
کہاں تک ہم بھی دیکھیں گے کہ پردہ درمیاں ہوگا

اڑائی ہے خبر یاروں نے جھوٹی میرے مرنے کی
جو اُس کے کان تک پہنچی تو ناحق بدگماں ہوگا

دعا کی آہ کی نالوں کی رخصت ہم کو دیتے ہیں
انھیں مدِ نظر شاید کسی کا امتحاں ہوگا

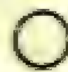
سنا ہے عالمِ مستی میں مائل کی زباں پر تھا
کہ اب کی فصلِ گل میں محتسب پیرِ مغاں ہوگا



ل ۔ خدا جانے پسِ مردن

حلقہ حلقہ میں دلِ عاشق اٹکتا جائے گا گیسوئے پُر خم ترا جوں جوں لٹکتا جائے گا
ہم دکھا دیں گے جو ہوگا رہگذر کا ننگ و ننگ دو وقت دم گریہ یار کا دامن لٹکتا جائے گا
اک کبوتر پر ہی کیا ہے حصرِ قسمت کے مری جائے گا جو نامہ بر یاں سے بھٹکتا جائے گا
موت عاشق کی ہے مرگِ کوہکن لے پیرزن دیکھو لاش پہ خسرو سر پٹکتا جائے گا
رنگ اُڑتا جائے گا اور راز کھلتا جائے گا دل میں جوں جوں خارِ غم تیرا کھٹکتا جائے گا
خاک دوڑی پائمالوں کی لپٹتی جائے گی جس قدر تو ناز سے دامن جھٹکتا جائے گا

پینے کو پی لوں ابھی مائل پر اُس کافر بغیر
حلق میں ہر گھونٹ صہبا کا اٹکتا جائے گا



جب تک خودی کو دل سے مٹایا نہ جائے گا پردہ بھی درمیاں سے اُٹھایا نہ جائے گا
دل کو کسی سے اب تو لگایا نہ جائے گا بیٹھے بٹھائے حشر اُٹھایا نہ جائے گا
پاسِ عدو انھیں ہے ہمیں پاسِ عشق کا محفل میں جا کے دل کو جلایا نہ جائے گا
آہِ دلِ فسردہ سے یہ بھی ہے کوئی بات کیا ایک آسماں بھی جلایا نہ جائے گا
میں جانتا ہوں خوب اس الفت کی آگ سے دل کے سوا کسی کو جلایا نہ جائے گا
وہ ناز ہے ترا کہ سمجھ لے ستم شعار میرے سوا کسی سے اُٹھایا نہ جائے گا
یہ ہی رہیں جو غمزۂ پنہاں کی کاوشیں ہم سے تو رازِ عشق چھپایا نہ جائے گا
افسانہ بزمِ غیر کا چھیڑوں تو آپ سے زانو پہ سر جھکا کے اُٹھایا نہ جائے گا
تکلیف کیوں اُٹھاؤں اسے کھینچ کر بھی میں نالے سے آگے عرش کے جایا نہ جائے گا
دم بھر میں لاکھ رنگ بدلتا ہے آسماں بزمِ جہاں میں دل کو لگایا نہ جائے گا
ساقی اس انجمن میں مئے ناب کے عوض خونِ جگر تو ہم کو پلایا نہ جائے گا
افسانۂ فراق ہے میرا وہ درد خیز میں بھی سناؤں گا تو سنایا نہ جائے گا
طرزِ ستم نئی ہے کہ دل توڑ کر مرا کہتے ہیں کیا خبر تھی بنایا نہ جائے گا
ہوں وہ وفا شعار جو حرفِ وفا لکھوں طوفانِ نوح سے بھی مٹایا نہ جائے گا

اس میں ہے داستاں تری زلفِ دراز کی
افسانۂ فراق گھٹایا نہ جائے گا

بگڑیں اگر بگڑتے ہیں کچھ بھی ہو بزم میں
دشمن کو اُن کے ساتھ بلایا نہ جائے گا

آنکھیں یہ کہہ رہی ہیں زلیخا کی دیکھنا
دیکھا ہے خواب وہ جو دکھایا نہ جائے گا

اے آہ بزمِ غیر تو برہم نہ ہو سکی
کیا تجھ سے آسماں بھی گرایا نہ جائے گا

مائلؔ صنمکدہ ہے یہ بیت الحرم نہیں
جاتے تو ہو جناب پر آیا نہ جائے گا[1]



ماجرائے قتل میرا خود بیاں ہو جائے گا
خنجرِ سفاک قاتل کی زباں ہو جائے گا

گر ہمارا شاخِ گل پر آشیاں ہو جائے گا
آسماں کیا چیز ہے جو باغباں ہو جائے گا

کعبہ و بتخانہ مل کر اک مکاں ہو جائے گا
نورِ ایماں گر مرا حسنِ بتاں ہو جائے گا

ماجرائے دردِ دل کیونکر بیاں ہو جائے گا
نامہ بر کیا تو مرے دل کی زباں ہو جائے گا

ہے غبارِ کوئے جاناں کس قدر رفعت پسند
ڈرتے ڈرتے کہہ رہا ہوں آسماں ہو جائے گا

کیوں نہ زلفِ یار کو سجدے کروں میں شوق میں
کیا مرا ایمان مجھ سے بدگماں ہو جائے گا

جلوۂ حسنِ بتاں سے بن رہا ہے بتکدہ
گر نہ ہوں گے یہ تو کعبہ اک مکاں ہو جائے گا

رنگ لے آئے جو تاثیرِ محبت دیکھنا
نام میرا آپ کے وردِ زباں ہو جائے گا

آ گیا رونا جو اس کے میکشوں کو دیکھنا
اک حبابِ بحرِ رحمت آسماں ہو جائے گا

کوئے جاناں میں لگانا آگ کا آساں نہیں
سردِ جا کر نالۂ آتش نشاں ہو جائے گا

لے لیا بوسہ جو مجھ سے روسیہ نے دیکھنا
سنگِ اسود بھی سنگِ آستاں ہو جائے گا

لے اڑے گی یہ صبا مجھ ناتواں کو یا نہیں
دور مجھ سے جب غبارِ کارواں ہو جائے گا

کعبہ جا کر کیا کروں گا اس کے جلوے دیکھ کر
اور دونا شعلۂ عشقِ بتاں ہو جائے گا

یوں گھلا کرتی ہے قسمت یہ کسے معلوم تھا
خاک کا پتلا اور اس کا رازداں ہو جائے گا

---

[1] وہ ـــ [1] جاتے تو ہو وہاں مگر آیا نہ جائے گا۔

حشر میں دونوں حسیں ہوں گے خدا کے سامنے
اے زلیخا یہ بھی جھگڑا طے وہاں ہو جائے گا

ہم یہ سمجھیں گے کہ ہم دنیا سے گویا اُٹھ گئے
گر کسی پر وہ ستم گر مہرباں ہو جائے گا

دل کے بدلے جان دیتا یہ خبر ہوتی اگر
ہو کے میرا جانِ جاں جانِ جہاں ہو جائے گا

داد یوں میری فغانِ بے اثر کی دیتے ہیں
بس خدا کے واسطے برہم جہاں ہو جائے گا

وہ یہ کہہ دیں گے کہ دے دو میرے اسرافیل کو
دل مرا جب قابلِ شور و فغاں ہو جائے گا

کیوں نہ جاؤں اس کے در پر بات تو اتنی سی ہے
اک عدو ہے پاسباں اک آسماں ہو جائے گا

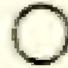
کہتے ہیں سینہ پہ تیرے ہاتھ پیار رکھ تو دوں
پر دلِ پُر داغ تیرا بے نشاں ہو جائے گا

سرد مہری کا تمہاری کونسا دشوار ہے
ایک آہِ آتشیں سے امتحاں ہو جائے گا

اے جرس کیوں شور اتنا کر رہا ہے کہہ چکے
ہم چلیں گے جب روانہ کارواں ہو جائے گا

خط کتابت غیر کی اور اس کی چتون کہتی ہے
مہرباں ہے آج کل نامہرباں ہو جائے گا

ساقیِ کوثر کا مائلؔ تو رہے گا عمر بھر
گر غلامِ حضرتِ پیرِ مغاں ہو جائے گا



طالبِ خنجر جو کوئی سخت جاں ہو جائے گا
زورِ بازو کا تمہارے امتحاں ہو جائے گا

دیکھنا اُڑ اُڑ کے کوچہ سے تمہارے ایکدن
یہ غبار آخر ہمارا آسماں ہو جائے گا

اب جو نالے کر رہا ہے رات دن مثلِ جرس
ایک دن یہ دل غبارِ کارواں ہو جائے گا

یار کا ہے وقتِ رخصت تو اگر آ جائے گی
کیا ترا نقصان مرگِ ناگہاں ہو جائے گا

خط میں لکھ دوں گا جو تھوڑا سا بھی اپنا حالِ زار
نامہ بر میری طرح سے ناتواں ہو جائے گا

جان رہتی یا نہ رہتی میں نہ کہتا حالِ دل
گر خبر ہوتی کہ دشمن ہم زباں ہو جائے گا

جانتا ہوں کیا کہوں کیونکر کہوں کس سے کہوں
جنبشِ لب سے ہی کافر بدگماں ہو جائے گا

سُن کے میری داستانِ عشق فرمایا تو کیا
دیکھ لیں گے دیکھ لیں گے امتحاں ہو جائے گا

عرضِ الفت کا مزہ دیکھا کبھی مائلؔ یا نہیں
ہم نہ کہتے تھے کہ ظالم سر گراں ہو جائے گا

جب تک کہ جہاں سے دلِ مضطر نہ اُٹھے گا
اُٹھّا ہے ترے در سے مرا سر نہ اُٹھے گا

جانے دو خدا کے لیے چھیڑو نہ ہمیں تم
کہہ دیں گے پتے کی تو کبھی سر نہ اُٹھے گا

پینے کی تو توبہ ہے مگر حضرتِ واعظ
آگے سے ہمارے کبھی ساغر نہ اُٹھے گا

یہ ہستیِ موہوم ہے ہشیار ہو اے دل
غفلت کا وہ پردہ ہے کہ پڑ کر نہ اُٹھے گا

کیوں ہم سے شبِ وصل میں بل کرتی ہو اتنا
کیا ناز ترا زلفِ معنبر نہ اُٹھے گا

میں موجدِ وحشت ہوں وہ اک طفلِ بتاں
مجنوں سے مرے سامنے پتھر نہ اُٹھے گا

وہ کہتے ہیں اک دم میں کروں قتل جہاں کو
کہتی ہے نزاکت کبھی خنجر نہ اُٹھے گا

ہم تذکرۂ غیر سنیں تیری زباں سے
یہ ناز تو ہم سے بتِ کافر نہ اُٹھے گا

دربان کے حصّہ کا اُسے خواب ملا ہے
ہو شورِ قیامت تو مقدّر نہ اُٹھے گا

جب قبر سے اُٹھیں گے ترے کشتۂ قامت
تعظیم کو کیا فتنۂ محشر نہ اُٹھے گا

اُٹھ جائے جہاں سے کوئی ناکام تو اُٹھ جائے
محفل سے عدو کی وہ ستم گر نہ اُٹھے گا

نکلی ہے نہ نکلے گی تمنّائے شہادت
اُن سے نہ اُٹھا ہے کبھی خنجر نہ اُٹھے گا

کس کس کو بھلا شمع تو روئے گی سحر تک
جو بزم میں بیٹھا ہے وہ کیونکر نہ اُٹھے گا

اک قطرۂ مے کا بھی تو احسان مغاں کا
مائل سے ترے ساقیِ کوثر نہ اُٹھے گا

○

ہم کو فلک ستا کے کچھ اپنا ہی کھوئے گا
اک آہ کھینچ لی تو نصیبوں کو روئے گا

بھرتے ہیں آسمان تو ساتوں بھبے بھبے [?]
یارب یہ جوشِ گریہ کسے اب ڈبوئے گا

اے اشک کس لیے ہیں یہ گوہر فشانیاں
تو کس کے بال بال میں موتی پروئے گا

اُلٹی سمجھ لیں آپ تو قسمت کی بات ہے
دشمن ہمارے حق میں تو کانٹے ہی بوئے گا

گریہ ہی جوشِ دیدۂ تر ہے تو ایک دن
ہم تو سمجھ چکے ہیں کہ ہم کو ڈبوئے گا

مائل، ترے بھلے ہی کی کہتے ہیں باز آ
کیا دل لگا لگا کے کہیں جان کھوئے گا

○

ہے وہ ہی مرے دل کو کل دینے والا
تری زلف کو جو ہے بل دینے والا

خدا اس کو رکھے تصور تمہارا
دلِ مضطرب کو ہے کل دینے والا

تمنائے تسکیں ہے لو اُس سے دل کو
کہ جو چٹکیوں میں ہے مل دینے والا

فرشتوں کو کوئی پڑھائے تو کیا ہے
خدا ہی ہے علم و عمل دینے والا

تصور ترے قد کا چھوڑوں تو کیونکر
یہ نخلِ تمنا ہے پھل دینے والا

چھپائیں گے کیوں کر کہ خنجر ہے اُن کا
شہیدوں کے خوں کو اُگل دینے والا

کچھ اس ڈھب سے آتا ہے قاصد کہ گویا
یہی ہے پیامِ اَجَل دینے والا

وہ ہے بے مروت فرشتہ اجل کا
کہ مہلت نہیں ایک پل دینے والا

بھروسا ہے اُس پہ یہ کیونکر سمجھ لوں
نہ وہ آج دے گا نہ کل دینے والا

نہ کیونکر ہوں ساقی پہ قرباں کہ یہ ہے
مجھے جام پہلے پہل دینے والا

اگر ہے تو دنیا میں اے عشق تو ہے
زمانے کی صورت بدل دینے والا

تجھے میکدے کی خبر کیا ہے مائلؔ
تو اک جام پی کر ہے چل دینے والا



جاتے ہی صنم خانے میں ایماں کو سنبھالا
جو کام کیا ہم نے وہ دنیا سے نرالا

شمشیر سنبھالی، کبھی خنجر کو سنبھالا
دل لینے کو اس نے عجب انداز نکالا

بالیں پہ اجل آئی تو باتوں ہی میں ٹالا
بیمارِ محبت نے ترے لیکے سنبھالا

اک نالہ بھی ہم نے نہ کبھی دل سے نکالا
اتنا تو شبِ ہجر میں اپنے کو سنبھالا

اے خادمِ میخانہ گھٹا آگئی۔ لا لا
ساقی جو نہ دے جام تو شیشہ ہی اُٹھا لا

برقع سے یہ کس نے رُخِ روشن کو نکالا
اک جلوے سے جس کے ہے دو عالم میں اجالا

دربارِ شہنشاہِ جنوں میں جو نہی پہنچا
مجنوں نے کہا مجھ سے کہ آداب بجا لا

اس طرح نہ دشمن کو بھی اللہ نکالے
جس طرح کہ اُس نے مجھے کوچے سے نکالا

میخانے میں آتے ہوئے اے شیخ نہ شرما / قدرت ہے یہ اُس کی کوئی گورا کوئی کالا
ناصح تجھے سمجھاؤں تو کیا سوچ لے دل میں / بک بک سے یہ بہتر ہے کہ اس کو ہی منا لا
ہم کو نہ ہوئی فکر یہاں کی نہ وہاں کی / دُنیا کو سنبھالا نہ کبھی دیں کو سنبھالا
ہمدردِ جنوں میں کوئی اتنا بھی نہ پایا / ناخن نے مرے پاؤں سے کانٹا تو نکالا
کعبہ میں ہے یہ شور کہ مرشد ہے بڑی چیز / کس پیرِ خرابات نے گرنے کو سنبھالا
دل نے یہ کہا مجھ سے زلیخا کو ڈبویا / جب چاہ سے تو نے مہِ کنعاں کو نکالا
ٹوپی جو میسّر نہیں اے شیخ تو شب کو / میخانے سے دستارِ فضیلت ہی اُڑا لا
اے چارہ گر اتنا دلِ بیمار پہ کر رحم / عیسیٰ نہ ملیں گر تو اجل ہی کو بلا لا
لٹکا دیں جو میرے دلِ پُر داغ کی قندیل / ہستی سے عدم تک ہو اُجالا ہی اُجالا
اُس پر نہ چلا زور کسی کا نہ چلے گا / جس کا کہ مددگار رہو اللہ تعالیٰ
دُنیا کا کوئی دیکھے تو کیا سیر و تماشا / دم بھر میں اندھیرا ہے تو دم بھر میں اجالا
اک پھول بھی دلکش کسی گلشن میں نہ ہوتا / شوخی نے تری یہ تو بڑا کام نکالا
کاکل نے کہا اُس کی یہ مصرع ہی غلط ہے / دُنیا میں نہیں کوئی شبِ ہجر سے کالا
عشاق کا کچھ حال نہ پوچھو دل و جاں کا / اک سانس میں کرتے ہیں دو عالم تہ و بالا
مجھ کو نہ سنبھالے یہ نہیں ممکن نہیں ممکن / جس ہمتِ عالی نے دو عالم کو سنبھالا

مائلؔ مجھے مسجد کی خبر کیا کہ کدھر ہے
میخانے کی ہوں خاک یہیں ہوش سنبھالا



کیا ہوا گر میں جہاں سے داغِ پنہاں لے چلا / گل تو رہ کر ایک ہی شب چاکِ داماں لے چلا
ناخنِ وحشت کا اپنے بارِ احساں لے چلا / یعنی دُنیا سے نہ اک تارِ گریباں لے چلا
کس ادا سے وہ دلِ گبر و مسلماں لے چلا / شور ہے دیر و حرم میں کفر و ایماں لے چلا
یا تو بستر تیرے در سے آج درباں لے چلا / یا مجھے کوچے سے تیرے چرخِ گرداں لے چلا

میں نے پوچھا جو مکرّر کیا دل و جاں لے چلا — کیا بگڑ کر مجھ سے کہتا ہے کہاں ہاں لے چلا

واہ واہ اچھا کیا تم نے علاجِ دردِ دل — ماہِ تاباں لے کے آیا مہرِ تاباں لے چلا

سچ کہا ہے شوقِ دل سے بت پرستی کیوں نہ ہو — بتکدے میں رہ کے دو دن نورِ ایماں لے چلا

پھر ہوائے فصلِ گل نے زخم تازہ کر دیے — پھر مجھے جوشِ جنوں سوئے بیاباں لے چلا

فصلِ گل آتے ہی شوقِ بادہ خواری دیکھنا — مجلسِ واعظ سے سوئے بزمِ رنداں لے چلا

بتکدے کی راہ پائی اور نہ کعبہ جا سکا — آہ یا رب آرزوئے کفر و ایماں لے چلا

کیا ہوا غیرت کو تیری سوزِ الفت کیا ہوا — آبروئے چشمِ گریاں ابرِ نیساں لے چلا

وہ کہاں اب خوں فشانی وہ کہاں شور و فغاں — ساتھ اپنے میں بہارِ کوئے جاناں لے چلا

کیوں نہ نکلوں کیوں نہ نکلوں میکدے سے شاد شاد — دل کو میں اپنے بنا کر جامِ عرفاں لے چلا

کام کس کا جذبۂ شوقِ شہادت کر گیا — لے کے قاتل گھر سے تو جو تیغِ عریاں لے چلا

دل میں کچھ صبر و تحمل رہ گیا تھا وہ بھی آہ! — پھر ترا انداز لے زلفِ پریشاں لے چلا

آبروئے رند و زاہد ہے تری رحمت کے ہاتھ — داغِ مے وہ لے چلا یہ داغِ عصیاں لے چلا

عشق جب آتا ہے ضد پہ حسن کی چلتی نہیں — حضرتِ یوسف کو دیکھو سوئے زنداں لے چلا

وہ مری بالیں پہ وقتِ نزع آ کر کہہ گئے — میں بھی ارماں لے چلا اور تو بھی ارماں لے چلا

انجمن میں کیوں نہیں آئی "قیامت کیا ہوا" — وہ عدو کے واسطے شمعِ شبستاں لے چلا

چیز تو اچھی وہی ہے جو آ سے آئے پسند — یوں تو میں اس کے لیے کیا کیا نہ ساماں لے چلا

جس نے تجھ سے دل لگایا دونوں عالم سے گیا — جو ترے کوچے میں آیا یاس و حرماں لے چلا

دیکھنا تدبیرِ رضواں کر کے سجدے جا بجا — کس بہانے سے وہ خاکِ کوئے جاناں لے چلا

کیوں نہ آئے رشک مائل کا جنازہ دیکھ کر
کس عقیدت سے ہر اک گبر و مسلماں لے چلا

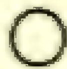


گھر ہی سے نہ روزِ عید نکلا — واعظ بھی تو زن مرید نکلا

ساقی کو بھی محتسب نے مارا — کم بخت بڑا شدید نکلا

چمکا یہ ستارہ میکشوں کا　　میخانے پہ ماہِ عید نکلا
واعظ بھی تو میکدے سے ہو کر　　ہم پلۂ بایزید نکلا
بد کہہ کسی کو وہ ہے اچھا　　جو روزِ جزا سعید نکلا
کیونکر نہ ہو وردِ نام تیرا　　دل کی وہ مرے کلید نکلا
کامل ہے وہ داغِ دل کہ جس کا　　خورشید سا اک مرید نکلا
پوچھو نہیں اس کے رنگ و بو کی　　جس کا کہ یہ گل شہید نکلا
یوسف بھی ترا بایں حکومت　　اک بندۂ زر خرید نکلا
جس گل پہ نظر پڑی چمن میں　　انداز ترا جدید نکلا
مشکل میں تجھے قریب پایا　　ڈھونڈھا جو تجھے بعید نکلا
ہر دل میں ترا خیال پایا　　ہر آنکھ میں شوقِ دید نکلا
ہر چند ہوا ذلیل قاصد　　پر خط کی لیے رسید نکلا
بخشش نے کہا گنہگار آیا　　شرما کے جو نہی یزید نکلا

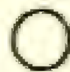
مائلؔ تجھے یہ متقی کہ جن کا
اک میکدہ زر خرید نکلا



کوئی بھی نہ غمگسار نکلا　　نکلا تو خدا ہی یار نکلا
ہر کام کو تو نے ہی بنایا　　ہر حال میں تو ہی یار نکلا
گریہ سے اگرچہ عرش ڈوبا　　دل کا نہ مرے غبار نکلا
میخانے میں جو ادب سے آیا　　مستانہ وہ ہوشیار نکلا
بنیاد جو میکدہ کی کھودی　　واعظ کا وہاں مزار نکلا
دیوانہ ہے قیس پر ہمارا　　ہم مشربِ رازدار نکلا
کیسی ہوگی کہ آب میں بھی　　دل سنگ کا پرُ شرار نکلا
محشر کو سمجھ کے اُن کی آمد　　میں قبر سے بیقرار نکلا

کل عید کو میکدے سے واعظ — کیا ہو کے ذلیل و خوار نکلا
دل کو وہیں خاک ہم نے سمجھا — جب نالہ پُر شرار نکلا
جب اس نے نگہ اٹھا کے دیکھا — اک تیر جگر کے پار نکلا
یہ پیرِ مغاں کا ہے تصرف — دل سے غمِ روزگار نکلا
اے ابر بھلا نظر سے تیری — مجھ سا کوئی اشکبار نکلا
دل ہی نہیں حسرتوں کو روتا — نالہ بھی تو سوگوار نکلا
مجنوں نے اٹھا کے دل میں رکھا — جو پاؤں سے میرے خار نکلا
تجھ سا نہ کوئی کریم پایا — مجھ سا نہ امیدوار نکلا
خنجر کو مجھی پہ آزمایا — جب کوئی نہ جاں نثار نکلا
کیا شکوہ اجابتِ دعا کا — ہر کام میں انتظار نکلا

مائل پہ ہمیں گماں تھے کیا کیا
کم بخت شراب خوار نکلا



آفتاب ایک چراغِ تہِ داماں نکلا — اب تو ارمان ترا اے شبِ ہجراں نکلا
بزم سے غیر بھی تو سر بگریباں نکلا — وہ ستمگار بہت زود پشیماں نکلا
لے کے جب ہاتھ میں وہ خنجرِ بُرّاں نکلا — شوق یہ دل سے پکارا کہ اب ارماں نکلا
تنگ اتنا مری قسمت سے بیاباں نکلا — کہ مرے جوشِ جنوں کا بھی نہ ارماں نکلا
چارہ گر ناخنِ وحشت کا دکھا دیتے مزہ — دل میں اُلجھا نہ کوئی تارِ گریباں نکلا
تاب کس کو کہ تجھے آنکھ اٹھا کر دیکھے — آئینہ خانے سے نکلا ہے تو حیراں نکلا
چونک کر آنکھ جو اک بار کھلی کچھ بھی نہ تھا — یہ تماشائے جہاں خوابِ پریشاں نکلا
وصفِ مژگاں میں لکھے جب کبھی ہم نے اشعار — کوئی نشتر کوئی خنجر کوئی پیکاں نکلا
آمد و رفت سے دشمن کی ہوا یہ انجام — بڑھ کے کوچے سے ترے روضۂ رضواں نکلا
فصلِ گل آ گئی اے دستِ جنوں خیر تو ہے — نہ گریباں ہوا چاک نہ داماں نکلا

گلشنِ دہر سے لے کر چمنِ جنت تک — جس کو عشرت کدہ سمجھا وہی زنداں نکلا
روبرو لب کے ترے شرم سے آیا نہ کبھی — کان سے یوں تو مگر لعلِ بدخشاں نکلا
راہ نکلی ہی نہیں اور نکلنے کی کوئی — دہنِ گور ہی سب کا درِ زنداں نکلا
نہ فلک ہی کوئی ڈوبا نہ زمیں ہی ڈوبی — حضرتِ نوح کا تو نام کو طوفاں نکلا
کس کو ہے صبحِ شبِ ہجر کے ہونے کی خوشی — کوئی دم کا دلِ بیمار تو مہماں نکلا
نہ جفا کا تری شکوہ نہ وفا کا اپنی — یہ مرا دل ہی مری جان کا خواہاں نکلا
جان ہی تیغِ ادا کی نہیں نکلی مشتاق — دل بھی حسرت زدۂ ناوکِ مژگاں نکلا
جس کو پہلے ہی رقیبوں میں گنا تھا میں نے — وہ ہی کم بخت درِ یار کا درباں نکلا
حال سنتے ہی شہیدوں سے جو آنسو بھر آئے — دل میں کس کا یہ ہمارے غمِ پنہاں نکلا
دوڑ کر فتنۂ محشر نے قدم چوم لیے — بے پیے گھر سے جو وہ آفتِ دوراں نکلا
بات کرتے ہی دل و جاں کا اڑا لے جانا — یہ تو انداز کسی میں نہ مری جاں نکلا
حال کھل جائے گا واعظ یہ سیہ کاری کا — روزِ محشر جو مرا دفترِ عصیاں نکلا
جس کو کچھ صحبتِ رندانِ قدح خوار ملی — سارے عالم میں جو ڈھونڈھا تو وہ انساں نکلا
آج دشمن کا بھی دربان نے پوچھا ہے مزاج — اُس کے کوچے سے جو وہ سر بگریباں نکلا
جان جانے کا کسے رنج خوشی ہے اس کی — سرخرو دل سے مرے یار کا پیکاں نکلا
دیکھیے جنت میں تو رکھنے کو جگہ بھی نہ ملے — کس قدر عیش کا میخانے میں ساماں نکلا
یہ غزل وہ ہے قیامت ہی کرے گی برپا — قافیہ اس میں غضب کا قدِ جاناں نکلا

ہم تو سنتے تھے حرم گھر ہے خدا کا مائلؔ
واں تو ہر ایک صنم دشمنِ ایماں نکلا



فلک کہتا ہے فتنوں سے کہ اب تیار ہوجانا — عجب کیا ہے قیامت کا زمیں رفتار ہوجانا
نہیں آتا اگر تم کو جگر کے پار ہوجانا — نکل کے لب سے اے نالو! مرے اشعار ہوجانا

نہ جاؤں گر وہاں ناصح تو یہ سننے میں کب آئے
ہر اک حیلے بہانے سے انھیں اک بار ہو جانا

یہ نیرنگی ترے جلوے کہاں سے سیکھ آئے ہیں
کہیں خورشید بن جانا کہیں رخسار ہو جانا

خدا شرمائے واعظ کو کہ اس تسبیح و جبہ پر
نکلنا میکدے سے جب کہ جب سرشار ہو جانا

شکایت یہ تو بیجا ہے کہ اچھا ہی نہیں ہوتا
کہاں کی ایسی جلدی ہے دلِ بیمار ہو جانا

خدا شاہد ہے کعبے نے عجب تقدیر پائی ہے
کہ ہر صورت سے اس کو خانۂ دلدار ہو جانا

محبت بھی عجب شے ہے وفا سے اپنی کہتا ہوں
قیامت میں جو پرسش ہو وفائے یار ہو جانا

اُٹھایا نقشِ پا سے بھی طریقہ خاکساری کا
نہ آیا پر کسی کا سایۂ دیوار ہو جانا

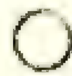
مری توبہ نہیں تھمتی ہے فصلِ گل کی آمد ہیں
عجب کیا ہے جنابِ شیخ کا میخوار ہو جانا

ازل ہی ہیں کلیم اللہ کو اوسان مل جاتے
مقدر میں اگر ہوتا ترا دیدار ہو جانا

نگاہِ مست ساقی کی جو بدلی بادہ خواروں سے
ادائے ناز کہہ اٹھی کہ اب ہشیار ہو جانا

وہ آ کر حال پوچھیں جب تم اتنا تو کرم کرنا
کہ میرے ہم زباں سب لے دے دیوار ہو جانا

بہت خوبی سے کر گزرا اسی کا کام تھا مائل
جہاں میں پیشوائے کافر و دیندار ہو جانا[1]



خدا ہی جانے کہ کیا ہو آخر یہ حال اپنا یہ قال اپنا
ابھی تو پہلو بدل رہا ہے گمان اپنا خیال اپنا

نفس نفس میں بدل رہا ہے یہ بیقراری سے حال اپنا
کہ ایک دم میں پلٹ جو آئے نہ ہوش اپنا خیال اپنا

جو انہیں ہے سوزِ دلگدازی تو آپ میں ہے لطفِ جانوازی
کمال رکھتے ہیں دونوں یکساں فراق اپنا وصال اپنا

کبھی ہوں آنکھوں سے خط لگاتا کبھی ہوں قاصد کے پاؤں پڑتا
خوشی میں اک اک سے میں ہوں کہتا جواب ان کا سوال اپنا

تمھارے دل میں کبھی جگہ تھی نہیں ہے دنیا میں اب ٹھکانہ
خدا کی قدرت کا ہے تماشا کمال اپنا زوال اپنا

---

[1] یہ غزل طرحی مشاعرہ تاریخی ۱ر ستمبر ۱۹۱۲ء منعقدہ جے پور بر مکان سید انوار الرحمٰن بسمل مرحوم واقع باندری کا ناسک کی ہے، اور "جوہرِ سخن" نامی رسالہ بابت ماہ اکتوبر ۱۹۱۲ء میں طبع ہوئی ہے۔

ہماری آنکھوں میں وہ بس پھرتے ہمارے دل میں بس ان کے جلوے ہمیں سے لیتے چھپا رہے ہیں وہ حسن اپنا جمال اپنا

تمہاری بیمار کا وہ نوں نے ہمیں مرنے سے روک تھا خوشی سے جس دن تم آملو گے وہی ہے روزِ وصال اپنا

کہاں کسی کا جگر ہے ایسا کہ تاب لائے مرے بیاں کی یہی ہے بہتر خموش بیٹھوں کہوں کسی سے نہ حال اپنا

یہ ہم نے آنکھوں سے اپنی دیکھا، غلام پیرِ مغاں نے سمجھا
جنابِ سائلؔ کو بھول کر بھی کبھی نہ آیا خیال اپنا



گُل ہے اپنا نہ باغ ہے اپنا اک فقط دل کا داغ ہے اپنا

دل جگر داغ داغ ہے اپنا سینہ اک صحنِ باغ ہے اپنا

جسے کہتے ہیں چشمۂ کوثر ایک وہ بھی ایاغ ہے اپنا

جسے کہتے ہیں لوگ ماہِ مبیں ایک وہ بھی چراغ ہے اپنا

موت سے بھاگ کر کہاں چھپیے نقشِ ہستی سراغ ہے اپنا

ساتھ جلنے کو ہجر کی شب میں ایک مونس چراغ ہے اپنا

موت ہنستی تھی جب چلا شدّاد یہ سمجھ کر کہ باغ ہے اپنا

اُس کے کوچے کی خاک میں مل کر آسماں پر دماغ ہے اپنا

اے نسیمِ سحر ادب سے چل یارِ نازک دماغ ہے اپنا

خاک میں مل گئے تو کیا سائلؔ
وہ ہی عالی دماغ ہے اپنا



کہیں شکرِ ستم کرنا کہیں شکوہ وفا کرنا غرض عاشق کو ذکرِ خیر اس کا جابجا کرنا

اثر کیونکر نہ ہو پیدا کہ دل میں درد رکھتے ہیں نہ ہو گر لطف فرما تم قلم دستِ دعا کرنا

خصوصیت اثر کی کیوں کہاں کا کام مشکل ہے ہر اک نالہ کو آتا ہے قیامت کا بپا کرنا

فسانہ کیا سناؤں میں کہ تم کو تو یہ آتا ہے مزے کی داستاں کو سُنتے سُنتے بے مزا کرنا

لہ اے لو،

کوئی مسجد ہے کیا واعظ بنا لی ایک کوچہ میں　　بنانا ایک عالم کا ہے میخانہ بنا کرنا

جنابِ شیخ کی تعلیم کب مطلب سے خالی ہے　　مریدوں کو ہیں سمجھاتے تصورِ شیخ کا کرنا

جو سچ پوچھو تو کہدوں میں بزرگی تو مسلّم ہے　　مگر ظلمت میں پڑتا ہے خضر کو رہنما کرنا

نہ جاؤ طور پر موسیٰ مری آنکھوں میں آ بیٹھو　　اگر ہے آپ کو منظور دیدارِ خدا کرنا

نہیں تاثیر رونے میں تو پھر رونے سے کیا حاصل　　اثر سے ہے اگر خالی تو پھر کیا آہ کا کرنا

مزاج اس کا بہت نازک ہے، حالِ جانِ مضطر کی　　ادب سے سر جھکا کر عرض اے آہِ رسا کرنا

خفا ہو کر لگے کہنے کہ یاں کوئی نہیں سنتا　　گلہ جتنا کہ کرنا ہو تمھیں روزِ جزا کرنا

فراقِ یار میں فرہاد تو نے جان تک دیدی　　نہ آیا پر نہ آیا حق محبت کا ادا کرنا

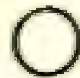
جھٹکنے سے وہ جو دامن سے تو آنکھوں میں رکھنا　　لحاظ اتنا تو میری خاک کا ارض و سما کرنا

دکھا دیتے ہیں وہ جلوے چھپے ہوں لاکھ پردوں میں　　حسینوں کا بہت مشکل ہے پابندِ حیا کرنا

تماشا دیکھنا ہو گر دلِ پژمردہ کا میرے　　تبسم آشنا اپنا لبِ معجز نما کرنا

جنابِ خضر میخانے میں کیا تشریف فرما ہوں　　شرابِ ناب کا آساں نہیں آبِ بقا کرنا

حرم میں آپ جاتے ہیں شرابِ ناب میں ڈوبے
خدا کے واسطے مائل مرے حق میں دعا کرنا



طریقِ عشق میں ہے کفر افشا راز کا کرنا　　بنائے نامرادی ہے کسی کو رہنما کرنا

گلہ اتنا تو ہے تجھ سے ہمیں بھی اے خدا کرنا　　کہ جس کافر کو ہم چاہیں اسی کو بیوفا کرنا

خبر کچھ اور دیتے ہیں یہ الطاف و کرم اس کے　　بنا کر درد کا پتلا حقیقت آشنا کرنا

پہنچ کر منزلِ مقصود پر ناکام پھر آنا　　خدا جانے کہ ہے اللہ کو منظور کیا کرنا

نہ وہ دل ہے نہ وہ ہم ہیں خدا جانے کہ کیا ہیں ہم　　کہے دیتے ہیں پہلے سے سمجھ کر اب جفا کرنا

کبھی دیکھنا اس کی کہ عادت ڈال لی اپنی　　درِ میخانہ سے پہلے درِ رحمت کا وا کرنا

نگاہِ ناز کہتی ہے جو بسمل ہو تڑپنے دو　　غرورِ حسن کہتا ہے کہ اپنا ہی کہا کرنا

اگر باور نہیں تم کو تو پوچھو عرشِ اعظم سے　　خلل کرتے ہیں نالوں کو مرے آتا ہے کیا کرنا

کسی عاشق کو اے قاصد دعا کرتے کبھی دیکھا ہے
تجھے آتا بھی ہے کم بخت عرضِ مدّعا کرنا

زمانہ جب بدلتا ہے ہوا کرتا ہے ایسا ہی
ہوا جو کچھ کہ ہونا تھا اب اُس کا ذکر کیا کرنا

بہت مشکل ہے اب جینا دلِ بیتاب کے ہاتھوں
کھٹکتا ہے تمہارے تیرِ مژگاں کا خطا کرنا

طریقِ عشق میں بھاری ہے منزل خاکساری کی
جو پیش آئے کوئی مشکل تو ذکرِ نقشِ پا کرنا

نظر آنے لگی کعبے سے مجھ کو راہِ بت خانہ
ہوا اللہ کو منظور جب دردِ آشنا کرنا

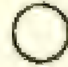
خدا جانے کہ ہے شوخی یہ کس سفاک کی ان میں
بتوں سے تھا کہاں ممکن جفا کا حق ادا کرنا

اداؤں میں اِدھر شوخی نگاہوں میں اُدھر مستی
قیامت ہے ترا کافر یہ مے پی کر حیا کرنا

خدا کے گھر سے نکلے بت خدا کا گھر ہے یہ بھی تو
کہوں کس منہ سے ان سے میں مرے دل میں رہا کرنا

پھنسوں دامِ بلا میں طائرِ عرش آشیاں ہو کر
مگر دردِ اسیری سے مجھے تھا آشنا کرنا

صنم خانے میں اے مائل خدا کو بھول جاتے ہو
کہیں ایسا نہ بیت اللہ میں ذکرِ خدا کرنا[1]



نگہ نگہ سے ٹپک رہا ہے کسی کا ہرگز کہا نہ کرنا
ادا ادا سے برس رہا ہے کہ کوئی وعدہ وفا نہ کرنا

ہمیں جہاں میں ہیں ایک ایسے کہ جان دینے پہ دم ہیں دیتے
ہمارے آگے خضر سے کہہ دو کہ ذکرِ آبِ بقا نہ کرنا

مسیح بالیں سے میری ہٹ کر یہ چارہ سازوں سے کہہ رہے ہیں
مریضِ غم کی ہوا ہے بچنا دوا ہے اسکی دوا نہ کرنا

سنا رہا ہوں بنا بنا کر کہ میرے دل پر بُری بنے گی
کسی کی زلفوں کو تو پریشاں صبا نہ کرنا عبث کرنا

اگر ملاتے ہو میرے خوں سے یہ دستِ رنگیں تو سچ ہی کہنا
قسم ہے تم کو لہو کی میرے خیالِ رنگِ حنا نہ کرنا

اثر ہے اللہ مری زباں کا ہوا یہ جاتے ہی قتل قاصد
کیا ہے میں نے یہ عہد اب سے کسی کے حق میں دعا نہ کرنا

---

[1] یہ دو غزلہ مشاعرۂ طرحی منعقدہ ماہ اپریل ۱۹۱۲ء کا ہے۔ اور "جوہرِ سخن" نامی رسالہ میں طبع ہو چکا

* یہ مشاعرہ شیخ فدا علی مرحوم کے مکان واقع محلہ بیلی کا شقاں پہ ہوا تھا۔ مصرع طرح تھا:

ہمارے حق میں بھی اے شیخ صاحب کچھ دعا کرنا

احقر (مرزا محمد باقی خواہرزادہ بادشاہ ظفر)۔ آثار، ایمان، تسنیم، تنویر، جوہر، شوخ، بنالال ناظم وغیرہ شریک تھے۔ ناظم کا مطلع ہے: کرم کرنا ستم کرنا، وفا کرنا جفا کرنا / رہا ہے آپ کو سب کچھ روا یا ناروا کرنا۔

۔۱۲

ادا جو اس کی ہے اک آفت تو اس کی شوخی بھی ہے قیامت
غضب ہے تیرا حیا کا کرنا ستم ہے تیرا حیا نہ کرنا

جو مجھ کو صیاد اسیر کرکے تو آشیانے کو پھونکتا ہے
قسم ہے تجھ کو ستم کی اپنے قفس سے مجھ کو رہا نہ کرنا

یہ میں نے مانا کہ تو رسا ہے پر اُس کی زلفوں سے کم ہی رہنا
مزاج اس کا ہو جس سے برہم وہ کام آہِ رسا نہ کرنا

اگر ہے تم کو مزہ اُٹھانا ستم کا اپنے تو یاد رکھنا
ہمارے دل سے خیال اپنا جدا نہ کرنا جدا نہ کرنا

اگر ہو منظور یہ ہو تم کو کہ مجھ کو دل سے ہی بھول جاؤ
چمن میں جانا جو فصلِ گل میں نوائے بلبل سنا نہ کرنا

جناب واعظ جو میکدے میں کرم کیا ہے تو رندِ میکش
پلائیں جو کچھ وہ پی ہی جانا خیال دل میں ذرا نہ کرنا

جو لب سے نکلے ہو میرے نالو قسم ہے اپنے اثر کی تم کو
کسی کا دل ہو کہ عرشِ اعظم کہیں بھی ہرگز خطا نہ کرنا

کسے ہے معلوم کیا خبر ہے ابھی تو آغازِ عشق کا ہے
خدا ہی جانے خدا کی باتیں اُسے ہے منظور کیا نہ کرنا

یہ سر ہے میرا یہ تیغ تیری خیال کس کا ہے فکر کیا ہے
جو دل میں سوچا ہے صاف کہہ دو کہ قتل کرنا ہے یا نہ کرنا

چلے ہو گھر سے بہت ہی بن کر خدا ہی حافظ ہے اب جہاں کا
خجل ہوں جس سے ہمارے نالے قیامت ایسی بپا نہ کرنا

ہمیں ہیں ایسے صبر کرکے تمہارے در سے چلے ہیں اُٹھ کر
ہمارے کہنے کو یاد رکھنا کسی پہ ایسی جفا نہ کرنا

سمجھ کے کہتا ہوں تم سے مائلؔ کسی سے ہوگی بڑی ندامت
کبھی نہ واعظ کی بات سننا، کبھی بھی یادِ خدا نہ کرنا



جتنے بتانِ دہر ہیں سب ہیں زر آشنا
کہنے کی ہے یہ بات کہ ہوں کیونکر آشنا

وہ در ہے کونسا کہ نہیں ہے سر آشنا
کعبہ سے دیر تک ہے ہر اک پتھر آشنا

کیا جانے اس کی راہ میں مرنے کے لطف کو
جس کا نہیں ہوا ہو گلو خنجر آشنا

ہے آج بندوبست نیا اس کی بزم میں
اندر امیدوار ہیں اور باہر آشنا

غیبت میں ایک بار کہا اُس نے کچھ مجھے
کہتے ہیں بار بار مرے منہ پر آشنا

محفل میں جا تو بیٹھیں گے ہم آبرو کے ساتھ
دربان آشنا ہو نہ ہو دلبر آشنا

میخانے سے غرض نہ ہمیں خانقاہ سے
تسبیح ہاتھ میں ہے نہ لب ساغر آشنا

گھیرے ہوئے ہیں دل کو مرے بدگمانیاں
ہو بھی وہ حیلہ ساز تو ہو کیونکر آشنا

پھونکا جو گر کے برقِ تجلی نے طور کو
ہر سنگ کہہ اٹھا کہ ہوا جل کر آشنا

پیدا کہاں ہیں مجھ سے محبت میں خوش نصیب — ناصح مرا شفیق مرا دلبر آشنا
میری نظر میں تختِ سلیماں بھی خاک ہے — جب سے جدا ہوا وہ پری پیکر آشنا
چلتا ہوں بچ کے شیخ و برہمن کے سایہ سے — مجھ کو ملی نہیں ہے طبیعت ستر آشنا
ٹھکرا دیا خزانۂ قاروں کلیم نے — سچ ہے کہ دل غنی نہیں ہوتا زر آشنا
واں سب خودی سے دور ہیں تو بیخودی پسند — ہوں کیوں نہ میکدے میں ترے اکثر آشنا
لایا بھی جذبِ شوق اُسے کھینچ کر تو کیا — کافر تمام شب نہ ہوا دم بھر آشنا

کرتا ہے کس کی یاد کہ مائلؔ تمام رات
ہوتی نہیں ہے پشت تری بستر آشنا

○

عشق میں قہر ہوا چاک گریباں ہونا — اب تو ممکن ہی نہیں راز کا پنہاں ہونا
قہر ہے ایک ادائے ستم آمیز تری — دیکھنا آئینہ اور آپ ہی حیراں ہونا
آ کے عیسیٰ بھی دکھا جائیں کرشمے اپنے — ہوں وہ بیمار کہ ممکن نہیں درماں ہونا
ہم نے اک عمر میں مٹ مٹ کے اُڑایا انداز — خاک ہونا تو غبارِ رہِ جاناں ہونا
شرم اے دیدۂ تر شرم، کہ وہ کہتے ہیں — ایک قطرے سے تو ممکن نہیں طوفاں ہونا

کہیں چھپتی ہے چھپائے سے محبت مائلؔ
تیری صورت سے برستا ہے پریشاں ہونا

○

مرے گھر میں اک شب بھی مہماں نہ ہونا — مرے دل میں رہنا مری جاں نہ ہونا
یہ سیکھا ہے کس سے یہ کس نے سکھایا — ستم کرتے جانا پشیماں نہ ہونا
اُلجھتے اُلجھتے یہ نہیں مجھ سے ناصح — کہیں آپ دست و گریباں نہ ہونا
مری طرح تم بھی کہیں حضرتِ دل — گرفتارِ زلفِ پریشاں نہ ہونا
وہ آئیں نہ آئیں قیامت تو یہ ہے — شبِ غم میں مرنے کا ساماں نہ ہونا
سرِ بزم چھیڑا تو کہتے ہیں کیا وہ — اک آفت ہے انساں کا انساں نہ ہونا

کہیں کوئے جاناں سے وحشت میں اے دل　روانہ ہی سوئے بیاباں نہ ہونا
جنوں کا ہے حیلہ مقدر یونہیں تھا　گریباں ہونا تو داماں نہ ہونا
اگر چرخ ڈوبے تو ڈوبے بلا سے　خجل ابر سے چشمِ گریاں نہ ہونا
نہ ہونا ہو دنیا میں جو کچھ وہ ہونا　مرے درد کا ہائے درماں نہ ہونا
چلے تو ہو اُس بزم میں حضرتِ دل　جو اٹھ جائے پردہ تو حیراں نہ ہونا
بناتے بناتے یونہیں زلف و رُخ کو　کہیں درپئے کفر و ایماں نہ ہونا
یہ عمرِ ابد مفت جاتی رہے گی　خضر رہبرِ کوئے جاناں نہ ہونا

کسی طرح واعظ کہے تم سے مائلؔ
تم ایماں نہ کھونا مسلماں نہ ہونا



منظور ہے اگر دلِ ناشاد دیکھنا　کیا دیکھنے ہو اب، دمِ بیداد دیکھنا
دل جائے جان جائے جگر جائے کچھ بھی ہو　اندازِ غمزۂ ستم ایجاد دیکھنا
دُنیا کی سیر دیکھ چکے لیکن اے فلک　باقی رہا ہے اک دلِ ناشاد دیکھنا
تیغِ ادا کو ننگ ہے تیرِ نگہ کو عار　دیتا نہ بسملوں کی کہیں داد دیکھنا
سب رنگ تیری بزم کے دیکھے ذرا ذرا　باقی رہا ہے غیر کو ناشاد دیکھنا
بزمِ عدو میں لے تو چلا ہے مجھے مگر　میری ہنسی نہ ہو دلِ ناشاد دیکھنا
دو چار بت ہی کعبہ میں رکھ دو نہ واعظو　منظور ہے جو اسے اگر آباد دیکھنا
لکھا جوابِ خط بھی تو قاصد کے خون سے　آشوبِ روزگار کا ایجاد دیکھنا
بے تابیوں کے کیا ہیں ابھی شوخیوں میں رنگ　کچھ بھی اثر جو کر گئی فریاد دیکھنا
سچ تو یہ ہے کہ تنگ ہیں ہم دل کے ہاتھ سے　کچھ داد دیکھتا ہے نہ بیداد دیکھنا
پتھر ہو جس سے آب وہ قصہ سُنا کے آج　تیرے جگر کو اے ستم ایجاد دیکھنا
یاں ضعف یہ کہ آہ بھی پوری نہ کھنچ سکی　واں طعن یہ کہ ہمتِ فرہاد دیکھنا
نکلے نہ منہ سے آہ قیامت ہی کیوں نہ ہو　لے کشتگانِ خنجرِ بیداد دیکھنا

کن محنتوں سے ہائے بنا تھا یہ قصرِ دل — قسمت میں تھا مری جسے برباد دیکھنا

مائل کو آتے دیکھ کے مجنوں سے کوہ کن
کہنے لگا کہ آ گئے ہیں استاد دیکھنا

(۱)

ہاں کیا نہیں تسلّیِ اغیار دیکھنا — میری طرف تو بھول کے اک بار دیکھنا
موسیٰ کے دل سے پوچھیے یا کوہِ طور سے — اللہ، کوئی کھیل ہے دیدار دیکھنا
جلوے اگر یہی ہیں تو ہر دل فگار کا — دشمن بنے گا سایۂ دیوار دیکھنا
گر رندِ بادہ کش کے پھرے دن تو محتسب — تم اپنے گھر کو خانۂ خمّار دیکھنا
ساری خرابیاں تو محبت کے ساتھ ہیں — کچھ سہل دیکھنا ہے نہ دشوار دیکھنا
باتوں ہی باتوں میں تو قیامت بپا ہوئی — ہوتا ہے کیا ابھی دمِ رفتار دیکھنا
جاتی رہے گی ایک نہ اک دن کسی کی جان — اچھی نہیں ہے روز کی تکرار دیکھنا
مجھ سا بھی خوش نصیب نہیں ہے جہان میں — ناصح ہی بن کے آئے ہیں غمخوار دیکھنا
آتا ہے کون فتنۂ عالم بنا ہوا — بازار ہے کہ حشر کا بازار دیکھنا
دل ڈھونڈھتا ہے لطف ہی پہلے وار کے — مجھ کو اسی نگہ سے پھر اک بار دیکھنا
وحشی تو ہوں پہ سبز قدم قیس سا نہیں — میرے قدم سے دشت کو گلزار دیکھنا
یارب نہ دل میں غیر کے اس کا پتہ چلے — لیلیٰ کہاں ہے وہم غلط کار دیکھنا
پہنچا ہی دیں گے تجھ کو تو واعظ بہشت میں — دو چار مل گئے جو قدح خوار دیکھنا
اٹھی نہ تھی نقاب کہ بیہوش تھے کلیم — حضرت سے سیکھ لے کوئی دیدار دیکھنا

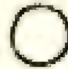
ہے کب سے بند نالۂ مستانہ کی صدا
کس رنگ میں ہے مائلِ میخوار دیکھنا

(۲)

دل کی طرح مضطرب کیوں ہے جگر دیکھنا — اس میں کہیں رہ گیا تیرِ نظر دیکھنا
عشق بھی کیا چیز ہے سہل بھی دشوار ہے — اُن کو اِدھر دیکھنا مجھ کو اُدھر دیکھنا

کیا یہ کہیں آئی ہے انجمنِ یار سے / چلتی ہے کس ناز سے بادِ سحر دیکھنا
آہ بھی نارسا نالہ بھی بے اثر / رنگ مگر لائے گا دیدۂ تر دیکھنا
جاتے ہیں ہم بزم سے ہوتے ہو تم کیوں خفا / ہم کو تو منظور تھا ایک نظر دیکھنا
مجھ سے جگر خستہ کی آہ اگر کھنچ گئی / عرش سے لے فرش تک زیر و زبر دیکھنا
شیخِ زماں دیکھ لی یہ ہے نماز آپ کی / گاہ ادھر دیکھنا گاہ اُدھر دیکھنا
انجمنِ غیر میں جائیں گے وہ ہم نشیں / آہ و فغاں کا مری آج اثر دیکھنا
پوچھتے ہیں اس طرح حال مرا جان کر / جیسے نہیں آج تک کچھ بھی خبر دیکھنا
ابرِ سیہ دوش پر یہ جو ہوا لائی ہے / لے نہ اڑی ہو مرا دامنِ تر دیکھنا
گردشِ طالع مری ان کو بھی کچھ مل گئی / پھرتے جو ہیں رات دن شمس و قمر دیکھنا
صلِ علیٰ کہتے ہیں اس کو ملک دیکھ کر / قدرتِ حق دیکھنا، حُسنِ بشر دیکھنا
ہجر نہ اب وصل ہے، دل میں مری شکل ہے / چپکے الگ بیٹھنا آٹھ پہر دیکھنا
ان کو بھی تو مجھ سے ہی وصل کی شب چھیڑ ہے / بولتے ہیں شام سے مرغِ سحر دیکھنا

سائلِ مسکیں سے اب کچھ نہ کرو عار تم
بعدِ ملاقات کیا عیب و ہنر دیکھنا



ٹھہرا جو بزمِ یار میں تقصیر دیکھنا / تو دیکھنے کی چاہیے تعزیر دیکھنا
قول و قرار غیر سے ٹھہرے نئے نئے / کیا کی ہے میری آہ نے تاثیر دیکھنا
نفرت عدو سے مجھ سے محبت سہی مگر / کچھ رنگ لائے گی مری تقدیر دیکھنا
گر اس کی بزم میں مجھے چپ لگ گئی تو کیا / ناصح کے سامنے مری تقریر دیکھنا

تشنہ ہے ساری خلق تو سائل ہے تشنہ تر
یہ رہ نہ جائے حضرتِ شبیر دیکھنا



تم میرے سامنے کبھی خنجر نہ دیکھنا / اور دیکھنا تو تن پہ مرے سر نہ دیکھنا

دشمن بھی میرے ساتھ ہی آیا ہے بزم میں
تم کو قسم ہے آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا

گر دیکھیے نہیں ہو ندامت سے جور کی
تم اب تو دیکھ لو دمِ محشر نہ دیکھنا

گر جان ہو عزیز تو دیدار یار کا
یارب نصیب ہو تو خنجر نہ دیکھنا

آلودہ میرے خوں سے کبھی بھی ہوا نہ ہو
ایسا جہان میں کوئی پتھر نہ دیکھنا

سب کچھ ہمیں دکھائے فلک پر ستم شعار
تجھ سا تو ہو نصیب ستمگر نہ دیکھنا

رکھتے ہیں موتیوں سے یہ دامن بھرے ہوئے
مٹھی میں عاشقوں کی کبھی زر نہ دیکھنا

دل پہ رہیں گی نقش یہ بے مہریاں تری
جانا اور اس طرح سے کہ مڑ کر نہ دیکھنا

مجھ پہ ستم کیا مرے عجز و نیاز نے
تجھ کو سکھا دیا بتِ کافر نہ دیکھنا

وہ کونسا ستم ہے کہ مجھ پر نہیں ہوا
وہ کون سا ہے داغ کہ دل پر نہ دیکھنا

دل سے مرے جدا نہ کر اپنے خیال کو
مجھ کو تو موت ہے تجھے دم بھر نہ دیکھنا

موسیٰ تو چلتے چلتے سرِ راہ دیکھ لیں
اور ہم کو عمر بھر ہو میسر نہ دیکھنا

مائل جو توبہ کرتے ہو کیا ہی ابر ہو
پھر آنکھ اٹھا کے شیشہ و ساغر نہ دیکھنا



کہوں کیونکر کہ تم اے شعلہ و سیماب کہہ دینا
بہت دشوار ہے حالِ دلِ بیتاب کہہ دینا

یہ اُن سے رازدارِ دیدۂ پُر آب کہہ دینا
کوئی دم کا ہے مہماں عالمِ اسباب کہہ دینا

دعائے خیر کرتے ہیں جنابِ نوح اے قاصد
بنایا ہے مری آنکھوں نے وہ تالاب کہہ دینا

تڑپ کر یہ الٹ دے گا زمین و آسماں دونوں
دلِ بیتاب کو میرے نہ تم سیماب کہہ دینا

کبھی مجنوں جو آنکلے مری جانب سے اے صحرا
گلستانِ جنوں کا ہے یہ پہلا باب کہہ دینا

یہ مجھ کو گرتے گرتے حضرتِ یوسف نے سمجھایا
کسی کے سامنے ہرگز نہ اپنا خواب کہہ دینا

مرے بخت سیہ سا زر رکھتے ہو تو اے قاصد
مرے گھر میں ہے بھیجی کیوں شبِ مہتاب کہہ دینا

ہر اک ساغر کو نادانی ہے جامِ جم سمجھ لینا
ہر اک مے کو نہیں اچھا شرابِ ناب کہہ دینا

خدا جانے کہ میرا دل ہے کس رتبہ کا دیوانہ
جو مجھ سے قیس کہتا ہے مرا آداب کہہ دینا

ترے رُخ سے ہے بالا ابروئے خمدار کا رُتبہ — یہ گستاخی ہے کعبہ کی اُسے محراب کہدینا

زلیخا کا عجب حسرت سے دستِ شوق کہتا ہے — صبا دامانِ یوسف سے مرا آداب کہدینا

نہ وہ بالا دو عالم ہوں فغان و آہ کچھ بھی ہو — نہ اُس بُت سے تمنائے دلِ بیتاب کہدینا

نسیمِ صبحگاہی کوئے جاناں میں جو پہنچے تو — وہاں کے خاکساروں کو مرا آداب کہدینا

مری قسمت کہاں ایسی کہ موت آئے مگر قاصد — یہ تنگ آئے ہیں جینے سے مرے احباب کہدینا

پیامِ شوق پر میرے وہ کہتے ہیں یہ قاصد سے — کہیں بھاگی نہیں جاتی شبِ مہتاب کہدینا

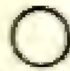
وہ کافر آنے والا ہے جو تجھ پر شب کو گزری ہے — لگی لپٹی نہ رکھنا کچھ دلِ بیتاب کہدینا

ابھی موقع نہیں خلوت کا اے پیغامبر اُن سے — ابھی دو چار بیٹھے ہیں مرے احباب کہدینا

مجھے جینا پڑا آخر یہ اُن سے اے مرے قاصد — شبِ غم میں کچھ ایسے ہو گئے اسباب کہدینا

نگہ کو اور مژہ کو نام رکھنا اس کو کہتے ہیں — تمہارے خنجر و شمشیر کو بے آب کہدینا

صبوحی کو تو میخانے میں جایا کرتے ہو مائلؔ
تو مل جائیں کہیں واعظ مرا آداب کہدینا



مری خاطر سے یارو منتِ اغیار کرلینا — بگڑتی بات گر دیکھو تو پھر تلوار کرلینا

کہا میں نے کہ مرتا ہوں تو بولے دیکھ کر مجھکو — کہ اس تارِ نظر کو تو کفن کا تار کرلینا

وہ دیکھے یا نہ دیکھے اس سے تجھ کو کیا غرض قاصد — سلام اس کو مری جانب سے سَو سَو بار کرلینا

رہا اپنا تو یہ شیوہ کہ دیکھا اور چل نکلے — نہ آیا عمر بھر ہم کو گلے کا ہار کرلینا

تصدق یار پر ہونا برابر ہو نہیں سکتا — طوافِ خانۂ کعبہ ہزاروں بار کرلینا

ابھی تو رات باقی ہے سحر تک تو تو بچ جاؤ — نگہ نازِ مسیحا کا دلِ بیمار کرلینا

قصور اتنا ہوا تجھ سے کہ گستاخانہ ٹکرایا — مرے سر کی شکایت تم در و دیوار کرلینا

نہ مشرق سے غرض ہم کو نہ مغرب کی خبر ہمکو — ہمیں تو سجدہ سوئے کوچۂ دلدار کرلینا

خراب آباد دنیا میں خیالِ توبہ کیا واعظ — اگر ہے زندگی باقی تو لاکھوں بار کرلینا

فغان و آہ سے میری کرشمے اُن کے کہتے ہیں — ہم اپنا وار کرتے ہیں تم اپنا وار کرلینا

وہ سُن لینا سمجھ لینا جو پیرِ عشق کہتا ہے — پھر اپنا فیصلہ خود کافر و دیندار کرلینا

زلیخا چھوڑ دے اب تو خیال و خواب کی باتیں — وہ آیا کارواں، سودا سرِ بازار کرلینا

فرشتوں کو رُلا دیتی ہیں اہلِ درد کی باتیں — انھیں آتا نہیں نالہ کبھی بیکار کرلینا

یہ میخانہ ہے اے مائل یہاں رحمت برستی ہے
جو مسجد میں قدم رکھو تو استغفار کرلینا

○

اِدھر بھی کبھی اک نظر دیکھ لینا — ہمارا بھی اک دن جگر دیکھ لینا

طفیلِ مئے ناب واعظ یہ دامن — کبھی آپ کو تر سے تر دیکھ لینا

مرا ہے وہ نالہ کہ اللہ اکبر — دو عالم کو زیر و زبر دیکھ لینا

لگائے کسی ڈھب سے تلوار قاتل — ہمارا تو قدموں پہ سر دیکھ لینا

شبِ ہجر اتنا نہیں کہنے والا — اِن آنکھوں سے روئے سحر دیکھ لینا

فلک چیز کیا ہے گناہوں کے دفتر — ڈبو دے گی یہ چشمِ تر دیکھ لینا

نہیں روک تیرِ دعائے سحر کی — یہ ہو اور ہو کارگر دیکھ لینا

وہ کہتے ہیں یہ چڑھ ہے خنجر کو میرے — کبھی دوشِ عاشق پہ سر دیکھ لینا

کوئی کھیل سمجھا ہے اے دیدۂ دل — حسینوں کا موئے کمر دیکھ لینا

رُلایا یہ بلبل نے کہہ کر کہ گل تک — قفس میں یہ دو چار پر دیکھ لینا

جو گزری ہے شب کو قسم دیکے پوچھو — یہ کہہ دیں گے دیوار و در دیکھ لینا

دل و دین و ایماں تو لیکر گئے وہ — بنا دیں گے اب جان پر دیکھ لینا

ہنر اپنے چھلنے کا جب تم دکھاؤ — ہمارا کمالِ نظر دیکھ لینا

یونہیں ہاتھ میں ہاتھ دینا نہ مائل
ذرا با خبر، بے خبر دیکھ لینا

○

انھیں سجدہ کرتے جدھر دیکھ لینا — خدا کی خدائی اُدھر دیکھ لینا

نہ فرمائیں۔

کوئی ہیں بھی دربانِ سدرہ نشیں ہوں — مجھے در پہ آنکھوں پہ ہر دیکھ لینا
یہ کون آرہا ہے کہ غل ہر طرف ہے — خدا کے لیے اک نظر دیکھ لینا
دل و جانِ عاشق کو اندر ہی اندر — جلا دے گا سوزِ جگر دیکھ لینا
زمانہ ہوں میں بھی جو بدلوں مجھے تو — اسی وضع پہ عمر بھر دیکھ لینا
قیامت اُٹھاتے تو خود آرہے ہیں — کہیں گے مجھے فتنہ گر دیکھ لینا
رکھو گے ملائک جو سجدے میں سر کو — تو آنکھوں سے شانِ بشر دیکھ لینا
وہیں کعبہ ہوگا وہی قبلہ ہوگا — جہاں ہوں گے وہ جلوہ گر دیکھ لینا
نہ ہوا تنے غافل دکھا کر رہے گا — ہر اک نالہ اپنا اثر دیکھ لینا
کبھی ہوش موسیٰ کے اُڑتے نہ ہرگز — مقدر میں ہوتا اگر دیکھ لینا
ترے نقشِ پا کے تو ہوتے کسی کو — نہ دیکھیں گے اہلِ نظر دیکھ لینا
تصور میں رکھتا ہوں ان کے لبوں کو — مری عمر، عمرِ خضر دیکھ لینا
اُٹھاؤ تو یہ وہ قیامت تو آئے — تقاضائے اہلِ نظر دیکھ لینا
جہاں بادشاہوں کے تکیہ کو چھوڑا — درِ دولت اپنا ہی در دیکھ لینا

جو رکھتے ہو آنکھوں میں اس کو تو مائلؔ
خدا کا بھی پہلو میں گھر دیکھ لینا



یادِ بتاں میں دل ہے اگر بت بنا ہوا — رکھا ہے بتکدے میں قدم اور خدا ہوا
ملتا وہ کیوں نہ ہم سے کہ دل تھا ملا ہوا — کہنے کی ہے یہ بات کہ نالہ رسا ہوا
ہے اُسکے دستِ ناز میں خنجر کھنچا ہوا — آ جائیں خدا کے واسطے اے موت کیا ہوا
ہوتی یہ جلی ہے دل میں کھٹک سی تو کچھ ضرور — ہم آشنا ہوئے ہیں نہ وہ آشنا ہوا
ہر وصل کی بھی نسبتِ شبِ غم گھٹی ہوئی — ہے دل جو زندگی سے ہمارا بھرا ہوا
کہتا ہے تیغِ ناز سے کافر وہ وار کر — رہ جائے دو جہاں کے نہ تسمہ لگا ہوا
اک محتسب سے میکدہ کیونکر خراب ہو — ہے لاکھ میکشوں کا مقدر لڑا ہوا

ہنستا ہے مجھ پہ ہائے مرا اشک بے اثر
ایسا کسی کی آنکھ سے ہوں میں گرا ہوا

مرنے کو ہم تو بیٹھے ہیں مر جائیں گے ابھی
افسوس کر کے آپ نہ کہنا کہ کیا ہوا

شاید نگاہِ ناز تری کام کر گئی
اک تیر سا ہے دل کے جو اندر لگا ہوا

خط پڑھ کے کیا کروں گا کہ کہتا ہے نامہ بر
پیغام اور کچھ ہے زبانی دیا ہوا

پیرِ مغاں سا قلبِ مصفّیٰ ملے کسے
اُس کا تو جو مرید ہوا بے ریا ہوا

ہے اس طرح سے بحرِ جہاں میں مری نمود
جیسے کہ نقش آب پہ ہو اور مٹا ہوا

ان آنسوؤں کی میری سرایت تو دیکھیے
ہر قطرہ بحرِ حسن میں جا کر فنا ہوا

واعظ کہیں ٹھکانا ہے اسکے ثواب کا
جو روزہ میکدے میں ہمارا ادا ہوا

رحمت کے مینہ سے روزِ قیامت اُٹھے گا وہ
میخانے کی ہے خاک میں مائل ملا ہوا



ادھر کو جو آنا تمھارا ہوا
مری زندگی کا سہارا ہوا[1]

مرے دل کا وہ ہی سہارا ہوا
یہ کعبہ ہے جس کا سنوارا ہوا

مجھے زہر دینا یہ حالت ہے اب
مرے چارہ گر کو گوارا ہوا

بنائیں گے گلشن میں پھر آشیاں
جو تنکے کا ہم کو سہارا ہوا

اسی پر نشانہ پھر آ کر لگا
وہی زخم تازہ دوبارا ہوا

حسیں یوں تو لاکھوں ہی آئے یہاں
لقب اک اسی کا دل آرا ہوا

تری جلوہ گہ میں جو رکھے قدم
کسی کا بھی ایسا نہ یارا ہوا

عدم میں اُٹھے روحِ مجنوں کے جوش
جنوں زور پر وہ ہمارا ہوا

---

[1] غالباً [illegible] یا [illegible] میں جب مرزا مائل بمقام سانبھر بیمار تھے تو مولوی عبدالمجید خاں افضل قرولوی ان سے ملنے گئے۔ انھیں دیکھتے ہی مرزا صاحب نے فی البدیہہ یہ مطلع کہا۔ اور قرار پایا کہ دونوں اس زمین میں غزل کہیں اور "تارا" کا قافیہ مخصوص ہو۔ چنانچہ مرزا صاحب نے جس طرح یہ قافیہ باندھا وہ اس غزل میں موجود ہے۔ مولوی افضل کا شعر یہ ہے: "وہ بلبل ہوں ٹپکا جو آنسو مرا ؎ تو گلشن کی آنکھوں کا تارا ہوا"

وہ بدظن سا مجھ سے جو رہنے لگا　　کسی کا مگر ہے ابھارا ہوا
درِ میکدہ پر جو جا کر پڑے　　مزے سے ہمارا گذارا ہوا
سخن میں ہیں تیرے بھی پردے ہزار　　مرا راز کب آشکارا ہوا
یہ اور رنگِ شاہی بلا ہے بلا　　سرِ جم پہ یہ ہی تو آرا ہوا
کہو تو یہ اے اہلِ دیر و حرم　　کہیں تذکرہ بھی ہمارا ہوا
شرر بارِ نالہ جو میرا گیا　　فلک پر وہ دمدار تارا ہوا
مرے نامہ بر کو وہ کہتا ہے شوخ　　کبوتر ہے اپنا یہ مارا ہوا[1]
اُسے لوگ فردوس کہنے لگے　　وہ جس باغ میں بزم آرا ہوا
مرے سر نے سمجھا کہ تلوار ہے　　جو ابرو کا ان کے اشارا ہوا
کسے یہ خبر ہم تو کہہ آئے حال　　گوارا ہوا ناگوارا ہوا
تڑپتا ہے صوفی تو کہتے ہیں وہ　　یہ ہے شیخ صاحب کا مارا ہوا
خدا بھی اسے تو ہے پہچانتا　　جو ان کی ادا کا ہے مارا ہوا

دکھا دیں گے آیا جو مائل نظر
نگاہِ محبت کا مارا ہوا

○

رو دھو کے کچھ غبار نکالا تو کیا ہوا　　گر پڑ کے ہم نے دل کو سنبھالا تو کیا ہوا
خود بھی تو پیچ و تاب سے اٹھ کر چلے گئے　　دشمن کو انجمن سے نکالا تو کیا ہوا
سنتے ہی اس کے نام کو بیتاب ہو گیا　　سو سو طرح سے دل کو سنبھالا تو کیا ہوا
ظرفِ وضو کو شیخ اٹھاتا ہے یا نہیں　　میں نے کہا کہ جام اٹھا لا تو کیا ہوا
میں نے ہنسی ہنسی میں بگڑتے ہو کس لیے　　اک حرفِ شکوہ منہ سے نکالا تو کیا ہوا
ہے دخترِ رز تو مجلسِ رنداں میں سرخرو　　منہ شیخ کا ہوا بھی جو کالا تو کیا ہوا
اک بات بھی مریضِ محبت نہ کر سکا　　دم بھر جیا بھی لیکے سنبھالا تو کیا ہوا
چلمن میں کام کر گئی اپنی نگاہِ شوق　　غرفے سے اُس نے منہ نہ نکالا تو کیا ہوا

---

[1] کبوتر بازوں کی اصطلاح ۱۲

اے پیرِ مے فروش بڑی شان ہے تری
گرتے ہوئے کو تو نے سنبھالا تو کیا ہوا

کچھ روشنی سی ہو گئی خورشیدِ حشر سے
روزِ سیہ میں میرے اُجالا تو کیا ہوا

جا کر گرا ہی آہ نہ دیوارِ یار پہ
مجھ کو قلق نے خوب اُچھالا تو کیا ہوا

چومے بھی دست و پا سگِ لیلیٰ کے قیس نے
اور کہہ دیا بھی حضرتِ والا تو کیا ہوا

ساقی کی تمکنت میں نہ آیا ذرا بھی فرق
پگڑی کو تو نے شیخ اُچھالا تو کیا ہوا

اتنا ہوا ضرور کہ ایماں نظر پڑا
حُسنِ بتاں سے دل میں اُجالا تو کیا ہوا

یہ خاکسار بندۂ تسلیم ہی رہا
سانچے میں درد و غم کے جو ڈھالا تو کیا ہوا

ڈالا مرے کفن پہ نہ رومال یار کا
ٹکڑا غلافِ کعبہ کا ڈالا تو کیا ہوا

اور اُن سے بڑھ کے لاکھ خطاوار آ گئے
آدم کو اے بہشت ، نکالا تو کیا ہوا

مستِ نگاہِ ساقیِ کوثر کو گر لکھا
پیرِ مغاں نے حضرتِ والا تو کیا ہوا

میدانِ عاشقی میں جواں مردِ حُسن پر
مارا بھی بڑھ کے آہ نے بھالا تو کیا ہوا

شکوہ نہ کچھ جو خارِ محبت کا اے جنوں
پھوٹا نہ پاؤں کا کوئی چھالا تو کیا ہوا

رکھتا ہوں اپنے سینہ میں اک خارزارِ غم
کانٹا کوئی کسی نے نکالا تو کیا ہوا

ہر شان میں ہیں تیری ادائیں نئی نئی
میں نے کہا تجھے جو نرالا تو کیا ہوا

ساقی کی چشمِ مست نے سرشار کر دیا
کوثر کو پی کے نشّہ دوبالا تو کیا ہوا

خالی گیا نہ ہاتھ ہمارے غبار کا
دامن کو تو نے لاکھ سنبھالا تو کیا ہوا

دل بھی خدا کا گھر ہے یہاں آ کے رہ گئے
کعبہ سے اِن بتوں کو نکالا تو کیا ہوا

یہ کم ہے آتے آتے قیامت تو رک گئی
اچھی کہی کہ دل کو سنبھالا تو کیا ہوا

اک مژدۂ وصال سے دل شاد ہو گیا
غم کو تمام عمر جو پالا تو کیا ہوا

کیفیتِ شباب نے مدہوش کر دیا
کہنے کو ہم نے ہوش سنبھالا تو کیا ہوا

عاشق کی جان کو تو ہزاروں بلائیں ہیں
اک ناصحِ غریب کو ٹالا تو کیا ہوا

دنگل میں طفلِ اشک کھائیں گے داؤ پیچ
جھرنے پہ چشمِ تر کے کمالا[1] تو کیا ہوا

---

[1] کمالا فنِ کشتی میں ایک پیچ کا نام ہے۔ ۱۲

کروٹ نہ لی نصیب نے اے انقلابِ دہر
ارض و سما ہوئے تہ و بالا تو کیا ہوا

چھوڑا نہ کافروں نے خدا و رسول کو
مجھ میں بھی کوئی عیب نکالا تو کیا ہوا

مائلؔ سے بادہ نوش کے در پر وہ جا پڑا
واعظ کو میکدے سے نکالا تو کیا ہوا



کیوں سُرمگیں ہے نرگسِ فتّاں کو کیا ہوا
دامن پہ کیا بنی ہے گریباں کو کیا ہوا

میں اور بزمِ ناز، یہ میرے کہاں نصیب
کیا جانے آج آپ کے درباں کو کیا ہوا

ہوتا ہے چاک ناخنِ وحشت کے سایہ سے
یارب مجھے جنوں ہے اگر یباں کو کیا ہوا

اب تو بلا کے شیخ کو چھوڑیں گے کچھ بھی ہو
اچھی کہی کہ محفلِ رنداں کو کیا ہوا

رونق تمام دشت میں اپنے ہی دم سے تھی
کہنے کی ہے یہ بات بیاباں کو کیا ہوا

مجھ سے جنوں زدہ کا اڑا یا کہیں غبار
وحشت برس رہی ہے گلستاں کو کیا ہوا

جو پوچھنا ہے پوچھ لے اپنی نگاہ سے
مجھ کو نہ چھیڑیو کہ دل و جاں کو کیا ہوا

گویا تھے آج تک مری وحشت سے بے خبر
کہتے ہیں اس طرح ترے داماں کو کیا ہوا

کہتا ہے ان کو غیر کہ پورے ہیں عہد کے
حیراں ہوں اُن سے زود پشیماں کو کیا ہوا

اپنی ہی کچھ خبر نہیں کس حال میں ہیں ہم
کیا جانیں دل میں حسرت و ارماں کو کیا ہوا

طاعت پہ عمر بھر کی ملا ایک باغِ خلد
حاصل ہوا تو زاہدِ ناداں کو کیا ہوا

رضواں سے ذکرِ خلد پہ جا کر الجھ پڑا
بیٹھے بٹھائے آپ کے درباں کو کیا ہوا

مجھ سے جو بار بار الجھتا ہے اے خدا
مجھ کو جنوں ہے ناصحِ ناداں کو کیا ہوا

جھوٹے سہی گمانِ ہم آغوشیِ رقیب
دامن کو کیا ہوا یہ گریباں کو کیا ہوا

وحشت دکھا رہی ہے تماشے نئے نئے
کہتا ہوں بار بار بیاباں کو کیا ہوا

ہیں بزم میں وہ غیر سے سرگرمِ اختلاط
اللہ غیرتِ دلِ سوزاں کو کیا ہوا

اچھا نہیں سہی مجھے الفت، یہ آپ کے
قول و قسم کو عہد کو پیماں کو کیا ہوا

جلتا وہ بے حجاب ہو لتے ہوں یہ فزوں
اندوہ و درد و حسرتِ فراواں کو کیا ہوا

کہتا ہوں کوئے یار سمجھ کر بہشت کو
یارب قضا لے کوچۂ جاناں کو کیا ہوا

پیتے نہیں ہیں شیخ تو یارو چھڑک ہی دو
ورنہ کہیں گے شیخ کو زنداں کو کیا ہوا

آئینہ لا کے سامنے رکھ دوں کہ دیکھ لیں
یہ کیوں کہوں کہ زلفِ پریشاں کو کیا ہوا

تھمتے نہیں ہیں اشک جدائی ہو یا وصال
یارب ہمارے دیدۂ گریاں کو کیا ہوا

پھر جان پہ بنے گی خدا خیر ہی کرے
بے تابیاں ہیں کیوں دلِ حیراں کو کیا ہوا

کہتے ہیں در پہ اک بُتِ کافر کے جا پڑے
مائل سے ہائے مردِ مسلماں کو کیا ہوا



ہے جگر وہ ہی جو کباب ہوا
وہ ہی قطرہ ہے جو شراب ہوا

قطرے قطرے کا ہے نصیب جدا
کوئی گوہر کوئی شراب ہوا

بتکدے کی سی کوئی بات نہیں
کعبہ جا کر بہت خراب ہوا

جب پڑی آنکھ تو تجھی پہ پڑی
جب ہوا تو ہی انتخاب ہوا

دلِ مضطر کی آرزو ہی کیا
ایک بوسے میں کامیاب ہوا

دلِ مضطر کی یہ حقیقت ہے
ایک نالہ میں خونِ ناب ہوا

پھر کہاں تو یہ گر نصیب مجھے
ایک بھی ساغرِ شراب ہوا

دل کے ہاتھوں سے تنگ آیا ہوں
وصل کی شب بھی اضطراب ہوا

موت کی آرزو ہی رہتی ہے
دل لگانا بھی اک عذاب ہوا

ملک الموت بھی نہیں آتا
یہ بھی خط کا مرے جواب ہوا

آسماں کیا ہے اس کی آنکھوں کی
ایک گردش میں انقلاب ہوا

دیکھنا رنگ لائیں گے ہم بھی
ابھی کچھ بھی جو انقلاب ہوا

نہ ہوا اک گناہ بھی پورا
اور پورا یوں ہی شباب ہوا

دیکھنا اوجِ طالعِ مائل
خاکِ درگاہِ بوتراب ہوا



شبِ وصال میں منت کشِ شراب ہوا
کہ منہ لگاتے ہی وہ شوخ بے حجاب ہوا

بتوں کے عشق میں دل کعبہ کا جواب ہوا
جنابِ شیخ ہیں کہتے یہ گھر خراب ہوا

گناہگار ہوا میں تو کامیاب ہوا
ہوا بھی مجھ پہ کرم اور بے حساب ہوا

کیا جو پیرِ مغاں نے شراب چھڑکاؤ
ہماری خاک کا ہر ذرہ آفتاب ہوا

عروجِ طالعِ انگور دیکھ تو واعظ
نصیبِ رند ہوا قطرۂ شراب ہوا

جو گفتگو ہوئی واعظ سے مختصر یہ ہے
دکھائی جب تری تصویر لاجواب ہوا

تری نگاہ کے پھرنے سے جو ہوا دل میں
جہان میں کبھی ایسا نہ انقلاب ہوا

مرے ہی نامہ کو قاصد جو لیکے آیا ہے
سمجھ لیا ہے یہ میں نے کہ اب جواب ہوا

نظر میں کیا کوئی آئے کہ دل میں رہتا ہے
وہ نازنیں جو زمانے میں انتخاب ہوا

خدا نے بحرِ کرم میں ملا لیا مجھکو
ندامتوں سے گنہ کی جو آب آب ہوا

شرابِ ناب ہو اس میں کہ آبِ زمزم ہو
گرا زمیں پہ جو قطرہ وہی خراب ہوا

نہیں ہے دل میں یہ طاقت کہ نالہ کھینچوں میں
قیامت آئی اگر آج اضطراب ہوا

خوشی سے لاش لحد میں سما نہیں سکتی
تمھارے در پہ تو مرنا بھی اک عذاب ہوا

سمجھ چکا ہوں کہ شانِ کرم دکھائیں گے
ذرا ذرا سے گناہوں کا گر حساب ہوا

ہوا میں جس کو بھی دیکھا جہانِ فانی کی
سمجھ لیا اسے ہم نے کہ اک حباب ہوا

وہی ہے جوش ترا کہہ تو کیا ارادہ ہے
فلک تو غرق اب اے دیدۂ پرآب ہوا

ہمیں تو پہلے ہی جینا وبال تھا اپنا
کیا جو قتل بھی ہم کو تو کیا ثواب ہوا

پناہ دونوں جہاں میں نہ پائے گا واعظ
جنابِ پیرِ مغاں کا اگر عتاب ہوا

ترا جمال تو حسن و جمالِ عالم ہے
ترا شباب تو سرمایۂ شباب ہوا

قریبِ میکدہ مسجد کی جو بنا ڈالی
جنابِ شیخ یہ سمجھے بڑا ثواب ہوا

کسی کی آہ نے دل میں اثر کیا شاید
تری جبیں سے نمایاں جو پیچ و تاب ہوا

جو کھینچ بیٹھے وہ تلوار قتلِ عالم پر
مجال کیا کوئی پوچھے کہ کیوں عتاب ہوا

لہ بھی۔

ہوئی نہ روزِ جزا پرستش آبِ زمزم کی　　شرابِ ناب کے ہر قطرے کا حساب ہوا
ترا جو جلوۂ مستانہ رنگ پر آیا　　کہیں شراب بنا اور کہیں شباب ہوا
لپٹ ہی جاتے ہیں دونوں یہ منہ لگانے سے　　جنابِ شیخ ہوئے ساغرِ شراب ہوا
ہوائے میکدہ لگتے ہی بیخودی چھائی　　نگاہ ملتے ہی ساقی سے کامیاب ہوا
گدائے میکدہ لپٹا غریب واعظ کو　　نصیب عید کو جو ساغرِ شراب ہوا
ہوا جو دن تو رہا آفتاب اُس سے خجل　　ہوئی جو رات تو شرمندہ ماہتاب ہوا
نہ بچ سکا جو برابر کے گھر میں آگ لگی　　بھڑک سے شعلۂ دل کی جگر کباب ہوا
طریقِ صدق و صفا میں وہ باخبر نکلا　　جنابِ پیرِ مغاں سے جو فیض یاب ہوا

نگاہِ لطف ہے پیرِ مغاں کی مائل پر
کہ میکدے میں وہ آتے ہی کامیاب ہوا[1]



کچھ خاک میں ہماری یہ پیدا اثر ہوا　　جو آ گیا مزار پہ وہ چشم تر ہوا
کھینچے وہ دل میں نے کہ ٹکڑے جگر ہوا　　اُٹھا مجھے یہ نالہ مرا کارگر ہوا
وہ ہے وسیلہ رحمتِ پروردگار کا　　جو وقت میکدے میں ہمارا بسر ہوا
ڈالا اثر میں، آہ میں تو نے ہی تفرقہ　　تجھ سا جہان میں نہ کوئی فتنہ گر ہوا
اے شمع ایسے رونے سے کیا فائدہ تجھے　　جب اہلِ بزم سے نہ کسی پر اثر ہوا
کیا خاک سیرِ باغ کریں ہم سے دردمند　　نالے سے عندلیب کے ٹکڑے جگر ہوا
مذکورِ بزمِ غیر نہ چھیڑو یہ جان لو　　جو کچھ وہاں ہوا مرے پیشِ نظر ہوا
یاں سے لکھے یار میں اں تک کے یاں　　بیچارے نامہ بر کو سفر میں سفر ہوا

تو اور نغمہ سنج ہو مائل کے روبرو
سودا یہ تجھ کو بلبلِ شوریدہ سر ہوا

---

[1] یہ غزل طرحی مشاعرہ بابت ماہ اکتوبر ۱۹۱۲ء کی ہے جو "میرجی کا باغ" واقع جے پور میں منعقد ہوا تھا۔ مصرع طرح تھا: نگاہ ملتے ہی میں طالبِ شراب ہوا

اللہ کو جب منظور ہوا خود ذات سے پیدا نور ہوا
کچھ حصۂ کوہِ طور ہوا کچھ جلوۂ روئے حور ہوا

پھر آپ ہی تو اسرار بنا پھر آپ ہی تو دیدار بنا
پھر آپ ہی تو اظہار بنا جب پردۂ غفلت دور ہوا

اللہ رے قرب کی شان عجب اللہ رے بُعدِ قربِ حق
جو دور رہا وہ پاس رہا جو پاس ہوا وہ دور ہوا

یارب یہ سنوں میں روزِ جزا کہتے ہیں کھڑے سب اہلِ وفا
مائلؔ سا رندِ بے سر و پا مرحوم ہوا مغفور ہوا



حیرت سے سر بسر وہ مکاں لامکاں ہوا
جلوہ ہی حُسنِ یار کا خود پاسباں ہوا

اے باغباں نہ چھیڑ کہ دل سوختہ بلبلیں
پہلے ہی نذرِ برق مرا آشیاں ہوا

اے عندلیب چل کہ یہ ہے وقتِ وصلِ گل
مدہوش بوئے گل سے دلِ باغباں ہوا

بس بس ہجومِ یاس نہ گھبرا مجھے کہ اب
آس طبعِ نازنیں کو سرِ امتحاں ہوا

اس آہِ نارسا کی بھی تاثیر دیکھیے
تیرا شریکِ جور اگر آسماں ہوا

مرتا ہوں اس کی شوخ مزاجی پہ [illegible]
بیتاب مجھ کو دیکھ کے وہ بدگماں ہوا

کس دن مری نظر میں تم آئے عدو کے ساتھ
دشمن کی گفتگو میں جو میرا بیاں ہوا

مانا کہ وہم وصلِ عدو کا غلط غلط
یہ تو کہو کہ چاک گریباں کہاں ہوا

یہ جاننا کہ آج ہی کچھ اور ہو گیا
مائلؔ خدا نہ کردہ جو گرمِ فغاں ہوا



لوگ مرتے ہی رہے وہ تو کسی کا نہ ہوا
اس ادا کا کوئی معشوق نہ ہوگا نہ ہوا

ہم تو اس بات پہ مرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں
عاشقی میں نہ تو ہوگا کوئی تجھ سا نہ ہوا

ایک میں ہوں کہ ترے در سے اٹھا ہوں نہ اٹھوں گا
ایک تو ہے کہ نہ ہوگا کبھی میرا نہ ہوا

دیکھ کر آئینہ کہتا ہے وہ خود ہی کافر
اس ادا کا کوئی معشوق نہ ہوگا نہ ہوا

قیس و فرہاد گئے ہم بھی ہیں چلنے والے
سچ ہے بیمارِ محبت کوئی اچھا نہ ہوا

تجھ پہ پڑتے ہی نظر دل نے کہا تھا مجھ سے
اس ادا کا ستم ایجاد نہ ہوگا نہ ہوا

بوالہوس جان کے دشمن کو بھی گردن مارا — کام وہ تجھ سے ہوا ہے کبھی ایسا نہ ہوا

میں تو روتا ہوں تنک حوصلگی پر اس کی — آنکھ سے گرتے ہی جو اشک کہ دریا نہ ہوا

ایک تیری ہی جُدائی کا نہیں ہے صدمہ — آ کے دُنیا میں مری جان یہ کیا کیا نہ ہوا

قیس جاتے ہی دبستاں میں ہوا دیوانہ — کھیل لڑکوں کا ہوا عشق کا سودا نہ ہوا

ایک دم چاہ میں یوسف کو نہ رہنے دیتا — ولولہ خیز اگر عشقِ زلیخا نہ ہوا

دل ہی وہ کیا کہ نہیں بوئے محبت جس میں — آدمی کیا کہ نہیں محوِ تماشا نہ ہوا

اُس کی رحمت سے عجب کیا ہے رہے تو محروم — میکشی کا تری واعظ کہیں چرچا نہ ہوا

خاکساری کے مزے کو وہ بھلا کیا جانے — جو ترے در پہ کبھی ناصیہ فرسا نہ ہوا

تجھ سے پیغامبری بادِ صبا کیا ہوگی — وہ وہاں ہے کہ گزر آہِ رسا کا نہ ہوا

تیری گردشِ فلکِ پیر کہے دیتی ہے — تو کسی کا ستم ایجاد نہ ہوگا نہ ہوا

یہ سہی اُس نے مجھے پاس بٹھایا لیکن — سچ تو یوں ہے کہ مرے حق میں یہ اچھا نہ ہوا

مہر کس روز ترے عشق میں جلتا نہ پھرا — ماہ کس رات ترا محوِ تماشا نہ ہوا

میں تو مانوں گا نہیں حسن پرستیِ خدا — جو تجھے دیکھ کے وہ محوِ تماشا نہ ہوا

نعش پر میری کئی بار فلک سے آئے — کارگر کچھ بھی تو اعجازِ مسیحا نہ ہوا

حق تو یوں ہے کہ بنا دردِ محبت وہ چیز — اُس کا طالب جو ہوا طالبِ دُنیا نہ ہوا

کیوں ہو دوزخ کا مجھے ڈر کہ وہ ہے آتشِ تر — رو بہ رو جس کے کبھی آگ کا دریا نہ ہوا

کرمِ پیرِ مغاں و مئے گلگوں کے سوا — بزمِ رنداں میں کسی بات کا چرچا نہ ہوا

تیری تمکیں نے مرے دل میں جمایا یہ رنگ — کہ مجھے جذبِ محبت کا بھروسا نہ ہوا

یوں تعجب سے سُنا کرتے ہیں قصہ میرا — جیسے دُنیا میں کسی پر کوئی شیدا نہ ہوا

یاس و امید کے جھگڑے کو مٹاتا کیونکر — کبھی پورا ہی ترا وعدۂ فردا نہ ہوا

جستجو تیری حقیقت کی نہ چھوڑی میں نے — تجھ کو معلوم مرا حال ہوا یا نہ ہوا

مجھ پہ کس واسطے ہے قہر بتوں کا مائل
میں تو کعبہ میں کبھی ناصیہ فرسا نہ ہوا

آسماں کے بھی ستم کا متحمل نہ ہوا
نہ ہوا ہائے کسی کام کا یہ دل نہ ہوا

جان دیتا ہی رہا تیرے اشاروں پہ سدا
تیرے کہنے میں کبھی ہائے مرا دل نہ ہوا

کچھ نہ کچھ حسرتِ دیدار نکل ہی جاتی
پردۂ چشم مرا پردۂ محمل نہ ہوا

کیسے مانوں کہ نہیں اس کو ذرا مجھ سے لگاؤ
کہ شبِ ہجر میں جینا مجھے مشکل نہ ہوا

ایک تو ہے کہ کبھی بات نہ پوچھی میری
ایک میں ہوں کہ تری یاد سے غافل نہ ہوا

ایک جلوے میں کیا دونوں جہاں کو روشن
تجھ سے بڑھ کر تو کوئی زینتِ محفل نہ ہوا

نہ کمی کی دلِ بسمل نے تڑپ میں لیکن
نہ ہوا خون سے تر دامنِ قاتل نہ ہوا

تجھ کو اندازِ تغافل کا مزہ آ جاتا
میرے قابو میں ستمگار مرا دل نہ ہوا

اپنی ضد پر جو یہ آئے تو خدائی لے لی
ان بتوں کا کوئی دعویٰ کبھی باطل نہ ہوا

دیکھتا جبہ و عمامہ کی واعظ توقیر
ہائے رندانِ قدح خوار کے شامل نہ ہوا

مجھ سے آگے رہِ الفت میں کوئی بڑھ نہ سکا
میں وہ رہرو ہوں کہ آسودۂ منزل نہ ہوا

سب گئے غیر کی جانب شبِ فرقت میں مگر
جانِ مضطر نہ ہوئی اور دلِ بسمل نہ ہوا

کچھ سمجھ کر ہی مجھے قتل کیا تھا اس نے
کہ مرے بعد کسی کا بھی وہ قاتل نہ ہوا

شوق کہتے ہیں اسے دل میں جو دیکھا اس کو
تو جگر کو یہ ہوا رشک کہ میں دل نہ ہوا

یہ مہ و مہر ہیں کیا اور یدِ بیضا کیا[1]
شعلۂ طور ترے رخ کے مقابل نہ ہوا

ایک ناوک نے دل و جاں کا کیا کام تمام
اس ادا کا تو نہ ہوگا کوئی قاتل نہ ہوا

عاشقوں کی وہ نگاہوں میں سما ہی جاتا
فتنۂ حشر تری چال کے شامل نہ ہوا

عذر کی سی مری تقدیر نہ ہوگی نہ ہوئی
حل نہ ہوگا کبھی یہ عقدۂ مشکل نہ ہوا

غرق ہوں بحرِ ندامت میں میں تیرے ہوتے
ہائے اے دیدۂ تر تو کسی قابل نہ ہوا

اس طرح راہِ محبت کو کیا طے میں نے
کہ مرے بعد تخلص بھی تو مائل نہ ہوا



[1] کیسا

کسی کو نہ اپنے سوا جانتا تھا — اور اپنا مجھے مبتلا جانتا تھا
نہ تھے دل میں جب تک خیالاتِ دشمن — جفاؤں کو اُن کی وفا جانتا تھا
گیا ہے اُسی کے تو مرقد سے بچ کر — جہاں میں جسے مبتلا جانتا تھا
بگاڑا فلک نے وہی کام میرا — کہ جس میں مرا مدعا جانتا تھا
مجھے انجمن میں بُلاتا وہ کیونکر — قیامت ہی گویا بپا جانتا تھا
وہ ملتا تو کیونکر شبِ غم میں مجھ سے — اثر کو دُعا سے جدا جانتا تھا
وہ کافر قیامت میں خونی کفن کو — شہیدوں کی رنگیں قبا جانتا تھا
کچھ اس ڈھب سے کیں مجھ سے ناصح نے باتیں — محبت کا گویا مزا جانتا تھا
اب اپنے سے اس کو الگ دیکھتا ہوں — دو عالم سے جس کو جدا جانتا تھا
خرابی یہ عالم کی روؤں تو کیوں میں — یہ ہونا ہے اک دن فنا جانتا تھا
جواب اُس نے شکووں کا مجھ کو دیا کیا — کہ تم کو تو اہلِ وفا جانتا تھا
جگاتا ہے کس کو تو اے شورِ محشر — یہ ہنگامہ میں تو ہوا جانتا تھا
بس اک عمر بھر میں یہ کھایا ہے دھوکا — کہ واعظ کو درد آشنا جانتا تھا
پشیماں ہوں کر کے عدو کی بُرائی — خدا جانے دل میں وہ کیا جانتا تھا

خدا جانے مائل ہوا کیوں مسلماں
وہ کافر بتوں کو خدا جانتا تھا



مائل ان سے جو دل لگانا تھا — دل سے ہی پہلے ہاتھ اٹھانا تھا
غرض آنکھوں سے تھا نہاں رہنا — میرے دل میں تو آ ہی جانا تھا
ہم کو دُنیا میں آنے سے مقصود — جان کھونی تھی دل گنوانا تھا
جاتے ہی ہو گیا اسی کا آہ! — دل کو پہلے ہی آزمانا تھا
زاہدوں کی حقیقتیں کھلتیں — ان بتوں کو خدا بنانا تھا
دل جہاں سے اُٹھائے بیٹھے ہیں — ہمیں محفل سے کیا اٹھانا تھا

دل لگانا تو اک بہانہ ہے　　　نقشِ ہستی ہمیں مٹانا تھا
رو ہی اشکوں میں آ گیا طوفاں　　　دل بھر آتا تو کیا ٹھکانا تھا
وصل کی صبح کس طرح مرتا　　　مجھے ناصح کو منہ دکھانا تھا
عمر بھر تو نہ آئے تم نہ سہی　　　دمِ آخر ہی دیکھ جانا تھا

ایک حضرت ہیں حضرتِ مائل
بزم میں اُن کو کیا بُلانا تھا

○

میں ہی بھولا جو دل لگانا تھا　　　جان پر پہلے کھیل جانا تھا
دیکھ کر مجھ کو غیر کو دیکھا　　　یہ بھی اک خنجر آزمانا تھا!
غیر کا وہم اور مرے دل میں　　　کوئی طوفان اور اُٹھانا تھا
گر بنانے پہ تیرے ناز نہ تھا　　　دوسرا بھی کوئی بنانا تھا
حسن ہی نے جما لیا اپنا　　　رنگ دنیا میں جو جمانا تھا
حضرتِ خضر کیا کیا جی کر　　　راہ میں اس کی مر ہی جانا تھا
یہ نہ جانا کہ کوئے قاتل ہے　　　کچھ سمجھ کر قدم اُٹھانا تھا
ہو نہ ہو ٹھیک میں سمجھ تو گیا　　　سر جھکا کر جو مسکرانا تھا
سچ تو کہتے ہو حضرتِ ناصح　　　جان دینی تھی دل بچانا تھا
ساتھ تھی دل کے جانِ مضطر بھی　　　تیر اک اور بھی لگانا تھا

حُسن جے پور میں کہاں مائل
رہ کے دلی میں دل لگانا تھا



اُن کو بننا نہ کچھ سنورنا تھا　　　بے گناہوں کا خون کرنا تھا
کوئے جاناں میں پاؤں دھرنا تھا　　　کہ ادھر عرش سے گزرنا تھا
سوچ کر ہم کو قتل کرنا تھا　　　کچھ تو اللہ سے بھی ڈرنا تھا
اک قیامت تھی عرش پر برپا　　　چرخ سے آہ کا گزرنا تھا

ہاتھ سے تیرے قتل ہو کے کھلا — زندگانی کا نام مرنا تھا
کیا کہیں تم سے ماجرائے فراق — ہم پہ گزرا ہے جو گزرنا تھا
اک قیامت تھی میکدے میں بپا — محتسب کا کوئی بپھرنا تھا
کیوں نہ دلکش سرائے فانی ہو — ہر مسافر کو یاں اترنا تھا
کیوں نہ وہ جلد تیغ کو دھوتے — قتل کر کے انھیں مکرنا تھا
ہو کے کیونکر کسی کے رہتے وہ — بیوفائی میں نام کرنا تھا
ایسے بیدرد جلنے سے اے خضر — آبِ حیواں میں ڈوب مرنا تھا
وہ تو سوتے میں بھی قیامت ہے — اک ادا زلف کا بکھرنا تھا
کیوں نہ مسجد سے میکدے جاتا — دلِ مردہ کو زندہ کرنا تھا
شکوہ میری زبان تک آیا — تم کو اتنا ستم نہ کرنا تھا
میں سراپا قصوروار سہی — پر خدا سے تمھیں تو ڈرنا تھا
میری مٹی یہاں کی تھی اے گور — یہ گڑھا کب کسی سے بھرنا تھا
تھا خدا جانے کس ہوا میں حباب — بے سبب اس کا کب ابھرنا تھا
دل بھی یارب دیا تو وہ مجھکو — آرزوؤں کو جس میں مرنا تھا

کعبہ جانے سے سر کے بل مائلؔ
کوئی مردانہ کام کرنا تھا



ان کا جوشِ شباب ہونا تھا — کہ قیامت مآب ہونا تھا
یدِ بیضا پہ ناز کیا موسیٰ — حکم میں آفتاب ہونا تھا[1]
کیا ہوا عرش جو بنا بیٹھے — میرے دل کا جواب ہونا تھا[2]

---

[1] حضرت موسیٰ جیسے مرتبہ کے پیغمبر کا دعویٰ یدِ بیضا کا کتنا کرکرا ہو گیا کہ آفتاب کو قبضہ میں لاتے تو ناز کرنا بجا تھا - ۱۲ - [2] اول الذکر شعر میں تو خیر حضرت موسیٰ تک خیریت تھی یہاں عرش بیکار ہو گیا - اور کس کے آگے؟ حضرت مائلؔ کے دل کے آگے - یہ تعلیاں غضب کی ہیں - ۱۲ - ن بے فیض

وہ ہوا ہے فشارِ عید کے دن — قبر میں جو عذاب ہوتا تھا
بزمِ دشمن میں اُف نہ کرنی تھی — دل ہی دل میں کباب ہوتا تھا
کیوں نہ ہوتا دلِ تپاں پہ مرے — داغ کو آفتاب ہوتا تھا
مے کے پینے سے کیا غرض تھی انھیں — غیر سے بے حجاب ہوتا تھا
یا کوئی بھی قصوروار نہیں — یا مجھی پر عتاب ہوتا تھا
مجھ سے پوچھو تو بحرِ ہستی کا — قطرہ قطرہ شراب ہوتا تھا
اُن کے آتے ہی ہو گیا کچھ اور — حشر میں انقلاب ہوتا تھا
نام مجنوں کا تجھ سے ہی روشن — دلِ وحشت مآب ہوتا تھا
بات کچھ تو بنانی تھی اے دل — کہیں تو کامیاب ہوتا تھا
چشمِ درباں کے پردے پردے میں — اک زمانے کا خواب ہوتا تھا
شیخ سر پہ عمامے کے بدلے — اک سبوئے شراب ہوتا تھا
ان حوادث کی زندگی سے بھلی — بحرِ غم کا حباب ہوتا تھا
شبِ وصلِ عدو ہے آج فلک — ماہتاب آفتاب ہوتا تھا
اس نے اپنے کرم سے بخش دیا — کیا مرا آب آب ہوتا تھا
آبِ حیواں کو کچھ ثبات نہیں — خضر کو بھی حباب ہوتا تھا
قدر جب تھی کہ مرگِ عاشق کو — زندگانی خطاب ہوتا تھا
میرے لاشے کو آ کے ٹھکراتے — جو شریکِ ثواب ہوتا تھا
ہو گیا زندگی، کہ محشر میں — ہم پہ جو کچھ عذاب ہوتا تھا
ہو کے مقبول بھی دعا تجھ کو — پھر بھی چشمِ پُر آب ہوتا تھا
اے جبیں تو تو پاک ہوتی تھی — درِ کعبہ خراب ہوتا تھا[1]

---

[1] ہماری جبیں کی عزت تو ضرور، مگر جس جگہ سجدہ کیا اس کی ذلت سمجھیے ۱۲
(ماہنامہ صلائے عام دہلی، بابت ماہ فروری ۱۹۲۹ء ص ۲۰۔)

جھریاں منہ پہ ہوں تو ہوں مائل!
دل میں رنگِ شباب ہونا تھا



ہو چکا جو عتاب ہونا تھا — ہو گیا جو خطاب ہونا تھا
رشک کہتا ہے میری آنکھوں کو — تو سراپا حجاب ہونا تھا
میرے حق میں تو نامۂ دلدار — آسمانی کتاب ہونا تھا
آپ کیوں ہوتے میرے پہلو میں — دلِ پُر اضطراب ہونا تھا
سچ تو یوں ہے کہ شیخ کے ہمراہ — کعبہ جا کر خراب ہونا تھا
دن کو پھر آفتاب بن جاتا — رات کو ماہتاب ہونا تھا
رل گیا جس کو جامِ ناکامی — وہ کہاں کامیاب ہونا تھا
آنکھ ملتے ہی بزمِ دشمن میں — ہو گیا جو جواب ہونا تھا
خبرِ مرگ سنتے ہی میری — اُن کو چشمِ پُر آب ہونا تھا
ہر نگہ کیوں ہے شرمگیں تیری — ہر ادا کا جواب ہونا تھا
کبھی تقویٰ کی لیتے تھے واعظ — کبھی مستِ شراب ہونا تھا
رفعِ تہمت کو فردِ عصیاں میں — کوئی کارِ ثواب ہونا تھا
مجھ سے پردے کی کیا ضرورت تھی — حُسن زیرِ نقاب ہونا تھا
وصل کی شب تو عیش سے کٹتی — شبِ فرقت عذاب ہونا تھا
اہلِ محفل بھی ہو گئے بیتاب — اس قدر بے حجاب ہونا تھا
دلِ حیرت مآب کو میرے — کبھی تو کامیاب ہونا تھا
آزمائش تھی حوصلے کی مرے — بے سبب کب عتاب ہونا تھا
میں تو موسیٰ نہ تھا کہ غش آتا — جلوہ گر بے نقاب ہونا تھا
تجھ سے غافل کیا جنون نے مجھے — یہ انھیں پر عذاب ہونا تھا
میرے دل کی سی کہتی ہے شبِ ماہ — آج دورِ شراب ہونا تھا

کیوں مجھی پہ بلائیں نازل کیں — کیا مجھی پہ عتاب ہونا تھا
نامرادانہ زیست کرنے کو — میں ہی کیا انتخاب ہونا تھا
شوقِ دیدار تھا جو تارِ نگاہ — اُن کا بندِ نقاب ہونا تھا
ڈوبنا تھا جو بحرِ رحمت میں — شیخ غرقِ شراب ہونا تھا
سنگریزوں سے کفر کے واعظ — گھر خدا کا خراب ہونا تھا
ہو گیا آہِ شعلہ زا سے مری — جو فلک پہ عذاب ہونا تھا
درِ میخانہ کے مقدر میں — کاخِ رحمت کا باب ہونا تھا
جو بہانے تھے خون کے دریا — سرِ دشمن حباب ہونا تھا
آ نکلنے تھے ساقیِ کوثر — میکدہ لاجواب ہونا تھا
سُنتے ہیں ہو گیا جزا کا دن — جو عذاب و ثواب ہونا تھا
ہاتھ مضمونِ زلف جب آتے — طبع میں پیچ و تاب ہونا تھا
تیری تیغِ ادا سے بچ نکلا — جسے ناکامیاب ہونا تھا
مر چلے آرزوئے سجدہ میں — کبھی تو بے نقاب ہونا تھا
مے فروشوں نے مجھ کو آ گھیرا — یہ بھی روزِ حساب ہونا تھا
شعلۂ عشق کیا کیا تو نے — دل تو سارا کباب ہونا تھا
میرے ہاتھوں سے آپ جلتے تھے — یہ بھی اک انقلاب ہونا تھا

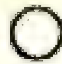
دفن مائلؔ ہوا جو در پہ ترے
مر کے عالی جناب ہونا تھا



کس درجہ نازِ رحمتِ پروردگار تھا — مائلؔ طوافِ کعبہ میں مستانہ وار تھا
آیا شگفتہ دل جو کوئی گلعذار تھا — ہر گل مرے مزار کا رشکِ بہار تھا
میرا ہی تیر آہ مگر تیر بار تھا — نکلا اِدھر کماں سے اُدھر دل کے پار تھا

اے برق ، ایک دم کے تڑپنے پہ ناز کیا
یہ مشغلہ ہمیں کبھی لیل و نہار تھا
اس کا تو غم نہیں ہے کہ وہ دل کو لے گیا
رونا تو اس کا ہے کہ مرا رازدار تھا
یہ بات اور ہے کہ وہ مشہور ہو گیا
مجنوں تو میرے دشتِ جنوں کا غبار تھا
واعظ میں اتنی بات تو ہاں دیکھتے ہیں ہم
رندانِ بادہ خوار میں پرہیزگار تھا
توبہ کے توڑتے ہی وہ رویا ہوں زار زار
شرمندہ میری چشم سے ابرِ بہار تھا
ادنیٰ صفت تھی حضرتِ پیرِ مغاں میں یہ
واعظ کی بات کا بھی انھیں اعتبار تھا
محشر کے شور و غل سے نہ تھا درد سر مجھے
پی تھی جو بزمِ یار میں اس کا خمار تھا
وہ تھی بلا کی شکل کہ دل ہی لرز گیا
دنیا کے ساتھ میں جو غمِ روزگار تھا
بے مہریوں سے آپ کی پژمردہ ہو گیا
وہ دل شگفتگی سے جو رشکِ بہار تھا
دیوانہ پن میں قیس کی اچھی گزر گئی
عقبیٰ کی فکر تھی نہ غمِ روزگار تھا
تھا کوہ غم میں مشہدِ فرہاد کا نشاں
دشتِ جنوں میں قیس کا ٹوٹا مزار تھا

اب یہ دعا کرو کہ خدا مغفرت کرے!
مائلؔ بھی اپنے رنگ کا اک بادہ خوار تھا



جو دل کو لے گیا کوئی ناقہ سوار تھا
تصویرِ خاصِ رحمتِ پروردگار تھا
کرتے ہو کس کو جا کے خبر بھی ہے یا نہیں
یہ سینہ وہ ہے جس میں دلِ بیقرار تھا
جب اٹھ گئے حجاب تو تو ہی نظر پڑا
دیکھا جدھر کو جلوہ ترا آشکار تھا
نیرنگِ حسن و عشق نہ تھیں کارسازیاں
دامانِ یار تھا نہ ہمارا غبار تھا
اب جا کے کیا کریں گے کہ وہ بھی نہیں رہا
اک کفر نام کعبہ میں دیرینہ یار تھا
تم میرے دل کو توڑ کے خوش ہو رہے ہو کیا
دنیا میں بزمِ جم کا یہی یادگار تھا
رونا جو آج رات کو آیا نہ زار زار
شاید ہمارے دل میں کسی کا غبار تھا
کیا کیا خیال آئے ہیں یہ رنگ دیکھ کر
وہ اپنی بزمِ ناز میں بیگانہ وار تھا
اچھی طرح ہے یاد مجھے آج رات تک
یہ آفتابِ حشر چراغِ مزار تھا

صبر و قرار تابعِ فرماں تھے آپ کے
نالے کے کھینچنے کا مجھے اختیار تھا

یاروں نے لا کے کعبہ میں سودہ رکھا جو نام
مجھ سے گناہگار کا سنگِ مزار تھا

یا بو تراب کہہ کے ہوا تھا وہ جاں بحق
مائلؔ کو جانتے ہیں بڑا خاکسار تھا



جب تک کہ شیخ صحبتِ رنداں سے دور تھا
آنکھوں میں تھا سرور نہ کچھ دل میں نور تھا

جب تک کہ محو اپنے میں وہ برقِ طور تھا
ہستی کی تھی بنا نہ کسی کا ظہور تھا

تقدیر میں کلیم کے غش تھا لکھا ہوا
جلنا ترے نصیب میں اے کوہِ طور تھا

لڑتی ہے کس کی آنکھ سرِ بزم غیر سے
نالہ کا کھینچنا تو ہمارا قصور تھا

باور نہیں تو آ کے مرے دل میں دیکھ لو
جو جلوہ اے کلیم سرِ کوہِ طور تھا

اتنا ہی ہم سے کھنچ کے وہ بیٹھا ہے فتنہ گر
جتنا کہ ہم کو جذبۂ دل پر غرور تھا

اللہ رے انقلاب کہ اب وہ ہوا ہے غیر
پروانہ جس کی شمع سے کوسوں ہی دور تھا

چھائی تھی کس بلا کی شبِ غم میں تیرگی
جلتی تھی شمع اور نہ مرے گھر میں نور تھا

میں کیسے بدگمان نہ ہوتا شبِ وصال
شوخی میں تیری رنگِ دلِ ناصبور تھا

آنے سے محتسب کے بڑا حادثہ ہوا
شیشے کے ٹکڑے ٹکڑے تھے دل چور چور تھا

آرائشوں سے حسن کی بڑھتی ہے دل کشی
کعبہ کو بتکدہ تو بنانا ضرور تھا

پینے کو میرے کہنے سے واعظ نے پی تو لی
دل میں مگر خیالِ شرابِ طہور تھا

بھولا نہیں ہوں لطف میں اگلی بہار کے
نالوں سے عندلیب کے شورِ نشور تھا

اللہ رے روانیِ تیغِ نگاہِ یار
جو انجمن میں تھا وہی زخموں سے چور تھا

دیتا ہوں خوئے یار سے تشبیہ جور میں
مجھ کو ستم فلک کا اٹھانا ضرور تھا

بعدِ فنا یہ عقدۂ مشکل ہوا ہے وا
دل میں حرم میں دیر میں اپنا ظہور تھا

خط لیکے اس کا شب کو مرے پاس آ گیا
دشمن کا نامہ بر بھی عجب بے شعور تھا

ن جانتا ہوں ۔

کیوں اُس کو قتل کر کے لیا خونِ بیگناہ — بیچارہ نامہ بر تو مرا بے قصور تھا
دیوانہ مجھ کو جان کے الجھا کیا جو وہ — ناصح کے بھی دماغ میں شاید فتور تھا

پیتا نہ بادہ مائلؔ دیندار کس طرح
ساقی ہی شب کو بزم میں اک شکلِ حور تھا



کبھی کیا ہی خوب وہ حال تھا کہ نہ دل میں کچھ بھی خیال تھا — نہ سرور تھا نہ ملال تھا نہ فراق تھا نہ وصال تھا
کہوں کیا کہ اب مجھے کیا ہوا ابھی دل کو تھا غم جانگزا — ترے آتے ہی بتِ بیوفا نہ تو رنج تھا نہ ملال تھا
کبھی میں نہ زیست سے تنگ تھا نہ کبھی تمھیں بھی یہ ڈھنگ تھا — نہ یہ ناز تھا نہ یہ رنگ تھا نہ یہ طور تھا نہ یہ حال تھا
کہوں ہمدم ان کو میں کیسے اب مرے جینے کا ہے انہیں عجب — وہ ہی آ گیا مرے آگے اب شبِ غم میں جو کہ خیال تھا
کریں کیوں نہ عشق سے سب حذر مری آہ کا تو سنو اثر — مرے مرنے کی جو سنی خبر تو کہا بڑا ہی وبال تھا
کہوں تجھ سے کیا بتِ بیوفا شبِ غم کی تجھ کو خبر ہے کیا — مری زندگی تھی کہ بچ گیا یہ اگرچہ امر محال تھا
نہ وہ دوست ہیں نہ وہ آشنا نہ وہ لطفِ زیست ہے اے خدا — وہ زمانہ ہائے گزر گیا کہ نہ رنج تھا نہ ملال تھا

ہمیں فرض ہے اُسے ماننا کہیں کیوں نہ مائلؔ پیشوا
کہ بلاکشوں میں وہ ایک تھا اُسے عاشقی میں کمال تھا



دیا دل کو وہ داغِ عشق جو زیبائشِ دل تھا — چڑھایا سر کو نیزے پر کہ وہ اُس کے ہی قابل تھا
نہ میں تھا دل کے قابو میں نہ قابو میں مرے دل تھا — چمن میں کل کچھ ایسا پُر اثر شورِ عنادل تھا
صلاحِ قتل میں میری زمانہ اُس کے شامل تھا — کہ جو تھا قتل گہ میں ہم زبانِ تیغِ قاتل تھا
ہمارے قتل کرنے کا کچھ ایسا کام مشکل تھا — کہ یا مشکل کشا وردِ زبانِ تیغِ قاتل تھا
جنوں میں بھی نہ بھولا قیس آدابِ محبت کو — رہا سجدے میں برسوں جہاں لیلیٰ کا محمل تھا
کسی کے ناز اُٹھاتا تھا کسی پر ناز کرتا تھا — خدا شاہد ہے اپنا اک زمانے میں عجب دل تھا
شبِ غم میں تمھیں کہدو کہ کیونکر نیند آ جاتی — تڑپتا کوئی سینے میں مثالِ مرغِ بسمل تھا
دُعا تنہا نہ پہنچی تھی بھلا کیونکر نہ سنتے وہ — مری آہیں بھی شامل تھیں مرا نالہ بھی شامل تھا

دکھا کر اک تماشا جو ورق الٹا زمانے نے　　نہ مجنوں تھا نہ لیلی تھی نہ ناقہ تھا نہ محمل تھا

وہ جلوہ روئے قاتل کا نظر آیا کہ حیرت سے　　تڑپنا خاک و خوں میں بسملوں کو سخت مشکل تھا

سحر ہونے کو آئی ہے ترے آنسو نہیں تھمتے　　غضب کا عشق پروانے کا تجھکو شمع محفل تھا

ہمیں رونا تو اس کا ہے کہ وہ لیکر کریں گے کیا　　ہم اس سے کام لیتے تھے ہمارے کام کا دل تھا

مرقع دیکھ کر میرا کہا کیا ہے جو دیکھوں میں　　نہ اس میں رنگ بھرنا تھا نہ آئینہ کے قابل تھا

مری آنکھوں سے دیکھا تھا مگر اس نے جمال اپنا　　کہ اپنے ہوش میں وہ تھا نہ آئینہ مقابل تھا

شہید ناز کو تیرے خبر کیا اہل محشر کی　　ادھر تربت سے اٹھا اور ادھر جنت میں داخل تھا

قیامت آج کیا لوٹی کہ کل تک تو یہ حالت تھی　　نہ تھا مجھ سے حجاب انکو نہ پردہ کوئی حائل تھا

نکلتی جان کیا میری کہ تیغ ناز کا اس کی　　فرشتہ موت کا آیا تو مجھ سے بڑھ کے بسمل تھا

قیامت دیکھنا قسمت سے آئی بھی تو کب آئی　　مری گردن پہ خنجر تھا مرے سینہ پہ قاتل تھا

ادائے خود نمائی نے لگادی آگ دنیا میں　　نہ تیرا کوئی طالب تھا نہ تیرا کوئی سائل تھا

چلو اچھا ہوا واعظ جو قطب مکہ ہوتا ہے　　در میخانہ کا برسوں سے وہ کم بخت سائل تھا

جو ایسے پھیر کے رستہ سے ہم جلدی چلے آئے　　ہمارے قافلہ میں کیا کوئی مقصود منزل تھا

برا ہو ناتوانی کا یہاں بیٹھا وہاں ٹھہرا　　پہنچنا کوئے جاناں تک مجھے منزل بمنزل تھا

وہ حسرت دیکھ کر اس کی مرے آنسو نکل آئے　　کہا مجنوں نے جب رو کر یہاں لیلی کا محمل تھا

مرے رونے سے پہلے خاک اڑتی تھی زمانے میں　　نہ چشمہ کوئی جاری تھا نہ ذکر بحر و ساحل تھا

عجب اک لطف سے گزرا ہمارا روز محشر بھی　　کہ جس مجمع میں جا بیٹھے تمہارا ذکر محفل تھا

قیامت کی بڑی شہرت تھی جب آئی تو یہ دیکھا　　ترے قامت کے فتنے تھے مرا شور سلاسل تھا

خدا کی شان تو دیکھو اب اس کی بن گئی مسجد
کہ جس میخانہ کا مالک ہمارا یار مائل تھا[1]



---

[1] یہ غزل طرحی مشاعرہ منعقدہ بماہ جولائی ۱۹۱۰ء بمقام جے پور بہ مکان مولوی اشفاق رسول جوہر کی ہے مصرع طرح تھا:- کبھی تجھے ہم بھی دل والے ہمارے پاس بھی دل تھا۔

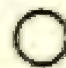
کیا وقت تھا وہ بھی کہ نہ اندوہ نہ غم تھا ۔۔۔ تھا پیشِ نظر جام تو پہلو میں، صنم تھا
تو آج نہ آتا تو مری جان ستم تھا ۔۔۔ ہونٹوں پہ جو تھی جان تو آنکھوں ہی میں دم تھا
کیا کیا تھے شبِ ہجر میں اشغالِ دل آویز ۔۔۔ مرنے کی تمنا تھی تو جینے کا الم تھا
کیوں آرزوئے سجدہ میں جھکتا تھا مرا سر ۔۔۔ کیا غیر کے کوچے میں ترا نقشِ قدم تھا
امّید یہ کس کو ہے کہ ہو اس کی طرف سے ۔۔۔ کہتے تو ہیں جو میں نے اٹھایا وہ ستم تھا
مدّت ہوئی قاصد نہ پھرا جا کے وہاں سے ۔۔۔ کیا حرفِ محبت بھی مرے خط میں رقم تھا
اب بتکدۂ چین سے بڑھ کر ہے مرا دل ۔۔۔ کہتے ہیں کسی وقت میں جو بیتِ صنم تھا
مجھ سے نہ سہی ناز سے ہی چھیڑ تھی ورنہ ۔۔۔ کچھ مجھ پہ نہ دشمن پہ ستم تھا نہ کرم تھا
یہ دل جسے ویرانہ پڑا دیکھتے ہو آج ۔۔۔ کہتے ہیں کسی وقت میں گلزارِ ارم تھا

اللہ فدائے درِ میخانہ ہوا ہے
مائل وہ جسے کہتے ہیں مشتاقِ حرم تھا



کل شب کو شبِ ہجر سے کیا ناک میں دم تھا ۔۔۔ مرنا تو کہاں تھا مجھے جینا بھی ستم تھا
سیدھا درِ فردوس پہ کیوں جا نہ پہنچتا ۔۔۔ میخانہ مری قبر سے دو ہی تو قدم تھا
تم سے نہ سہی پیرِ فلک سے تھی مری چھیڑ ۔۔۔ تم کو نہ سہی ہائے مجھے ذوقِ ستم تھا
اللہ جسے کہتے ہیں معمورۂ دنیا[1] ۔۔۔ دم بھر میں جو دیکھا تو وہی دشتِ عدم تھا
کیوں عشق کی کیوں حسن کی توقیر گھٹائیں ۔۔۔ یوسف کے مقدّر میں تو بکنا ہی رقم تھا
اب شکوہ ہو یا رشک ہو وہ کہتے ہیں مجھ سے ۔۔۔ ہاں پاسِ عدو مجھ کو ترے سر کی قسم تھا

جاروب کشِ میکدہ کیوں فخر نہ ہو مائل
کہتے ہیں کہ سر حلقۂ خدّامِ حرم تھا



زمانہ وہ بھی دنیا میں کبھی زلفِ پریشاں تھا ۔۔۔ کہ رخ کا دور دورہ تھا ہر اک کافر مسلماں تھا

---

[1] ہستی

شبِ غم میں ہمارا کونسا جلنے کا ساماں تھا　　جسے ہم دل سمجھتے تھے وہ اپنا دشمنِ جاں تھا

کٹا ماہِ صیام اُس کا شرابِ ناب سے برسوں　　مجھے کیا محتسب کہتا مرا ممنونِ احساں تھا

دکھائیں گے تماشا ہم اگر رونا کبھی آیا!　　جنابِ نوح کا بھی کیا کوئی طوفاں میں طوفاں تھا

تعلق اُس سے رکھتا ہوں وہ غائب ہو کہ حاضر　　وہاں زلفیں پریشاں تھیں مرا دل یاں پریشاں تھا

مرے دم سے ہوا آباد جنت کا یہ باغیچہ　　وگرنہ یاں تو کوسوں تک بیاباں ہی بیاباں تھا

جدائی کا نہیں رونا مجھے رونا تو اس کا ہے　　کھلا وہ آج گریہ سے جو کل تک دل میں پنہاں تھا

ہم اپنا گھر سمجھ کر اُن کے گھر میں آتے جاتے تھے　　نہ کھٹکا تھا رقیبوں کا نہ دل میں خوفِ درباں تھا

کسی حالت میں گلشن میں نہ ہم تو گل سے کم نکلے　　اگر وہ چاک داماں تھا تو یاں ٹکڑے گریباں تھا

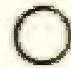
پسند آتا اگر ان کو تو کم قیمت میں دیدیتے　　جو لے لیتے وہ دل میرا تو سودا دست گرداں تھا

بہار آخر ہوئی شاید کہ تجھ کو دیکھ کر ناصح　　مجھے جو یاد آتا ہے کہ میرے بھی گریباں تھا

پھرا ہوں ڈھونڈھتا ارض و سما کے گوشے گوشے میں　　خدا جانے وہ کافر کس کے گھر میں شب کو مہماں تھا

بتاتا کوئی کیونکر راہ اُس دلبر کے ملنے کی　　کسی کے دل میں پنہاں تھا کسی کی جاں میں پنہاں تھا

یہ سچ ہے قدرِ انساں بعدِ انساں ہوتی ہے مائل
کہ مجھ کو قتل کر کے وہ بتِ کافر پشیماں تھا



چمن میں کل وہ کیفیت کا دورِ بزمِ رنداں تھا　　ہوا کیا ابر کیا گویا خدا خود میرِ ساماں تھا

ہنسی آئے نہ کیوں کر دیکھ کر خورشیدِ محشر کو　　مرے روزِ سیہ میں اک چراغِ زیرِ داماں تھا

شبِ غم میں کچھ ایسا تھا امید و یاس کا جھگڑا　　نہ کچھ مرنا ہی آساں تھا نہ کچھ جینا ہی آساں تھا

جنوں میں کیا قیامت ہے تصور کا بھی بندھ جانا　　جہاں وحشت میں ہم پہنچے ہمارے ساتھ زنداں تھا

مجھے تسکین دیتے تھے اُسے پروا نہیں کچھ بھی　　قسم کھائی تھی کس نے کس کی کس سے عہد و پیماں تھا

جگہ دیتا نہ آنکھوں میں کبھی مجنوں تو کانٹوں کو　　کوئی الجھا ہوا شاید مرا تارِ گریباں تھا

دوئی دل سے نکالی جب تو سمجھے یار کا ملنا　　نہ کچھ کعبہ میں مشکل تھا نہ بتخانے میں سہل تھا

تواضع سے نہ کیوں کر پیش آتے تجھ سے اے مائل　　کرم شیوہ ہے میخواروں کا تو ناخواندہ مہماں تھا

وہ تیغِ ناز کو کھینچے ہوئے پردے میں بیٹھے ہیں
نہ کیوں کر جان دیتا نامہ بر آخر تو انساں تھا

مجھے جب دیکھتا ہے شیخ کس حسرت سے کہتا ہے
کبھی یہ شخص بھی سرمایہ دارِ دین و ایماں تھا

جہاں شمعِ طرب تم تھے گزر ہوتا مرا کیونکر
کہ اس محفل میں پروانہ بھی میرا دشمنِ جاں تھا

تڑپ کر چارہ گر کے کیوں نہ قابو سے نکل جاتا
مرے پہلو میں دل تھا اور دل میں اس کا پیکاں تھا

پسینہ تک جبینِ ناز پر اس کے نہیں آتا
بھروسا ہم کو تجھ پر تو بہت ہی آہِ سوزاں تھا

طواف اس کا ہی کرتی تھی ادھر ہی سجدہ کرتی تھی
زلیخا کا تو کعبہ حضرتِ یوسف کا زنداں تھا

محبت بھی عجب شے ہے کہ کافر آج ہوتا ہے
وہی مائل جو کل تک پیشوائے اہلِ ایماں تھا



پردہ جو رخِ یار کا اُلٹا تو عیاں تھا
وہ راز جو برسوں سے مرے دل میں نہاں تھا

بلبل کی زباں پر صفتِ گل کا بیاں تھا
سمجھا جو ذرا غور سے تیرا ہی بیاں تھا

اے شیخ تری عقل پہ رحمت ہو خدا کی
مسجد کی بنا ڈالی ہے میخانہ جہاں تھا

یوں نالۂ دلگیر کی دیتے ہیں مجھے داد
بلبل کی طرح شب کو کوئی گرمِ فغاں تھا

نالوں سے مرے ارض و سما ہیں تہ و بالا
اک عرش کو کہتے ہیں وہیں ہے کہ جہاں تھا

عشاق اگر سر کے بل آئیں تو عجب کیا
کعبہ بھی کبھی جلوہ گہِ حسنِ بتاں تھا

سو بار تجھے یاد کیا پیرِ مغاں نے
کہہ تو سہی اے واعظِ کم بخت کہاں تھا

کہتے تھے فرشتے اسے رحمت ہو خدا کی
دنیا میں عجب چیز مرا پیرِ مغاں تھا

جب بھی تو اسے میں کبھی خاطر میں نہ لایا
پیری تھی مری اور فلکِ پیر جواں تھا

اس قصہ کو چھوڑو بھی خدا کے لیے یارو
کہنے کی نہیں بات کہ وہ شب کو کہاں تھا

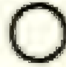
تھا شیخ و برہمن کو لڑانا اُسے منظور
کعبے میں نہ بت خانہ میں یاں تھا نہ وہاں تھا

جو تاب کہ مجھ میں ہے وہ موسیٰ میں کہاں تھی
جو شعلہ کہ تجھ میں ہے تجلی میں کہاں تھا

کعبہ میں سُنا جا کے تو ہے خانہ اس کا
بتخانے میں جو نام مرے وردِ زباں تھا

یہ حسن و محبت کے دکھانے کے ہیں پردے
بلبل میں نہاں تھا وہ کبھی گل میں عیاں تھا

تم رہتے اگر اس میں تو زیبندہ مکیں تھے　آراستہ سینہ میں مرے دل سا مکاں تھا
جب تک کہ ہم آئے نہ تھے کوچہ میں تمہارے　یہ نالۂ عشاق یہ ہنگامہ کہاں تھا
مذکور تو اس کا ہی سُنا دیر و حرم میں　پر اس کو جو ڈھونڈا تو یہاں تھا نہ وہاں تھا
پہلو میں اسے عرشِ معلّی نے جگہ دی　جس دل میں ترے داغِ محبت کا نشاں تھا
تُربت جو درِ کعبہ پہ مائل کی بنی ہے
دلّی میں خدا جانے کہاں اس کا مکاں تھا



وہ درد وہ اثر جو صدائے درا میں تھا　گم گشتہ کارواں کوئی راہِ فنا میں تھا
جو قیس کے جنوں کا اثر انتہا میں تھا　وہ رنگ وحشتوں کا مری ابتدا میں تھا
آخر کو اپنی جان پہ کھیلا ہی کوہکن　بیچارہ ایک عمر سے فکرِ وفا میں تھا
یہ مجھ سے پوچھ غیر سے کیا شب کو بزم میں　اندازِ دل کشی تری اک اک ادا میں تھا
آتے ہی تجھ پہ دل یہ خدا جانے کیا ہوا　نالہ میں تھی رسائی اثر بھی دعا میں تھا
پیتے ہی چارہ ساز کلیجہ جو کٹ گیا　کچھ زہر کا لگاؤ بھی شاید دوا میں تھا
ناخن وہی شکستہ ہو قسمت تو دیکھنا　الجھا ہوا جو عقدۂ بندِ قبا میں تھا
پھر کیا جواب اے دلِ ناداں جو وہ کہے　سن کر شکایتیں کہ اثر بھی دعا میں تھا
یہ دل جو تیرے گیسوئے مشکیں میں تھا اسیر　کیا جانے کس خیال میں اور کس ہوا میں تھا
ہر دم امیدِ لطف پہ بڑھتی تھی زندگی　مرنا مجھے محال نزولِ بلا میں تھا
پرواز مرغِ روح نے کی کس خوشی کے ساتھ　گویا کہ ایک عمر سے دستِ قضا میں تھا
سامانِ مرگ و زیست مرے تیرے ہاتھ تھے　کہنے کو رشتہ عمر کا دستِ قضا میں تھا
جاتی نہ میری جان بھی اور دل کی بات بھی　ایسا اثر دعا میں نہ یارب دوا میں تھا
دیکھو وہ بے نقاب ہے اے حضرتِ کلیم　ایسا ہی جلوہ طور پہ نورِ خدا میں تھا
کیونکر نہ دست و پا میں ترے آئے شوخ رنگ　خونِ شہیدِ ناز جھلکتا حنا میں تھا
رکھتا تھا نامراد خدا مغفرت کرے　یہ ہی تو اک کمال مرے پیشوا میں تھا

تھا کس بلا کا نالۂ بلبل جگر خراش
شاید رہا ہوا دلِ درد آشنا میں تھا

آتا یقین کیسے مری موت کا اُنھیں
کچھ رنگ شاعری بھی مری التجا میں تھا

یہ کیا ہوا کہ آج وہ جاتے ہیں اسکے گھر
کل تک تو کچھ اثر نہ عدو کی دعا میں تھا

تجھے[1] ملا ہے غیر سے تو نام کو نہیں
ظالم وہ لطفِ خاص جو تیری جفا میں تھا

اس نے خرامِ ناز سے چل کر مٹا دیا
جھگڑا جو مدتوں سے شمال و صبا میں تھا

دل میں اٹھا کے شوق نے آنکھوں میں رکھ لیا
انداز کس غضب کا ترے نقشِ پا میں تھا

کچھ بے حجابیوں سے دل افسردہ ہو گیا
جادو بھرا ہوا تری شرم و حیا میں تھا

اے خضر لی گئی جو تمھیں عمرِ جاوداں
کچھ تو اثر شراب کا آبِ بقا میں تھا

دو دن سے آ کے کعبہ میں بیٹھا تو کیا ہوا
مائلؔ صنم کدہ میں بھی یادِ خدا میں تھا

○

جوش سا جوش مرے دیدۂ پُر آب میں تھا
گھر میں تھا رات کو میں یا کسی تالاب میں تھا

یا قیامت تھی شبِ غم مرے گھر میں پنہاں
یا تصور ترے قد کا دلِ بیتاب میں تھا

حُسن نے تیرے کیا بزمِ دل آرا اس کو
ورنہ جز خاک کے کیا عالمِ اسباب میں تھا

وہ نہ آئے نہ سہی ان کا تصور شب کو
دلِ بیتاب میں تھا دیدۂ بے خواب میں تھا

کیا ہی کم بخت نے کھینچے تھے جگر سے نالے
خونِ بلبل کا جھلکتا گلِ شاداب میں تھا

آپ اور وعدے پہ آ جائیں مقدر سے مرے
بختِ بیدار عدو شب کو مگر خواب میں تھا

یاد اتنا تو ہمیں ہے کہ جدائی میں تری
شبِ یلدا کا سا عالم شبِ مہتاب میں تھا

بزمِ رندانِ خرابات میں آتے ہی کھلا
اتنی مدت سے عبث عالمِ اسباب میں تھا

ایسے گھبرا کے وہ آئے کہ انھیں گھر نہ ملا
کیا اثر شب کو مری آہِ جگر تاب میں تھا

واے قسمت کہ وہ اب غیر کو لکھا جائے
جو لکھا شوق سے فقرہ مرے القاب میں تھا

جستجو میں تری کس طرح نہ آتا یا رب!
تیرے ملنے کا سبب عالمِ اسباب میں تھا

آج بدلے ہوئے تیور ہیں خدا خیر کرے
کچھ نہ کچھ مشورہ کل تک تو مرے باب میں تھا

---

[1] جب سے

مانگ لایا ہے کسی کے کفِ پا سے شاید　　حُسن اتنا تو کہاں مہرِ جہاں تاب میں تھا
آج ناصح کی سنوں کیا کہ یہ کل تک میرے　　دوستوں میں تھا رفیقوں میں تھا احباب میں تھا
تیرے اندازِ تغافل نے نہ چھوڑا وہ بھی　　صبر تھوڑا سا جو میرے دلِ بیتاب میں تھا
اُس نے اپنی کفِ نازک پہ اٹھا کر دیکھا　　دلِ مضطر سے اثر بڑھ کے تو سیماب میں تھا

رند کہتے ہیں اسے طوفِ حرم میں مائل
سر سے لے تا بقدم غرقِ مئے ناب میں تھا



گلہ ہو کیا کہ وہ تا عمر ہیں سوگوار نہ تھا　　مرے جنازہ پہ کوئی بھی اشکبار نہ تھا
شراب خانہ میں کل محتسب سے ہو جاتی　　بڑی ہی خیر ہوئی کوئی بادہ خوار نہ تھا
جنابِ شیخ نے ہر کر یہ کی ہے بسم اللہ　　شراب خانے میں اب تک کوئی مزار نہ تھا
حرم میں دیر میں خلدِ بریں میں دوزخ میں　　فراقِ یار میں مجھکو کہیں قرار نہ تھا
ثواب تھا مرے حق میں جو قتل کر جاتے　　عذاب تھا شبِ فرقت میں انتظار نہ تھا
شگونِ بادہ کشی کا ذرا سا کر لیتے　　بہار ٹھیرے گی دم بھر یہ اعتبار نہ تھا
سکھا دیا ہے خوشامد پسند لوگوں نے　　مرے مزاج میں اتنا تو انکسار نہ تھا
ہوائے شوق میں محمل کے گرد تھا مجنوں　　قسم ہے دامنِ لیلی کی وہ غبار نہ تھا
خدا کے سامنے سجدے کو سر جھکا تو دیا　　بتوں کے سامنے اتنا بھی اختیار نہ تھا
شراب خانے سے چھپ چھپ کے ہی ذرا لے آتے　　جنابِ شیخ کا اتنا بھی اعتبار نہ تھا
مجھے یہ غم ہے کہ بے وقت توبہ کیوں ٹوٹی　　مرا شباب نہ تھا موسمِ بہار نہ تھا
تری ادائے تبسم نے کر لیا قبضہ　　مرے تو دل پہ کسی کا بھی اختیار نہ تھا
زمانہ یاد ہے وہ کبھی تجھے کہ اے ظالم　　شکارگاہ میں تیری کوئی شکار نہ تھا
کہا جو میں نے کہ مر کر بچا ہوں کہتے ہیں　　کہ تیری زیست کا ہم کو بھی اعتبار نہ تھا
ادا ادا ترے لطف و کرم کی کہتی ہے　　تری نگاہ میں مجھ سا گناہگار نہ تھا
تری بہار کی آمد میں اے مرے اللہ　　کفن بنے وہ گریباں جو تار تار نہ تھا

جنابِ شیخ تو اس میں بھی لے گئے بازی مرے خیال میں مجھ سا گنہگار نہ تھا
بنی ہوئی تھی وہ مجھ پر کہ کہہ نہیں سکتا بُری گھڑی تھی وہ جس میں خیالِ یار نہ تھا
درِ قبول کا رستہ کہیں نہیں پایا درِ خلوص پہ جب تک اُمیدوار نہ تھا

نہ لائے وجد میں کیونکہ کلامِ سائلؔ کا
غلامِ پیرِ مغاں تھا شراب خوار نہ تھا



بزم میں شب کو جو وہ کافرِ مغرور نہ تھا شمع جلتی تھی مگر نام کو بھی نور نہ تھا
یادِ کوثر میں ہوا شیخ غریقِ رحمت مے کے پینے کا تو کم بخت کو مقدور نہ تھا
کیا مری چشم کبھی ابرِ گہر بار نہ تھی کیا کسی وقت میں میں صاحبِ مقدور نہ تھا
فلکِ پیر نے اپنی سی بہت کر دیکھی خاک میں مجھکو ملانا اُسے منظور نہ تھا
قدمِ حضرتِ آدم کی ہے ساری برکت ورنہ دنیا میں کہیں عشق کا دستور نہ تھا
ایک دن یہ ہیں کہ مجنوں سے ہے بڑھ کر شہرت ایک دن وہ تھے کہ اپنا کہیں مذکور نہ تھا
پوچھتے کیا ہو حقیقت شبِ غم کی مجھ سے میرے قابو ہی میں میرا دلِ رنجور نہ تھا
ہچکیوں پر تو مری جان میں جان آئی تھی آپ کہتے ہیں ترا بزم میں مذکور نہ تھا
مرگِ شیریں کی خبر سن کے وہ جیتا رہتا کوہ کَن تھا کوئی بیہودہ کا مزدور نہ تھا
حُسن کے ساتھ وفا کا بھی عنایت کرنا شاید اللہ کی درگاہ میں دستور نہ تھا

رنگ چھایا تھا غضب مُردہ دِلی کا سب پر
شب کو محفل میں مگر سائلِ مغفور نہ تھا



وہ کون تھا جو میرے لیے آسماں نہ تھا تو مہرباں نہ تھا تو کوئی مہرباں نہ تھا
پہنچا مری بغل سے وہ دشمن کے خواب میں کہنے کی ہے یہ بات یہاں تھا وہاں نہ تھا
اُس نے ہنسی ہنسی میں مرا سر اُڑا دیا تلوار ہاتھ میں تھی سرِ امتحاں نہ تھا
دھوکے سے خانقاہ کے واعظ جو آگیا کیا میکدے کے در پہ کوئی پاسباں نہ تھا

سنتے ہی تیرے آنے کی کم بخت مر گیا
تھا وہ بھی اک رقیب مرا رازداں نہ تھا
کیا جانے دشمنوں نے اُسے کیا پڑھا دیا
میری طرف سے وہ تو کبھی بدگماں نہ تھا
میں جانتا ہوں یاں کبھی آتی نہ مجھ کو نیند
دشمن کے گھر میں رات کو وہ میہماں نہ تھا
اک عندلیب کے لیے یہ ظلم اے فلک
باغِ جہاں تو قابلِ جورِ خزاں نہ تھا
اعجازِ عیسوی کی جو یوں بند ہو گئی ہوا
معشوق کوئی آپ سا جادو بیاں نہ تھا
اس دہرِ بے ثبات کو عبرت کی آنکھ سے
دیکھا نگہ اُٹھا کے تو کچھ بھی نشاں نہ تھا
آتے تو کیسے راہ پہ گم گشتگانِ عشق
میرا غبار بھی تو پسِ کارواں نہ تھا
یہ سب طلسم ہے کسی جادو نگاہ کا
کل ہی کی ہے یہ بات کہ کچھ بھی یہاں نہ تھا
یوں ابر جھوم جھوم کے آتا نہ تھا کبھی
جب تک جہاں میں درِ پیرِ مغاں نہ تھا
میں کیوں ہوں منفعل سرِ دشمن اُڑا اُڑا
تھا امتحانِ تیغ مرا امتحاں نہ تھا
کیا جانے کس خطا پہ ہوا ہے قفس نصیب
گلشن میں آج کل تو مرا آشیاں نہ تھا
عمرِ ابد اگر مری تقدیر میں نہ تھی
قسمت میں خضر کے بھی غمِ جاوداں نہ تھا
ڈرتے ہیں پاسباں سے تیرے اب یہ دور ہے
گنتی میں دشمنوں کی کبھی آسماں نہ تھا
ہیں دل پہ نقش تیری مسافر نوازیاں
تو میزباں نہ تھا تو کوئی میہماں نہ تھا
کعبہ میں ذکرِ خیر مری میکشی کا ہو
مجھ کو جنابِ شیخ پہ ایسا گماں نہ تھا
کیا خاک بنتی بات کہ شب اس کے روبرو
کم بخت رازداں بھی مرا ہم زباں نہ تھا

ایمان کی کہیں گے خدا مغفرت کرے
مائلؔ کو وقتِ مرگ خیالِ بتاں نہ تھا



جب ہجر تھا تو بسملِ جور و جفا رہا
اب وصل ہے تو کشتۂ ناز و ادا رہا
کہنے کی تھی یہ بات کہ مجھ سے جدا رہا
آنکھوں میں دل میں جان میں وہ جا بجا رہا
کچھ بھی نہ کائنات کا جھگڑا لگا رہا
اوّل بھی تھا خدا ہی پھر آخر خدا رہا
پوچھو نہ دردِ ہجر میں ناکامیوں کا لطف
دل میں رہا بھی تیر تو حسرت فزا رہا

مانندِ شمعِ بزم جلایا گیا ہمیں
ہم پہ تمام شب ستم نا روا رہا

توبہ ہے پھر نہ کھینچیں گے نالہ تمام عمر
کم بخت اب کے کھنچ کے بھی گر نارسا رہا

واعظ کی بادہ نوشی کا کھلنے لگا جو راز
میخانہ کے قریب ہی بے چارہ جا رہا

دل کا ہی ایک آہ میں جھگڑا مٹا دیا
اب مدّعی رہا نہ کوئی مدّعا رہا

اللہ رے باوفا کہ نہ چھوڑا کہیں بھی تھا
جس حال میں رہا دلِ دردآشنا رہا

شاید کہ بتکدے کا سا جلوہ نظر پڑے
کعبہ میں اس امید پہ برسوں پڑا رہا

آیا نہ ہائے موسمِ گل سے بھی دل میں جوش
اب لطفِ زندگی کا رہا بھی تو کیا رہا

قسمت تو دیکھنا کہ نہ آیا زباں تک
دل میں ہی مدّعا مرے وقتِ دعا رہا

بندوں کو چوری چاہیے سچ ہے خدا سے کیا
پیتا رہا شراب بھی اور پارسا رہا

مائل پہ اتنے ظلم بتوں نے کیے کہ وہ
بتخانہ چھوڑ چھاڑ کے کعبہ میں جا رہا

○

دل ہی میں کچھ نہیں مرے پیکاں ہزار ہا
گردن پہ بھی ہیں تیغ کے احساں ہزار ہا

بلبل نہ بیقرار ہو اک گل کے واسطے
دل میں ہیں تیرے دیکھ گلستاں ہزار ہا

دیوانگی کی شان بھی شاہی سے کم نہیں
رکھتا ہوں ساتھ لشکرِ طفلاں ہزار ہا

مجھ پہ ہی کیوں کیا ہے کرم تو نے تمام سے
عاشق ہیں اُس کے لئے شبِ ہجراں ہزار ہا

اک بوسہ لعلِ لب کا عنایت جو وہ کریں
کر دوں نثار چشمۂ حیواں ہزار ہا

زخمِ جگر کو چشمہ سا نجھر بنا دیا
اُس نے اُلٹ پلٹ کے نمکداں ہزار ہا

جنّت سے خانہ باغ میں ہیں سینکڑوں چمن
رضواں سے اُس کے در پہ ہیں یاں ہزار ہا

رکھتے ہیں اپنے پاس حسینانِ روزگار
عاشق کے قتل کرنے کے ساماں ہزار ہا

مائل نے کس کے مصحفِ عارض پہ جان دی
تربت پہ رکھے رہتے ہیں قرآں ہزار ہا

برسا کیے جو خنجرِ بُرّاں ہزار ہا　　کیا میرے جسم میں ہیں رگِ جاں ہزار ہا

اے قیس میرے سامنے وحشت کی تو نہ لے　　تجھ سے بنائے طفلِ دبستاں ہزار ہا

اشکوں سے میرے کہتے ہو کیا نوح تذکرہ　　ایسے اُٹھا چکے ہیں یہ طوفاں ہزار ہا

میری شبِ فراق میں ہوگی نہ چاندنی　　نکلیں فلک پہ گر مہِ تاباں ہزار ہا

اے رہروانِ کوچۂ جاناں بہشت سے　　پڑتے ہیں اس کی رہ میں گلستاں ہزار ہا

زیرِ نقاب یوں ہے رُخِ یار جلوہ گر　　جیسے چراغ ہوں تہِ داماں ہزار ہا

کیا اپنے دل کو ڈھونڈوں کہ کوچے میں عشق کے　　ایسے پڑے ہیں خانۂ ویراں ہزار ہا

آنے دو پھر بہار گرائیں گے دیکھنا　　ٹکرا کے سر سے خانۂ زنداں ہزار ہا

سائلؔ ترے کلام میں کچھ اور بات ہے
گزرے مری نظر سے ہیں دیواں ہزار ہا



راحت سے دل میں کیا رہیں ارماں ہزار ہا　　چھوٹے سے گھر میں آ گئے مہماں ہزار ہا

اپنے جنوں زدوں کو وہ باغِ بہشت دے　　چاروں طرف ہوں جس کے بیاباں ہزار ہا

جس جا ٹپک گیا مری آنکھوں سے خونِ دل　　جنت سے بن گئے ہیں گلستاں ہزار ہا

پھٹتا کبھی نہ دامنِ عصمت یہ ایک کیا　　یوسف کے چاک ہوتے جو داماں ہزار ہا

پیرِ مغاں کی بزم میں بیٹھے ہیں ایسے لوگ　　گویا مَلَک ہیں صورتِ انساں ہزار ہا

اے داغِ دل وہ کام شبِ تار میں کیا　　قربان تجھ پہ مہرِ درخشاں ہزار ہا

مجھ سا نہیں ہے ایک بھی دنیا میں بُت پرست　　تم سے جنابِ شیخ مسلماں ہزار ہا

پوچھو مرے گلو سے گراں جانیوں کے لطف　　چلتے ہیں روز خنجرِ بُرّاں ہزار ہا

اے چارہ سازِ زخم نہ تکلیف دے مجھے　　بیٹھے ہیں دل میں ناوکِ مژگاں ہزار ہا

میں وہ جنوں زدہ ہوں کہ میرے غبار سے　　چلتے رکاب میں ہیں بیاباں ہزار ہا

سائلؔ ہو کس خیال میں اُس گُل کے شیفتہ
تم سے ہیں عندلیبِ غزل خواں ہزار ہا



سُن سُن کے شب کو نالۂ مستاں ہزار ہا
توڑے ہیں ہم نے توبہ کے پیماں ہزار ہا

ان ناخنوں سے ہم نے بھی عہدِ شباب میں
ٹکڑے اُڑا دیئے ہیں گریباں ہزار ہا

رہبر ہے کس کا شوق کہ رکتا نہیں قدم
ہیں آبلوں میں خارِ مغیلاں ہزار ہا

ملتے ہیں ہر شہیدِ محبت کی خاک سے
اک پھول کے عوض میں گلستاں ہزار ہا

سایہ سے قدِ یار کے عالم میں ہر طرف
پیدا ہوئے ہیں فتنۂ دوراں ہزار ہا

اے سوزِ عشق سینۂ عاشق پہ یہ کرم
ہر داغ میں ہیں مہرِ درخشاں ہزار ہا

سب ساکنانِ میکدہ بدنام کیوں نہ ہوں
دانا تو ایک دو ہی ہیں ناداں ہزار ہا

اک میرے دم کے واسطے تعمیر ہوتے ہیں
فصلِ بہار آتے ہی زنداں ہزار ہا

اُس بُت کی چھیڑ دیکھیے کعبہ ہے بھیجتا
کافر بنا بنا کے مسلماں ہزار ہا

کیا جانے میرے درد کو جس کے ہوئے نہ ہوں
سینہ کے پار خنجرِ بُرّاں ہزار ہا

پیرِ مغاں کے نام کی مالی ہیں بار ہا[1]
کرتی ہیں مجھ کو مجلسِ رنداں ہزار ہا

رونے میں وہ مزہ ہے کہ کرتا ہوں یہ دعا
دیدے مجھے تو دیدۂ گریاں ہزار ہا

ہوتا نہ منفعل تری رحمت کے سامنے
بخشے نہیں گئے مرے عصیاں ہزار ہا

خونریزیاں تو غمزۂ جاناں کی دیکھنا
ہر راہ میں ہیں گنجِ شہیداں ہزار ہا

چن لاؤ مجھ غریب کے گھر سے جنابِ شیخ
بکھرے پڑے ہیں گوہرِ ایماں ہزار ہا

جیسے جنابِ شیخ ہیں ایسے ہی خرقہ پوش
ہیں در پہ میکدے کے نگہباں ہزار ہا

ہو ایک دو کرشمہ تو قربان کر بھی دوں
لاؤں کہاں سے روز دل و جاں ہزار ہا

بیتاب و بے قرار ہر اک جا نظر پڑے
تیرے اسیرِ زلفِ پریشاں ہزار ہا

میرے صنمکدے کو الٰہی وہ چیز دے
ہر صبح آئیں طالبِ ایماں ہزار ہا

مائل شراب خانے میں آتے ہیں شان سے
ہوتے ہیں ساتھ گبر و مسلماں ہزار ہا



---

[1] بار بار۔

بوسۂ چشم کا میں اُن سے طلبگار رہا
یعنی اک عمر گدائے درِ خمّار رہا

کچھ جنوں جوش پہ کچھ دیدۂ خونبار رہا
دم قدم سے مرے جنگل بھی تو گلزار رہا

پاسباں ہے نہ عدو ہے نہ فلک ہے نہ زمیں
کوئی دم اور یہ نالہ جو شرربار رہا

دیکھنے والے ہی یوسف کے کہاں تھے ورنہ
چاہِ کنعاں میں بھی تو مصر کا بازار رہا

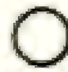
ذرّے ذرّے میں ترے جلوے کے دیکھے نیرنگ
بے خبر ہو کے بھی میں تجھ سے خبردار رہا

تیغ ابرو سے بچا، تیغِ ادا نے مارا
اک نہ اک مجھ پہ تو کھینچے ہوئے تلوار رہا

دیئے کس کس کو نگاہِ غلط انداز نے جام
ایک میں ہی تری محفل میں گنہگار رہا

وہ عیادت کو چلے آئیں کبھی بھولے سے
عمر بھر میں اسی امیّد پہ بیمار رہا

حضرتِ عشق نے کیا جانے کیا کیا مائل
میں تو کافر ہی رہا، ہائے نہ دیندار رہا



دل یوں ہی محوِ ابروئے خمدار گر رہا
کل جائے گا ضرور اگر آج سر رہا

میخانے کے قریب ہی جب تک کہ گھر رہا
حصّہ میں اپنے لطفِ نسیمِ سحر رہا

اُس کو جوابِ خط کا تو جاتے ہی مل گیا
کیا جانے کس خیال میں پھر نامہ بر رہا

پوچھیں نہ مجھ سے آپ مرے دل کا ماجرا
بیتاب و بیقرار یونہی عمر بھر رہا

وہ بعدِ مرگ صورِ سرافیل بن گیا
جو نالہ زندگی میں مری بے اثر رہا

تیغِ نگاہِ ناز کو کھینچے ہوئے ہیں وہ
یہ دیکھنا ہے آج کہ کس کس کا سر رہا

واعظ جو ہوش آ کے گئے محشر کو دیکھ کر
کیا جانے کس خیال میں تو عمر بھر رہا

تاثیر دردِ دل میں نہیں کیسے مان لوں
مجھ سا ہی بیقرار مرا چارہ گر رہا

اللہ رے انفعال کہ ناکردہ جرم پر
دامن ہمیشہ اشکِ ندامت سے تر رہا

قسمت میں تھا شہید جو ہونا تو دیکھنا
ہم تھے اُدھر اشارۂ ابرو جدھر رہا

تیغِ ادائے حور نے کچھ بھی کیا نہ کاٹ
جلتا ہوا تو خنجرِ نازِ بشر رہا

سینہ پہ کس نے ہاتھ محبت سے رکھ دیا
دل پر رہا نہ داغ نہ سوزِ جگر رہا

پایا ہے کیا ہی بے ہنری نے فروغ آہ!
اہلِ ہنر کو یاد نہ کوئی ہنر رہا

ہستی میں ہیں کبھی، کبھی ملکِ عدم میں ہیں
اپنے نصیب میں تو سفر ہی سفر رہا

شکوہ عبث ہے آپ کو افشائے راز کا
میں بزم میں رہا تو، مگر بے خبر رہا

شرمندہ اضطراب سے برقِ تپاں رہی
گریہ سے منفعل ہی سدا ابرِ تر رہا

یارب بُرا ہو غیر کا آیا نہ خطِ وصل
اُس کا تمام رات گریباں میں سر رہا

لو رہنمائے کفر اسے جانتے تھے ہم
کعبہ ہی جا کے مائل بے دیں تو مر رہا



پہلو میں مدتوں کوئی رشکِ قمر رہا
برسوں کسی کے بازوئے نازک پہ سر رہا

ہم ایسے محوِ ہستیٔ موہوم ہو گئے
یادِ دہن رہی نہ خیالِ کمر رہا

جو قافلہ گیا وہی پامال کر گیا
دنیا میں کیا رہا کہ سرِ رہگذر رہا

اک وہ کہ سر کو یار کے زانو پہ رکھتے ہیں
اک ہم کہ اپنے زانو پہ اپنا ہی سر رہا

پیدا کی وہ ادا کہ خدا کی نظر پڑی
آنکھوں میں قدسیوں کے کھٹکتا بشر رہا

یہ دیکھنا کہ جام ہے واعظ کے ہاتھ میں
گردش میں گر یوں ہی فلکِ فتنہ گر رہا

کرنا پڑے گا سجدہ مجھے ذرے ذرے کو
یوں ہی جمالِ یار اگر جلوہ گر رہا

کیا جانے کیا ہوا کہ سب اک بار اُڑ گیا
نالہ میں آہ میں نہ دعا میں اثر رہا

دیر و حرم پہ حصر نہیں ہم جہاں رہے
جلوہ جمالِ یار کا پیشِ نظر رہا

مضمون جس میں دیدۂ گریاں کا بندھ گیا
دیوان میں ہمارے وہی شعر تر رہا

رہنے دیا نہ گردشِ دوراں نے ایک جا
قسمت میں خضر کی تو سفر ہی سفر رہا

یارب شبِ فراق میں کیا سب ہی مر گئے
دنیا میں آج کوئی نہ مرغِ سحر رہا

ماتم ہے دل کا آج تو کل ہے جگر کا سوگ
رونا ہی اک نہ اک کا مجھے عمر بھر رہا

مائل فلک زدہ ہے اسے پوچھتا ہے کون
سچ ہے جہاں میں نہیں اہلِ ہنر رہا



میں آرزوئے مرگ کے قابل نہیں رہا — دشوار کام آپ کو مشکل نہیں رہا
مدّت ہوئی کہ آنکھ سے خوں ہو کے بہہ گیا — کیا دیکھتے ہو سینے میں اب دل نہیں رہا
دل ہی میں رہ گئی مرے قاتل کی آرزو — دم بھر بھی مضطرب دلِ بسمل نہیں رہا
اب بھی تو ڈھونڈتے ہیں کسی فتنہ جو کو ہم — وہ عمر گو نہیں رہی وہ دل نہیں رہا

مانا کہ دردِ دل ہے مگر دو ہی روز میں
مائل تو بات کرنے کے قابل نہیں رہا



ٹکڑے ٹکڑے کو سنبھالے غمِ ہجراں میں رہا — دلِ صد پارہ عجب حالِ پریشاں میں رہا
تیرے رُخ کا جو تصوّر مرے ارماں میں رہا — جو رہا دل میں مرے عالمِ امکاں میں رہا
عمر بھر شیخ اسی حسرت و ارماں میں رہا — بن کے ساقی نہ کبھی محفلِ رنداں میں رہا
خس و خاشاک سا گو کوچۂ جاناں میں رہا — پھر بھی کانٹا سا کھٹکتا دلِ درباں میں رہا
خاک اڑائی نہ زمیں پر نہ فلک پر پہنچا — ڈھونڈھتا میں تو اسے اپنے دل و جاں میں رہا
دیکھتا حشر میں دیدار کسی کا کیوں کر — شرمِ عصیاں سے سراسر تو گریباں میں رہا
چشمِ فتّاں کا کرشمہ کہ ترے قامت کا — فتنہ انگیز کوئی گبر و مسلماں میں رہا
ڈھونڈھتا میں تو پھرا دیر و حرم میں اسکو — عقلا کہتے ہیں تو گردشِ دوراں میں رہا
حشر کے روز پریشان رہے اس کی بلا — زندگی بھر جو تری زلفِ پریشاں میں رہا
ایک وہ ہیں کہ اُڑے بھی تو چمن کے اندر — ایک ہم ہیں کہ نشیمن نہ گلستاں میں رہا
ہم نے وحشت میں بھی چھوڑی نہ حسینوں کی تلاش — حسن میں یوسف سے ہیں بھی اسی زنداں میں رہا
شیخ اپنا سا سمجھتے ہو بشر ساقی کو — اس عقیدے سے خلل آپکے ایماں میں رہا
دیکھنا داغِ محبت کی وفاداری کو — نور بن کر دمِ آخر مرے ایماں میں رہا
کچھ مروّت تو بہت فتنۂ حشر آج کے دن — تو تو برسوں مرے گھر میں شبِ ہجراں میں رہا
اپنے تم دستِ حنائی کی کشش تو دیکھو — رنگ باقی نہ ذرا خونِ شہیداں میں رہا
اُسے اپنا ہی سمجھنے لگی دل کی مخلوق — تیر کل جل کے ترا یوں مرے ارماں میں رہا

پھر اسیرانِ محبت کی رہائی معلوم — دل کا الجھاؤ اگر کاکلِ پیچاں میں رہا
لذتِ زخمِ محبت مرے دل سے پوچھو — شورِ حسنِ نمکیں اس کے نمکداں میں رہا
سچ تو یوں ہے کہ ہوا سے ہیں ہوا ہیں اُس کی — نہ رہا سانس تو پھر کچھ بھی نہ انساں میں رہا

میرے نزدیک تو دونوں ہیں برابر مائل
میکدہ میں جو رہا روضۂ رضواں میں رہا



اک تلاطم سا دمِ گریہ دل و جاں میں رہا — ایک طوفانِ محبت مرے داماں میں رہا
مست و بیخود تو نہیں صاحبِ عرفاں میں رہا — آزماتا وہ کیسے جلوۂ پنہاں میں رہا
سنگِ در بھی تو ترا حالِ پریشاں میں رہا — کیا کہیں قہرِ خدا صورتِ درباں میں رہا
داغِ دل یا نہ نمایاں شبِ ہجراں میں رہا — یا یہ خورشیدِ فلک میرے گریباں میں رہا
رنگ لا کر ہی رہا اشکِ ندامت آخر — میری آنکھوں میں رہا تھا مرے داماں میں رہا
برق پر برق گری پردے پہ پردہ اٹھا — ہوش اتنا تو مجھے جلوۂ جاناں میں رہا
اب کہیں اور بنایا ہے مقامِ حسرت — ایک مدت تو ہمارے دلِ حیراں میں رہا
اپنے قابل نہ سمجھ کر جو کسی نے دی تھی — اُس انگوٹھی کا کرشمہ ہی سلیماں میں رہا
دل میں بیٹھا ہے ہمارے جو سمجھ کر کعبہ — کسی ایمان کا جوہر ترے پیکاں میں رہا
وہ گیا اور گیا عرشِ بریں سے آگے — وہ رہا اور رہا صورتِ انساں میں رہا
نذرِ مژگاں کروں وہ آئیں تو اپنے ٹکڑے — دلِ صد پارہ اسی حسرت و ارماں میں رہا
کس کی رحمت کے ہیں ارمان کہ پھر بھی نہ جلے — شعلۂ داغ بھڑکتا دلِ سوزاں میں رہا
بدگماں تو کسی معشوق کو اللہ نہ کرے — آزماتا وہ مجھے جلوۂ پنہاں میں رہا
خط کو دشمن کے ابھی آگ دکھائی نہ گئی — نقص اتنا سا ترے عہد میں پیماں میں رہا
مجھ سے ہر بات کے یوں اس نے کیے قول و قرار — کوئی پہلو جو نہیں میں تو کوئی ہاں میں رہا
شوق میں کس کے پھڑکتی ہے قفس میں بلبل — ہمنوا کوئی بھی تیرا نہ گلستاں میں رہا
اور کس کا ہے یہ بھی خستہ جگر کا نالہ — دردِ دین کر جو دلِ گبر و مسلماں میں رہا

لاکھ شکووں کا مرے اس نے دیا ایک جواب — کہ تجھے کون سنبھالے غمِ پنہاں میں رہا
چشمِ رحمت کے اشارے کا کرشمہ دیکھو — اک گنہ بھی نہ مرے دفترِ عصیاں میں رہا
مجھ کو دیکھو نہ حقارت سے وہ ہوں مورِ ضعیف — حال قرآں میں مرا ذکرِ سلیماں میں رہا
جس کی قدرت میں ہے سب بست و کشادِ عالم — وہ مرے ساتھ ہر اک مشکل و آساں میں رہا
ظلمتِ یاس کبھی اور کبھی نورِ امید — اک طلسمات کا عالم شبِ ہجراں میں رہا

منحصر کچھ اسی عالم پہ نہیں ہے سائل
میں جہاں جا کے رہا جلوۂ جاناں میں رہا

○

زندگی بھر ہی نہ میں کوچۂ جاناں میں رہا — قتل ہو کر بھی وہیں گنجِ شہیداں میں رہا
سب سراپا کا ترے وصف تو قرآں میں رہا — اک فقط مطلعِ ابرو مرے دیواں میں رہا
کچھ بھی چلتا نہ پتہ حضرتِ اسلام کو پھر — کفر چھپ کر جو مرے پردۂ ایماں میں رہا
ملک الموت ہی آئے نہ بلائیں آئیں — میں تو تنہا ہی تڑپتا شبِ ہجراں میں رہا
اس میں اک دم میں ہیں لاکھوں جو تغیر پیدا — میرے نالوں کا اثر عالمِ امکاں میں رہا
آگ ساقی کو دل و جاں کو لگائے ہی بنی — میں جو افسردہ ذرا محفلِ رنداں میں رہا
کھل گیا چاک گریبانِ گل سے پردہ — کہ پری وش کوئی تجھ سا ہی گلستاں میں رہا
میری آنکھوں سے گرا وقتِ دعا جو قطرہ — دُرِ مقصود وہ بن کر مرے داماں میں رہا
رنگ کثرت کا جمایا وہ ترے جلووں نے — ہو کے یکتا نہ کوئی عالمِ امکاں میں رہا
جس کو مجنوں نے کھڑے ہو کے لپیٹا سر سے — یہ وہی تار ہے جو میرے گریباں میں رہا
تیرے کوچے کی ہوا سے جو ہوا دیوانہ — وہ ٹکا دیر و حرم میں نہ بیاباں میں رہا
خم رکھا سر پہ جو واعظ نے برائی کیا تھی — اپنی عزت کو لیے محفلِ رنداں میں رہا
تم گلستاں میں رہے بھی تو رہے مثلِ بہار — اک بگولہ سا رہا میں جو بیاباں میں رہا
رکھ دیا ہاتھ یہ سینہ پہ خدایا کس نے — کوئی جھگڑا نہ مرے دست و گریباں میں رہا
بے ضرر ہوں مجھے کیا کوئی ضرر پہنچائے — اپنے نقصاں میں رہا جو مرے نقصاں میں رہا

اگلے لوگوں کی مجھے کعبہ نشانی سمجھا
بت پرستی کا جو ساماں مرے ساماں میں رہا

حشر تک پھر نہ تھمے خون کے آنسو اُس کے
آخری دم جو مرا خنجرِ بُرّاں میں رہا

سرِ شوریدہ کو پھر عرش سے جا ٹکرایا
جب نہ دیوار نہ در کوچۂ جاناں میں رہا

بیقراری کے خریدار جو ذرّے نکلے
ایک بازار لگا ریگِ بیاباں میں رہا

نہیں آشوبِ قیامت میں تو وہ بات نہیں
بے کسی کا تو مزہ گورِ غریباں میں رہا

اُس کا سا نجھ میں بنا پہلوئے خواجہ میں مزار
لوگ کہتے ہیں کہ مائل تو نمکداں میں رہا



دل کو خیالِ زلفِ پریشاں نہیں رہا
سینہ کو شوقِ ناوکِ مژگاں نہیں رہا

لیتے ہیں جذبِ غیر کا یاں آکے امتحاں
دل کو نوید ہے غمِ ہجراں نہیں رہا

یاں منتظر ہے دیدۂ تر ایک وقت کا
وہ جانتے ہیں قابلِ طوفاں نہیں رہا

میرا ہی گھر تو تھا کہ جہاں شب کو تم رہے
میرے ہی دل میں تو کوئی ارماں نہیں رہا

کہتے ہیں آج مائلِ وحشی بھی مر گیا
اب کوئی قدردانِ بیاباں نہیں رہا



ترے آنے کی میں نے سُنی جو خبر مجھے ہجر کا صدمہ ذرا نہ رہا
ترے مصحفِ رُخ پہ پڑی جو نظر مرے دل پہ ہجومِ بلا نہ رہا

ترے لطف کے ہاتھ ہے شرم مری مجھے آسرا تیرے سوا نہ رہا
مرے کہنے میں میری زباں نہ رہی مرے کام کا دستِ دعا نہ رہا

مری قبر پہ آکے یہ کہنے لگا ترے مرنے سے مجھ کو یہ رنج ہوا
کوئی کشتۂ مہر و وفا نہ رہا کوئی بسمل ناز و ادا نہ رہا

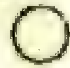
مجھے دیکھ کے کعبہ میں کرتے دعا لگے کہنے وہ طعن سے ہو کے خفا
نہ رہی تجھے تابِ جفا نہ رہی نہ رہا تجھے پاسِ وفا نہ رہا

تری راہ میں جب سے قدم ہے رکھا مجھے دونوں جہاں کی خبر ہی نہیں
رہی یاد تو تیری ہی یاد رہی رہا ہوش تو تیرے سوا نہ رہا

رہے کوچہ میں اُس کے جو خاک نشیں انھیں عرشِ بریں کی خبر ہی نہیں
وہ غبار جو اس کے قدم پہ پڑا ترے دوش پہ بادِ صبا نہ رہا

ترے قہر و غضب کی خبر تھی سنی مجھے فکر تھی اس کی بہت ہی بڑی
ترے لطف و کرم پہ نظر جو پڑی مجھے خطرۂ روزِ جزا نہ رہا

یہ نتیجہ ہے توبہ کا مائلؔ اگر تو سلام ہے بندہ کا دور سے بس
ترے ہوش و حواس بجا نہ رہے کسی کام کا مردِ خدا نہ رہا



مجھے سر جو ملا تو وہ ایسا ملا نہ تہِ تیغ جو روز و شبانہ رہا
مجھے دل جو ملا تو وہ ایسا ملا ، ترے تیرِ ادا کا نشانہ رہا

مجھے چھیڑیے شیخ نہ بہرِ خدا مجھے دیر و حرم کی خبر ہی ہو کیا
مجھے کام دوئی سے کبھی نہ پڑا مرے دل میں تو وہ ہی یگانہ رہا

مجھے پیرِ مغاں کی دعا ہے لگی مری دونوں طرف رہی ناموری
مری بادہ کشی میں بھی دھوم رہی مری توبہ کا برسوں فسانہ رہا

کروں عشق کا شکر نہ کیسے بھلا مرے حال پہ جب سے کرم ہے کیا
نئی تیغ کرشمہ ہمیشہ چلی نئے تیرِ ادا کا نشانہ رہا

ترے ناز پہ مجھ کو کبھی ناز رہا ترے درد سے دل کو مزہ ہی ملا
تری بھول نے مجھ پہ ستم یہ کیا مجھے یاد نہ اپنا فسانہ رہا

مرے آگے تو باتیں نہ ایسی بنا مرے دل کو نہ شعلۂ غم سے جلا
مجھے سب ہے خبر بُت ماہ لقا شبِ وعدہ جو حیلہ بہانہ رہا

مجھے کھٹکے نہ کیسے بھلا یہ سخن کہیں لوگ جو مائلِ توبہ شکن
مرے دل میں نہ جوش و خروش رہا نہ شباب کا میرے زمانہ رہا



دل کو خیالِ گیسوئے خمدار ہی رہا
اپنی بلا میں آپ گرفتار ہی رہا

نرگس ہی کیا چمن میں ہے جو ہے جہان میں
بیمارِ چشمِ یار کا بیمار ہی رہا

جب تک کہ اس کا ہم سے رہا دل بُرا ہوا
کھینچے ہوئے وہ غیر پہ تلوار ہی رہا

کیا پوچھتے ہو ہجر میں کی کیسے زندگی
برسوں تو جوشِ دیدۂ خونبار ہی رہا

کچھ بھی چلی نہ شیخ کی دونوں جہان میں
اللہ میکشوں کا طرفدار ہی رہا

تاثیر میرے نالۂ دلکش کی دیکھنا
تھوڑے دنوں جو اور گرفتار ہی رہا

بے کھٹکے کوئے یار میں گزری تمام عمر
اچھا تو ہم سے سایۂ دیوار ہی رہا

اس سے غرض نہیں انھیں تاثیر ہو نہ ہو
بک بک کا ناصحوں کو تو آزار ہی رہا

ہم نے تمھاری یاد میں اپنا کیا نہ پاس
اور تم کو پاسِ خاطرِ اغیار ہی رہا

کہدیں نہ وہ کلیم سے بڑھ کر نہیں ہو تم
میں یہ سمجھ کے طالبِ دیدار ہی رہا

ہم اس کی بات بات پہ دیتے رہے ہیں جاں
محشر تو اس کا کشتۂ رفتار ہی رہا

محفل میں ناز و غمزہ بھی قتل گاہ میں
چلتا ہوا تو خنجرِ خونخوار ہی رہا

آیا جو باتوں باتوں میں کچھ اس کا ذکر خیر
ہر ایک محوِ لذتِ گفتار ہی رہا

جس نے کہ جامِ بادہ تہِ دل سے پی لیا
رحمت کا دو جہاں میں سزاوار ہی رہا

سچ یوں ہے آسمان بھی ڈرنے کی چیز ہے
ظالم ہمیشہ درپئے آزار ہی رہا

کیسے نہ برسے ابرِ کرم میری قبر پر
میں اس امید میں تو گنہگار ہی رہا

جب تو ہوا تو جان کو سمجھا ہے میں نے جان
تیرے بغیر جان سے بیزار ہی رہا

مٹی سے اس کی جام بنے اور سبو بنے
مائل تو بعدِ مرگ بھی میخوار ہی رہا



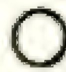
تیرا جلوہ تو جابجا دیکھا
پر تجھی کو نہ اے خدا دیکھا

عاشقی میں عجب مزا دیکھا
ستمِ ناروا روا دیکھا

نامہ بر سے مجھے جو کھٹکا تھا
باتوں باتوں میں کھل گیا دیکھا

جسے کہتے ہیں دیکھنا وہ کہاں دیکھنے کو تو بار ہا دیکھا
ہو جو مہلت حباب سے پوچھوں تو نے دنیا میں آکے کیا دیکھا
جب یہ ٹھانی کہ اس سے مل کے رہیں ہر مصیبت کو رہنما دیکھا
جب نظر پڑ گئی حقیقت پہ لاکھ پردوں میں برملا دیکھا
کس غضب کے ہیں حسن کے جلوے ہر ادا میں تجھے نیا دیکھا
ناز پہ جان ہو گئی قربان دل کو جب کشتۂ ادا دیکھا
ہر ادا سے وفا ٹپکتی ہے اس ادا کا نہ بے وفا دیکھا
سخت جانی پہ ناز کیوں نہ کروں اس نے خنجر کو آزما دیکھا
دل کی کس کو خبر ہے ظاہر میں شیخ صاحب کو پارسا دیکھا

بت پرستی کا دیکھنا انجام
ہم نے مائل کو باخدا دیکھا



پا بہ زنجیر رہا قیس نہ زنداں دیکھا آنکھ وحشت کی جو کھولی تو بیاباں دیکھا
کیا کہوں رات کو کیا خوابِ پریشاں دیکھا میزباں آپ کو اور غیر کو مہماں دیکھا
اے جنوں تنگ نہ اتنا تو بیاباں دیکھا جو نصیبوں سے ترے حشر کا میداں دیکھا
یہ ترا لطف و کرم، شامِ غریباں دیکھا دشمن آبلہ ہر خارِ بیاباں دیکھا
کچھ عجب طور ترا دیدۂ گریاں دیکھا ابھی قطرہ نظر آیا، ابھی طوفاں دیکھا
تم جو ہر بات پہ کہتے ہو جنوں ہے مجھ کو چاک کرتے ہوئے کس روز گریباں دیکھا
اُسے آنے نہ دیا اور مجھے مرنے نہ دیا یہ کرشمہ تو ترا اے شبِ ہجراں دیکھا
یہ عجب بات ہے آنکھوں سے ٹپکتا ہے لہو دل میں ڈوبا نہ ترے تیر کا پیکاں دیکھا
اک طرف بیٹھ کے گلزار میں ہم روئیں گے دل کے نالوں سے جو بلبل کو پریشاں دیکھا
کر دیا غرقِ مئے ناب اُسے ساقی نے توڑ کر توبہ جو واعظ کو پشیماں دیکھا
ہم یہ سمجھے کہ قضا غیر کی اب آپہنچی مہرباں تجھ کو جو اے فتنۂ دوراں دیکھا

ل آ کے دنیا میں تو نے کیا دیکھا

مژدہ باد اے دلِ بیتاب کہ تسکیں کو مرے
زہر میں اس کو بجھاتے ہوئے پیکاں دیکھا

بے اعانت تری مشکل سے بھی مشکل نکلا
ہم نے جس کام کو آساں سے بھی آساں دیکھا

اس کی زلفوں کا تصور بھی تو پورا نہ بندھا
بس درازی کو تری اے شبِ ہجراں دیکھا

اسے چھوڑا بھی تو کافر ہی بنا کر چھوڑا
جو اسیرانِ محبت میں مسلماں دیکھا

آپ آتے ہی جو بدظن سے بنے بیٹھے ہیں
غمکدہ میں مرے کیا عیش کا ساماں دیکھا

نظر آجانے خدا کے تجھے جلوے قاصد
میری آنکھوں نے نہیں جلوۂ جاناں دیکھا

کبھی چلتے ہوئے دیکھا نہ گلے پر اپنے
دستِ نازک میں ترے خنجرِ براں دیکھا

وضعداری پہ پڑی خاک کہ مستوں کی طرح
آج میخانے میں مائل کو غزل خواں دیکھا



اس کو کبھی ہوتے ہوئے قائل نہیں دیکھا
ناصح سے تو بڑھ کر کوئی جاہل نہیں دیکھا

کیا کیا نہ قیامت مرے دل پر نہیں گزری
کیا کیا نہ تماشا سرِ محفل نہیں دیکھا

اس بات پہ مرتا ہوں کہ کہتی ہے خلائق
اس آن و ادا کا کوئی قائل نہیں دیکھا

ٹپکا اسے مسجد میں جسے پیرِ مغاں نے
دربانیِ میخانہ کے قابل نہیں دیکھا

سفاک و ستم پیشہ بہت دیکھے مگر ہاں
تجھ سا کوئی اے خنجرِ قاتل نہیں دیکھا

کب تیغ بکف تجھ کو ستمگر نہیں پایا
کب خون میں غلطاں کوئی بسمل نہیں دیکھا

کیوں کر ہو نظر میں مری واعظ تری توقیر
زندانِ قدح خوار کے شامل نہیں دیکھا

کامل کبھی ناقص کو بھی ناقص نہیں کہتے
ناقص ہی کہا کرتے ہیں کامل نہیں دیکھا

خم میں ہے ترا جوش صراحی میں ترا شور
میخانہ تری یاد سے غافل نہیں دیکھا

پیدا ہیں کہاں ایسے ادب دانِ محبت
مجنوں نے سوئے پردۂ محمل نہیں دیکھا

تڑپا جو دمِ قتل تو کہتے ہیں بگڑ کر
گستاخ تو ایسا کوئی بسمل نہیں دیکھا

جب تک کہ نہ دیکھا تھا انہیں کہتے تھے تم بھی
جاتے ہوئے قابو سے کبھی دل نہیں دیکھا

کیا دفترِ عصیاں سے پشیمان ہوا ہوتا
جب وسعتِ رحمت کے مقابل نہیں دیکھا

ہوتے ہوئے دیکھا نہ بغیر اس کی عنایت — جس کام کو ہر حال میں مشکل نہیں دیکھا

یہ بات تو ہے اور کہ گل کان نہ رکھے — تاثیر میں کم شورِ عنادل نہیں دیکھا

کیا خاک مری راہ نمائی وہ کرے گا — جس نے کہ نشانِ رہِ منزل نہیں دیکھا

کیا اس کی ہو امید پلٹ آنے کی جس نے — مڑ کر بھی وطن کو کئی منزل نہیں دیکھا

کعبہ میں بھی دیکھا تجھے مستانہ روش پر
بے باک تو تجھ سا کوئی مائل نہیں دیکھا



وقت پر کھینچ کے جب آہِ رسا کو دیکھا — تو بگڑتے ہی ہوئے اس کی ہوا کو دیکھا

اشک گلگوں کو نہ خونِ شہدا کو دیکھا — شوخ جیسا کہ ترے رنگِ حنا کو دیکھا

دونوں عالم میں اسی ہوش ربا کو دیکھا — نہ ملک کو، نہ بشر کو، نہ خدا کو دیکھا

تجھ کو دیکھا نہ ترے ناز و ادا کو دیکھا — تیرے ہر طرز میں اک شانِ خدا کو دیکھا

ہیں تجھے دیکھ کے حورانِ بہشتی بے تاب — یا ترے کشتۂ انداز و ادا کو دیکھا

حال بھی غیر ہے باتیں بھی ہیں بہکی بہکی — آج ناصح نے کسی ہوش ربا کو دیکھا

بدگمانی سے شبِ وصل بھی بے تاب رہا — دست و پا میں جو ترے رنگِ حنا کو دیکھا

کچھ اثر سا ہے تو دشمن کی دعا میں ورنہ — بے اثر ایک زمانے کی دعا کو دیکھا

جان دینی ہی پڑی اب کہ لکھا ہے اس نے — کوہکن کو تو سنا تیری وفا کو دیکھا

مضطرب ہو کے چلے آئے اور اس پر دیکھو — کہہ رہے ہیں کہ تری آہِ رسا کو دیکھا

بدگمانی کا برا ہو کہ درِ غیر پہ ہائے — آپ جا کر ترے نقشِ کفِ پا کو دیکھا

تشنہ آبِ دمِ تیغ نے پلٹا کیسا — آنکھ اٹھا کر نہ کبھی آبِ بقا کو دیکھا

مجھ کو کافر ہی بتاتا ہے یہ واعظ کم بخت — میں نے بندوں میں کئی بار خدا کو دیکھا

لاکھ کھولا نہ کھلا بندِ قبا پر نہ کھلا — ہم نے تو آج تری شرم و حیا کو دیکھا

بندہ گیا طور پہ موسیٰ کو تصور اپنا — کون کہتا ہے کہ اس ہوش ربا کو دیکھا

تجھ سے بہتر نہ حسینانِ جہاں کو پایا — تجھ سے بڑھ کر نہ کسی اہلِ جفا کو دیکھا

نہ نہ کھلا پر نہ کھلا بندِ قبا الخ

نکہتِ زلفِ معنبر کو چمن میں پایا
آتے جاتے تیرے کوچے میں صبا کو دیکھا

خود بخود دیدۂ مجنوں جو بچھے جاتے ہیں
دشتِ پر خار میں کس آبلہ پا کو دیکھا

یہی تعبیر ہے اس کی کہ میسر ہو وصال
شبِ غم خواب میں جو روزِ جزا کو دیکھا

رنگ دنیا کے بدلتے ہوئے لاکھوں دیکھے
آنکھ سے پر نہ بقا کو نہ فنا کو دیکھا

کیا سیہ بخت ہے ناصح بھی الٰہی توبہ
خواب میں بھی نہ کبھی ماہِ لقا کو دیکھا

کام اس بت سے پڑا ہے کہ ملا کر جس نے
دلِ بے تاب کو اور قبلہ نما کو دیکھا

سن کے باتیں ہی پسِ پردہ مرے جاتے ہیں
تیرے انداز کو دیکھا نہ ادا کو دیکھا

نہ ستا ہم کو فلک واں کے ہیں ہم اے ظالم
خواب میں بھی نہ جہاں ارض و سما کو دیکھا

یہ تو دیکھا کہ کوئی بزم سے زندہ نہ گیا
نگہِ یار کو دیکھا نہ قضا کو دیکھا

مائل ایمان ہے بالغیب ہمیں لوگوں کا
کہ پیمبر ہی کو دیکھا نہ خدا کو دیکھا



جب سے اس بے حجاب کو دیکھا
پھر نہ آنکھوں میں خواب کو دیکھا

اب نہ ٹھہرے گا تم نے کیوں ہنس کر
دلِ پر اضطراب کو دیکھا

بزم میں عکسِ چشمِ ساقی سے
مست موجِ شراب کو دیکھا

جیسے ترسا ہوا ہو، واعظ نے
یوں شراب و کباب کو دیکھا

نام اول ترا نظر آیا
کھول کر جس کتاب کو دیکھا

سب سے پہلے جواب دیتے ہوئے
عشق میں صبر و تاب کو دیکھا

ساتھ دیتے ہوئے محبت میں
دلِ ناکامیاب کو دیکھا

جوشِ طوفانِ نوح کا تو سنا
اپنی چشمِ پُر آب کو دیکھا

ہم نے کھلتے ہوئے زمانے میں
تیرے منہ پر نقاب کو دیکھا

آج مائل ہیں پارسا کل تک
میکدے میں جناب کو دیکھا



کسی کا تم پر نہ کیوں ہو دھوکا جہاں میں ایسا تمھیں کو دیکھا
یہاں جو ڈھونڈا تمھیں کو پایا وہاں جو دیکھا تمھیں کو دیکھا

نماز کیسی، کہاں کی مسجد، تمھیں تو پیشِ نظر ہو ہر دم
اِدھر جو دیکھا تمھیں کو دیکھا اُدھر جو دیکھا تمھیں کو دیکھا

جدھر کو دیکھا صفیں الٹ دیں جدھر کو نکلے قیامت آئی
حسین لاکھوں ہی دیکھ ڈالے پر اس ادا کا تمھیں کو دیکھا

خدا ہی جانے یہ بھید کیا ہے کہ سب ہیں کہتے خدا کا گھر ہے
حرم میں جا کر وہ جلوہ دیکھا کہ ہم نے گویا تمھیں کو دیکھا

نگاہِ حق بیں ملی ہے جب سے نہ گل کو دیکھا نہ سرو دیکھا
گئے چمن میں ہیں جس طرف کو تو بس سراپا تمھیں کو دیکھا

نہ یہ کرشمے کسی میں نکلے نہ یہ ادائیں کسی میں پائیں
لکھوں کہاں تک صفت تمھاری غرض کہ تم سا تمھیں کو دیکھا

دوئی کا پردہ جونہی اٹھایا سوا تمھارے نہ کوئی پایا
نظر اٹھا کر جدھر کو دیکھا تو جلوہ آرا تمھیں کو دیکھا

حرم میں آ کر ملا ہر اک سے کسی کو بیخود یہاں نہ پایا
خدا کی رحمت ہو تم پہ واثق کہ بارہا تمھیں کو دیکھا



اُس نے دعویٰ جو کیا اس سے نہ ٹلتے دیکھا
کبھی تقریر کا پہلو نہ بدلتے دیکھا

اُس کی قدرت سے بنا نور کا سانچا ایسا
کہ ترے قد کے سوا اور نہ ڈھلتے دیکھا

اُس کے قدموں کی قسم آہ میں ہے وہ تاثیر
موم کی طرح سے پتھر کو پگھلتے دیکھا

اُن کی تمکیں کے تصور میں لکھے جو اشعار
اُن کے مضمون کا پہلو نہ بدلتے دیکھا

دیدۂ دل سے ہمارے کوئی پوچھے تو سہی
اُن کے قامت میں جو انداز نکلتے دیکھا

کیوں نہ روشن ہو جہاں اس سے کہ ہم نے
نقشِ پا پر ترے خورشید کو چلتے دیکھا

تیرے دامن کی طرف ہاتھ بڑھاتا دوڑا　　روزِ محشر جسے مرقد سے نکلتے دیکھا
میں ہوں کیا میری دعا کیا یہ نہالِ امید　　ابرِ رحمت سے ترے پھولتے پھلتے دیکھا
جب سے ہوں زلفِ دوتا حلقہ بگوشوں میں ترے　　جو بلا آئی ہے سر پر اسے ٹلتے دیکھا
جس نے رغبت ہی نہ کی نعمتِ دنیا کی طرف　　بس اسے ہی سرِ دشمن کو کچلتے دیکھا
تیری دیوارِ محبت جو گری جان کے ساتھ　　سرِ شوریدہ کا ارمان نکلتے دیکھا
اہلِ ایماں سے تو اچھے رہے وہ ہی جن کو　　خاکِ میخانہ سے ایمان بدلتے دیکھا
بادۂ تند کا ساقی نے دیا اک اور جام　　گرتے گرتے جو مجھے اُس نے سنبھلتے دیکھا
ہر ادا میں تری اک بات نکلتی دیکھی　　ہر ستم میں ترے اک ناز نکلتے دیکھا

یاد آیا رخِ پُرنور کسی کا مائل
چودھویں رات کا جب چاند نکلتے دیکھا



اس طرح غیر کا ارمان نکلتے دیکھا　　تیری تصویر سے تصویر بدلتے دیکھا
راز مستوں کی زباں سے نہ نکلتے دیکھا　　حوضِ کوثر کو بہ اِیں ظرف ابلتے دیکھا
کھینچ کر تیغِ ادا کو جو وہ کافر نکلا　　جا بجا خونِ شہیداں کو ابلتے دیکھا
تھا قیامت کا سماں پیشِ نظر بلبل کے　　باغ سے موسمِ گل کو جو نکلتے دیکھا
رشکِ دشمن کی وہ تبرید پلا کر اٹھے　　دلِ بیمار کو میرے جو سنبھلتے دیکھا
شیخ صاحب کی متانت کوئی ہم سے پوچھے　　رات بھر مجلسِ رنداں میں اچھلتے دیکھا
آ دکھا لاؤں تجھے شیخ جو باور آئے　　میں نے میخانے میں اک پیر کو چلتے دیکھا
یہ علاجِ دلِ بیتاب خدا ساز ہوا　　میں نے چھپ کر انھیں پوشاک بدلتے دیکھا
کسی معشوق کو پایا نہ وفادار کہیں　　کسی عاشق کا نہ ارمان نکلتے دیکھا
آج تیور ہیں جو کچھ اور تو کل کچھ اور　　خنجرِ ناز کو ہر روز بدلتے دیکھا
یا صنم کہہ کے رکھا راہِ محبت میں قدم　　اپنے بیگانوں کو جب ساتھ نہ چلتے دیکھا
انھیں ہاتھوں سے مجھے آپ ہی مٹی دیتے　　عطرِ اغیار کو جن ہاتھوں سے ملتے دیکھا

ہیں وہ میخوار ہوں جنت میں قدم رکھتے ہی — چشمۂ کوثر و تسنیم اُبلتے دیکھا
وہ بلا ہے یہ غمِ عشق کہ میرے اللہ — اس بلا کو نہ ترے نام سے ٹلتے دیکھا
سلسلہ خط و کتابت کا نکالا اس نے — آفتابِ رُخِ تاباں کو جو ڈھلتے دیکھا
اس غم و غصہ میں ہی مرگئی بلبل اے برق — آشیانے کو قفس میں سے نہ جلتے دیکھا
دل کو دیوانہ کہوں بھی تو کہوں میں کیونکر — محفلِ یار میں زانو نہ بدلتے دیکھا
پگڑی رکھ کر تو وہ ہے عید کو پینے والا — دور پر دور کہاں شیخ نے چلتے دیکھا
ہمتِ پیرِ خرابات نے گرنے نہ دیا — جب عقیدت کا مرے پاؤں پھسلتے دیکھا
دلِ دیوانہ کی میرے یہ کرامت ہے کبھی — ساتھ اُس کے در و دیوار کو چلتے دیکھا
یہ مثل سچ ہے کہ خدمت سے ہے عظمت ملتی — پر مقدر نہ کسی کا بھی بدلتے دیکھا
اہلِ دیں کو نہ کبھی فکر سے خالی پایا — اہلِ دنیا کو نہ چکر سے نکلتے دیکھا
جسے باندھے ہوئے منبر پہ ہیں واعظ بیٹھے — بزمِ مے میں اُسی پگڑی کو اچھلتے دیکھا
اے نسیمِ سحری تو مجھے اتنا تو بتا — کوچۂ یار سے کس کس کو نکلتے دیکھا
طفلِ اشک اپنے نکلتے ہیں یتیموں کی طرح — ضد ہی کرتے انھیں دیکھا نہ مچلتے دیکھا[1]
کہیں ہونے لگے اللہ سے پیغام و سلام — اس کے کوچے سے فرشتوں کو نکلتے دیکھا

وضع مائل کی بدل جائے یہ ہو تو کیونکر
کہ خدا کو نہ خدائی کو بدلتے دیکھا



پوچھو نہ صنم خانے میں کیا کیا نظر آیا — اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آیا
ہر رنگ میں نقشہ ترے گھر کا نظر آیا — کعبہ نظر آیا نہ کلیسا نظر آیا

---

[1] یہ غزل جے پور کے طرحی مشاعرے کی ہے۔ مولانا اظہر نے خود تو مرزا صاحب سے کچھ نہ کہا، لیکن ان کے شاگرد کوثر اور اختر سے "مچلنے" کا قافیہ باندھنے کی درخواست کرائی، مشاعرے میں مرزا صاحب نے یہ شعر پڑھا تو حضرت اظہر نے سرِ مشاعرہ کہا کہ مرزا صاحب آپ سے زیادہ قادر الکلام فی زمانہ میری نظر میں کوئی نہیں۔ ۱۲

کیونکر یہ کہوں مدفنِ دارا نظر آیا　　نیرنگیِ دنیا کا تماشا نظر آیا
آنکھوں میں مری خونِ تمنا نظر آیا　　وہ بادۂ گلگوں میں جو ڈوبا نظر آیا
اوروں کا ہنر عیب نہ اپنا نظر آیا　　کیا خاک تجھے دیدۂ بینا نظر آیا
ہم ایسے ہوئے وعدۂ فردا میں ترے محو　　امروز بھی خط میں ہمیں فردا نظر آیا
معراج اسے کہتے ہیں تیرے پہ تمہارے　　میدانِ محبت میں سر اپنا نظر آیا
اتنا تو مجھے یاد ہے پھر چھا گئی حیرت　　آگے جو بڑھا عرش سے نیچا نظر آیا
رحمت اسے کہتے ہیں کہ آنکھوں سے ہماری　　دو اشک ہی ٹپکے تھے کہ دریا نظر آیا
ذرے میں ہوئے محو تو خورشید کو پایا　　قطرے میں ملے جا کے تو دریا نظر آیا
ہو جائے گی توبہ سے خدا دا دجدائی　　لبریز جہاں ساغرِ صہبا نظر آیا
تو ہو گی زمانے میں خوش انجامِ محبت　　یہ خوابِ زلیخا تجھے اچھا نظر آیا
سایہ سے رہے دور گدایانِ خرابات　　واعظ جو انھیں طالبِ دنیا نظر آیا
ہر مذہب و ملت کے ہزاروں نظر آئے　　جنت سے تو دوزخ ہمیں اچھا نظر آیا
اللہ رکھے چشمِ تصور کو سلامت　　بے پردہ تمہارا رُخِ زیبا نظر آیا
توبہ بھی مجھے مریمِ ثانی نظر آئی　　ساقی بھی مجھے رشکِ مسیحا نظر آیا
ہم نے بھی دل و جاں کی عوض خوب خریدا　　بازارِ محبت میں جو سودا نظر آیا
عشاقِ دل افگار و حسینانِ جہاں کیا　　جس رنگ میں دیکھا اُسے یکتا نظر آیا
دنیا میں پھر آکے کوئی ہمدرد نہ پایا　　میخانے میں اک بندہ خدا کا نظر آیا
نسبت اسے کہتے ہیں کہ زنجیرِ جنوں کا　　ہر حلقہ تری زلفِ دوتا کا نظر آیا
ہم اور تری بزم میں یوں دور کھڑے ہیں　　سارا یہ کرشمہ ہمیں دل کا نظر آیا
دیکھا جو ذرا دیدۂ وحشت کی نظر سے　　مجنوں مری تصویر کا خاکا نظر آیا
واعظ کی خطا کیا مجھے اس بات کا ہے رنج　　میخانے میں کیوں طالبِ دنیا نظر آیا
زہاد نے خورشید قیامت ہے رکھا نام　　عشاق کو داغِ دلِ شیدا نظر آیا
جنت اُتر آئی ہے کہ فردوس ہے مہماں　　ہر غُل ترے گھر کا جو طوبا نظر آیا

عینی یہ شہادت ہے مرے عید کی مائل
میخانے کا دروازہ ہمیں وا نظر آیا



شکر اس نے کہا لب پہ مگر نام نہ آیا
مرنا بھی مرا ہائے مرے کام نہ آیا

اللہ شبِ ہجر پھر ایسی نہ دکھائے
گھڑیوں تو مجھے یاد ترا نام نہ آیا

وحشت میں جو آتا تو ذرا دل ہی بہلتا
ناصح بھی تو کم بخت مرے کام نہ آیا

یہ طرزِ جفا کس نے سکھائی ہے ستمگر
سو ظلم ہوئے ایک بھی الزام نہ آیا

صیاد غضب کچھ ہے طبیعت کا شناسا
خنجر کے سوا لے کے کبھی دام نہ آیا

تڑپا ہی کیے قبر میں بیتابیِ دل سے
ہم کو تو پسِ مرگ بھی آرام نہ آیا

ایسی ہی تو قسمت ہے کہ وہ قبر پہ آئے
جو ساتھ جنازے کے بھی دو گام نہ آیا

پیغام اجل کے تو مجھے آئے کئی بار
پر تیری طرف سے کبھی پیغام نہ آیا

ہوتی نہ شبِ وصل، شبِ ہجر تو کٹتی
اتنا تجھے اے گردشِ ایام نہ آیا

بت خانہ تو بت خانہ ہے، اللہ رے قسمت
کعبے سے بھی مائل کبھی ناکام نہ آیا



کرشموں نے محبت کے مجھے گمراہ ٹھہرایا
کبھی بندہ اُسے سمجھا کبھی اللہ ٹھہرایا

دلِ عاشق ہی ٹھہرایا نہ بیت اللہ ٹھہرایا
ترے کوچے کے ذرّوں کو تجلی گاہ ٹھہرایا

ترے نقشِ قدم کو رشکِ مہر و ماہ ٹھہرایا
ترے رخسارِ تاباں کو تجلی گاہ ٹھہرایا

فلک کو شانِ عظمت سے ہے کیا ذیجاہ ٹھہرایا
زمیں کو اپنی قدرت سے تماشا گاہ ٹھہرایا

کسی سے گل کو شرمایا، کسی کو کاہ ٹھہرایا
جہاں کو اپنی قدرت کا تماشا گاہ ٹھہرایا

کہا میں نے دلِ بیتاب لاتا ہے تو ہنستے ہیں
مرے کوچے کو تم نے کیا تماشا گاہ ٹھہرایا

ولی ہو کر مرا مرنا نہ میرے کام کچھ آیا
مزارِ غیر کو اس نے زیارت گاہ ٹھہرایا

نظر پڑتے ہی ساقی کی جنابِ شیخ صاحب نے
ہر اک رندِ قدح کش کو خدا آگاہ ٹھہرایا

ہوا جو کوئی ستر انقلابِ دہر سے واقف
غمِ دنیا کو اس نے کب غمِ جاں کاہ ٹھہرایا

مقدر اس کو کہتے ہیں کہ اک ساغر نہ ہاتھ آیا
ہمیں مجلس میں ساقی نے نہ خاطر خواہ ٹھہرایا

کتابِ حسن جب تصنیف کی اس کی مشیت نے
خمِ ابرو کو تیرے مدِ بسم اللہ ٹھہرایا

تجھے کھینچوں تو کیا حاصل کہ یاس و نا امیدی نے
دعائے نیم شب کو بے اثر اے آہ ٹھہرایا

دلِ حسرت زدہ اپنا ترے سر کی قسم ہم نے
صنم خانہ ہی ٹھہرایا نہ بیت اللہ ٹھہرایا

زبانِ خلق لیلیٰ کو جو کہتی ہے وہ کہنے دو
نگاہِ چشمِ مجنوں نے تو رشکِ ماہ ٹھہرایا

ہمارے عیش کے ساماں بنائے حسرت و ارماں
ہمارے گھر کو اک دم بھی نہ عشرت گاہ ٹھہرایا

زمانہ تجھ سے پھر جاتا کہوں کیا تجھ سے اے ظالم
خدا جانے کہ کس کس کو ترے ہمراہ ٹھہرایا

نظر آئے جواں کو خوشۂ انگور مستی میں
چمن کو بادہ خواروں نے ثریا گاہ ٹھہرایا

کیا تو نے جسے اپنا نہ اس پر آنچ آنے دی
بھڑکتی آگ کو باغِ خلیل اللہ ٹھہرایا

فلک سے شانِ عظمت کا کیا اظہار کیسا کچھ
زمیں کو اپنی قدرت کا تماشا گاہ ٹھہرایا

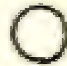
فنا بھی اور بقا بھی ہے اسی کے دستِ قدرت میں
خضر کو عالمِ فانی میں خاطر خواہ ٹھہرایا

جوانی کا زمانہ بھی عجب اُلٹا زمانہ ہے
بنا دل سوز جو اپنا اُسے بدخواہ ٹھہرایا

جہاں مدفن نظر آیا شہیدِ تیغِ الفت کا
بزرگانِ محبت نے اُسے درگاہ ٹھہرایا

کسی حیلے سے وہ کافر نہ ٹھہرا جب دمِ رخصت
تو دل کو تھام کر ہاتھوں سے پھر کر آہ ٹھہرایا

خدا رحمت کرے اہلِ فصاحت پر کہ اردو کا
ترے دیوان کو مائل کلام اللہ ٹھہرایا



آرائشوں کے قابل کب یہ جہاں بنایا
کیا جانے کیا سمجھ کر یہ آسماں بنایا

یہ کام عمر بھر میں ہم نے یہاں بنایا
تجھ سا مکیں بنایا دل سا مکاں بنایا

بھرنے کو عشق کا دم خضر و مسیح بھر لیں
عاشق تو جو بنایا وہ نیم جاں بنایا

کچھ رنگ عشق کے ہیں کچھ حسن کے ہیں جلوے
اس خاکداں کو ورنہ کب گلستاں بنایا

درد و الم میں رکھنا منظور ہے کسی کو
میں نے بھی کہا تھا جب آسماں بنایا

برسات گر یہی ہے اک روز کن ہی پینا
واعظ کو میکشوں نے پیرِ مغاں بنایا

کیوں پوچھتا ہے ہم سے کیا بحث تجھ کو ناصح
نامہرباں بنایا یا مہرباں بنایا

باغِ جہاں میں اس نے فتنوں کی طرح ڈالی
قامت کو جس نے تیرے سروِ رواں بنایا

بوسہ کی آرزو کا ہے خون اس کے سر پر
موہوم جس نے ایسا تیرا دہاں بنایا

کہتے ہیں کعبہ کعبہ پوچھے تو کوئی مجھ سے
نقشِ جبیں نے کس کے یہ آستاں بنایا

بجلی کو آسماں نے گرنے کا ڈھب سکھایا
گلشن میں میں نے جا کر جب آشیاں بنایا

بگڑی ہوئی ہماری قسمت بنے تو جانیں
اک حرفِ کن سے مانا سارا جہاں بنایا

رسوائیاں اٹھائیں ورنہ نہ نکلا
دل کے سوا کسی کو جب رازداں بنایا

ہر شے میں نور تیرا ہر جا ظہور تیرا
اک تجھ کو کیا بنایا سارا جہاں بنایا

واعظ جو گھر خدا کا کعبہ بنا تو کیا ہے
تم بتکدے بگاڑے تب کے مکاں بنایا

کیوں فکر نہ ہو سلاست ہر شعر میں تمھارے
مائل خدا نے تم کو اہلِ زباں بنایا



حقیقت میں تجھے دیوانہ و عاقل کو سمجھایا
غلط ہے یہ شبِ فرقت میں ہم نے دل کو سمجھایا

بنا دی جان پر کیا خاک ہم نے دل کو سمجھایا
جب اس نے رو کے اپنے عقدۂ مشکل کو سمجھایا

سمجھنا کیا کمر باندھے ہوئے تھا خونِ ناحق پر
ہماری بے گناہی نے بہت قاتل کو سمجھایا

سمجھ ہی میں نہ آیا اس کے حسن و عشق کا جھگڑا
ہزاروں بار ہم نے ناصحِ جاہل کو سمجھایا

انا لیلیٰ ہی آیا جب زبانِ قیس پر آیا
جنابِ عشق نے ایسا حق و باطل کو سمجھایا

ترے رخسارِ تاباں کے نہ نکلا سامنے ہو کر
ترے نقشِ قدم نے جب مہِ کامل کو سمجھایا

تڑپ کر ایک کر دیتا زمین و آسماں دونوں
خدا جانے کہ کیا ہم نے دلِ بسمل کو سمجھایا

بنایا دشتِ مجنوں کو تجلی گاہ لیلیٰ کا
ہوائے شوق نے کیا پردۂ محمل کو سمجھایا

نہ کیونکر رشک پیدا ہو نہ سمجھایا ملائک کو
جو نکتہ حضرتِ آدم کے آب و گل کو سمجھایا

نہ مانا وہ نہ مانا لے ہی آیا بزمِ دشمن میں
ترے سر کی قسم ہم نے بہت ہی دل کو سمجھایا

مجھے تسکین دے کر وہ یہ گھر گھر کہتے پھرتے ہیں
کہ ہم نے آج اپنے عاشقِ کامل کو سمجھایا

سمجھ میں جب نہ آیا یہ معمّہ دہرِ فانی کا
دمِ آخر اجل نے گور کی منزل کو سمجھایا

جنوں بھی کام کا نکلا کہ میرے ناخنِ غم نے
ترے بندِ قبا کے عقدۂ مشکل کو سمجھایا

شبِ فرقت کو یوں کاٹا کہ ہمدردوں میں مل بیٹھا
کسی نے مجھ کو سمجھایا، کسی نے دل کو سمجھایا

نہ گھبراؤ کوئی محروم اس در سے نہیں جاتا
نگاہِ مہرِ ساقی نے ہر اک مشکل کو سمجھایا

درِ مقصود ہم کو تو بڑی مشکل سے ہاتھ آیا
کبھی دریا کی منت کی کبھی ساحل کو سمجھایا

خودی کو زیرِ پا کر کر گرا کر مجھ کو قدموں پر
عجب خوبی سے اس نے پردۂ محمل کو سمجھایا

نہ چھوڑا پر نہ چھوڑا اس نے دامن بدگمانی کا
خیالِ یار نے آکر بہت ہی دل کو سمجھایا

تماشا ہے کہ اس کو امّی امّی لوگ کہتے ہیں
کلامِ حق کو سمجھا اور بھری محفل کو سمجھایا

ذرا سی مے پہ بگڑی تھی نہ ہوتا میں تو بڑھ جاتی
ادھر ساقی کو سمجھایا ادھر مائل کو سمجھایا



اس کا ہی ہم کو عاشقِ مضطر بنا دیا
جس کی نگاہِ ناز کو خنجر بنا دیا

شوخی تو اس کے سایۂ قامت کی دیکھنا
ہر سرو قد کو فتنۂ محشر بنا دیا

سچ یوں ہے دورِ مے میں تو شامل کیا نہیں
پیرِ مغاں تو شیخ کو اکثر بنا دیا

موسیٰ کو ایک جلوے سے بےہوش کر دیا
عاشق کو اک نگاہ میں مضطر بنا دیا

تم پر ہی حصر کچھ نہیں ناز و غرور نے
جس دل میں گھر کیا اسے پتھر بنا دیا

جب سے کھلا ہے بادۂ الفت کا میکدہ
دل کو ہر ایک رند کے ساغر بنا دیا

ساقی نے دیکے بادۂ الفت کا ایک جام
دل کو ہمارے چشمۂ کوثر بنا دیا

کچھ ایسی آسماں کو مرے ساتھ لاگ ہے
چاہا جسے اسی کو ستم گر بنا دیا

ہر رنگ میں جدا ہے تری دلکشی کی طرز
زلفوں نے اور رخ پہ بگڑ کر بنا دیا

رکھا نہ ایک حال پہ جلوے نے یار کے
حیراں بنا دیا کبھی مضطر بنا دیا

قربان اپنے جوہرِ محسن پہ کیوں نہ ہوں
بگڑا ہوا اسی نے مقدر بنا دیا

کہتے ہیں میری نعش پہ شوخی تو دیکھنا — ہم کو تری وفا نے ستمگر بنا دیا
وہ مجھ سے روسیہ کے گناہوں کی فرد پر — رحمت کے شوق نے جسے دفتر بنا دیا
یوں ہی تو اس کی مانی گئیں بے نیازیاں — تجھ سے ستم شعار کو دلبر بنا دیا
جینے کو حشر تک کوئی جیتا رہے تو کیا — مرنے کا ایک روزِ مقرر بنا دیا

مائل نہ پوچھ مجھ سے، جنابِ خلیل[1] نے
کیا کچھ بنا دیا، مجھے کیونکر بنا دیا

○

غیر یہ سمجھا کریں بیرونِ محفل کر دیا — خاک پر مجھ کو بٹھا کر عرش منزل کر دیا
رفتہ رفتہ عشق نے دونوں کو کامل کر دیا — جان میری جان کر دی دل مرا دل کر دیا
کون آیا، کس کو دیکھا، کیوں یہ حیرت چھا گئی — کیا کسی نے تم پہ جادو اہلِ محفل کر دیا
کیوں نہ واعظ حضرتِ پیرِ مغاں کا دم بھروں — اک نگاہِ سرسری سے مجھ کو کامل کر دیا
یہ کرامت دیکھ کر لیلیٰ بھی حیراں رہ گئی — ہر بگولہ دشت میں مجنوں نے محمل کر دیا
کیوں مجھے اتنا ستایا جو تمہیں کہنا پڑا — آسماں کا ہر کنارہ تو نے ساحل کر دیا
یہ کہاں ملتی ہے نعمت ہر بلائے عشق کا — شکر کر اے دل کہ تجھ کو دردِ منزل کر دیا
جب کیا ہے وار اس نے یہ نوازش دیکھنا — مجھ کو پہلے زخم کھا لینے کے قابل کر دیا
یہ نوازش کم نہیں اپنی تجلی گاہ میں — نام تیرا صبح تک لے کے شمعِ محفل کر دیا
آبروئے عشق ڈوبی پاری جب برق کو — تم نے اپنے بیقراروں کے مقابل کر دیا
اس نے کچھ پی کر جو ساغر میرے آگے رکھ دیا — میں یہ سمجھا آبِ کوثر اس میں شامل کر دیا
کیا کریں گے ہم تری فریاد اے ابرِ بہار — ایک ہی تیغِ ادا سے تو نے بسمل کر دیا
جلد ڈال اے چارہ گر کیسی خزاں کیسی بہار — مجھ سے دیوانہ کو تو نے پابہ سلاسل کر دیا
دیکھنا شوقِ شہادت کا ہمارے سازِ باز — اک جہاں کو ہمزبانِ تیغِ قاتل کر دیا
دے کے موسیٰ نے جوابِ لن ترانی بار بار — کام جو آسان تھا مشکل سے مشکل کر دیا
سوئے مسجد جا رہے تھے میکشوں نے گھیر کر — حضرتِ واعظ کو میخانے میں داخل کر دیا

---

[1] مولانا شاہ محمد خلیل الرحمان حمانی مرشدِ مائل ۱۲۰ ـ

ناتوانی نے دکھایا کس غضب کا معجزہ دو قدم کی راہ کو دو چار منزل کر دیا

اور تو کیا چاہتا ہے دین و دنیا سے رہا
دو جہاں میں نام تیرا اس نے مائل کر دیا



درد منزل کر دیا اور داغ منزل کر دیا اب ہزاروں کام کا تم نے مرا دل کر دیا
کیوں ہو گھبرائے ہوئے اے اہلِ محشر اس قدر اس نے مجھ سے روسیہ کو خانہ منزل کر دیا
یہ خوشی کی بات ہے بڑھ کر وصالِ یار سے آج ہم نے حضرتِ ناصح کو قائل کر دیا
اب سفیدہ شیخ صاحب کا خدا پر چھوڑ دو نشۂ صہبا نے بڑھ کر اور غافل کر دیا
ڈرتے ڈرتے حوصلہ دستِ جنوں نے جو کیا ٹکڑے ٹکڑے حشر میں دامانِ قاتل کر دیا
جو لگی ہے آگ دل میں وہ بجھے تو کس طرح آب و گل میں اس نے سوزِ عشق شامل کر دیا
کہہ رہے ہیں ہم دکھا کر نامۂ دلدار کو اک ورق کا اس نے قرآں ہم پہ نازل کر دیا
بوالہوس سے اے بتِ کافر بڑھا کر ربط ضبط دل مرا تھا گھر خدا کا رشکِ منزل کر دیا
یا تو تجھ میں دختِ رز ہے دلکشی سی دلکشی یا تجھے پیرِ مغاں نے حُب کا عامل کر دیا
اس کے آگے ان بتوں کے کیا کرشمے چل سکیں چارۂ تسکینِ دل کو جس نے باطل کر دیا
ان بتوں کو ہو سکے کیا امتیازِ قہر و مہر کس محبت کی ادا سے اس نے بسمل کر دیا

دیکھنا پیرِ مغاں کا یہ کرشمہ دیکھنا
دختِ رز سی شوخ کو مائل پہ مائل کر دیا



کوثر کی طرح مے کو کہیں عام کر دیا یاروں نے مے کشی میں بھی اک نام کر دیا
جھگڑا ہی کچھ رہا نہیں امید و یاس کا تم نے تو اک نگاہ میں ہی کام کر دیا
وہمِ کمر خیالِ دہن باندھ باندھ کر اپنے کو آپ ہم نے ہی گمنام کر دیا
تھا جھوٹ سچ کا سلسلہ وہ بھی نہیں رہا یعنی کہ بند نامہ و پیغام کر دیا
مائل کو دیکھنا بھی میسر نہیں ہوا لوگوں نے مفت میں اسے بدنام کر دیا



جانِ مضطر ساتھ کر دی شور و افغاں کر دیا
ہم نے اُن کو وقتِ رخصت حشر ساماں کر دیا

کیا بتاؤں خاک میں کس کس کو پنہاں کر دیا
اک مرقع دیکھ لو گورِ غریباں کر دیا

ایک دم میں خاک جوشِ چشمِ گریاں کر دیا
آگ دل میں ایسی بھڑکی خشک طوفاں کر دیا

نامِ روشن دردِ دل کا چشمِ گریاں کر دیا
دفترِ عصیانِ عالم غرقِ طوفاں کر دیا

عشق کے نیرنگ دیکھے اے زلیخا یا نہیں
تیرے سچے خواب کو خوابِ پریشاں کر دیا

ہم نے اپنی بات رکھ لی کافرانِ عشق میں
اک بتِ کافر پہ قرباں دین و ایماں کر دیا

اس نے دیکھا اپنے در پر جو ہجومِ عاشقاں
ہر ادائے ناز کو غارت گرِ جاں کر دیا

اب کہاں پیدا ہے مجنوں سا کوئی وحشت قدم
چلتے پھرتے کوئے لیلیٰ کو بیاباں کر دیا

اے شبِ فرقت تجھے اب موت کیونکر آئے گی
تیری تاریکی میں پیدا آبِ حیواں کر دیا

اک ذرا سا داغ دھبہ پارسائی کا نہیں
شیخ کو ساقی نے ایسا پاک داماں کر دیا

مجھ سے دیوانے ہزاروں دستِ وحشت پہ کہاں
ایک ہی جھٹکے میں سو ٹکڑے گریباں کر دیا

روٹھے اہلِ جنوں بادِ صبا سے جب سنا
آسماں نے قیس کو ریگِ بیاباں کر دیا

وہ کیا تیغِ تغافل نے کسی کی قتلِ عام
حسرتوں کا جا بجا گنجِ شہیداں کر دیا

اُسکی حکمت وہ ہی جانے کیوں بگاڑا تھا مجھے
پھر بنایا اور بنا کر عیش ساماں کر دیا

اب تو شہرا، اب تو شہرا آسمانِ پیر نے
بے اثر مشہور تجھ کو آہِ سوزاں کر دیا

کم سے کم اتنا تو ہو وحشت میں اے مجنوں اثر
جس گلستاں پر نظر ڈالی بیاباں کر دیا

اب بھی ہیں بیت الحرم میں ایسے بت مائل مجھے
اک ادائے کافرانہ سے مسلماں کر دیا

○

یوں سرِ شوریدہ نے اظہارِ ایماں کر دیا
سنگِ در کو بتکدے کے سنگِ طفلاں کر دیا

کفر اس کی زلفِ پیچاں نے نمایاں کر دیا
اس خبر نے اہلِ دیں کو بھی پریشاں کر دیا

بن پڑا جو کچھ بھی ہم سے اس پہ قرباں کر دیا
ہو سکا جو کچھ بھی ہم سے نذرِ جاناں کر دیا

یہ بڑا احسان مجھ پہ روزِ ہجراں کر دیا
کاٹنا روزِ جزا کا تو نے آساں کر دیا

میکدہ پر میں نے توبہ کو جو قرباں کر دیا ۔ کہہ اٹھا شیخِ حرم کارِ نمایاں کر دیا
اب کہاں جائیگی مینخانے کو زنداں کر دیا ۔ فصلِ گل کو موجِ مے نے پابجولاں کر دیا
کیوں نہ ہوں ممنونِ منت ان بتوں کے عشق کا ۔ دل کو میرے جلوہ زارِ نورِ ایماں کر دیا
دیکھنا دیوانگانِ دخترِ رز کا اعتبار ۔ میکدہ میں رہن اک تارِ گریباں کر دیا
ہوگیا ارضِ دما کی ہر بلا سے روشناس ۔ یہ کرم تو نے بھی اے شامِ غریباں کر دیا
زخمِ دل شورِ تبسم کا مزہ لیتا رہا ۔ اس نے خالی گو نمکداں پر نمکداں کر دیا
زلف و رخ کو اُس کے یہی مشغلہ ہے رات دن ۔ اِس کو کافر کر دیا اُس کو مسلماں کر دیا
اس شبِ فرقت کی یارب کیوں سحر ہوتی نہیں ۔ محو کیا ظلمت میں اُس کی مہرِ تاباں کر دیا

دیکھتا ہوں سر کے بل جاتے ہوئے مائل تجھے
تو نے کیا بیت الحرم کو کوئے جاناں کر دیا

○

کس متاعِ بے بہا کو دستِ گرداں کر دیا ۔ واعظِ کم بخت نے بیقدر ایماں کر دیا
کیوں نہ پھر دونوں جہاں کا تیرے سر سہرا ہے ۔ دونوں عالم کا تجھے جب جانِ جاناں کر دیا
وہ اندھیرے گھر میں میرے شمع روشن کر گیا ۔ کفر کی ظلمت کو جس نے نورِ ایماں کر دیا
کون ہے جس کی محبت کا خدا نے دم بھرا ۔ وسعتِ رحمت کا کس کو دورِ داماں کر دیا
فخرِ آدم بن گیا نازِ خدائی بن گیا ۔ اُس کے کوچہ کی ہوا نے جس کو انساں کر دیا
آپ رحمت پینے کو انواعِ رحمت کھانے کو ۔ اب خدا نے ایسے گھر میں مجھ کو مہماں کر دیا
یہ نہ سمجھو آنسوؤں میں اس کے ارماں بہہ گئے ۔ میں نے گویا ایک عالم غرقِ طوفاں کر دیا
عاشقانِ خستہ جاں کی جلوۂ دیدار ہے ۔ روزِ محشر کو دوائے دردِ ہجراں کر دیا
وہ ترا ہے خوانِ یغما کہہ نہیں سکتا کوئی ۔ میزباں کس کو کیا اور کس کو مہماں کر دیا
آہ یارب کیا کروں اس خوابِ غفلت کا علاج ۔ اِک موذن کا مجھے ممنونِ احساں کر دیا

وہ لطافت اب کہاں دلی میں مائل اب کہاں
میرزا مظہر کو جس نے جانِ جاناں کر دیا

○

توبہ کا اعتبار بھی مائلؔ نے کھو دیا
دیکھا جو ابرِ قبلہ تو کم بخت رو دیا

برسوں سے اپنے دیدۂ تر کا یہ رنگ ہے
اُس کو بہا دیا ہے تو اِسکو ڈبو دیا

رندانِ بادہ خوار کی شوخی تو دیکھنا
چھینٹوں سے مے کے شیخ کا جبہ بھگو دیا

خرمن سے اُس کے برق بھی رہتی ہے دور دور
جس دل میں تو نے تخمِ محبت کا بو دیا

دنیا و دیں کا رونے میں آیا ہی تھا خیال
دونوں کو ایک اشک میں ہم نے ڈبو دیا

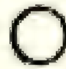
مشکل ہوا ہے باغ میں دل کو سنبھالنا
نالے نے عندلیب کے نشتر چبھو دیا

خلقت میں جیسے دل میں بھری آہ گرم و سرد
دونوں کو اک نگاہ میں اس نے سمو دیا

وہ خارزارِ عشق جنوں میں کیا ہے طے
جس میں کہ پاؤں رکھتے ہی مجنوں بھی رو دیا

گویا دہانِ یار بھی اک رازِ عشق ہے
جس نے دیا نشان ہمیں گو مگو دیا

مائلؔ نماز و روزہ مبارک ہو آپ کو
ہے لاکھ شکر ہمیں اس نے جو دیا



تمہیں ہاتھ سے ہم نے کیا کھو دیا
محبت کا سارا ہنر کھو دیا

تصورِ دلِ مبتلا کھو دیا
سہارا یہ تو نے ترا کھو دیا

نظر ایسی دشمن کی تجھ کو لگی
اثر سب ترا اے دوا کھو دیا

وہ کہیں دل سے باتیں سحر ہوگئی
یونہی ہم نے وقتِ دعا کھو دیا

شبِ غم میں آکر غضب ہی کیا
مزہ یاس کا اے قضا کھو دیا

وہ شے گم ہوئی ہے کہ ہوں بیقرار
نہ پوچھو یہ مجھ سے کہ کیا کھو دیا

رہا تھا جو کچھ دل میں صبر و قرار
وہ ہنگامِ روزِ جزا کھو دیا

حرم میں جو پہنچا تو بت کھو دیے
رہِ بت کدہ میں خدا کھو دیا

نہیں ہاتھ نبضِ عدو پر رکھا
مسیحا نے دستِ شفا کھو دیا

گیا ہے صبا نے یہ کیسا ستم
غبارِ رہِ دلربا کھو دیا

محبت میں دل تو بچایا مگر
زر و مال بے انتہا کھو دیا

کریں گے وہ کیا عذر ملنے میں اب — جو تھا دل میں اُن کے سوا کھو دیا
بُرا ہو ترا اے دلِ مضطرب — کوئی ہاتھ آیا ہوا کھو دیا
بُرا ہو ترا رشکِ دشمن بُرا — مری حسرتوں کا مزا کھو دیا

ہوا ہے یہ کم بخت مائل کا حال
تری جستجو میں خدا کھو دیا



اس نے محفل میں کبھی اعزاز بڑھانے نہ دیا — ایک ساغر کے سوا مجھ کو پلانے نہ دیا
ہوش دیکھو کہ دمِ بادہ کشی شرم و حجاب — میں نے چاہا کہ اٹھا دوں تو اٹھانے نہ دیا
آئے اس بزم میں کیا کیا نہ ارادے والے — رنگ دنیا نے مگر کوئی جمانے نہ دیا
ہم بھی کیا چیز ہیں دیکھی جو دعا میں تاثیر — حرفِ مطلب کو زباں پر کبھی آنے نہ دیا
محفلِ غیر میں شب اس کی نگہ سے اے دل — تجھے اتنا تو سنبھالا کہ گرانے نہ دیا
کچھ نہ کچھ چرخِ ستمگار کو ہے ہم سے کھٹک — مدّعا کوئی ہمارا جو بر آنے نہ دیا
بات جو تو نے بنائی وہ بگاڑی نہ گئی — کام جو تو نے بگاڑا وہ بنانے نہ دیا
خشمگیں چشم سے کافر نے اشارہ کر کے — دل میں جو شعلہ اٹھا اس کو بجھانے نہ دیا
اپنے دامن کی رکھی گو نہ زلیخا نے خبر — دامنِ عشق مگر ہاتھ سے جانے نہ دیا
ایک وہ ہیں کہ جنہیں دل میں جگہ دیتے ہیں — ایک ہم ہیں کہ کبھی بزم میں آنے نہ دیا
عالمِ حسنِ ادا اُس نے دکھا کر اپنا — کوئی عالم مری آنکھوں میں سمانے نہ دیا
قد تو قد ہے تری رفتار نے انداز نے بھی — کبھی سر فتنۂ محشر کو اٹھانے نہ دیا
پوچھ کر اُن سے پشیماں ہوں کہ وہ کہتے ہیں — سچ تو یہ ہے کہ ہمیں غیر نے آنے نہ دیا
اہلِ محشر کی رعایت نے مجھے روزِ جزا — ماجرائے شبِ فرقت کو بڑھانے نہ دیا

دیکھنا مائلِ مے خوار کی دور اندیشی
بزمِ رنداں میں کبھی شیخ کو آنے نہ دیا



(۱) جگر جلنے ہی نہ دی

اُسے جینے ہی ترے نازو ادا نے نہ دیا
حوصلہ جس کو محبت میں خدا نے نہ دیا

اُس سے کس منہ سے کہوں میں کہ نہ کی تو نے قبول
جب مرے دل کو مزہ میری دعا نے نہ دیا

خضر جینے کو تو جیتے ہیں مگر سچ یوں ہے
زندگانی کا مزہ آبِ بقا نے نہ دیا

یہ تو مانا کہ ہوا قتل ترے ہاتھ سے غیر
اُس کو کندھا تو کسی اہلِ وفا نے نہ دیا

لے کے دل خوبیٔ تقدیر تو میری دیکھو
وہ تو دیتے تھے مگر نازو ادا نے نہ دیا

خون رو کر مری آنکھیں ہیں پشیماں کیسی
رنگ جمنے جو ترے رنگِ حنا نے نہ دیا

ضبط یوں راز کیا کرتے رہیں خنجر کیسا
رنگ دامن پہ بھی خونِ شہدا نے نہ دیا

رنگ کیا کیا نہ ترا جوشِ جوانی لایا
سر اٹھانے ہی مگر شرم و حیا نے نہ دیا

ہم سے کس جا سرِ تسلیم جھکایا نہ گیا
کام کس وقت تری تیغِ ادا نے نہ دیا

ناتوانی کا برا ہو کہ ترے کوچے میں
پاؤں رکھنے ہی مجھے بادِ صبا نے نہ دیا

بحرِ ہستی میں نمود اپنی رہی مثلِ حباب
کہ ابھرنے ہی ہمیں موجِ فنا نے نہ دیا

بخت پر اپنے سکندر نہ ہو اتنا مغرور
ایک قطرہ بھی اُسے آبِ بقا نے نہ دیا

محو جنت کے مزوں میں جو رہا کرتا ہے
شیخ کو لطف مگر یادِ خدا نے نہ دیا

بزم میں اپنے دل و جاں کی خبر کیا رکھتا
ہوش آنے ہی ترے نازو ادا نے نہ دیا

یاس نے ہجر میں کیا کیا نہ دکھائے نیرنگ
ہاتھ سے دامنِ دلدار وفا نے نہ دیا

پاؤں رکھتے ہی تری رہ میں خدا یاد آیا
دو قدم ساتھ کسی راہنما نے نہ دیا

سنگِ اسود کو چلا چومنے جل کر واعظ
ایک بوسہ جو کسی ماہ لقا نے نہ دیا

ایک وہ ہیں کہ پیام آپ کے جاتے ہیں انھیں
ایک ہم ہیں کبھی پیغام قضا نے نہ دیا

ہر طرف پھر تو بتوں ہی کی خدائی ہوتی
بے نیازی کا مگر وصف خدا نے نہ دیا

غیر محفل میں نہ تھا رات کو کیونکر مانوں
لطف کچھ بھی ترے کوچہ کی ہوا نے نہ دیا

دل نشیں غیر کی باتیں ہوں وہاں ہائے نصیب
کام اتنا بھی مری آہِ رسا نے نہ دیا

ہاں میں ہاں کیوں نہ حسینوں کی ملاتے رہتے
سر اٹھانے ہمیں تسلیم و رضا نے نہ دیا

وہ قیامت کو اٹھا ہے نہ اٹھے گا ہرگز
جسے جینے لبِ اعجاز نما نے نہ دیا

ہیں تو لینے کو چھوا مصحفِ رُخ کا بوسہ — لیکے ایمان تری زلفِ دوتا نے نہ دیا
مفت نا دنیا میں ہوا شورِ قیامت بدنام — سونے مُردوں کو مرے شورِ بکا نے نہ دیا

اک خُمِ مے تو بڑی بات نہیں ہے مائل
کفرِ نعمت ہے یہ کہنا کہ خدا نے نہ دیا

○

پھر آگئی اک بت پہ طبیعت کو ہوا کیا — ٹلتی ہی نہیں سر سے مصیبت کو ہوا کیا
مقتل میں چلے آتے ہیں اور تیغ بکف ہیں — حیرت میں ہوں آج اُن کی نزاکت کو ہوا کیا
کیا دفن کیا ہے دلِ مضطر کو مرے ساتھ — ہر وقت ہے اک زلزلہ تربت کو ہوا کیا
محروم پھر آیا درِ مے خانہ سے واعظ — زندانِ قدح خوار کی ہمت کو ہوا کیا
وہ آئیں گے کیا وصل میسر کبھی ہوگا — بڑھتی ہی چلی جاتی ہے حسرت کو ہوا کیا
اس حسن و لطافت پہ کیا سنگ دل ایسا — حیرت میں ہوں اللہ کی حکمت کو ہوا کیا
بگڑی بھی کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی — ہوتے ہی محبت کے یہ قسمت کو ہوا کیا
مقبول دعا ہو نہ اثر آہ و فغاں میں — اس دور میں تاثیر محبت کو ہوا کیا
اُٹھا نہ کبھی بیٹھ کے پہلو میں عدو کے — گو لاکھ کہے کوئی شرارت کو ہوا کیا
میخانے سے کچھ پی تو نہیں آئے ہو واعظ — بہکی ہوئی باتیں ہیں یہ حضرت کو ہوا کیا
جاگے تو کوئی انجمنِ غیر میں شب بھر — اور چھائے مرے منہ پہ ندامت کو ہوا کیا
دانستہ نقاب اُلٹے ہوئے ہیں سرِ بازار — اور اس پہ یہ کہتے ہیں کہ خلقت کو ہوا کیا
لو ہم تو چلے کوثر و تسنیم پہ زاہد — تم یوں ہی کہے جاؤ کہ رحمت کو ہوا کیا
ہر دار میں دس بیس کو تم قتل کیے جاؤ — ہم یوں ہی کہے جائیں نزاکت کو ہوا کیا
کہتی ہے سوا طول میں ہوں زلفِ صنم سے — سودا یہ الٰہی شبِ فرقت کو ہوا کیا
اُٹھتے ہی نہیں محفلِ دشمن سے وہ اے آہ — آتی ہی نہیں ہائے قیامت کو ہوا کیا

مائل نہیں کیا اور زمانے میں الٰہی
مجھ پر ہی اترتی ہے یہ آفت کو ہوا کیا

○

کیا کہیں ہم، دل نے ہم سے کیا کیا　　خیر جو اس نے کیا اچھا کیا
آپ خنجر کو تو وہ دیکھا کیا　　زندگی سے ہاتھ ہیں دھویا کیا
کس مرے کا یار نے پروا کیا　　چھپ رہا آنکھوں میں ہی ڈھونڈا کیا
دیکھنا شوقِ نمائش دیکھنا　　ذرے ذرے سے ظہور اپنا کیا
ہے عجب دلکش طلسمِ دہر بھی　　اک تماشا عمر بھر دیکھا کیا
اُن سے محویت کہ اُس کے روبرو　　آپ ہی اپنے کو، میں دیکھا کیا
اپنی شوخی پر نظر کچھ بھی نہیں　　بیقراری نے مری رسوا کیا
کہہ رہی ہے تیری طرزِ گفتگو　　تو نے ہی لطفِ سخن پیدا کیا
میرے نالوں کو سمجھ کر بے اثر　　بے تامل وعدۂ فردا کیا
گر تجھے مرنا ہی بھاتا ہے کوہکن　　عشق کے کیوں نام کو رسوا کیا
تجھ سے سنگیں دل پہ آ کی شان ہے　　مجھ سے نازک طبع کو شیدا کیا
اس ادا سے کچھ وہ آیا حشر میں　　میں تو کیا اللہ بھی دیکھا کیا
قتل کرنے کو تو کر ڈالا مجھے　　دل میں پر کہتا ہے کافر کیا کیا
پھر کسی کی چاہتا ہوں وہ نگاہ　　جس نے دل کو ساغرِ صہبا کیا
تم کو بوئے زلفِ مشکیں لے اڑی　　مجھ کو آہوں نے مری رسوا کیا
آرزو بھی تنگ آ کر کہہ اٹھی　　ایسے دل میں کیوں مجھے پیدا کیا
دل کے جانے کا بھی صدمہ کم نہیں　　زندگی بھر میں اسے رویا کیا
میں خدا سے پھرتے پھرتے رہ گیا　　دل میں اک کافر نے گھر اپنا کیا

مٹ گئی سب بتکدوں کی آرزو
تو نے مائل عزمِ کعبہ کیا کیا



باتیں ہیں واعظوں کی عذاب و ثواب کیا　　دو دن کی زندگی کا حساب و کتاب کیا
دل سے تو نقشِ طلعتِ زیبا مٹائیے　　چھپیے ہزار بار کرے گی نقاب کیا

سیرِ چمن ہو، یار ہو، ساقی ہو، جام ہو
ہنگامے یہ نہیں ہیں تو عہدِ شباب کیا

دل میں غضب کے جوش ہیں توبہ کی خیر ہو
کرتی ہے دیکھیے یہ شبِ ماہتاب کیا

بدنام کر رہے ہیں، فلک کو، زمانے کو،
گردش کسی کی چشم کی ہے انقلاب کیا

یہ سب کہی کہ زلزلہ ہے "تا فلک مگر
شوخی تو اپنی دیکھ مرا اضطراب کیا

اس نے تو جو لکھا سو لکھا، غضب یہ ہے،
ایک ایک پوچھتا ہے کہ آیا جواب کیا

اچھا گمان و وہم ہمارے غلط سہی
کہیے تو کہتی ہے نگہِ پُر حجاب کیا

اے ہم نشیں بھلا وہ اگر سن کے دل کا حال
کہہ دیں کہ سب غلط ہے پھر اس کا جواب کیا

لو پوچھتے ہیں مجھ سے ہی وہ بزمِ غیر میں
ہو گا خدا کے واسطے روزِ حساب کیا

کہتے ہیں خط میں پڑھ کے وہ مضمونِ بیخودی
جو ہوش میں نہ ہو اُسے لکھیں جواب کیا

جب سنیے وصفِ کوثر و تسنیم کے ہیں جوش
پینے لگے ہیں حضرتِ واعظ شراب کیا

ناصح خدا گواہ ہے پائیں جو کوئے یار
جنت سے دل اٹھائیں جہانِ خراب کیا

کرتے ہیں لوگ واعظِ مائل پہ طعن کیوں
پیتا نہیں جہان میں کوئی شراب کیا

○

ہو شوقِ شہادت جو عنان گیر عجب کیا
کہتے ہوئے آجائیں وہ تکبیر عجب کیا

ہے عکس میں تیری سی جو تاثیر عجب کیا
اعجاز دکھائے تری تصویر عجب کیا

بنجائے کوئی وصل کی تدبیر عجب کیا
ملجائے مرے خواب کی تعبیر عجب کیا

ہر چند کہ ہے منزلِ مقصود بہت دور
لیجائے اُڑا کر مری تقدیر عجب کیا

ہوں ایک ہی دنیا میں دبادانِ محبت
تڑپا نہ اگر میں تہِ شمشیر عجب کیا

انداز یہ کہتے ہیں ترے اے نگہِ ناز
ہر دل میں جگر پائے ترا تیر عجب کیا

بے ڈھب ہیں تری جنبشِ ابرو کی ادائیں
چلتی رہے اس دور میں شمشیر عجب کیا

دیکھی جو رسائی تری دل ہل گئے سب کے
دروازے کی ہلتی جو ہے زنجیر عجب کیا

دیوانۂ میخانہ کے گر پاؤں میں ڈالیں
موجِ مئے انگور کی زنجیر عجب کیا

وہ روزِ قیامت بھی نہ پہچانے خدا کو — جس نے کہ نہ دیکھی تری تصویر عجب کیا
وحشت میں بھی وہ بات نکلتی ہے کہ لیلیٰ — مجنوں کو دکھائے مری تصویر عجب کیا
عشاقِ وفا پیشہ ہیں وارفتہ جہاں سے — ان کی ہو تری بزم میں توقیر عجب کیا
باتوں میں ہے یہ لطف کہ جبریلِ امیں بھی — سننے کو جو آئیں تری تقریر عجب کیا
آنے جو لگے گوشۂ مرقد کا تصور — دل میں نہ رہے حسرتِ تعمیر عجب کیا
جادو ہے نگاہوں میں تو اعجاز لبوں پر — کرلیں جو دو عالم کو وہ تسخیر عجب کیا
ہر ایک مکاں شان بتاتا ہے مکیں کی — زیبی ہے پئے کعبہ کی تعمیر عجب کیا
گردش مری تقدیر نے ہی اسکو سکھائی — چکر میں رہے یہ فلکِ پیر عجب کیا
میخانے میں آتا ہے بہت بے ادبانہ — واعظ کی بگڑ جائے جو توقیر عجب کیا
امید یہ رکھتا ہوں تری خوئے کرم سے — دانستہ بھلا دے مری تقصیر عجب کیا
پہلو میں مرے اس نے شرارت سے بٹھایا — سمجھی ہو اگر غیر نے تحقیر عجب کیا
بیساختہ مضموں ہیں لکھے حسن ادا کے — اک اک کو سنائیں مری تحریر عجب کیا

رندانِ قدح خوار میں سائل بھی ہے اک چیز
کر جائے دعا اسکی جو تاثیر عجب کیا



مجھ سے کہتے ہیں رنگ لاؤں کیا — ابھی گلشن میں گل کھلاؤں کیا
تیری جنت میں شیخ جاؤں کیا — غمِ دنیا نہ دین کھاؤں کیا
نام فرہاد کا مٹاؤں کیا — خاکِ مجنوں کی اب اڑاؤں کیا
وہ ہیں روٹھے ہوئے مناؤں کیا — بات بگڑی تو پھر بناؤں کیا
میں نے بوسہ جو لے لیا تو کہا — اپنی شوخی کو منہ دکھاؤں کیا
مجھ سے کہتے ہیں دم نہ ہو جس میں — اس پہ خنجر کو آزماؤں کیا
یوں ڈراتے ہیں مجھ کو ناصح سے — ملک الموت کو بلاؤں کیا

؎ وارستہ

دمِ آخر تو توبہ کر بیٹھا — اُس کی رحمت کو منہ دکھاؤں کیا

تھے قیامت کے دن جوانی کے — عہدِ پیری میں سر اٹھاؤں کیا

تو نہ ہمدرد اے فلک نکلا — داغ دل کے تجھے دکھاؤں کیا

مجھ سے کہتے ہیں آپ آ بیٹھے — اب لبِ فرش سے اٹھاؤں کیا

بات بگڑی ہوئی بنا تا ہے — اُس کے احسان اب جتاؤں کیا

مجھ سے کہتے ہیں مٹ چکا تو تو — نقشِ ہستی ترا مٹاؤں کیا

یا صنم کہہ کے گھر سے نکلا ہوں — سوئے کعبہ قدم اٹھاؤں کیا

اُٹھ گیا شیخ خود ہی یہ کہہ کر — ہاتھ دنیا سے اب اٹھاؤں کیا

بے اثر آہ، نارسا نالہ — ان کی نظروں میں اب سماؤں کیا

وہ تو دونوں جہاں کو پھونک گیا — شعلۂ غم کو اب بجھاؤں کیا

میکدے کی تو پی چکا اے شیخ — حوضِ کوثر کی اب پلاؤں کیا

سرِ سودا زدہ کی قسمت کی — خاک ملتی نہیں اُڑاؤں کیا

سننے والا نہیں رہا کوئی — قصۂ درد اب سناؤں کیا

موسمِ گل میں توبہ کر بیٹھا — آہ ساقی کو منہ دکھاؤں کیا

پھنس گیا دل بتوں کے پھندے میں — اب خدا سے اُسے ملاؤں کیا

ہے جبیں پر نشانِ بت خانہ — درِ کعبہ کو منہ دکھاؤں کیا

اَرِنی ہے نہ لن ترانی ہے — نام کا پردہ ہے اٹھاؤں کیا

تیرے لطف و کرم کے میداں میں — اپنی قسمت کو آزماؤں کیا

تیغ پہ تیغ کھائے بیٹھا ہوں — تیر پر تیر اور کھاؤں کیا

جو تبرک ہیں دونوں عالم کے — اُس کی درگاہ میں چڑھاؤں کیا

جانتا ہوں تجھے غریب نواز — جا کے ہر در پہ سر جھکاؤں کیا

آملی خاک میں ترے در کی — خاک دنیا کی اب اڑاؤں کیا

جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو — حرفِ مطلب زباں پہ لاؤں کیا

عرش پر اور خاک ہو کے پڑوں
اپنے رتبے کو میں گھٹاؤں کیا
تو تو میخانہ نوش ہے مائل
اِک خم مے تجھے پلاؤں کیا



شومیِ بخت ہے کیا خوبیِ تقدیر ہے کیا
سب اسی کے ہیں کرشمے فلکِ پیر ہے کیا

یہ تو کہہ دل میں ترے اے بتِ بے پیر ہے کیا
کل کی تقریر تھی کیا آج کی تقریر ہے کیا

کیوں نہیں دل کو ہدف کرتے ہو تاخیر ہے کیا
نگہِ ناز سے بڑھ کر کوئی تدبیر ہے کیا

کس لیے جانبِ زنداں نہیں آتی ہے بہار
اس کے بھی میری طرح پاؤں میں زنجیر ہے کیا

تیرگی میں شبِ ہجراں کی ہے دُچپی کیوں
رُخ پہ بکھری ہوئی واں زلفِ گرہ گیر ہے کیا

عقدۂ شیخ و برہمن ہے عجب پیچیدہ
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ تقریر ہے کیا

اس سے کھلتا کوئی عقدہ کبھی دیکھا نہ سنا
کوئی سمجھاؤ تو یہ ناخنِ تدبیر ہے کیا

پیچ و خم اس کے سمجھ میں نہیں آتے ہرگز
زلف الجھی مری الجھی ہوئی تقدیر ہے کیا

ایک ہی دم میں جو کر ڈالے جہاں کو برہم
شورِ محشر بھی مرا نالۂ زنجیر ہے کیا

کوئی دیکھے مری آنکھوں سے تری صورت کو
میرے دل سے کوئی پوچھے تری تصویر ہے کیا

وہ تو جب خط کو پڑھیں گے تو کہیں گے پڑھ کے
حال میرا کوئی دیکھے دمِ تحریر ہے کیا

تھا مقدر میں مرے یونہی کہ ناکام رہوں
اُن کی تقصیر ہے کیا اور مری تقصیر ہے کیا

آہ کے ساتھ نکلتے ہیں جگر کے ٹکڑے
دم بھی سینہ میں ہمارے دمِ شمشیر ہے کیا

اس میں دیوانہ بھی رہتا ہے تو ہو کر پابند
جسے کہتے ہیں جہاں خانۂ زنجیر ہے کیا

میرے سینے پہ تو بیٹھے ہیں ابھی سے بے خطاب
ذبح کس طرح کیا کرتے ہیں تکبیر ہے کیا

صبح اٹھ کر جو وہ کہتے ہیں ملیں گے اس سے
کچھ دعائے سحری میں مری تاثیر ہے کیا

شیخ کعبہ تو جاتے ہو مرے کہنے سے
اک نظر دیکھ لو بت خانہ کی تعمیر ہے کیا

اس قدر شوقِ شہادت جو تجھے ہے مائل
تجھ میں آمیزشِ خاکِ درِ شبیر ہے کیا



یہ کون تھا جو دور سے جلوہ دکھا گیا
حیرت کدہ فضائے جہاں کو بنا گیا

گُل کو وہ عندلیب کا دشمن بنا گیا
لو اور آ کے باغ میں اِک گل کھلا گیا

جو جو کہ اُس کے دل میں تھے ارمانِ وصلِ غیر
باتوں ہی باتوں میں مجھے سارے سنا گیا

کیا جانے کیسے خضر کی کٹتی ہے زندگی
جینے سے اپنے میں تو بہت تنگ آ گیا

مرنے کی بھی امید ہے جینے کی بھی امید
قاصد پیامِ یار کچھ ایسا سنا گیا

تجھ سے تو بے وفا کبھی یہ بھی نہ ہو سکا
یوسف ہی تھا کہ خواب میں صورت دکھا گیا

مانا کہ غیر سے وہ ہنسا بھول کر کہیں
میری تو مفت جان گئی اس کا کیا گیا

گر تھا جواب صاف ہی آنا تو یا نصیب
پیغام موت کا ہی مجھے کیوں نہ آ گیا

افشائے راز کا ہی رہا عمر بھر خیال
نالہ جو بیخودی میں کوئی لب پہ آ گیا

اب طبع میں وہ جوش نہ دل میں وہ ولولے
تم کیا گئے کہ زیست کا سارا مزا گیا

یہ غم بھی کیا بلا ہے کہ دو چار روز میں
چپکے ہی چپکے دل کو جگر کو اُڑا گیا

ایمان جائے بار ہے جو ہو بلا سے ہو
اب تو نظر میں وہ بتِ کافر سما گیا

مائل کو لوگ کہتے ہیں ایوبِ روزگار
وہ تو شکایتوں سے مری جان کھا گیا



بے خودی میں وہ سبو ٹوٹ گیا
ڈر سے واعظ کا وضو ٹوٹ گیا

شیخ کی سنگ دلی تو دیکھو
ہاتھ رکھتے ہی سبو ٹوٹ گیا

کیوں کلائی میں تری درد ہوا
کیا کہیں دستِ عدو ٹوٹ گیا

بادہ خواروں نے تکلف وہ کیا
روزہ میرا لبِ جو ٹوٹ گیا

کل تو مستی میں گرا ہاتھ سے جام
آج واعظ سے سبو ٹوٹ گیا

قسمتِ زخمِ جگر پھوٹ گئی
چارہ گر تارِ رفو ٹوٹ گیا

کم کم آتی ہے جو قلقل کی صدا
کیا صراحی کا گلو ٹوٹ گیا

زندگی خاک میں مل جائے گی
رشتۂ عمر جو تو ٹوٹ گیا

اب تو مائل ہی پڑھائیں گے نماز
شیخ صاحب کا وضو ٹوٹ گیا



چلتے پھرتے وہ ادھر ہو کر گیا　　اب مقدر کا مرے چکر گیا
کس پہ وہ کھینچے ہوئے خنجر گیا　　ایک عالم اس ادا پر مر گیا
اپنے گھر سے وہ خدا کے گھر گیا　　لوگ کہتے ہیں کہ مائل مر گیا
ہاتھ ملتا رہ گیا ایمان بھی　　ہاتھ سے ایسا بتِ کافر گیا
رو دیا جب میں خدا کے سامنے　　نامۂ اعمال کا دفتر گیا
پوچھتا پھرتا ہوں دیوانوں سے میں　　وہ کدھر ہو کر پری پیکر گیا
یہ اُسی کا ہاں اسی کا تیر تھا　　میرے دل کے پار جو ہو کر گیا
وہ گئے جب محفلِ اغیار میں　　آگے آگے فتنۂ محشر گیا
میکدے سے وہ ہی آیا کامیاب　　کہہ کے جو، یا ساقیِ کوثر گیا
بے نیازی دیکھنا ٹھکرا دیا　　اُس کے آگے جب ہمارا سر گیا
لے کے جوئے شیر اُس کو کیا ملا　　کوہکن ڈھونے کو جو پتھر گیا
میکدے میں اب بھی ہے رنگِ خلوص　　جس طرف ساقی گیا ساغر گیا
اس کی بزمِ ناز میں پروانہ بھی　　جل جلا کر کام اپنا کر گیا
اب مجھے جنت بھی جنت ہو گئی　　ساتھ میرے کوچۂ دلبر گیا

اُس کے کہلاتے ہیں مائل شکر ہے
جو خدائی کو خدا کی کر گیا



شعلہ بھڑک کے دل سے جو میرے نکل گیا　　چیخا فلک کہ اے مرے اللہ جل گیا
کہتے ہیں لوگ کعبہ کو مائل بھی چل گیا　　تھا اک بزرگ شہر میں وہ بھی نکل گیا
ایمان کی تو یہ ہے کہ دوزخ ہی کیوں نہ ہو　　ہم تو وہیں رہیں گے جہاں دل بہل گیا

دیکھی بھی تُو نے شیخ مری شانِ میکشی
آتے ہی میرے چشمۂ کوثر اُبل گیا

واعظ یقین جان کہ کانٹوں میں پھنس رہا
جو گلشنِ جہاں میں ترا دل بہل گیا

شاید اسے بناتے ہیں مٹی سے طور کی
شعلے کو دیکھتے ہی جو پروانہ جل گیا

کہتے ہیں جاؤ خلد میں یہ ضد تو دیکھنا
نقش و نگارِ دہر سے جب دل بہل گیا

یہ مختصر ہے شیخ و برہمن کا ماجرا
وہ دَیر میں رہا یہ حرم میں پھسل گیا

کیا کیا پتے کی کہتے ہیں رندانِ بادہ خوار
ہو جاتے ہیں کچھ اور جہاں دور چل گیا

بولے قبول کر کے نہ گھبراؤ اس قدر
میں نذر کرنے دل کو جو روزِ ازل گیا

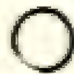
اے عشق تیرے رمز کو سمجھے تو کوئی کیا
سنبھلا جو تیری راہ میں وہ ہی پھسل گیا

واعظ گدا لئے میکدہ ہو کر رہے گا تو
رندانِ بادہ کش کی زباں سے نکل گیا

دن بھر خدا کے سامنے فریاد کر چکے
ارمان یہ بھی روزِ قیامت نکل گیا

موسیٰ مرے جلانے کو جاتے تھے بار بار
اچھا ہوا کہ طور تجلی سے جل گیا

مائل کہاں کی نیند ہے کھلتی نہیں آنکھ
اُٹھیے کہ آفتابِ قیامت بھی ڈھل گیا



کھینچا جو دل سے نالہ تو پتھر پگھل گیا
ٹپکا جو اشک چشم سے دریا اُبل گیا

خط کی نمود یہ نہیں رخسارِ یار پر
دیوانِ مصحفی کا دو ورقہ بدل گیا

گرتے کو میکدے کی ہوا نے سنبھالتی
زمزم پہ جا کے شیخ سنبھل کر پھسل گیا

میں نے کہا جو چشمۂ کوثر کے کان میں
میں ہوں غلامِ ساقیِ کوثر اُبل گیا

ساغر کو دیکھتے ہی مری جان پر بنی
توبہ کو توڑتے ہی مرا ڈر نکل گیا

شاید کہ اس پہ کھل گئے اسرارِ میکدہ
قطرے سے مے کے شیخ جو ایماں بدل گیا

اک شور ہے جہاں میں اور اتنی سی بات ہے
موسیٰ کا کوہِ طور سے پاؤں پھسل گیا

اللہ رے اضطراب کہ جوشِ جنوں میں بھی
ہاتھوں میں آ کے تارِ گریباں نکل گیا

مرنے کا ہے مزہ بھی تو ایسے ہی بے مزہ
خونِ شہیدِ ناز کو ہاتھوں میں مل گیا

تو تیرِ پیرِ میکدہ دیکھی تو رشک سے — واعظ کے آگ لگ گئی کم بخت جل گیا
آنے ہی تیرے تیر نے کیا جانے کیا کیا — دل سا مریضِ دردِ محبت سنبھل گیا
میدانِ جستجو میں کوئی مجھ سے کیا بڑھے — کوسوں جنابِ خضر سے آگے نکل گیا
بہلے گا یہ نہیں درِ رحمت لیے بغیر — ابتر ہے طفلِ اشک اگر یہ مچل گیا
دریا کو آفریں ہے مرے ساتھ عمر بھر — اس جوش اور خروش پہ بھی سر کے بل گیا
کعبہ کو دیکھ کر تو ذرا ضبط ہو سکا — پہنچا جو بتکدے میں تو نالہ نکل گیا

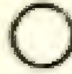
قسمت تو دیکھنا درِ رحمت پہ جا پڑا
مستی میں میکدے سے جو مائل اچھل گیا



قابو سے دل کے صبر و تحمل نکل گیا — کس بادشاہِ وقت سے لشکر بدل گیا
ہر میکدے میں شور ہے یارو غضب ہوا — منصور کی زباں سے انا الحق نکل گیا
شیشوں کے اٹھتے اٹھتے گھٹائیں برس پڑیں — توبہ کے کرتے کرتے زمانہ بدل گیا
خواب و خیال میں بھی وہ آتا نہیں نظر — آنکھوں کے سامنے سے جو عالم نکل گیا
تو وہ کہ تیری آگ ہے ہر جا لگی ہوئی — جنگل میں طور بزم میں پروانہ جل گیا
گل ہی نہیں ہیں چاک گریباں کیے ہوئے — جادو تری نگاہ کا عالم پہ چل گیا
یارانِ باصفا ہیں نہ رندانِ بے ریا — ایسی ہوا چلی کہ زمانہ بدل گیا
اے شمع تجھ میں کس کی تجلی نظر پڑی — قربان ہوتے ہوتے جو پروانہ جل گیا
خدمت ہے میری پیرِ خرابات خوش رہے — دنیا سے ساتھ دے کے یہ حسنِ عمل گیا
حیرت مرے سخن سے ذہانت کو کیوں نہ ہو — مضمون قدِ یار کا سانچے میں ڈھل گیا
حیرت ہی کے مقام میں برسوں پڑا رہا — کوچے میں ہیں جو یار کے پہلے پہل گیا
ناصح جو اٹھ کے جاتے ہیں یہ جانتا ہوں میں — دم بھر کے واسطے ملک الموت ٹل گیا
آیا جو کچھ خیال تو آنسو نکل پڑے — کھینچی جو دل سے آہ تو شعلہ نکل گیا
کیا پوچھتے ہو سوختہ جانوں پہ کیا بنی — جب یہ سنا کہ طور تجلی سے جل گیا

ہر دل میں تیری مست نگاہیں اُتر گئیں ہر میکدے میں چشمۂ کوثر اُبل گیا
لغزش کبھی ہو ہی جاتی ہے انسان ہی تو ہے دنیا میں غلغلہ ہے کہ واعظ بہل گیا

مائلؔ خدا کے سامنے جائے گا کس طرح
کعبہ سے سوئے بتکدہ تو سر کے بل گیا



کہتے ہیں لوگ شمع پہ پروانہ جل گیا اُس کا تمام عمر کا افسانہ جل گیا
ساقی شعلہ خو سے جو مستانہ جل گیا کھینچی وہ آہِ گرم کہ میخانہ جل گیا
آتے ہی اُس کی بزم میں پروانہ جل گیا اپنے ہی اپنے رہ گئے بیگانہ جل گیا
اے آہِ شعلہ بار ادھر خرش سے ہے شور شاید کسی غریب کا کاشانہ جل گیا
تم کو سناؤں کیا دلِ سوزاں کی داستاں لکھتے ہی لکھتے کاغذِ افسانہ جل گیا
ایسا جلا ہوں رات کو بزمِ رقیب میں حالت کو میری دیکھ کے پروانہ جل گیا
اتنی بھی بے ادب نہ ہو اے آہِ شعلہ بار کہہ اٹھیں لوگ کوچۂ جاناں نہ جل گیا
لیلیٰ کی شوخیوں پہ جو مجنوں نے آہ کی کتب میں غل ہوا کہ کتب خانہ جل گیا
کیا آگ پتھروں میں تھی اطفال کے بھری اتنے شرر اُٹھے ہیں کہ دیوانہ جل گیا
بجلی گری ہے خرمنِ مکر و ریا پہ کیا تسبیح کا جو شیخ کی ہر دانہ جل گیا
رکھتے ہی دل پہ نامۂ جاناں نہ کیا جلا خوشنودیِ مزاج کا پروانہ جل گیا
ابرِ کرم کے آتے ہی آتشکدے بجھے کعبے کے اک چراغ سے بتخانہ جل گیا
بگڑے حواس ایسے کہ کچھ بھی نہ بن پڑی آتے ہی بزمِ یار میں پروانہ جل گیا
بُت کی طرف جھکا تو خدا سے بگڑ گئی سجدہ کیا خدا کو تو بت خانہ جل گیا
بھڑکا نہیں ہے دل کو محبت کی آگ سے رہتے تھے جس میں آپ وہ کاشانہ جل گیا
آرائشوں پہ خلد کی رضواں کو ناز تھا دیکھی جو آ کے محفلِ رندانہ جل گیا
بجلی سے اے کلیم فقط طور ہی نہیں سب اس کے آس پاس کا ویرانہ جل گیا
جھونکا جو آگیا کوئی بادِ بہار کا بھڑکی وہ دل میں آگ کہ دیوانہ جل گیا

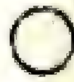
بھڑکا نہ دل کی آگ بس اے عشقِ فتنہ خیز
کہتے ہیں لوگ کوچۂ جاناں نہ جل گیا

بھڑکائی دل میں آگ وہ توبہ کے شوق نے
مضمون دل میں آتے ہی رندانہ جل گیا

بزمِ جہاں میں شور ہے اتنی سی بات کا
روشن ہوئی تھی شمع کہ پروانہ جل گیا

کبر و غرور کیا تری الفت کی آگ میں
ساماں سب اس فقیر کا شاہانہ جل گیا

کس شعلہ رو کی یاد میں پیتا ہے تو شراب
مائلؔ جو تیرے سانس سے پیمانہ جل گیا



بُرا ہو ترا آہ غم کھل گیا
مرے دل کا سارا بھرم کھل گیا

وہ شب کو جو مجھ سے صنم کھل گیا
تو سب رازِ دیر و حرم کھل گیا

محبت مجھے زیب دینے لگی
مرے چہرے پر رنگِ غم کھل گیا

کیا تو نے واعظ نے ذکرِ حرم
بُری ہوگی گرداں بھرم کھل گیا

رہا پھر دلوں میں نہ کوئی حجاب
وہ لے کر جو قول و قسم کھل گیا

کہیں میکدے میں آئے ہوں شیخ
یکایک جو ابرِ کرم کھل گیا

مجھے دیکھ کر جو تبسم کیا
مرا اُن پہ دردِ الم کھل گیا

ہماری بھی مہر و وفا کھل گئی
تمہارا بھی جور و ستم کھل گیا

جبیں عرش کی اب جبیں ہو گئی
ترا اُس پہ نقشِ قدم کھل گیا

صنم خانہ مائلؔ ہے ایسا مقام
جہاں رازِ بیت الحرم کھل گیا



دل کیا نگاہِ مست سے میخانہ بن گیا
مضمونِ عاشقانہ بھی رندانہ بن گیا

ناصح سے آج جان بچی کس فریب سے
تشریف اُن کے لاتے ہی دیوانہ بن گیا

سب کو تری تلاش ہے دہرِ خراب میں
تیرا تو نام [illegible] [illegible] دانہ بن گیا

دنیا میں ایک وضع پہ میں تو نہ رہ سکا
دیوانہ بن گیا کبھی فرزانہ بن گیا

ہم تم تمام شہر میں مشہور ہو گئے
الفت میں دو ہی روز کی افسانہ بن گیا

محفل میں شمع چھوڑ کے تجھ پر ہوا نثار
دشمن ہماری جان کا پروانہ بن گیا

فتنے طرح طرح کے بپا ہوتے رہتے ہیں
آشوب گاہ کوچۂ جانانہ بن گیا

لاتا نہیں خیال میں سجدے کئی ہزار
دربان کا دماغ بھی شاہانہ بن گیا

کیفیتیں شراب میں کچھ اور بڑھ گئیں
ساقی کی چشمِ مست سے میخانہ بن گیا

وہ بت پرست ہوں کہ نہیں مرگ میری خاک
کعبے میں اڑ کے جا پڑی تبخانہ بن گیا

وہ آفتِ زمانہ بنا کس کا آشنا
کہنے کی ہے یہ بات کہ بیگانہ بن گیا

وہ دل کہ جس کو سمجھے تھے ہم کعبہ کا جواب
تیری نگاہ پھرتے ہی ویرانہ بن گیا

واعظ نگاہِ ناز کی تاثیر دیکھ لی
مسجد میں بیٹھے بیٹھے ہی مستانہ بن گیا

تعمیرِ دیر و کعبہ سے مٹی ہماری کچھ
باقی جو رہ گئی تھی سو پیمانہ بن گیا

قشقہ جبینِ ناز پہ کھینچا جو یار نے
دو مسجدوں کے بیچ میں تبخانہ بن گیا

نیت کے ساتھ ہوتے ہیں مائلؔ تمام کام
ڈالی بنا تھی کعبہ کی بت خانہ بن گیا



داغ گو ایک سے اک سوا ہو گیا
دل ہمارا مگر کام کا ہو گیا

جو شبِ غم میں نالہ رسا ہو گیا
وہ خدا تک مرا رہنما ہو گیا

جو مرے دردِ دل کی دوا ہو گیا
پھر کہاں میں جو پیکاں جدا ہو گیا

وہ چلے آئیں گے مضطرب سے بنے
کارگر تو جو تیرِ دعا ہو گیا

جب شبِ ہجر کی صبح ہونے لگی
روزِ محشر کا فتنہ بپا ہو گیا

اب کہاں کامیابی کہ وقتِ قبول
نالۂ غیر میری دعا ہو گیا

آؤ رکھو لیں ہے محشر کا جھوٹا سا دن
ایک روزہ ہمارا قضا ہو گیا

کہہ گئے مجھ سے میری مصیبت کے دن
اب نہ گھبراؤ فضلِ خدا ہو گیا

کوئی وعدہ جو اس نے کیا تھا کبھی
اک اشارے سے اسکے وفا ہو گیا

ن میخانہ۔

دل ہی دل میں یہ کہتا ہوں ہر بزم میں — آدمیت کے شیوے کو کیا ہو گیا
وہ قیامت کو واللیل پڑھتا اٹھا — جو گرفتارِ زلفِ دوتا ہو گیا
یہ کہاں شعلۂ عشق مجنوں کہاں — گو جنوں میں وہ مجھ سے سوا ہو گیا
ایک ساغر سے واعظ تو رسوا ہوا — ایک توبہ سے میں پارسا ہو گیا
وہ جدھر ہو کے نکلا خود آرا مرا — ایک عالم شہیدِ ادا ہو گیا
جب چلے پی کے ساقی نے ہنس کر کہا — شیخ صاحب مصلے مرا ہو گیا

اُس کو سجدہ جو کرتے ہیں دیر و حرم
شہر میں ہیں کہ مائل خدا ہو گیا



کیا کہوں کس طرح مدعا ہو گیا — کارگر جادوئے التجا ہو گیا
ناامیدی کا وہ آسرا ہو گیا — دل ہی دل میں جو نالہ رسا ہو گیا
یہ بڑا مجھ پہ فضلِ خدا ہو گیا — مے فروشوں کا قرضہ ادا ہو گیا
بندگی میں جو الجھا وہ بندہ رہا — جو خدا کا ہوا وہ خدا ہو گیا
اب نہ کر چارہ گر دردِ دل کا علاج — اب مرض بڑھ گیا لا دوا ہو گیا
ہیں غضب کی فلک کی بھی نیرنگیاں — دیکھتے دیکھتے کیا سے کیا ہو گیا
بتکدے سے جو اُٹھ جاؤں اہلِ وفا — سب کہیں گے مجھے بے وفا ہو گیا
اب کہاں دین و ایماں کہ ہم سے دوچار — جب حرم میں وہ کافر ادا ہو گیا
اُس کے قامت کے اسرار سب کھل گئے — فتنۂ حشر مشکل کشا ہو گیا
بیقرار [illegible] تسکیں جو دینے لگا — دشمنِ جان و دل مبتلا ہو گیا
میں خزاں میں بھی دامن ہی سیتا رہا — اب بہار آئی سودا سوا ہو گیا
یہ غضب تیری خوئے ستم نے کیا — بوالہوس بھی تو درد آشنا ہو گیا
شیخ کرتے رہے عزمِ بیت الحرم — بتکدے میں مرا مدعا ہو گیا
جو شبِ غم میں نالہ کھینچا کبھی تو کیا — وہ بلاؤں میں مل کر بلا ہو گیا

یہ نصیبہ کھلا مائلؔ دُردکش
کشتیِ بادہ کا ناخدا ہوگیا



یہ تو کہہ سکتا نہیں میں، قیس مجھ سا ہوگیا
ہاں مگر لیلیٰ کے دیوانوں میں اچھا ہوگیا

کیوں وبالِ جاں ہمیں کو سر ہمارا ہوگیا
کیا کسی کی تیغِ ابرو کا اشارا ہوگیا

چشمِ گریاں کا بُرا ہو اب وہ آئیں کس طرح
گھر کے تو چاروں طرف دریا ہی دریا ہوگیا

بے ستوں کے کاٹنے پر منحصر ہے وصلِ یار
کوہکن کو کچھ نہ تھا تو یہ ہی سودا ہوگیا

یہ خدا جانے کہ کیا آفت ہے جب سے دل گیا
منھ سے نکلی بات اور دنیا میں چرچا ہوگیا

یہ ستم دیکھو کہ ذکرِ غیر مجھ سے یوں کیا
کل تو زخمی ہوگیا اور آج اچھا ہوگیا

ہر ادا اک تیغِ برّاں ہر کرشمہ جاں ستاں
ان حسینوں کو ستم کرنا تو زیبا ہوگیا

آنکھ سے دریا رواں اور لب پہ آہِ شعلہ زا
انجمن میں اُس کی میں ہی اک تماشا ہوگیا

درمیانِ راہ، مسجد بن گئی اچھا ہوا
میکدے تک آنے جانے کا بہانا ہوگیا

پیکے مکتب میں جب آئی وہ کتابِ دلبری
قیس کا پہلا سبق لیلیٰ ہی لیلیٰ ہوگیا

ہے فرشتوں کے جو مائلؔ کا جنازہ دوش پر
وہ کبھی کیا اللہ کا عرشِ معلّےٰ ہوگیا



جب نظر میں ایک ہی کعبہ کلیسا ہوگیا
پھر جسے ہم غیر سمجھے وہ ہی اپنا ہوگیا

وہ دمِ آخر جو دل میں جلوہ آرا ہوگیا
میرے ہر تارِ کفن سے نور پیدا ہوگیا

کیا مریضِ عشق اُن سے واں کبھی اچھا ہوگیا
آسماں پر جو لقب رشکِ مسیحا ہوگیا

زلفِ سنبل، چشمِ میگوں، رُوئے رخشاں منفرد
جس نے دیکھا اک نظر محوِ تماشا ہوگیا

گھر میں کیا بیٹھی ہے تو جا مصر کے بازار میں
اے زلیخا حضرتِ یوسف کا سودا ہوگیا

میکدے میں پاؤں رکھتے ہی یہ آیا جوش میں
جام و مینا کے مقابل شیخ تنہا ہوگیا

اشتہ بگڑی جب زلیخا کی تو بگڑی اس قدر
بے زباں بچہ بھی گہوارے میں گویا ہوگیا

بادہ کش مستی میں جو اللہ اکبر کہہ اٹھے
میکدے پہ شیخ کو مسجد کا دھوکا ہو گیا

کچھ تو کم ہوا شبِ فرقت خدا کے واسطے
صبح کرنا شام کا دل کی تمنا ہو گیا

مجھ سے اور اللہ سے اب دیکھیے کیسے بنے
وہ ہوا ہے جس پہ شیدا میں بھی شیدا ہو گیا

کیا مرے زخمِ جگر کے دن پھرے ہیں دیکھنا
جو لیے تھا تیغ و خنجر چارہ فرما ہو گیا

یہ قیامت خیز تربت پہ جو میری شور ہے
یا وہ آیا فتنہ گر یا حشر برپا ہو گیا

صورِ اسرافیل و شورِ عاشقاں رکتا رہا
ایک ٹھوکر سے تمہاری حشر برپا ہو گیا

ذکرِ توبہ کرتے ہو پیرِ مغاں کے سامنے
حضرتِ مائل تمہاری عقل کو کیا ہو گیا



حسن اُس کا جب جہاں میں جلوہ آرا ہو گیا
جس نے دیکھا جس طرف محوِ تماشا ہو گیا

انجمن میں جس طرف وہ لطف فرما ہو گیا
کوئی عیسیٰ ہو گیا اور کوئی موسیٰ ہو گیا

وہ جو اُٹھے، انجمن میں حشر برپا ہو گیا
یہ قیامت کا نیا مضمون پیدا ہو گیا

گر کہوں تو یہ کہو گے تجھکو سودا ہو گیا
اس زمانہ میں کچھ ایسا رنگِ دنیا ہو گیا

اک بزرگِ وقت آئے ہیں یہ چرچا ہو گیا
میں خدا کے گھر میں جا کر اور رسوا ہو گیا

بُت پرستی کرتے کرتے میں تو ایسا ہو گیا
اہلِ ایماں کو بھی مجھ سے رشک پیدا ہو گیا

جب کبھی خاطر خواہ تو نکلا نہیں دل کا غبار
جا کے جس صحرا میں رویا وہ بھی دریا ہو گیا

اب کہاں سوزِ جگر اور دلگدازی وہ کہاں
عشق بازی اب تو کارِ اہلِ دنیا ہو گیا

جو مکاں اُس نے بنایا روکشِ جنت بنا
جو شجر اس نے لگایا رشکِ طوبیٰ ہو گیا

نام اُس کا لیتے ہی تسکینِ دل کو ہو گئی
اب وہ آئے یا نہ آئے کام اپنا ہو گیا

اب بھی یہ حشر کیا ہے اُسکے وہ انداز ہیں
جو گیا محفل میں اُس کی اک ادا کا ہو گیا

نور افشاں وہ گلِ رعنا جو آیا باغ میں
دیدۂ نرگس چمن میں چشمِ بینا ہو گیا

ہر نفس کے ساتھ جو آنے لگی آوازِ نَے
کیا ہمارے دل کے اندر کوئی پیدا ہو گیا

ملتے ملتے مٹ گئی یادِ بتانِ سنگدل
رفتہ رفتہ دل ہمارا گھر خدا کا ہو گیا

میری آہِ نیم شب سے دل جو لرزا یار کا — وہ بھی کیا یارب تا عرشِ معلّیٰ ہو گیا
گرد جھاڑی پیرِ میخانہ نے اپنے ہاتھ سے — دامنِ دُردی کشاں رشکِ مصلّا ہو گیا
شکوہ اُن سے کیا کریں کیوں انجمن میں ہم گئے — ہو گیا تقدیر میں جو کچھ لکھا تھا ہو گیا
وہ عیادت کو نہیں آتے غیر کہہ کر چل دیا — تھا فرشتہ موت کا رشکِ مسیحا ہو گیا
انقلابِ دہر سے شاید بنا ہے آدمی — ہر نفس میں کہہ نہیں سکتا کہ کیا کیا ہو گیا
ذاتِ پاکِ پیرِ میخانہ ہے اک ابرِ کرم — جو گیا قطرے کا طالب وہ ہی دریا ہو گیا
جو نہ ہوتا کچھ بھی واعظ کس کو کہتے رہنمے — دشمنِ توبہ تمہارا یہ مصلّا ہو گیا
ہم کو دیکھا اور دیکھا بھی نگاہِ لطف سے — ہو گیا کچھ تو اثر اپنی دعا کا ہو گیا
کوچۂ دلبر نے میرا کر لیا سجدہ قبول — اب تو خاص الخاص میں بندہ خدا کا ہو گیا
دلکشی سی دلکشی ہے دلبری سی دلبری — جس نے دیکھا نقش اس کا وہ ہی شیدا ہو گیا
یہ خراب تک نہیں میخانۂ الفت میں دل — جامِ کوثر ہو گیا یا جامِ صہبا ہو گیا

جان دے کر کوچۂ پیرِ مغاں میں دیکھنا!
خاکِ پا مائلؔ بھی خاصانِ خدا کا ہو گیا۔



یہ دو دن کی الفت میں کیا ہو گیا — کہ جینا بھی مجھ کو بلا ہو گیا
زباں پر لگی آنے مطلب کی بات — کچھ ایسا دمِ التجا ہو گیا
شب و روز چپ چپ ہے میری طرح — تجھے ہائے کافر یہ کیا ہو گیا
سمجھ لو گے رہتے ہیں کیوں بیقرار — کسی پر جو دل مبتلا ہو گیا
یہ بیگانگی کا نیا رنگ ہے — کہ نا آشنا آشنا ہو گیا

گزرتی ہے دن رات روتے ہوئے
خدا جانے مائلؔ کو کیا ہو گیا



خنجر کو جب سنا کہ خریدار ہو گیا — مقتل میں سر فروشوں کا بازار ہو گیا

سب پر ہمارے عشق کا اظہار ہوگیا
اُن سے جو سامنا سرِ بازار ہوگیا

مایوس زیست سے دلِ بیمار ہوگیا
کیوں کہہ دیا کہ عشق کا آزار ہوگیا

واعظ بڑھا کے ریش ریاکار ہوگیا
یادِ خدا سے اور گنہگار ہوگیا

ایسی گری قفس پہ کہ چھوڑا نہ بال و پر
ممنونِ برق مرغِ گرفتار ہوگیا

سچ کہتے ہیں کہ خانۂ دنیا ہے بے ثبات
حملہ سے ایک آہ کے مسمار ہوگیا

نالوں نے عاشقوں کے تو محشر کیا بپا
بدنام مفت فتنۂ رفتار ہوگیا

قدرت بڑی خدا کی ہے اس بت کے سامنے
اتنی سی بات کہہ کے گنہگار ہوگیا

قسمت ہے اپنی اپنی تجھے شیخ رشک کیوں
میں پیشوائے کافر و دیندار ہوگیا

کل یہ سنیں گے غیر کا کچھ اور ہے سوال
شہرت ہے آج طالبِ دیدار ہوگیا

منہ سے نہ کچھ کہا مگر آنکھوں ہی آنکھوں میں
اقرار ہوگیا کبھی انکار ہوگیا

میں نے جو عاجزی سے کہا خاکسار ہوں
کچھ مہرباں سا سایۂ دیوار ہوگیا

اک میں ہی بزمِ ناز میں اُس کی جلا نہیں
پروانہ میرے سامنے فی النار ہوگیا

دوزخ نے اپنے واسطے اس کو کیا پسند
جس سرزمیں پہ مجمعِ اغیار ہوگیا

رفتار سے تو ہوش قیامت کے اُڑ گئے
منہ فق مسیح کا دمِ گفتار ہوگیا

ہم جاتے بار بار تھے جس میں کسی کے پاس
وہ کوچہ اب تو کوچۂ اغیار ہوگیا

اپنے قدم کے جاتے ہی کوچہ تو یار کا
اک سیر گاہِ کافر و دیں دار ہوگیا

جن کا ملا ہے ساقیِ کوثر سے سلسلہ
ان کا مرید مائلِ میخوار ہوگیا



گردوں پہ ماہِ عید نمودار ہوگیا
روشن چراغِ خانۂ خمار ہوگیا

ہر ذرہ جلوہ گاہِ رخِ یار ہوگیا
اب رازِ عشق قابلِ اظہار ہوگیا

اُلٹے ہوئے نقاب جو آیا وہ نازنیں
کعبہ فدائے ابروئے خمدار ہوگیا

آئے ہیں قتل گاہ میں اللہ رے طنطنہ
تنکا لیا جو ہاتھ میں تلوار ہوگیا

پردہ پکڑ کے کعبہ کا میں نے جو کی دعا — برہم مزاجِ دامنِ دلدار ہو گیا
پیدا کہاں ہیں حضرتِ موسیٰ سے حق شناس — دیکھا تجھے تو کہہ اٹھے دیدار ہو گیا
سُرخی کی نورِ عرش میں کچھ آ گئی ہے جھلک — مقبول کس کا دیدۂ خونبار ہو گیا
بے پردہ ہو کے کس نے گرا دیجئے ہو جال — پیدا مہر تو نقش بدیوار ہو گیا
جاتے ہی میکدے میں تو آنکھیں سی کھل گئیں — ساغر کو منہ لگاتے ہی ہشیار ہو گیا
یہ بھی ہے کوئی بات الٰہی موت ہی نہ آئے — جینا فراقِ یار میں اک بار ہو گیا
کرتا ہوں اُس کے پاؤں پہ سجدے ہزار بار — توبہ ہے میری شیخ گنہگار ہو گیا
اے پردۂ حرم مرے آتا نہیں ہے ہاتھ — قسمت سے تو بھی دامنِ دلدار ہو گیا
عاشق کو زندگی کا بھروسا ہو کس طرح — اچھا ہوا ابھی ابھی بیمار ہو گیا
بدلا ہے کیا زمانہ کہ میرا ہی رازدار — قاتل کے ساتھ کھینچ کے تلوار ہو گیا
الفت بھی کیا بلا ہے کہ اُس بت کے سامنے — لے کر خدا کا نام گنہگار ہو گیا
دیکھا نہ اُس کو خواب میں قسمت تو دیکھنا — دیدار تو خدا کا کئی بار ہو گیا
پیشِ نظر ہے عرش بھی کرسی بھی یار بھی — کیا دوربین روزنِ دیوار ہو گیا
سر پھوڑنے کا یار سے کہتے نہیں ہو حال — کیا جانے تم کو کیا در و دیوار ہو گیا
بھولے سے سجدہ جانبِ قبلہ جو کر لیا — بتخانہ میری شکل سے بیزار ہو گیا

مائل کا دل بھی حسرتِ کوثر سے کم نہیں
ساقی کی چشمِ مست سے سرشار ہو گیا



جب آ گیا زباں پہ سخن ، ناز ہو گیا — جو بل پڑا جبیں پہ وہ انداز ہو گیا
اللہ رے عروج ترے خاکسار کا — سب ساکنانِ عرش میں ممتاز ہو گیا
اے دل بری بنے گی نہ اتنا ہو مضطرب — افشا خدا نخواستہ گر راز ہو گیا
بس ایک ضربِ تیشۂ الفت سے کوہکن — مشہور اک جہان میں جانباز ہو گیا
قاتل کہیں تو غمزۂ خونریز ہے بنا — دشمن کسی کی جان کا انداز ہو گیا

نالہ کی تنگ حوصلگی سے خجل ہوں میں   کم بخت لب پہ آتے ہی غمّاز ہوگیا

طولِ شبِ فراق کا اب ڈر نہیں رہا   مرغِ خیال قابلِ پرواز ہوگیا

کیا کیا دکھائے ہم کو محبت نے انقلاب   انجام ہوگیا کبھی آغاز ہوگیا

پروانہ تجھ پہ بزم میں ہونے لگا نثار   یہ بھی خدا کی شان نظر باز ہوگیا

آیا اُدھر نظر مہِ شوال چرخ پر   دروازہ میکدے کا اُدھر باز ہوگیا

ان کی صدا کے ساتھ نکلتا ہے دل سے یہ   شاید کہ نالۂ مائل آواز ہوگیا

اس کے کرم سے اپنی ہر اک بات بن گئی   جو کام آپڑا وہ خدا ساز ہوگیا

رندانِ معتبر کی زبانی سنا ہے یہ   واعظ کا میکدے میں کچھ اعزاز ہوگیا

یارو دعا کرو کہ نہ بگڑے ہماری بات   اُس کا اور آسمان کا اب ساز ہوگیا

کھلتا نہیں ہے دل جو تری بزمِ ناز میں   شاید کہ بند اس میں کوئی راز ہوگیا

کچھ ایسے آج بن کے وہ نکلے تھے سیر کو   عالم تمام کشتۂ انداز ہوگیا

مائل چلے تھے عزمِ صنم خانہ کر کے ہم
آنا سوئے حرم تو خدا ساز ہوگیا



میں نے مقتل میں یہ سمجھا تھا کہ مقطع ہوگیا   وہ کمر کا ہاتھ مارا اُس نے مطلع ہوگیا

ان کے آتے ہی حسینوں کا وہ مجمع ہوگیا   یک بیک میدانِ محشر اک مرقع ہوگیا

میں نے اُس کے روئے تاباں کا تصور باندھ کر   شعر جو لکھا غزل میں حسنِ مطلع ہوگیا

بزم میں یاروں نے کی گستاخ دستی اس قدر   تنگ آکر ریش سے واعظ مقطع ہوگیا

وہ دکھا دستِ قضا نے مطلعِ ابروئے یار   مطلعِ خورشیدِ حسن کا حسن مطلع ہوگیا

جب سے رکھا ہے قدم آکر جنابِ عشق نے   درد و غم رنج و الم کا دل میں مجمع ہوگیا

محتسب حیراں ہے کر کے جام و مینا چور چور   میکدہ سب اُن کے ریزوں سے مرصع ہوگیا

جب کسوٹی پہ لگایا اصل اُسکی کھل گئی   کیا ہوا مِس پہ جو چاندی کا ملمع ہوگیا

آگئی جو قاضی صاحب کی سواری دھوم سے   عید کا سا میکدے میں آج مجمع ہوگیا

عکس پڑ کر بادۂ گلرنگ و جامِ سبز کا
جو گلے میں اُس کے زبرجد تھا مرصّع ہوگیا

جس ادا میں اس کو دیکھا اس کا نقشہ کھنچ گیا
رفتہ رفتہ دل ہمارا اک مرقع ہوگیا

آ کے مقتل میں یہ کہہ کر وہ ستمگر چل دیا
کل کریں گے قتل اس کو آج مجمع ہوگیا

قیس آیا خاک اُڑاتا کوہکن سر پھوڑتا
دردمندوں کا ترا کوچہ تو مجمع ہوگیا

رنگ پر آیا جب اپنے جلوۂ نیرنگِ یار
ہر ورق ارض و سما کا اک مرقع ہوگیا

شیخ کی دیکھی کرامت مائل توبہ شکن
میکدے تک جاتے جاتے وہ مشرّع ہوگیا

○

فنا اک نگہ میں ہی دم ہوگیا
ترا دیکھنا بھی ستم ہوگیا

شب و روز ہے جلوہ آرا وہ بت
مرا گھر تو بیت الصنم ہوگیا

ابھی وہ گئے ہیں کہ ہم مر گئے
یہ دم بھر ہی میں کیا ستم ہوگیا

یہ کون آگیا ہے مرے گھر میں آج
جہنم بھی باغِ ارم ہوگیا

گیا جو اُدھر پھر نہ آیا اِدھر
ترا کوچہ مُلکِ عدم ہوگیا

چلیں کعبہ سے آؤ مائل وہیں
کہ وہ کوچہ رشکِ ارم ہوگیا

○

کفر آخر رہنمائے ہر مسلماں ہوگیا
حسن جتنا تھا بتوں میں نورِ ایماں ہوگیا

اُن سے بگڑے بانیے میرے دلِ پُر داغ کا
عاشقوں میں نام تو رشکِ گلستاں ہوگیا

بے اثر یارب کسی کی داستاں ایسی نہ ہو
جس کے آگے کہنے بیٹھا وہ پشیماں ہوگیا

دیکھنا قسمت کی خوبی ہوتے ہوتے کفر کے
جس طرف ہم تھے اُدھر ہی نورِ ایماں ہوگیا

کیوں نہ آئے سر کے بل خورشید میری خاک پر
جان و دل سے میں فدائے روئے جاناں ہوگیا

بحث ہم کو آپڑی ہے کیا دعائے خضر سے
گرتے گرتے آنکھ سے قطرہ جو طوفاں ہوگیا

روح کس حسرت سے بولی خاکِ آدم دیکھ کر
اب ہمارے واسطے تیار زنداں ہوگیا

فیضِ صحبت حضرتِ پیرِ مغاں کا دیکھنا
آدمیت آگئی کیا میں تو انساں ہو گیا

رہ ہی شعلے وہ ہی گرمی دیکھ تو اے چارہ گر
کیا کہیں خورشیدِ محشر داغِ ہجراں ہو گیا

جو نہی پردہ اُس نے اُلٹا دیکھنا نیرنگِ عشق
میں بھی حیراں ہو گیا اور وہ بھی حیراں ہو گیا

جب سے دیکھا بے نقاب اُس کافرِ بے مہر کو
داغ جو دل پر پڑا خورشیدِ تاباں ہو گیا

دیکھنا اس خاک کے پتلے کی قسمت دیکھنا
عشق کی نعمت ملی اور نام انساں ہو گیا

بتکدے سے نعش اُس کی اہلِ کعبہ لے گئے
وقتِ آخر کیا کہیں مائلؔ مسلماں ہو گیا

○

نقش دل پر مصحفِ رخسارِ جاناں ہو گیا
دیکھ کر پڑھتے ہی پڑھتے حفظِ قرآں ہو گیا

جلنی تھی آلودگی دنیا و دیں کی دُھل گئی
میکدے میں میں تو جا کر پاک داماں ہو گیا

کچھ ترا شکوہ نہ ہے مجھ کو شکایت یار کی
جو مری قسمت میں تھا زلفِ پریشاں ہو گیا

جو کہا تھا میرے دل نے کر دکھایا آفریں
ہو گیا آخر غبارِ کوئے جاناں ہو گیا

سایۂ ناخن سے ٹکڑے جیب و داماں ہو گئے
جوشِ وحشت ہم سے جیب دست و گریباں ہو گیا

گھر سے نکلے ہیں تلاشِ منزلِ مقصود میں
عمر بھر کا ساتھ اے شامِ غریباں ہو گیا

بات میری کان رکھ کر کس لیے سنتا نہیں
اے ستم گر کیا کسی سے عہد و پیماں ہو گیا

قتل ہوتا کو بکو تشہیر ہوتا نامہ بر
یہ نصیب اللہ اکبر اس کا درباں ہو گیا

کس قدر چالاک نکلا توسنِ عہدِ شباب
اک ترارہ بھرتے ہی آنکھوں سے پنہاں ہو گیا

وہ بجھا کر زہر میں لایا ہے اپنے ہاتھ سے
دل میں اب رکھنے کے قابل کب پیکاں ہو گیا

راہ میں آئی جو دل کو ساقیِ کوثر کی یاد
جاتے جاتے میکدے تک جامِ عرفاں ہو گیا

خاک اڑاتی کیوں نہ آئے روحِ مجنوں شاد شاد
کوچۂ لیلیٰ جہاں تھا واں بیاباں ہو گیا

کس بتوں کے شیفتہ پر یہ لگایا اتہام
اہلِ ایماں کہتے ہیں مائلؔ مسلماں ہو گیا

○

زینتِ روئے بتاں گیسوئے پیچاں ہوگیا
کفر آخر آبروئے نورِ ایماں ہوگیا

جا بجا جلوہ دکھا کر وہ تو پنہاں ہوگیا
دل کے ہاتھوں تنگ ہر گبر و مسلماں ہوگیا

چھیڑ اور آشفتگانِ عشق سے کچھ خیر ہے
مجھ کو کیا سودا یہ اے زلفِ پریشاں ہوگیا

دیکھنا عاشق نوازی اس کی تیغِ ناز کی
نذر جس نے سر کیا شاہِ شہیداں ہوگیا

آس ٹوٹی جب رہائی کی تو دل گھبرا گیا
وسعتِ عالم سے بڑھ کر مجھ کو زنداں ہوگیا

زخمِ نو زخمِ کہن سارے ہی تازہ ہوگئے
فصلِ گل آتے ہی دل رشکِ گلستاں ہوگیا

دیدۂ یعقوب تو حسرت سے تکتے رہ گئے
جلوۂ یوسف سے روشن پہلے زنداں ہوگیا

وار جو اس نے کیا تیغِ نگاہِ ناز کا
عرصۂ روزِ جزا گنجِ شہیداں ہوگیا

کیسے مانوں چارہ گر فصلِ بہار آئی نہیں
ٹکڑے ٹکڑے خود بخود میرا گریباں ہوگیا

کیا کمی تشہیر میں کی تھی کہ یوں میرا مزار
اک زیارت گاہِ ہر گبر و مسلماں ہوگیا

دل میں یادِ روئے جاناں فصلِ گل سے کم نہیں
ٹکڑے ٹکڑے خود بخود اپنا گریباں ہوگیا

ابرِ رحمت کا فلک صدق و صفا کی سرزمیں
میکدے کو دیکھ کر واعظ بھی حیراں ہوگیا

کل تو نکلا بتکدے سے کس قدر ہو کر ذلیل
آج مائلؔ پیشوائے اہلِ ایماں ہوگیا



کیوں سحر کے ساتھ گل بھی چاک داماں ہوگیا
کیا چمن میں وہ دل آرائے گلستاں ہوگیا

بڑھتے بڑھتے وحشتِ دل ہم بھی مجنوں ہوگئے
رفتہ رفتہ گھر ہمارا اک بیاباں ہوگیا

کھلتے کھلتے دونوں عالم کی حقیقت کھل گئی
رفتہ رفتہ دل ہمارا جامِ عرفاں ہوگیا

راہ میں کس کو سنائے داستانِ زلفِ یار
ساتھ تو اچھا ترا شامِ غریباں ہوگیا

کہہ رہے ہیں دل کو میرے رکھ کے اپنے ہاتھ پر
لو یہ بیٹھا تمہارا داغِ ہجراں ہوگیا

میں نے دیکھے ہیں جہاں کے رنگ میرے سامنے
ایک عالم خاک کے پردے میں پنہاں ہوگیا

اک جھلک پڑتی ہے مے کی چہرۂ پُرنور سے
کیا کہیں واعظ شریکِ بزمِ رنداں ہوگیا

اہلِ دلی در بدر کیونکر نہ اے مائلؔ پھریں ؟
ایک گھر تھا اس جہاں میں وہ بھی ویراں ہوگیا



۱؎ یہ غزلیں طرحی مشاعرہ منعقدہ ۴ ماہ مارچ ۱۹۱۴ء کی ہیں جو جے پور میں بمقام مرحی کا باغ منعقد ہوا تھا مصرع

(بقیہ صفحہ ۱۶۱ پر)

نقشِ ہستی مٹ کے سب پامالِ دشمن ہوگیا
جو نہ ہونا تھا وہ بس اے شوخ بدظن ہوگیا

بے سخن سُن کر کہ اس کوچے میں مسکن ہوگیا
رازداں تھا دوست اپنا وہ بھی دشمن ہوگیا

اپنی قسمت ہی بری تھی تجھ سے کیا شکوہ کریں
کی محبت جس سے ہم نے وہ ہی دشمن ہوگیا

وہ کہاں دیر و حرم میں دونوں سنگِ راہ ہیں
تم کو کیا سودا یہ اے شیخ و برہمن ہوگیا

کیوں اٹھیں روزِ جزا اب آرزو کس چیز کی
جب ہمارا کوچۂ جاناں میں مدفن ہوگیا

ہوش کس کو تھا شبِ غم میں جو دیکھتا یہ خبر
شمع روشن ہوگئی یا داغ روشن ہوگیا

سوگیا شب، سنتے سنتے قصۂ شیریں جو میں
یہ بھی کوئی بات ہے جس سے وہ بدظن ہوگیا

غیر یہ جانے کہ دے آیا ہے دل پر داغ وہ
میں یہ سمجھا اک چراغ اس گھر میں روشن ہوگیا

میرے گھبرانے پہ کیوں ہنستے ہو اٹھتے ہی نقاب
مجھ کو یہ دھوکا ہوا تھا روزِ روشن ہوگیا

سہل ہے منہ سے نکلنا آہِ عالم سوز کا
کیا بنے گی گر وہ کافر مجھ سے بدظن ہوگیا

شوخیِ ذوقِ نمائش پر رہے کیونکر حجاب
چاک پردے میں پڑے اتنے کہ چلمن ہوگیا

اک زمانہ پھر گیا تیری نظر کے پھرتے ہی
پاس ہو کر جس کے نکلا وہ ہی دشمن ہوگیا

عشق کے نیرنگ دیکھے اے زلیخا یا نہیں
چاک دامن ہو کے یوسف پاک دامن ہوگیا

کیوں نہ میری جان جائے سر اشارے پر ترے
بل جو ابرو پر پڑا تھا وہ ہی چتون ہوگیا

اک زمانہ رو رہا ہے میرے رونے پر مگر
جو اثر تھا میرے دل میں طرفِ شیون ہوگیا

چارہ سازا نہ ضعف سے تارِ گریباں ہیں یہاں
ہاتھ اپنا ہی الجھ کر طوقِ گردن ہوگیا

بلبلیں جلتی ہیں سن لینا غزل خواں ہوگئیں
گر چمن میں کچھ دنوں اپنا نشیمن ہوگیا

گھڑ ہی لیں گے مسئلہ ماہِ صیام آنے تو دو
حضرتِ واعظ کا میخانے میں مسکن ہوگیا

مجھ سے دیوانے کو سمجھانے جو ناصح آئے ہو
آپ کو شاید کہ سودا مشفقِ من ہوگیا

(بقیہ نظم ۱۹) طرح تھا: ؎ یہ ہرا داغِ جگر رشکِ گلستاں ہوگیا
اطہر، تسنیم، تنویر، جوہر، ناظم وغیرہ شریک تھے۔ اطہر کا مطلع ہے:
ایک خارِ غم مری رگ رگ میں پنہاں ہوگیا　　دل میں ارماں ہوگیا سینے میں پیکاں ہوگیا
انتخاب ماہنامہ "جوہرِ سخن"، بابت ماہ اپریل [illegible] میں طبع ہوا ہے۔ ۱۲

ہم نہیں کہتے کہ تھا وہ میرؔ و سوداؔ سا مگر
مائلؔ اپنے وقت کا اک ماہرِ فن ہو گیا



کوثر پہ جاتے جاتے نشہ تازہ ہو گیا ساقی کی چشمِ مست کا اندازہ ہو گیا
واعظ نے چھپ کے حجرۂ مسجد میں پی تو کیا توبہ کے ٹوٹنے کا تو آوازہ ہو گیا
اب تو الٹ نقاب کہ یہ گنبدِ سپہر فریادِ عاشقاں سے پُر آوازہ ہو گیا
پی بھی شراب شیخ کہ رحمت کا در ہے وا مانا کہ بند توبہ کا دروازہ ہو گیا
اے چشم اشکِ سرخ بہاتی ہے کس لیے خونِ شہیدِ ناز تو واں غازہ ہو گیا
زلفِ درازِ یار کے اول ہی وصف میں طولِ شبِ فراق کا اندازہ ہو گیا
کس کی نگاہِ مست مرے دل سے پھر گئی دونا شرابِ ناب سے خمیازہ ہو گیا
قسمت تو دیکھنا مرے تارِ نگاہ کی اُس کی بیاضِ حسن کا شیرازہ ہو گیا

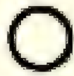
مائلؔ تو خانقاہ کی صحبت سے تھا ملول
جاتے ہی بتکدے میں تر و تازہ ہو گیا



کیا جانے آ کے کیا دلِ بسمل میں رہ گیا اٹھ کر جو حشر کوچۂ قاتل میں رہ گیا
اس شہر میں ہے جو کوئی خوشرو پری ادا اک بار تو ضرور مرے دل میں رہ گیا
گو اُن سے رسم اب نہیں پر سُن کے ذکرِ غیر شعلہ سا ایک اٹھ کے مرے دل میں رہ گیا
تیرِ نگاہِ یار کی الفت تو دیکھنا اپنا ہی گھر سمجھ کے مرے دل میں رہ گیا
کیا کیا ہے کام تصور کو آفریں بن کر خیالِ یار مرے دل میں رہ گیا
اللہ رے تابِ حسن کہ الٹی جو نہی نقاب ہر ایک دیکھتا اُسے محفل میں رہ گیا
اس رشک سے ہے اب مرے دل پر بنی ہوئی پروانہ جل کے کیوں تری محفل میں رہ گیا
پی پی کے بادہ خوار تو سب خم کے خم گئے اک بے نصیب میں تری محفل میں رہ گیا
وحشت تو ایک مرحلہ ہے راہِ عشق کا یعنی کہ قیس پہلی ہی منزل میں رہ گیا

کہتے ہیں نسبت اس کو مرا دم بھی روزِ قتل — تن سے نکل کے خنجرِ قاتل میں رہ گیا
مجنوں کا نالہ واقفِ آدابِ عشق تھا — لب سے نکل کے پردۂ محمل میں رہ گیا
آنا ہی قتل گاہ میں قاتل سے پیشتر — میں گفتگوئے ناصحِ جاہل میں رہ گیا
قسمت پہ اس کی رشک ہے مژگانِ یار کو — جو تیر ٹوٹ کر دلِ بسمل میں رہ گیا
نالوں سے کیا گلہ دلِ دشمن کا کیجیے — گلچیں کا ہوش شورِ عنادل میں رہ گیا
زنداں کی میرے کچھ بھی خرابی نہ کر سکا — مل جل کے حشر شورِ سلاسل میں رہ گیا
دھبہ لگا ہوا نہیں چھٹتا کسی طرح — جو داغ رہ گیا مہِ کامل میں رہ گیا

کعبہ میں جا مرے درِ بت خانہ چھوڑ کر
اتنا ہی نقص حضرتِ مائل میں رہ گیا



جو ایک دم بھی کوچۂ جاناں میں رہ گیا — مرنے سے پہلے روضۂ رضواں میں رہ گیا
شبنم ہے اشک بار تو بلبل ہے نغمہ سنج — کیا جانے کون رات گلستاں میں رہ گیا
مرنا پڑا ہی اب تو کہ خط پڑھ کے کہتے ہیں — جیتا وہ کس طرح شبِ ہجراں میں رہ گیا
ناصح نہ منہ دکھائیں گے تجھ کو بہار میں — اک تار بھی لگا جو گریباں میں رہ گیا
رحمت خدا کی ہو مرے قاصد پہ کہتے ہیں — جنت سمجھ کے کوچۂ جاناں میں رہ گیا
جاتا ہوں میں کہاں کہ مرے ساتھ چلیں — دو چار گام چل کے بیاباں میں رہ گیا
اے گریہ تیرے دور میں محروم رہ نہ جائے — پیرِ فلک کہ نوح کے طوفاں میں رہ گیا

مائل خبر بھی ہے تمھیں عہدِ شباب تھا
جو ولولہ کہ اٹھ کے دل و جاں میں رہ گیا



مر مٹے خاک ہوئے، دونوں جہاں سے گزرے — نہ گیا پر نہ گیا وصل کا ارماں نہ گیا
بت و بتخانہ کی عظمت ہی کو وہ کیا جانے — کہیں کعبے کے سوا واعظِ ناداں نہ گیا
رنگ کیا کیا نہ دکھائے مری وحشت نے مجھے — تیرے کوچے سے مگر سوئے بیاباں نہ گیا

بیخودی کہیے زلیخا کی کہ وحشت کہیے
کھل گیا راز مگر ہاتھ سے داماں نہ گیا

آہ، پھر آرزوئے سجدہ نکل ہی جاتی
ایک دم بھی تو کہیں یار کا درباں نہ گیا

در میخانہ کی کھاتا ہوں قسم پیرِ مغاں
میں نہ جاؤں گا جو جنت میں بھی ساماں نہ گیا

کیا تنگ حوصلہ نکلا ہے ہمارا قاصد
لامکاں تک تو گیا، ہائے مگر واں نہ گیا

تھا خدا جانے کہ کس ملت و دیں کا مائل
نعش کے ساتھ کوئی گبر و مسلماں نہ گیا



اُس کی صورت میں ترا جلوہ نظر آ ہی گیا
کام آخر کو ترے حسنِ بشر آ ہی گیا

سچ کہا ہے کہ تعلق بھی برا ہوتا ہے
یاد اپنا ہمیں جنت میں بھی گھر آ ہی گیا

ہم تو ہر رنگ میں ہر پردے میں دیکھا ہی کیے
جس طرف آنکھ پڑی کوئی نظر آ ہی گیا

شمعِ تربت تو بنا گر یہ جیسا نہ بنا
کام کچھ تو یہ مرا داغِ جگر آ ہی گیا

تیرے قامت کی ادا سروِ چمن لے ہی اُڑا
بے وفائی کا تری گل میں اثر آ ہی گیا

کبھی رکتے ہوئے دیکھے نہیں جانے والے
خلوتِ خاص میں بھی جا کے بشر آ ہی گیا

ڈھونڈتے تھے جسے ہم دل میں اُسے پا ہی لیا
دیکھنا تھا جسے منظورِ نظر آ ہی گیا

اس طرح بچ کے جو چلتی ہے ہوا سے میری
ڈھب رسائی کا تجھے بادِ سحر آ ہی گیا

تلخ کامی کا مزہ بھی دمِ آخر نہ رہا
میری بالیں پہ وہ ہنگامِ سفر آ ہی گیا

ذکر واعظ نے جو خورشیدِ قیامت کا کیا
یاد اپنا بھی مجھے داغِ جگر آ ہی گیا

کبھی کوچے میں ترے ہے تو کبھی صحرا میں
آدمی بھی دلِ وحشی کا اثر آ ہی گیا

مجھ سے کہتے ہیں سرِ بزم کہ تو عاشق ہے
لاکھ روکا تجھے درباں نے مگر آ ہی گیا

یہ تو مانا کہ بشر خاک کا پتلا ہے مگر
عرش سے آگے کی یہ لیکے خبر آ ہی گیا

درِ کعبہ سے جو اُٹھنے ہی نہیں ہو مائل
کیا پسند آپ کو اللہ کا گھر آ ہی گیا

پیاموں میں اپنے تجھے گن لیا — سلاموں میں اپنے تجھے گن لیا

مروت تو کعبہ کی اے شیخ دیکھ — اماموں میں اپنے تجھے گن لیا

یہ اے دل ہے ساقی کا تجھ پر کرم — کہ جاموں میں اپنے تجھے گن لیا

تری بن پڑی اس نے اے قتلِ عام — کہ کاموں میں اپنے تجھے گن لیا

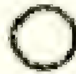
یہاں آتے ہی ہم نے اے کنجِ گور — مقاموں میں اپنے تجھے گن لیا

دھواں دل سے نکلا تو کہتے ہیں وہ — کہ خاموں میں اپنے تجھے گن لیا

کتابِ رخِ یار عشاق نے — کلاموں میں اپنے تجھے گن لیا

خدا سے بھی جھگڑے گی اے نامہ بار — کہ ناموں میں اپنے تجھے گن لیا

مبارک ہو مائلؔ کہ اک شخص نے
غلاموں میں اپنے تجھے گن لیا



ہمت جو کر کے سر نے ترے در کو چھو لیا — اتنا جھکا فلک کہ مرے سر کو چھو لیا

مقتل میں بسملوں نے عجب دل لگی رکھی — قاتل کو چھو لیا کبھی خنجر کو چھو لیا

جب ہاتھ چھوٹنے کا قمر کو ملا نہ ڈھب — شق ہوگئے آستینِ پیمبر کو چھو لیا

کس منہ سے یہ کہوں ترے دامن کے سامنے — میرے غبار نے مہر و اختر کو چھو لیا

قاتل نے اس قصور میں چھوڑا ہے نیم جاں — ہنگامِ قتل میں نے جو خنجر کو چھو لیا

یوں مجھ کو چھیڑتا ہے لبِ ساغرِ شراب — میں نے تو بزم میں لبِ دلبر کو چھو لیا

تاثیر دیکھتا ہوں تڑپنے میں تیرے آج — اے برق کیا مرے دلِ مضطر کو چھو لیا

دامن کو ہاتھ لگتے ہی جھگڑے وہ اس قدر — گویا کہ ہم نے دامنِ محشر کو چھو لیا

محشر میں ظالموں کا جو ہونے لگا شمار — میں نے بڑھا کے ہاتھ ستمگر کو چھو لیا

کعبہ کی سنگِ در کی تو ہم کو خبر نہیں — اپنے خیال میں تو ترے در کو چھو لیا

رہتا ہے وہ تو سنگِ حوادث کی زد سے دور — جس نے شراب خانے کے پتھر کو چھو لیا

بخشش میں تیری شیخ رہا اب کلام کیا — تو نے مرے گناہ کے دفتر کو چھو لیا

اہلِ نظر کی آہ نگاہوں سے گر گیا — میں نے جو چلتے چلتے گُلِ تر کو چھو لیا
اس نے جو لیکے غازہ مرے منہ پہ مل دیا — موقع تھا میں نے بھی رخِ انور کو چھو لیا

ساقی شرابِ ناب سے خود اس کو پاک کر
مائل نے دستِ توبہ سے ساغر کو چھو لیا



ردیف "ب"

بڑھتا ہے رنج، کرتی ہے الٹا اثر شراب — پیتا شبِ فراق میں ہوں جس قدر شراب
مشہور اک جہاں میں ہوئی فتنہ گر شراب — کچھ دام تیری چشم سے لے کر اثر شراب
شیشہ میں اک پری سی ہے آتی نظر شراب — کیا جانے کیا یہ ہوتی جو ہوتی بشر شراب
کچھ کچھ تری نگاہ سے چلتا تو ہے پتہ[ؔ] — جس میکدے کی پیتے ہیں اہلِ نظر شراب
کیونکر نہ اس کو قتل کروں بزمِ غیر کی — لایا جوابِ خط کے عوض نامہ بر شراب
ہم رند ہیں وہ وضع کے پورے کہ واعظو — جنت میں ہم نہ جاتے نہ ہوتی اگر شراب
کیونکر اٹھے نہ شیخ کہ رحمت کا وقت ہے — پیتے ہیں بادہ خوار جو وقتِ سحر شراب
میخانے کی سی بات کہاں ہے بہشت میں — یہ تو سہی کہ خوب سے ہے خوب تر شراب
رہتے کبھی نہ آپ تو حضرت پیے بغیر — آتی جنابِ شیخ میسر اگر شراب
چلتی کچھ اس طرح کی ہے مستانہ وار چال — شاید پیے ہوئے ہے نسیمِ سحر شراب
فرصت ہی توبہ کرنے کی ملتی نہیں مجھے — منہ سے لگی ہی رہتی ہے آٹھوں پہر شراب
ایسا کہیں ہوا نہیں جلاد محتسب — پیتے ہیں کھیل کھیل کے ہم جان پر شراب
کہتی ہے بادہ کش کا مگر ظرف دیکھ کر — رکھتی ہے دو جہان کی ساری خبر شراب
وہ دن گئے کہ کوثر و زمزم کی تھی تلاش — پانی بھی اب تو پیتے ہیں ہم جان کر شراب

ؔ سراغ

وہ دن بھی کیا تھے شیخ کہ ہم اور آپ روز — پی پی کے لوٹتے تھے سرِ رہ گذر شراب
رہتا ہے مست زخمیِ تیغِ نظر ترا — آنکھوں میں کیا سما گئی بن کر نظر شراب
رکھتی ہے چھیڑ چھاڑ ہر اک پارسا کے ساتھ — آنکھوں سے تیری سیکھ گئی یہ ہنر شراب

مائل وہ شیخ وقت کہ تقویٰ کو جس پہ ناز
لائی ہے میکدے میں اُسے کھینچکر شراب

○

دل سے جب تک کہ نہ ہوگی طلبِ جامِ شراب — کبھی ہوگا نہ ہوا ہے ادبِ جامِ شراب
محتسب جب تو کرے گا ادبِ جامِ شراب — جامِ کوثر سے ملا دوں نسبِ جامِ شراب
دستِ ساقی سے لیا پیرِ مغاں نے اٹھ کر — اب تو رندوں پہ ہوا فرض ادبِ جامِ شراب
ہم تو خلوت میں بھی محروم رہیں اور سرِ بزم — لبِ جاناں سے ملے ہائے لبِ جامِ شراب
قُم باذنی کی صدا قلقلِ مینا ہے مجھے — لبِ عیسیٰ کے ہے مانند لبِ جامِ شراب
موجِ مے سے ہے عیاں موجِ تبسم کی ادا — محفلِ یار میں دیکھو طربِ جامِ شراب
سچ ہے طالب کو نہیں یار سے ملنا دشوار — میکدے تک مجھے لائی طلبِ جامِ شراب
رات بھر دور رہا ہے نہیں کھلتا نہ کھلے — اہلِ محفل پہ ہے چھائی طربِ جامِ شراب
کبھی پیمانۂ رحمت، کبھی سرشارِ ازل — میرے نزدیک یہ دو ہیں لقبِ جامِ شراب
اس نے بھیجا ہے مجھے بزمِ عدو کا تحفہ — ہم نشیں خاک بتاؤں سببِ جامِ شراب
دخترِ رز کو دیا پیرِ مغاں نے ساقی — دیکھ کر خوب حسب اور نسبِ جامِ شراب

یہ غزل میں لبِ کوثر پہ پڑھوں گا مائل
قافیہ اس میں غضب کا ہے لبِ جامِ شراب

○

کہتے ہیں عرضِ وصل پہ دوں تجھ کو کیا جواب — جینا ترا عبث ہے خدا دے چکا جواب
کہنے پہ اُن کے رات کو کھینچی جو میں نے آہ — کہتے ہیں بات بات کا دینے لگا جواب
تسکینِ اضطراب ہو یا دم نکل چکے — دے دو نہ ایک بار بھلا یا بُرا جواب

اپنی شبِ فراق کے ٹکڑے اگر کروں
نکلیں روزِ حشر کے بے انتہا جواب

قاصد کا واں گذر نہیں ہوتا کسی طرح
تو ہی مرے پیام کا لا دے صبا جواب

کیا جانے کیا دکھائیں گی یہ سخت جانیاں
آخر کو دے گئی شبِ غم میں قضا جواب

جائیں تو جائیں کیسے بھلا بدگمانیاں
دیتے ہو بات بات کا میری نیا جواب

تسکین ہو تو کیسے ہو دیتا نہیں وہ شوخ
تقریر کا جواب نہ تحریر کا جواب

اُن کی تو اک ادا بھی تغافل ہے اور مجھے
ناصح کی بات بات کا دینا پڑا جواب

ہر شے کی آبرو ہے ترے ہاتھ ورنہ ہو
خونِ شہیدِ ناز کا رنگِ حنا جواب

سائل خدا گواہ محبت کی راہ میں
مرنا بھی لاجواب ہے جینا بھی لاجواب



دیتا نہیں کسی کو بھی تو دل شکن جواب
رکھتا نہیں ہے شیخ ترا مکر و فن جواب

کیا کیا دیے ہیں اُس نے سرِ انجمن جواب
اور لطف یہ کہ ایک نہیں دل شکن جواب

کیسے ہی گل کھلائے نسیمِ بہار تو
سینہ کا عاشقوں کے نہ ہوگا چمن جواب

کیوں داغ تو ہو میرا قیامت میں جلوہ گر
دے دوں گا آفتاب کا داغِ کہن جواب

ہونے کو ہیں بہت لبِ دریائے حسن، چاہ
رکھتا نہیں پر آپ کا چاہِ ذقن جواب

کیوں کر نہ اہلِ دردِ محبت کا ہو رہوں
مانگیں کبھی سوال نہ دیں دل شکن جواب

الفت بھی کیا بلا ہے ہمیں یاد ہی نہیں
کس نے دیے تھے کس کو سرِ انجمن جواب

ٹکڑا کوئی بچا ہے تو رہنے دو یادگار
سو عبرتوں کا ایک ہے میرا کفن جواب

کیونکر کہوں یہ اُس سے کہ میں ہوں شکستہ دل
رکھتی ہے اس کی زلفِ شکن در شکن جواب

اُس نے نقاب الٹ کے سرِ اک شبِ ماہ کو،
بے ساختہ دیا ہے سرِ انجمن جواب

یہ رہ گئی ہے منزلِ مقصود دو قدم
دیتے ہو کس جگہ مجھے اے جانِ من جواب

حیران میری قبر میں منکر نکیر ہیں
دیتے جو ہیں سوال کا تارِ کفن جواب

برسوں ہوئے کہ وادیِ غربت ہے اور ہم
مدت ہوئی کہ دے چکے اہلِ وطن جواب

اے خضر آپ وادیِ غربت میں ڈھونڈ لیں
رکھتے نہیں ہیں ہم سے غریب الوطن جواب

یوسف کے پیرہن نے تو یعقوب کو دیا
یوسف کے رُخ کو دے گا ترا پیرہن جواب

کہتی ہے اُس کو دیکھ کے یہ مجھ سے عندلیب
رکھتا نہیں ہے آپ کا رشکِ چمن جواب

گرتا ہے جھوم جھوم کے ساقی کے پاؤں پر
رکھتا نہیں ہے شیخ کا مستانہ پن جواب

اچھا نہیں کہو مجھے کیونکر یقین آئے
بوسہ کی آرزو کا نہ دے گا دہن جواب

خط کا جواب اُس نے جو بھیجا ہے نظم میں
سننے کو آئے شوق میں اہلِ سخن جواب

خم خانہ زیرِ عرش ہے ساقی کریم ہے
تیرا کہاں ہے اے مئے ناب سخن جواب

وہ دیکھتے ہیں ظرفِ حریفانِ روزگار
دیتے نہیں ہیں صاحبِ ملکِ سخن جواب

ٹوٹے ہیں جب سے دانت یہ آرام ہو گیا
دیتا نہیں ہے کوئی بھی دنداں شکن جواب

مائلؔ سوالِ داورِ محشر ہزار ہوں
دینے کو مستعد ہیں مرے پنجتن جواب



کچھ ہو نہ علاقہ تو کہیں اُس کو خدا کب
ہم اُن سے جدا کب ہیں وہ ہے ہم سے جدا کب

ہر لحظہ نیا رنگ بدلتا ہے زمانہ
کیا جانے کہ ہو گی مری مقبول دعا کب

کس واسطے تکلیف انھیں دیتے ہیں احباب
ہوئی مرضِ عشق کی عیسیٰ سے دوا کب

ملتا نہیں قسمت سے سوا سعی ہو کیسی
اے خضر سکندر نے پیا آبِ بقا کب

بڑھ جائے رسائی میں تری زلف رسا سے
یہ حوصلہ رکھتی ہے مری آہِ رسا کب

یاں شوق یہ کہتا ہے کہ وہ آکے ملیں گے
کیا جانے کہ آئیگا کھلا روزِ جزا کب

تم بات کے پورے ہی وعدے کے سچے
معلوم یہ کس کو ہے کہ آئے گی قضا کب

معلوم نہیں ہم کو بھی وہ ہوش اُڑائے
طے کر گئے ہم راہِ فنا اور بقا کب

خلوت میں ہو جلوت میں تصور میں کہیں ہو
ہوتی نہیں ہاں تم پہ مری جان فدا کب

ناحق ہی مجھے یار پلاتے ہیں مے ناب
ہوتی ہے شبِ ہجر میں اندوہ ربا کب

مضبوط ہوں تھامے ہوئے دامانِ توکل
چھٹتا ہے بھلا جادۂ تسلیم و رضا کب

فریاد کو پہنچے ہیں جب اللہ کے آگے
کیا ہے تمہیں ہائے ترا لطفِ جفا کب

میں نے تو کہا جی میں ہے مر جاؤں کسی روز
کس ناز سے کہتا ہے وہ کافر کہ بھلا کب

یہ لطف ہی کچھ اور ہے، وہ بات ہے کچھ اور
ملتے ہیں فلک سے ترے اندازِ جفا کب

مائل نہ سمجھ پیرِ مغاں کو کبھی غافل
کیا جانے کہ کر بیٹھے ترے حق میں دعا کب



کچھ قیس و کوہکن ہی نہیں ہیں الم نصیب
عاشق تو سب کے سب ہیں زمانے میں غم نصیب

حیراں ہوں خوش نصیب ہوں یا میں ہوں کم نصیب
دم بھر ستم نصیب ہوا دم بھر کرم نصیب

جو پہنچے لامکاں میں ہوئے وہ قدم نصیب
تیرا تو کھل گیا درِ بیت الحرم نصیب

یارب دوئی یہ شیخ و برہمن ہیں ڈالتے
ان کو نہ ہو زیارتِ دیر و حرم نصیب

در پہ ہے اس کے فرشِ جبینِ نیاز کا
کوچہ میں اس کے جمع ہیں دنیا کے غم نصیب

دنیا میں اپنی چیز بھی اپنی نہ جانیے
شداد کو ہوا نہیں باغِ ارم نصیب

شمشیر کیسی جو تری ابرو کو مل گیا
محرابِ کعبہ کو نہ ہوا یہ تو خم نصیب

واللہ بھر کے جام تو دیتے نہیں مجھے
کہتے ہیں بات بات پہ کم بخت بد نصیب

گر زندگی رہی تو دکھا دیں گے ایک دن
ہو کر رہے گی خضر کو راہِ عدم نصیب

جلتا ہوں اس خیال میں جھوٹے ہی کیوں نہیں
ہوتے ہیں کب کسی کو یہ قول و قسم نصیب

ذرے بھی اس کے کوچہ کے خورشید و ماہ سے
کہتے ہیں تم سے بڑھ کے تو رکھتے ہیں ہم نصیب

جب ہم تو جانتے کہ ہیں یہ ہنرگار آپ
ہوتے جنابِ شیخ جو دام و درم نصیب

بھیجا جو میں نے ان کو زبانی پیام کچھ
کہتے ہیں کیا نہیں ہیں دوات و قلم نصیب

ان کے ہی ہاتھ آئی ہے پروا نہیں جنھیں
ہوتی ہر ایک کو نہیں دل کی رقم نصیب

جب تک مری وفا کا نہ آئے اسے یقیں
دنیا میں ہو کسی کو نہ جور و ستم نصیب

اے شیخ ہے جبیں پہ جو زنار سی شکن
ہو کر رہے گا سجدۂ بیت الصنم نصیب

مستی میں مے کشوں نے جو پگڑی اچھال دی
اے شیخ کھل گئے ترے سر کی قسم نصیب

بے مہر و بے وفا مجھے لکھنا اُڑا انھیں　　　القاب ہیں وہ لکھتے ہیں مجھکو ستم نصب

میخانے ہیں تو رہتے ہیں اور دُرد نوش ہیں
پیدا کہاں ہیں حضرتِ سائل سے کم نصیب



ردیف "پ"

بڑھتے جاتے ہیں مرے وہم و گماں آپ سے آپ　　　ملتے جاتے ہیں بہت دل میں جہاں آپ سے آپ
کھلتے جاتے ہیں جو کچھ رازِ نہاں آپ سے آپ　　　نظر آتے ہیں تماشائے جہاں آپ سے آپ
کیوں نہ توبہ ہو مری بحرِ تو غریقِ رحمت　　　مہرباں مجھ پہ ہوا پیرِ مغاں آپ سے آپ
جستجو ان کی کہاں منزلِ مقصود کہاں　　　تھک کے رہ جائیں گے یہ وہم و گماں آپ سے آپ
لے لیا ان کے سرِ انداز و ادانے دل کو　　　اب اٹھانا ہی پڑا نازِ بتاں آپ سے آپ
کیا کروں جا کے چمن میں کہ وہاں تو مجھکو　　　یاد آئے گا کوئی غنچہ دہاں آپ سے آپ
دیکھ کر حالِ چمن دل نہ بھر آئے کیونکر　　　یہ تو مانا کہ نہیں آئی خزاں آپ سے آپ
شمع کے شعلہ پہ پروانہ جلا کرتا ہے　　　جلتے رہتے ہیں ترے سوختہ جاں آپ سے آپ
راہِ الفت میں کمر باندھ کے دل چل نکلا　　　دیکھنا ہے کہ پہنچتا ہے کہاں آپ سے آپ
جانتا ہوں کہ یہ تیرے ہیں کرشمے اے عشق　　　کہ زمانہ ہے مرا دشمنِ جاں آپ سے آپ
جب یہ ٹھہری کہ اسی کے ہیں کرشمے سارے　　　بن گیا حسنِ بتاں جانِ جہاں آپ سے آپ
ہو گیا روزِ جزا خون ہمارا ثابت　　　پڑ گیا دامنِ قاتل پہ نشاں آپ سے آپ
کہہ ہی جاتا ہوں اُدھر کی کبھی کچھ پردے میں　　　ہو ہی جاتا ہے کبھی کچھ تو بیاں آپ سے آپ
نامہ بر خیر تو ہے کیوں ہے یہ حالت تیری　　　بات کرنے میں پلٹتا ہے زباں آپ سے آپ
جو گیا داغ بنا دے ہی گیا ہے دل پہ　　　ذرے ذرے سے ہے خورشید عیاں آپ سے آپ
خوابِ راحت میں اگر ان کے ذرا فرق آیا　　　مان جائیں گے مرا شورِ فغاں آپ سے آپ

قطع ہوں مائلِ میکش تو جناب واعظ
مے فروشی کی کریں کیوں نہ دکاں آپ سے آپ



نامہرباں تھے غیر پہ یا مہرباں تھے آپ — پر میرے حق میں تو ستمِ آسماں تھے آپ
کہتا ہے کون آپ کو مرتے تھے غیر پر — کچھ تھا سخن کا پاس تو کچھ مہرباں تھے آپ
کیوں ساتھ ساتھ آپ کے آئی مری اجل — میرے لیے تو زندگیِ جاوداں تھے آپ
سمجھے ہوئے تھے کیا مجھے پروانے سے بھی کم — لیتے جو انجمن میں مرا امتحاں تھے آپ
میرا ہی تھا فسانہ کہ مجنوں کا قصہ تھا — سنتے تو رات کو بھی کوئی داستاں تھے آپ
گویا تھے بے خبر مری وحشت سے آج تک — کہتے ہو اس طرح سے کہ تھے کہاں تھے آپ
اے خضر جس کو دیکھیے ہے رہنمائے خلق — وہ دن گئے کہ رہبرِ ہر کارواں تھے آپ
ہر حال میں مجھے تو شکایت ہے آپ سے — معشوق تھے کبھی تو کبھی آسماں تھے آپ
مجھ کو بٹھا کے پاس یہ کہتے ہیں غیر سے — کچھ حال پر ہمارے کبھی مہرباں تھے آپ
یک لخت اس کو صرصرِ غم نے مٹا دیا — جس لالہ زارِ دل کی بہار و خزاں تھے آپ
وہ دن کہاں سے لاؤں کہ مرنے پہ غیر کے — خلوت میں انجمن میں مرے ہم زباں تھے آپ
ڈھونڈھا تمام رات نہ پایا کہیں نشاں — دل میں تھے غیر کے کہ سرِ لامکاں تھے آپ
تھی بزمِ غیر رات کو آنکھوں کے سامنے — میرے ہی دل میں آپ تھے گویا جہاں تھے آپ
وعدے کیے تھے میں نے ہی جھوٹا بھی میں ہی ہوں — حیلے تھے نازکی کے مجھے ناتواں تھے آپ
تعظیم ہم پہ فرض ہے ہم بادہ خوار ہیں — واعظ کسی زمانے میں پیرِ مغاں تھے آپ
دل کا مرے برا ہو کہ اس نے بنا دیا — کچھ جانِ جاں بنے تھے کہ جانِ جہاں تھے آپ
ہر ہر ادا کے ساتھ کل آئنہ خانہ میں — بسمل کبھی تھے ہم تو کبھی نیم جاں تھے آپ
یہ ہی دلِ شکستہ کبھی جلوہ گاہ تھا — یہ دل وہی ہے جس میں کبھی میہماں تھے آپ
الٹی نقاب کیا کہ سب اسرار کھل گئے — کیا جانے کب سے دل میں ہمارے نہاں تھے آپ
ہیں رند بادہ خوار جو واعظ نگاہ میں — کیا در پہ میکدے کے کبھی پاسباں تھے آپ

یہ تو کسی کی آگ لگائی ہوئی سی ہے
مجھکو نہ وہم تھا نہ کبھی بدگماں تھے آپ

مائل گیا جو خدمتِ پیرِ مغاں میں آج
کہنے لگے کہ آیئے حضرت کہاں تھے آپ



یہ تابِ حسن سے عالم ہے جیسے آب میں سانپ
بنا دیے ہیں مصور نے جو نقاب میں سانپ

لکھے ہیں وصف میں زلفوں کے خط میں چند اشعار
عجب نہیں ہے کہ وہ بھیجدیں جواب میں سانپ

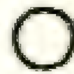
اٹھا ہوں جب سے تصور ہے زلفِ پیچاں کا
خدا دکھائے نہ ہرگز کسی کو خواب میں سانپ

پسِ نقاب کچھ اس ڈھب سے پیچ و تاب میں ہے
یہ زلفِ یار ہے یارب کہ ہے حجاب میں سانپ

تمہارے عاشقِ گیسو میں مبتلا جیسے
مجال کیا ہے اس طرح سے عذاب میں سانپ

رہا جو دل میں تصور کسی کی زلفوں کا
کبھی نہ ہاتھ سے لپٹے مرا شباب میں سانپ

وہ زہر نوش ہوں مائل کہ کچھ اثر نہ کرے
جو پینچ دے کوئی دشمن مری شراب میں سانپ



ردیف "ت"

یہ درد وہ ہے کہ اس سے شفا کو کیا نسبت
مریضِ عشق سے تیرے دوا کو کیا نسبت

وہ مجھ سے کہتے ہیں نازِ ستمگری دیکھو
ہمارے جور سے تیری وفا کو کیا نسبت

یہ خاص خاص دلوں کے لیے بنائی ہے
نگاہِ ناز سے تیرِ قضا کو کیا نسبت

تصورِ لبِ رنگیں میں رو رہے ہیں ہم
ہمارے اشک سے رنگِ حنا کو کیا نسبت

شراب خانے کے در پر ہیں لاکھ واعظ سے
جنابِ پیرِ مغاں سے گدا کو کیا نسبت

تمہارے رُخ سے خدا تک رسائی ہو اکی
تمہاری زلف سے آہِ رسا کو کیا نسبت

خدا کے علم میں شاید کہ طول ہو اُس کا
شبِ فراق سے روزِ جزا کو کیا نسبت

یہ تیغ وہ ہے کہ چلتی ہے ایک عالم پر
ادائے ناز سے شرم و حیا کو کیا نسبت

ہوا لگی نہیں دنیا میں رہ کے دنیا کی
ہمارے قلب سے حرص و ہوا کو کیا نسبت

بنا نہیں ہے وہ اہلِ نیاز کے قابل
زمیں کے فرش سے عرشِ خدا کو کیا نسبت

یہ تیرے جور سے ساتوں فلک ہیں کہہ اٹھے
کہ اس جفا سے ہماری جفا کو کیا نسبت

کبھی جو آتے ہیں واعظ تو دل میں کہتا ہوں
شراب خانے سے اہلِ ریا کو کیا نسبت

ہوا ہوں کیا ہی پشیمان بے وفا کہہ کے
کہا جو اس نے کہ ہم سے وفا کو کیا نسبت

خدا کی یاد میں مرنا ہے خوب، جینے میں
بتوں کی یاد سے یادِ خدا کو کیا نسبت

مریدِ پیرِ مغاں ہے نہ بادہ کش واعظ
شراب خانے سے اُس پارسا کو کیا نسبت

دل و دماغ ہے روشن اُسی کے جلووں سے
شرابِ ناب سے آبِ بقا کو کیا نسبت

ہماری قبر پہ اُس نے کرم ہے فرمایا
ہماری خاک سے اب کیمیا کو کیا نسبت

شراب خانے میں مائلؔ تو کل ہی آیا ہے
دمِ مسیح سے اس کی دعا کو کیا نسبت



کھولے سے کبھی کھلتے نہیں اسرارِ محبت
ہیں پیچ و خم طرۂ طرارِ محبت

پائے تو بہت ہم نے خریدارِ محبت
دیکھا نہ جہاں میں کوئی بازارِ محبت

اُس کا ہے غضب طالعِ بیدارِ محبت
وہ جس سے کہ کر لیتے ہیں اقرارِ محبت

ہوتی ہی نہیں حلقۂ گیسو سے رہائی
گویا کہ ازل سے ہوں گرفتارِ محبت

یہ آگ لگانے کا نیا ڈھب ہے نکالا
ہر ایک سے کر لیتے ہیں اقرارِ محبت

ناصح کو جوانی کبھی آئی ہو تو جانے
ہوتا ہے اسی عمر میں آزارِ محبت

داغوں کے جو تختے ہیں تو زخموں کے چمن ہیں
دل سے ہے جگر تک مرے گلزارِ محبت

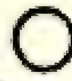
اچھا نہ کیا کام، جتایا جو اُسے عشق
لائے گا کبھی رنگ یہ اظہارِ محبت

کہتے ہیں اسے ضبط کہ بس مر ہی گئے ہم
چہرے سے نہ ظاہر ہوئے آثارِ محبت

لب پر ہے اگر نالۂ مستانہ عجب کیا
دل میں ہے مرے خانۂ خمارِ محبت

کچھ ان میں نہیں شیخ و برہمن کے سے جھگڑے　　　یک دل ہیں سبھی کافر و دیندارِ محبت

اتنا بھی نہیں اور کوئی اب تو جہاں میں
زندہ ہی رہے مائلِ میخوارِ محبت



گر جنوں میں ہے یہی دیدۂ تر کی صورت　　　تو بنی ہے نہ بنے گی کبھی گھر کی صورت

نظر آئے گی نہ دوزخ میں شرر کی صورت　　　ہے اسی رنگ پہ گر دیدۂ تر کی صورت

لامکاں ایک نئی شان کا دیکھا ہے مقام　　　نہ بیابان کا عالم ہے نہ گھر کی صورت

نہ الجھتا نہ الجھتا کبھی مجھ سے ناصح　　　دیکھ لیتا جو کسی رشکِ قمر کی صورت

پند کا حضرتِ ناصح کی اثر ہو کیونکر　　　آدمیت ہی نہ ان میں نہ بشر کی صورت

دل لگے خاک مرا خلدِ بریں میں یارب　　　میری آنکھوں میں ہے پھرتی کسی گھر کی صورت

میں سمجھتا ہوں کہ ہے کوچۂ دلدار یہی　　　دیکھ لیتا ہوں جہاں اہلِ نظر کی صورت

اب وہ آئیں بھی تو کیا ہے وہ زمانہ نہ رہا　　　نہ وہ ہم ہیں نہ وہ دل ہے نہ وہ گھر کی صورت

شکر کرتا ہوں بہت بے ہنری پر اپنی　　　دیکھتا ہوں جو کسی اہلِ ہنر کی صورت

ایسے دھوکے میں ہم آئے ہیں نہ آئیں گے کبھی　　　لاکھ جنت ہو ترے راہگذر کی صورت

ہم تو اس بات پہ مرتے ہیں کہ صورت ہی نہ ہو　　　کوئی پیدا تو ترے دل میں مگر کی صورت

وہ ہیں اور بزمِ عدو ان کی طرف سے کوئی　　　ہمہ تن داغ بنے داغِ جگر کی صورت

جان دیتے ہی رہے ہم تو حسینوں پہ سدا　　　ہم کو سوجھی ہی نہیں سود و ضرر کی صورت

کوئی پوچھے کہ نہ پوچھے غمِ دل کا عالم　　　کہے دیتی ہے مرے دیدۂ تر کی صورت

لاغر اتنا ہوں عدم تک مجھے ڈھونڈھا کی اجل　　　نظر آیا ہی نہیں تیری کمر کی صورت

سر جھکائے ہی رہے تیرے تصور میں مدام　　　ہم نے دیکھی ہی نہیں شمس و قمر کی صورت

عشق رکھتے ہیں تو پہلو میں بٹھالیں گے بتیں　　　زندگی ہے تو دکھا دیں گے اثر کی صورت

محتسب آ ہی گیا جام و سبو اٹھ ہی گئے　　　ابر برسا ہی کیا دیدۂ تر کی صورت

دیکھ کر تو نے لگایا ہے کہ ناوک بھی ترا　　　دل میں بیٹھا ہے مرے تیرِ نظر کی صورت

کوئی پوچھے کہ کہاں جاؤ گے بس اس خاطر　　　ہم بنائے ہوئے پھرتے ہیں سفر کی صورت

حور و غلماں پہ کبھی جان نہ دینا واعظ　　تو نے دیکھی ہی نہیں ہائے بشر کی صورت
وہ نہ آئے ہیں نہ آئیں گے کبھی جذبۂ دل　　کوئی نکلی ہے نہ نکلے گی اثر کی صورت
وہی ہم ہیں وہی ساماں مگر آتے ہی ترے　　آپ سے آپ بدل جاتی ہے گھر کی صورت
یاس سی یاس برستی تھی پڑی آخرِ شب　　یاد ہے یاد مجھے شمعِ سحر کی صورت
دیکھ لو پھر نظر آئے گی نہ دنیا میں کبھی　　مجھ سے آشفتہ سر و خستہ جگر کی صورت

عمر بے سود ہی کھویا کیے مائل افسوس
کوئی نکلی نہ اِدھر کی نہ اُدھر کی صورت



قامت ہے ترے کیوں نہ گھٹے شانِ قیامت　　ہر فتنۂ قامت ہے دل و جانِ قیامت
رفتار جو آفت ہے تو گفتار غضب ہے　　یہ جانِ قیامت ہے وہ ایمانِ قیامت
کیا دستِ زلیخا میں رہے دامنِ یوسف　　رہتا ہے کہیں ہاتھ میں دامانِ قیامت
محشر میں کہیں گے ترے کشتوں کو ملائک　　وہ آئے قیامت میں شہیدانِ قیامت
کیا خاک نکالوں دلِ وحشی کے میں ارماں　　دل سے بھی تو ہے تنگ بیابانِ قیامت
وہ جلوہ دکھایا کہ نہ دیکھا نہ سنا تھا　　جنت میں نہ بھولوں گا یہ احسانِ قیامت

مائل نہ پڑھا شعر غزل کے کہیں تجھکو
کہنے نہ لگیں یار غزلخوانِ قیامت



کس منہ سے کروں میں تنِ عریاں کی شکایت　　داماں کی شکایت نہ گریباں کی شکایت
دم بھر کبھی نہ ٹھہرا دلِ مضطر میں ہمارے　　تا حشر رہے گی ترے پیکاں کی شکایت
اتنا بھی تغافل نہیں اچھا کہیں ہم کو　　کرنی نہ پڑے سوزشِ پنہاں کی شکایت
ناصح مجھے مرنا نہیں جو لاؤں زباں پر　　خاکم بدہن کوچۂ جاناں کی شکایت
ہم ننگ سمجھتے ہیں فلک سے بھی الجھنا　　ہم سے نہ سنو گے کبھی درباں کی شکایت
واعظ یہ کہا کیا کہ نہیں درد و الم واں　　[illegible] بیہودہ یہ ہے روضۂ رضواں کی شکایت

کیسا ہی کھٹکتا ہے دل میں مرے پیکاں
مجھ سے تو نہ ہوگی کبھی مہماں کی شکایت

امیدِ مسیحائی میں گو مر ہی گئے ہم
لائے نہ زباں پہ لبِ جاناں کی شکایت

تقدیر کے اُلجھاؤ جو تقریر کو مل جائیں
پھر مجھ سے سنو زلفِ پریشاں کی شکایت

سمجھا ہی نہیں ہائے وہ مضمون مرے خط کا
لکھنی ہی نہ تھی زلفِ پریشاں کی شکایت

اللہ رکھے میرے تصور کو سلامت
مجھ کو تو نہیں ہے شبِ ہجراں کی شکایت

کہتے ہیں وہ سن کر مری آشفتہ بیانی
دل میں ہے ترے زلفِ پریشاں کی شکایت

لا کر ہی رہی رنگ گراں جانیِ عاشق
خنجر کی زباں پہ ہے رگِ جاں کی شکایت

روکا ہے کسے اُس نے یہ دامن بھی ہے حاضر
کیوں دستِ جنوں کو ہے گریباں کی شکایت

جو اُس کے ہیں یکساں ہیں انھیں راحت و تکلیف
یوسف نے نہ کی خانۂ زنداں کی شکایت

دم بھر میں بگڑتے ہو تو دم بھر میں ہو بنتے
کیا تم سے بھلا زود پشیماں کی شکایت

ہوں تنگ مگر واقفِ آدابِ جنوں ہوں
میں کفر سمجھتا ہوں بیاباں کی شکایت

کھنچتا ہے صنم خانہ سے کعبہ کو مرا دل
کیونکر نہ ہو واعظ مجھے ایماں کی شکایت

تقدیر کو روتی ہوئی پھرتی ہے زلیخا
یوسف کا گلہ کچھ ہے نہ زنداں کی شکایت

میخانہ میں رکھتے ہی قدم حضرتِ واعظ
سب بھول گئے گبر و مسلماں کی شکایت

کہتی ہے تری چشم کی گردش مرے ہوتے
کوئی نہ کرے گردشِ دوراں کی شکایت

جاتے تو ہو کعبہ کو خدا کے لیے مائل
کرنا نہ کسی دشمنِ ایماں کی شکایت



ردیف "ٹ"

ناز کرتا ہے ساقی مے پلا کر ایک گھونٹ
میکشوں کی ہے نظر میں حوضِ کوثر ایک گھونٹ

کیوں مجھے تو قتل کرتا ہے خدا کے واسطے
مانگتا ہوں میں تو پانی اے ستمگر ایک گھونٹ

رنگ کیا کیا لا رہا ہے ایک قطرہ خون کا
کیا غضب ہوتا جو ہوتا دل کے اندر ایک گھونٹ

بزمِ دشمن سے اُٹھایا اس بہانے سے مجھے
تم چلو آتا ہوں میں حقّہ کا پی کر ایک گھونٹ

غم کی خاطر کیا کروں میں مجھ میں شاید ہو تو ہو
خونِ دل خونِ جگر دونوں ملا کر ایک گھونٹ

غم تو پیاسا خون کا ہے تن بدن میں ایک بوند
میں کہاں سے لاؤں یا رب دل کے اندر ایک گھونٹ

کس کی خاطر ہو رہی ہے کون یا رب آ گیا
پیتے پیتے لے گیا ساقی بچا کر ایک گھونٹ

میکدے میں یاد آئی کس کی چشمِ مست کی
شیخ صاحب نے پیا جو آہ بھر کر ایک گھونٹ

مسجدِ جامع میں ہنگامہ ہے واعظ آؤ بھی
پینے جاؤ میکدہ ہے دو قدم پر ایک گھونٹ

وہ بجھا دیں پیاس کیونکر تشنگانِ عشق کی
آبِ پیکاں ایک قطرہ آبِ خنجر ایک گھونٹ

آج ہیں عالم میں آثارِ شبِ قدر آشکار
آج اے ساقی پلا دے روح پرور ایک گھونٹ

مے پلاتا ہے اگر ساقی پلا دے خم کے خم
رات بھر رکھے گا میرے سر میں چکر ایک گھونٹ

ایک بھی یارانِ میکش سے نظر آتا نہیں
حلق سے اُترے مرے اللہ کیونکر ایک گھونٹ

حضرتِ پیرِ مغاں نے خم حوالے کر دیا
جب کہا واعظ نے آ کر بندہ پرور ایک گھونٹ

آج کیا ہے بزمِ مے میں وہ نظر آتے نہیں
جو دیا کرتے تھے مجھکو مسکرا کر ایک گھونٹ

کہتی ہے تابِ دُرِ دنداں دہن میں یار کے
کب میسر ہے کسی کو آبِ گوہر ایک گھونٹ

مجھ سے لاکھوں تشنہ لب کوچے میں اُس کے مر گئے
مل گیا قسمت سے مجھ کو آبِ خنجر ایک گھونٹ

ہیں اُنہیں کے دم قدم سے دو جہاں کی مستیاں
وہ جو پچھلی رات کو پیتے ہیں اُٹھ کر ایک گھونٹ

عاشقانِ تشنہ لب میں آبرو رہ جائے گی
وقتِ آخر مل گیا گر آبِ خنجر ایک گھونٹ

پینے والوں سے سُنا ہے ہے اثر میں ایک سا
آبِ حیواں ایک چشمہ آبِ ساغر ایک گھونٹ

تیرِ جاناں تشنہ لب آیا تو آئے کیا کروں
کب سماتا ہے لہو کا دل کے اندر ایک گھونٹ

توبہ کر لو شیخ صاحب بس خدا کے واسطے
مست ہو جاتے ہو پی کر بندہ پرور ایک گھونٹ

کم ہوئے ہوں گے قدح نوشوں میں ہم سے کم نصیب
ہم کو ساقی بھی دیا کرتا ہے اکثر ایک گھونٹ

پھر نہ پینا حضرتِ واعظ شرابِ ناب کو
دھو نہ ڈالے گر ریاکاری کے دفتر ایک گھونٹ

اس پہ بھی یا ساقیِ کوثر کرم فرمائیے
مانگتا ہے آفتابِ روزِ محشر ایک گھونٹ

ہے سفرِ کعبہ کو مائل ساتھ رکھو تو خم کے خم
راہ میں پیتے چلیں گے ہر قدم پر ایک گھونٹ



ردیف "ث"

اُن سے تو ہے شکایتِ جور و جفا عبث
کہتے ہیں بات بات پہ الفت ہے کیا عبث

میں نے جو بات بات پہ کی اُن سے التجا
کہنے لگے سمجھ گئے ہے مدعا عبث

بیتی شبِ فراق کو لو آ گئی اجل
میں انتظارِ یار میں مرتا رہا عبث

مانا کہ تھا وہ اپنی ہی تقدیر کا گلہ
سچ پوچھیے تو آپ سے شکوہ کیا عبث

آنا ہی تیرے پاس کہ مرنا ضرور تھا
تکلیف کر کے آئی ہے تو اے قضا عبث

وہ ناز وہ ادائیں خدا جانے کیا کریں
اے دل امیدوارئِ روزِ جزا عبث

اُس کے خیالِ زلف میں وحشت تو دیکھنا
ناصح کو چھیڑ چھیڑ کے اُلجھا کیا عبث

اللہ رے بے نیازی کہ پرسش ہی کچھ نہیں
جو کچھ تمام عمر میں ہم نے کیا عبث

واعظ گئے جو آپ تو فرمائیں گے یہی
امید پر بہشت کی تقویٰ کیا عبث

ہمت ہے عشق کی تو جفا کا گلہ غلط
طاقت جو صبر کی ہے تو آہِ رسا عبث

حضرت کے رنگ ڈھنگ کو ہم جانتے ہیں خوب
مائل ہمارے آگے بنے پارسا عبث



گُل ہی سے اُس کی ہوتی نہیں دلکشی عبث
یہ سرکشی بھی تیری ہے سروِ سہی عبث

جھگڑے ہیں کفر و دین کے تو واعظ سبھی عبث
کم بخت ان میں پڑ کے نہ کھو زندگی عبث

مہمان اس چمن میں ہے گل ایک رات کا
ہے عندلیبِ زار تجھے دل کی لگی عبث

ہر جام پر ہو ساقیِ کوثر کی دل سے یاد
توبہ کا ہے خیال تو ہے مے کشی عبث

تاثیر کچھ نہ کچھ تو دکھا جائے گا ضرور
نالے کا کھینچنا تو نہ ہوگا کبھی عبث

کیا جانے کس خیال میں جیتا ہوں ہجر میں
ہر چند جانتا ہوں کہ ہے زندگی عبث

لکھی رو در حرم پہ خدا ہی کی کیوں نہ ہو
دل سے اگر نہیں ہے تو ہے بندگی عبث

جیتے رہے تو ہاتھ سے اسکے ہوئے شہید
تھا یہ غلط خیال کہ ہے زندگی عبث

کرتا اگر نہ شکوہ تو سنتا نہ یہ جواب
تابِ جفا نہیں ہے تو ہے عاشقی عبث

حصّہ میں عاشقوں کے نہ آئی تمام عمر
مخلوق میں خدا کی ہے گویا خوشی عبث

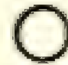
کیا جانئے کس کی لو ہے اسے تو لگی ہوئی
پروانہ کی ہے شمع سے دل بستگی عبث

جس حال میں جہاں ہوں خدا میرے ساتھ ہے
کیوں گھیرتا ہے مجھ کو غمِ بیکسی عبث

حرمت کا تیری ذکر ہے قرآں میں دخترِ رز
کرتا ہے محتسب تری بے حرمتی عبث

دونوں جہاں کی فکر سے ہوں دور تر کہیں
اچھی کہی یہ شیخ کہ ہے بیخودی عبث

تم جیسے اس نے خاک میں لاکھوں ملا دیئے
تم کس پہ مر رہے ہو محمد تقی عبث



ردیف ج

برسا رہی ہے خوں مژہ اشکبار آج
شرمندہ ہو رہا ہے ترا پردہ دار آج

دن سے بڑھی ہوئی ہے شبِ غم میں روشنی
جلوے دکھا رہا ہے دلِ داغدار آج

دشوار ہے کہ شام بھی پکڑے مریضِ عشق
ہیں چارہ ساز گرمِ فغاں بار بار آج

اب دیکھیے کہ حشر کے حصے میں کیا رہے
کچھ فتنے اٹھ رہے ہیں سرِ رہگذار آج

اب چھیڑتے ہیں قصۂ زلفِ درازِ یار
دیکھیں گے ہم بھی طولِ شبِ انتظار آج

ناصح کی ہے تلاش کہاں ہے ادھر تو آئے
کیا مست چل رہی ہے نسیمِ بہار آج

مائل کہ ایک عمر سے تھا نذرِ درد و غم
دیکھو کہ مر گیا ہے نہ انجام کار آج



ٹھہری محتسب سے دوبدو آج
جو آتا میکدے میں شیخ تو آج

نہ وہ جنون نہ وہ شرم و حیا ہے
ہوا ہے تو کسی کے روبرو آج

بنا ہے مشک نافہ جو دہنِ شیخ
کہاں پی ہے شرابِ مشک بو آج

کہوں کیا حال اپنے زخمِ دل کا
ہوا ہے لاکھ جا اس میں رفو آج

منائے گا مزے سے عید واعظ
دیا ہے بھر کے ساقی نے سبو آج

ہوئی اے چارہ گر آخر شبِ وصل
گریبانِ سحر میں کر رفو آج

لگی لپٹی نہ رکھی ہم نے کچھ بھی
غرض کی خوب اُن سے گفتگو آج

نمازِ عاشقاں کی، کی ہے نیت
تبرّک ہے مرا آبِ وضو آج

دلا دو یاد تو مجھکو ذرا تم
کہ کب کی کرنے بیٹھے گفتگو آج

یہ تھا کل صاحبِ میخانہ مائل
لیے بیٹھا جو ہے خالی سبو آج



سنا ہے، ہے وہ ہم بزمِ عدو آج
گئی قاصد کی میرے آبرو آج

نہ ہو کل کا سا خونِ آرزو آج
ذرا امداد کر اے آہ تو آج

ادائے تیغِ قاتل گر یہی ہے
رہے گی چاٹ کر میرا لہو آج

نہ دیکھا سجدہ کرتے پاسباں نے
خدا نے خوب رکھ لی آبرو آج

نہ تھی کل تک تو اے ہمراز یہ بات
اثر کرتی ہے تیری گفتگو آج

سمجھ لوں وعدۂ فردا ہے سچا
بگڑ جائے اگر دشمن سے تو آج

رکھیں کیوں فکرِ فردائے قیامت
چلو کر لیں نہ اُن سے گفتگو آج

خدا جانے کہ کل تک کیا ہو اُس کی
جو کرنی ہے تو کر لیں جستجو آج

اُٹھیں یہ فکر تھی روزِ قیامت
نظر آئے نہ مجھ سا خوبرو آج

لگا وہ زخمِ دامن دار دل پر
نہیں ممکن کہ ہو جائے رفو آج

نہ پایا اس کو کیفیت سے خالی
جو کی مائلؔ سے ہم نے گفتگو آج



وہی لختِ دل زیبِ مژگاں ہے آج
وہی پارہ پارہ گریباں ہے آج

وہ آئیں یہ دشوار ہے حشر تک
اگر حشر چاہوں تو آساں ہے آج

وہی غیر ہیں کل وہی انبساط
مجھے قتل کر کے پشیماں ہے آج

نہ چھیڑو کہ دل غم سے لبریز ہے
جو قطرہ بھی ٹپکا تو طوفاں ہے آج

تجلی سے بڑھ کر ہے سایہ میں نور
وہ خود حُسن پر اپنے حیراں ہے آج

وہ مائلؔ کہ کل تھا پڑا دَیر میں
غضب ہے کہ کافر مسلماں ہے آج



جس کو کہ کہہ گئے ملک الموت لاعلاج
ایسے مریضِ غم کا ہو عیسیٰ سے کیا علاج

اللہ رے حکیم کا برسوں رہا علاج
سچ کہتے ہیں کہ ہے مرضِ عشق لاعلاج

یادِ بتاں علاج نہ یادِ خدا علاج
آزارِ توبہ کا نہیں مے کے سوا علاج

آزارِ عقل و ہوش کا اے حضرتِ مسیح
سودائے زلفِ یار نے اچھا کیا علاج

مجبورِ وصلِ یار کی کوئی پڑی دُعا
ناچار جانِ زار کا کرنا پڑا علاج

کیونکر مرا نہ صحبتِ مجنوں میں دل لگے
دردِ آشنا کا کرتے ہیں دردِ آشنا علاج

کہتے ہیں ہاتھ نبض پہ رکھتے ہی اب تو
جور و ستم علاج نہ مہر و وفا علاج

بڑھ کر مرض سے یہ ہے مصیبت کا سامنا
جو ہے وہ پوچھتا ہے کہ کیا کیا کیا علاج

کہتے ہیں میری نعش پہ بے موت مر گیا
کر لیتے اس مریض کا ہم بے دوا علاج

دے دے کے جھڑکیاں مجھے کہتے ہیں غیر سے
کم بخت بے حیا کا کروں گی تو کیا علاج

قسمت میں چارہ سازی اک یہ بھی داغ تھا
صحت نہ تھی نصیب میں اُلٹا پڑا علاج

عیسیٰ کی جس کے دم سے ہوا ہے بندھی ہوئی
اُس کے مریضِ غم کا کریں گے وہ کیا علاج

ذرّے نے خاکِ پائے رسولِ کریمؐ کے
مائلؔ سے روسیاہ کا اچھا کیا علاج



ردیف "چ"

جانتا ہوں تجھے خدا سچ مچ — ہے تجھی پر تو آسرا سچ مچ
بے سبب کیوں ہوئے خفا سچ مچ — کوئی نالہ مرا سنا سچ مچ
یوں نکلتے نہ میکدے سے شیخ — آپ ہوتے جو پارسا سچ مچ
جوشِ وحشت میں زلفِ لیلیٰ کا — قیس سمجھا نہ مدعا سچ مچ
کیا کہوں آہ کہہ نہیں سکتا — آپ اپنا ہی ماجرا سچ مچ
اک نگہ نے تری زمانہ کو — کر دیا درد آشنا سچ مچ
ہوتے یاروں میں بادہ خواروں کے — شیخ ہوتے جو باصفا سچ مچ
اُس کے آتے ہی کہہ اُٹھا کعبہ — اب بنا خانۂ خدا سچ مچ
شبِ فرقت میں زندگی تو ہے — سو بلاؤں کی اک بلا سچ مچ
ہو گئے ہم نشیں، سب عنقا — اس زمانے میں باوفا سچ مچ
میں بھی حیراں ہوں جو مرے حق میں — کہتے ہیں رمز آشنا سچ مچ
میں کہاں اور کہاں درِ مقصود — اُس نے سن لی مری دعا سچ مچ

اس مہینہ میں کعبہ کا مائلؔ
کیا ارادہ ہے آپ کا سچ مچ



ردیف "ح"

برہم ہے رُخ پہ طرۂ طرّار کس طرح
ہو جائیں ایک کافر و دیندار کس طرح

اے شوقِ پائے بوس نہ اتنا بھی کر ذلیل
پاؤں پہ گر پڑوں سرِ بازار کس طرح

سنبھلے کبھی نہ جن سے تہِ الکت تیغِ ناز
کیا جانے وہ لگاتے ہیں تلوار کس طرح

یاں شوق تاک جھانک کا واں بدگمانیاں
پھر ہو نہ بات بات پہ تکرار کس طرح

مانا کہ فتنہ گر ہے مگر پھر بھی دوست ہے
کھینچے وہ میرے قتل پہ تلوار کس طرح

دل میں غرورِ حُسن ہے آنکھیں ہیں مستِ ناز
جانے تو تم کو کوئی وفادار کس طرح

درباں سے ڈر کے دُور تو بیٹھا ہوں دیکھیے
آتا ہے پیش سایۂ دیوار کس طرح

تجھ سا کوئی کریم نہ تجھ سا کوئی رحیم
جائیں تو تیرے در سے گنہگار کس طرح

جو ہیں ستم شعار وہ دبتے ہیں تجھ پہ جان
تجھ سا جہان میں ہو ستمگار کس طرح

آئی نہ عمر بھر دلِ ناشاد ۔ باد ہی
آنے کا کر گئے تھے وہ اقرار کس طرح

کہتے ہیں آ کے قبر پہ شوخی تو دیکھیے
ہاں آپ کا ہے اب دلِ بیمار کس طرح

رفعت پسند کر کے ملاتا ہے خاک میں
دیتا ہے آسمان بھی آزار کس طرح

گرتی ہے یاں نہ برق نہ ہے خوفِ باغباں
آئے رہ قفس میں یادِ گلزار کس طرح

گویا کہ جانتے نہیں یوں پوچھتے ہیں وہ
بیٹھا ہوا ہے تو پسِ دیوار کس طرح

اک عمر ہو گئی ہے ہمیں اس خیال میں
لائے ہیں اس کو دام میں اغیار کس طرح

ساقی وہ حور وش ہو تو پینے سے مے کے شیخ
دیکھیں تو آپ کرتے ہیں انکار کس طرح

پیرِ مغاں کا شوق ہے رہبر بنا ہوا
بھولوں گا راہِ خانۂ خمّار کس طرح

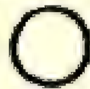
ملت میں عاشقوں کی تو آزار کفر ہے
پھونکے کسی کو آہِ شرربار کس طرح

حیران میں بھی ہوں کہ دلِ بوالہوس کو وہ
پامال کر گئے دمِ رفتار کس طرح

دُشمن ہے آسمان تو سامانِ عیش کا
ڈالی بنائے خانۂ خمّار کس طرح

مجھ سے تو ہجرِ یار میں ہوتی نہیں ہے آہ | کرتا ہے نالہ مرغِ گرفتار کس طرح

کٹتی ہے اُس کی عمر عجب بیخودی کے ساتھ
چھوڑے شراب مائلِ میخوار کس طرح



دیتا رہا ہر ایک کو جو دل اسی طرح | روتا رہا ہے میرزا مائل اسی طرح
گر سخت جانیوں کی عنایت یہی رہی | چلتا رہے گا خنجرِ قاتل اسی طرح
آخر بہار پھیر بھی تو آئے گی چارہ گر | پاؤں میں رہنے دو نہ سلاسل اسی طرح
اب کیا گلہ ہو تیرے تغافل کا گل بھی تو | سنتا نہیں ہے شورِ عنادل اسی طرح
واعظ شراب خانے میں آنے لگا تو ہے | یاروں میں ہو ہی جائے گا شامل اسی طرح
آگاہ میرے حال سے تو ہو ہی جائے گا | گر آ گیا کسی پہ ترا دل اسی طرح
عالم کچھ اور ہی نظر آئے گا دیکھنا | تڑپا جو حشر میں دلِ بسمل اسی طرح
مرنے کا جب مزہ ہے کہ وہ بھی یہ کہہ اٹھے | دیتے ہیں جان عاشقِ کامل اسی طرح
ذکرِ بتاں نہ چھیڑ مرے آگے ہم نشیں | پہلے بھی جا چکا ہے مرا دل اسی طرح
خنجر کے کند ہونے کی یا رب دعا کروں | بیٹھا رہے جو سینہ پہ قاتل اسی طرح
پہلا ہی مرحلہ ہے دمِ نزع جی نہ چھوڑ | چلنا ابھی تو ہے کئی منزل اسی طرح
وہ آتے آتے غیر کے کہنے سے پھر گئے | ہوتی ہے سہل بات تو مشکل اسی طرح
دریا سے شرط باندھ کے جی میں ہے ایک روز | روئیں گے بیٹھ کر لبِ ساحل اسی طرح

ناصح سے چھیڑ چھاڑ حسینوں سے تاک جھانک
اپنی تو عمر کٹ گئی مائل اسی طرح



کچھ بات کا ہے طور نہ تقریر کی طرح | ناصح الجھ نہ زلفِ گرہ گیر کی طرح

نئہ حضرتِ ۔ لئہ ۔ دے ۔

بسمل ہوئے ملائکہ نخچیر کی طرح
نالہ گیا جو سوئے فلک تیر کی طرح

یہ عشق کیا بلا ہے کہ کھٹکا گزر گیا
خط لے کے نامہ بر جو گیا تیر کی طرح

کیا جانے ذرّہ ذرّہ سے ہے کون جلوہ گر
حیرت میں اک جہان ہے تصویر کی طرح

اے جذبِ دل یہ کیا کہ وہ آ کر چلے گئے
تاثیر ہونی چاہیے تاثیر کی طرح

اتنی بھی شانِ غیر بڑھانی نہ چاہیے
توقیر کرنی چاہیے توقیر کی طرح

جو کچھ لکھا ہے آپ نے سب دل پہ نقش ہے
مٹتا نہیں کبھی خطِ تقدیر کی طرح

دیکھا جدھر نگاہ اُٹھا کر ادا کے ساتھ
لاکھوں تڑپ کے رہ گئے نخچیر کی طرح

مانیں گے ہم تو جب تری تیغِ نگاہ کو
کر جائے کاٹ غیر پہ شمشیر کی طرح

صورت بنا کے غصّہ کی تیور بگاڑ کے
بوسہ کبھی دیا بھی تو تعزیر کی طرح

کیا مدّعا ہے لطف نہ پاؤں جفا میں بھی
کرتے ہو جور کیوں فلکِ پیر کی طرح

اُس کی نگاہ پھرتے ہی کیا جانے کیا ہوا
تقدیر بدلی جاتی ہے تدبیر کی طرح

واں شوق یہ کہ زلف کا انداز ہو نیا
یا یہ جنوں نئی رہے زنجیر کی طرح

سائلؔ نہ کیونکر اس کی شفاعت پہ ناز ہو
اُمّت جسے عزیز ہو شبیر کی طرح



ردیف "خ"

کیا ہے درباں جو ہوا آپ کا ہم تک گستاخ
اُس کو زیبا ہے جو خسرو و جم تک گستاخ

ایک وہ تھے کہ رہے لطف و کرم تک گستاخ
ایک ہم ہیں نہ ہوئے جور و ستم تک گستاخ

بول کر شیخ و برہمن کی فقط بحث میں ہم
بتکدے سے ہوئے مشہورِ حرم تک گستاخ

طالبِ بادہ نکیرین سے تربت میں ہوا
میں بھی کیا ہوں کہ رہا ملکِ عدم تک گستاخ

نامۂ محبوب کی تسلیم کو جھکتے جھکتے
سر کو پہنچا ہی دیا اُس کے قدم تک گستاخ

سرِ گلشن نے کیا مجھ کو خزاں کی صورت
وائے قسمت کہ ہوا سبز قدم تک گستاخ

ملک الموت نے شداد کو بس آ ہی لیا
جا ہی پہنچا تھا درِ باغِ ارم تک گستاخ

کبھی جنبش نہ ہوئی عرشِ بریں تک نہ ہوئی
نہ ہوا پر نہ ہوا نالۂ غم تک گستاخ

پھر وہی غیر وہی بزم نہ گھبرا ظالم
میرے نالے ہیں فقط میرے ہی غم تک گستاخ

کیسے ناصح سے کریں ہم نہ خوشی کی باتیں
جانتا ہوں کہ یہ ہے رنج و الم تک گستاخ

میرے قابو میں نہیں دستِ جنوں ڈرتا ہوں
کہیں ہو جائے نہ دامانِ صنم تک گستاخ

ظرفِ عالی ہیں نہ دو نرگسِ مستانہ دکھا
تیرے میخوار تو ہیں نشۂ کم تک گستاخ

کیا ہے مائل کا ادب سوئے صنم پشت کیے
بتکدے سے ہے گیا وہ تو حرم تک گستاخ



ردیف "د"

کون اُٹھائے گا ترے لطفِ جفا میرے بعد
کون دیکھے گا یہ انداز و ادا میرے بعد

نہ ہوا راہروِ راہِ فنا میرے بعد
مٹ گیا جادۂ تسلیم و رضا میرے بعد

قبر پر آئے مری فاتحہ پڑھنے کے لیے
آپ کا مجھ پہ یہ احسان ہوا میرے بعد

ہم کو تو آئی ہے جانبازیِ پروانہ پسند
غیر سے بزم میں وہ کہنے لگا میرے بعد

عام رحمت کی نظر سب پہ ہوئی میرے ساتھ
کوئی باقی نہ رہا روزِ جزا میرے بعد

ایک دل میں نہ رہی درد و الم کی تاثیر
ایک لب پر نہ رہا ہائے خدا میرے بعد

دشتِ پُرخار کو اب دل میں اٹھا کر رکھ لو
کون آئے گا بھلا آبلہ پا میرے بعد

نکہتِ زلف کا مشتاق نہ پایا کوئی
خاک اُڑاتی ہے مری بادِ صبا میرے بعد

میرے مرنے کا یقیں آئے نہ کیونکر انکو
آ رہی ہے مرے نالوں کی صدا میرے بعد

یہ تو ممکن ہی نہیں یونہیں رہے غیر سے ربط
رنگ لائے گی مگر میری دعا میرے بعد

یاد کرتے ہیں بہت مجھ کو ستم تو دیکھو　　کوئی ایجاد جو کرتے ہیں جفا میرے بعد
مجھ سے پہلے نہ ہوا کچھ کبھی زمانہ میں ظہور　　جو ہوا عالمِ امکاں میں ہوا میرے بعد
میں نے دیکھے ہیں بہت اگلے زمانے کے طریق　　ہوتے ہیں خضر کہیں راہ نما میرے بعد
نہ مجھے بزم سے اس طرح نکالو دیکھو　　رنگ لائے گی مری آہِ رسا میرے بعد
قتل کر کے وہ مجھے تیغ بکف پھرتے ہیں　　آ گئی ایک زمانے کی قضا میرے بعد
مجھ سے کہتے ہیں خضر کیا ہی ہو ضد کے بندے　　نہ پیا پھر نہ پیا آبِ بقا میرے بعد
اور ہی کچھ نظر آئے گا جہاں کا عالم　　سب بدل جائے گی دنیا کی ہوا میرے بعد
جان دیتا نہ اگر عشق کا دم تو بھرتا　　کوئی اتنا بھی نہ دنیا میں ہوا میرے بعد
بل نکل جائیں گے جلنے ہیں مرے دم کیساتھ　　سیدھی ہو جائے گی یہ زلفِ دوتا میرے بعد
نظر آیا نہ زمانے میں جو مجھ سا کوئی　　یاد کرتے ہیں مجھے اہلِ وفا میرے بعد
آہی نکلو گے کبھی قبر پہ چلتے پھرتے　　کر ہی جائے گی اثر میری دعا میرے بعد
نہ وفا نام ہے اس کا نہ خوشی ہو مجھکو　　گر رقیبوں سے ہوئے آپ جدا میرے بعد

شعر تو کیا کوئی پڑھتا کہ چمن میں مائل
کبھی بلبل نہ ہوئی نغمہ سرا میرے بعد



خلوت ہو کہ جلوت نہ کہیں ہو وہ بشر بند　　جس کے لیے کھولے گئے افلاک کے در بند
کیوں شیخ کیا کرتے ہو اللہ کا گھر بند　　دیکھا نہ کریموں کا تو ہم نے کبھی در بند
کوچہ میں ترے رہتے ہیں یوں اہلِ نظر بند　　جیسے کوئی بلبل رہے گلزار میں پر بند
اللہ کی ہے شان وہ ہو ماہِ مبارک　　میخانے کی جس ماہ میں ہو راہ گزر بند
سر پھوڑ کے مر جائے مری حسرتِ دیدار　　ہو جائے ترا روزنِ دیوار اگر بند
ٹپکیں گے کہاں آنکھ سے پھر خون کے آنسو　　ناسور جو ہو جائے ترا زخمِ جگر بند
ارمان سے ارمان ہیں حسرت سی ہے حسرت　　ہے سانس کی سینے میں مرے راہ گزر بند
اپنے دلِ مظلوم کا کیا مرثیہ لکھوں　　لکھ دوں گا نکل آئیں گے دو چار اگر بند

روزوں کا ترے اجر ملے شیخ کہاں سے
رہ جائے اگر عید کو میخانہ کا در بند

آہیں بھی اُسی کی ہیں دعائیں بھی اُسی کی
جس دل میں رہا ہوتا ہے محبت کا اثر بند

دروازۂ میخانہ کھلا پاؤ گے اے شیخ
تقدیر سے ہو جائے درِ توبہ اگر بند

کیونکر نہ جلوں میں کہ وہ غیروں کو نئے بانٹے
تحفہ میں جو پہنچے انھیں دو چار گہر بند

رُخسار ترے دیکھ کے کہتے ہیں نجومی
گردش سے کیے کس نے ہیں یہ شمس و قمر بند

ڈھونڈھے سے بھی ملتا نہیں ہمدرد جہاں میں
جب سے کہ مروت کی ہوئی راہگذر بند

آتا ہی نہیں کوئی خریدار کسی کا
بیٹھے ہیں دکانیں کیے سب اہلِ ہنر بند

ناوک کی طرح دل سے گزر جاتے ہیں نالے
شاید کہ قفس میں ہے کوئی مرغِ سحر بند

ساقی ہیں ہمیں لوگوں میں رندانِ بلانوش
تو ہم سے غریبوں کا وظیفہ تو نہ کر بند

لب بند زباں بند جو ہو جائے تو ہو جائے
پر تو نہ دمِ مرگ ہوا اے دیدۂ تر بند

میری یہ شبِ وصل شبِ قدر سے بڑھ جائے
کھل جائیں نقابِ رخِ روشن کے اگر بند

آئے تو خبر انجمنِ یار کی کیوں کر
زندانِ تحیّر میں ہیں سب اہلِ خبر بند

کر جاتے ہیں آ آ کے طواف اُن کے مکاں کا
ڈرتا ہوں کہ کعبہ کا نہ ہو جائے سفر بند

کہتا ہے غمِ عشق کہ راحت طلبی چھوڑ
ہوتی ہے شبِ ہجر مری آنکھ اگر بند

باتوں سے کلیمی کا خطاب اُس نے جو پایا
تقریر میں کیونکر ہو فرشتوں سے بشر بند

پہنچا ہے نہ پہنچے کوئی پرواز بشر کو
جبریل بھی سدرہ پہ بنے طائرِ پر بند

کس بات کا کھٹکا ہے خدا جانے بتوں کو
مائل کو صنم خانے میں رکھا جو نظر بند



قربان تجھ پہ کیوں نہ ہو جانِ جہانِ عید
سب تیرے نام پاک سے ہے عزّ و شانِ عید

آباد دم قدم سے ہے تیرے جہانِ عید
تو ہی ہے بس جہان میں اہلِ زمانِ عید

صہبا کی موج موج پہ توبہ کیا دل نثار
ساقی کی آن آن پہ قرباں ہے جانِ عید

واعظ نے آج پیرِ مغاں کو بھلا دیا
منبر پہ بیٹھتے ہی کیا وہ بیانِ عید

خنجر چلے جو حلق پہ دونے ہوں شادماں — وابستہ جن کے دل سے ہے رازِ نہانِ عید

آباد قصرِ پیرِ مغاں اے خدا رہے — عالم میں ایک گھر میں ملا ہے نشانِ عید

گل رو جو آ کے بیٹھے ہیں کہتے ہیں اہلِ بزم — یہ گلستانِ عید ہے یا ہے مکانِ عید

کچھ تو خوشی نصیب ہو اس گھر کو اے خدا — باروت کے دماغ میں پہنچا دخانِ عید

وہ بزم کیوں نہ رشکِ بہشتِ بریں بنے — تجھ سا ہو ذی وقار جہاں میزبانِ عید

مطرب یہ خوشنوا ہے کہ بلبل ترانہ سنج — ساقیِ انجمن ہے کہ سروِ روانِ عید

مائل وہی جناب تھے شاید کہ بزم میں
جن کو کہ لوگ کہتے تھے پیرِ مغانِ عید

○

کہا ہے کس نے کہ ہوتی ہے جنگ سرخ و سفید — نشہ سے آنکھوں میں ہوتا ہے رنگ سرخ و سفید

چمن میں گل اسے دیکھے تو رشک سے مر جائے — ملا و دیار ہیں شوخ و شنگ سرخ و سفید

ادا ادا ہے جو دلکش گل و چمن تم نے — یہ کس کے رخ سے اڑایا ہے رنگ سرخ و سفید

ادا و ناز و کرشمہ اگر نہیں نہ سہی — غضب کے ہیں یہ بتانِ فرنگ سرخ و سفید

جو دیکھو لبِ رخِ رنگیں کی تیرے زیبائی — تو اپنی زیست سے ہو جائیں تنگ سرخ و سفید

خدا کے گھر کو بناتے دو رنگ ہو زہاد — کہ مسجدوں میں لگاتے ہو سنگ سرخ و سفید

وہ ناتواں ہوں کہ اتنا بھی خوں نہیں تن میں — کہ میرے سینے سے نکلے خدنگ سرخ و سفید

یہ کس کے دردِ جدائی سے زرد ہے مائل
مغل بچوں کا تو ہوتا ہے رنگ سرخ و سفید

○

ردیف "ڈ"

ان کو نگاہِ ناز کے ہے تیر پر گھمنڈ — وہ کیا کریں گے خنجر و شمشیر پر گھمنڈ

ہم تو ہیں ایک تجھ پہ بھروسہ کیے ہوئے
تدبیر پہ گھمنڈ نہ تقدیر پر گھمنڈ

پیری میں کیا دھرا ہے زمانِ شباب میں
برسوں رہا ہے آہ کی تاثیر پر گھمنڈ

جس وقت کھینچ بیٹھیں گے ہوگا ہی کارگر
اتنا ہے ہم کو نالۂ شب گیر پر گھمنڈ

جب جانیں ہم کسی کو، کبھی ہم پہ آزمائیں
خنجر پہ اُن کو ناز ہے شمشیر پر گھمنڈ

ہے جس قدر انھیں نگہِ سحر فن پہ ناز
عامل کو اس قدر نہیں تسخیر پر گھمنڈ

وہ آگئے آ رہا ہے فلک سے گلہ ہو کیا
یاروں میں تھا جو کاتبِ تقدیر پر گھمنڈ

رندانِ بادہ خوار مجھے مانتے ہیں سب
پیرِ مغاں کو ہے مری تدبیر پر گھمنڈ

بزمِ عدو میں آپ گزاریں تمام رات
مجھ کو نہیں ہے نالۂ شب گیر پر گھمنڈ

عاشق جو ایک دل پہ ہیں کھاتے ہزار تیر
تجھ سے بےچارہ ساز کی تدبیر پر گھمنڈ

وحشت کو میرے دستِ جنوں پر ہیں نازشیں
دیوانگی کو پاؤں کی زنجیر پر گھمنڈ

لے لوں گا بوسہ گوشۂ تنہائی میں کبھی
اتنا ہے مجھ کو آپ کی تصویر پر گھمنڈ

ایمان کی کہوں گا تمہاری نقاب کو
بیجا نہیں ہے حسنِ جہانگیر پر گھمنڈ

یارب پڑھے لکھے پہ تو عاشق نہ ہو کوئی
ناز و ادا سے بڑھ کے ہے تحریر پر گھمنڈ

ہاتھوں سے اپنے ان کو ملا آئے خاک میں
کرتے تھے جن کی عزت و توقیر پر گھمنڈ

اک وہ کہ ناز کرتے ہیں دل توڑ توڑ کر
اک وہ ہوا نہ کعبہ کی تعمیر پر گھمنڈ

ہوتی ہے دیکھیں اُن کی نگاہِ کرم کدھر
زاہد کو زہد پہ ہمیں تقصیر پر گھمنڈ

جبریل تیری بزم میں کھولیں زبان کیا
اُن کو ملائکہ میں ہے تقریر پر گھمنڈ

مائل نہ ہوگی لغزشِ مستانہ بھی کبھی
رکھتا ہے مے فروش سے تو پیر پر گھمنڈ



اپنے سوا کسی کا بھی عیب و ہنر نہ ڈھونڈ
جنت کے ہاتھ آتے جہنم میں گھر نہ ڈھونڈ

کہنے کو میرے مان لے اک گھر کی ہو کے رہ
اے آہِ نامراد اثر دربدر نہ ڈھونڈ

نیزے پہ اُس نے اپنے چڑھایا ہے ہم نشیں
لاشہ کے آس پاس ہمارا تو سر نہ ڈھونڈ

جس جا نظر پڑے اُسے آنکھوں سے تو لگا — دلقِ ہزار پارہ میں عیب و ہنر نہ ڈھونڈ

قاتل کے وار وار پہ اُس کو نثار کر — جائے جو قتل گاہ میں سجدے کو سر نہ ڈھونڈ

دامِ فریبِ ذرّہ و خورشید میں نہ پڑ — انوارِ کوئے یار سرِ رہگذر نہ ڈھونڈ

جو آگیا ہے شیخ تو فکرِ نجات کیا — بابِ کرم ہے میکدہ توبہ کا در نہ ڈھونڈ

جنت میں دل لگے نہ لگے اے شہیدِ ناز — حوروں میں تو کرشمۂ حُسنِ بشر نہ ڈھونڈ

طوفاں میں وہ تو بحرِ ندامت کے بہہ گیا — اب تو نہ ڈھونڈ میرے گریباں میں تر نہ ڈھونڈ

دم لوں گا جا کے کوچۂ جاناں میں دیکھنا — ہمت یہ کہہ رہی ہے کوئی راہبر نہ ڈھونڈ

اے عندلیب نغمہ سرائی سے کام رکھ — مجھ جیسے خستہ جاں کی فغاں کا اثر نہ ڈھونڈ

سینہ کو میرے توڑ کے وہ تو گزر گیا — دل میں جگر میں جان میں تیرِ نظر نہ ڈھونڈ

عبرت کا اک سبق تو سرِ کوہکن سے لے — پہلے سے پہلے قسمتِ اہلِ ہنر نہ ڈھونڈ

رکھنا اگر ہے رازِ محبت چھپا ہوا — گل کی طرح سے عاشقِ شوریدہ سر نہ ڈھونڈ

اے چارہ گر نہ ڈھونڈ کہ اشکوں کے ساتھ تھا — مٹی میں مل گئے مرے لختِ جگر نہ ڈھونڈ

اے ہمنشیں یہ رات مرے امتحاں کی ہے — ارض و سما میں آج نشانِ سحر نہ ڈھونڈ

اے دل خدا کے واسطے عبرت کدہ نہ بن — کہنے کو زمان قسمتِ اہلِ ہنر نہ ڈھونڈ

مضمونِ صبح و شام سے مطلب نکال لے — اخبارِ بزمِ یار میں اپنی خبر نہ ڈھونڈ

کیا دل کے گوشے گوشے میں اے دل پر ڈھونڈتا — رکھا ہوا کہیں نہیں خونِ جگر نہ ڈھونڈ

محشر کی بھیڑ بھاڑ میں واعظ بھلا ہوا — پھٹ کر جو گر گیا کہیں دامانِ تر نہ ڈھونڈ

تارے نظر پڑیں تو غنیمت شمار کر — بختِ سیہ کے دور میں شمس و قمر نہ ڈھونڈ

مائل ہے فیضِ حافظِ شیراز سے مجھے
دیوان میں مرے سخنِ بے اثر نہ ڈھونڈ

○

ردیف "ذ"

نہ حنائی ہے نہ آبی کاغذ — میرے خط کا ہے گلابی کاغذ
کس قدر شوخ طبیعت نے رکھا — ابر کا نام سحابی کاغذ
ہے فرشتوں کی ہنسی بھی آفت — دے دیا مجھ کو عذابی کاغذ
میں نے عرضی ہے لکھی درباں کو — لوگ کہتے ہیں جنابی کاغذ
رنگ چہرے کا ترے ہے یا ہے — مصحفِ رُخ کا گلابی کاغذ
دیکھ کر مجھ کو جو آنکھوں پہ رکھا — اسے کہتے ہیں حجابی کاغذ
شوق دیکھو کہ بدل کر پیکر — بن گیا بندِ نقابی کاغذ
اُس کا مضمون بتا دوں قاصد؟ — تو جو لایا ہے جوابی کاغذ
یہ تو ممکن ہی نہیں دشمن کا — نہ کرے خانہ خرابی کاغذ
دیدۂ تر کی بدولت اپنے — آب خوردہ ہیں حسابی کاغذ

اُس کو آنکھوں سے لگاتا مائل
کوئی بھیجے جو شرابی کاغذ



ردیف "ر"

ایک نالہ کا نہیں تو آسمانِ کوئے یار — گر بگڑ بیٹھے کبھی آشفتگانِ کوئے یار
جمع ہو جاتے ہیں سارے عاشقانِ کوئے یار — میں جہاں کہنے کو بیٹھا داستانِ کوئے یار
یہ جبیں ہے اور خاکِ آستانِ کوئے یار — یار اپنا ہو گیا گر پاسبانِ کوئے یار
پوچھ لینا پھر جو آئیں عزّو شانِ کوئے یار — آج ہم لینے چلے ہیں امتحانِ کوئے یار

کہہ رہا ہے یہ اذاں یا داستانِ کوئے یار
یہ موذن ہے کوئی یا قصہ خوانِ کوئے یار

اشکِ حسرت، دردِ دل، سوزِ جگر، آہ و فغاں
یہ ہی ہیں دو چار باقی داستانِ کوئے یار

نارسا ہے نازِ دل کو عشق کی امداد پر
لے رہا ہے ہر قدم پر امتحانِ کوئے یار

چہچہاتا کب ہے مرغانِ سحر کا باغ میں
اپنی اپنی کہہ رہے ہیں داستانِ کوئے یار

کس مزے سے سن رہا ہے کعبۂ عاشق مزاج
میں جو اس سے کہہ رہا ہوں داستانِ کوئے یار

کیا لبِ لہجہ نہیں ملتا ہے میرا یار سے
چھیڑتے ہیں کیوں مجھے ہم زبانِ کوئے یار

سوزِ دل، سوزِ جگر کی آہ حالت کیا کہوں
ایک سینا اور دو آتش فشانِ کوئے یار

وقت پڑ جائے تو دیکھو ان کی تیغِ ناز کو
مہرباں ہیں یوں تو سارے ساکنانِ کوئے یار

جا بجا کیوں ڈھونڈھتا پھرتا ہوں نقشے ڈھونڈ لوں
عاشقاں چشم ہیں پیرِ مغانِ کوئے یار

نقشِ پائے یار ہو یا نقشِ پائے غیر ہو
میرے تو سرتاج ہیں سب کنانِ کوئے یار

کیا بھڑ سر ہو گیا ہے عشوۂ خونریز کا
سر بکف جاتے ہیں گویا عاشقانِ کوئے یار

اس سے پوچھو دل بھی ہے پہلو میں تیرے یا نہیں
بوالہوس لینے چلا ہے امتحانِ کوئے یار

مجھ کو اتنا تو بتا دو اڑ رہے ہیں ہوش کیوں
میں کہاں ہوں لائے ہیں آسمانِ کوئے یار

ہاتھ باندھے تو کھڑا ہوں سر جھکاؤں کس طرح
ہے خدا جانے کدھر کو آستانِ کوئے یار

دل کو میں تھامے ہوئے بیٹھا رہا ہوں رات دن
اب سنی جاتی نہیں آہ و فغانِ کوئے یار

کیوں نہ ہو اس کے سخن سے بحرِ رحمت جوش پر
ہے خطابِ چشمِ **مائل** درفشانِ کوئے یار



مجھ کو جو چاہے کہے جا پاسبانِ کوئے یار
میں سمجھتا ہی نہیں ہوں کچھ زبانِ کوئے یار

اس کے ہیں پیشِ نظر کون و مکانِ کوئے یار
رازدارِ کوئے دل ہے رازدانِ کوئے یار

سجدہ گاہِ اہلِ دل ہے آستانِ کوئے یار
کوئی کیا جانے کہ کیا ہے عز و شانِ کوئے یار

رہ کے کچھ دن سیکھ آیا گو زبانِ کوئے یار
محوِ کیفیت ہوں کیونکر ہو بیانِ کوئے یار

ایسی خاطر کر رہے ہیں کشتگانِ کوئے یار
عمر بھر کے ہو لیے ہم میہمانِ کوئے یار

بے خبر اتنا نہ ہوا ہے خستہ جانِ کوئے یار
جان و دل دونوں ہیں تیرے نذرِ جانانِ کوئے یار

کیا وہ ہوں گے چارہ سازِ عاشقانِ کوئے یار
عیش کے بندے ہیں سارے ساکنانِ کوئے یار

وہ رخِ تاباں ہوا مدِّ نظر اللہ کا
پڑ گیا جس پر غبارِ کاروانِ کوئے یار

میں نہ ہوتا آگے آگے گر تجلی گاہ میں
کب مجھے خاطر میں لاتے رہروانِ کوئے یار

گم ہوا ایسا دلِ وحشی پتہ ملتا نہیں
چھان مارے سب زمین و آسمانِ کوئے یار

مژدہ باد اے جانِ مضطر اے نگاہِ شوق دیکھ
وہ نظر آیا غبارِ کاروانِ کوئے یار

کیا کوئی سمجھے گا حسن و عشق کی تقریر کو
کچھ زبانِ کوئے دل ہے کچھ زبانِ کوئے یار

جامِ صہبا سیکڑوں کا حوضِ کوثر بن گیا
جب کہا یا حضرت پیرِ مغانِ کوئے یار

لے چکے ہیں لے چکے ہیں منزلِ مقصود کو
دو قدم پر رہ گیا ہے آستانِ کوئے یار

حسنِ انجامِ وفا کہتے ہیں اس کو دیکھنا
نام میرا ہو گیا وردِ زبانِ کوئے یار

میری آہِ خوں فشاں سے سرخ ہیں دیوار و در
یاد ہے اے نامہ بر اتنا نشانِ کوئے یار

اے زلیخا پوچھتی ہے خواب کی تعبیر کیا
دل کی منزل میں ہے اترا کاروانِ کوئے یار

وہ جنابِ خضر ہیں گم گشتہ راہِ عشق کے
پوچھتے پھرتے ہیں جو اب تک نشانِ کوئے یار

ذکر کر کے ٹھہر جائیو تم تو یہاں
میں وہاں جا کر کہوں گا داستانِ کوئے یار

سر کٹانا سجدہ میں اور خاک و خوں میں لوٹنا
اس مزے کو جانتے ہیں کشتگانِ کوئے یار

یا رب رحمت نام تیرا میں ہوں عاصی بخش دے
جو خطا مجھ سے ہوئی اے آستانِ کوئے یار

کیوں نہ دل کھنچنے لگے دیر و حرم کو دیکھ کر
جلوہ گاہِ ناز ہے ہر اک مکانِ کوئے یار

کون پرساں ہے یہاں عجز و نیازِ عشق کا
جب خدائی کر رہے ہوں ساکنانِ کوئے یار

ہے عجب لسّان مائل اک ذرا سی بات پر
کھاتے کھاتے رہ گیا سوگندِ جانِ کوئے یار



مٹتے ہیں تو کیا غم سگِ جاناں کی برابر
بو اس میں وفا کی ہے رگِ جاں کی برابر

بیٹھا جو رہا کوچۂ جاناں کی برابر
تربت ہے بنی گنجِ شہیداں کی برابر

دیوانہ کو تیرے ہے وہ زنداں کی برابر
وحشت نہ ہو جس گھر میں بیاباں کی برابر

اتنی بھی غنیمت ہے عنایت تری اے چرخ
میرا ہو قفس اور گلستاں کی برابر

یہ خاک کا تختہ تو اسے کھینچ ہی لے گا
اڑتا ہو کوئی تختِ سلیماں کی برابر

وحشت میں زلیخا کو مگر خوب ہی سوجھی
گھر جا کے لیا خانۂ زنداں کی برابر

وہ کون سی قدرت ہے کہ جو اس میں نہیں ہے
سچ یوں ہے کہ کوئی نہیں انساں کی برابر

ساغر بھی عجب شہر ہے کرتے ہیں دعا زخم
ہو جائے الٰہی یہ نمکداں کی برابر

کی دستِ جنوں نے بھی مرے رتبہ شناسی
دامن کیا چاک گریباں کی برابر

یہ بھی ہے غنیمت کہ سمجھتے ہیں ہمیں وہ
خادم کی برابر کبھی درباں کی برابر

جو تیر کہ چٹکی سے تری چھوٹ کے آیا
دیتا ہوں جگہ دل میں اسے جاں کی برابر

وحشت میں تو اللہ نہ لیجائے چمن میں
گل بھی تو نہیں خارِ مغیلاں کی برابر

مائلؔ ابھی میخانے سے مے پی کے ہو آئے
بیخود ہو نہ بیٹھو سگِ جاناں کی برابر

○

ہوں اشکِ ندامت مرے طوفاں کی برابر
عصیاں ہوں اگر ریگِ بیاباں کی برابر

محفل تو نہیں محفلِ رنداں کی برابر
رہتے ہیں یہاں گبر و مسلماں کی برابر

دل میں ہیں ادھر زخم جگر پر ہیں ادھر داغ
گویا کہ گلستاں ہے گلستاں کی برابر

عکسِ رخِ ساقی سے جو ہو جائے عجب کیا
ساغر میں اثر چشمۂ حیواں کی برابر

کچھ تیری کریمی سے بڑی بات نہیں ہے
دیدے جو مرے حسرت و ارماں کی برابر

ہے وسعتِ رحمت پہ نظر ہو نہیں سکتا
عالم کے گنہ ہوں مرے عصیاں کی برابر

اس کافرِ بدکیش پہ دل اب کی ہے آیا
کعبہ میں نہ بیٹھے جو مسلماں کی برابر

جس لب نے جلایا مجھے اس لب کو کہوں میں
خاکم بدہن چشمۂ حیواں کی برابر

ہر دور میں عشاق سمجھتے ہی رہیں گے
ہر بات تری آیۂ قرآں کی برابر

بیٹھا تو یہی جا کے ہے اللہ کے مقابل
کیا منھ ہے کسی کا جو ہو انساں کی برابر

دیکھا جو ذرا چشمِ حقیقت کی نظر سے
ہر گل ہے یہاں روضۂ رضواں کی برابر

اسلام سے کچھ کام نہ ہے کفر سے مطلب — ہے یاد کسی کی مجھے ایماں کی برابر
شاہد ہیں مرے حضرتِ یعقوب بھی ابر — برسا نہ مرے دیدۂ گریاں کی برابر
وہ حسنِ خدا داد کو اک چیز ملی ہے — سنبل ہے کہاں زلفِ پریشاں کی برابر

جادو اسے کہتے ہیں کہ وہ بت بھی ہے کہتا
کوئی نہیں مائل سے غزل خواں کی برابر

○

کیوں کر ہنسی نہ آئے غرورِ حباب پر — کیسی یہ بادِ صبا ہے ہوا موجِ آب پر
واعظ نہ طعنہ زن ہو شراب و کباب پر — کم بخت خاک ڈال عذاب و ثواب پر
بیٹھے بٹھائے واعظِ ناداں الجھ پڑا — رندانِ بادہ خوار سے ذکرِ شراب پر
مقبول ہو گئی مری توبہ کہ واعظو — حسرت برس رہی ہے شبِ ماہتاب پر
دھوکے ہیں تجھے خلیل کہ تیرا کیا گماں — مہتاب پر کبھی تو کبھی آفتاب پر
پڑھ پڑھ کے اسکے نام کو دم کر رہا ہوں میں — تسکین کیلیے دلِ پر اضطراب پر
کیا ہے یہ کائنات کہ احساں اٹھائیے — پڑتی نہیں ہے آنکھ جہانِ خراب پر
یوں انجمن سے مجھکو اٹھانا نہ تھا تمہیں — کرنی ہی تھی نظر مرے حالِ خراب پر
ڈوبا ہے آسمان کہ طوفانِ نوح کو — دیتے ہیں فوق وہ مری چشمِ پرآب پر
تصویرِ یوسف آئی تھی شب اسکی بزم میں — کیسی ہنسی ہوئی ہے زلیخا کے خواب پر
رخ پر ہے تیرے خال کہ کلکِ قضا نے یہ — نقطہ بنا دیا ہے مرے انتخاب پر
میری شکستِ توبہ کا پوچھو نہ کچھ شمار — موقوف یہ حساب ہے روزِ حساب پر
ہر لحظہ رشکِ غیر ہے ہر دم گمانِ بد — آنا غضب ہے دل کا کسی بے حجاب پر
ہم کو تو میکدے میں خبر بھی نہیں ہوئی — دنیا میں انقلاب ہے کس انقلاب پر

مائل سے بڑھ کے نکلے ہیں مائل کے یار رند
دیتے ہیں اس کی فاتحہ جامِ شراب پر

○

اس کا رہے ہمیشہ زمانہ بہار پر — وہ پھول جو چڑھائے ہمارے مزار پر

قربان ہو کے مر جو گیا کوئے یار پر
برسا کرے گا نورِ محبت مزار پر

لوگوں کو ہے گمان یہ مجھ خاکسار پر
دامن کو اسکے ناز ہے اسکے غبار پر

ٹپکا گئے وہ اشک جو آ کر مزار پر
پانی چھڑک گئے مرے دل کے غبار پر

طوفاں اٹھاؤ لاکھ مرے راز دار پر
منصور وہ نہیں ہے جو کھنچ جائے دار پر

چادر کشش ملک ہیں اسی کے مزار پر
ڈالی ہے جس نے خاکِ غم روزگار پر

جب سے کھنچے ہیں حضرت منصور دار پر
ساقی کی ہے نگاہ ہر اک بادہ خوار پر

طوفان بحرِ غم نے یہ اٹھ کر غضب کیا
قابو چلا نہ گریہ بے اختیار پر

اس نے نگاہ ناز سے دیکھا جو غیر کو
برچھی سی آ لگی دلِ امیدوار پر

دامانِ جور پر نہ لگے گا وفا کا داغ
کر جاؤ اک نگاہ جو مجھ دل فگار پر

بیچارہ چارہ ساز کرے بھی تو کیا کرے
ہر دم ہے تازہ داغ دلِ داغدار پر

لانے اگر جواب قیامت سے پیشتر
میں اپنے نامہ بر کے لگا دوں ہزار پر

پڑھنے کو فاتحہ نہ اٹھائے کبھی بھی ہاتھ
آنے کو لاکھ بار وہ آئے مزار پر

دیوانہ میں نہیں ہوں کہ ایذا پسند ہوں
دانستہ چل رہا ہوں ہر اک خار زار پر

تم کس کو پھر جلاؤ گے ہاں میں تو لاکھ بار
قربان اپنی جان کروں انتظار پر

کہتے ہیں کیسے راز سفید و سیاہ کے
ڈالو نظر تو گردشِ لیل و نہار پر

دنیا کا اعتبار نہیں اور لطف یہ
دنیا کے کام چلتے ہیں سب اعتبار پر

اس نے کبھی بھی چپکے سے اک مصلحت کی بات
پھر تو برس پڑے وہ مرے راز دار پر

لکھتے ہیں بعدِ صبح قیامت ہم آئیں گے
اک انتظار اور بڑھا انتظار پر

تھی اک خلش سی فتنۂ محشر کی مٹ گئی
ہو کر چلے گئے وہ ہمارے مزار پر

آیا ہوں بزمِ ناز میں اب تو سنبھال لو
میں رکھ کے دونوں ہاتھ دلِ بیقرار پر

اس نے سلام کا مرے ایسا دیا جواب
اک چوٹ سی لگی دلِ امیدوار پر

ہاں دل پہ میرے داغ ستاروں سے کم نہیں
رہنے دو اس شمار کو روزِ شمار پر

بزمِ عدو کا حال زباں پر جو آ گیا
بگڑے ہیں کیسے کیسے وہ اپنے خمار پر

اے تیری شانِ ابرِ کرم بھی برس پڑا مجھ رو سیہ کے گریۂ بے اختیار پر
ہونے دیا خجل نہ فرشتوں کے سامنے یہ لطف یہ کرم دلِ ناکردہ کار پر

مائل عجیب چیز ہو خود تو یہ توڑ کر
تہمت لگاتے رہتے ہو ابرِ بہار پر



قامت کا ترے سایہ جو پڑ جائے ملک پر وہ فتنے بپا ہوں کہ قیامت ہو فلک پر
دیکھے سے ترے کیوں نہ بنے جانِ ملک پر اس آن و ادا کا نہ زمیں پر نہ فلک پر
پہنچا جو مرا نالۂ مستانہ فلک پر حالت ہوئی طاری عجب اک ایک ملک پر
کافی ہیں یہ طوفان اٹھانے کو فلک پر دو ایک جو آنسو نظر آتے ہیں پلک پر
مستوں کی یہ حالت ہے کہ ساغر کی جھلک پر اک نعرہ زمیں پر ہے تو اک نعرہ فلک پر
پہلو میں کسی مست کے رہتی ہے تو اے لف ہوتا ہے گماں یہ تری مستانہ لٹک پر
تو چاہے تو دریائے کرم ان کو بنا دے یہ نام کے دو اشک جو باقی ہیں پلک پر
کیفیتِ بارش سے تبسم جو ہیں کرتے بجلی بھی تڑپ جاتی ہے دانتوں کی چمک پر
کیا جانے وہ کس بزم میں کس رنگ میں ہوں گے کیا کیا نہ خیال آتے ہیں بجلی کی چمک پر
تیرا یہ رہے روزنِ دیوار سلامت آنکھیں ہی لگی رہتی ہیں اپنی تو جھلک پر
یہ ہی جو رہا صرف مرے زخمِ جگر کا محصول نہ لگ جائے کہیں کانِ نمک پر
اللہ رے اللہ تجلیِ رخِ یار جو نور زمیں پر ہے وہی نور فلک پر
اعجاز دکھائیں تو دکھائیں بھی وہ کس کو بیمار زمیں پر ہیں مسیحا ہیں فلک پر
ہے تیرے قدم سے ہی زمیں نور کا طبقہ ہے تیری بدولت شرفِ انساں کو ملک پر
رونے پہ مرے مجمعِ اغیار نہیں ہے نادر کی کٹری فوج ہے دریائے اٹک پر

کہنا ہی پڑا حضرت مائل کے سخن کو
جادو ہے یہی وہ کہ جو چل جائے ملک پر



آتی ہے کیا ہنسی مجھے اپنے خیال پر
آمادہ کر رہا ہے تمہارے وصال پر

میں ہوں بشر جو میں نے دیا دل تو کیا کیا
حسن آفریں کو ناز ہے حسن و جمال پر

میرے گمان و وہم تو سارے غلط سہی
کچھ آپ ہی نگاہ کریں اپنے حال پر

ہو گا کسی زمانے میں ہو گا کچھ انقلاب
برسوں سے کٹ رہی ہے یہاں ایک حال پر

بے لطف جب کہ چارہ گرا اگلی بہار تک
آنے نہ پائے زخم مرا اندمال پر

غفلت شعار اور ستم ایجاد میں سہی
اچھا مجھی کو ناز ہے حسن و جمال پر

کیا خاک منہ دکھائے نکلنے کی دیر ہے
اٹھتی ہیں انگلیاں ہی ہزاروں ہلال پر

لینی تجھے خبر ہے تو لے ورنہ حور کی
پڑنے لگی ہے آنکھ ترے پائمال پر

بدلا ہوا ہے دیدۂ خونبار کا جو رنگ
کیا آ گیا ہے زخم جگر اندمال پر

مائل سے مستقل کہیں دنیا میں ہوتے ہیں
مدت سے دیکھتا ہوں انہیں ایک حال پر

○

بگڑے ہو ایک بوسہ کے چھوٹے سوال پہ
بس قتل ہی کرو گے پیام وصال پر

کوثر کی ہو کہ میکدے کی دونوں ایک ہیں
اپنی نظر نہیں ہے حرام و حلال پر

یہ دن بھی کٹ ہی جائیں گے تکلیف ہی سہی
رہتا نہیں زمانہ کبھی ایک حال پر

اے چارہ گر بہار کا بس نام ہی نہ لے
آتا چلا ہے زخم مرا اندمال پر

پچھتا رہا ہوں غیر کی محفل میں جا کے میں
کیا کیا ہنسی ہوئی ہے مرے انفعال پر

اے محتسب ابھی تو برسنے لگے شراب
آ جائے بادہ خوار جو اپنے جلال پر

ہم کو تو کچھ نہیں ہے وفاداریوں پہ ناز
ہاں آپ کو غرور ہے حسن و جمال پر

دیکھا جو آج آئینہ صورت ہی وہ نہیں
افسوس آ رہا ہے مجھے اپنے حال پر

فکر سخن میں غرق ہے مائل تو رات دن
کم بخت کو نظر ہی نہیں کچھ مآل پر

○

فلک کو ناز ہے کیا ایک ماہ کامل پر
ہزار داغ ہیں ایسے تو اک مرے دل پر

وہی جنوں ہے وہی ہم وہی بیاباں ہے — پھر آ گیا ہے یہ دل اک پری شمائل پر
وہی ہے نالہ و فغاں وہی ہے، آہ و بکا — یہ کیسی بن گئی اللہ پھر مرے دل پر
سنا گئے دم رخصت کہ اب نہ آئیں گے — لو ایک اور وہ خنجر لگا گئے دل پر
مزے مجاز میں آنے لگے حقیقت کے — گمان بحر کا ہونے لگا ہے ساحل پر
یہ کس کی لگ گئی اللہ بد دعا مجھ کو — کہ تیر غم کے برسنے لگے مرے دل پر
کبھی نہ خدمت پیر مغاں میں جائیں گے — جناب شیخ ہمیشہ رہیں گے باطل پر
ترے خیال نے ظالم یہ کیا قیامت کی — کہ بن رہی ہے مری جان پر مرے دل پر
وہ ایک وار میں کرتے ہیں قتل عالم کو — اور اس پہ حکم کہ بسمل گرے نہ بسمل پر
دیا ہے دل ہمیں یا رب اسی لیے تو نے — کہ جان دیتے رہیں ہر پری شمائل پر
پگھل گیا ہو کہیں دل پہ راز پنہانی — نہ جم گیا ہو مرا خون تیغ قاتل پر
مرا بھی راہ نما بن کہ رہبری سے تری — پہنچ گئے ہیں بہت کارواں منازل پر
ہمارے شعر سے ہوتا ہے درد سا دل میں — ہماری بات سے لگتی ہے چوٹ سی دل پر
اڑا ہوا جو صدائے جرس پہ جاتا ہے — نگاہ پڑ گئی مجنوں کی کس کے محمل پر
مجھے بھی بزم میں آنے دو مثل پروانہ — مرا بھی خون سہی ایک شمع محفل پر
یہ کس نے رخ سے الٰہی نقاب کو الٹا — کہ چھا رہا ہے تحیر تمام محفل پر
وہ نازکی کا ہے عالم کہ قتل کا میرے — کسی طرح نہیں ہوتا گمان قاتل پر
کبھی تو آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ لے گل کو — کبھی تو کان لگا نالۂ عنادل پر
مری بھی یاد دلا دے خدا کرے کوئی — کمر وہ باندھ کے بیٹھے ہیں حل مشکل پر
خیال دل میں رہا زلف یار کا ہر دم — نظر جنوں میں رہی حلقۂ سلاسل پر
جنوں کا جوش ہے رونا کہ چارہ گر میرے — سلاسل اور پہنانے لگے سلاسل پر
نگاہ پڑ ہی گئی ان پہ حسرت آلودہ — کھلا ہے راز محبت تمام محفل پر

غضب کے لوگ ہیں دنیا میں بادہ خواری کی
لگائے دیتے ہیں تہمت جناب مائلؔ پر

○

نظر پر کیوں نظر ڈالی ترے رخسار کے تل پر
مجھے غصہ پہ غصہ آ رہا ہے ماہ کامل پر

غضب میں ہے تڑپ ہے پردۂ غفلت مرے دل پر
کبھی محمل ہے پردہ پر کبھی پردہ ہے محمل پر

مبارکباد دینے کو گئے تھے نجد میں ہم بھی
پڑی تھیں جب نگاہیں قیس کی لیلیٰ کے محمل پر

بہانے پر بہانے جو لکھا کرتے ہیں ناموں میں
نشانے پر نشانے وہ لگاتے ہیں مرے دل پر

جنوں کا جوش کیوں ہوتا نہیں جھنکار سے ان کی
کسی نے کر دیا جادو مگر میری سلاسل پر

ذرا اے ضبط گریہ نے غضب طوفاں اٹھایا ہے
کہ آنسوں چڑھ گیا پانی ہماری کشتیِ دل پر

ذرائیں خاک کیا ہم سرزمینِ نور کے ہو کر
مزے کیا زیست کے پائیں ہیں جب خاکِ منزل پر

تھمیں کیونکر مرے آنسو ابھی آہی ہیں آہوں میں
گلِ صبر و شکیبائی چڑھا کر تربتِ دل پر

کشش دیکھو شہادت کی چلے آبِ بقا پینے
مگر ہم ہو لیے قسمت سے راہِ کوئے قاتل پر

فراقِ یار میں جینا بہت مشکل سمجھتے تھے
نہ تھے جب تک کہ ہم آگاہ اپنی قدرتِ دل پر

کرے انساں اگر ہمت خدا تائید کرتا ہے
کمر باندھی ہے ہم نے آپ اپنی حلِ مشکل پر

یہ کیونکر آپ کہتے ہیں کہ یہ گھر تو نہیں میرا
یہ کس کا نام لکھا ہے مری پیشانیِ دل پر

سحر ہونے کو آئی ہے مگر تھمتے نہیں آنسو
مری آنکھوں کا سایہ پڑ گیا کیا شمعِ محفل پر

جنوں میں قیس سمجھا آفتابِ روزِ محشر کو
لگائی آفتابی ہے مگر لیلیٰ نے محمل پر

نہیں بیکار دنیا میں کوئی ذرہ بھی عاشق کا
جو ٹھی میں ہے موسیٰ کی کبھی یہ داغِ غڈال پر

زبانی عرش ذکر ہی کی سن آیا ہے مرا نالہ
مٹیں گے آج حسن و عشق دونوں ایک منزل پر

جنازہ پر جنازہ حسرت و ارماں کا جو آیا
مجھے گورِ غریباں کا گماں ہونے لگا دل پر

سفر ملکِ محبت کا کیا تھا جس زمانے میں
ملے تھے دیر و کعبہ دونوں ہم کو ایک منزل پر

فرشتوں سے مجھے ڈر ہے نہ لکھ لیں خون توبہ کا
مئے گلگوں کے کچھ چھینٹے پڑے ہیں دامنِ دل پر

ہم اپنی جان پہ کھیلیں تو کھیلیں راہ میں اس کی
ہم اپنا خون چھڑکیں بھی تو چھڑکیں کوئے قاتل پر

شبِ غم کی سیاہی کو یہ سمجھا میں کہ چادر ہے
بلائیں سر پہ لائی ہیں چڑھانے مرقدِ دل پر

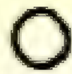
کسی کو بھی کلامِ دل شکن کہنا نہیں اچھا
دعائیں پڑھ کے دم کرتا رہا اپنے مقابل پر

پڑھوں نوحہ تو کس کس کا کروں ماتم تو کس کس کا
پڑے بھی اور پھوٹے بھی ہزاروں آبلے دل پر

نگاہِ مستِ ساقی کی کرامت سی کرامت ہے
اُبل کر آ پڑا ہے چشمۂ کوثر مرے دل پر

جنابِ پیرِ میخانہ کرم سے کام لیتے ہیں
اگر ہو خون ثابت بھی کسی توبہ کے قاتل پر

فلک پر بت پرستی کی نہ پڑ جائے بِنا یا رب
فرشتوں کی نظر پڑنے لگی تصویرِ سائل پر



دبی جاتی نہ جانے کون ہے دعوائے باطل پر
ادا کا اور نگہ کا ان کی جھگڑا ہے مرے دل پر

نگہ پڑتی ہے ساقی کی نظر کر رنگِ محفل پر
اثر پڑتا ہے یکساں ہی مرا ہشیار و غافل پر

برسنا اِک نہیں انوار ہی انوار کا دل پر
ترے جلووں کے ہیں احسان لاکھوں اہلِ محفل پر

مجھے سمجھائیے ناصح اسے جھوٹا کہوں کیونکر
قسم کعبہ کی کھائے ہاتھ رکھ کر جو مرے دل پر

ہوا کرتا ہے ایسا بھی کہ ان کو دیکھ آتے ہیں
گرا کرتی ہے بجلی بھی نگاہِ اہلِ محفل پر

مجھے جو دیکھ کر تم نے ابھی آنکھوں پہ رکھا ہے
دیا ہے ہاتھ تسکیں کو جو رکھتے تھے مرے دل پر

غضب ٹوٹے گا اے فصلِ بہاری جان پر تیری
بگڑ بیٹھا جو وہ گل رو کبھی شورِ عنادل پر

رقابت ہو تو کیونکر ہو ترے عشاق میں پیدا
کوئی قامت پہ مرتا ہے کوئی شکل و شمائل پر

مجھے چھیڑو نہیں ناصح مزے لینے دو فرقت کے
خدا سمجھائے وہ بت کیا اگر رکھوں ابھی دل پر

نہ کیونکر رشک پیدا ہو شہیدانِ محبت کو
قسم آئی مرے سر کی زبانِ تیغِ قاتل پر

کبھی ٹوٹی نہیں ہمت جوابِ ناامیدی سے
کبھی آیا نہیں رونا مجھے ناکامیِ دل پر

رہا اشکِ وفا سے عمر بھر دھوتا مگر پھر بھی
ہمارے خون کا دھبہ رہا دامانِ قاتل پر

ترا ابرِ کرم وہ ہے کہ طغیانی ہو کیسی ہی
نظر ڈالے نہ اس کا آشنائے موج ساحل پر

چڑھایا اس نے نیزہ پر اٹھا کر اپنے ہاتھوں سے
نصیبہ کھل گیا سر کا گرا جو پائے قاتل پر

نہیں ٹکتا ہوں زنداں میں کبھی جھنکار سے اس کی
جنوں کا جوش عاشق ہر گرہ میری سلاسل پر

جنابِ نوح کی کشتی کے ہر تختہ پہ لکھا تھا
خدا ہے ناخدا جس کا وہ جا پہنچے گی ساحل پر

اسے ٹھنڈا ہی کرنا ہے جو پینے روزِ محشر سے
تو ٹپکا دو ذرا سا آبِ خنجر زخمِ بسمل پر

نظر میں اس کو رکھتے ہیں جنابِ پیرِ میخانہ
کریں قربان ہشیاری کو میخانے کے غافل پر

دکھایا معجزہ کیسا ترے دریائے رحمت نے
ابھی کشتی تھی طوفاں میں ابھی کشتی ہے ساحل پر

تپیدان محبت حشر میں فریاد کیا کرتے
خدا سے پہلے ان کو رحم آیا اپنے قاتل پر

ہوائے زلف نے کس کی کیا ہے مجھکو دیوانہ
چلا آتا ہے ہر سالک جو آوازِ سلاسل پر

نہ دوزخ میں ہمیں ڈالا نہ جنت میں ہمیں بھیجا
ہمارا فیصلہ رکھی نگاہ نازِ قاتل پر

جو ارباب وفا آ آ کے آنکھوں سے لگاتے ہیں
ہمارے خون کا دھبہ نہ ہو دامان قاتل پر

جنوں کے جوش میں نالے نہیں کرتا نہیں کرتا
کسا کرتا ہے آوازے ترا دیوانہ عاقل پر

بہارِ گلشنِ عالم مرے زنداں میں رہتی ہے
ٹپکتا ہے نہ و تازہ خون آنکھوں سے سلاسل پر

یہ جی میں ہے کہ دینے کو قصیدہ ایک لکھ رکھوں
امیر المومنیں کا شک ہوا کرتا ہے سائل پر

چراغِ صبح گاہی میں خدا کا نور ہوتا ہے
حقارت کی نظر ڈالو نہ اہل بزم مائل پر



ترے گیسو ہیں یوں بکھرے ہوئے رخسارِ تاباں پر
کہ جیسے حملہ آور ہوتے ہیں کافر مسلماں پر

نظر ڈالی ہے کس کافر کی یارب لفِ پیچاں پر
کمندیں پر کمندیں پڑ رہی ہیں میرے ایماں پر

سحر ہونے کو آئی ہے نہ ڈوبا آسماں اب تک
مجھے غصہ نہ کیونکر آئے جوشِ چشمِ گریاں پر

لیے جاؤ ابھی یارو بہار آئی بہار آئی
قیامت کی گھڑی آئے تو آنے دو گریباں پر

قیامت پر قیامت ہو فلک کے پرزے پرزے ہوں
غبار اپنا تو چھایا ہی رہے گا کوئے جاناں پر

فسانے وحشتِ دل کے ہمارا ناخنِ وحشت
کبھی دامن پہ لکھتا ہے کبھی چاکِ گریباں پر

سرِ شوریدہ کا میرے ہو ٹکرانا سا ٹکرانا
قیامت ٹوٹ پڑتی ہے در و دیوارِ زنداں پر

ادھر ہے جیبِ رحمت ادھر اشکِ ندامت سے
پڑے ہیں جا بجا دھبے مرے دامانِ عصیاں پر

ذرا سی بات میں اچھا دلِ دیوانہ ہو جاتا
وہ اپنا نام لکھ جاتے اگر میرے گریباں[1] پر

کہاں تک سر پہ لیتے خاک ڈالوں دستِ وحشت سے
یہ جی میں ہے کہ ڈالے چکول بیاباں کو بیاباں پر

ہوا کرتی ہیں تقریریں تری موجِ تبسم کی
گلا کرتے ہیں مجھکو خضر اکثر آبِ حیواں پر

---

[1] دیوانگی میں گریباں پہ یار کا نام واقعی جنوں کے لیے مجرب نسخہ ہے نسخہ نہیں تو تعویذ سمجھئے ۱۲

خدا جانے کہ کس کی بات بن جائے رہو نازاں
تمہاری سرد مہری پہ ہم اپنی آہِ سوزاں[1] پر

محبت کے شرارے بھی کہیں رُکنے سے رُکتے ہیں
کہاں تک خاک ڈالوں میں خیالِ وصلِ جاناں پر

فلک چھونکے ہزاروں بار پڑھ پڑھ کر تو کیا ہو گا
اثر پایا نہ کوئی کا نہ ہو گا آہِ سوزاں پر

مرا نامہ نہیں ایسا کہ وہ محروم پھر آتے
شہادت پائے گا قاصد یقیں کوئے جاناں پر

ہمارے دستِ وحشت نے اڑا دی سب سینوں کی
کہاں سے خاک ڈالو تم عدو کے عہد و پیماں پر

وہ اپنے منھ پہ مل لیتے اور ان کی بات بن جاتی
ہتوا ہے لٹ پڑے مائلؔ ذرا سے نور ایماں پر

○

مقدر ہو اگر رہبر تو دم لوں آبِ حیواں پر
قدم رکھتا چلا جاؤں شبِ تاریکِ ہجراں[2] پر

جو ہونا ہے تجھے آگہ جنوں کے رازِ پنہاں پر
نظرِ وحشت کی کر مجنوں مرے چاکِ گریباں پر

مجھے شوقِ لبِ جاں بخش لے آیا ہے گرچے کیوں
کہ اکثر جا نکلتے ہیں خضر بھی آبِ حیواں پر

کیے مضموں ہاتھ آئیں کہ وہ جبریں لگا بیٹھے
دہن کے سرِ مخفی پر کمر کے رازِ پنہاں پر

نظر آنے نہ آنے پر دلِ مضطر کی تسکیں کو
نگہ تو ہم بھی ڈالیں گے نگاہِ اہلِ عرفاں پر

کبھی کچھ رنگ لاتے ہیں کبھی کچھ رنگ لاتے ہیں
محبت کے کرشموں نے بنا دی ہے دل و جاں پر

ادائے کافرانہ پہ غرور اتنا ہے اس بت کو
تبسم بھی نہیں کرتا ہمارے نازِ ایماں پر

مجال اس کی کہاں ایسی کہ شکر ان کا بجا لائے
ترے لطف و کرم کے ہیں بہت احسان انساں پر

جنوں کیسا زلیخا تو زبانِ شور و افغاں ہیں
دعائیں پڑھ کے دم کرتی رہی یوسف کے زنداں پر

سرِ محفل نہیں کو سکے اگر دیکھ لینا تھا
گرانی تھی اگر بجلی ہمارے ہی دل و جاں پر

لیے پھرتا ہوں برسوں سے تمنائے شہادت کو
یہی جی میں ہے چڑھا آؤں کسی گنجِ شہیداں پر

جہاں کی جس کی مٹی تھی وہاں اسکو دبا آیا
مری حسرت تو چھائی ہے ہر اک گورِ غریباں پر

بنائے عشق پڑتے ہی زباں پر میرے آیا تھا
یہ آفت آنیوالی ہے ہمارے ہی دل و جاں پر

سمجھ کر شیخ نے دامن مصلیٰ چاک کر ڈالا
ہوا دیوانہ ایسا دخترِ رز کی پاک داماں پر

---

[1] دیکھیے کس کی بن پڑتی ہے ؟ یار کی سرد مہری کی یا اپنی آہِ سوزاں کی ؟ ۱۲ " صلائے عام " دہلی اکتوبر ۱۹۲۹ء ص ۲۸۔ [2] قدم رکھتا چلا جاؤں شبِ تاریکِ ہجراں پر۔ بہت پاکیزہ اور نیا مضمون ہے ۱۲۔

گروہِ اہلِ ایماں میں مجھے ناداں سمجھتا ہے
خدا رحمت کرے مائل صنم خانے کے درباں پر



رکھا ساغر نہ جب تک شیخ نے توبہ کے داماں پر
نہ چھایا پر نہ چھایا ابرِ رحمت بزمِ رنداں پر

بہت ہی ناز کرتے ہو تم اپنی تیغِ براں پر
لگا کر ہاتھ دیکھو تو ذرا مجھ سے گراں جاں پر

ہزاروں قسمیں کھاتے ہیں جو رکھ کر ہاتھ قرآں پر
کبھی قائم نہیں رہتے وہ اپنے عہد و پیماں پر

یہ چھانے کو شاہی پر گدائی فوق رکھتی ہے
بچھا کر بوریا بیٹھے ہیں ہم تختِ سلیماں[1] پر

ہزاروں جس کے دریا ہیں کریمی کے رحیمی کے
نہ پانی کیا نہ پھیرے گا ذرا سی فردِ عصیاں پر

مجھے وہ ڈوبنے دیگا اگر کیا بحرِ عصیاں تو
سفینہ نوح کا جس نے چلایا موجِ طوفاں پر

قدم رکھنا تو آساں ہے مگر رہنا خدا حافظ
برس پڑتی ہیں تلواریں زمینِ کوئے جاناں پر

جو غیبت کیجئے اہلِ ہوا ہیں واعظ کو تو کہنے دو
گمانِ بد نہ کرنا چاہیے ہرگز مسلماں پر

سزائے ہوشیاری دے شہنشاہِ جنوں مجھ کو
قدم رکھ دوں اگر وحشت میں مجنوں کے بیاباں پر

وہ پردہ جب اٹھاتے ہیں ہم ان کو بھول جاتے ہیں
یہ حیرت اور چھائی ہے ہماری عقلِ حیراں پر

زمیں سے آسماں تک عرش و کرسی سے قیامت تک
خدا کی سب خدائی کے کھلے ہیں راز انساں پر

پڑے ہی رہتے ہیں گیسو مقدر اس کو کہتے ہیں
ادھر بھی روئے تاباں پر ادھر بھی سینۂ تاباں پر

یہ تسبیح مصلیٰ کیا یہ دستارِ فضیلت کیا
غرور اتنا نہ کر واعظ ریاکاری کے داماں پر

کہا دل سے یہ وحشت نے مبارک ہو قدم پیارا
نگہ پڑنے نہ پائی تھی تری زلفِ پریشاں پر

نہ آئی ہے نہ آئے گی کبھی ایمان کی لذت
نہ آئے یا صنم جب تک بتانِ اہلِ ایماں پر

جنوں میں کیا خیال آئے بلندی اور پستی کا
ابھی تھا صحنِ زنداں میں ابھی ہوں سقفِ زنداں پر

پھر اک پرواز میں لے لیگی اجڑا آشیاں اپنا
جو پنجرہ ٹک گیا بلبل کا دیوارِ گلستاں پر

---

[1] تختِ سلیمان پر بوریا بچھا کر بیٹھنا بھی تشبیہ ہے کہ گدائی کو بادشاہی پر ترجیح ثابت ہو گئی۔ ۱۲ مُلّائے عام مذکور

ادب نے حضرتِ حافظ کے سمجھایا مجھے مائل
ارادہ تھا کہ کردوں حملہ اردو کا صفاہاں پر[1]



وعدے پہ تیرے کیوں نہ بنے میری جان پر
جو تیرے دل میں ہے وہ نہیں ہے زبان پر

ایسا تو میں نہیں ہوں کہ لاؤں زبان پر
احسان سینکڑوں دل ہیں مرے آسمان پر

حیرت میں کہہ رہا ہوں کھڑا کوئے یار میں
یارب زمین پہ ہوں کہ ہوں آسمان پر

میکش جو کر دکھائیں تو واعظ عجب نہیں
چھڑکا ذرا یک جام سے دونوں جہان پر

سلطان ملکِ عشق بہ ایں فوجِ اشک و آہ
لکھتا ہے تیرے نام کو اپنے نشان پر

ہو حقِ میکشاں ہے کہ تسبیحِ قدسیاں
یہ میکدے میں شور ہے یا آسمان پر

یہ میکدہ ہے شیخ مرے ساتھ ہو بھی لے
کم بخت خاک ڈال کے دونوں جہان پر

اے شمع ساری بزم میں شعلے بھڑک اٹھیں
دل کی لگی ہوئی کو جو لاؤں زبان پر

کیا پوچھتے ہو تم مری صورت کو دیکھ کر
کب منحصر ہے دل کی حقیقت بیان پر

ہونے کو دفن حضرت عیسیٰ اتر پڑے
دو گز زمین جب نہ ملی آسمان پر

کیا پوچھتے ہو اس کی تلون مزاجیاں
ہوں خاک پہ کبھی تو کبھی آسمان پہ

سوکھی ہوئی زبان نہ کیونکہ ہو خار کی
مجنوں کی داستان ہے اس کی زبان پہ

رکھ دوں یہ بارِ غم جو اٹھائے ہوئے ہوں میں
بن جائے پھر تو عرشِ معلیٰ کی جان پر

آتا نہ ہو ادھر کو مرا شمع رو کہیں
پروانوں کا ہجوم ہے میرے مکان پر

بادِ صبا سے زلف پریشاں ہوئی سہی
بگڑے ہیں آپ کس لیے میرے گمان پر

اللہ کی ہے شان کہ سنتے نہ تھے جو بات
اب ان کی زندگی ہے مری داستان پہ

مائل حرم میں کرتے ہیں سجدے ہزار بار
رہتے ہیں میکدے میں خدائی کی شان پر



[1] اسمیں شک نہیں کہ فارسی میں بھی اس سے زیادہ پاکیزہ بیانی مشکل ہے ۱۲
• صلائے عام مذکور۔

دل کش جو اس کا نام نہ آتا زبان پر
مسجد میں لوگ آ ہی تو جاتے اذان پر

آجائے گر وہ غمزۂ خوں ریز شان پر
بن جائے پھر تو خضر و مسیحا کی جان پر

پورے ہیں تجھ میں حسن و جمال اپنی شان پر
کیونکر نہ جان جائے تری آن بان پر

حیرت ہو کیوں نہ آدمِ خاکی کی شان پر
اک مشتِ خاک چھا گئی دونوں جہان پر

رضواں یہ سوچتا ہے کھڑا کوئے یار میں
لیجاؤں کس طرح یہ زمیں آسمان پر

خدمت میں اہلِ ضبط کی بے بولتا ہوں میں
ممکن ہے آئے حرفِ تمنا زبان پر

جلوے جدا جدا ہیں کہ شمعے الگ الگ
اور اس کو دیکھتا ہوں تو ہے ایک شان پر

اچھی نہیں ہے آمد و رفتِ ملائکہ
میخانہ لے اڑیں نہ کہیں آسمان پر

میں تو اٹھا نہ قبر سے جب تک یہ داغِ دل
چمکا نہ آفتابِ قیامت کی شان پر

بیعت کے ساتھ پیرِ مغاں پر لگا دیے
مستی میں اڑ رہے ہیں مرید آسمان پر

جو شعر لکھ دیے ترے خنجر کے وصف میں
جاری ہیں رات دن شہدا کی زبان پر

الیاس ہوں کہ خضر ہوں جتنے ہیں راہبر
چلتے ہیں سب ترے کفِ پا کے نشان پر

نکلا ہوں جستجو میں مگر یہ خبر نہیں
وہ شوخ ہے زمین پہ یا آسمان پہ

اے پیرِ میکدہ مرے ایسے کہاں نصیب
تشریف آپ لائیں جو میرے مکان پر

تیری نگاہِ مست کے ایک ایک جام کی
کیفیتوں کو لا نہیں سکتا زبان پر

ایک ایک دل سے داغِ معاصی مٹا گیا
وہ اک نگاہ ڈال کے دونوں جہان پر

یوسف زنانِ مصر پہ اک وار کر گئے
چلتی ہے تیغِ ناز تری اک جہان پر

گل ہے نہ کوئی شے نہ حسینانِ روزگار
عالم مٹا ہوا ہے تری آن آن پر

مردانِ راہِ عشق کی غیرت تو دیکھنا
آتی ہے آبرو پہ تو لیتے ہیں جان پر

سب خفتگانِ خاک کو اک دم جگا دیا
قہرِ خدا ہو شورِ قیامت کی جان پر

عجز و نیاز خوئے ملائک میں آ گیا
اڑ کر جو میری خاک گئی آسمان پر

دیتا کبھی ہے صبر کبھی بے قراریاں
لیتا ہے امتحان مرا امتحان پر

حیران ہو رہے ہیں ملک تیرے سوچ میں
قربان ہو رہے ہیں فلک تیری شان پر

بلبل کا نالہ سن کے جو بیتاب میں ہوا — دل کے عوض وہ تیر لگاتے ہیں کان پر

کعبے سے پھر کے آئے تو مر کر ہی پھر اٹھے
بیٹھے جو مے فروش کی مائلؔ دکان پر



دل ہوا شیفتہ جب سے ترے رخساروں پر — آنکھ پڑتی نہیں اپنی کبھی گلزاروں پر

رات بھر مجھکو لٹاتی رہی انگاروں پر — چاندنی یہ نظر آتی ہے جو دیواروں پر

اس کے کوچے میں ہوس پیشہ جلانے کو مرے — نام لکھ لکھ کے چلے آتے ہیں دیواروں پر

رحمتِ حق پہ بھروسہ ہے انہیں کو واعظ — طعن کیجے نہ خدا کے لیے میخواروں پر

قہر حضرت موسیٰ پہ ہو اور مجھ پہ نہیں — برق گرتی ہی رہی اللہ کے طلبگاروں پر

آتشِ عشق بجھی ہے نہ بجھے گی ہرگز — میں شبِ ہجر میں لوٹا کیا انگاروں پر

کیا فلک کو یہ گرائے گا مرا دیدۂ تر — زور چلتا نہیں جب گھر کی دیواروں پر

وصفِ ابرو و مژہ خط میں لکھے ہیں قاصد — خنجروں پہ کبھی چلنا کبھی تلواروں پر

گرتے ہی چاہ میں یوسف کے اثر تو دیکھو — یاس سی چھانے لگی مصر کے بازاروں پر

شادماں کیوں نہ اٹھوں شورِ قیامت سن کر — آج وہ دن ہے کہ رحمت ہو گنہگاروں پر

ایک دل اس بتِ کافر پہ ہے آیا کہ جسے — فوق دیتے ہیں ستمگار ستمگاروں پر

نہ مروت نہ محبت نہ حیا ہو جن میں — ہم تو مرنے کے نہیں ایسے طرحداروں پر

سخت مشکل ہے مگر وصل میسر ہونا — جان دینی تو ہے آسان دل آزاروں پر

دیر لگتی ہی نہیں دام میں پھنستے بلبل — دیکھ ہنسنا نہیں اچھا ہے گرفتاروں پر

وہ یہاں تک مرے آرام کے دشمن ہیں بنے — کہ چھری تیز کیے بیٹھے ہیں غمخواروں پر

یہ دعا ہیں کہ شبِ ہجر دکھائی نہ دیے — اے فلک کیوں نہ ہنسی آتے ترے تاروں پر

زندگی بخش ہے مانا دمِ عیسیٰ لیکن — کچھ بھی تاثیر نہ کی عشق کے بیماروں پر

چار یاروں سے پیمبر کے محبت رکھو
حشر ایمان کا مائلؔ ہے انہیں چاروں پر



سب کا معاملہ تو ہے قسمت کے ہاتھ پر
اہلِ ہنر کی قدر ہے شہرت کے ہاتھ پر

جو فتنے بک گئے ترے قامت کے ہاتھ پہ
بیعت کیے ہوئے تھے قیامت کے ہاتھ پر

وہ رکھ کے دل پہ ہاتھ نہ روئے تو کیا کرے
مارا ہو جس نے ہاتھ محبت کے ہاتھ پر

مجنوں سنبھل کے وادیِ وحشت میں رکھ قدم
بیعت ہے خار خار کو وحشت کے ہاتھ پہ

کیا جانے کیا ہو حالِ قیامت جزا کے دن
ٹھہرا ہے فیصلہ ترے قامت کے ہاتھ پہ

واعظ ابھی تو بکنے لگے میکشوں کی سی
رکھ دیجے نقدِ زہد جو حضرت کے ہاتھ پہ

کھالے نہ ایک بار کلیجہ رہا سہا
رکھ دو دل نکال کر غمِ فرقت کے ہاتھ پر

ممکن نہیں کہ بادۂ اطہر ہو شیخ لائیں
رکھ کر خمِ شراب کرامت کے ہاتھ پہ

بیٹھے ہیں صف بہ صف ترے کوچے میں سرفروش
گویا بکے ہوئے ہیں شہادت کے ہاتھ پر

چھٹنے کا اب نہیں یہ مرا خون کہ جا پڑا
دامان و آستینِ شہادت کے ہاتھ پر

حاضر ہیں جان دینے کو دشمن کرے گا کیا
دیتی ہے بوسہ تیغ سخاوت کے ہاتھ پر

جاروب کش رہے ہیں کہیں میکدے میں شیخ
دیتی ہے بوسہ خلق جو حضرت کے ہاتھ پہ

لیتی رہی ہے کیا کسی رخ کی بلائیں یہ
پیدا ہے نورِ صبح قیامت کے ہاتھ پہ

سائل ہے ان سے سلسلہ اپنا ملا ہوا
بیعت ہے جن کو ختمِ رسالت کے ہاتھ پر



مسیحا کو اشارہ ہے دمِ گفتار دیکھا کر
قیامت سے یہ کہتے ہیں مری رفتار دیکھا کر

کہیں ایسا نہ ہو شوقِ شہادت رنگ لے آئے
مرے آگے نہ اس انداز سے تلوار دیکھا کر

نگاہِ مست سے اپنی کہا کرتا ہے یوں ساقی
اسی کے دل میں اترا کر جسے ہشیار دیکھا کر

پڑھایا ہے سبق یہ انتظارِ یار نے مجھکو
کہ اس کی یاد میں بیٹھا در و دیوار دیکھا کر

جنھیں تو دیکھتا ہے خاکِ میخانہ سے آلودہ
بنا دیں گے تجھے واعظ یہی میخوار دیکھا کر

ہوا چور رنگ تیغِ ناز سے کیوں ہم نہ کہتے تھے
کہ اک بہتی کی نہ اے دل ابھرتے نمدار دیکھا کر

نہ دیکھوں کیوں نہ [illegible] پیر مغاں جب مجھ سے فرمائیں
مری آنکھوں سے اس کا جلوۂ دیدار دیکھا کر

وہ مجھ سے کہتے ہیں جاتا رہے گا لطفِ ہجراں کا
مجھے دل میں بھی اپنے تو نہ سو سو بار دیکھا کر

انھیں آہستہ کھینچا کر مرے سینے سے اے ظالم
کہ جن تیروں کو مجھا تالبِ سوفار دیکھا کر

یہ ناصح کیوں ہیں فرماتے کہ اس دلبر کے نامہ کو
نہ آنکھوں سے لگایا کر نہ سو سو بار دیکھا کر

وہ کافر تو عیادت کو نہ آیا ہے نہ آئے گا
اجل کا انتظار اب اے دلِ بیمار دیکھا کر

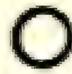
اگر ہے دیکھنا اے شیخ اس کے جوشِ رحمت کو
نہ ان آنکھوں سے سوئے خانۂ خمار دیکھا کر

بتا تو شیخ مجھ کو تو مراقب ہو کے کیا دیکھا
سحر اٹھ کر کسی کا مصحفِ رخسار دیکھا کر

اگر ہے دیکھنا منظور میری سخت جانی کا
لگا کر روز مجھ پر اک نئی تلوار دیکھا کر

بچا کر اے اجل آہِ دلِ بیتاب سے اس کی
جسے دردِ محبت کا کہیں بیمار دیکھا کر

نہ چھیڑا کر خدا کے واسطے مائلؔ نہ چھیڑا کر
نشہ میں اس بتِ کافر کو جب سرشار دیکھا کر



ٹلتے ہیں کوئی کوچۂ جاناں نہ چھوڑ کر
آئے نہیں ہیں ہمتِ مردانہ چھوڑ کر

جنت ہی پُر فضا ہے نہ دنیا ہی پُر فضا
ویرانہ تر میں آئے ہیں ویرانہ چھوڑ کر

جب کچھ امنگ ہی نہ ہو دل میں تو زیست کیا
جیتے ہیں کیسے شیوۂ رندانہ چھوڑ کر

وحشت بھی کیا بلا ہے کہ کوچہ کو یار کے
آخر کو چل دیا دلِ دیوانہ چھوڑ کر

طول میں جناب شیخ کی ہمراہ کعبہ کو
اچھی کہی کہ بادہ و پیمانہ چھوڑ کر

دارا کا کچھ پتہ نہ سکندر کا کچھ نشاں
سب چل دیے جہان میں افسانہ چھوڑ کر

جنت میں بعدِ مرگ بھی ہم تو نہ جائیں گے
یارب فضائے کوچۂ جاناں نہ چھوڑ کر

پامالِ غیر ہوں کہ قیامت ہو کچھ بھی ہو
ٹلتے ہیں ہم کہیں درِ جاناں نہ چھوڑ کر

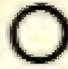
واعظ شریک دور ہو اللہ رے آپ کی شان
چلتے تھے سو قدم رہِ میخانہ چھوڑ کر

اب تو ہے اور گوشۂ مرقد ہے اے خدا
سب چل دیے یگانہ و بیگانہ چھوڑ کر

آتا نہیں یقین کہ جائے خزاں میں بھی
دامانِ دشت کو دلِ دیوانہ چھوڑ کر

تنگ آ کے بد مزاجیِ پیرِ مغاں سے ہم
جاتے ہیں خانقاہ کو میخانہ چھوڑ کر

دیکھیں گے کامیاب ہی کعبہ سے آئیں گے
مائل چلے تو ہیں درِ میخانہ چھوڑ کر



میکدے سے شیخ نکلے منھ پہ چادر ڈال کر
میں گیا کعبے کے اندر دامنِ تر ڈال کر

بار آیا تھا گلے میں وہ ستم گر ڈال کر
چل دیا تربت سے میری دو قدم پر ڈال کر

قتل گہ میں دیکھتا ہے خوں میں خنجر ڈال کر
جیسے پانی دیکھتے ہیں طفل پتھر ڈال کر

حضرتِ پیرِ مغاں پیتے ہیں پچھلی رات کو
آبِ زمزم ڈال کر یا آبِ کوثر ڈال کر

حال ان پہ کچھ تو کھلتا اک لفافے میں اگر
خط کے بدلے بھیجدیتا جانِ مضطر ڈال کر

یہ نہ سمجھا اس سے مے بھی نذرِ گرہ ہو جائیگی
چل دیا دستارِ واعظ خم کے اندر ڈال کر

ہو سکے زیرِ زمیں شاہ و گدا کی کیا تمیز
جس کو دیکھو سو رہا ہے منھ پہ چادر ڈال کر

رکھ گیا دستار اپنی خم کے نیچے دیکھ لو
لے گیا شیشہ میں واعظ ایک ساغر ڈال کر

اس بہانے سے گیا پھر اس کی بزمِ ناز میں
بھول آیا ہوں کہیں اپنا مقدر ڈال کر

تیرے ہم اٹھتے اٹھتے ہو گئے جو بے قرار
چل دیا کیا کان میں یہ روزِ محشر ڈال کر

کیوں نہ استقبالِ واعظ پیرِ میخانہ کریں
آئے ہیں ریو و ریا کعبے کے اندر ڈال کر

چارہ ساز و عمر بھر بھرتا نظر آتا نہیں
زخم ایسا وہ گئے ہیں میرے دل پر ڈال کر

پوچھتا کیا ہے دوا میں زہر ڈالوں یا نہیں
لے بھی آ اے چارہ گر میرا مقدر ڈال کر

کیوں نہ مہکائے دماغ و ہشیاں بادِ سحر
مے پیا کرتے ہیں مائل مشک و عنبر ڈال کر



کیوں درِ رحمت پہ جاؤں منھ پہ چادر ڈال کر
لے چلو میرا جنازہ دامنِ تر ڈال کر

اے ترے ہونٹوں کے قرباں لاکھ جانِ میکشاں
مے پلا دے آج ساقی آبِ کوثر ڈال کر

وہ دکھائی شانِ قدرت عقلِ جبریل رہ گئی
خاک کے پتلے میں تو نے جانِ مضطر ڈال کر

کیا کیا مقتل میں جادو اک نگہِ یاس نے
پاس آ بیٹھا ہے قاتل تیغ و خنجر ڈال کر

دیکھ تو مجھ روسیہ کو جا ملا اللہ سے
حضرتِ پیرِ مغاں کے پاؤں پر سر ڈال کر

خط کو دے کر یہ کہا تھا اس کے گھر میں ڈال آ
آ گیا تو نامہ بر کعبہ کے اندر ڈال کر

یہ بھی کیا دشوار تھا شیریں بنا جاتی نشاں
مقتلِ فرہاد پر دو چار پتھر ڈال کر

چاہتا ہے دامِ نیرنگِ جہاں میں پھانس لوں
میرے آگے آسماں بختِ سکندر ڈال کر

ماجرائے راہ تجھ سے کوئے جاناں کیا کہوں
پیٹھ پر لایا ہے کوسوں مجھ کو رہبر ڈال کر

کیا عجب ہے جاگ اٹھے امتحاں کرتا تو ہوں
اس کے پائے ناز پہ اپنا مقدر ڈال کر

کیا دلِ پُر داغ میرا لے اڑے جو کہتے ہیں
جیب میں پھرتے ہیں ہم خورشیدِ محشر ڈال کر

دیکھنا رعب شہنشاہِ جنوں کو دیکھنا
عقل بیچاری کھڑی ہے سامنے سر ڈال کر

اک ذرا سی نیند آجاتی تھی وہ بھی اڑ گئی
دہ گئے ہیں چیز ایسی دل کے اندر ڈال کر

کیوں نہ ہوں قربان ساقی کے کرشمہ کو مرے
کر دیا ہے جامِ عرفاں ایک ساغر ڈال کر

اس کی حکمت دیکھنا مائلؔ کہ اپنی جلوہ گاہ
دل کو بندوں کے کیا حبِ پیمبر ڈال کر



دوزخ میں ڈال دل سے دوئی کو نکال کر
کعبہ میں بتکدے میں اسی کا خیال کر

اس کو بھی آزما کبھی دعا دل کو ٹال کر
مشقِ ستم تو غیر پہ دو چار سال کر

مایوسیوں کو اپنی شگونِ وصال کر
داغِ دل و جگر کو مبارک خیال کر

پھیلا ہے کس کے سامنے یہ تو خیال کر
دستِ دعا کا نام نہ دستِ سوال کر

وہ بندگی کی شان میں پیدا کمال کر
آ کر کہیں ملک کہ ہمیں پائمال کر

ڈرتا ہے آسماں مرے روزِ سیاہ سے
پھرتا ہے آفتاب کا تعویذ ڈال کر

بزمِ جہاں میں دیدۂ دل کی نگاہ سے
بیٹھا ہوا نظارۂ حسن و جمال کر

ہُو حق مچا نہ محفلِ رنداں میں شیخ تو
کم بخت خانقاہ میں جا وجد و حال کر

جو کچھ خدا دکھائے اسے دیکھ شاد شاد
نیرنگیٔ جہاں کو تماشا خیال کر

عاشق کے خوں کی متحمل زمیں نہیں
پیکاں نہ پھینکنا مرے دل سے نکال کر

جب سے ہوا یقین کہ ٹوٹے گا ایک روز
رکھتا نہیں ہوں شیشۂ دل کو نکال کر

سارے ہی میکدے کی نگاہوں سے گر گئے
ہم ایک حرفِ توبہ کو منہ سے نکال کر

وہ بھی تو اپنے ہاتھ سے پھایا لگا گئے
اے زخمِ دل بس اب تو کہیں اندمال کر

نقشِ قدم ہو یار کا کعبہ ہو دیر ہو
سجدے کا جو مقام ہے بے قیل و قال کر

منکر نکیر آئیں تو بے باکیوں کے ساتھ
بندے ہیں آپ کس کے یہ ان سے سوال کر

کعبے نے عاصیوں میں گنا بھی اسے تو کیا
مائل کو میکدے میں فرشتہ خیال کر

○

بے لطف زندگی کو نہ اپنی وبال کر
دنیا کو اس کی زلفِ پریشاں خیال کر

بیٹھے جو بزمِ یار میں دل کو سنبھال کر
اٹھے تو جانِ زار کی حسرت نکال کر

اندیشہ ناک بات ہے فکرِ مآل کر
وحدانیت میں اس کی نہ کچھ قیل و قال کر

مجنوں کو ہوش کب ہے کہ رکھے سنبھال کر
دیتا ہوں کس کو تارِ گریباں نکال کر

جو ڈھنگ یار کا ہے وہی چال ڈھال کر
آزاد رہ نہ فکرِ فراق و وصال کر

دنیا کے پیچ و تاب میں اپنے کو ڈال کر
دو دن کی زندگی ہے نہ اس کو وبال کر

توڑا جو اس نے جام نہ اس کا ملال کر
توبہ کو محتسب کے شکستہ خیال کر

ان جلوہ ریزیوں سے مجھے پائمال کر
ہر ذرہ میری خاک کا تو بے مثال کر

جب لطفِ میکشی ہے کہ آجائے پھر بہار
رکھئے نہ پاؤں طاق پہ شیشے سنبھال کر

کیا حسن کا بھی مکان ہے کنگورۂ عرش کا
پرواز اس ہوا میں نہ مرغِ خیال کر

یارب نہ کر ہمیشہ مگر میری زیست تک
فصلِ بہار میں مئے گلگوں حلال کر

جلوے ترے جمال کے پردوں میں دیکھ لے
یارب مری نگاہ کو وہ بے مثال کر

دیکھے نہیں ہیں اس کے کرشموں کے انقلاب
بگڑی اگر ہوا ہے نہ اس کا خیال کر

پھر بھی وہ مجھ کو کہتے ہیں کم بخت بد تمیز
میں دیکھتا ہوں چار طرف دیکھ بھال کر

سوز و گدازِ ہجر کی لذت ہے پھر کہاں
جب تک کہ ہو سکے نہ دعائے وصال کر

یوں بدگمانیاں ملک الموت سے ہوئیں
ڈر ڈر گئے جو جان کو میری نکال کر

پیر مغاں سے شیخ نہ شرما کریم ہیں
دیدیں گے وہ جہان ذرا تو سوال کر

میں تنگ آ گیا ہوں فرشتوں کے ہاتھ سے
جنت میں لے چلیں مجھے دوزخ میں ڈال کر

جو ہو گیا فدا لب جاں بخش پر ترے
اس کو تو گور میں بھی نہ مردہ خیال کر

اب ہم سے ایک بت بھی ملاتا نہیں ہے آنکھ
رکھ آئے ہم جو کعبہ میں ایماں سنبھال کر

سمجھیں گے لوگ عرس ہے اک شیخ وقت کا
ہنگامہ حشر کا مرے روز وصال کر

یہ حسن و عشق جس کے کرشموں کے نام ہیں
ناز و نیاز دونوں اسی کے خیال کر

دل میں نہ ہو جو درد تو الفاظ کیا کریں
تاثیر ڈھونڈھتا ہے تو مضمون حال کر

سارے گھروں کا صاحب خانہ ہے ایک ہی
جس گھر کا کر طواف اسے کعبہ خیال کر

عظمت مہ صیام کی مد نظر رہے
واعظ کو بعد عید شرابی خیال کر

پگڑی جو جا پڑی تری ساقی کے پاؤں پر
اس دل لگی کو شیخ سعادت خیال کر

توبہ کی گر نماز جنازہ پڑھائی ہے
مائل وضو شراب سے بے قیل و قال کر



مقتل میں وہ تو آئیں خنجر بدل بدل کر
یارب کہاں سے لاؤں میں سر بدل بدل کر

یوں قتل کر رہے ہیں تیور بدل بدل کر
کرتے ہیں وار گویا خنجر بدل بدل کر

اے شوق سجدہ تیری کرتے ہیں آزمائش
وہ آستاں کا اپنے پتھر بدل بدل کر

اتنے تو ہو گئے ہیں وہ مجھ سے بے تکلف
لیتے ہیں نام میرا اکثر بدل بدل کر

لڑتے ہیں جا کے باہر یہ شیخ اور برہمن
پیتے ہیں میکدے میں ساغر بدل بدل کر

کب میں نے گل کو دیکھا کب ماہ پر نظر کی
طوفاں اٹھا رہے ہیں مجھ پر بدل بدل کر

اللہ ہی بات رکھے اللہ ہی شرم رکھے
فتنے اٹھا رہا ہے محشر بدل بدل کر

آئینہ سامنے ہے خود لطف لے رہے ہیں
زلفیں بنا بنا کر زیور بدل بدل کر

ہم میکشان الفت کیونکر نہ رنگ بدلیں
دیتی ہے چشم ساقی ساغر بدل بدل کر

لکھا تو ہے عدو کو کیا جانے کیا ہے ایما
خبریں جو کر رہے ہیں خط پر بدل بدل کر

ہم عاصیوں کا ان میں یارب گنہ نہیں ہے
لے آئے ہیں فرشتے دفتر بدل بدل کر

کیونکر بھلاؤں دل سے اس شوخ فتنہ گر کا
پینا کبھی پلانا ساغر بدل بدل کر

کیونکر نہ بدگماں ہوں خود بزم میں ہیں رکھتے
شیشے بدل بدل کر ساغر بدل بدل کر

منظور امتحاں ہے کس سخت جاں کا یارب
مقتل میں دیکھتے ہیں خنجر بدل بدل کر

جھگڑا دوئی کا مٹتا میں تو لگا ہی دیتا
کعبہ میں بتکدے کے پتھر بدل بدل کر

ہر سنگِ رہ سے پوچھا کوئے بتاں کا رستہ
کن مشکلوں سے پہنچا رہبر بدل بدل کر

لایا ہے میکدے سے واعظ نظر بچا کر
صہبائے مشک بو کے ساغر بدل بدل کر

آنکھوں میں جان و دل میں کعبے میں بتکدے میں
جلوے دکھا رہا ہے گھر گھر بدل بدل کر

اب حوضِ میکدہ کا دیکھے کوئی اُبلنا
ساقی نے نام رکھا کوثر بدل بدل کر

دیکھا عدو کو ہنس کر میں نے کہا جواں سے
پیتے ہیں جام صہبا کیونکر بدل بدل کر

اپنی تو عاشقی کا یہ قصہ مختصر ہے
ہم جا ملے خدا سے دلبر بدل بدل کر

خورشید و ماہ و پرویں گردوں نے نام رکھے
داغوں سے دل کے میرے[ن] اختر بدل بدل کر

جتنے ہیں زخم کاری دل پر شمار کر لو
اتنے لگائے تم نے خنجر بدل بدل کر

کیا اہل بزم میں ہی آنکھوں میں ہوں کھٹکتا
جو مجھ کو دیکھتے ہو تیور بدل بدل کر

کیا آئیں ہم چمن میں نغموں سے عندلیبیں
دل میں چبھو رہی ہیں نشتر بدل بدل کر

تھک کر گرا ہے تو بھی مرغِ خیال رہ میں
روح الامیں سے لیتے شہپر بدل بدل کر

ناکامیوں نے میری کیسی ہنسی اڑائی
جب اس کا دل بنایا پتھر بدل بدل کر

مائلؔ سمجھ رہا ہوں گردش کو آسماں کی
ساقی پلا رہا ہے ساغر بدل بدل کر



کمالِ حسن پہ اور درد آشنا ہو کر
نہ آئے گا کوئی دنیا میں آپ سا ہو کر

ن۔ میرے دل کے

اٹھا وہ روزِ جزا خاصۂ خدا ہو کر
پڑا رہا ترے در پر جو خاکِ پا ہو کر

تمام دل کی امیدوں کا آسرا ہو کر
فلک میں مل گئی وہ آہ نارسا ہو کر

زہے نصیب یہ کہتا ہے عشقِ خانہ خراب
وہ جھڑکیاں مجھے دیتے ہیں جب خفا ہو کر

جو اس سے ترے اے عرش کہہ نہیں سکتا
جو عزم ہے مرے نالوں کا نارسا ہو کر

خدا کے سامنے مجھ روسیہ کو شرم آئی
گناہ اتنے کیے شیخ پارسا ہو کر

جو دیکھ لوگے ہمارے مزار کی جانب
بنے رہوگے وفادار بے وفا ہو کر

یہ سچ کہا ہے کہ قوت ہے اپنی اپنے ہاتھ
نہ لب تک آئی مری آہ نارسا ہو کر

بس اتنی بات پہ مرتا ہوں ان بتوں کی میں
جہاں رہے یہ رہے شانِ کبریا ہو کر

ملائکہ کو بھی گردن جھکانے بنتی ہے
وہ کھینچ لیتے ہیں تلوار جب خفا ہو کر

لگا ہی آئیں گے پردے میں توبہ کا پیوند
چلیں گے کعبہ بھی اک روز پارسا ہو کر

قدم کے رکھتے ہی کہتا ہے سنگِ در میرا
نہ جا نہ جا کہیں بگڑی ہوئی ہوا ہو کر

ہجومِ یاس نے اوسان اس قدر کھوئے
درِ قبول کو ڈھونڈھے مری دعا ہو کر

کفن بھی ساتھ ہی پیغامبر جو لے آیا
وہ آئیں گے مری بالیں پہ کیا قضا ہو کر

بنا کے خاک کے پتلے کو خود ہی فرمایا
دکھاؤں گا کر رہے گا یہ کیا سے کیا ہو کر

جوابِ نامہ کا لایا ہے سر پہ رکھ کر وہ
یہ جی میں ہے رہوں قاصد کی خاکِ پا ہو کر

ذرا سی بات میں دونوں کو کر دیا راضی
بتوں کو سجدہ کیا بندۂ خدا ہو کر

جنابِ عشق کی جو بات ہے نرالی ہے
فنا کی راہ میں ہیں چشمۂ بقا ہو کر

یہ راہ خوب ہے رہنے کی اس کے کوچے میں
پڑا رہوں کہیں درباں کی خاکِ پا ہو کر

گناہ ایک ہوا ہے خدا سے کہہ دوں گا
کہ تیرے گھر میں بتوں سے رہا جدا ہو کر

خضر کو رشک ہے اس سے فلک پہ رہتی ہے
مری دعا جو دعاؤں کی رہنما ہو کر

بچے گا کچھ تو چلیں گے ضرور کعبہ کو
یہ مے فروش کا قرضہ اگر ادا ہو کر

شراب خانہ ہے وہ شے کہ رند میکش کیا
جناب شیخ بھی نکلے تو باخدا ہو کر

کسی نے اس کو بھی بھیجا تھا کیا عیادت کو
چلی گئی مری بالیں پہ جو قضا ہو کر

کبھی بھی جانِ حزیں اپنی میں نہ سونپوں گا
نہ آئے گی جو اجل دردِ آشنا ہو کر

شبِ فراق میں تجھ سے تو یہ امید نہ تھی
جو کام کر گئی تو آہ نارسا ہو کر

کہیں تو رند یہ کیونکر غریقِ رحمت ہو
مرا ہے شیخ تو کم بخت پارسا ہو کر

ادا ادا سے برستا ہے کعبہ دیتا ہے
تجھیں کو دل میں جگہ خانۂ خدا ہو کر

جسے سمجھتے تھے اپنا وہی کنارہ پہ
ڈبو گیا مری کشتی کو ناخدا ہو کر

خدا کے سامنے کس منہ سے جاؤں گا مائل
رہا نہ ایک نفس بندۂ خدا ہو کر



جلا کر خاک کر دیگا مجھے سوزِ نہاں ہو کر
نکل جائے دو ارماں کو مرے آہ و فغاں ہو کر

نظر آتا ہے بلبل کو بلائے آسماں ہو کر
گذرتا ہے اگر صیاد زیرِ آشیاں ہو کر

نہیں اتنے بھی کیا ہم خادمِ پیرِ مغاں ہو کر
کہ گویا ہو یہ موجِ بادۂ ساغر کی زباں ہو کر

جماعت ہو چکی اے واعظ مسجد میں اذاں ہو کر
صبوحی کی نہ تو نے میکدہ کا پاسباں ہو کر

جو آیا ہے عیادت کو وہ دلیسا ئے زماں ہو کر
نہ آیا کوئی بھی کم بخت مرگِ ناگہاں ہو کر

دلِ پر غم سے نکلی تھیں اگر آہیں دھواں ہو کر
تو ان کو ٹوٹ پڑنا تھا عدو پر آسماں ہو کر

نصیبوں کو کہاں چھوڑوں مرے دل کا دھواں ہو کر
زمینِ کوئے جاناں پر نہ چھایا آسماں ہو کر

نشاں ہر رنگ کا دیتا ہے زیبائے نشاں ہو کر
کہیں آہ و فغاں ہو کر کہیں حسنِ بتاں ہو کر

کھنچے دیتا ہوں کعبہ شک میرے دل سے رکھتا ہے
رہے گا یہ رہے گا ایک دن کوئے بتاں ہو کر

خدا چاہے تو سقفِ میکدہ کو وہ بلندی دے دل
نظر آئے فلک کے ساکنوں کو آسماں ہو کر

گذر ہوتا نہیں واعظ وہاں اہلِ رعونت کا
چلیں گے ہم بھی کعبہ کو مگر کوئے بتاں ہو کر

خدا کو منہ دکھاؤں کیا بتا دو راہ دوزخ کی
چلا جاؤں گناہوں کی سیاہی میں نہاں ہو کر

یہ عظمت سنگِ اسود کی نہیں کعبہ میں رہتے سے
رہا برسوں صنم خانے کا سنگِ آستاں ہو کر

اسیری کی مصیبت کو کوئی پوچھے مرے دل سے
ذرا سا یہ قفس بھی رنگ لایا آسماں ہو کر

تصور میں ہے بلبل کے جو شعلوں کا بھڑک اٹھنا
نظر آتا ہے خورشیدِ قیامت آشیاں ہو کر

کہا کرتے ہیں وہ مجھ سے نہ گھبراؤ نہ گھبراؤ
قیامت تو بپا ہو گی تمہارا امتحاں ہوکر

نگاہِ عاشقانہ سے ادائے کافرانہ سے
اڑا لیتا ہے ایماں کو وہ کافر مہرباں ہوکر

شبِ تارِ یکِ فرقت میں نکل کر جان کہتی ہے
کہاں جاؤں کدھر جاؤں کدھر ہوکر کہاں ہوکر

گدائے میکدہ ہیں ساقیِ کوثر کے مستانے
پلا دے اوکھ سے ساقی نہیں تو مہرباں ہوکر

ترا دریائے رحمت موجزن ہے ہر طرف اس کے
جہنم میں کوئی جائے کدھر ہوکر کہاں ہوکر

نہ سمجھو مر گئے جو داستانِ یار کہتے تھے
قیامت تک رہے گا ذکر انکا داستاں ہوکر

پسینہ آ گیا گرمی سے حورانِ بہشتی کو
گیا نالہ جو سوئے آسماں آتش فشاں ہوکر

ترا ایماں اے واعظ بنا نورِ خدا کس دن
مرا ایماں تو برسوں رہا حسنِ بتاں ہوکر

وہ میکش ہوں اڑا دوں حوضِ کوثر ایک چسکی میں
پلائیگا مجھے ساقی کہاں تک مہرباں ہوکر

محبت نے کیا رسوا زلیخا کو عجب ڈھب سے
بکے بازار میں یوسف متاعِ کارواں ہوکر

دکھائی وہ کرامت دخترِ رز نے شیخ حیراں ہے
گیا تھا پیر میخانہ میں آیا ہوں جواں ہوکر

پڑے جھگڑوں میں کیونکر کافر و دیندار کے مائل
بتوں کا پاسباں ہوکر خدا کا راز داں ہوکر

گئے تھے قتل گہ میں ہم نہایت سخت جاں ہوکر
نہ ٹھہرا پر گلو پر خنجرِ قاتل رواں ہوکر

چھپانے دل میں کیا انساں کسی کا راز داں ہوکر
دکھائے جا بجا جلوے عیاں ہوکر نہاں ہوکر

عدم میں بھی نہ ٹھہرے حسن والفت تو نہاں ہوکر
ظہور اپنا کیا ہے رفتہ رفتہ دو جہاں ہوکر

ہوائے شوق میں اڑتے غبارِ کارواں ہوکر
خدا جانے کہاں سے ہم کہاں آئے کہاں ہوکر

عدم میں بھی نہ ٹھہرے حسن الفت تو نہاں ہوکر
دکھائے جا بجا جلوے عیاں ہوکر نہاں ہوکر

مجھے افسوس آتا ہے اسے غیرت نہیں آتی
الجھ پڑتا ہے رضواں سے تمہارا پاسباں ہوکر

زلیخا کو محبت نے دیا رسوائی کا مژدہ
جب آئے مصر میں یوسف متاعِ کارواں ہوکر

بتوں کو میں جگہ کیونکر نہ دوں دل میں کہ کعبہ بھی
بنا ہے سجدہ گاہِ اہلِ دیں کوئے بتاں ہوکر

کہوں میں اہلِ محشر کیا کہ مجھ پر کیا قیامت ہے
اسی کی سی لگا کہنے خدا بھی مہرباں ہوکر

نہ آیا وہ پلٹ کر اور آئی تو اجل آئی
گیا تھا نامہ بر میرا کہ عمرِ رواں ہوکر

یہ مانا ہم محبت سے تنے ہیں بے امتحاں اس کے — ہمارا ہو ہی جائے گا وہ کافر امتحاں ہو کر
اشارہ کچھ ادھر کا ہے وگرنہ دردِ دل میرا — ستانے خاکسارانِ جہاں کو آسماں ہو کر
گلہ کیا شکوہ ہی کرنا پڑا نا مہربانی کا — ستم اتنے کیے ہیں تو نے ظالم مہرباں ہو کر
غبار اپنا کہا کرتا ہے خاکِ کوئے جاناں سے — بہت ہی پست ہمت ہے رہا جو آسماں ہو کر
جوانی ڈھل چکی ہے عہدِ پیری آنے والا ہے — غنیمت ہے بتوں کا دیکھ لینا مہرباں ہو کر
ترا داغِ غمِ فرقت نہیں ایسا کہ مٹ جائے — قیامت تک رہے گا یہ کلیجہ پر نشاں ہو کر
چھپانے سے چھپا بھی ہے کہیں خونِ گناہوں کا — شہادت دے رہا ہے خنجرِ قاتل زباں ہو کر
کہاں ہیں صحبتیں ایسی کہ دم بھر غم غلط کیجے — چلے آتے ہیں چل پھر کر یہاں ہو کر وہاں ہو کر
کبھی تو دیکھنا وہ جلوہ فرما ہو ہی جائے گا — رہے گا اک نہ اک دن یہ مکاں بھی لامکاں ہو کر
چمن میں کیا ہوا شہرہ مری نازک دماغی کا — کہ بلبل ہو گئی خاموش سرگرمِ فغاں ہو کر
قیامت ہے مرے ہوتے خضر کو ہائے مل جائے — مزہ صحرا نوردی کا حیاتِ جاوداں ہو کر
مقدر کے تو لکھے کو مٹا سکتا نہیں کوئی — کدورت کیوں کرے پیدا کسی سے بدگماں ہو کر
کہاں تک اپنی ناکامی کو رو دوں میں کہ بالیں پر — چلی جاتی ہے تیرے ہو تو بارِ مرگِ ناگہاں ہو کر
درِ جاناں پہ درباں کیا سمجھ کر جم کے بیٹھا ہے — قیامت کو تو اٹھے گا یہ سنگِ آستاں ہو کر
ہمارا رازِ الفت بڑھ گیا تم سے لطافت میں — کہ آسکتا نہیں دل سے زباں تک بھی بیاں ہو کر
پہنچ کر کوئے جاناں میں کہیں کا ہو رہوں گا میں — چلا ہوں شوق میں پہلے ہی اتنا ناتواں ہو کر

علامت ہے بڑی قربِ قیامت کی یہی مائلؔ
خیالِ توبہ آیا خادمِ پیرِ مغاں ہو کرؔ



کیوں بتوں سے ہے پھرا شیخ مسلماں ہو کر — یہ تو رہتے دلِ عاشق میں ہیں ایماں ہو کر

؎ یہ مشاعرہ طرحی کا دو غزلہ ہے جو غالباً ۱۸۹۸ء میں بمقام جے پور ہوا تھا اور اس زمانے کے اساتذہ نے خوب خوب زورِ طبع دکھایا ہے۔ اکثر کے دو غزلے اور سہ غزلے ہیں چنانچہ مولانا حسینؔ کا دو غزلہ ہے جس کا ایک مطلع یہ ہے :- کہو اب کیا کریں نالے مرے آتش فشاں ہو کر غبارِ کوئے جاناں چھا گیا ہو آسماں ہو کر

کام نکلا جو نہ منت کشِ درباں ہوکر
مل گیا خاک میں خاکِ درِ جاناں ہوکر

رشک کیونکر نہ ہو شہرت پہ مجھے مجنوں کی
کیا ہوا باندھی ہے اک طفلِ دبستاں ہوکر

دستِ وحشت کو ہے وہ لاگ کہ چھوڑے نہ کبھی
گرہِ تارِ گریباں کا رگِ جاں ہوکر

کس کے اندازِ تبسم کا ہے دیوانہ کہ گل
چاک کرتا ہے جو دامن کو تو خنداں ہوکر

کیوں نہ قربانِ وفا ہوں کہ جفا نے پہ مرے
توبہ کرتا ہے ستم سے وہ پشیماں ہوکر

چشمِ حق بیں ہو مری دیر و حرم میں یکساں
نظر آتا ہے مجھے کفر بھی ایماں ہوکر

دل میں آنکھوں میں مرے چھائی ہے وحشت کیسی
گھر کی صورت نظر آتی ہے بیاباں ہوکر

عشق میں زیست کی لذت مرے دل سے پوچھو
پہلوئے غیر میں بیٹھے ہو مری جاں ہوکر

بزم کس کی ہے مجھے لے کے کہاں دل آیا
تک رہا ہوں در و دیوار کو حیراں ہوکر

کل تو دشمن پہ وہ بیٹھے تھے چھری تیز کیے
رہ گیا آج مرے قتل کا ساماں ہوکر

اب تو کچھ اور ہوائیں ہیں وہ ملنا کیسا
آنکلتے ہیں کبھی فتنۂ دوراں ہوکر

بت ہیں وہ کافر سرکش کہ خدا کے گھر میں
یہ رہے اور رہے دشمنِ ایماں ہوکر

محفلِ یار میں جاتا ہوں مگر ڈرتا ہوں
کہیں آنا نہ پڑے سر بگریباں ہوکر

پنجۂ عشقِ بلاخیز سے دامانِ جماں
نہ بچا حضرتِ یوسف کا بھی داماں ہوکر

کیا لکھوں آپ کو احوال پریشاں اپنا
دل نکلنے کو ہے سینہ سے پریشاں ہوکر

شکوہ کیا حضرتِ یوسف سے زلیخا کرتی
آہ گزری نہ کبھی جانبِ زنداں ہوکر

در پہ کعبہ کے سنا ہے کہ پڑے رہتے ہیں
یہ ملا حضرتِ مائل کو مسلماں ہوکر



ہم چھیڑتے ہیں رابطۂ قدیمانہ سمجھ کر
وہ بات بھی کرتے نہیں دیوانہ سمجھ کر

دنیا ہی میں رہتے نہیں غم خانہ سمجھ کر
کرتے ہیں جو ہر کام کو فرزانہ سمجھ کر

میں ہاتھ بڑھاتا ہوں دمِ شوق میں اپنا
دامن کو بچاتے ہیں وہ دیوانہ سمجھ کر

اس عشقِ بلاخیز کی روداد غضب ہے
سننا نہ کبھی بھول کر افسانہ سمجھ کر

انسان اور اس بارِ محبت کو اٹھاتا
دیتا ہے خدا ہمتِ مردانہ سمجھ کر

کچھ شان نہ گھٹتی جو جنازے پہ ہمارے
آجاتے اگر ربطِ قدیمانہ سمجھ کر

دیدار میسر نہ ہو جنت میں الٰہی
رکھوں جو قدم کوچۂ جانانہ سمجھ کر

کیونکر کہوں اپنا کبھی میں نے تو دل کا
باندھا نہیں مضمون بھی بیگانہ سمجھ کر

ہم ناصحِ بے درد کے سنتے نہ یہ طعنے
سن لیتے اگر حال وہ افسانہ سمجھ کر

تاثیر دکھائی یہ محبت نے تمہاری
احباب نے چھوڑا مجھے بیگانہ سمجھ کر

اے شمع نہ تو ہوگی نہ یہ بزم سحر تک
کچھ شام سے جلتا ہے تو پروانہ سمجھ کر

مستوں کی طرح روزِ جزا قبر سے اٹھا
ساقی نے دیا تھا مجھے پیمانہ سمجھ کر

مرتا ہوں میں اس وہم سے دشمن کو نہ بخشیں
لڑتی ہے تری نرگسِ مستانہ سمجھ کر

وہ گھر میں مرے آتے ہیں یہ شان ہے اس کی
جو دل میں بھی آتے نہ تھے غم خانہ سمجھ کر

میرے ہی یگانوں نے مجھے باغِ جہاں میں
پامال کیا سبزۂ بیگانہ سمجھ کر

ناصح بھی کہے جاتے ہیں قصہ کی طرح کچھ
اور ہم بھی سنے جاتے ہیں افسانہ سمجھ کر

ہر گام پہ سجدے جو کیے جاتے ہیں مائلؔ
کعبہ کو چلے ہو کہیں بت خانہ سمجھ کر



کہتے ہیں کبھی بات تو دیوانہ سمجھ کر
سنتے ہیں کبھی حال تو افسانہ سمجھ کر

بگڑے ہوئے بیٹھے ہیں بہت رندِ خرابات
تو محتسب اب توڑیو پیمانہ سمجھ کر

محرومیِ تقدیر کو روتا ہوں حرم میں
آیا تھا بہت دور سے بت خانہ سمجھ کر

دانستہ گرے اس لیے دشمن پہ سرِ بزم
مر جائے کوئی لغزشِ مستانہ سمجھ کر

اس کوچۂ الفت میں برستی ہیں بلائیں
رکھیو قدم اے ہمتِ مردانہ سمجھ کر

واعظ نہ بڑھا شوکتِ دروازۂ مسجد
میخوار چلے آئیں نہ میخانہ سمجھ کر

پہنچی ہے کہاں دیکھ تو وحشت مرے دل کی
آیا ہوں ترے کوچے میں ویرانہ سمجھ کر

جنت سے نکلتے نہ کبھی حضرتِ آدم
رہتے یہ اگر کوچۂ جانانہ سمجھ کر

پڑتا ہے رخِ شمع پہ پرتو ترے رخ کا
جلتا ہے تری بزم میں پروانہ سمجھ کر

تم کس لیے بدظن ہوئے ہیں راز تمھارے
دل سے بھی تو کہتا نہیں بیگانہ سمجھ کر

وہ ہم پہ گذرتی ہے جدائی میں مصیبت
سنتے تھے جسے ہم کبھی افسانہ سمجھ کر

ہے چشمِ فسوں ساز بھی ہمسایہ میں اس کے
گیسوے الجھیو دلِ دیوانہ سمجھ کر

کوثر پہ نظر آئے جو میخانہ نشیں لوگ
واعظ نہ گیا مجمعِ رندانہ سمجھ کر

آتے ہیں تو روتے ہوئے جاتے ہیں رلا کر
دنیا کا رکھا نام ہے غم خانہ سمجھ کر

سائل کی حقیقت میں بہت دور نظر ہے
کعبہ کو کیا سجدہ تو بت خانہ سمجھ کر[1]



کیا فقط بزمِ عدو میں ان کو بیٹھا دیکھ کر
ہم خدا جانے کہ اٹھ آئے ہیں کیا کیا دیکھ کر

ہیں اسے کیونکر نہ ہوں محوِ تماشا دیکھ کر
رہ گئی حیرت میں جس کو چشمِ بینا دیکھ کر

بے غرض ملتے نہیں ایسے خدا ہی کیوں نہ ہو
بجھ گیا دل ارتباطِ اہلِ دنیا دیکھ کر

ہمتِ عالی مری رخصت نہیں دیتی مجھے
کیسے دیکھوں آسماں کو حال اپنا دیکھ کر

عزمِ کعبہ تھا مصمم چلتے چلتے رہ گئے
ہم ہیں اپنے ہم کسی کو جلوہ آرا دیکھ کر

ہر گنہ کے ساتھ ہی توبہ بھی ہے لکھی ہوئی
کیا خجل ہوں نامۂ اعمال اپنا دیکھ کر

جوشِ وحشت نے دکھایا خوب ہی اپنا کمال
دل میں مجنوں کے خیالِ زلفِ لیلیٰ دیکھ کر

عشق میں بے اختیاری بھی ہے اک قہرِ خدا
رہ گئی زنداں میں یوسف کو زلیخا دیکھ کر

یاد ہی رہتی نہیں تو یہ کچھ ایسی بھول ہے
ابرِ باراں دیکھ کر اور موجِ صہبا دیکھ کر

قبر میں بھی خوب کٹتی ہے مزے میں زندگی
آ گئے ہیں دو فرشتے مجھ کو تنہا دیکھ کر

وہ رہا ہے فتنہ گر محوِ تماشا ناز توں
آئینہ میں آپ اپنا روئے زیبا دیکھ کر

ان کا کھنچنا تو بجا ہے اس دلِ ناکام سے
بچ کے نکلا تیر بھی جوشِ تمنا دیکھ کر

---

[1] یہ جے پور کے طرحی مشاعرہ کا دو غزلہ ہے۔ مولانا نبیّن کا ایک شعر ہے:
دنیا تو عجب بزمِ دل آرا نکل آئی ۔ وحشت میں چلے آئے تھے ویرانہ سمجھ کر ۔۱۲۔

واں بھی تنک اس نے کھولا ابھی نہ تھا بند نقاب — گر پڑے ہیں غش میں یوں موسیٰ کہ گویا دیکھ کر

اب یہ حالت ہو گئی تیرے مریضِ عشق کی — چل دیے چپکے ہی بالیں سے مسیحا دیکھ کر

ناز میں انداز میں رفتار میں گفتار میں — مختصر یہ دل دیا ہے تم کو یکتا دیکھ کر

عشق کو ظاہر کیا میرے دلِ شوریدہ نے — حسن کو پیدا کیا تیرا سراپا دیکھ کر

ہم تجھی کو چاہتے ہیں اور تجھی کو مانگتے — تیرے در پر آ پڑے ہیں دین و دنیا دیکھ کر

گر اسی کا نام ہے تقویٰ تو مائلؔ بس سلام
جو ہوئی حالت تمہاری جامِ صہبا دیکھ کر



لیتا چلوں نہ بزم میں تلوار دیکھ کر — آئے گا جوش صورتِ اغیار دیکھ کر

آنکھیں ملی ہیں مجھ کو سزاوار دیکھ کر — جیتا رہا جو تابِ رخِ یار دیکھ کر

ایسا ہے مجھ کو مصحفِ رخسارِ یار حفظ — پڑھ جاؤں ایک سانس میں سو بار دیکھ کر

سر میں بھرا ہوا ہے جو سودا بہار کا — دیوانے خوش ہیں باغ کی دیوار دیکھ کر

کہنے لگا یہ اس کا کرم غمزدہ نہ ہو — کم مرتبہ کا مجھ کو گنہگار دیکھ کر

بازارِ حسنِ یار میں یوسف کو لائے جب — دیکھا نہ پھر کسی نے بھی اک بار دیکھ کر

اس زور سے جنوں میں پٹکتا ہوں اپنا سر — کہتے ہیں الاماں در و دیوار دیکھ کر

دشمن ہے آسمان فرشتے ہیں بے گناہ — لینا خبر تو آہِ شرر بار دیکھ کر

شیریں سی سنگدل کے بھی آنسو نکل پڑے — آلودہ خوں سے دامنِ کہسار دیکھ کر

رکھ دوں متاعِ درد جو بازارِ عشق میں — لے جائیں ہاتھوں ہاتھ خریدار دیکھ کر

جس حال میں قفس میں گزرتی ہے شکر کر — بلبل نہ خوش ہو خواب میں گلزار دیکھ کر

اک وہ کہ پھر رہے ہیں ترے ساتھ باغ میں — اک ہم کہ مر گئے تری رفتار دیکھ کر

میری سی عاشقی میں نہ بگڑے کسی کی بات — وہ ہنس رہے ہیں دیدۂ خوں بار دیکھ کر

خورشید کانپتا ہے نکلنے کے نام سے — ایسا ڈرا ہے میری شبِ تار دیکھ کر

کہتا ہے نامہ بر مجھے انعام دیجیے — آیا ہوں ان کی غیر سے تکرار دیکھ کر

مہمان دل میں تیر کسی کا ہوا تو تھا
آتا ہے یاد زخم کو خونبار دیکھ کر

بے درد سنگ دل مجھے کہتے ہیں اہلِ درد
پھندے میں واعظوں کے گرفتار دیکھ کر

کیسا رہا ہے مجھکو تعجب تمام رات
سب اہلِ خانقاہ کو بیدار دیکھ کر

اپنی ہر ایک بات ہے دیوانہ پن کے ساتھ
کچھ ہم تھم گئے رو بہ رخسار دیکھ کر

ہر چند خاکسار ہوں رکھا نہ پر قدم
سایہ کو کوئے یار کے بیزار دیکھ کر

ہشیار اہلِ بزم وہ آتے ہیں بے نقاب
نکلے نہ منہ سے آہ خبردار دیکھ کر

یہ ہیں جنابِ خضر مرے ساتھ ہی تو تھے
جی چھوڑ بیٹھے منزلِ دشوار دیکھ کر

تنہا نہ راہ میں یہ پڑے دیکھتا ہوں دل
تسکیں ہو نہ طور پہ دیدار دیکھ کر

اٹھا رہا ہے حشر جو تشریف کر گئے
دو چار آن ۔ کشتۂ رفتار دیکھ کر

میخانے میں جنابِ مسیحا اتر پڑے
مائل سے بادہ خوار کو بیمار دیکھ کر



پوچھا جو حال کچھ آئے ہشیار دیکھ کر
رونے لگا مجھے دلِ بیمار دیکھ کر

آنکھوں سے خونِ شوقِ تماشا برس پڑا
دستِ عدو میں یار کی تلوار دیکھ کر

کہتا ہوں نامہ بر کی خدا مغفرت کرے
طرزِ کلام و شوخیِ گفتار دیکھ کر

وہ ناتواں ہے آہ کہ آنے کو تا بلب
نکلی نہ دل سے منزلِ دشوار دیکھ کر

میں ہوں وہ غمزدہ کہ لگی رونے زار زار
دیوارِ قہقہہ مری دیوار دیکھ کر

مردانِ عشق پیشہ چلے آئے منبر سے
کچھ عورتوں سے گرمیِ بازار دیکھ کر

کیوں کر نہ ہو گی میری نمازِ جنوں قبول
کرتا ہوں سجدہ وادیِ پرخار دیکھ کر

وہ فتنۂ زمانہ کہ محشر ہے جس کا نام
حیرت میں رہ گیا تری رفتار دیکھ کر

جی میں ہے کارخانۂ دنیا کو پھونک دوں
دل کو مصیبتوں میں گرفتار دیکھ کر

مجھ کو بلا نہیں ہے مقدر کلیم کا
کیوں کر نہ خوش ہوں روزنِ دیوار دیکھ کر

سنگِ مزار پر مرے اے برق تو نہ گر
سمجھیں نہ طور لوگ یہ دیدار دیکھ کر

دل میں تو ایک قطرۂ خوں سے سوا نہ تھا
حیراں ہوں جوشِ دیدۂ خونبار دیکھ کر

کیا کیا نکالتا ہے وہ بخشش کی صورتیں
بندے کو آپ اپنے گنہگار دیکھ کر

کیا کیا نہ ان کو تیغ و خمِ زلف پر ہے ناز
مجھ کو اسیر، دل کو گرفتار دیکھ کر

کیسی ہنسی اڑائی ہے دیوانوں نے مری
فصلِ بہار میں مجھے ہشیار دیکھ کر

دنیا کے ہوش شیخ و برہمن سے اڑ گئے
دامِ فریبِ سبحہ و زنار دیکھ کر

تڑپا کیا ہوں میں تو تجلی و برق کے
اس کی بیاضِ حسن میں اشعار دیکھ کر

بھر بھر کے کلمہ سارے شہیدانِ تیغِ ناز
اٹھ بیٹھے اس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر

میرے جنوں میں شانِ خدائی ہے جلوہ گر
سجدے میں گر پڑے ہیں در و دیوار دیکھ کر

ہم سے ادا شناس جو دیکھتے کلیم سا تجھے
آتے اور آتے جلوۂ دیدار دیکھ کر

مجنوں کبھی میں کبھی آپ کو عاقل نہ پا سکے
دیوانگی کا فرق و دیندار دیکھ کر

قرباں اس کی شانِ کرم پہ کہ روٹھ جا
شرما گیا وہ مجھ کو گنہگار دیکھ کر

لے آئے ہم بھی چاکِ گریباں خرید کر
وحشت کا دشتِ قیس میں بازار دیکھ کر

کہنے لگا یہ عشق مرا تو خلیل ہے
آتش کو میرے سینہ میں گلزار دیکھ کر

دنیا میں سیر کرنے کو ٹھہرے نہیں ہیں ہم
دم لے لیا ہے منزلِ دشوار دیکھ کر

مجنوں تو آنکھ کھلتے ہی حیران رہ گیا
وحشت کا خار خار میں بازار دیکھ کر

اب دیکھنا ہے ہمیں پھرنا ہے کون کون
ہم سے پھری ہوئی نگہِ یار دیکھ کر

دیوانگی کے ہوش بھی مجنوں کے اڑ گئے
لیلیٰ کا ذرہ ذرہ میں دیدار دیکھ کر

چنوا دیا مجھے بھی سہارا جو کچھ لیا
ٹوٹی سی اس کے کوچہ میں دیوار دیکھ کر

اک شہر اپنے دل میں بسایا ہے شوق کا
دلی کے ہم نے کوچہ و بازار دیکھ کر

سائل نے پھر حرم کو صنم خانہ کر دیا
آیا ہوں اس کو نقش بہ دیوار دیکھ کر



آیا کبھی برقِ طور کو سو بار دیکھ کر
لایا نہ پھر بھی تابِ رخِ یار دیکھ کر

بلبل بھی ایک گل کی خریدار بن گئی
گلشن میں حسنِ یار کا بازار دیکھ کر

میرے بھی ہوش اڑ گئے اُس جلوہ گاہ میں
روح الامیں کو نقشِ بدیوار دیکھ کر

لے لے کے نقدِ جاں ترے کوچے میں آئے تو
آنکھیں کھلیں خدا کو خریدار دیکھ کر

یہ تو کہاں ہیں عارض و گیسو ترے کہاں
لڑتے ہیں کس کو کافر و دیندار دیکھ کر

جانا کہ خاک و آب میں ہے جلوہ گر وہی
مانا خدا کو صورتِ دلدار دیکھ کر

ہم سجدہ کرتے کرتے کئی بار رک گئے
کعبہ میں بتکدے کے سے آثار دیکھ کر

پردوں سے رنگ رنگ کے کرنے لگا نظر
بیتاب اپنے طالبِ دیدار دیکھ کر

معلوم اب ہوئی ہے بلندیِ قصرِ دل
عرشِ بریں پہ سایۂ دیوار دیکھ کر

شوریدگانِ خاص کا دیکھو تو اس کے شوق
خوش ہو رہے ہیں کعبہ کے کہسار دیکھ کر

دنیا میں کیا رکھا ہے جو مڑ جاتے آفتاب
دیکھے ادھر تو کیا ترے رخسار دیکھ کر

دردِ فراقِ بتکدہ اک بار مٹ گیا
کعبہ میں ہر طرف ترے انوار دیکھ کر

دل ہی ملا ہے اُن کو نہ اُن کو نظر ملی
خوش ہوں گے پھر تو کیا تجھے اغیار دیکھ کر

خاصانِ حق کے منہ سے جو نکلے وہ کیوں نہ ہو
کہتے ہیں بات واقفِ اسرار دیکھ کر

عشاق کی نماز کا کوئی نہیں ہے وقت
کرتے ہیں سجدہ یہ تو رخِ یار دیکھ کر

مانندِ غنچہ رہتے نہ خاموش فکر میں
اس کے دہن کو واقفِ اسرار دیکھ کر

شیشے سے کہہ رہے ہیں کہ اللہ رے نصیب
ان کی کمر کا واقفِ اسرار دیکھ کر

سمجھا کہ کوئے یار میں ملتے ہیں مرتبے
قاصد کو اپنے محرمِ اسرار دیکھ کر

کیا چیز مل گئی کہ گدایانِ کوئے یار
دونوں جہاں سے کر گئے انکار دیکھ کر

نسبت ہے مجھ کو کعبہ سے گو سنگِ راہ ہوں
جاتے نہیں ہو مائل دیندار دیکھ کر



ہر موجِ مے کو مطلعِ انوار دیکھ کر
پیتا ہوں ایک جام کو سو بار دیکھ کر

پیرِ مغاں نے پھینک دی دستار دیکھ کر
ساغر کو شیخ رہ گئے ناچار دیکھ کر

دی میکشوں نے شیخ کو تعظیم سرو قد
بھیگی ہوئی شراب میں دستار دیکھ کر

قاتل جو مستِ ناز ہے مقتل میں نور ہے
ڈوبی ہوئی شراب میں تلوار دیکھ کر

کرنے لگے تمام نمازی دعائے خیر
واعظ کو میکدہ کا طرفدار دیکھ کر

یارب بُرا ہو توبہ کا فصلِ بہار میں
رو رو دیا ہوں خانۂ خمّار دیکھ کر

کیا جانے کیا ہے دل میں سمجھا کہ جلتے ہیں
پیرِ مغاں کی شکل کو میخوار دیکھ کر

رندانِ بادہ خوار کو تسکین مل گئی
ساقی نگاہِ مست سے اک بار دیکھ کر

پیتے ہی جام شیخ تو حیرت میں رہ گیا
ہر بادہ کش کو واقفِ اسرار دیکھ کر

پیرِ مغاں نے شیخ کو کیا کیا کیا خیال
مسجد میں رات بھر آئے بیکار دیکھ کر

مستانہ بن گئے در و دیوارِ میکدہ
ہر بادہ کش کے جام کو سرشار دیکھ کر

شیشے کے ٹوٹنے کا تو صدمہ ہو دل پہ شیخ
ہیں اور خوش ہوں میکدہ مسمار دیکھ کر

کی ایسی اک نگاہ کہ دم بھر میں کچھ نہ تھا
پیرِ مغاں نے جوشِ قدح خوار دیکھ کر

واعظ کے ہوش اڑ گئے دیوارِ خلد سے
میخانہ کی ملی ہوئی دیوار دیکھ کر

بسمل بھی مست ہو گئے قاتل کے ہاتھ میں
موجِ شرابِ ناب سی تلوار دیکھ کر

اے توبہ توڑتا نہ تجھے رشک آگیا
پیرِ مغاں کے ساتھ میں میخوار دیکھ کر

نزعِ اجل رسیدہ یہ کہتا ہے دور سے
توبہ کو میری خانۂ خمّار دیکھ کر

اس ڈر سے اس میں شیخ انا الحق سرا نہ ہو
پیتا نہیں ہوں جام کو سرشار دیکھ کر

پیرِ مغاں نے جام عنایت کیا مجھے
توبہ کا روزِ عید گنہگار دیکھ کر

ٹکرا کے کر دیا ہے توبہ کو چور چور
میخانہ کی بہار میں دیوار دیکھ کر

پیرِ مغاں کا شیخ کو ہونا پڑا مرید
پینا شرابِ ناب کا دشوار دیکھ کر

مجھکو یہ غم کہ خانۂ توبہ نہ گر پڑے
خوش ہو رہے ہیں ابر کو میخوار دیکھ کر

ماثل مرے سخن کی یہ غالب نے داد دی
"دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر"

جو روئے جان کو تجھے اک بار دیکھ کر ○ رونے ہیں مجھ کو طالبِ دیدار دیکھ کر

آنکھوں کو کوئی حضرتِ موسیٰ کی چومتا
آپ آئے ہیں تجلیِ دیدار دیکھ کر

قسمت میں کوئی حشر تو ادر ہے تجھی
ہمت بڑی ہے جلوۂ دیدار دیکھ کر

کیا آپ نے کلیم کا قصہ سنا نہیں
کہتے ہیں مجھ کو طالبِ دیدار دیکھ کر

ہاں اہلِ درد دیتے ہیں ہوش پتیج کہا
جلتے ہیں برقِ جلوۂ دیدار دیکھ کر

واعظ نہ چھوڑنا مجھے کافر کہے بغیر
ہیں دل ہیں کہہ رہا ہوں ترا دیدار دیکھ کر

ہے مجھ سے اجتناب ملیں کیوں وہ بے نقاب
کیا جائے کیا سوال ہو دیدار دیکھ کر

کیا حوصلہ ہے طور سے جلتے پھرے کلیم
دیتے ہیں ہم تو جان بھی دیدار دیکھ کر

یاد آگیا کہ ہم بھی پڑے رہتے تھے کہیں
افتادگیِ سایۂ دیوار دیکھ کر

چھپ چھپ کے دیکھنا ہے تسلیں گھڑی گھڑی
یاد آگیا وہ روزنِ دیوار دیکھ کر

دیکھیں گے اُن کو فتنۂ محشر اٹھائے گا
جو مر گئے تجھے دمِ رفتار دیکھ کر

اللہ رے ہم کو اپنی وفاداریوں پہ ناز
اُس کو دیا جو دل تو دل آزار دیکھ کر

اے اہلِ شہر مژدہ کہ برسینگے لعل آج
آیا ہے ابرِ دیدۂ خونبار دیکھ کر

ناصح تجھے خبر ہی نہیں تجھ سے کیا کہیں
عاشق ہی ہم ہوئے ہیں ستمگار دیکھ کر

بک جائے کوہیں حضرتِ یوسف کھڑے ہوتے
کوچہ ہیں اُس کے مصر کا بازار دیکھ کر

کیا دل پہ سحرِ چشم موثر ہے ورنہ یوں
بیمار تندرست ہو بیمار دیکھ کر

تم کو بنائینگے درِ دشمن پہ پاسباں
کہتے ہیں اہلِ دل مجھے بیدار دیکھ کر

بیخود پڑے ہیں حضرتِ واعظ پیے ہوئے
آیا ہوں میں ابھی سرِ بازار دیکھ کر

کعبہ چلے تھے حضرتِ اہلِ خدا کی شان
رستہ ہیں رہ گئے درِ خمار دیکھ کر



آتی ہے دل کی یاد مجھے تیر دیکھ کر
کہتا ہوں سر دیا ہے شمشیر دیکھ کر

دعویٰ ہے اُن کو حسن پرستی کا اے خدا
حیرت میں ہیں جو ماہ کی تنویر دیکھ کر

تم کو ہے کیا خیال جو تیور بگڑ گئے
ہیں بدگماں ہوں شوخیِ تقریر دیکھ کر

بگڑے وہ کیسے رات کو اور ہوئے منفعل — غیروں کی میرے ہاتھ میں تحریر دیکھ کر
دل میں ہے کیا ہی شوقِ شہادت بھرا ہوا — آتا ہے خون جوش میں شمشیر دیکھ کر
پیدا کروں گا زلف کا مضموں کوئی نیا — دابلبل کی ہیں رات کو تفسیر دیکھ کر
کرنا پڑا علاج مجھے چارہ ساز کا — بڑھتی ہیں وحشتیں مری زنجیر دیکھ کر
پروانہ تیری بزم میں جل کر ہوا ہے خاک — کیونکر نہ آئے رشک یہ تقدیر دیکھ کر
جس نے بنائی بات بگاڑا اسی کو ہے — کرتا تو ہے ستم فلک پیر دیکھ کر
آتے ہی اس نے ہائے یہ ہلایا ہے عرش کو — حیران ہوں میں آہ کی تاثیر دیکھ کر
بیٹھا ہے جوڑنے دلِ صد پارہ کو مرے — ہنستا ہوں چارہ ساز کی تدبیر دیکھ کر
یہ دل سے کہہ رہا ہوں کہ بن جانا بوالہوس — غیروں کی بزمِ یار میں توقیر دیکھ کر
الفت کا اس سے رنگ ٹپکتا ہے یا نہیں — اچھی تمھیں لکھو مری تصویر دیکھ کر
الجھاؤ بڑھتے جائیں گے تقدیر کے مری — عاشق ہوا ہوں زلف گرہ گیر دیکھ کر
تھا بلا کی نظر سے بڑھتی ہوئی — بندے ہیں جھک گئے تری تقصیر دیکھ کر
جس کا یہ گھر ہے اس کو بھی دیکھوں کسی طرح — کہتا ہے شوق کعبہ کی تعمیر دیکھ کر

مائل نہ کیونکر اپنے تصور پہ ہوں نثار
اٹھتا ہوں جس صورتِ تصویر دیکھ کر



تم ہو حیراں اس میں اپنا روئے تاباں دیکھ کر — ہوئے ظن مجھ کو ہے آئینہ کو حیراں دیکھ کر
ہم سے پوچھو پیچ و تاب عشق کی کیفیتیں — مدتوں زندہ رہے زلفِ پریشاں دیکھ کر
بجھ گئیں آنکھوں میں لیلیٰ و مجنوں کی صورتیں — مجھ کو رونا آ گیا کوہ و بیاباں دیکھ کر
تنگ ہے کچھ چارہ نہیں محرومیِ تقدیر کا — جل گیا بختِ سکندر آبِ حیواں دیکھ کر
کیسی عبرت خیز ہے اللہ اکبر یہ زمیں — دل ہی مردہ ہو گیا گورِ غریباں دیکھ کر
درد ہے دل میں ہمارے بلبلِ بیتاب کا — کیوں نہیں تم چمن میں گل کو خنداں دیکھ کر
کیا سنوں ناصح تری الجھی ہوئی تقریر کو — دل الجھتا ہے مرا زلفِ پریشاں دیکھ کر

دیکھنا شوخی مجھے وہ گلے سے دیتے ہیں خیال — چاکِ داماں دیکھ کر یا چاکِ گریباں دیکھ کر

اس طرح بیٹھا ہوں میں تربت میں گھبرایا ہوا — جیسے اٹھ بیٹھے کوئی خوابِ پریشاں دیکھ کر

نہیں تو واقف نہیں طرزِ جنونِ عشق سے — مشقِ وحشت کر مرا چاکِ گریباں دیکھ کر

ہے خدا جانے کہ پرتو اس میں کس کے نور کا — بن گئے مجنوں دلائلِ حسنِ انساں دیکھ کر

جب یہ سنتا ہوں کہ وہ بیٹھے ہیں بزمِ غیر میں — کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو دل کے ارماں دیکھ کر

بعدِ مردن بھی اثر باقی ہے اتنا عشق کا — خاک ہو جاتی ہے مضطر اس کا داماں دیکھ کر

ہم کو تو دیر و حرم میں کچھ نظر آتا نہیں — سجدہ کرتے ہیں کسے گبر و مسلماں دیکھ کر

جس کو دیکھو صاف باطن جس کو پایا لے لیا — کیا مرا دل خوش ہوا ہے بزمِ رنداں دیکھ کر

جانتا ہوں اے دلِ بیتاب تیرے رنگ ڈھنگ — تو نہیں جیتا پھرے گا روئے جاناں دیکھ کر

دل میں شعلہ سا بھڑک اٹھتا ہے سنکر نامِ غیر — آگ سی لگتی ہے تن میں شکلِ درباں دیکھ کر

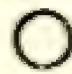
دل یہ کہتا ہے کہیں دشمن کی مہمانی نہ ہو — اُن کے تیور دیکھ کر محفل کا ساماں دیکھ کر

ہو ملائک کو ہوا ہے نورِ ایماں کا گماں — دل میں میرے اک بتِ کافر کا پیکاں دیکھ کر

آسماں کھوتا ہے اب چشمِ زلیخا دیکھنا — دل کو تسکیں دے رہی ہے تنگ زنداں دیکھ کر

دستِ وحشت ہے ہمارا آج کل کس زور پر — پارہ کر کے ہنس اٹھے چاکِ گریباں دیکھ کر

جب صنم خانے سے مائلؔ نے حرم کی راہ لی
رہ گئے حیرت میں سب گبر و مسلماں دیکھ کر



وہ لگا بیٹھے ہیں تیرِ زہر آلود پیکاں دیکھ کر — جان آ جاتی ہے ہم میں شکلِ مہماں دیکھ کر

فیصلہ اس کا بھی وہ تیغِ ادا سے کر گئے — لاکھ ارمانوں کا دل میں ایک ارماں دیکھ کر

وہ خدائی کر رہا ہے پاسبانی اب کہاں — دور سے سجدہ کر آیا شانِ درباں دیکھ کر

ایک دو آنسو اگر ٹپکیں تو ان کو پونچھ لیں — چارہ گر گھبرا گئے طوفاں پہ طوفاں دیکھ کر

رنج کیسا ٹوٹنے کا مدعا اس کا ہو گیا — میری توبہ خوش ہوئی مجھ کو پریشاں دیکھ کر

نور کے پتلوں کا سب ناز و کرشمہ رہ گیا — خاک کے پتلے میں اس کے رازِ پنہاں دیکھ کر

پھر کہاں لاتے پھریں گے دفن اس کو کر چلیں
دل تو مردہ ہو گیا گورِ غریباں دیکھ کر

کیا ہوا دو چار دن اچھے رہے تو کیا ہوا
سچ تو یہ ہے ہم نہ سنبھلے روزِ ہجراں دیکھ کر

سر پٹک کر رہ گئیں اک عمر کی ناکامیاں
خاک میری دیکھ کر اور اُن کا داماں دیکھ کر

آ نہ جائے جوش میں خونِ شہیداں دیکھنا
دستِ رنگیں میں تمہارے تیغِ عریاں دیکھ کر

یوں ملا کرتے ہیں دیکھو ملنے والے خاک میں
مر گئے ہم سرزمینِ کوئے جاناں دیکھ کر

کہہ رہا ہوں لے لیا ہے منزلِ مقصود کو
نور میں ڈوبی ہوئی شامِ غریباں دیکھ کر

میں تو سمجھا مقبرہ ہے دوستوں کی یاد کا
خانۂ دل میں ہزاروں طاقِ نسیاں دیکھ کر

کیا سمجھ میں تیری آیا اے دلِ لذت پسند
کیا کھلے گا اور رنگِ بزمِ امکاں دیکھ کر

سوچتے ہیں یہ رضواں پُر فضا کس کو کہوں
باغ اپنا دیکھ کر میرا بیاباں دیکھ کر

ہمتِ مردانہ اپنی تھی جنوں میں ساتھ ساتھ
پائے وحشت بڑھ گیا دل کا بیاباں دیکھ کر

نامۂ اعمال میرا لے اڑی بادِ کرم
ناز کرتا ہوں عروجِ بختِ عصیاں دیکھ کر

محتسب شرمندہ ہو کر میکدے سے پھر گیا
حضرتِ پیرِ مغاں کو پاک داماں دیکھ کر

خاک اُڑاتے خدمتِ مجنوں میں جائیں کس لیے
لے چلیں سوغات اچھا سا بیاباں دیکھ کر

دل کو ناسخ ڈال آؤں عرش کی قندیل میں
مجھ سے بت کھٹکے ہوئے ہیں نورِ ایماں دیکھ کر



کہہ رہا ہوں دل میں اپنے نورِ ایماں دیکھ کر
رنگ لائے گا کوئی گیسوئے پیچاں دیکھ کر

حوصلہ دستِ جنوں کا بڑھتے بڑھتے رہ گیا
تنگ تھے دامن سے رسوائی کا داماں دیکھ کر

ہو بہو ہے میرے زخمِ دل کی صورت ہو بہو
مجھ کو رونا کیوں نہ آئے گل کو خنداں دیکھ کر

بیٹھتے ہی جو خیال آیا کسی کا رہ پڑا
ناخدا گھبرا گیا کشتی میں طوفاں دیکھ کر

میں بھی اک تربت بنا آیا دلِ مظلوم کی
اُس کی رہ میں جا بجا گنجِ شہیداں دیکھ کر

چارہ گر سر پھوڑنے کا لطف ہی جاتا رہا
یاد آیا گھر مجھے دیوارِ زنداں دیکھ کر

اب غضب ٹوٹے گا مجھ پر دل کسی کا جل گیا
پھونکنا تھا گھر عدو کا آہِ سوزاں دیکھ کر

کر دیا مختار اپنے میکدے کا کر دیا
دیدیا ساغر پہ ساغر ظرفِ انساں دیکھ کر

تم نہ آنا بے نقاب ایسی شب مہتاب میں
گر پڑے گا آسماں سے ماہِ تاباں دیکھ کر

لیکر اپنے کشتوں کو آخر اس میں آ ملا
باغِ رضواں سبزہ زارِ کوئے جاناں دیکھ کر

وہ تو آئے انجمن میں بے حجاب بے نقاب
ہم کہاں حسن و جمالِ روئے تاباں دیکھ کر

ہیں یہ سمجھوں گا کہ ہے نقصان بیاں میں مرے
چھوڑ جائیگی اگر زلف پریشاں دیکھ کر

ان کے رخ سے کہہ رہا ہوں یہ کرم ہے آپ کا
اپنے دل میں جلوہ زارِ روئے ایماں دیکھ کر

ہیں فرشتوں سے نہیں اے قبر گھبرایا ہوا
خوش نہیں تھا کوئی خواب پریشاں دیکھ کر

بتکدہ ہے کس قدر اللہ اکبر حق شناس
اپنے در پر دی جگہ مجھ سا مسلماں دیکھ کر

حضرتِ موسیٰ کے غش پر کوئی کیوں ہو طعنہ زن
ہوش میں رہتا نہیں انساں کو انساں دیکھ کر

مصلحت تھی کچھ دنوں کعبہ کے اندر بت رہیں
تھا تعجب اتحادِ کفر و ایماں دیکھ کر

کس قدر صدمہ دیا ہے رہ کے عقل و ہوش نے
فصلِ گل میں رو پڑا ثابت گریباں دیکھ کر

چارہ گر کیا سوچتا ہے سر کو میرے کاٹ ڈال
اور شورش بڑھ گئی دیوارِ زنداں دیکھ کر

پھر کہاں کا کفر و ایماں جب الٹ دے وہ نقاب
گر پڑے سجدے میں سب گبر و مسلماں دیکھ کر

صنعتوں کو صانعِ قدرت کی کیا سمجھے کوئی
ایک برگِ کاہ کو ہے عقل حیراں دیکھ کر

جانتے ہیں سب تجھی کو رازقِ روزی رساں
مانگتے ہیں سب تجھی سے بیسر و ساماں دیکھ کر

مائل اپنا فیض تو جاری رہے گا عمر بھر
بن گئے شاعر ہزاروں میرا دیواں دیکھ کر



بے تاب ہو گئے تری صورت کو دیکھ کر
آدم اگرچہ آئے تھے جنت کو دیکھ کر

کس کے خرامِ ناز سے پامال ہوں کہ میں
ہنستا ہوں فتنہ ہائے قیامت کو دیکھ کر

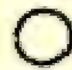
ہیں کچھ نمودِ عشق کے آثار یا نہیں
اچھا تمہیں کہو مری صورت کو دیکھ کر

لاتے نہیں ہیں اس ستم آرا کو ہائے ہائے
روتے ہیں چارہ گر مری صورت کو دیکھ کر

آخر نہ ہو سکا دلِ مضطر سے ضبطِ غم
آنسو ٹپک پڑے تری صورت کو دیکھ کر

آئے ہیں جذبِ شوق سے جائیں گے کس طرح　　　بیٹھا ہوں شاد شاد نزاکت کو دیکھ کر
اُس خستہ جاں سے صدمۂ فرقت کو پوچھ تو　　　جیتا ہو جو کوئی تری صورت کو دیکھ کر
کن کن دموں سے راہ پہ لایا شبِ وصال　　　کیا کیا کھنچے ہیں وہ مری حسرت کو دیکھ کر

ناسخ بھی ہو گیا کسی آفت میں مبتلا
روتا ہے ایک ایک کی صورت کو دیکھ کر



ان حسینوں کی محبت میں گرفتار نہ کر　　　اے خدا خانۂ دل عشق کا بازار نہ کر
اے خدا تو بے خطا یوں ہی گرفتار نہ کر　　　مجھ سے حشر کی تو گرمیِ بازار نہ کر
دامِ گیسو میں دو عالم کو گرفتار نہ کر　　　اپنے کوچہ کو خدا کے لیے بازار نہ کر
ہر گھڑی ایک نیا محرمِ اسرار نہ کر　　　دل سے خلوت کدہ کو محفلِ اغیار نہ کر
رخ کبھی اے آہ سوئے گنبدِ دوّار نہ کر　　　اگلے وقتوں کی عمارت ہے یہ مسمار نہ کر
سبزۂ خطِ رخِ یار سے ہٹ جائے نقاب　　　فوجِ اسلام کو تو لشکرِ کفار نہ کر
چشمِ ساقی کے تصور سے کہوں یہ کیونکر　　　کعبۂ دل کو مرے خانۂ خمّار نہ کر
بے خودی میں یہی لوگ خدائی کرتے　　　میکدے میں جو ہیں بے خود انھیں ہشیار نہ کر
وہ جتاتے ہیں چلے آئیں کر ایسی تدبیر　　　فکر جینے کی مرے اے مرے غمخوار نہ کر
ہم کو آتا ہی نہیں دامِ قفس میں رہنا　　　ہم سے آزادوں کو صیاد گرفتار نہ کر
آبروئے زہد کی اتنی بھی نہ کھولے واعظ　　　رہن تلچھٹ کے عوض جبہ و دستار نہ کر
عید ہے عید جو آ جائے پلا دے ساقی　　　آج کچھ تفرقۂ صوفی و میخوار نہ کر
ہم سے وہ عہد کسی بات کا کیونکر کر لیں　　　دل تو اندر سے یہ کہتا ہے کہ اقرار نہ کر
اُن کے قبضہ میں خدا نے ہے خدائی واعظ　　　ساکنانِ درِ میخانہ سے تکرار نہ کر
کام مشکل مرے آسان کیے ہیں تو نے　　　اک نفس کی ہے مری زیست یہ دشوار نہ کر
یہ سمجھتا نہیں بیٹھے کہ سنوں آ قاصد　　　میرے آگے گلہ کوچۂ دلدار نہ کر
سجدے کرنے نہ لگو روزنِ دیوار کو میں　　　تنگ اتنا تو مجھے حسرتِ دیدار نہ کر

حالِ دل اُس بتِ کافر کو سنا ہی سکوں
محو اتنا تو مجھے لذتِ گفتار نہ کر

سجدہ کرتا ہوں حرم میں بھی تو وہ کہتے ہیں
سر ترے کو مرے کوچے کی گنہگار نہ کر

آستاں کے سایہ کو کیا سجدہ تو کیا کہتا ہے
میر کی دیوار کو تو کعبہ کی دیوار نہ کر

مجھ سے کہتے ہیں مری خوے کرم کے بندے
کاتبِ نامۂ اعمال سے تکرار نہ کر

ہے شفا کا تو کوئی اور ہی دینے والا
شکوۂ نازِ مسیحا دلِ بیمار نہ کر

یاد آیا جو انھیں میری فغاں کا عالم
شورِ محشر سے کہے کہ نہ بیدار نہ کر

اک نگہ کا نہ لے خون خدارا سے پر
کام شمشیر کا اے ابروے خمدار نہ کر

ہاتھ میں ہاتھ یہ دیں گے خدا کے ناسخ
بیعتِ پیرِ خرابات سے انکار نہ کر

○

رکھے تو گلا ہاں تہِ شمشیر کوئی اور
کھائے تو مری طرح ترے تیر کوئی اور

بے چارہ گرو زہر سے بھی کام نہ نکلا
مرنے کی مرے کیجیے تدبیر کوئی اور

مقتل میں یہ کیوں باندھ کے آئے ہو کمر تم
عاشق کی تو ہے قتل کی تدبیر کوئی اور

یارو غمِ الفت کا ہی مذکور کیے جاؤ
چھیڑو نہ خدا کے لیے تقریر کوئی اور

کیا پوچھتے ہو دل میں بس اک تیرِ نگہ کا
مجھ سا نہ ملے گا تمھیں نخچیر کوئی اور

اچھا نہ سہی تم نہ سہی بزمِ عدو میں
تھا شب کو وہاں صورتِ تصویر کوئی اور

میں پیشِ نظر یار کے رہتا ہوں ہمیشہ
اس رشک سے کھا بیٹھے نہ تیر کوئی اور

سچ ہے کہ نہیں غیر سے نفرت تمھیں حضرت
محفل میں کیا کرتے ہیں توقیر کوئی اور

اس واسطے ہم نے ورقِ دل پہ نہ کھینچی
دیکھے نہ جہاں میں تری تصویر کوئی اور

کرتے تو ہو تم فتح عدو کو مگر اول
مجھ کو بلا لیجیے تسخیر کوئی اور

ڈرتا ہوں کہ مر کے تو کافر ہے شبِ تیر
فتنہ نہ اٹھائے فلکِ پیر کوئی اور

کعبہ میں بتوں کی تو خدائی نہ چلے گی
اس گھر کا تو ہے باعثِ تعمیر کوئی اور

کیوں کر نہ ڈروں لیتے ہوے نامِ محبت
لے آئے کہیں رنگ نہ تقدیر کوئی اور

عاشق کا تو یہ کام ہے کھینچے دل سے
دیتا ہے مگر آہ کو تاثیر کوئی اور

اس رشک سے مرنے نہ دیا تم نے گلی میں
ایسا نہ ہو پہنے مری زنجیر کوئی اور

باتیں نہ کسی سے بھی تو محفل میں کیا کر
کیا جانے تری شوخیِ تقریر کوئی اور

مضمون سے نامے کے یہ ہوتی ہے تراوش
تھا دل میں کسی کے دمِ تحریر کوئی اور

جس حال میں ہو شکر کرو حضرتِ مائل
بدتر کہیں لے آئے نہ تقدیر کوئی اور



اک شور مچ رہا ہے جو ارضِ سما سے دور
نالہ نکل گیا کوئی عرشِ علیٰ سے دور

ہو گا وہ بد مزاج ہوا سے قبول سے
تاثیر اے خدا رہے میری دعا سے دور

عشقِ بتاں سے سر جو چراغاں بنا تو کیا
ظلمت تو دل کی ہوتی ہے نورِ خدا سے دور

شکرِ خدا کہ وقتِ سحر ہاتھ آ گیا
تھا دامنِ قبول جو دستِ دعا سے دور

اللہ رے بیخودی کہ مجھے کچھ خبر نہیں
جاتا ہوں ساتھ ساتھ کہ ہوں رہنما سے دور

میرا غریب خانہ کہاں اتنی دور ہے
دم بھر میں ہو کے آئے ہو ارض و سما سے دور

دیکھوں تو کون تجھ سے بھی کرتا ہے بازپرس
چپکا کھڑا ہوں عرصۂ روزِ جزا سے دور

رکھے ہیں جس میں شیشہ و ساغر بھرے ہوئے
کیونکر نہ وہ مکان رہے ہر بلا سے دور

شاید کہ یوں کوئی آ جائے راہ پر
جی میں ہے کچھ دنوں رہوں اہلِ وفا سے دور

پھر دیکھنا کہ لاتے ہیں تشریف کون کون
میخانہ ہم بنائیں گے دار القضا سے دور

کیونکر نہ انجمن میں ہوں مضطر کہ جا پڑا
تیرِ نگاہِ ناز دلِ مبتلا سے دور

اٹھا جو دل سے پردۂ غفلت تو کھل گیا
بندے سے ہے خدا نہ ہے بندہ خدا سے دور

یہ کج ادائیاں تو کرشمے ہیں حسن کے
تجھ سے وفا ہے دور نہ تو ہے وفا سے دور

حیراں ہوں اپنی بات بناؤں تو کس طرح
تقدیر کا ہے رنگ مرے مدعا سے دور

جانباز ایسے ہوتے ہیں دیکھو تو سر مرا
جا کر پڑا ہے ایک ہی تیغِ ادا سے دور

یہ کہہ کے میرے ساتھ وہ پینے کو بیٹھے ہیں
دیکھیں شراب کرتی ہے کس کو حیا سے دور

اے دل اسیرِ زلفِ دوتا ہے زہے نصیب — تو اس بلا میں پھنس کے رہا ہر بلا سے دور

اے اہلِ بتکدہ اُسے اپنا نہ جاننا

ماتلؔ، کبھی ہوا ہے نہ ہوگا خدا سے دور



کیونکر نہ ان بتوں کی رہوں میں ہوا سے دور — برسوں رہا ہوں ان کی بدولت خدا سے دور

روزِ ازل سے روزِ قیامت کے ختم تک — فضلِ خدا سے ہم تو رہے ہر بلا سے دور

جو دیکھتا ہے اُس کو وہ کرتا ہے یہ دعا — یارب رہے یہ شیوۂ جور و جفا سے دور

کیونکر گذر ہو کوچۂ جاناں کے آس پاس — کوسوں درِ قبول ہے میری دعا سے دور

تکلیفِ چارہ ساز اُٹھائے نہ آپ رہیے — ہوتا سُنا ہے دردِ محبت دوا سے دور

اُس کی نگاہ کا ہو کہ لب کا کسی کا ہو — رہتا ہے ہر مریضِ محبت شفا سے دور

ہم کو سبق یہ نغمۂ داؤد سے ملا — افلاس کا عذاب ہو شکرِ خدا سے دور

کرتا رہا ہوں صحبتِ واعظ سے اجتناب — بچکر چلا ہوں فتنۂ راہِ خدا سے دور

گزرا ہے ایک شب وہ مرا رشکِ مہر و ماہ — یارب یہ آسمان رہے ہر بلا سے دور

آئی تمام عمر نہ تسبیح پھیرنی

یاں تک رہے ہیں حضرتِ ماتلؔ ریا سے دور



بلبل کی خاک کیا ہے نسیمِ چمن سے دور — یارب کسی کو موت نہ آئے وطن سے دور

لپٹے ہوئے کفن میں پڑے ہیں وہ خاک تک — بچ بچ کے بیٹھتے تھے جو تارِ کفن سے دور

حُبِّ وطن تو ساتھ گئی ہے مزار میں — گو بعدِ مرگ ہو گئے اہلِ وطن سے دور

جب تک تو حق ہے تو رہتے ہیں ہوش میں — کیا پیرزن تھی آئی جو کوہکن سے دور

ہم دل میں کہہ رہے تھے انا الحق کہ مر گئے — دو چار گام رہ گئے دار و رسن سے دور

اب تو کھلی ہے آنکھ نسیمِ سحر کہاں — ہوتا ہے کب یہ رنجِ شرابِ کہن سے دور

اب وہ ہیں اور خاک ہے اے مرگ کیا کیا — جن کو لطافتوں نے رکھا یاسمن سے دور

پگڑی کا وہ لپیٹ ہی کہتی ہے شیخ تھے
بیٹھے تھے جو سبوئے شرابِ کہن سے دور

ہم سادگی سے ہم یہ سمجھتے ان کے پاس
اپنے کو کھینچتے رہے وہ بانکپن سے دور

پوچھو تو میرے دل سے اسیری کا لطف کیا
برسوں رہا ہوا ہوں قفس میں چمن سے دور

گذری تمام رات نہ پوچھا کسی نے آہ
یہ کون رو رہا ہے گھر انجمن سے دور

یارب کوئی جہاں میں اب خوش نوا نہ ہو
مجھ کو رکھا قفس میں کسی نے چمن سے دور

اللہ رے رعبِ حسن کہ ہرگز نہ جا سکا
پروانہ بیقرار رہا انجمن سے دور

اے یاس میرے دل سے کہیں اب تو دور ہو
پہنچا ہے تیرا آہ سپہرِ کہن سے دور

دیکھا ہے یہ کرشمہ نیا ہجرِ یار میں
جیتے ہیں اور جان ہماری ہے تن سے دور

مائلؔ کو خانقاہ میں رہنے سے واسطہ
وہ تو تمام عمر رہا مکروفن سے دور

○

بیٹھیں ہم انجمن میں بنا فتنہ زا کدھر
نا آشنا کدھر ہیں ترے آشنا کدھر

کعبہ میں سجدہ کرتے ہیں چاروں طرف لوگ
حیرت سے تک رہا ہوں کہ یاں ہے خدا کدھر

اس پر بھروسا کرکے اٹھاتا تو ہوں قدم
معلوم گو نہیں کہ گیا رہنما کدھر

دامن بچائے جاتے ہیں اب تو ادھر ادھر
جائیں گے ہم سے بچ کے وہ روزِ جزا کدھر

زلفِ رسا تو اس کی کمر کی طرف ہوئی
ہوتی ہے دیکھیے مری آہِ رسا کدھر

آگے تو عرش کے نہ جہت ہے نہ تحت نہ فوق
دل سے نکل کے جائے تو تیرِ دعا کدھر

کس کس کی صحبتوں کو بھلا یاد کیجیے
وہ بادہ کش کدھر گئے وہ پارسا کدھر

اللہ رے مستِ ناز کہ کچھ بھی خبر نہیں
کس پر نگاہِ لطف ہے جور و جفا کدھر

وحشت کدہ نہیں کوئی ایسا جہان میں
لیکر چلا ہے گھر سے دلِ مبتلا کدھر

مانا کہ مجھ میں صبر و تحمل نہیں رہا
جاتی رہی وہ آپ کی مہر و وفا کدھر

وہ کون ہے کہ جس کو نہیں زندگی عزیز
بالیں سے میری جائے تو جائے قضا کدھر

مائلؔ قبول کیجیے ہو انصاف شرط ہے
دل تو کدھر ہے آپ کا دستِ دعا کدھر

○

سب اُٹھ گئے ہیں پردۂ حائل کہے بغیر
کرتے ہیں اتنی بات تو کامل کہے بغیر

رہتے نہیں ہیں یار کے گیسو ہی کیوں نہ ہوں
دیوانگانِ عشق سلاسل کہے بغیر

دیکھا ہے لاکھ بار مصیبت کے وقت میں
یارانِ باوفا ہوئے شامل کہے بغیر

مجھ بے گنہ کا خون ہے اس کی زبان پر
کیوں کر رہے گا خنجرِ قاتل کہے بغیر

سرگرمِ اہتمام ہیں یوں بزمِ غیر میں
بنتی نہیں ہے صاحبِ محفل کہے بغیر

وہ نو بہارِ حسن جو آجائے باغ میں
ممکن ہے مر نہ جائے عنادل کہے بغیر

اتنا گرا ہوا ہوں نظر سے کہ کچھ نہ پوچھ
رہتے نہیں مجھے سرِ محفل کہے بغیر

جاتے ہی اُن کے در پہ جو آنسو ٹپک پڑے
آسان ہو گئی مری مشکل کہے بغیر

لیلیٰ نے یوں سنائی ہے آواز قیس کو
کیوں اُڑ رہا ہے پردۂ محمل کہے بغیر

کہنا جگر کے حال کو ٹھنڈا ہی ہو گیا
اپنا ہی ماجرا دلِ بسمل کہے بغیر

اتنے کھنچے ہوئے ہیں کہ اللہ کی پناہ
ہوتے نہیں ہیں دور میں شامل کہے بغیر

اتنا ذلیل و خوار بھی مجھ کو نہ کیجیے
دشمن ہوا انجمن میں مقابل کہے بغیر

تلوار کھینچنی بھی تو آتی نہیں ابھی
جانے گا کون آپ کو قاتل کہے بغیر

پیرِ مغاں کی بزم میں رندانِ بادہ خوار
رہتے نہیں ہیں مجھ کو بھی کامل کہے بغیر

دل ہے بہارِ حسن پہ کیوں کر رہے خموش
افسانۂ جنوں کو سلاسل کہے بغیر

کیسی غضب کی جان ہے اُس بت کو بے وفا
رہتا نہیں ہے ناصحِ جاہل کہے بغیر

ساقی سے تنگ کیوں نہ ہوں جامِ شراب میں
کرتا نہیں گلاب بھی شامل کہے بغیر

بیتاب اتنے ہو گئے اغیار دیکھنا
خلوت کدہ میں ہو گئے داخل کہے بغیر

وہ یوں وفا شعار کہ تم سا ستم شعار
رکتا نہیں ہے عاشق کا دل کہے بغیر

بن ٹھن کے لاکھ آئیں درِ میکدہ پہ شیخ
رہتے نہیں ہیں رند تو سائل کہے بغیر

میں اس سے مر رہا ہوں کہ میرے حقوقِ عشق
رہتا نہیں خدا بھی تو باطل کہے بغیر

واعظ ہو بے گناہ تو پھر کیا ہے انتظار
ہو جاؤ کیوں نہ خلد میں داخل کہے بغیر

لیلیٰ کا جلوہ گاہ ہے کیوں کر رہے نہ قیس
پردہ کو دل کے پردۂ محمل کہے بغیر

دریا ہے جوش پر مرے گریہ کا ماجرا
رہنے کا یہ نہیں لب ساحل کہے بغیر

دستار جانتا ہوں فضیلت کی ہے مگر
بنتی نہیں ہے واعظِ جاہل کہے بغیر

ہر چند مشکِ بُو ہے مگر زلفِ یار کو
بنتی نہیں ہے بات سلاسل کہے بغیر

تجھ کو برا بھی کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں
ہونے کا تو نہیں کسی قابل کہے بغیر

روتا قدم قدم پہ ہوں رہبر کی جان کو
کم بخت جانتا نہیں منزل کہے بغیر

جب دیکھتے ہیں اور ہی عالم میں مجھ کو شیخ
بنتی نہیں ہے حضرت ماتمؔ کہے بغیر



ردیف "ڑ"

اچھی نہیں ہے آہِ دلِ خستہ جاں نہ چھیڑ
مجھکو نہ چھیڑ دیکھ تو اے آسماں نہ چھیڑ

خلوت میں انجمن میں جہاں چاہے چھیڑ تو
بزم عدو میں بیٹھ مگر میہماں نہ چھیڑ

عشق و ہوس کی بزم میں ہو جائیگی تمیز
دروازہ پر کسی کو بھی اے پاسباں نہ چھیڑ

گر آہ کھینچ لیں گے تو خالی نہ جائے گی
ہم زندگی سے تنگ ہیں اے آسماں نہ چھیڑ

چھیڑوں گا میں اگر تو بگڑ جائیگا مزاج
محفل میں مجھ کو جان کے تو بے زباں نہ چھیڑ

آنکھیں ہی پھوٹ جائیں جو دیکھا کسی کو ہو
مجھ کو خدا کے واسطے تو بدگماں نہ چھیڑ

اُٹھ بیٹھیں یہ اگر تو قیامت اٹھائینگے
اِن خفتگانِ خاک کو نوائے فغاں نہ چھیڑ

کہتے ہیں اس کو ناز جو لیٹی ہوائے مصر
کہنے لگا غبار رہِ کارواں نہ چھیڑ

ایسا نہ ہو کہ برق ترے گھر پہ جا گرے
صیاد فصلِ گل میں مرا آشیاں نہ چھیڑ

ہوتی بری ہے آہ دلِ دردمند کی
کہتا ترے بھلے کی ہوں اے آسماں نہ چھیڑ

جاتی رہے نہ ایسی ہنسی میں کسی کی جان
کہنے سے غیر کے مجھے جانِ جہاں نہ چھیڑ

نفرت نہیں تجھی کو یہ تاثیر عشق ہے
کہتا ہے وقت سجدہ ترا آستاں نہ چھیڑ

ایسا نہ ہو کہ جان نکل جائے رشک سے
ذکرِ وفائے غیر دمِ امتحاں نہ چھیڑ

کہدیں گے وہ کہ عشق میں گستاخ اس قدر جا کہ کسی کو آہ سرِ لامکاں نہ چھیڑ

مجھ سے تو بدگماں اُسے بادِ سحر نہ کر سونے میں اس کا طرۂ عنبر فشاں نہ چھیڑ

اپنے کیے پہ آپ نہایت ہیں منفعل واعظ کو باغِ خلد میں پیرِ مغاں نہ چھیڑ

اے دل کسی کے سامنے رودادِ غم نہ کہہ جس کی کہ انتہا نہ ہو وہ داستاں نہ چھیڑ

عزمِ حرم کیے ہوئے بیٹھا ہوا ہوں میں
مائلؔ خدا کے واسطے ذکرِ بتاں نہ چھیڑ



ردیف "ز"

گریہ بھی بااثر ہے اچھی چیز آہ بھی پُر اثر ہے اچھی چیز

تم اٹھاؤ تو بزمِ دشمن میں ہم کہیں گے کہ شر ہے اچھی چیز

اُن کی تصویر کھینچتا ہے غیر سچ کہا ہے کہ ہنر ہے اچھی چیز

ایک سجدہ بھی ہو گیا جو قبول پھر کہوں گا کہ سر ہے اچھی چیز

اک ترا نقشِ پا ہے اچھا نقش اک تری خاکِ در ہے اچھی چیز

مے کے پیتے ہی شیخ کہہ اٹھے ہے تو ممنوع، پر ہے اچھی چیز

اُس نے سن لی مری تو ہم گریہ اب کہو چشمِ تر ہے اچھی چیز

جس میں ہو عزمِ شہرِ دلبر کا ایک وہ ہی سفر ہے اچھی چیز

کچھ نہ کچھ رنگ آ ہی جاتا ہے صحبتِ باخبر ہے اچھی چیز

شیخ کر دے نثار ساقی پر اپنی توبہ اگر ہے اچھی چیز

حضرتِ خضر ہوں کہ پیرِ مغاں / کوئی ہو راہبر ہے اچھی چیز

ایک میں ہوں خراب سر تا سر / ایک تو سر بسر ہے اچھی چیز

اک وسیلہ ہے اُس کی رحمت کا / نمیِ دامانِ تر ہے اچھی چیز

اُن کا تیرِ مژہ ہے اچھا تیر / اُن کی تیغِ نظر ہے اچھی چیز

بزمِ رنداں میں جا بے تکلف شیخ / جا ہی بیٹھے جدھر ہے اچھی چیز

جب بتوں نے بھی کر لیا ہے پسند / تو خدا کا بھی گھر ہے اچھی چیز

اُٹھ کے دنیا سے جا پڑی تم پر / اب تو میری نظر ہے اچھی چیز

بات کہیے اگر ہے اچھی بات / پیش کیجے اگر ہے اچھی چیز

اُس کے ناوک کو دل پسند آیا / تیغ کہتی ہے سر ہے اچھی چیز

کھو نہ غفلت میں اُس کو تو مائلؔ
دیکھ وقتِ سحر ہے اچھی چیز



عید کے روز گھر ہے اچھی چیز / رمضاں میں سفر ہے اچھی چیز

قدرداں ہی نہ ہو تو سر پھوڑے / یہ تو مانا ہنر ہے اچھی چیز

کس رہے ہو جو قتلِ دشمن پر / یہ تمھاری کمر ہے اچھی چیز

بھر دیا حوضِ باغِ جنت کا / بادہ بھی کس قدر ہے اچھی چیز

داغ داروں میں ہے مگر پھر بھی / آسماں پر قمر ہے اچھی چیز

کہی مجنوں نے یہ تو اچھی بات / نہ ہو وحشت تو گھر ہے اچھی چیز

تیری باتوں پہ حصر کیا ناصح / کوئی بھی بے اثر ہے اچھی چیز

جو ہے بے فیض آدمی اُس سے / شجرِ بے ثمر ہے اچھی چیز

اچھے اچھوں کو یہ سنا کہتے / ہاتھ آئے تو زر ہے اچھی چیز

رشک کہتا ہے وادیِ ایمن / وہ تری رہگذر ہے اچھی چیز

ہو نہ ہو کوئی منزلِ مقصود / پھر بھی سیر و سفر ہے اچھی چیز

مجھ کو مرنے سے روک رکھا ہے | تو بھی پیغامبر ہے اچھی چیز
دلِ مضطر کو ہو گئی تسکیں | اُن کا تیرِ نظر ہے اچھی چیز
اُن کے قدموں پہ جب گرا کٹ کر | کہہ اٹھے وہ کبھی سر ہے اچھی چیز
دل میں رکھتا ہے اُس کو بہتر بھی | شعلہ خو سے شرر ہے اچھی چیز
داغ دل کا رہیگا اچھی شے | شمع تو رات بھر ہے اچھی چیز

بتکدے سے بگاڑ لو مائل
پاسِ ایماں اگر ہے اچھی چیز



نہ ادا ہے نہ تیری آن عزیز | ہے مجھے تو خدا کی شان عزیز
انتخابِ زمانہ ہم ہوتے | ہمیں رکھتا جو آسمان عزیز
کچھ تو ہے جو لگاتے رہتے ہیں | میرے ہر ہر سخن پہ کان عزیز
دل تو دینے کی چیز ہے اس سے | نہ ہمیں مال ہے نہ جان عزیز
ہے وفا مجھ سے ہیں وفا سے ہمیں | کیوں نہ رکھے مجھے جہان عزیز
رو برو اُس کے نامہ بر نہ گیا | سچ ہے ہوتی ہے سب کو جان عزیز
چلدیے آپ اور مرے دل پر | دے گئے داغ سا نشان عزیز
سخت جاں وہ ہوں زہرِ قاتل کا | مجھ پہ کرتے ہیں امتحان عزیز
وہ ہے پہلو میں کیوں نہ ہو یارب | مجھکو اس شب کی آن آن عزیز
وائے قسمت کہ وہ عدو کو لکھے | اے مرے یار، مہربان عزیز
کیوں نہ گھبرائیں وہ یہاں آ کر | نہ مکیں ہے نہ ہے مکان عزیز
مجھ کو ہر رنگ سے ہے عجز پسند | ان کو ہر بات میں ہے شان عزیز

حق تو یوں ہے کہ ہے ہمیں مائل
تجھ سے بڑھ کر تری زبان عزیز



ردیف "س"

اس طرح بادہ خوار ہیں ساغر کے آس پاس　　میخانے جس طرح ہیں مرے گھر کے آس پاس

اک پاسباں پہ حصر نہیں شب کو بزم میں　　تھے اور فتنہ گر بھی ستمگر کے آس پاس

کیونکر نہ آتے ابرِ کرم چار سمت سے　　کتنے ہی میکدے ہیں مرے گھر کے آس پاس

جب لطفِ میکشی ہے کہ ساقی ہو گلعذار　　اور خم کے خم ہوں بادۂ احمر کے آس پاس

آئینہ لیکے سامنے بیٹھا جو یار کے　　تھا بختِ خضر بختِ سکندر کے آس پاس

محفل میں ہم تو جا نہ سکیں آہ اے فلک　　بیٹھے ہوئے رقیب ہوں دلبر کے آس پاس

دربان کو ہے یہ حکم کہ عاشق ہیں جس قدر　　آنے نہ پائے کوئی مرے گھر کے آس پاس

بدنام سخت جانیِ عاشق ہے مفت میں　　آتی نہیں اجل ترے خنجر کے آس پاس

ظالم نگہ اُٹھا کے ذرا دیکھ کس قدر　　ہیں دادخواہ داورِ محشر کے آس پاس

دیر و حرم میں شیخ و برہمن بتا ہیں تو　　پھرتے ہیں کس خیال میں پتھر کے آس پاس

آتی ہے ساتھ سانس کے آوازِ الاماں　　شاید کہ ہے جگر دلِ مضطر کے آس پاس

بر وقت پاسباں سے رہیں گی لڑائیاں　　لیتے ہیں وہ مکان مرے گھر کے آس پاس

سویا ہے ایسی نیند کہ جاگا جگائے گا　　گر شورِ حشر بھی ہو مقدر کے آس پاس

جاتے ہو تم تو کھینچ کے تلوار سوئے غیر　　اور موت پھر رہی ہے مرے سر کے آس پاس

مائل وہ بادہ نوش ہوں تربت بھی بعد مرگ
ہوگی مزارِ ساقیِ کوثر کے آس پاس

○

ردیف "ش"

ترے ناز پہ جور و غماں کو نازش　　تری شوخیوں پر پرستاں کو نازش

مری وحشتوں پر بیاباں کو نازش
ترے رنگ رخ پر گلستاں کو نازش

وہ انوارِ جاں ہیں کہ ایماں کو نازش
لطافت وہ تن میں کہ ہے جاں کو نازش

رہا ہے جو برسوں مرے دل کے اندر
تو قسمت پہ اپنی ہے پیکاں کو نازش

تری چشم سے چشم ساقی ہیں مستی
تری بزم پر بزم رنداں کو نازش

ترا سرو قامت ہے جانِ قیامت
ترے روئے تاباں پہ ایماں کو نازش

جنوں میں جنوں ہے کوئی بوالہوس کا
سلاسل کو نازش نہ زنداں کو نازش

مسیحا ترے لب کے دم بھرنے والے
ترے حسن پر ماہ کنعاں کو نازش

شہادت وہ گزری کہ پاکیزگی پر
نہ کیونکر ہو یوسف کے داماں کو نازش

وہ نیرنگ قدرت دکھائے کہ تجھ پر
نہ کیوں کر ہو گبر و مسلماں کو نازش

ہوا پر یہ اڑتا کھلا کہہ رہا ہے
کہ تجھ پر ہے تختِ سلیماں کو نازش

سمایا دل و جاں میں جب تو ہی تو ہو
نہ کیونکر ہو اپنے پہ انساں کو نازش

نہ کیوں کر جبیں سا ہوں اس خاکِ در پہ
تفاخر ہے درباں کو رضواں کو نازش

وہ محرابِ ابرو کہ کعبہ کو عظمت
وہ آنکھیں کہ ہے جامِ عرفاں کو نازش

بہت ہی ہے ملتا مرے چاکِ دل سے
نہ کیونکر ہو چاکِ گریباں کو نازش

تری زلفِ سرکش ہے وہ رنگ لائی
کہ ہے کفر پر اہلِ ایماں کو نازش

کریمی پہ تیری کرم کو تفاخر
ترے خوانِ نعمت پہ مہماں کو نازش

تم اس سے رکھو کام مائل تمہیں کیا
کسی پر ہو گبر و مسلماں کو نازش



چلیگی او چلیگی دکانِ بادہ فروش
پری جمال ہیں سب جا دمانِ بادہ فروش

بگڑ رہی ہے زمینِ دکانِ بادہ فروش
گرے گا شیخ پہ اب آسمانِ بادہ فروش

ہمیشہ وہ نور ہے پاسبانِ بادہ فروش
ہوئے ہیں دفن جو زیرِ دکانِ بادہ فروش

ہوا نہ جبیں بجبیں آستانِ بادہ فروش
تمام عمر رہا پاسبانِ بادہ فروش

جو لے کے وقف کروں تو ثواب دگنا ہو
دکانِ بادہ فروش اور مکانِ بادہ فروش

کسی کو دیکھ کے مستِ شباب یاد آیا
بنے ہوئے تھے کبھی ہم بھی جانِ بادہ فروش

عجب خانہ پہ آ کر پلا گیا جو مجھے
گھٹی نہ ایک ذرا عزّ و شانِ بادہ فروش

وہ شہر گورِ غریباں ہے اہلِ تقویٰ کا
بری بھلی نہ ہو جس میں دکانِ بادہ فروش

اسی کو منزلِ مقصود ہم تو سمجھیں گے
اتر پڑے گا جہاں کاروانِ بادہ فروش

جلا پڑا ہے جو سارا متے تجلّی سے
کبھی تجلّی طور یہ شاید دکانِ بادہ فروش

حساب روزِ جزا مجھ سے کیا کوئی لے گا
تمام عمر رہا میہمانِ بادہ فروش

کسی کو حضرتِ منصور سے کیا نسبت
اڑائے بیٹھے ہیں ساری دکانِ بادہ فروش

یہ روزِ عید کا ہنگامہ کیا ہے ہنگامہ
دکھائیں گے لبِ کوثر جہانِ بادہ فروش

نظر نہ آتے تھے جب تک بہار کے جلوے
نظر سے دور رہا آستانِ بادہ فروش

وہ ہم نہیں جو نہ سمجھیں پتے کی باتوں کو
ہم نہیں جو نہ ہوں قدردانِ بادہ فروش

کہاں یہ گیسوئے واعظ غبار آلودہ
کہاں وہ کاکلِ عنبر فشانِ بادہ فروش

سنا ہے بادہ کشوں سے کسی زمانے میں
جنابِ شیخ بھی تھے میہمانِ بادہ فروش

کہاں یہ بات کہ تجوید بنائیں، انہیں کہاں
کرو نہ شیخ یہ ہرگز گمانِ بادہ فروش

پلا بھی دیتے ہیں ایسی کہ پھر پتہ نہ چلے
خدا کو مان نہ کر امتحانِ بادہ فروش

مدام مست رہیں گی ترا جن آنکھوں میں
غبارِ رہگذرِ کاروانِ بادہ فروش

وہ شہر کیا کہ نہیں شیخ بادہ کش کوئی
وہ کوچہ کیا کہ نہ ہو اک دکانِ بادہ فروش

جدا جہان سے رکھتے ہیں رنگ مستانہ
بنے ہوتے ہیں جو میخوار جانِ بادہ فروش

قدم بڑھاؤ تو جا لو گے حضرتِ مائل
وہ جا رہا ہے ابھی کاروانِ بادہ فروش

○

پڑے ہوئے جو ہیں زیرِ دکانِ بادہ فروش
بنے ہوئے ہیں وہی رازدانِ بادہ فروش

ادب سے کہتے ہیں سب آستانِ بادہ فروش
مرا جو خانۂ دل ہے مکانِ بادہ فروش

اٹھا لیا ہے فرشتوں نے عرش، ہلکا بوجھ — اٹھا سکے نہ سبوئے دکانِ بادہ فروش

بڑا پتہ ہے یہی شیخ پوچھتے کیا ہو — درخت سدرہ ہے پیشِ دکانِ بادہ فروش

خدا ہی جانے کہ منزل کہاں ہے کتنی دور — رہا نہ خلد میں بھی کاروانِ بادہ فروش

یہ چھا رہا ہے جہاں پہ جو رنگِ ستارہ — ترا کرشمہ ہے سب لے دکانِ بادہ فروش

مرے خیال میں اچھا ہوا کہ اے واعظ — تری سمجھ میں نہ آیا بیانِ بادہ فروش

نہ بند ہوگا درِ توبہ رکھ گیا اس میں — اٹھا کے شیخ سبوئے دکانِ بادہ فروش

شرابِ ناب ٹپکتی ہو اس کے دامن سے — یہی ہے ایک ذرا سا نشانِ بادہ فروش

کہاں سے آئے مئے ناب اس کے شیشہ میں — ملی نہ شیخ کو راہِ دکانِ بادہ فروش

نگاہِ مست سے اپنی پلائے جام پہ جام — نہ ایک قطرے کا ہوگا زیانِ بادہ فروش

یقین ہے کہ مٹا دے یہ تیرگی دل کی — بنے ہیں اس لیے ہم میہمانِ بادہ فروش

شراب، دیکھ کے دیتا ہے دن کی کیفیت — ہزار بار کیا امتحانِ بادہ فروش

اسی پہ مرتے ہیں میکش اسی پہ جیتے ہیں — شرابِ ناب ہے جانِ جہانِ بادہ فروش

خرابہ کرتے ہی واعظ جو اس قدر کھینچا — گرا ہے طاق سے کیا آسمانِ بادہ فروش

بنی ہے مقتلِ میخوار وقفِ غمی و مفتی — جمالِ دخترِ رز سے دکانِ بادہ فروش

یہ مست دل میں سمجھتے ہیں طور پہ ہے تجلی — تجلیوں سے کسی کی دکانِ بادہ فروش

ثمر شجر میں ہے اس کے شرابِ ناب بھری — درختِ سدرہ ہے گویا دکانِ بادہ فروش

ہم اپنی زیست کے سمجھے ہوئے ہیں اتنے دن — رہے ہیں جتنے دنوں میہمانِ بادہ فروش

ثوابِ ماہِ مبارک کا پہلے دے آتے — ملی نہ آپ کو واعظ دکانِ بادہ فروش

تری نگاہ اشارے سے مے پلاتی ہے — کسے غرض ہے جو سیکھے زبانِ بادہ فروش

نہ کھولتے تھے کبھی روزہ واعظِ مرحوم — سنا نہ کرتے تھے جب تک اذانِ بادہ فروش

گئی جو دولتِ تقویٰ تو رنج کیا مائل
بنے ہوئے تو ہو دربانِ بادہ فروش



کہیں نہ لوگ مجھے راز دانِ بادہ فروش — اسی لیے نہیں سیکھی زبانِ بادہ فروش

کہا یہ شیخ نے سن کر بیانِ بادہ فروش
جو ہاتھ آئے تو کاٹو زبانِ بادہ فروش

سمجھ سے دور ہے اے عاشقانِ بادہ فروش
زبانِ بادہ فروش و دہانِ بادہ فروش

تری نگہ سے ابلتا ہے چشمۂ کوثر
تری ادا پہ نکلتی ہے جانِ بادہ فروش

دعائے نیم شبی کو اثر کہاں ملتا
نہ دیتی ساتھ جو آہ و فغانِ بادہ فروش

پھر اک شرر کے ہیں دونوں جہاں خدا نہ کرے
کھنچے جو نالۂ آتش فشانِ بادہ فروش

یہ جی میں ہے کہ تجھے تو بہ خیر باد کہوں
نظر پڑی ہے کچھ ایسی دکانِ بادہ فروش

کبھی ہے کیف کبھی بیخودی کبھی ہے سرور
جو ایک ہو تو بتاؤں نشانِ بادہ فروش

وہ چال چل جو ہے ہمت کہیں رسائی کی
کہ ہر قدم پہ ہو قربان جانِ بادہ فروش

گری وہ برق کہ سرمایہ دل کا پھونک گئی
چلے جو لینے کو ہم امتحانِ بادہ فروش

پلا چکا ہے جنھیں جام کوثر و تسنیم
وہی اٹھاتے ہیں لطفِ زبانِ بادہ فروش

تری نگاہ کے مستوں کو دیکھنے والے
کسی پہ کر نہیں سکتے گمانِ بادہ فروش

یہ موج مے نہیں واعظ دل و جگر کو بچا
یہی ہے تیر یہی ہے کمانِ بادہ فروش

بہار آتے ہی بلبل کے چار تنکوں کو
خطاب گل نے دیا آشیانِ بادہ فروش

وہاں سے دو ہی قدم پر ہے چشمۂ کوثر
اتر پڑا ہے جہاں کاروانِ بادہ فروش

شراب ناب ہے ایمانِ شیشہ و ساغر
شراب ناب ہے جانِ دکانِ بادہ فروش

کسی کا پردہ نہ کھلوا یہ رنگ دنیا ہے
مری نظر میں ہے پیر و جوانِ بادہ فروش

جو کیفیت ہے تو ہے چشم مستِ ساقی کی
جو سوز ہے تو ہے سوزِ نہانِ بادہ فروش

"غلام نرگسِ مستِ تو تاجدارانند"
کھلی ہے سامنے اُن کے زبانِ بادہ فروش

"خرابِ بادۂ لعل تو ہوشیارانند"
یہی ہے اور تو کیا داستانِ بادہ فروش

کبھی پڑھے تو پڑھے شعر حافظِ شیراز
کبھی سنی تو سنی داستانِ بادہ فروش

جو اپنے سینہ میں رکھتا ہو جوشِ میخانہ
نظر میں اس کی جچے کیا دکانِ بادہ فروش

اکیلے سیماؔئی میکش کی بات کیا چلتی
تمام خلق ہوئی ہم زبانِ بادہ فروش

ترا کمال ہے لطفِ زبانِ بادہ فروش
ترا جمال ہے حسنِ بیانِ بادہ فروش

بیاں میں اُس کے ہے رنگ بیانِ بادہ فروش
ازل میں جس نے ہے چوسی زبانِ بادہ فروش

خدا کی شان کہ بازارِ حشر میں چمکی
قریب چشمۂ کوثر دکانِ بادہ فروش

نماز کیسی نمازی تو وجد و حال میں ہیں
نوائے ہوش ربا ہے اذانِ بادہ فروش

جہاں میں جتنے ہیں خلوت نشین و زندہ دار
بنا دیا ہے انھیں پاسبانِ بادہ فروش

جو دیکھنی ہو حقیقت شراب کی واعظ
لگا تو آنکھوں میں خاک دکانِ بادہ فروش

شرابِ ناب کو پی پی کے لاکھ سر پھوڑا
کھلی نہ بادہ کشوں پر تو شانِ بادہ فروش

تری نگاہ سے سب مست ہیں در و دیوار
تری گلی میں چلے کیا دکانِ بادہ فروش

صدا یہ عرش سے آئی "ہنوز دلی دور"
بلند سا ہے بلند آستانِ بادہ فروش

کھلا یہ راز تو کوثر پہ بادہ خواروں پر
کہ زیرِ دامنِ ساقی ہے شانِ بادہ فروش

نہ دیکھتے جو تمھاری نگاہ کو پڑتے
نہ چومتے کبھی ہم آستانِ بادہ فروش

بدل رہی ہے زمانہ کو دورِ ساغر سے
خدا کی شان دکھاتی ہے شانِ بادہ فروش

ترے خیال میں واعظ نہیں در توبہ
مری نگاہ میں ہے آستانِ بادہ فروش

قدم بہار کے آئیں خدا وہ دن تو کرے
کروں جو توبہ کو نذرِ دکانِ بادہ فروش

تری نگاہ کے بسمل ہیں صاحبِ تقویٰ
تری ادا پہ مٹے رمز دانِ بادہ فروش

بہار لے گئی کیا ساتھ حافظہ میرا
کہ یاد آئی نہیں داستانِ بادہ فروش

تری ادا نے صنم خانہ کر دیا برباد
تری نگہ نے الٹ دی دکانِ بادہ فروش

کہیں ہے آگ لگاتا کہیں بجھاتا ہے
عجیب چیز ہے سوزِ نہانِ بادہ فروش

وہاں کبھی چشمۂ کوثر نہ موجزن ہوتا
یہاں نہ ہوتی اگر اک دکانِ بادہ فروش

وہ لطف ہے کہ خریدار ٹوٹے پڑتے ہیں
شراب خانہ ہے گویا زبانِ بادہ فروش

ہر اک زمانہ کی رکھتا ہے اپنے شیشے میں
ہر اک زمانہ ہوا ہے زمانِ بادہ فروش

جو آ پڑے کہیں اُس کی پکڑ نہیں ہوگی
لکھا ہوا ہے سرِ آستانِ بادہ فروش

ہزار رنگ کی رکھتا ہے اپنے شیشہ میں
یہ خرقہ پوش گدائے دکانِ بادہ فروش

کہاں سے پائے لب و لہجہ کوئی اس کا سا
کہاں سے لائیگا کوئی زبانِ بادہ فروش

تمام عالمِ توبہ میں زلزلہ پڑ جائے
جو مست کہہ اٹھیں یا آستانِ بادہ فروش

کسے سناؤں غزل جا کے دلی میں مائل
کہاں ہیں شیفتہ سے رمزدانِ بادہ فروش؎



بہار آئی وہ ہو گلستاں کی آرائش
کہ روزِ عید ہو جیسے مکاں کی آرائش

مرے بیاں میں ہے لطفِ زباں کی آرائش
کسی سے کیا ہو مری داستاں کی آرائش

ہمارے عشق سے سوزِ نہاں کی آرائش
ہمارے جلنے سے نوکِ سناں کی آرائش

؎ ان غزلیات کی شانِ تصنیف یہ ہے کہ ایک نوجوان شاعر مظہر حسین شیفتہ ساکن کنج (دہلی) کا رہنے والا جے پور میں آکر ملازم ہو گیا۔ اور شاعرانہ حیثیت سے یہاں کے نوجوان شعرا سے ربط و ضبط بڑھا لیا۔ اس کی تحریک پر ایک مشاعرہ منعقد کرنا قرار پایا۔ طرح خود شیفتہ نے تجویز کی چنانچہ وقت مقررہ پر مشاعرہ ہوا۔ جب شیفتہ نے غزل پڑھی تو مطلع سے مقطع تک مرصع۔ نہایت عمدہ اشعار ایک سے ایک بہتر۔ تمام بزم میں کھلبلی پڑ گئی۔ کچھ ایسا رنگ جما کہ اس کے بعد کوئی غزل دبا دبی نہ پا سکی حتیٰ کہ مولانا جوہر کی غزل پر مشاعرہ نہایت بے کیف و بے مزہ ختم ہوا۔ حضرت کوثر بھی اتفاق سے مشاعرے میں موجود تھے وہ تاڑ گئے اور حضرت جوہر سے کہا کہ آپ اجازت دیں تو ایک غزل نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کی سنواؤں۔ انھوں نے اقرار کیا تو کوثر نے ایک کلاونت لڑکے کو اشارہ کیا اور اس نے یہ غزل گائی۔ اٹھے نہ چھوڑ کے ہم آستانِ بادہ فروش۔ طلسم ہوش رہا ہے دکانِ بادہ فروش۔ اس کا ایسا رنگ جما کہ تمام کوفت دور ہو گئی لہذا اقرار پایا کہ اس زمین میں مشاعرہ ہو تاریخ و مقام مقرر ہوا۔ مرزا مائل کہیں باہر گئے ہوئے تھے جب آئے تو ان سے بھی یہ ذکر ہوا۔ انھوں نے اول تو شیفتہ کی غزل پر غزل کہنے سے انکار کیا مگر زیادہ اصرار کرنے پر تیار ہوگئے۔ آشیاں کا قافیہ اس میں مخصوص کر دیا گیا تھا مرزا صاحب نے یہی اقرار کیا کہ وہ اس زمین میں بھی غزل کہینگے جس میں وہ مشاعرہ ہوا تھا یعنی منعقد ہوا گر یا در (توم) لوں آبِ حیواں پر (ملاحظہ ہو صفحہ نمبر کلیات)۔
غرض تاریخ مقررہ پر صبا صاحب کے یہاں مشاعرہ ہوا۔ اول "بادہ فروش" والا مشاعرہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

نہیں ہے شیخ جو دل ہے مکاں کی آرائش | تو دیکھنے کی ہے ساری دکاں کی آرائش
وہ عشق ہے ہے دلِ ناتواں کی آرائش | کہ باغباں سے نہ ہو گلستاں کی آرائش
جو (؟) عشق دل کی تو ہے حسن جاں کی آرائش | یہی تو دو نور ہیں کون و مکاں کی آرائش
شرار ہیں اگر آہ و فغاں کی آرائش | تو خوب ہوگی مرے آشیاں کی آرائش
وہ خطِ سبز سے ہے حسنِ یار کا عالم | کہ جیسے سبزے سے آبِ رواں کی آرائش

(لطیفہ صفحہ ۲۸۰) ختم ہوا کہ پھر حضرت آرزو نے ہجراں پہ والی غزلیں سنائیں۔ مخصوص قافیہ میں مولانا جوہر نے یہ شعر پڑھا۔

بلند سیر ہے عنقا صفت فلک پرواز | بلند سا ہے بلند آشیانِ بادہ فروش

ختمِ صحبت پر جب سب لوگ چلے گئے تو میرزا علی نے صبا سے کہا کہ "میاں یہ تو یہ سمجھا کہ مولانا گھوڑے کی تعریف کر رہے ہیں"۔ مرزا آرزو کا شعر غزل میں درج ہے۔

چلتے وقت مولانا جوہر صاحب کہنے لگے "میاں! ہم تو عاشقانہ غزل کے (؟) میدان کہا۔ مگر ہمارے استاد کا خلیفہ (ناطق) جہاں چاہتا ہے گھوڑا کو دوڑا دیتا ہے۔ نعت ہو منقبت ہو صوفیانہ ہو یا عاشقانہ کہیں رکتا ہی نہیں"۔

روانج رہے ناطق و جوہر انور دہلوی کے شاگرد تھے۔ اور ناطق عمر میں بڑے تھے اس لیے آپ تعظیماً خلیفہ کہا۔ اس صحبتِ شعر کے آخر میں نواب شیفتہ کی بادہ فروش والی غزل پھر گائی گئی۔ یہ شعر اس طرح گایا جاتا تھا اور عام طور پر اسی طرح سب کی زبان پر تھا۔

تری شمیم نے گلزار کو کیا برباد | تری نگاہ نے کھولی دکانِ بادہ فروش

مرزا صاحب نے بتایا کہ کھولی نہیں بلکہ کھولی ہے۔ ملاحظہ کیجیے کہ ایک ہمزہ نے شعر کو شعر بنا دیا ہے۔ سخن سنجی و سخن فہمی کے یہی معنی ہیں۔ چھپائی میں ہمزہ رہ گئی تو کھولی پڑھا جانے لگا۔ مگر ذوقِ سلیم اس کو کب برداشت کر سکتا تھا لہٰذا صحیح تلفظ بتایا۔

مظہر حسین شیفتہ کی "ہجراں" پہ والی غزل کی ہما ہمی کا راز یہ معلوم ہوا کہ اغلباً ۱۹۲۵ء میں سکندرہ راؤ میں یہ مشاعرہ ہوا تھا جس میں یو۔پی کے اساتذہ و خوش گو شعرا شامل ہوئے تھے۔ شیفتہ بھی شریک تھے۔ اساتذہ کے بہترین شعر نوٹ کر لیے تھے جن سے اپنی غزل مرتب کر کے (؟) اس مشاعرے میں پڑھ ڈالی۔

(تذکرہ شعرائے جے پور، ۲۲)

سفید جبہ و دستار ہاتھ میں تسبیح
یہ روز عید ہے شیخ زماں کی آرائش

یہ جی میں ہے کہ کبھی بزم غیر میں جا کر
دکھا دوں نالۂ آتش فشاں کی آرائش

شراب ناب سے خالی ہیں خم جہاں جاؤ
یہی ہیں شیشہ و ساغر دکاں کی آرائش

رہی نہ اپنی جوانی تو عہد پیری میں
کہو تو کس سے ہو حرص جواں کی آرائش

لباس یار کے ہم رنگ ہے لباس اس کا
کھٹک رہی ہے مجھے راز داں کی آرائش

ادھر سے پھول کھلا اور ادھر سے کمھلایا
بس اک نظر کی ہے باغ جہاں کی آرائش

ہمارے دل میں تم آؤ تو وہ دکھائیں ہم
کہ بھول جاؤ تم اپنے مکاں کی آرائش

گزر گئی وہ سواری کہ جس کی آمد تھی
لٹی ہوئی سی ہے جنت آسماں کی آرائش

نظر پڑی جو نہیں شمع حرم کے جلووں پر
تو یاد آ گئی کوئے بتاں کی آرائش

خدا کے واسطے یارو نہ ذکر غنچہ کرو
کہ یاد آتی ہے اک نوجواں کی آرائش

تمھاری سادہ مزاجی نے ہم کو مارا ہے
چلے بھی آؤ یونہی تم کہاں کی آرائش

نہ دین ہی کا بنا کام اور نہ دنیا کا
یہاں کی ہوتی ہے ہم سے نہ واں کی آرائش

یہ داغ دل سے زلیخا کے عمر بھر نہ گیا
کہ ہو سکی نہ رہ کارواں کی آرائش

نگاہ رحمت آمرزگار پڑتی ہے
وہ میکدے میں ہے پیر مغاں کی آرائش

خیال اٹھائیے دنیا سے پھر تو کچھ بھی نہیں
یہ سب ہے اپنے ہی وہم و گماں کی آرائش

پڑھو نہ حضرت مائل وہ مطلع رنگیں
غزل کی جس سے کہ ہو درمیاں کی آرائش



نظر پڑی جو تمھارے مکاں کی آرائش
نظر سے گر گئی سب آسماں کی آرائش

ضرور کیا ہے کہیں اور جائے عید آ کر
ترے مکاں میں ہے سارے جہاں کی آرائش

ذرا بہشت سے رضواں ہے دیکھنے آیا
ہوئی ہے کیسی ترے آستاں کی آرائش

یہ بزم خان بہادر[1] ہے خانقاہ نہیں
یہاں ہے ایک عیان و نہاں کی آرائش

---

[1] خان بہادر علی خاں ممبر محکمۂ مختتمہ عالیہ کونسل۔ جے پور ۱۲۔

وہ نام پاک ہے احمد کہ جس کے جلووں سے
زمیں کے نور سے ہے آسماں کی آرائش

علی کے نام سے فتح و ظفر کی زیبائش
علی کے نام سے تیغ و سناں کی آرائش

یہ دونوں جمع ہوں جس ایک ذاتِ والا میں
تو اس سے کیوں نہ ہو کون و مکاں کی آرائش

نہ جائے گی ترے دشمن کی زردیٔ رخسار
کہ اُس سے ہوتی ہے فصلِ خزاں کی آرائش

سفید ریش ہے رنگیں شرابِ احمر سے
یہ کم ہے مائلِ شیخِ زماں کی آرائش

○

ردیف "ص"

نہ تو اُن کا ہے بتوں سے نہ خدا سے اخلاص
شیخ صاحب کا ہے تسبیحِ ریا سے اخلاص

یوں ہمارا ہے کسی ماہ لقا سے اخلاص
جیسے خاصانِ خدا کا ہو خدا سے اخلاص

تجھ سے رکھتا ہوں کہ تیرے رفقا سے اخلاص
کوئی کافر ہوں کہ ہو تیرے سوا سے اخلاص

ہو گیا شیوۂ تسلیم و رضا سے اخلاص
نہ جفا کی ہے شکایت نہ وفا سے اخلاص

کل دکھا دوں گا اگر ہوتے نہیں ملتا ہے خدا
آج ہو جائے جو محبوبِ خدا سے اخلاص

ایک میں ہوں کہ ہے اخلاص مرا دونوں سے
ایک وہ اُن کا ہے بتوں سے نہ خدا سے اخلاص

اب ہا کون کہ عالم تہ و بالا کر دے
میرے نالوں کا ہوا ارض و سما سے اخلاص

یوں تو دیرینہ ملاقات ہے اپنی اُن سے
بڑھ گیا اور بھی تسلیم و رضا سے اخلاص

نہ تو قابو میں مرے دل نہ زباں کہنے میں
کیا اثر خاک کرے میری دعا سے اخلاص

پہلوئے غیر میں بٹھا کے مجھے دیکھا تو کہا
آپ کا اور نہ ہوا اہلِ وفا سے اخلاص

یہ غدر ہے رہِ منزلِ مقصود سے دور
ہر قدم پہ ہے بڑھا راہ نما سے اخلاص

کام آئی نہ قیامت میں مری مظلومی
ہو گیا داورِ روزِ جزا سے اخلاص

بے حجابانہ وہ اب آنکھ لڑائیں کیونکر
مستیٔ مے نے کیا اُن کی حیا سے اخلاص

بیچ میں خضر نے گو آبِ بقا کو ڈالا
نہ ہوا پر نہ ہوا تیرِ قضا سے اخلاص

رات دن سورۂ اخلاص پڑھا کرتا ہوں — پھر بھی ہوتا نہیں اُس ماہ لقا سے اخلاص

میں تو بیمار رہا ہوں نہ رہوں گا ہرگز — کہ ہوا اب تو مرادِ ستِ شفائے اخلاص

ایک سجدے میں ترے نقشِ قدم کے میں نے — کر لیا صاحبِ تسلیم و رضائے اخلاص

جس کے دل میں ہے مئے ناب کا جلوہ مائل
اس سے ہوگا ہی نہیں اہلِ ریا سے اخلاص



ردیف "ض"

ہے تجھ سے خشک مغز پہ زاہد نماز فرض — اور ہم سے عاشقوں پہ ہے اخفائے راز فرض

کیا آج ہی کی شب کے لیے ہے نماز فرض — پڑھنے لگا عشا کے جو وہ حیلہ ساز فرض

واعظ کے منہ سے آیتِ لاتقنطوا سُنی — رحمت پر اُس کی ہم کو ہوا اب تو ناز فرض

اے عشق جانتا ہوں تری بے نیازیاں — محمود اور اطاعتِ حکمِ ایاز فرض

سچ بھی ہے کیسے ترکِ جفا کر سکے وہ شوخ — معشوق پر ہے حکمِ خداوندِ ناز فرض

گستاخ جو ہیں پیرِ مغاں کی جناب میں — صحبت سے ایسے لوگوں کی ہے احتراز فرض

بندے کبھی دیکھتے ہیں خدا کبھی ہے دیکھنا — کیونکر نہ حسن پر ہو حسینوں کو ناز فرض

ہم کیا جھکائیں روزِ ازل سے ہے جانتی — سجدہ کو تیرے در کے جبینِ نیاز فرض

دیتا تسلیاں بھی ہے ہنگامِ اضطراب — پر جانتا جفا کو ہے وہ دل نواز فرض

مانا کہ نیک و بد سب اسی کی طرف سے ہے — انساں پہ کیا ہے مگر امتیاز فرض

کہتے ہیں بات بات تمھاری ہے بے اثر — اب نالہ کھینچنا تو ہوا دل گداز فرض

وہ رازدارِ عاشق و معشوق کیوں بنے — جو جانتا نہ ہو کہ ہے اخفائے راز فرض

کیونکر شبِ فراق کٹے گی کہ جانتا — وعدہ خلاف یوں کو ہے وہ حیلہ ساز فرض

کوچہ میں اپنے اے ستم آرا نئے نئے — کیا ہیں بنانے گنجِ شہیداں ناز فرض

فتنے اٹھیں نہ کیونکر بھلا وقتِ خواب بھی — سمجھے ہوئے ہے چشم تری نیم باز فرض

ہر شب میں لاکھ رنگ بدلتا ہے بزم کے
تجھ پر ہے کیا یہ اے فلکِ فتنہ ساز فرض

وہ کام ہم سے ہو کہ رضا مند سب رہیں
بس اس کو جانتے ہیں سب اہلِ نیاز فرض

الجھا رہوں خیال میں اُس کے شبِ فراق
مجھ پر تو ہے تصورِ زلفِ دراز فرض

انگور، خانہ باغ کے، اور تیس دن کے بعد
بنتی ہے روزِ عید مئے خانہ ساز فرض

کیا ضد ہے مجھ سے اس بتِ کافر کو دیکھنا
سمجھے ہوئے ہے دل میں ہر اک کا ناز فرض

پڑھنا مرے کلام کو دل سے ہیں جانتے
جتنے کہ شاعروں میں ہیں جادو طراز فرض

مائل خدا کے واسطے مسجد سے جائیے
کیا ایک آپ ہی پہ ہوتی ہے نماز فرض



ردیف "ط"

یہ کس کے گھر میں ہے دورِ ایاغِ عیش و نشاط
کہ شمعِ کعبہ بنی ہے چراغِ عیش و نشاط

یہ سب ہی کہ جناں بھی ہے باغِ عیش و نشاط
کہاں ہیں اس میں دورِ ایاغِ عیش و نشاط

وہ کون حضرتِ احمد علی ہیں دنیا میں
کہ جن کے ساتھ ہی چلتا ہے باغِ عیش و نشاط

کیا ہے خانِ بہادر نے عیش کا ساماں
فلک پہ کیوں نہ ہو یارب دماغِ عیش و نشاط

وہ اہلِ بزم ہیں نازک دماغ قلقل سے
رکھا ہے نام صراحی کا زاغِ عیش و نشاط

ترے ہی در پہ نظر آتی عید کی صورت
ترے ہی گھر میں ہے جلتا سراغِ عیش و نشاط

کسی کا کیجیے تو اب اعتبار کیونکر ہو
اڑا کے لے گئیں حوریں ایاغِ عیش و نشاط

لگا دو آگ نہ مکر و ریا کے جبہ میں
بنا دو شیخ کو یارو چراغِ عیش و نشاط

بنا دیا ہے زمانہ کو عیش کا بندہ
کسی کو ہو بھی تو کیونکر فراغِ عیش و نشاط

تجھے ہمیشہ مبارک ہو جام عشرت کا
رہے نصیب میں دشمن کے داغِ عیش و نشاط

سناؤں اپنے جو مائل کلامِ رنگیں کو
بنا دوں بزم کو گلزارِ باغِ عیش و نشاط

(حاشیہ صفحہ ۲۵۷ پر)



لو مرے ہاتھ سے شراب غلط ۔۔۔ دلِ دشمن کرو کباب غلط
غیر سے کیوں جگر تک رنجش ہے ۔۔۔ کیا کہا تم نے اضطراب غلط
بس ہوں اور بزمِ عیش او رو بہ بپ ۔۔۔ رات بھر دیکھتا ہوں خواب غلط
جانتے ہیں بنائے گا تعویذ ۔۔۔ میرے خط کا لکھیں جواب غلط
شبِ فرقت کی صبح ہو ہی گئی ۔۔۔ رات بھر کا ہوا حساب غلط
ہو گئے آگ دیکھتے ہی مجھے ۔۔۔ اثرِ دیدۂ پُر آب غلط
شرم بڑھ جائے جس کی مے پی کر ۔۔۔ وہ عدو سے ہو بے حجاب غلط

ہم قیافہ شناس ہیں مائلؔ
آپ پیتے نہ ہوں شراب غلط



کر جائے کام بزم میں سوزِ جگر غلط ۔۔۔ دیکھے نگہ اٹھا کے وہ کافر ادھر غلط
مانا ستم گر کیسے تری ہے عدو بھی تنگ ۔۔۔ پیتا مری طرح سے ہو خونِ جگر غلط
وعدے پہ آپ آئے ہیں اچھا یونہی سہی ۔۔۔ تاثیرِ آہ جھوٹ فغاں کا اثر غلط
آتا ہے یہ نظر نہ وہ آئے خیال میں ۔۔۔ یادِ دہن عبث ہے خیالِ کمر غلط
مجنوں جو مر گیا ہے تو قصہ ہے اس کا سچ ۔۔۔ جیتی ہے داستان مری سر بسر غلط
طرزِ بیانِ یار کو میں جانتا ہوں خوب ۔۔۔ سارا بیان ہے یہ ترا نامہ بر غلط
یہ سن کے جان سی تھی وہ آئینگے نعش پر ۔۔۔ افسوس ہے کہ یہ بھی تو نکلی خبر غلط
ہے داستانِ شیخ و برہمن کی ایک سی ۔۔۔ یہ سر بسر عبث ہے تو وہ سر بسر غلط
کچھ تو کسی کی آن نکلتی ہے آپ میں ۔۔۔ کب دیکھتی ہے چشمِ حقیقت نگر غلط
لائی ہے کھینچ کر شبِ فرقت میں موت کو ۔۔۔ تاثیرِ جذبِ دل غلط اور کس قدر غلط
اک آسماں کی سفلہ نوازی کے ذرہ کیا ۔۔۔ آسودگی کے ساتھ ہوں اہلِ ہنر غلط

حاشیہ صفحہ ۲۵۵) لے خان بہادر احمد علی خاں ممبر محکمہ محتشم عالیہ کونسل جے پور ۱۲

لطف و کرم کو اپنے مرے دل سے پوچھیے
کہتے ہیں تم کو لوگ جو بیدادگر غلط

یہ میں ہی ناتواں ہوں کہ جو رنگ کیجیے
اُڑ جائے ایک ہاتھ میں دشمن کا سر غلط

کیا جانے کیا غضب ہے کہ ہے مجھ سے سب کو ضد
پڑھتا ہے میرے خط کو وہاں ہر بشر غلط

ہر دل میں ہر نظر میں سمایا اور اُس پہ بھی
ادراک میں ہے اُس کے خیالِ بشر غلط

بجلی سے منفعل ہو دلِ بیقرار جھوٹ
شرمندہ ابر سے ہو مری چشمِ تر غلط

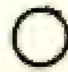
ڈرتا ہوں بر نہ آئے کہیں آرزوئے غیر
پڑنے لگی ہے بزم میں اس کی نظر غلط

وہ دن گئے کہ جا کے ہلاتے تھے عرش کو
نالوں سے اب ہو جنبشِ دیوار و در غلط

حرمان و یاس کا وہی دل میں ہجوم ہے
پیمانِ وصل تو نے کیا ہے مگر غلط

اٹھا نہ ایک شب کو صبوحی کے واسطے
زاہد کو آئے لطفِ نسیمِ سحر غلط

کیونکر یہ مان لوں کہ نوا سنجیاں کرے
مائل کے آگے بلبلِ آشفتہ سر غلط



ردیف "ظ"

کیا تھا جو پیرِ مغاں کا لحاظ
یہاں کام آیا وہاں کا لحاظ

نہ جب تک کرے گا عیاں کا لحاظ
نہ ہوگا کبھی بھی نہاں کا لحاظ

تمھیں کچھ نہیں ہے مرے دل کا پاس
مجھے ہے تمھارے مکاں کا لحاظ

پکڑ اس کے دامن کو دستِ دعا
کہاں کا ادب اور کہاں کا لحاظ

نہ نالوں کو عرشِ بریں کا خیال
نہ آہوں کو ہے آسماں کا لحاظ

وہ دیتا ہے میری دعا کو اثر
وہ کرتا ہے میری فغاں کا لحاظ

جو ہمت ہوائے دل تو پھر بات کر
نہ کر پردۂ درمیاں کا لحاظ

کہاں تک سہوں اُس کے جور و ستم
کہاں تک کروں آسماں کا لحاظ

نہ آتی ہو جس کو خدا سے حیا — کرے کیا وہ پیر و جواں کا لحاظ

بہت دل شکن ہے جوابِ قفس — نہ ٹوٹے کہیں مرغِ جاں کا لحاظ

سکھایا وہ جلووں نے تیرے ادب — کہ کرنا پڑا دو جہاں کا لحاظ

یہ درباں کو ہر وقت تاکید ہے — نہ کرنا کسی میہماں کا لحاظ

وہاں موت آئے تو بیڑا ہے پار — خدا کو ہے جس آستاں کا لحاظ

بہت سن چکے اُس کے ہم گرم و سرد — بہت کر چکے پاسباں کا لحاظ

کہوں گا نہ بجلی اُسے میں کبھی — کرے جو مرے آشیاں کا لحاظ

وہ ناوک دو عالم میں جس کے شکار — کرے گا مرے مرغِ جاں کا لحاظ

لگا دیتے مجھ پر وہ خامی کا داغ — مگر کر گئے امتحاں کا لحاظ

نہیں گھر ہی واعظ کے اک جام مے — وہ توڑے گا کیا میہماں کا لحاظ

نہ ڈر مرغِ سادہ مری برقِ آہ — کرے گی بلند آشیاں کا لحاظ

محبت کا مجھ پر غضب ٹوٹتا — نہ کرتا جو کوئے بتاں کا لحاظ

نہ بگڑو جو ٹوٹا ہے بندِ نقاب — نہ توڑو دلِ بدگماں کا لحاظ

کہاں تک تپِ غم سے جلتا رہوں — کہاں تک ہو سوزِ نہاں کا لحاظ

پڑھے بھی تو بک بک میں سودا کے شعر — جنوں میں بھی رکھا زباں کا لحاظ

نہ تھی غزل جو بہار آفریں
کیا میں نے مائل خزاں کا لحاظ



ردیف "ع"

آ گیا اب وقتِ رحلت الوداع — الوداع اے دل کی حسرت الوداع

آ گئی تشریف واعظ آ گئے — الوداع اے ابرِ رحمت الوداع

ہو گئی وہ ہو گئی صبحِ فراق
الوداع اے عیش و عشرت الوداع

ہو چکا مستی کا عالم ہو چکا
الوداع اے جوشِ وحشت الوداع

اب تو آنکھوں میں کٹا کرتی ہے رات
الوداع اے خوابِ غفلت الوداع

الوداع اے ساکنانِ کوئے یار
الوداع اے اہلِ جنت الوداع

المدد اے روحِ مجنوں المدد
الوداع اے آدمیت الوداع

الحذر اے بیقراری الحذر
الوداع اے تاب و طاقت الوداع

کیا کروں گا تجھ سے مائل گفتگو
الوداع اے محوِ صورت الوداع



ہو تو کیونکر انجمن میں عزت و توقیرِ شمع
جلوۂ رُخ سے ترے شرمندہ ہے تنویرِ شمع

کام دل پہ کر گیا ہر اشکِ پُرتاثیرِ شمع
گو نہ سمجھے اہلِ محفل اک ذرا تقریرِ شمع

داغِ دل پر لے گیا تربت میں گر واعظ تو کیا
روشنی دیتی ہے تاریکی میں کب تصویرِ شمع

گر نصیبوں میں مرے جلنا لکھا تھا اے فلک
قسمتِ پروانہ ملتی یا مجھے تقدیرِ شمع

آتشِ دل پہ نہ کر پروانہ نازش اس قدر
شعلہ بن کر پھونک دے گی دیکھنا شمشیرِ شمع

داغِ دل کی تاب سے پروانے روشن ہو بھی تو
گر لگا دوں اپنے گھر میں کھینچ کر تصویرِ شمع

وہ جلے محفل میں اُسکی یہ جلے گھر میں مرے
رشک سے داغوں کو دل کے دیکھ کر تقدیرِ شمع

شمع کی لو صورتِ سیکال بنی تھی جس گھڑی
میں نے پروانے کو سمجھا تھا جبھی نخچیرِ شمع

جان قرباں کیوں نہ محفل میں کرے یہ شمع پر
دل میں پروانے کے الفت کا لگا ہے تیرِ شمع

رات بھر کے میہماں ہیں اہلِ محفل دیکھنا
شام ہی سے کہہ رہے ہیں اشکِ پُرتاثیرِ شمع

کچھ کہا کرتا تو ہے اپنی زباں سے اُن سے وہ
کچھ سمجھ لیتے تو ہیں ہاں داغِ دل تقریرِ شمع

جان و دل سے پھر ہوا روزِ جزا اُن پر نثار
جب نہ ثابت کر سکا پروانہ کچھ تقصیرِ شمع

شام سے وہ صبح تک رو رو کے کچھ کہتی رہی
پر نہ سمجھا انجمن میں کوئی بھی تقریرِ شمع

میرِ ساماں ہے خدا دیوانگانِ عشق کا
بن گئے اشکِ مسلسل شمع کے زنجیرِ شمع

وہ اُٹھا کر دستِ رنگیں سے دکھائے غیر کو
آگ لگ جائے نہ کیونکر دیکھ کر تقدیرِ شمع

کیوں نہ ہوگا خونِ بلبل کا گریباں گیرِ گل
کیا نہ ہوگا حشر میں پروانہ دامن گیرِ شمع

یوں مرے روزِ سیہ میں جلوہ گر ہے آفتاب
جیسے ہو بے نور سی وقتِ سحر تنویرِ شمع

یہ تو دیکھا جل بجھے دونوں تمہاری بزم میں
کچھ خطا پروانے کی دیکھی نہ کچھ تقصیرِ شمع

یہ نہ سمجھی تھی کہ پروانہ کا یوں ہوگا وصال
جل بجھے گا سوچتے ہی سوچتے تدبیرِ شمع

رات بھر جلتی رہی خاکِ شہیدِ ناز پہ
داغِ دل کو کب ملی یہ خوبیِ تقدیرِ شمع

ہے مجھی سے حضرتِ مائلؔ ظہورِ حسنِ عشق
آتشِ پروانہ دل سے داغ سے تنویرِ شمع



ردیف "غ"

دیتا کسی کے آنے کی ہے کچھ خبر چراغ
ہنستا ہے آج شام سے جو اس قدر چراغ

جلتا جو میرے ساتھ رہا رات بھر چراغ
مٹی سے جادہ گر کی بنا ہے مگر چراغ

بیٹھا ہے میری بزمِ عزا میں وہ فتنہ گر
گھی کے جلائیں یار مری قبر پر چراغ

واعظ مجھے ڈرا نہ اندھیرے سے قبر کے
بن جائیں گے وہاں مرے داغِ جگر چراغ

کب تک شبِ فراق کی ظلمت بیاں کروں
ہے قصہ مختصر کہ نہ آیا نظر چراغ

افسردگیِ دل نے کیا داغ کا یہ رنگ
بے نور جیسے جلتا ہے وقتِ سحر چراغ

صحرا پہ آج وادیِ ایمن کا ہے گماں
روشن کیا ہے کس نے مری قبر پر چراغ

کہتے کبھی نہ لوگ کہ لو ہے بندھی ہوئی
لیتا نہ مجھ سے وام جو سوزِ جگر چراغ

بے نور جس کے آگے تھی قندیل عرش کی
روشن شبِ وصال میں تھا اس قدر چراغ

ہیں کس غضب کے یاد جلانے کے ڈھب اسے
بجھتا ہے بزمِ غیر کا لو میرے گھر چراغ

اعجازِ داغِ دل نے دکھایا یہ بعدِ مرگ
جلتا ہے میری قبر پہ آٹھوں پہر چراغ

اک دل پہ میرے داغ پڑے ہیں جو اسقدر
سارے جہان میں نہ جلیں اس قدر چراغ

سچ ہے کہ زندگی کا بھروسا ہی کچھ نہیں
آئی اُدھر ہوا کہ ہُوا گُل اِدھر چراغ

مائلؔ ہماری شمعِ سخن روشن اُس سے ہے
موسیٰ کے واسطے جو جلا طور پہ چراغ



ردیف "ف"

دیکھا نہ ایک بار دلِ زار کی طرف
دیکھا کیے وہ بزم میں اغیار کی طرف

یہ چاہتا ہے شوق کہ رکھ دیجیے گلا
جب دیکھتا ہوں آپ کی تلوار کی طرف

یہ تو خبر نہیں کہ ہوئے کیسے قتل ہم
تھی اپنی آنکھ ابروئے خمدار کی طرف

وہ جانتے ہیں ہوگا کوئی تاک جھانک میں
کب دیکھتے ہیں روزنِ دیوار کی طرف

اس پہ بھی لوگ کہتے ہیں اُس کو ستم شعار
دیکھا کبھی نہ بزم میں اغیار کی طرف

ظالم نے انجمن ہی کو مقتل بنا دیا
دیکھا نگہ اُٹھا کے جو دو چار کی طرف

دیوانگی کے جوش میں دامان و جیب کا
ہر تار کھینچتا ہے مجھے خار کی طرف

رکھنی تھی اُن کو حضرتِ موسیٰ کی آبرو
دیکھا نہ مجھ سے طالبِ دیدار کی طرف

یہ حُسن کیا بلا ہے کہ دے دے کے جان و دل
ہوتی ہے ایک خلق ستمگار کی طرف

کیا جانے کس کی یاد تھی تھا کون جلوہ گر
کیوں رو رہا ہوں دیکھ کے دیوار کی طرف

کچھ آج کل قفس میں ہے وہ دل لگا ہوا
جاتا نہیں خیال بھی گلزار کی طرف

اپنی طرف نہیں ہے زمانے میں ایک بھی
کچھ یار کی طرف ہیں کچھ اغیار کی طرف

کم بخت اپنے ساتھ ہمیں بھی ڈبوئے گا
کیا نیں گے ہو کے مائلِ میخوار کی طرف



عشق میں جب دل ہوا زلفِ پریشاں کی طرف
مجھ کو وحشت ہے کہ ہوں میں دین و ایماں کی طرف

کچھ کشش میں جذبِ دل سے کم نہیں ہے وہ زمیں
دل کھنچا جاتا ہے از خود کوئے جاناں کی طرف

واں مصیبت میں بھی یوسف کا تغافل ہے وہی
کیوں زلیخا مضطرب پھرتی ہے زنداں کی طرف

کچھ نہ کچھ مرگِ سکندر رنگ لائے گی ضرور
اب نہ جانا حضرتِ خضر آبِ حیواں کی طرف

کس طرح محشر میں ہوں گے ہم گریباں گیرِ یار
ہاتھ جب جاتا نہیں اپنا گریباں کی طرف

وہ چمن رکھتے ہیں دل میں یہ خراب آباد کیا
ہم نہ دیکھیں آنکھ اٹھا کر باغِ رضواں کی طرف

پا ہی لیں گے لطفِ عمرِ جاوداں کا خضر بھی
تم ہی نکلو گے کبھی تو کوئے جاناں کی طرف

قیس نے شاید کہ سن لی مرگِ لیلیٰ کی خبر
آج حسرت سی برستی ہے بیاباں کی طرف

بیکسی سی بیکسی ہے تیرگی سی تیرگی
دیکھ تو اے آسماں شامِ غریباں کی طرف

اک زمانہ تھا کہ جاتے تھے ہمیں خود باغ میں
اب تصور بھی نہیں جاتا گلستاں کی طرف

کیوں نہ نازش ہو ہمیں اپنے گنہ پر کیوں نہ ہو
رحمتِ حق ہو گئی ہے اہلِ عصیاں کی طرف

محتسب کو شیخ رندوں سے چھڑا لایا تو کیا
ہر مسلماں ہو ہی جاتا ہے مسلماں کی طرف

جذبۂ شوقِ زلیخا کام پورا کر گیا
کھینچ لایا کارواں کو چاہِ کنعاں کی طرف

لاکھ سر پیٹے گا ناصح لاکھ سمجھائے گا تو
میں نہ ہوں گا میں نہ ہوں گا تجھ سے ناداں کی طرف

مژدہ اے شوقِ شہادت اب بر آئی آرزو
تیغ اُن کی ہو گئی ہے میرے ارماں کی طرف

حضرتِ یوسف اسیری میں خدائی کر گئے
سجدے کرتی تھی زُلیخا اُن کے زنداں کی طرف

اضطرابِ دل یہ کہتا ہے کہ کیسا رشکِ غیر
سر کے بل جانا پڑے گا کوئے جاناں کی طرف

یہ شہیدِ ناز ہیں ہو جائیں گے زندہ ابھی
دیکھنا پھر کر نہ تم گنجِ شہیداں کی طرف

کوئی دم میں ڈوب جاتے ہیں یہ ساتوں آسماں
ہو گئی ہے چشمِ گریاں جوشِ طوفاں کی طرف

مل رہی ہیں خاک میں کس کس کی کیا کیا حسرتیں
دیکھو تو جا کر کبھی گورِ غریباں کی طرف

کیا کسی کے عہد و پیماں پر بھروسا کیجیے
ہو گیا مائل سا کافر اہلِ ایماں کی طرف

(۲)

نہیں کوئی بھی کوہ کن کی طرف — ہوا تیشہ تک پیرزن کی طرف
مرے ہمصفیروں سے کہیو سلام — جو گزرے صبا تو چمن کی طرف
گئے اس طرح رہروانِ عدم — کہ مڑ کر نہ دیکھا وطن کی طرف
انا الحق ہی منصور کہتے ہوئے — چلے جاؤ دار و رسن کی طرف
مزہ ہی نہیں ہے جو آئے خیال — محبت میں رنج و محن کی طرف

یہی رنگِ دُنیا ہے دیکھو کبھی — سحر کو کسی انجمن کی طرف
نہ دیکھو گے کیا یوں ہی محشر میں بھی — شہیدانِ خونی کفن کی طرف
وہیں میں تو سمجھا جلا آشیاں — گری جوں ہی بجلی چمن کی طرف
کریں گے نہ شکوہ ستم کا کبھی — نہ دیکھیں گے چرخِ کہن کی طرف
وہ جادو ہے آنکھوں میں آئے خیال — نہ زلفِ شکن در شکن کی طرف
ترے لعلِ لب کا اثر کھل گیا — کہ دنیا ہے شیریں سخن کی طرف
نہ کر تنگ ناصح خدا کے لیے — نہ جا میرے دیوانہ پن کی طرف
چلو بس یہ جھگڑا ہی سارا مٹا — گیا اب نہ چرخِ کہن کی طرف

خدایا بہت ہی ہے مائلؔ خراب
نظر کر غریب الوطن کی طرف



ردیف "ق"

لے رہے ہیں دے کے وہ دونوں جہاں دردِ فراق — کیوں نہ پھر دے عاشقوں کو آسماں دردِ فراق
میں یہاں سے لے چلا ہوں اب وہاں دردِ فراق — تیرے دم سے بن گئے دونوں جہاں دردِ فراق
ہے تجھی سے سوز و سازِ عاشقاں دردِ فراق — تیرے بدلے یہ نہ لیں دونوں جہاں دردِ فراق
آہ بیتابی ملے کیونکر کہ اس کے حسن کی — دل کے اندر کہہ رہا ہے داستاں دردِ فراق
اس مزے کی چیز ہے مقدور گر ہوتا مجھے — لے ہی لیتا دے کے میں دونوں جہاں دردِ فراق
جی میں آتا ہے کہ لکھوں اے چمن آرا مرے — ہے ترے گلزار کا سروِ رواں دردِ فراق
اب نہ نکلی ہے نہ نکلے جان جسمِ زار سے — چلتے چلتے رکھ گئے وہ نام جاں دردِ فراق
اب ذرا آنے لگی ہے دل کو لذت عشق کی — اب ذرا ہونے لگا ہے مہرباں دردِ فراق
اب ملے جاتے ہیں اُن سے دل میں جب یہ ٹھن گئی — اب کہاں درد و الم اور اب کہاں دردِ فراق

میرے دل میں کیا ہوا، دل میں یہ پیدا ہوا
کیوں نہ ہو پھر کیوں نہ ہو اہلِ زباں دردِ فراق

ہاتھ آئے اور مجھ سے عاشقِ صادق کا دل
چھوڑ کر جائے کہاں ایسا مکاں دردِ فراق

کیوں نہ چمکے بتکدہ پر میری آہِ برق وش
دل میں پیدا کر گیا حُسنِ بتاں دردِ فراق

کون سنتا حضرتِ ناصح کی باتیں رات دن
گر نہ ہوتا اُن کے میرے درمیاں دردِ فراق

کوئی کعبہ ہے کہ سو سو بار لوٹے اور بنے
تو نہ کر برباد یوں دل سا مکاں دردِ فراق

وہ ہمیں سے خستہ جاں ہیں وہ ہمیں سے بیقرار
تو لیا کرتا ہے جن کے امتحاں دردِ فراق

سنگ آمد سخت آمد، سچ کسی کا قول ہے
سہہ رہا ہے اور مجھ سا ناتواں دردِ فراق

اُس کو دیکھا ہم نے تو روتے ہوئے آٹھوں پہر
جس پہ ہوتا ہے یہ ظالم مہرباں دردِ فراق

دیکھنا ہے حوصلہ ہم کو بھی اپنے صبر کا
اب قیامت تک لیے جا امتحاں دردِ فراق

اُس کے شاید ہو رہے ہیں عہد و پیماں غیر سے
میرے گھر کا پوچھتا ہے کیوں نشاں دردِ فراق

میرے دل میں غم کے خُم ہیں بادۂ خوں ناب کے
کیوں نہ ہو پھر کیوں نہ ہو پیرِ مغاں دردِ فراق

پیچھے پیچھے جس کے ہے خلقِ خدا دیوانہ وار
سونپ کر مجھ کو گیا ہے یہ جواں دردِ فراق

زندگی کا مجھ کو رونا ہی نہ ہوتا ہائے ہائے
تو جو لاتا ساتھ مرگِ ناگہاں دردِ فراق

اشکِ خوں مائلؔ جو گرتے ہیں ترے مستانہ وار
پی رہا ہے کیا شرابِ ارغواں دردِ فراق

○

اب بات تیرے ہاتھ ہے اے کارسازِ عشق
لیلیٰ کو نازِ حُسن ہے مجنوں کو نازِ عشق

چھانے ہیں ہم نے کوہ و بیاباں تمام عمر
پوچھے تو کوئی ہم سے نشیب و فرازِ عشق

بھولے سے لب پہ آ ہی گیا نام یار کا
آخر کو آج کھل ہی گیا سب پہ رازِ عشق

ڈرتا ہوں دل میں ضبط کی طاقت نہیں رہی
ایسا نہ ہو زباں پہ آ جائے رازِ عشق

رہتے ہیں عشق باز ہمیشہ ذلیل و خوار
رکھتا ہے ساز حُسن سے کچھ کارسازِ عشق

بک بک ہے اپنی حضرتِ ناصح کو کام ہے
کچھ امتیازِ حُسن نہ کچھ امتیازِ عشق

کچھ بھی ہو اُس کے پاؤں پہ رکھ دوں گا سر کو میں
مقتل میں آج چل کے پڑھوں گا نمازِ عشق

مجھ کو تو میرے دل ہی نے ڈالا عذاب میں
کہیے کہ نازِ حسن اٹھاؤں کہ نازِ عشق

جانا کبھی سنا ہی نہیں دردِ عشق کا
پیدا کوئی ہوا ہی نہیں چارہ سازِ عشق

گیسو و زلف و خال ہیں نقش و نگارِ حسن
رنگِ فگار و داغِ جگر ہیں طرازِ عشق

آنکھوں سے میری دیکھیے اندازِ نازِ حسن
اور دل سے میرے پوچھیے رازِ نیازِ عشق

کیونکر ادا ادا پہ نہ عاشق کی جان جائے
ہو آن آن حسن کی جب دلنوازِ عشق

دیدیتے جان ڈوب کے آبِ حیات میں
ملتا جنابِ عشق جو سوز و گدازِ عشق

کیونکر نہ میری آہ کلیجے کے پار ہو
کیا جانے کب سے دل میں ہے سوز و گدازِ عشق

ہر لحظہ دیکھتا ہوں تماشے نئے نئے
تیرا خیال ہے کہ ہے نیرنگ سازِ عشق

یہ دل جو اب تباہ ہے دلّی سا شہر تھا
پامال کر گیا ہے اُسے ترک تازِ عشق

سجدہ کسی کے نقشِ قدم پہ کیا بھی ہے
زاہد کبھی پڑھی بھی ہے تو نے نمازِ عشق

اک روز دیکھنا ہے ترے حسن کا غرور
تاثیر کر گیا جو فسونِ نیازِ عشق

کیفیتِ کلام ہو درد و الم کے ساتھ
مائل یہی شراب ہے بس خانہ سازِ عشق

سینے میں لے چلا ہوں ہزاروں ہی داغِ عشق
روشن رہیں گے قبر میں میری چراغِ عشق

ہونے کو اور باغ ہیں ہے باغ باغِ عشق
ہونے کو اور داغ ہیں ہے داغ داغِ عشق

لیتے ہیں ساتھ حسن کے سب نام عشق کا
کیونکر نہ آسمان پہ پہنچے دماغِ عشق

کیا دیکھنا ہے لالہ و گل کی شگفتگی
دل میں ہمارے دیکھ کہ تازہ ہے داغِ عشق

گستاخ و شوخ طبع ہیں عاشق بھی کس قدر
کہتے ہیں اصطلاح میں ناصح کو زاغِ عشق

چھوڑا نہ میری روح کو تیرے خیال نے
پایا نہ بعدِ مرگ بھی میں نے فراغِ عشق

ناصح امیدِ ترکِ محبت نہ ہم سے رکھ
منہ سے لگا ہوا ہے ہمارے ایاغِ عشق

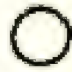
عاشق تو بوئے کاکلِ مشکیں سے مر گیا
بڑھ کر کہیں ہے حسن سے نازک دماغِ عشق

وادیِ نجد کہتے ہیں مجنوں کے دشت کو
صحرا کا میرے نام ہے مشہور راغِ عشق

دیتا رہا ہوں جان حسینوں پہ عمر بھر
رکھتا ہوں ایک دل میں ہزاروں ہی داغِ عشق

ملتا نہیں ہے تیرے سوا حسن کا پتہ   چلتا نہیں ہے دل کے سوا کچھ سراغِ عشق
پُر نور دو جہاں ہیں دلِ داغدار سے   ہے آفتابِ حشر سے بڑھ کر چراغِ عشق

مائل مرے کلام میں ہو کیوں نہ سوز و درد
روشن ہے ایک عمر سے دل میں چراغِ عشق



اس کا تو بعدِ مرگ بھی ہم کو رہا قلق   آیا نہ دیکھنے کو وہ کافر مرا قلق
اُن کے تو ذکرِ خیر سے جاتا رہا قلق   یادِ خدا کے کرنے سے ہی دونا ہوا قلق
ایسا نہ ہو کہ تو رہے مجھ سے الگ الگ   ایسا نہ ہو کہ ہو مجھے روزِ جزا قلق
جب سے نظر پڑی ہیں تری بے نیازیاں   ہوتا نہیں ہمیں تو کسی بات کا قلق
غمخوار روزِ ہجر میں نالہ ہے یا ہے آہ   مونس شبِ فراق میں گریہ ہے یا قلق
مے بھی عجیب چیز ہے روزِ فراق میں   دو چار گھونٹ پیتے ہی جاتا رہا قلق
پہنچے تڑپتے لوٹتے کوچہ میں یار کے   ایسا تو عاشقی میں ہوا رہنما قلق
آیا کسی کا ذکر تو آنسو نکل پڑے   آئی کسی کی یاد تو ہونے لگا قلق
اب بھی بدرد پہ منبر نہ بیٹھے تو یا نصیب   گریہ کے ساتھ ساتھ ہے رقتِ عا قلق
عاشق کو آزماتے ہیں کس کس ادا کے ساتھ   صبر و شکیب لے کے مجھے دے دیا قلق
پوچھو شبِ فراق سے یا اس کے طول سے   کیا پوچھتے ہو مجھ سے کہ کب تک رہا قلق
ڈالا ہے کس غضب میں فرشتوں کی بھول نے   مانگا تو میں نے صبر مجھے دے دیا قلق
مجھ کو سنبھالنا ہے تو اے چارہ گر سنبھال   قابو کا پھر نہیں ہوں جو ہونے لگا قلق
سینے پہ ہاتھ رکھ کے وہ تسکین دے گئے   شور و فغان و درد سے اچھا رہا قلق
دیکھا جو میرا حوصلہ سب دے دیا مجھے   جتنا خدائے پاک نے پیدا کیا قلق
کشتی میں میرے ساتھ ہے وہ شوخ کج کلاہ   کم بخت ناخدا کو ہے کس بات کا قلق
مخصوص کوئی بات نہ بخشش میں کی مری   اس بات کا ہوا مجھے روزِ جزا قلق

جب سے گئی ہے ہاتھ سے دلّی کی سلطنت   صدموں سے ہم تو مر گئے زندہ رہا قلق

مائلؔ غضب کیا ہے غزل کی ردیف نے
قرآں میں پڑھ رہا ہوں فلق کی بجا قلق



ردیف "ک"

کیا بات ہے کہ جس کی فریاد ہو خدا تک   وصلِ بتاں کی ہم نے مانگی نہیں دعا تک
پہنچے تو کیسے پہنچے وہ حرفِ مدعا تک   پڑھتا نہیں ہے کافر نامہ کو انتہا تک
اک تم کہ کان دھر کے سنتے نہیں دعا تک   اک ہم کہ سادگی سے کہتے ہیں مدعا تک
صبر و تحمل اپنا ہاتھوں سے جا چکا ہے   جنبش میں آنے والا ہے عرشِ کبریا تک
وہ دن گئے کہ نالے اپنے تھے آسماں رس   آتی نہیں ہے لب پر اب آہِ نارسا تک
الفت کی ابتدا میں جب جان پہ بنی ہو   امید زندگی کی کیونکر ہو انتہا تک
محفل سے کوئی دم میں ہم بھی ہیں اٹھنے والے   سب اٹھ گئے ہمارے دل سوز و آشنا تک
پیرِ مغاں کی صحبت دنیا میں ہے غنیمت   واعظ کو رفتہ رفتہ پہنچا دیا خدا تک
درباں نے انجمن میں جانے دیا نہ ہم کو   قدموں پہ اس کے گر کے کی ہم نے التجا تک
آیا اور اس ادا سے میدانِ حشر میں بھی   دن بھر اسی کو میں کیا دیکھا کیا خدا تک
دو چار جام پی کر واعظ بھی ہے جو کہتا   سنتے ہیں دل لگا کر زندانِ بے ریا تک
کچھ بھی تو پاسباں کو آیا نہ رحم مجھ پر   قدموں پہ اس کے گر کے کی میں نے التجا تک
منبر پہ تو تو بیٹھا مانگا کرے خدا سے   اپنا تو فیصلہ ہے واعظ تری دعا تک
موجود کچھ نہ پایا تو میں نے جان دے دی   خالی گئی نہ پھر کر گھر سے مرے بلا تک
مجھ کو ہی در بدر کچھ اس نے نہیں پھرایا   پھرتی رہی بھٹکتی برسوں مری دعا تک
میں جب سے دیکھتا ہوں بلبل کی بیقراری   پیدا نہ کی تھی گل نے رعنائی و ادا تک

اب اور کیا کروں میں تدبیرِ قتل اے دل — سو بار لکھ چکا ہوں بے مہر و بیوفا تک

کیفیتوں سے غم کی کیونکر وہ آشنا ہو — خونِ جگر کا جس نے چکھا نہ ہو مزا تک

ناکامیِ سکندر پہ ہے تو کیسے دیتی — گو خضر لے کے پہنچے سرچشمۂ بقا تک

بیمارِ درد و غم کو امید کیا شفا کی — دنیا میں اس مرض کی ملتی نہیں دوا تک

کہتے ہیں اب کے مل کر پھر ہم جدا نہ ہونگے — یارب نہ موت آئے اس عہد کی وفا تک

سچ ہے کہ وقتِ بد میں کوئی نہ کام آئے — جاتے ہیں منھ چھپائے دیرینہ آشنا تک

توقیرِ میکدے میں دیکھی نہ ہم نے کچھ بھی
مانا کہ ہے رسائی مائلؔ تری خدا تک



پہنچا بشر وہاں کہ نہ تھا کچھ حجاب تک — آنکھوں سے اُس کو دیکھ لیا بے نقاب تک

واعظ وہ خشک مغز ہے پیتی تو در کنار — پہنچی نہیں دماغ میں بوئے شراب تک

آتا نہیں نظر میں ترے خاکسار کی — عرشِ بریں سے لے کے جہانِ خراب تک

وہ آگ دل میں ہے کہ نہ جس کو بجھا سکے — اے ابر تو تو کیا مری چشمِ پُر آب تک

باقی میکدہ ہیں خراباتیوں میں ہم — اپنا رہے گا نام جہانِ خراب تک

حد بھی خوشامدوں کی کہاں تک خوشامدیں — درباں کو اُن کے میں نے کہا تو جناب تک

آنکھوں سے بے ثباتیِ عالم ہے دیکھنا — بحرِ زیست کی ہوا میں بھرا ہے حباب تک

ملتے ہی آنکھ ہم سے وہ کافر بگڑ گیا — ہونے نہ پائے اُس سے سوال و جواب تک

شاید کہ اُس سے مل گئے میرے صلاح کار — اُلٹی جو دیتے ہیں مجھے تعبیرِ خواب تک

تکرارِ واعظوں کی یہاں تک تو بڑھ گئی — جھگڑے میں پڑ گئے ہیں عذاب و ثواب تک

باتیں ہیں اس طرح سے کہ پہنچیں نہ اہلِ بزم — میرے سوال تک نہ تھا میرے جواب تک

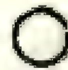
اب کیا امیدِ صبح ہو اے چشمِ اشکبار — طوفاں میں تیرے ڈوب گیا آفتاب تک

جو کچھ ہمارے حق میں ہو کرنا وہ کر ہی دو — کیا جانیں ہم رہیں نہ رہیں انقلاب تک

سچ کہتے ہیں کہ وقت ہے ہر کام کا ضرور — لذت رہی گناہ میں بھی عہدِ شباب تک

یہ کب اثر قرار ہیں تم دیکھنے کو آؤ — گویا کہ زندگی ہے مری اضطراب تک
رو کر دھو بھی دیں نہ یہ دفترِ گناہ کا — کیوں فکر میں پڑے رہیں یومِ حساب تک
اپنی خطاؤں کے مزے ہم سے پوچھیے — ہم نے سہے ہیں آپ کے قہر و عتاب تک
کیا چیز ہے یہ عشق کہ گذرے نہ ناگوار — برسوں سنا کیے سخنِ ناصواب تک

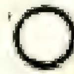
قربان ایسی توبہ کے مائلؔ سوئے حرم
لے کر چلے ہیں ساتھ شراب و کباب تک



کوئی مانگے نہیں دعا کب تک — نہ کہے کوئی مدعا کب تک
زخم پر زخم کھائیے کتنے — تیغ کو کہیے مرحبا کب تک
دم تو آنکھوں میں آگیا کھنچ کر — وہ ستمگر نہ آئے گا کب تک
کوئی وعدہ تو کیجیے پورا — ہم کہے جائیں بے وفا کب تک
پوچھ لے گا کبھی تو ہم کو بھی — نہیں ہوگا وہ آشنا کب تک
دل تو بسمل ہے مرا ادا کا تری — تو اُسے آزمائے گا کب تک
کیے جائے گی برہمی جہاں — تیری تیرگیِ ادا کب تک
جان و دل پر بنائے رکھے گی — یہ تری شوخی و حیا کب تک
روز آتا ہے ابر گھر گھر کر — پاسِ ماہِ صیام کا کب تک
آہ اک روز کھنچ ہی جائے گی — رازِ دل کا چھپاؤں گا کب تک
سر بازار مے پیوں دیکھوں — خلق کہتی ہے پارسا کب تک
جتنے دشمن ہیں مجھ سے کہتے ہیں — گلۂ بختِ نارسا کب تک
وہ تو ہر روز کھنچتے جاتے ہیں — ہم کیے جائیں التجا کب تک
اب بلا کر منائے لیتا ہوں — وہ رہیں گے خفا خفا کب تک
ہم بھی کھینچے ہی جائیں گے نالے — دیکھیں ہوتے نہیں رسا کب تک
تم سنے جاؤ غیر کی باتیں — ہم کہے جائیں مدعا کب تک

یوں پھرائے گا دربدر مجھ کو ‌ ‌ ‌ اے مرے بختِ نارسا کب تک
کوئی نالہ تو کارگر ہوگا ‌ ‌ ‌ نہ سنے گا مری خدا کب تک

ایک جنّت کے واسطے مائلؔ
گھیجے گا خدا خدا کب تک



بچائیں گے جبینِ عاشقاں سنگِ آستاں کب تک
بدلتے وہ رہیں گے پاسباں پر پاسباں کب تک

بتائیں گے نہ اپنے کو خدا کا رازداں کب تک
یونہی چلتی رہے گی شیخ صاحب کی دکاں کب تک

نہ آئے گی مرے دشمن کو مرگِ ناگہاں کب تک
نگاہِ ناز کا اُن کی نہ ہوگا امتحاں کب تک

یہ دیکھوں گا رہیں [illegible] زمین و آسماں کب تک
کرے گی پاس [illegible] کا مری آہ و فغاں کب تک

فراقِ غیر میں کرتے رہیں گے وہ فغاں کب تک
مزاجِ [illegible] رہے گا ہم مزاجِ عاشقاں کب تک

یہ مانا طاقتِ صبر و تحمل ہے مگر پھر بھی
نہ اپنی جان پر کھیلے تمہارا رازداں کب تک

ہمیں ڈالا ہے چکر میں کسی کی چشمِ فتّاں نے
ہمارے ساتھ چکر میں رہے گا آسماں کب تک

قدم رکھا ہے راہِ عاشقی میں یا وفا کہہ کر
لیے جاؤ گے میرے امتحاں پر امتحاں کب تک

حجاب اک روز اٹھانا ہے یقیں اک روز آنا ہے
رہیں گے درمیاں یہ پردۂ وہم و گماں کب تک

چلا کرتے ہیں سارے ناز نیں آہستہ آہستہ
خدا جانے کہ کب تک آئے جانِ ناتواں کب تک

فنا کیسی بقا کیسی تمھیں تم ہو نہیں ہیں ہم
رہیں گے اب سمجھ لو تم، مرے نام و نشاں کب تک

جواب اس کا انھیں لکھوں تو کیا لکھوں کہ لکھتے ہیں
خدا جانے تمھیں آئے گی مرگِ ناگہاں کب تک

کہا کرتا ہے مرغِ روح میرا دل کے داغوں سے
بھلا جلتا ہوا دیکھوں میں اپنا آشیاں کب تک

جو موسیٰ طور پہ جاؤ تو اتنا پوچھتے آنا
کہ اُس پہ مہرباں ہوگا کسی کا پاسباں کب تک

جو سجدہ تجھ کو کرتا ہوں تو کافر مجھ کو کہتے ہیں
اٹھاؤں اے مرے اللہ یہ نازِ بتاں کب تک

مجھے خاموش کر دے چارہ گر اب تو شبِ غم کی
سحر ہونے کو آئی ہے کروں آہ و فغاں کب تک

نہ غم کھانے کی طاقت ہے نہ سم کھانے کو ملتا ہے
ہوا دنیا کی کھائے گا تمھارا نیم جاں کب تک

مصیبت پہ مصیبت مول لے کر آزماتا ہوں
کہ میرا ساتھ دیتے ہیں رفیق و مہرباں کب تک

خبر اک دن یہ آئی ہے جنازہ اُن کا جاتا ہے
رہے گا خضر کو نازِ حیاتِ جاوداں کب تک

نہ آیا ذبح کرنے کو لگا کر تیر وہ ظالم
تڑپتا لوٹتا رہتا شکارِ ناتواں کب تک

جواب اُن کے جو آتے ہیں کلیجہ ہی پکاتے ہیں
لکھے جاؤں انھیں خط میں شفیق و مہرباں کب تک

چلے آئیں بنا کر آپ صورت سوگواروں کی
خدا جانے کہ نکلے تن سے جانِ ناتواں کب تک

یہ جی میں ہے کہ پوچھوں ساکنانِ کوئے دشمن سے
کہ راتوں کو رہا کرتے ہیں وہ آکر یہاں کب تک

کبھی میکش بناتا ہے کبھی ساقی بناتا ہے
بنائے گا مجھے اپنا سا اے پیرِ مغاں کب تک

خیالِ وصل و ہجراں سے جو چھوٹے ہم بتا دیں گے
رہے وہ مہرباں کب تک رہے نامہرباں کب تک

وہ اک کُن میں بناتا ہے یہ اک پل میں گراتی ہے
مقابل آسمانوں کے رہے میری فغاں کب تک

ہم اپنے خونِ دل کی روز جو کھینچا کرتے رہتے ہیں
پیو گے ٹونک[1] میں مائل شرابِ ارغواں کب تک

سُنتا رہے باتیں پسِ دیوار کہاں تک
حسرت میں رہے طالبِ دیدار کہاں تک

لاکھوں سرِ عشاق قلم ہوتے ہیں ہر روز
چاٹے گا لہو خنجرِ خونخوار کہاں تک

ہر روز بسر کرتے ہیں رو رو کے شبِ غم
مرمر کے جئیں گے ترے بیمار کہاں تک

وحشت میں اسے لاگ ہے ہر زخمِ جگر سے
ناخن سے بچے گا دلِ افگار کہاں تک

مانا کہ حسینوں میں وہ بے مثل ہے لیکن
یوسف سے رہے گرمیِ بازار کہاں تک

وہ لاکھ چھپائیں نہ چھپا ہے نہ چھپے گا
دیکھوں نہ کریں حسن کا اظہار کہاں تک

گریہ کو کیا ضبط تو وحشت نہیں چھپتی
پوشیدہ رہیں عشق کے اسرار کہاں تک

کھائی ہے قسم خواب میں آنے کی بھی اس نے
میں دل میں رکھوں حسرتِ دیدار کہاں تک

---

[1] راجستھان کی ایک سابقہ ریاست کا نام - ۱۲

تربت کو زمیں بھی شہدا کو نہیں ملتی
بس روک لے اب ہاتھ ستمگار کہاں تک

ساغر کو لیے بیٹھے ہو کس وہم میں واعظ
بس منہ سے لگا لیجیے انکار کہاں تک

امید خدا سے ہے کبھی آ ہی ملو گے
جھوٹے ہی کیے جاؤ گے اقرار کہاں تک

یارب کوئی بوسہ بھی مقدر میں لکھا ہے
دیکھا کروں بیٹھا لب و رخسار کہاں تک

دشمن سے بدلتا ہوں کسی ڈھب سے مقدر
دیکھوں تو نہ ہو عشق سزاوار کہاں تک

بے پردہ چلے آؤ یہ قصہ ہی مٹا دو
جھگڑے میں رہیں کافر و دیندار کہاں تک

سن سن کے تری وسعتِ رحمت کو بڑھا دل
دیکھوں تو کہے خلق گنہگار کہاں تک

لڑتی رہیں اغیار سے گھریوں ہی نگاہیں
دیکھوں نہ چلے بزم میں تلوار کہاں تک

مانا کہ دبے پاؤں چلے جاؤ کہیں تم
محشر نہ اٹھے گا دمِ رفتار کہاں تک

جلوہ نظر آتا ہے کہیں عرش سے آگے
پہنچا ہے ترا سایۂ دیوار کہاں تک

لیجا کے اُسے چشمۂ کوثر میں ڈبو دیں
دیکھیں تو بچے مائلِ میخوار کہاں تک

○

بن بن کے بگڑ جائے گی تدبیر کہاں تک
چکر میں رکھے گی مجھے تقدیر کہاں تک

میں نے جو کہا ملنے میں تاخیر کہاں تک
کہتے ہیں کہ ہے آہ میں تاثیر کہاں تک

قصہ ہے کہ ہے ذکرِ پریشانیِ کاکل
سمجھے کوئی الجھی ہوئی تقریر کہاں تک

آشفتہ ہے آفاق پریشان ہے عالم
بگڑے گی تری زلف گرہ گیر کہاں تک

رکھی ہی نہیں ہم نے کوئی حد ہی گنہ کی
محشر میں ملے گی ہمیں تعزیر کہاں تک

کچھ غیر کی جانب نگہِ ناز کی حد بھی
کھاتا رہے محفل میں کوئی تیر کہاں تک

ہو ایک تو بھگتے یہ اُسے سات فلک ہیں
پیدا ابھی کرے آہ تو تاثیر کہاں تک

جاتا ہوں اسے ڈھونڈھنے محفل میں عدو کی
دیکھوں تو بگڑتی ہے یہ تقدیر کہاں تک

ہر برگ میں ہر گل میں تری جلوہ گری ہے
حیرت میں رہیں صورتِ تصویر کہاں تک

آفت تو یہ ہے دل میں اسی کے ہے ترا گھر
دشمن سے چھپاؤں تری تصویر کہاں تک

ابرو کے اشارے ہیں نگاہوں کے کرشمے
کھاتا رہوں شمشیر پہ شمشیر کہاں تک

چھوڑی ہیں نہ چھوٹیں گی سیہ کاریاں اپنی
دیکھیں تو فرشتے کریں تحریر کہاں تک

مائل ہیں مگر آپ ہی جب اپنی نظر سے یہ
دشمن نہ کرے گا مری توقیر کہاں تک

○

یہ الجھاؤ جتنے ہیں، ہیں کفر و دیں تک
یہ دنیا کے جھگڑے ہیں سارے یہیں تک

وہ کیا جانے ہوتی ہے تاثیر کیسی،
کبھی آہ پہنچی نہ عرشِ بریں تک

فنائے جہاں پر نظر جب سے ڈالی
گماں میں ہی داخل ہے علم الیقیں تک

اٹھا لیتے جو کچھ ستم ہم پہ ہوتے
اگر زندہ رہتے تمھاری نہیں تک

فقط ایک دل کا ہی رونا نہیں ہے
گئی اک اشارے میں جانِ حزیں تک

رہا عمر بھر یہ تحیر کہ آنسو
نہ آنکھوں سے آئے کبھی آستیں تک

پہنچتے ہیں یا رب یہ اغیار کیونکر
ہر اک مہ جبیں تک ہر اک نازنیں تک

یہ کس نے نقاب اپنے چہرے سے الٹی
تحیر میں ہیں سب مکان و مکیں تک

جو روؤں تو ہو جائے پانی ہی پانی
زمیں سے فلک تک فلک سے زمیں تک

نکلنے دیا کوئی ارماں نہ دل کا
نہ ہونے دیا تیر بھی دلنشیں تک

ترے خاکساروں کی اللہ رے ہمت
سمایا نہ آنکھوں میں عرشِ بریں تک

دکھا دیں گے کعبہ سے چلیے تو مائل
یہ تقوے کی باتیں ہیں حضرت یہیں تک

○

غضب کی ہے واعظ کی قسمت مبارک
ملی دخترِ رز خوبصورت مبارک

نہ طبل و علم ہے نہ دولت مبارک
اگر ہے تو ہم کو محبت مبارک

اگر مے سے میخانہ کم بخت گر ہے
تو واعظ کو ہوگی نہ جنت مبارک

کہیں راہبر ہے کہیں راہزن ہے
ہر اک کو نہیں ہے محبت مبارک

مری ضد سے رونے وہ ملنے لگے ہیں
ہوئی دشمنوں کو شکایت مبارک

جو مل جائے دولت کسی کی بدولت
سمجھتے نہیں اہل ہمت مبارک

محبت سے پہنچا وہاں ہوں کہ جس جا
نہ دولت مبارک نہ عزت مبارک

یہاں تک لکھے خط میں ارمان دل کے
کہ لکھنا پڑا ان کو حسرت مبارک

وہ سمجھیں گے کیوں کر جو طالب ہیں تیرے
تماشائے حورانِ جنت مبارک

تمنا تھی جس کی اُسے دیکھتا ہوں
مجھے تو ہے روز قیامت مبارک

ابھی زخم دل کے بھرے بھی نہیں تھے
کہا فصل گل نے کہ وحشت مبارک

پیو میکشو آبِ زمزم ملا کر
اٹھا قبلہ سے ابرِ رحمت مبارک

وہ آنکھیں ہوں جن میں ہے سرخی جنوں کی
وہ دل ہوں کہ جس کو ہے وحشت مبارک

خوشی میرے دم سے جو ہے عید کی سی
لقب میکدے میں ہے حضرت مبارک

نہ ہوگی محبت بھی ایسی کسی کو
ہوئی جیسی مجنوں کو شہرت مبارک

نواسنجیاں ہیں یہی بلبلوں کی
گلوں کو ہو تیری شباہت مبارک

مری چڑ بتوں نے نکالی ہے مائلؔ
کہ کعبہ کی تم کو امامت مبارک

○

کچھ بڑی بات نہیں اہل صفا کے نزدیک
کہ بٹھا دیں مجھے لیجا کے خدا کے نزدیک

اب تو ساقی مجھے دے جام بلا کے نزدیک
آگیا ابر کرم دست دعا کے نزدیک

خضر کی زیست سہی آب بقا کے نزدیک
ایک ہی وار کے ہیں تیغ قضا کے نزدیک

ہم نے دیکھا ترے بیمار کو مرتے مرتے
کبھی بھٹکا ہی نہیں جا کے دوا کے نزدیک

بادشاہی کا طلبگار خدا سے کیا ہو
پر پشہ سے ہے کم اس کے گدا کے نزدیک

مثل پروانہ اگر تجھ پہ فدا ہو جائیں
یہ بڑی بات نہیں اہل وفا کے نزدیک

یہ دعا ہے مری اے ابر کرم دامن یار
آپڑے اڑ کے مرے دست دعا کے نزدیک

لے لیا زلف کا بوسہ تو بگڑتے کیوں ہو
ہم بلا نوش چلے جائیں بلا کے نزدیک

اس کی رحمت کا ہے پیغام کرم کی امید
ہر بلا صاحبِ تسلیم و رضا کے نزدیک

خشک کر دیتے اسے بحرِ فنا کے پیراک
جا کھڑے ہوتے اگر آبِ بقا کے نزدیک

تیرے رخسار نے دی ایسی شہادت میری
کفر ثابت نہ ہوا زلفِ دوتا کے نزدیک

موت آئے گی ہو یا نہ ہو اس کو خضر
رکھ گیا کلکِ قضا آبِ بقا کے نزدیک

وہ تو ہر سانس میں مل جاتے ہیں اس سے جا کر
کیا ہے ہستی و عدم اہلِ فنا کے نزدیک

خنجرِ ناز کا اک میں ہی نہیں ہوں بسمل
کھیل ہے قتل جہاں تیغِ ادا کے نزدیک

کبھی ہوتی ہے دعا دور اثر سے کوسوں
کبھی ہوتا ہے اثر دستِ دعا کے نزدیک

خرقہ پوشوں کو تو دیکھو کہ کہاں پہنچے ہیں
تجھے بیٹھے ہوئے دیکھ آئے خدا کے نزدیک

بحرِ مواج میں تھمتا نہیں دم بھر بھی حباب
زندگی چیز ہے کیا اہلِ فنا کے نزدیک

کشتۂ ناز و ادا ہو کہ شہیدِ انداز
دونوں رتبے میں برابر ہیں خدا کے نزدیک

دل سے لب تک ادھر آئی کہ وہاں جا پہنچی
لامکاں دور ہے کیا آہِ رسا کے نزدیک

زندگی بخش جو تاثیر ہے اس میں اے خضر
کوئی میخانہ ہے کیا آبِ بقا کے نزدیک

کھینچ لے تو جو کماں عالمِ ہستی کا وجود
اک نشانہ ہے ترے تیرِ قضا کے نزدیک

خونِ دل دیدۂ عشاق سے برسا دینا
اک کرشمہ ہے ترے رنگِ حنا کے نزدیک

کچھ بڑی بات نہیں عقدہ کشائی کرنی
ناخنِ ہمتِ مردانِ خدا کے نزدیک

گو ہے دنیا ہے بڑا دامِ فریب واعظ
پھر بھی کوتاہ ہے تسبیحِ ریا کے نزدیک

وہ اگر چاہے تو افلاک اٹھا لے ساتوں
درِ خیبر تو ہے کیا دستِ خدا کے نزدیک

دین و دنیا کے تو جھگڑوں میں نہ پڑیے مائلؔ
کام وہ کیجیے جو اچھا ہو خدا کے نزدیک



ردیف "گ"

عالم ہے اس کے ناز و ادا کا الگ الگ
ہیں اہلِ بزم محوِ تماشا الگ الگ

ہر نالۂ عندلیب کا صبحِ شبِ وصال
بن بن کے تیر دل میں ہے بیٹھا الگ الگ

دونوں جہان اب کے ڈبو کر رہیں گے ہم
بہنے لگے ہیں آنکھوں سے دریا الگ الگ

دیدیں گے ایک بار دل و جان و صبر و ہوش
کرتی ہیں کیوں ادائیں تقاضا الگ الگ

بے لطف زندگی ہے جیے بھی تو کیا جیے
رہنے لگا وہ رشکِ مسیحا الگ الگ

دل کی سی میرے ایک بھی کہتا نہیں کوئی
کہتے ہیں اپنی اپنی احبّا الگ الگ

دل لے چکے ہو جان و جگر کے ہو مدعی
ہر چیز کا ہے آپ کو دعویٰ الگ الگ

میں منتظر ہوں راہ میں وعدہ مجھی سے کر
جاتے ہو کس کی بزم میں تنہا الگ الگ

اک اک کو قتل کرتے ہیں وہ شہر شہر کر
گویا کہ دیکھتے ہیں تماشا الگ الگ

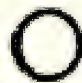
مجھ کو ہے تم سے عشق تمھیں پاس غیر کا
دونوں ہیں جہان میں رسوا الگ الگ

الفت بھی کیا بلا ہے کہ مجنوں کے دشت سے
چلتا ہے بچ کے ناقۂ لیلیٰ الگ الگ

کھنچتے ہیں بات بات پہ وہ شوق دیکھ کر
رکھتی ہے مجھ کو میری تمنا الگ الگ

رکھتا ہے ہر کلام لطافت جدا جدا
رکھتے ہیں سب مذاقِ سخن کا الگ الگ

دنیا کی خواہشوں پہ بھی مائل کو دیکھنا
رہتا ہے مثلِ تارکِ دنیا الگ الگ



جیسے ہیں آسمان پہ اختر الگ الگ
ایسے ہی داغ ہیں مرے دل پر الگ الگ

اندوہ و درد و حسرت و ارمان و یاس نے
دل میں بنا لیے ہیں مرے گھر الگ الگ

زاہد ہمارے ہاتھ سے کیوں چھینتا ہے تو
دیتے ہیں جام ساقیِ کوثر الگ الگ

محفل میں تیری چال نے دل میں نگاہ نے
برپا کیے ہیں فتنۂ محشر الگ الگ

ظالم نے ایک تیغِ ادا سے لگائے زخم
دل پر جگر پہ سینے پہ تن پر الگ الگ

بے ہوش وہ شراب سے میں شوقِ وصل سے
دونوں کے آج کھل گئے جوہر الگ الگ

وحشت برس رہی ہے وہ مجھ پر کہ دور سے
کہتا ہے دیکھ کر بتِ کافر الگ الگ

ہر سنگ دل نے شیشۂ دل کو کیا ہے چور
برسا کیے ہیں مجھ پہ تو پتھر الگ الگ

غیروں سے واں اشارے ہوئے ہیں جدا جدا — یاں جان و دل پہ چل گئے خنجر الگ الگ
پینا ملا بلائیں وہ شوقِ وصال میں — کہنا کسی کا ہائے بگڑ کر الگ الگ
اس کے خیالِ جنبشِ مژگان نے رات بھر — دل میں مرے چبھوئے ہیں نشتر الگ الگ
ہم سے کوئی ملے تو ذرا ضبط بھی رکھے — مجھ کو چلے گئے وہ سنا کر الگ الگ

مائلؔ کسی عذاب کا دھڑکا نہیں رہا
حامی ہیں میرے آل پیمبر الگ الگ

○

جب کھلتے تیرے ناز کے جوہر الگ الگ — ہوتے کئی جو داورِ محشر الگ الگ
بیٹھا ہوا ہے سینہ پہ قاتل ستمگار کا — چلتا ہے میرے حلق پہ خنجر الگ الگ
ساقی ہے بادہ خوار ہیں ابر سیاہ ہے — پھر کیوں دھرے ہیں شیشہ و ساغر الگ الگ
ان سب کی سرنوشت کا مضمون ایک ہے — عشاق کا نہیں ہے مقدر الگ الگ
ہوتا چلا ہے حسن و محبت میں اتحاد — کھلتے چلے ہیں شوق کے دفتر الگ الگ
دو دن تو زندگی کے یہ مل جل کے کاٹ لیں — ہونا ہے ایک روز مقرر الگ الگ
گویا کسی سے رسم ملاقات ہی نہ تھی — رہتا ہے اس طرح وہ ستمگر الگ الگ
واعظ نہیں یقیں تو چل میکدے میں دیکھ — ہے جا بجا یہ چشمۂ کوثر الگ الگ
کس کا ہوں پائمال کہ خاک مزار سے — بچکر گیا ہے فتنۂ محشر الگ الگ
ظلمت میں پاؤں رکھتے ہی کہنے لگی قضا — جاتا کدھر ہے بچکے سکندر الگ الگ

مائلؔ بدل بدل کے قوافی لکھوں غزل
دیکھوں تو بیٹھتے نہیں کیونکر الگ الگ [1]

○

---

[1] یہ غزلیات جے پور کے ایک طرحی مشاعرہ کی ہیں جو غالباً ۱۹۱۰ء یا ۱۹۱۲ء میں ہوا تھا۔ اور اس زمانے کے تمام اساتذۂ جے پور نے اس میں شرکت کی تھی چنانچہ مولانا سلطان الدین احمد مبین کا شعر ہے :-

کیونکر چلوں میں راہ میں تم سے جدا جدا — خود مسکرائے دیتے ہو کہہ کر الگ الگ

شامل ہیں کب جو ہوں حق و باطل الگ الگ
راہیں جدا جدا ہیں منازل الگ الگ

وہ شعلہ خو چمن میں کہیں آ گیا نہ ہو
ہیں نالہ سنج گل سے عنادل الگ الگ

کیوں کر نہ میری جان پہ یارب بنی رہے
رہنے لگا وہ حور شمائل الگ الگ

ظلمت کدے سے میرے رہا مہر دور دور
بچ کر نکل گیا مہِ کامل الگ الگ

مل جائیں دل اگر تجھے سارے جہان کے
دوں اس کی ہر ادا کو ہر اک دل الگ الگ

دل میں گرہ لگی ہے جو بندِ قبا کھلا
مجھ کو ملے ہیں عقدۂ مشکل الگ الگ

ہوتا چلا ہے غیر سے واں عہد استوار
رہنے لگا ہے جان سے یاں دل الگ الگ

کچھ خنجرِ مژہ سے تو کچھ تیغ ناز سے
ہوتے ہیں تیری بزم میں بسمل الگ الگ

ہنگامہ ہے بہت کہیں مجھ کو نہ بھول جائے
پھرتا ہے قتل گاہ میں قاتل الگ الگ

جھکنے لگا جو اس کے قدم چومنے کو میں
کہنے لگا وہ حور شمائل الگ الگ

اڑتا نہیں ہوا سے یہ اے قیس بے سبب
کہتا ہے تجھ سے پردہ محمل الگ الگ

حسرت سے دیکھتے ہوئے واعظ چلے گئے
رندان بادہ خوار کی محفل الگ الگ

ایسا کہاں وسیع ہے میدان حشر کا
تڑپیں گے جس میں سب ترے بسمل الگ الگ

راہ فنا کا کوئی بنے رہنما تو کیا
اس کے مسافروں کی ہے منزل الگ الگ

ہیں ایک تیغ ناز کے جتنے شہید ہیں
کہنے کو ہیں جہان میں قاتل الگ الگ

واعظ کے کہنے سننے میں شاید کہ آ گئے
رہتے ہو میکشوں سے جو مائل الگ الگ

○

پیر مغاں نے دیکھ کے شیوہ و خو الگ الگ
بادہ کشوں کو دے دیئے جام و سبو الگ الگ

مجھ میں نہیں ہے تاب اب دست جنوں خدا کو مان
زخم جگر کے توڑ تو تارِ رفو الگ الگ

تیغ و سنانِ یار سے روز ازل سے ہیں فگار
سینہ و دل جدا جدا فرق و گلو الگ الگ

جب سے شرابخانے میں آئے ہیں شیخ رہتے ہیں
ظرفِ وضو جدا جدا جام و سبو الگ الگ

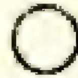
میری وفا کا امتحان لینے کو اس نے کر دیا
حسنِ بشر جدا جدا روئے نکو الگ الگ

جلوۂ گل سے ہے عیاں خاک میں ہیں چھپے ہوئے
رخ کی ضیا جدا جدا زلف کی بو الگ الگ

طرزِ ادائے ناز نے کھول دیا یہ ماجرا
سب سے ہے تو ملا ہوا سب سے ہے تو الگ الگ

حال سے عندلیب کے رکھتی نہیں ہے کچھ خبر
لے کے چلی ہے تو صبا گل کی جو بو الگ الگ

مائلؔ بادہ خوار کے گھر میں تو چل کے دیکھیے
رکھے ہیں کس سلیقہ سے جام و سبو الگ الگ



ردیف "ل"

بن گیا اور کسی گل کا گل تر بلبل
کیا ہی پھوٹا ہے ترا ہائے مقدر بلبل

پوچھتے کیا ہو کہ مرجاتے ہیں کیونکر عاشق
آتشِ گل ہی سے جل جاتی ہے اکثر بلبل

مشتِ پر کہنے کو ہے رکھتی ہے دل میں لاکھوں
گل کے شکوے غمِ صیاد کے دفتر بلبل

باغباں کو ہے عداوت تو عداوت ہی سہی
کیا بھروسا نہیں رکھتی ہے خدا پر بلبل

ہائے گل کہتی ہے جس وقت قفس میں ظالم
زخم پر دل کے لگا دیتی ہے نشتر بلبل

شوقِ گل وحشتِ صیاد سے یہ عالم ہے
کبھی اندر ہے چمن کے کبھی باہر بلبل

کیا عجب ہے گلِ رخسار پہ کرنے کو فدا
تیری محفل میں جو لے آئے گلِ تر بلبل

نہ حیا ہے نہ شرارت نہ کرشمہ نہ ادا
کون سی بات پہ ہے شیفتہ گل پر بلبل

تم نے دیکھی ہے کہاں نالہ سرائی میری
مجھ سے نکلی نہ چمن میں کبھی بڑھ کر بلبل

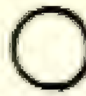
بے ثباتی سے تو وقفہ نہیں دم بھر گل کو
ہے تعجب مجھے زندہ رہی کیونکر بلبل

رہ گئی دل میں مرے ہائے کھٹک سی ہو کر
اڑ گئی وائے اک آواز سنا کر بلبل

فصلِ گل آئی چمن میں کہ قیامت آئی
نالہ سنجی سے بپا رکھتی ہے محشر بلبل

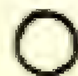
ن : نثار

مائلؔ اشعار ترے خونِ جگر سے اپنے
ورقِ گل پہ لکھا کرتی ہے اکثر بلبل



باقی نہیں ہے ایک بھی بیمارِ دردِ دل — کیجیے تو کس کے سامنے اظہارِ دردِ دل
ہیں اشک میرے گوہرِ شہوارِ دردِ دل — آنکھیں ہیں میری دیدۂ خونبارِ دردِ دل
زندہ رہیں جہاں میں خریدارِ دردِ دل — ہے ان کے دم سے گرمیِ بازارِ دردِ دل
وہ ایک ایسی بزم میں ہوتے ہیں بادہ خوار — ملتا ہے جن کو ساغرِ سرشارِ دردِ دل
یوسف سے حوصلہ میں زلیخا تو بڑھ گئی — یہ حسن جن کے خرش ہے وہ آزارِ دردِ دل
آیا ہے جو وہاں سے وہ آہ و فغاں لیے — کوچہ میں یار کے نہ ہو بازارِ دردِ دل
صبر و قرار تاب و تواں دے چکے جواب — غم خوار اب رہا نہ کوئی یارِ دردِ دل
تھوڑے دنوں سے ان کا تصور رہا ہے یار — برسوں تو حسرتیں رہیں غم خوارِ دردِ دل
ہر چند سینے میں ہے ازل سے ترا قلم — پیدا ہوئی نہ میری سی گفتارِ دردِ دل
ہر دم حریمِ کعبہ کے لب پر ہے یہ دعا — یارب مجھے بنا در و دیوارِ دردِ دل
حیرت ہے کیوں طبیب مری نبض دیکھ کر — بڑھتا ہے سانس سانس میں آزارِ دردِ دل
گڑ جاتے عرش تیرے فرشتے زمین پر — پڑتا جو تجھ پہ سایۂ دیوارِ دردِ دل
کرتا ہوں کچھ جو عرض تو ملتا ہے یہ جواب — تجھ سا نہیں ہے کوئی گنہگارِ دردِ دل
آدم کو دیکھتے ہی فرشتے یہ کہہ اٹھے — جنت میں کیا رہیں گے طلبگارِ دردِ دل
دنیا میں ایک حضرتِ ناصح کا دم نہ ہو — کچھ بھی نہیں جو لاکھ ہوں اغیارِ دردِ دل
بنتا بیاں نہیں ہیں مری لوٹ لوٹ کر — طے کر رہا ہوں منزلِ دشوارِ دردِ دل

ہو کیوں نہ اس کا نالۂ مستانہ دردناک
مائلؔ کی ذات پاک ہے مخوارِ دردِ دل



ردیف "م"

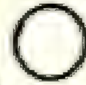
فکرِ وصال، دردِ فراق، انتظار، غم
ہے ایک جانِ زار مری اور ہزار غم

اٹھتا نہ تیشہ ہاتھ سے فرہاد کے کبھی
کھاتا جو میری طرح سے وہ ایک بار غم

کس کو سناؤں کس سے کہوں سوزشِ نہاں
میں رازدارِ غم ہوں مرا رازدار غم

سرگشتگانِ راہِ وفا کا نہ پوچھ حال
آغازِ کارِ رنج ہے انجامِ کار غم

ثابت ہے ساتھ جان کے مائل یہ سلسلہ
ہے دل میں مثلِ عہدِ وفا استوار غم



خیالِ زلف کی کچھ ابتدا نہیں معلوم
شبِ فراق کی کچھ انتہا نہیں معلوم

چلی کدھر کو اثر کی ہوا نہیں معلوم
گئی کدھر کو ہماری دعا نہیں معلوم

بتاؤں کیا کہ کہاں ہے خدا نہیں معلوم
کہو تو کہہ دوں کہ میرے سوا نہیں معلوم

کہاں گیا تری نیچی نگاہ کا عالم
کدھر گئی تری شرم و حیا نہیں معلوم

شراب خانے کے کھلتے ہی مفتی و قاضی
کہاں سے آ گئے ماؤشما نہیں معلوم

اثر کو مانگ لیا میرے روبرو جس نے
وہ کس کو مل گئی آہِ رسا نہیں معلوم

جو دیکھیے تو ہزاروں ہیں خضر کی صورت
جو پوچھیے رہِ آبِ بقا نہیں معلوم

ترے کمال کو پہنچے تو کوئی کیا پہنچے
ترے کرشموں کی کچھ انتہا نہیں معلوم

یہ کہہ رہی ہے جنابِ مسیح کی صورت
مریضِ عشق کی ان کو دوا نہیں معلوم

وہ اور اس پہ گلابِ قبول چھڑکیں گے
پڑی ہے کس لیے غش میں دعا نہیں معلوم

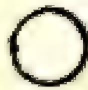
اشارہ کر کے وہ ابرو کا مجھ سے کہتے ہیں
کہ کس کے ہاتھ ہے تیری قضا نہیں معلوم

اٹھیں گے دیکھیے کس دن غبار کے پردے
رہیں گے ہم سے وہ کب تک جدا نہیں معلوم

عدو نواز بھی عاشق نواز بھی وہ ہیں
کسے ملیں گے وہ روزِ جزا نہیں معلوم

تلاش یار میں دیوانہ وار پھرتا ہے — گیا کدھر کو دل مبتلا نہیں معلوم
سمجھ میں آ نہیں سکتا عجب معمہ ہے — بنائے کس لیے ارض و سما نہیں معلوم
گناہ ان سے ہوا کیا کہ دل کے اندر ہی — جو دل لوٹے کہ ہوئے ہیں فنا نہیں معلوم

نظر تو آئی ہے مائلؔ کی شکل نورانی
شراب خوار ہے یا پارسا نہیں معلوم



کیا جانے کہ دے بیٹھے کسے دل نہیں معلوم — کیوں روز جزا اٹھیے کہ قاتل نہیں معلوم
اس راہ میں چلتے ہیں کہ منزل نہیں معلوم — اس بحر میں ڈوبے ہیں کہ ساحل نہیں معلوم
کہتے ہیں عدو سے مرے خنجر وہ لگا کر — دونوں میں ہوا کون سا بسمل نہیں معلوم
کہنے کو انا الحق تو ہیں منصور سے لاکھوں — جو لوگ کہ اس فن میں ہیں کامل نہیں معلوم
قاتل کی ادا کہتی ہے سر جلد قلم ہو — کیوں رک کے چلا خنجر قاتل نہیں معلوم
لیلیٰ کے یہ کہتے ہی گری قیس پہ بجلی — کیوں اڑنے لگا پردۂ محمل نہیں معلوم
کرتا ہی نہیں گل کی نزاکت کا ذرا پاس — کس زور پہ ہے شور عنادل نہیں معلوم
آنے دو بہار آئے مرا دل ہی نہیں وہ — پہناتے ہیں کیوں لوگ سلاسل نہیں معلوم
دل لیتے ہی اس شوخ نے تو پھیر لیں آنکھیں — کیا دیکھیے پیش آتی ہے مشکل نہیں معلوم
باتوں پہ تری کس لیے رو دیتے ہیں عاشق — تجھ کو یہ کبھی ناصح جاہل نہیں معلوم
شوخی تو یہ دیکھو وہ لگے کہنے شب وصل — کیوں مجھ سے تجل ہجر کا مل نہیں معلوم
کیوں کہتے ہو گر زیست میں ہے تیری تمنا — کیوں تکتے ہو پھر حور شمائل نہیں معلوم
خلوت میں تو کرتے رہے اخلاص کی باتیں — کیوں بگڑے وہ ایسے سر محفل نہیں معلوم
قابو میں جو آ جائے ترا تیر ستم گر — کیا جانے کرے کیا یہ مرا دل نہیں معلوم
ڈرتا ہوں کہ جی چھوٹ نہ جائے کہیں سن کر — اب تک تو مجھے دوری منزل نہیں معلوم
رکھتے ہیں عجب ظرف شہیدان محبت — پوچھا کبھی تو کہتے ہیں کہ قاتل نہیں معلوم

وحشت نے تو ٹکنے نہ دیا دیر و حرم میں
پہنچے ہیں کہاں حضرتِ مائل نہیں معلوم



کیوں نہ بڑھتے رہیں کمال میں ہم — محو ہیں شانِ لایزال میں ہم
جس کو دیکھا ہمیں نظر آئے — ایک ہیں عالمِ مثال میں ہم
ہیں طلبگار دینے والے سے — شرم کرتے ہیں کیوں سوال میں ہم
فوق کیوں کر نہ ہو فرشتوں پہ — بڑھ کے نکلے ہر اک کمال میں ہم
کیا کیا تو نے اے اجل آ کر — محو تھے لذتِ وصال میں ہم
خاک کو ہم سے کیا تعلق تھا — زندگانی کے ہیں وبال میں ہم
ہیں عجب لوگ اہلِ میخانہ — نہیں پاتے انھیں ملال میں ہم
جس کو دل ڈھونڈھتا ہے وہ انداز — دیکھتے ہیں ترے جمال میں ہم
دل بھی ان کا ہے جان بھی ان کی — کس کی رہتے ہیں دیکھ بھال میں ہم
دیکھتے ہیں کسی کی صورت کو — ان حسینوں کے خط و خال میں ہم
دیر لگتی نہیں اُسے دیتے — خود ہیں الجھے ہوئے سوال میں ہم
بے ثباتیِ دہر نے مارا — رہے دم بھر نہ ایک حال میں ہم

ایسے بھولے خدا کو اے مائل
آپ اپنے رہے خیال میں ہم



کیا کہیں کس کے ہیں خیال میں ہم — دل کے ہاتھوں سے ہیں وبال میں ہم
مے سے ہم کو غرض نہ ساقی سے — مست رہتے ہیں اپنے حال میں ہم
ہم کو چھیڑا اگر اکیا ناصح — تھے خدا جانے کس خیال میں ہم
سچ ہے بچتا نہیں مریضِ عشق — دل کی برسوں رہے سنبھال میں ہم
نہ سہی آپ موت کے ہوں گے — ہیں کسی کے مگر خیال میں ہم

دل کے ہاتھوں سے مبتلا ہی رہے دردمیں رنج میں ملال میں ہم

جستجو بے سبب نہیں اپنی ہیں کسی کی تو دیکھ بھال میں ہم

وہ بھی دن تھا کہ بادفاؤں کے پیش ہوتے تھے واں مثال میں ہم

اے فلک تو ہے ایک نالہ کا تجھے لائیں تو کیا خیال میں ہم

کیا کہیں شیخ کیا ہے شیشہ میں اے پی لیتے ہیں ملال میں ہم

دیکھ کر جوش اس کی رحمت کا توبہ کرکے ہیں انفعال میں ہم

ہم سے امید یہ نہ رکھ مجنوں نقص ڈالیں ترے کمال میں ہم

کیوں سنیں گفتگوئے واعظ کو کیوں پڑیں جاکے قیل وقال میں ہم

جب سے سمجھے ہیں وہ ہمیں عاشق پکڑے جاتے ہیں ہر وبال میں ہم

شیخ صاحب سے دل ملے کیونکر فرق پاتے ہیں حال وقال میں ہم

بڑھ گئی قیس سے دکھادیں گے اپنی وحشت کو ایک سال میں ہم

اس نے کچھ پوچھی ہم سے ایسی بات رہ گئے ایک ہی سو ال میں ہم

کچھ نہ پوچھو حرم میں مائل کو
دیکھ آئے ہیں کس خیال میں ہم



یوں رات کاٹتے نہیں آہ وفغاں میں ہم کہتے کسی سے حال ہیں دل کی زباں میں ہم

کرسکتے ہیں کلام جرس کی زباں میں ہم برسوں رہے ہیں صحبتِ آہ وفغاں میں ہم

آزاد مثل سرو ہیں باغ جہاں میں ہم رکھتے ہیں ایک وضع بہار وخزاں میں ہم

آگ اب لگائے دیتے ہیں دونوں جہاں میں ہم شعلہ ہیں آج نالۂ آتش فشاں میں ہم

برتاؤ حسن وعشق کے آجاتے ہم کو بھی جبریل کے عوض نہ ہوئے درمیاں میں ہم

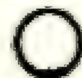
گردش سے رات دن کی یہ کھلتا نہیں ہے حال ہم میں ہے آسمان کہ ہیں آسماں میں ہم

کم التفاتیوں کا تری کیا گلہ کریں تاثیر دیکھتے نہیں اپنے بیاں میں ہم

جب آگیا یقین کہ اس کے ہی ناز ہیں پانے لگے مزے ستمِ آسماں میں ہم

کس رہ میں جا رہے ہیں کہ پاتے نہیں ہیں آہ / اک وہ بھی اہلِ درد کسی کارواں میں ہم
توبہ کی زندگی سے یہ تدبیر خوب تھی / مر رہتے میفروش کی جا کر دُکاں میں ہم
اے آہ کیا عجب ہے کہ ہو جائے کارگر / اک تیر تو لگا گئیں کبھی آسماں میں ہم
سجدے کو بیقرار تھی جس کے جبینِ دل / وہ جلوہ دیکھتے ہیں ترے آستاں میں ہم
ہوش و حواس ایسے گئے ان کے ساتھ ساتھ / اپنے کو ڈھونڈھتے رہے اپنے مکاں میں ہم
اللہ رے نازِ حسن کہ بزمِ جمال میں / کہتے ہیں انتخاب ہیں سارے جہاں میں ہم
کہتے ہیں مجھ سے قصۂ فرہاد سن کے وہ / پیدا اثر کریں گے تری داستاں میں ہم
کام آئیں وقتِ بد میں یہ امکاں ہی نہیں / بھر دیں اگرچہ مہرِ دلِ دوستاں میں ہم
جوشِ جنوں نے کعبہ میں ٹکنے دیا نہ جب / سر پھوڑنے کو آئے ہیں کوئے بتاں میں ہم
آتے ہیں کوئے یار سے ہو کر جو زندہ دل / گویا کہ سیر کرتے تھے بازارِ جاں میں ہم
اے شیخ تیرے دام میں آئے نہ آئیں گے / بیٹھے اٹھے ہیں صحبتِ پیرِ مغاں میں ہم
بارِ غمِ فراق کی طاقت نہیں سہی / ہمت تو دیکھتے ہیں دلِ ناتواں میں ہم
الٹا ہی ہو نصیب تو اس کا علاج کیا / اچھے رہے ہیں غیر سے ہر امتحاں میں ہم
آدابِ بزم و بادہ و ساقی ہیں جانتے / مشہور بادہ خوار ہیں سارے جہاں میں ہم
گلشن میں کوند کوند کے گرتی ہے برق کیوں / دم بھر رہے نہیں ہیں کسی آشیاں میں ہم
اللہ تیرے ہاتھ ہے اب آبروئے عشق / بیٹھے ہوئے ہیں مجلسِ نامہرباں میں ہم

مائلؔ شکستِ توبہ کا مژدہ لیے ہوئے
جاتے ہیں آج خدمتِ پیرِ مغاں میں ہم



رہبرِ منزلِ فنا ہیں ہم / دونوں عالم کے رہنما ہیں ہم
کیا اسیری میں یہ اسیری ہے / ایک نالہ ہی میں رہا ہیں ہم
آپ بڑھ کر اگر ہیں شیریں سے / کوہکن سے کہیں سوا ہیں ہم
سب سے بیگانہ وار رہتے ہیں / ایک صورت کے آشنا ہیں ہم

مجھ سے کہتے ہیں تم ہو جو کچھ ہو
بے وفا ہیں نہ باوفا ہیں ہم

کیوں ہیں ظلمت کدہ میں دنیا کے
کیا کوئی چشمۂ بقا ہیں ہم

کیوں چلے آئے روبرو تیرے
آپ اپنی مگر قضا ہیں ہم

یوں بھٹکتے ہوئے جو پھرتے ہیں
کیا ترے وصل کی دعا ہیں ہم

ہیں قیامت کی شوخیاں اسکی
مجھ سے کہتا ہے مبتلا ہیں ہم

یہ حقیقت ہے مختصر اپنی
مائل اک بندۂ خدا ہیں ہم



گر جائیں یا کسی کی نظر میں سمائیں ہم
جو لکھ دیا نصیب میں کیوں کر مٹائیں ہم

ہے درد ایسی شے کہ اسے بھول جائیں ہم
غم بھی ہے ایسی چیز کہ جس کو نہ کھائیں ہم

یوسف کہا تو کہتے ہیں زنداں میں جائیں ہم
عیسیٰ کہا تو کہتے ہیں مُردے جلائیں ہم

جیتے رہے تو رنگِ وفا وہ جمائیں ہم
تجھ سے ستم شعار کے دل میں سمائیں ہم

کیوں کر نہ اس کی شان پہ قربان جائیں ہم
سو سو طرح کے ناز کسی کے اٹھائیں ہم

پھر کیسے نامراد ترے در سے جائیں ہم
تیرے سوا کسی کو جب اپنا نہ پائیں ہم

کہتے ہیں میرے اشک جو ابرِ کرم ہو ساتھ
دوزخ کے ایک ایک شرر کو بجھائیں ہم

کیا کہہ رہے ہیں آپ یہ کہنے کی بات ہے!
بگڑے ہوئے نصیب کو کیونکر بنائیں ہم

خنجر ہی کیا نگاہ بھی کافر کی تیز ہے
آج اپنی سخت جانی کو یہیں سنائیں ہم

یہ ہیں وسیلے رحمتِ پروردگار کے
ان آنسوؤں کو خاک میں کیونکر ملائیں ہم

یہ تو کبھی نہ ہوگا کہ محفل میں شیخ کی
اسرارِ میکدہ کو زباں پہ بھی لائیں ہم

وابستہ اس کے دامنِ رحمت سے یوں کہیں
واعظ پہ بادہ خواری کی تہمت لگائیں ہم

ہے اور کس غضب کی ہے شفاف چاندنی
اس شب میں میہماں انھیں کیونکر بلائیں ہم

ہے آج کل مزاج میں وحشت بڑھی ہوئی
نالوں سے اپنے آپ ہی گھبرا نہ جائیں ہم

کہتے ہیں میرے دل کی خرابی کو دیکھ کر
اس گھر میں بھول کر بھی نہ مہمان آئیں ہم

دشمن اگرچہ بادہ کشوں کا ہے محتسب
آ جائے میکدے میں تو آنکھیں بچھائیں ہم

پیرِ مغاں تو پیرِ مغاں ہیں جناب شیخ
ایک ایک خم کو چشمۂ کوثر بنائیں ہم

پر کیا کریں کہ ہے دلِ ناکردہ کار ساتھ
جانے کو بزمِ یار میں سو بار جائیں ہم

دونوں جہان ایک ہی شعلہ میں جل بجھے
بھڑکائیں دل کی آگ کسی کو جلائیں ہم

اے عشق کم سے کم اثر اتنا تو کر دکھا
جس بزم میں وہ جائیں انھیں یاد آئیں ہم

یا نار کو فی پڑھ کے اُدھر کو جو پھونک دیں
یہ سات کیا ہیں لاکھ ہوں دوزخ بجھائیں ہم

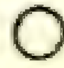
ناصح اگر شفیق ہو وہ ڈھب بتائیے
بگڑے ہوئے مزاج کو کیونکر بنائیں ہم

گل رو ہے وہ نظر میں کہ جس کی بہار سے
کب موسمِ بہار کو خاطر میں لائیں ہم

کہنے لگے کہ آپ کو روکا ہی کس نے ہے
ہم نے کہا کہ ہو جو اجازت تو جائیں ہم

لکھتے ہیں مجھ کو خط میں کہ شکوے ہیں سب غلط
معشوق ہی نہیں ہیں جو دھوکے میں آئیں ہم

فرما رہے ہیں ساقیِ کوثر زہے نصیب
مائل ہے اس کو ہاتھ سے اپنے پلائیں ہم



جی میں ہے کچھ اثر دکھائیں ہم
ایسے روئیں تجھے رلائیں ہم

جب ترے در سے بھی اٹھیں محروم
پھر کہاں قسمت آزمائیں ہم

تو ذرا تیغ آزما تو سہی
یہ تماشا نیا دکھائیں ہم

تجھ سے ملتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں
بے وفائی نہ سیکھ جائیں ہم

بزم تیری ہو یا خدا کا گھر
بن بلائے کبھی نہ جائیں ہم

ہے یہی زہرِ غم مقدر میں
اب اسے کھائیں یا نہ کھائیں ہم

میکدے میں چلو تو اے واعظ
تم کو بھی پیرِ مغاں بنائیں ہم

پھر میسر کہاں یہ لذتِ درد
تجھے اپنا تو کر دکھائیں ہم

وہ اٹھاتے ہیں آج در سے بھی
کاش دنیا سے اٹھ ہی جائیں ہم

گھر ہے اللہ کا اگر کعبہ
زندگی میں کبھی نہ جائیں ہم

کامیابی نصیبِ دشمن ہو اور مانگا کریں دعائیں ہم
باندھ دے گا وہ غیر کا مضموں شعر کہنا اگر سکھائیں ہم

ہائے تسلیمؔ[1] اٹھ گئے مائلؔ
غزل اب کسے دکھائیں ہم



رکھیں گے ربط گردِ دلِ دردآشنا سے ہم آخر کو مل ہی جائیں گے اک دن خدا سے ہم
شرمندہ آپ کیوں نہ ہوں اپنی دعا سے ہم کرتے شکایتیں ہیں خدا کی خدا سے ہم
ہوتی بری ہے یاد کسی کی لگی ہوئی تربت میں جی اٹھے تری آوازِ پا سے ہم
اب وہ ہوائے میکدہ ہم پر حرام ہے مل کر چلے بھی ہوں جو کسی پارسا سے ہم
کاٹی شبِ فراق تو کس دل لگی کے ساتھ کرتی تھی چھیڑ ہم سے قضا اور قضا سے ہم
گر یہی اضطراب ہے تو پہلے دیکھنا پہنچیں گے بزمِ یار میں آہِ رسا سے ہم
محفل میں ساتھ غیر کے تم کو نہ دیکھتے مر جاتے کاش پہلے ہی اپنی قضا سے ہم
کیوں اتنی بڑھتی جاتی ہے تو اے شبِ فراق کب جانتے ہیں کم تجھے روزِ جزا سے ہم
توبہ سے مستیاں کبھی اپنی نہ جائیں گی ہر دورِ میکدے کی ہیں آب و ہوا سے ہم
جوشِ جنونِ عشق کی تاثیر دیکھنا آگے بڑھے ہوئے ہیں بہت رہنما سے ہم
ہم سا تو سخت جاں نہیں ہوگا جہان میں شرمندہ روز ہوتے ہیں اپنی قضا سے ہم
جھگڑا نہ اس کی سنگ دلی کا مٹا ہی دیں اک آہ کھینچ کر دلِ درد آشنا سے ہم
آفت تو یہ ہوئی ہے کہ وہ ہم سے پھر گیا جس کے لیے کہ پھر گئے اپنے خدا سے ہم
اے خضر اس کی موج میں رحمت کی موج ہے بدلیں نہ جامِ بادہ کو آبِ بقا سے ہم
کعبہ میں دیکھتے ہیں نہ بت خانے میں اسے اپنے میں آپ دیکھتے ہیں جس ادا سے ہم

مائلؔ کو ہر گھڑی ہے حضوری عجب نہیں
ہو جائیں کامیاب جو اس کی دعا سے ہم

---

[1] ابو البیان مولانا حافظ محمد سلیم الدین تسلیم عثمانی نارنولی استادِ مائل۔ ۱۲

رکھے ہوئے ہیں سر درِ رحمت پہ جب سے ہم
ڈرتے نہیں کسی کے کبھی قہر و غضب سے ہم

چمکا نہ تھا ستارۂ حسن و جمالِ یار
ڈوبے ہوئے ہیں بحرِ محبت میں جب سے ہم

دیکھا ہے کوئے یار میں اندازِ نقشِ پا
واقف ہوئے ہیں آج طریقِ ادب سے ہم

جائیں شراب خانے میں، واعظ کی کیوں سنیں
دم بھر گزار آئیں گے عیش و طرب سے ہم

کیا چیز آسمان ہے جتنے ہیں فتنہ گر
رکھتے ہیں چھیڑ چھاڑ محبت میں سب سے ہم

باتیں بنائے غیر ہمارے ہی سامنے
بیٹھے ہوئے خموش ہیں پاسِ ادب سے ہم

تکتے بتی ہیں مجھی کو ستاتے ہیں پاس بھی
بدنام ہو رہے ہیں انہیں کے سبب سے ہم

بت خانہ تھا کبھی کہ نہ تھا اس سے بحث کیا
کعبے کو دیکھتے ہیں نگاہِ ادب سے ہم

پھرتے ہیں مارے مارے بگولوں کے ساتھ ساتھ
تجھ سے غبارِ قافلہ بچھڑے ہیں جب سے ہم

بالیں پہ میری آکے یہ کہتے چلے گئے
کرتے نہیں ہیں بات کسی جاں بلب سے ہم

دامن جھٹک کے کہتے ہیں میرے غبار سے
رکھتے نہیں ہیں ربط کسی بے ادب سے ہم

اب دفترِ گناہ فرشتے لیے پھریں
کر آئے بات چیت خدا کے غضب سے ہم

آتی نہیں ہے موت خدا جانے کیا ہوا
مرتے ہیں انتظار میں کیا جانے کب سے ہم

آئی ہے ایسی نیند ترے در پہ پڑتے ہی
چونکے نہ کفر و دیں کے کبھی شور و شغب سے ہم

کرتا ہے وجد اے سگِ لیلیٰ کی خاکِ پا
مجنوں کو جب پکارتے ہیں اس لقب سے ہم

تاثیر تیرے ہاتھ ہے کرتے تو ہیں دعا
منت سے کہہ رہے ہیں یہی نیم شب سے ہم

ہونے کو مشتِ خاک ہیں پڑ لے نگاہِ لطف
بڑھ کر نظر پڑیں گے گناہوں میں سب سے ہم

ایسی سجھائی کعبہ نے کرنا پڑا یہ عہد
سجدہ کریں بتوں کو تو کافر ہوں اب سے ہم

سمجھے ہوئے ہیں اس میں محبت کا نور ہے
ڈرتے نہیں ہیں آپ کی چشمِ غضب سے ہم

دل میں نظر میں آنکھ میں ہوتا ہے وہ ہی وہ
کرتے دعا ہیں رات کو جب اپنے رب سے ہم

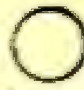
ایسا نہ ہو خدا کو یہ کلمہ برا لگے
میدانِ عاشقی میں تو آگے ہیں سب سے ہم

دربانِ بتکدہ ہو کہ ہو خادمِ حرم
کرتے نہیں ہیں بات کسی بے ادب سے ہم

ارض و سما میں غلغلہ لا تقنطوا کا ہے
اب کیا ڈریں گے شیخ کسی کے غضب سے ہم

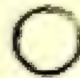
دل کے معاملہ میں کسی کے نہیں ہیں یار
رہتے الگ ہیں محبت میں سب سے ہم

مائل تمہارے دل کی تسلی کے واسطے
لائے ہیں ایک تحفہ زمینِ عرب سے ہم



اٹھ کے پچھتائے ہیں کیا محفل سے ہم — آئے تو گھر تک مگر مشکل سے ہم
تم سے کیا شکوہ گلہ کیا غیر کا — ہیں پریشاں آپ اپنے دل سے ہم
دل تو لگتے ہی لگے گا خلد میں — آئے ہیں اٹھ کر کسی محفل سے ہم
جوشِ وحشت میں نہ سوچا کچھ بھی ہائے — بڑھ گئے آگے کہیں منزل سے ہم
کچھ مآلِ کار سمجھے ہی نہیں — جا ہی لپٹے دامنِ قاتل سے ہم
اپنی آنکھیں ہیں حقیقت بحر کی — پر سن آئے ہیں لبِ ساحل سے ہم
بتکدے سے کعبہ جائیں اور ملیں — زاہدانِ خشک و ناقابل سے ہم
مٹ چکے ہیں خوب راہِ عشق میں — مل چکے ہیں رہبرِ کامل سے ہم
جی میں ہے چھوڑیں خیالِ کفر و دیں — باز آئیں دعویِ باطل سے ہم
راہِ کعبہ کی بھلا کر شیخ کو — پھیر ہی لائے کئی منزل سے ہم
وہ تغافل کیش اس کا کیا گلہ — تنگ آئے ہیں نہایت دل سے ہم

قطب تک کہہ کے پوچھا جب ملے
میکدہ میں حضرتِ مائل سے ہم



بڑھ کے ہیں مضطر دلِ بسمل سے ہم — کیا دبیں گے زانوئے قاتل سے ہم
ہو ہزاروں حسرتوں کا خوں ابھی — گر نکالیں ایک پیکاں دل سے ہم
ناتوانی کا برا ہو اٹھ گئے — اک ہوائے پردۂ محمل سے ہم
کیوں بنایا ہے دلِ دشمن میں گھر — چاہتے ہیں آپ کو تو دل سے ہم
غیر تو بیٹھے رہیں پہلو میں ہائے — اور اٹھائے جائیں یوں محفل سے ہم
گوہرِ مقصود سے رکھتے ہیں کام — بے غرض ہیں بحر سے ساحل سے ہم

دل تو وہ پہلی ادائیں لے گئے — اب دعا مانگیں تو کیونکر دل سے ہم
پھر چلے کوچے سے تیرے نامراد — گھر سے یاں تک آئے تھے مشکل سے ہم
اس سفر میں حشر کا ہے ایک روز — کہہ رہے تھے پہلی ہی منزل سے ہم
بات ہم سے رہ گئی بن کر غبار — جا لپٹے دامنِ قاتل سے ہم
وہ نگاہیں لے گئیں یا کیا ہوئے — کچھ نہیں واقف جگر سے دل سے ہم
گر نہ ہوتے یہ حسینانِ جہاں — زندگی کرتے بسر مشکل سے ہم
کہہ رہے ہیں اپنی تیغِ ناز کی — لذتیں پوچھیں کسی بسمل سے ہم
تھک گئے ہیں کیسے پہنچیں گے خدا — دور منزل ہم سے اور منزل سے ہم

چل دیا کعبہ کو سید جادۂ سیاہ
لاکھ سر مارا کیے مائل سے ہم



نکلے یہ محو انجمنِ دلستاں سے ہم — اک اک سے پوچھتے ہیں کہ آئے کہاں سے ہم
کہتے ہیں چھیڑنے کو نہ دیکھا جو کچھ اثر — بے ہے نہ سوئے شب کو کسی کی فغاں سے ہم
دنیا و دیں کو ایک محبت میں کھو دیا — آتے ہی ہوش کھو گئے دونوں جہاں سے ہم
وہ غیر کے ہی ہو رہے آخر وہی ہوا — کہتے تھے بار بار جو کچھ راز داں سے ہم

مائل پڑا ہوا ہے اسی آستاں پہ آج
لائے تھے منتوں سے اسے کل جہاں سے ہم



افسردہ دل کچھ ایسے ہیں رنج و محن سے ہم
گویا کہ آج آئے ہیں اپنے وطن سے ہم

مطلب نکال لیتے ہیں دیوانہ پن سے ہم
مجنوں سے کچھ سوا ہیں نہ ہیں کوہکن سے ہم

گردش میں بڑھتے جاتے ہیں چرخِ کہن سے ہم
نکلے ہیں کس گھڑی میں الٰہی وطن سے ہم

بے بہرہ اس قدر تو نہیں ہیں سخن سے ہم
تشبیہ دیں جو غنچہ کو ان کے دہن سے ہم

اک گھر کو اک لباس کو اک عمر ہو گئی
مر کر تو تنگ آ گئے گور و کفن سے ہم

مانا کہ علم غیب خدا ہی کو سب کا ہے
پر بے خبر نہیں ہیں تمہارے دہن سے ہم

ہنگام قتل جان سے وہ جو نکل گئے
پاتے ہیں اپنی نعش کو باہر کفن سے ہم

مخفی ہے ایک چیز دو عالم کی چشم سے
واقف ہیں اسقدر ترے راز دہن سے ہم

غربت میں خاک چھانتے اک عمر ہو گئی
کیا جانے کب سے نکلے ہوئے ہیں وطن سے ہم

کہتے ہیں روزِ حشر میں پہچان جائیں گے
اپنے شہیدِ ناز کو اس کے کفن سے ہم

محروم بوئے گل سے چمن میں ہمیں نہ رکھ
منت سے کہہ رہے ہیں نسیمِ چمن سے ہم

صورت بنا کے اس کی نہ آتی اگر قضا
دیتے نکلنے جان کو ہرگز نہ تن سے ہم

وحشت کی بعد مرگ بھی لیتے ہیں جب کبھی
اک دل لگی سی رکھتے ہیں گور و کفن سے ہم

سب کچھ ہے پیش چشم سلامت رہے یہ دل
رکھتے نہیں ہیں کام کسی انجمن سے ہم

کہتے ہیں یہ کرشمۂ شیریں کہ کچھ بھی ہو
کٹنے نہ دیں گے تجھ کو تو اک تیشہ زن سے ہم

حیران ہیں کہ شکوۂ غربت کریں تو کیا
بیٹھے ہیں اپنے گھر میں غریب الوطن سے ہم

معدوم کس طرح ہے کہ انکار وصل کا
سو بار سے چکے ہیں تمہارے دہن سے ہم

یارب کسی کو جوشِ جنوں میں نہ موت آئے
گھبرا رہے ہیں گور میں اپنے کفن سے ہم

بس اس لیے ہے نالۂ شبگیر عاشقانہ
نکلیں نہ تیری زلفِ شکن در شکن سے ہم

ہم کیا کہیں گے کر کے ملاقات شیخ سے
بچ بچ کے چل رہے ہیں رہِ مکر و فن سے ہم

کہہ جاتے ہیں پتہ کی جو رندانِ بادہ کش
کیا کیا مزے اٹھاتے ہیں ان کے سخن سے ہم

بدنام خلق وہ گلِ رعنا نہ ہو کہیں
کہتے ہیں دل کی بات نسیمِ چمن سے ہم

چادر چڑھانے والوں سے کیونکر نہ تنگ آئیں
گھبرا گئے ہیں گور میں اپنے کفن سے ہم

ہم کو تو اپنے اک گلِ رعنا کی ہے تلاش
کچھ اور تو غرض نہیں رکھتے چمن سے ہم

تفسیر کس کے مصحفِ رخ کی ہیں دیکھتے
کیا جانے فیض پاتے ہیں کس کے سخن سے ہم

کل تک تو ہم پیالۂ منصور ہم بھی تھے
قسمت سے آج بچ گئے دار و رسن سے ہم

اللہ رے بیکسی کہ پسِ مرگ گور میں
زخمِ جگر کو سیتے ہیں تارِ کفن سے ہم

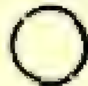
عشاقِ خستہ جاں کی کوئی زیست میں ہے زیست
مر مر گئے ہیں نالۂ مرغِ چمن سے ہم

جو کچھ بنی ہوئی ہے ہمیں جانتے ہیں خوب
اٹھنے کو اٹھ تو آئے کسی انجمن سے ہم

مکہ کی یا مدینہ کی مل جائے خاک میں
یارب بنے نہیں ہیں جو خاکِ وطن سے ہم

ہے آج کچھ نہ کچھ تو قیامت کا سامنا
ظالم سمجھ چکے ہیں ترے بانکپن سے ہم

سائل کا کفر و دیں ہے کسی اور ہی کے ساتھ
اس کے تو دل کی پا گئے طرزِ سخن سے ہم



بندے ہیں ہم کے اور بت نا آشنا کے ہم
زاہد کے معتقد نہ کسی پارسا کے ہم

وہ اور محوِ شوخیِ رفتار ہو گئے
پچھتا رہے ہیں کیا ہی قیامت اٹھا کے ہم

باندھی ہے کیا ہی بے اثری نے ہوا کہ وہ
کہتے ہیں منتظر ہیں تمہاری دعا کے ہم

اپنے ہی ہیں بنائے ہوئے قیس و کوہکن
استادِ فن ہیں عشق میں ہر انتہا کے ہم

کھاتے نہ اس طرح ترے درباں کی ٹھوکریں
ہوتے نہ شیفتہ جو ترے نقشِ پا کے ہم

لائے ہیں دوست حضرت عیسیٰ کو کس لیے
قابل نہیں رہے ہیں کسی کی دوا کے ہم

کہتے ہیں انجمن میں بلانا نہ تنہا ہمیں
جب دیکھتے ہیں ان کی طرف مسکرا کے ہم

کیا دیکھتے ہیں ہے وہ دل آرا ہی جلوہ گر
اندر گئے جو کعبہ کے پردہ اٹھا کے ہم

کیا سہل طور سے شبِ فرقت گزر گئی
الجھے رہے خیال میں زلفِ دوتا کے ہم

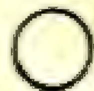
پھر داستانِ شوق نہ کہنی نصیب ہو
کہتے ہوں ایک بات جو دل سے بنا کے ہم

بھر بھر کے ٹھنڈے سانس کھلائیں نہ داغِ دل
احسان کیوں اٹھائیں نسیم و صبا کے ہم

جمشید کی سی بزم نہ شداد کا سا باغ
کہنے کو ہیں جہان میں بندے خدا کے ہم

پوچھے تو ہم سے کوئی تری شوخیوں کے رنگ — بسمل ہیں دل فگار ہیں اک اک ادا کے ہم
کچھ اور طرزِ جور نکال آسمان تو — انداز چاہتے ہیں کسی کی ادا کے ہم
کھنچیں گے دل سے نالۂ محزون و دردناک — اٹھیں گے آج بزم سے محشر اٹھا کے ہم

مائل نہ جا نہ جا درِ بت خانہ چھوڑ کر
آ چل دکھا ہی دیں تجھے جلوے خدا کے ہم



اپنی نظر میں آپ ہی ایسے سمائے ہم — خاطر میں مدتوں نہ کسی کو بھی لائے ہم
کن منتوں سے اس کو منا کر تو لائے ہم — اور یار کہہ رہے ہیں ترے کام آئے ہم
کیوں کر پھریں نہ بارِ محبت اٹھائے ہم — دونوں جہاں میں اس کی نظر میں سمائے ہم
بیٹھے تھے ایک گوشہ میں گو منھ چھپائے ہم — پر رنگ اس کی بزم کے سب دیکھ آئے ہم
کہتی ہیں یہ دعائیں کہ تاثیر ساتھ ہے — نالے یہ کہہ رہے ہیں کہ اب ان کو لائے ہم
کیا جانے آج کیا ہے طبیعت جو رکتی ہے — سو بار جا چکے ہیں جہاں بے بلائے ہم
ہچکی تو موت کی سی ہے اللہ رے خوشی — اور ہم یہ کہہ رہے ہیں انھیں یاد آئے ہم
ہوتی بری ہے سچ تو ہے دل کی لگی ہوئی — کس انجمن میں جاتے ہیں اور بے بلائے ہم
اللہ رے انقلابِ زمانہ کہ دیکھنا — خود دیکھ دیکھ اپنے کو کہتے ہیں ہائے ہم
درگاہِ "خواجہ عشق" میں اسکو چڑھا چکے — اک تحفۂ زندگی جو عدم سے تھے لائے ہم
اے چرخ کیا ستم ہے کہ دو سن رہے ہیں تو — آیا نہیں زبان پہ جن کے سوائے ہم
گھبرا کے اس کو ایک قدم بھی نہ لا سکے — نالوں سے آسمان کو گردش میں لائے ہم
دل میں تھے جو حجاب وہ باتوں سے اٹھ گئے — اب یہ دہ وہ نہیں کہ نہیں بے اٹھائے ہم
میں نے کہا کہ کس کی یہ تشریف آئی ہے — کہتے ہیں کس مزے سے کہ تشریف لائے ہم
اٹھتے ہی بہ دہ اپنی ہی صورت نظر پڑی — اب کس سے کیا کہیں کہ کسے دیکھ آئے ہم
پیرِ مغاں میں آج تو کچھ بات اور ہے — آنے کو میکدے میں کئی بار آئے ہم
جب لطفِ میکشی ہے کہ ساقی دے بھر کے جام — خونِ جگر نہیں کہ پئیں بے پلائے ہم

پردے ہیں درمیان میں لاکھوں پڑے ہوئے
آئی بھی ان کی یاد تو کیا یاد آئے ہم

دعوے یہ پارسائی کے واعظ بجا درست
کل میکدے سے نکلے تھے کیا منہ چھپائے ہم

یہ کہہ کے ان کو رازِ محبت جتا دیا
دل سی عزیز چیز کہیں بھول آئے ہم

اس رمزِ عاشقی کو تو عاشق ہیں جانتے
بیٹھے ہیں بزمِ یار میں کیوں منہ چھپائے ہم

یہ رشک ہے کہ گل بھی اسی کا شہید ہے
جس نازنیں کے ہاتھ سے خوں میں نہائے ہم

کر دیں گے تنگ آج سے نالہ ہی کھینچا
رہ جائیں آسماں کو اگر بے گرائے ہم

اب بھی تری نظر میں کھٹکتے ہیں اے فلک
عرشِ بریں سے فرشِ زمیں پر تو آئے ہم

آئے ہیں ہو کے فتنۂ محشر کے جانشیں
اُٹھ جائیں کوئے یار سے اور لے اُٹھائے ہم

حج کا ثواب پہلی ہی منزل میں رہ گیا
سائلؔ کے ساتھ ساتھ جو کعبہ سے آئے ہم

○

ردیف نون

اعتبارِ عشق پر یہ امتحاں پر امتحاں
زیرِ خنجر حلق کا سر کا سناں پر امتحاں

کیا کروں کعبہ میں لے جا کے دلِ دادہ کو
ہو چکا ہے لاکھ بار اس آستاں پر امتحاں

بزمِ وصلِ غیر میں وہ آہ نکلی بے اثر
بارہا جس کا لیا ہے اک جہاں پر امتحاں

صبر کرتا ہوں ستم اس کا ستم پر سوچ کر
آپ اپنے لے رہا ہوں امتحاں پر امتحاں

اس کے دامن سے نہ چھوٹا گرچہ کیا کچھ ہو لیا
ہو گیا میرا مرے خوں کے نشاں پر امتحاں

یوں شبِ غم کو گھٹا میں یوں گزاریں آنکھ سے
لیں کسی کے طولِ گیسو کے بیاں پر امتحاں

عشق ہے والا نظر مجھے تو اک ادق سے کیا
قیس کیا لے جذبِ دل کا ساربان پر امتحاں

جذب سے خالی نہیں کچھ پیرِ کنعاں بھی ادھر
ہے زلیخا کی کشش کا کارواں پر امتحاں

دل پھٹا جاتا ہے سائلؔ حسن تکتے خاموش ہو
درد کا تیرے ہوا تیرے بیاں پر امتحاں

○

نہ ہو شباب تو کیفیتِ شراب کہاں
نہ ہو شراب تو کیفیتِ شباب کہاں

چلا ہوں کعبہ کو لیکن چلا نہیں جاتا
نہ ہو جو شوق ہی دل میں تو اضطراب کہاں

وہ دغدغہ ہے قیامت کا دل میں مردوں کے
پڑے ہیں دم کو لیے زیرِ خاک خواب کہاں

بہا کے کوچۂ جاناں سے لے چلا، دیکھوں
ڈبوئے گا یہ مجھے دیدۂ پر آب کہاں

عدو کی بزم میں دشمن ہزار بیٹھے ہیں
ملا کبھی ہائے وہ کافر تو لے حجاب کہاں

جفا و جور میں بڑھ کر ہیں ایک سے ایک
خدا ہی جانے ہوئے ہیں یہ انتخاب کہاں

عذاب ہی سے بچی جان شکر کر واعظ
لکھا ہوا تری قسمت میں تھا ثواب کہاں

چمن میں نرگسِ شہلا سہی پر اس کی سی
لگا دِ ست کہاں چشمِ نیم خواب کہاں

نسیم لاکھ سنوارے گی زلفِ سنبل کو
تمہارے گیسوے پر خم سے پیچ و تاب کہاں

ترے ستم سے نہیں جوشِ گریہ اے ظالم
ہمیں تو اس کا ہے رونا گئی وہ تاب کہاں

کسی طرح شبِ غم کی سحر نہیں ہوتی
خدا ہی جانے کہ ڈوبا ہے آفتاب کہاں

فلک کو جن کے مٹانے کی فکر رہتی تھی
وہ لوگ ہی نہیں دنیا میں انقلاب کہاں

تپش سے اس کی فلک زلزلے میں رہتا ہے
ملا ہے برق کو دل کا سا اضطراب کہاں

غرض نہ دیر و حرم کی ہے سیر سے ہم کو
یہ دیکھنا ہے کہ ہوتے ہیں کامیاب کہاں

حرم میں بیٹھے ہو مائلؔ خدا خدا کیجیے
یہاں وہ ساقیِ ہوش کہاں شراب کہاں

○

اے دلِ زار کیا کروں آہ، وہ یار اب کہاں
صبر و قرار لے گیا صبر و قرار اب کہاں

وہ تو گئے ہوا ہوئے مشتِ غبار اب کہاں
ہاتھ بڑھائے لاکھ تو دامنِ یار اب کہاں

عمر دراز تر رہے زلفِ درازِ یار کی
دامِ بلا ہے اور ہم سیر و شکار اب کہاں

میں نے کہا کہ بوسہ دو دن کو دیے تھے آج ہی
کہنے لگے کہ وہ گیا روزِ شمار اب کہاں

قبرِ عدو نے بنتے ہی تیری ہوا بگاڑ دی
رشکِ بہشتِ خلد تو کوچۂ یار اب کہاں

نہ کرے۔

خاک سے نکلے بنے ہوئے خاک میں تھے ملے ہوئے
خلدِ بریں میں آ گئے لطفِ مزار اب کہاں

غور کفن کو دیکھ کر کہتے ہیں میری نعش پر
ایسے جہانِ عشق میں سینہ فگار اب کہاں

شعلہ رخوں کے عشق میں برسوں رہا ہے مشغلہ
نالہ و آہ اب کہاں برق و شرار اب کہاں

میرے خیال سب غلط میرے گمان سب غلط
آئے ہو بھر کے نیند تم شب کا خمار اب کہاں

اب تو قفس ہے اور تو لاکھ بھڑک کے جان دے
برق گری وہ آشیاں بلبلِ زار اب کہاں

ڈھونڈھوں کہاں شباب کو لاؤں کہاں سے ولولے
آئے بہار شوق سے اپنی بہار اب کہاں

دشمن و دوست کوئی ہو قبر پہ آئے شوق سے
ہو گئے خود غبار ہم دل میں غبار اب کہاں

اس کی زباں سے پوچھ لو وضع کو اس کی دیکھ لو
مائلؔ دشت گرد کا شہر و دیار اب کہاں



ہر ذرہ میں ہے جلوہ بتاؤں کہاں کہاں
اس ایک دل کو اپنے لگاؤں کہاں کہاں

اس کا جو ایک جا ہو ٹھکانہ تو ڈھونڈھ لوں
جاؤں نہ بھی جستجو میں تو جاؤں کہاں کہاں

وہمِ عدو نے دل میں بنائے ہیں لاکھ گھر
حیران ہوں کہ آگ لگاؤں کہاں کہاں

سب جانتے ہیں تیری نظر سے گرا ہوا
بگڑی ہوئی ہے بات بناؤں کہاں کہاں

آنے کی اس کے بزم میں راہیں ہزار ہیں
آنکھیں بچھاؤں بھی تو بچھاؤں کہاں کہاں

جب تم نظر سے دور ہو اور دل ہو مضطرب
اچھا تمھیں کہو کہ نہ جاؤں کہاں کہاں

کس کس کے در پہ ناصیہ فرسا ہوں اے خدا
قسمت کے ہیں لکھے کو مٹاؤں کہاں کہاں

ہر انجمن میں طالبِ سوز و گداز ہیں
افسانۂ فراق سناؤں کہاں کہاں

تیغِ کرشمہ ہے تری ہر جا کھنچی ہوئی
یا رب دل و جگر کو بچاؤں کہاں کہاں

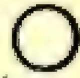
واعظ بتوں کا جلوہ ہے بیت الحرم میں بھی
ایماں کو میں اپنے بچاؤں کہاں کہاں

مقتل میں رہ گذار میں خلوت میں بزم میں
اس کو میں اپنی یاد دلاؤں کہاں کہاں

کس کس کے حالِ زار پہ دل کو جلاؤں میں
آنسو بہاؤں بھی تو بہاؤں کہاں کہاں

اے نالے ایک شعلے میں دونوں جہاں کو پھونک
کیا پوچھتا ہے آگ لگاؤں کہاں کہاں

مائل جگہ جگہ نظر آتا ہے وہ مجھے
حیران ہوں کہ سر کو جھکاؤں کہاں کہاں



نہیں ہیں یہ لہو میں تر گریباں آستیں دامن
یہ مارِ آستیں ہیں، ذرہ گریباں، آستیں دامن

گواہِ بیگناہی ہیں یہی روزِ جزا میرے
کیے جو ہیں لہو میں تر گریباں، آستیں، دامن

بھلا اے حضرتِ واعظ گئے رک کیوں، بزمِ زنداں میں
کہ ٹکڑے ہو گئے پھٹ کر گریباں، آستیں، دامن

کیا ہے قتل کس کو عرضِ شوقِ ہمکناری پر
کہ خوں آلودہ ہے خنجر، گریباں، آستیں، دامن

جو دیکھا ہم بغل ہوتے اسے دشمن سے لے آئے
مجھے کیا جانے کیا کہہ کر گریباں، آستیں، دامن

ہمیشہ ایک حالت پر جنوں کا جوش رہتا ہے
پھٹے ہی رہتے ہیں اکثر گریباں، آستیں، دامن

یہ ہے وہ ناخنِ وحشت کہ دل تک جس نے لے ڈالا
نہ لاؤ اس سے تم چکر، گریباں آستیں، دامن

قیامت جسمِ موزوں ہے کہ جو پہنا لباس اس نے
بنے ہیں فتنۂ محشر، گریباں آستیں، دامن

ذرا سے ناخنِ وحشت نے کر ڈالا انھیں ٹکڑے
پڑے تھے تم پہ کیا بھٹر گریباں، آستیں دامن

ہوائے کوچۂ جاناں مگر کچھ لگ گئی ان کو
کہ میرے ساتھ ہیں مضطر گریباں آستیں، دامن

کیا دستِ جنوں نے ٹکڑے ٹکڑے ایک جھٹکے میں
ذرا بولے تھے کچھ بڑھ کر گریباں آستیں دامن
چھپیگی بادہ نوشی کس طرح مائل کہ محشر میں
گواہی دیں گے جب ساغر گریباں آستیں دامن



جی میں ہے تیرے عہد کو اے شیخ توڑ دوں
توبہ شرابخانے میں لیجا کے چھوڑ دوں

دنیا و دل کے رشتۂ الفت کو توڑ دوں
دامن تمہارے عیاں کا کس دل سے چھوڑ دوں

ہر قطرہ بحرِ رحمتِ پروردگار ہو
دامانِ تر کو اپنے جو واعظ نچوڑ دوں

کہتا ہے نالہ اس کو جگانا محال ہے
مردوں کو جا کے قبر میں کیسے جھنجھوڑ دوں

جوشِ جنوں کی شان خزاں میں بھی کم نہ ہو
ٹکرا کے سر کو باغ کی دیوار توڑ دوں

کیسا مہِ صیام جو تجھ سا پری جمال
آجائے میرے ہاتھ تو روزے کو توڑ دوں

توبہ یہ چاہتی ہے قیامت تو دیکھیے
راہ شراب خانہ سے جانا بھی چھوڑ دوں

کہتا ہے مجھ سے نالہ کہ آگے بڑھوں گا پھر
اس آسماں کے کان تو پہلے مروڑ دوں

مجھ سے نہ ہو سکیگا یہ اے دخترِ رز کبھی
واعظ کے کہنے سننے سے میں تجھ کو چھوڑ دوں

چاٹا کرے گا ہونٹ جو صافی شراب کی
اے شیخ تیرے منہ میں ذرا سی نچوڑ دوں

پھرتا ہوں کوچہ کوچہ میں پتھر لیے ہوئے
قسمت ملے جو غیر کی میں اس کو پھوڑ دوں

کہتے ہیں رکھ کے قبر میں یہ بے وفا نہیں
منہ اس کا سوئے قبلہ جو تربت میں موڑ دوں

کہتا ہے مجھ کو سنگِ درِ یار دیکھ کر
اے بد نصیب آ تری تقدیر پھوڑ دوں

گو ناتوان و زار ہوں پر زورِ عشق سے
بالیں پہ موت آئے تو گردن مروڑ دوں

پیدا ہو رشک گر خمِ ابروئے یار کو
کچھ بھی گنہ نہیں ہے جو کعبہ کو توڑ دوں

غمزوں نے ان بتوں کے کلیجہ پکا دیا
اب جی میں ہے کہ حسن پرستی ہی چھوڑ دوں

کس منہ سے جاؤں ساقیِ کوثر کے سامنے
دانستہ میکدہ میں جو ساغر کو پھوڑ دوں

جولاں گہِ شباب میں لیجاؤں کس طرح
کیونکہ سمندِ عمر تری باگ موڑ دوں

پھر تو ہوائے دھر کو دل سے نکال دوں
دو چار بت ہیں کعبہ میں انکو بھی توڑ دوں

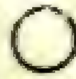
کہنے میں کیا گلہ جو کیا ربطِ غیر کا
کم بخت تیرے واسطے کس کس کو چھوڑ دوں

شدّاد تجھ کو ناز ہے میں تو خدا کے نام
باغیچے ایسے ایسے بنا کر مروڑ دوں

دیکھے جو اس نے اپنے کرشمے تو کہہ اٹھا
تیغ و سنان و تیر کو خنجر کو توڑ دوں

ہو جائے روزِ حشر کبھی لاکھ سال کا
فرقت کی ایک رات اگر اس میں جوڑ دوں

مائل اسی خیال میں کٹتی ہے تیری عمر
وہ بت جو ہاتھ آئے تو اِس بت کو چھوڑ دوں



رخنہ اگر طریقۂ وحشت میں ڈال دوں
مجنوں سے ذو فنون کو حیرت میں ڈال دوں

ہر بوالہوس کو جی میں ہے زحمت میں ڈال دوں
دو چار خار راہِ محبت میں ڈال دوں

جاتے ہو بزمِ غیر میں ٹھہرو تو اک ذرا[1]
تھوڑی سی خاک چشمِ مروت میں ڈال دوں

کہتے ہیں میں نے آپ کو شاعر تو کر دیا
یہ شوخیاں کہاں سے طبیعت میں ڈال دوں

ناصح یہ چاہتا ہے کہ اس سے بگاڑ لوں
بیٹھے بٹھائے دل کو مصیبت میں ڈال دوں

پھر کیا کریں گے آکے فرشتے عذاب کے
فردِ حساب آبِ ندامت میں ڈال دوں

برسوں رہا ہوں خدمتِ پیرِ مغاں میں شیخ
رخنے ہزار تیری مشیخت میں ڈال دوں

اے توبہ گر اجازتِ پیرِ مغاں ملے
لے جا کے تجھکو کوچۂ رحمت میں ڈال دوں

بازارِ نفسا نفسی کا فتنوں میں گرم ہو
خاکہ جو تیرے قد کا قیامت میں ڈال دوں

میں بوالہوس نہیں ہوں کہ ناصح کی مان لوں
مذکورِ یار حرف و حکایت میں ڈال دوں

مستانہ وار عرش پہ اڑنے لگیگا شیخ
اک جام گر سبوئے کرامت میں ڈال دوں

تصویرِ یار دیکھ کے کہتا ہوں شوق میں
میں جان کس طرح تری صورت میں ڈال دوں

دونا جنابِ شیخ ہو افطار کا ثواب
اک قطرۂ شراب جو شربت میں ڈال دوں

پھر تو یہ میرے خانۂ دل سے نہ جائیگی
زنجیرِ زلف پائے محبت میں ڈال دوں

---

[1] "اک ذرا" دِلّی کا خاص محاورہ ہے اور اس خوبی و روانی سے بہت کم بندھا ہے ۱۲

واعظ تری نجات کی تدبیر خوب ہے
مٹی شرابخانے کی تربت میں ڈال دوں
نازک مزاج یار ہے، پاسِ ادب ضرور
اتنی سی بات گوشِ قیامت میں ڈال دوں
ساقی یہ روزِ عید ہے اتنی پلا شراب
مائل سے بادہ خوار کو حیرت میں ڈال دوں

○

میں نے کہا جو صبر، کہا وہ جفا کروں
تو بھی کہے کہ اے مرے اللہ کیا کروں
فریاد اک ذرا بھی جو روزِ جزا کروں
محشر میں اور تازہ قیامت بپا کروں
ہر وقت موت کا تو ہے کھٹکا لگا ہوا
جینے کی ہو امید تو کچھ میں دعا کروں
اب تک وہی ہیں اس کی تغافل شعاریاں
کہتا ہے روزِ حشر بھی وعدہ وفا کروں
نیرنگِ حسن و عشق کی ساری ہیں خوبیاں
میں اور بار بار تری التجا کروں
دعوے یہ ہر گھڑی ہیں کہ مجھ سا نہیں کوئی
ہر بات میں یہ ضد ہے کہ اپنا کہا کروں
یہ چاہتا ہے شوق کہ خلوت میں رات دن
بوسے لیا کروں تری باتیں سنا کروں
دیکھا ہجومِ نامہ بروں کا تو کہتے ہیں
عاشق تو اک جہان ہے کس کا کہا کروں
جب وہ شمیم کاکلِ مشکیں نہ لا سکی
پھر کس غرض سے منتِ بادِ صبا کروں
کہتا ہے نالہ لے اثری پر ہوں حشر خیز
تاثیر ہو اگر تو خدا جانے کیا کروں
خوئے عدو ملی نہ دلِ بوالہوس ملا
میں کس طرح سے شکوۂ جور و جفا کروں
روزِ ازل سے مائلِ مغفور ہے لقب
یادِ خدا کروں کہ نہ یادِ خدا کروں

○

تو ہی بتا مجھے مری تقدیر کیا کروں
بھیجی ہے اس نے غیر کی تصویر کیا کروں
حیراں ہوں اس کے ہاتھ نے تاثیر کیا کروں
کھینچوں نہ کھینچوں نالۂ شب گیر کیا کروں
ایسی بنی ہوئی ہے کہ ملنے کی یار کے
دشمن سے پوچھتا ہوں کہ تدبیر کیا کروں
میری نظر سے یوں ہے سکندر گرا ہوا
سمجھا نہ بے ثبات کو تسخیر کیا کروں

کرتا نثار توسنِ جاناں پہ جانِ زار
کم بخت ہے رقیب عناں گیر کیا کروں

جو چاہے وہ کہے مجھے درباں ہے آپ کا
جاہل ہے بد دماغ ہے تقریر کیا کروں

بیٹھا ہے ایسے تو عجب ہے کہ رخسار یار کی
پڑتی ہے پائے غیر پہ تنویر کیا کروں

اے چارہ ساز ڈال اسے اپنے پاؤں میں
جب جا چکی بہار تو زنجیر کیا کروں

یہ بھی ہوائے کوچۂ جاناں میں مل گیا
نالہ جو پوچھتا ہے کہ تاثیر کیا کروں

دیر و حرم کی بات بگڑ جائے اور کیا
گھر میں لگا کے یار کی تصویر کیا کروں

مشکل جو پیش آئی ہے مجنوں کو عشق میں
کرتا ہے مجھ سے عرض کہ یا پیر کیا کروں

سب ہو چکے دعاؤں کے نالوں کے آہ کے
ترکش میں اب نہیں ہے کوئی تیر کیا کروں

بیجا نکالتے ہیں یہ واعظ کی شیخ کی
یارانِ بادہ خوار کی توقیر کیا کروں

ڈالی ہے ایسی پاؤں میں گیسوئے یار نے
کم بخت ٹوٹتی نہیں زنجیر کیا کروں

مجنوں کی زندگی میں کرایہ پہ تھی نظر
خالی پڑا ہے خانۂ زنجیر کیا کروں

میخانہ میں بھی شیخ کے میں نے لیے قدم
اور اس سے بڑھ کے آپ کی توقیر کیا کروں

لکھنا پڑا یہ اُن کو کہ اب راز کھل گیا
آنسو ٹپک پڑا دمِ تحریر کیا کروں

اچھی سمجھ کے راز کی اُن سے کہی تھی بات
قسمت سے وہ بھی ہو گئی تشہیر کیا کروں

تقدیر ایسی بگڑی ہے اُن کے بگاڑ سے
بنتی نہیں ہے کوئی بھی تدبیر کیا کروں

کہتا ہنسی ہنسی میں ہے کعبے سے بت کدہ
ایسی ملی نہیں مجھے تقدیر کیا کروں

اکثر وہ اپنے سینہ فگاروں سے کہتے ہیں
میں تم پہ آزمائشِ شمشیر کیا کروں

کاغذ کے ڈالنے سے بھڑکتی ہے آگ اور
سینہ پہ رکھ کے یار کی تصویر کیا کروں

اُلٹے نصیب اس کے ہیں الٹی ہے اس کی عقل
میں دل سے لے کے خواب کی تعبیر کیا کروں

برسا رہے ہیں غیر بھی محفل میں یار کی
چاروں طرف سے خنجر و شمشیر کیا کروں

کم بخت ایسے سہو پہ ٹوٹے خدا کا قہر
بھولا ہوں اپنے آپ کو تحریر کیا کروں

حاصل کروں وہ چیز کہ جس کو نہیں زوال
دنیائے بے ثبات کو تسخیر کیا کروں

یہ عذر بے گناہ ہوا قتل میں عشق کے
جب رکھ دیا گلا تہِ شمشیر کیا کروں

صبح ازل سے اُن کا سلامی ہے آفتاب　　ذرّوں کی کوئے یار کے توقیر کیا کروں
بعد از خدا بزرگ تو ہی قصہ مختصر　　اور اب نیاز نامہ میں تحریر کیا کروں

مائل گئے ہیں کعبہ کو لے اُن کے مشورہ
واعظ شراب خانے کی تعمیر کیا کروں



وہ نہیں جس سے کہ آبادی تھی گھر کو کیا کروں　　وہ نہ آئے جب نظر نور نظر کو کیا کروں
رات دن کو کیا کروں شمس و قمر کو کیا کروں　　جب نہ نورِ بصر شام و سحر کو کیا کروں
اے محمد بیگ[1] مر کر حشر برپا کر دیا　　ایک دو ہوں تو سنبھالوں گھر کے گھر کو کیا کروں
مختشم[3] دل کو سنبھالے یا ترے محمود[4] کو　　محترم[5] کو میں سنبھالوں دل جگر کو کیا کروں
تیرے سنگِ قبر سے بھی یہ نہ چھوٹا ہائے ہائے　　ایسے سر کو کیا رکھوں اور ایسے سر کو کیا کروں
تھی نہ ایسی بے مروّت پھر بھی لے جاتی تجھے　　تو جو کہتا اے اجل بوڑھے پدر کو کیا کروں
دیکھتا مر مر کے ہوں شاید کہ وہ آتا نہ ہو　　جب نہ دیکھوں اس کو آتے رہگذر کو کیا کروں
دیکھنا خود تو اجاڑا خانہ دل کو مرے　　خود ہی کہتا ہے کہ اس ویران گھر کو کیا کروں
وہ تو آدھی رات سے پہلے ہی رخصت ہو گئے　　اب جو آئے[6] نیم شب تیرے اثر کو کیا کروں

---

[1] محمد بیگ پسر سوم المتوفی ۱۳۴۳ھ [2] یہ بلا بجرا اگر اس مصرع کو یوں پڑھا جائے تو سنہ وفات برآمد ہوتا ہے۔

حشر برپا کر دیا مر کے اے محمد بیگ

۱۲ تذکرہ شعرائے جے پور ص ۱۳۴۳ھ [3] مصنف کے فرزند اول مرزا مختشم بیگ ۱۲ [4] محمود بیگ پسر محمد بیگ ۱۲ [5] مصنف کے فرزند دوم مرزا محترم بیگ ۱۲ [6] محمد بیگ مرحوم کا انتقال نصف شب سے پہلے ہو گیا تھا ۱۲ [7] مصنف نے اپنے نوجوان فرزند سوم مرزا محمد بیگ کا مرثیہ لکھا ہے جس کا انتقال بمقام سانبھر ہوا ۱۲

آگ دل کی سرد کیسی اور دونی ہو گئی
اے مرے اللہ اس بادِ سحر کو کیا کروں

وہ کہاں مہماں نوازی وہ کہاں مہماں نواز
اے فلک دے بھی مجھے تو سیم و زر کو کیا کروں

یہ تو انا کارگر ہے زخمِ دل پر اے خدا
جب نکلے جان تن سے کارگر کو کیا کروں

میرے دل میں دفن کر دو اس جواں کی نعش کو
پھر نہیں کہنے کا میں زخمِ جگر کو کیا کروں

ہو گیا جب یہ مسلّم موت کا چارہ نہیں
بے خبر کو کیا کروں اور باخبر کو کیا کروں

ابر آیا اور برسا اور برس کے کھل گیا
پر نہیں دم بھر بھی تھمتی چشمِ تر کو کیا کروں

حادثہ کیا ہوا یہ نور دونوں ہو گئے
آسماں بے نور ہیں شمس و قمر کو کیا کروں

یہ بھی ہیں بال و پر پرواز کے قابل مگر
جب نہیں ہے اڑنے کی ہمت بال و پر کو کیا کروں

تو نائل کیا کروں جو کچھ مرے سینہ میں تھا
سب بہایا اس ستم گر چشمِ تر کو کیا کروں



شمع میں ہے کس کا شعلہ اور پروانے ہیں کون
ہے پری پر کس کا سایہ اور دیوانے ہیں کون

شوق سے جو نکلے ہیں موسیٰ جستجو میں آگ کی
مجھ کو حیرت ہے کہ ہے آباد ویرانے ہیں کون

بیٹھا گیا ہوں حیراں کہ رونے اور تم سا سنگ دل
بھر گیا تاثیر ایسی میرے افسانے ہیں کون

کون ہے انداز میں اور ہر ادا میں کون ہے
کون ہے زلفوں میں تیری اور بے شانے میں کون

دیر میں کعبہ میں دل میں ہر جگہ ہے تو ہی تو
کون ہے اجڑے مکاں میں اور کاشانے میں کون

جب نظر اس پر ہے پھر دوست دشمن ایک ہے
کون ہے دل میں ہمارے اور بیگانے میں کون

چشم میں واعظ لگا کر خاکِ پاکِ میکدہ
جلوہ گر ہے دیکھ تو شیشے میں پیمانے میں کون

سچ کہو کعبہ سے آئے ہو دوئی کو چھوڑ کر
اب نظر آیا تمھیں مائل صنم خانے میں کون



بسمل ہوں میں تو تجھ سے ستمگر سے داد لوں　　ابرو سے داد لوں ترے خنجر سے داد لوں
شوخی کی تیری فتنۂ محشر سے داد لوں　　ہاں لوں تو اپنے ہی دلِ مضطر سے داد لوں
محشر ہو جس کی راہ میں پامالِ عاشقاں　　کیا اُس کے قد کی فتنۂ محشر سے داد لوں
ٹپکا تو اس کے در پہ بے وحشت میں بار بار　　ایسا کیا ہے کام کہ میں سر سے داد لوں
سنگیں دلی کی تیری شکایت تو کی مگر　　میں اپنے حالِ زار کی پتھر سے داد لوں
ہر ہر خلش میں لطفِ قیامت کے پائے ہیں　　ایک ایک نوکِ خار کی نشتر سے داد لوں
دل پر بنے کہ جان پہ سر جائے بار ہے　　جی چاہتا ہے اب تو ستمگر سے داد لوں
جس بزم میں گیا ہوں بھر آیا ہوں نامراد　　ان خوبیوں کی اپنے مقدر سے داد لوں
دل میں ہے چشمِ مستِ صنم کو دکھا کے آج　　ساقی سے خُم سے شیشے سے ساغر سے داد لوں
سہتا رہا ہوں سوزِ غمِ ہجر عمر بھر　　آتش کدہ میں جا کے سمندر سے داد لوں
وہ تازگی ہے زخمِ جگر میں کہ دل میں ہے　　جا کر چمن میں آج گلِ تر سے داد لوں

مائل غزل یہ ایسی کہی ہے کہ بار بار
جی چاہتا ہے حضرتِ انور[1] سے داد لوں



وہ کہتے ہیں کہ ایسے بےوفا کو بھول جاتا ہوں　　اگر میں سجدہ کرنا نقشِ پا کو بھول جاتا ہوں
اگر میں کشتگانِ کربلا کو بھول جاتا ہوں　　سمجھ لو راہِ تسلیم و رضا کو بھول جاتا ہوں
تصور ان کا کرتے ہی قضا کو بھول جاتا ہوں　　وہ جب بالیں پہ آتے ہیں خدا کو بھول جاتا ہوں

---

[1] سید امراؤ مرزا انور دہلوی ۱۲

جوابِ نامہ کیا آوے قصور اُن کا نہیں کچھ بھی
دمِ تحریر حرفِ مدعا کو بھول جاتا ہوں

صنم خانہ میں دنیا کے خدا حافظ ہے ایماں کا
نظر پڑتی ہے جس بُت پر خدا کو بھول جاتا ہوں

صبوحی کو تو اٹھتا ہوں پر ایسی بھول ہے واعظ
برائی آپ جیسے پارسا کو بھول جاتا ہوں

صنم خانہ کی آبادی سے ویرانہ ہی بہتر ہے
نظر آتے ہیں وہ جلوے خدا کو بھول جاتا ہوں

مجھے وہ چھیڑتے ہیں حضرتِ ایوبؑ کہہ کہہ کر
اگر میں شکوۂ جور و جفا کو بھول جاتا ہوں

غضب کی چیز ہے دنیا میں محبت اہلِ دنیا کی
کہ اس میں پھنس کر میں بھی خدا کو بھول جاتا ہوں

نہ پاؤ گے کوئی مجھ سا بھی سنگیں دل زمانے میں
تمہیں دیکھ کر دل دردِ آشنا کو بھول جاتا ہوں

نظر آتا ہے وہ عالم تجلی گاہِ جاناں میں
قدم رکھتے ہی ارض و سما کو بھول جاتا ہوں

مری جانب سے اے قاصد بس اتنا اس سے کہہ دینا
کہ تو جب یاد آتا ہے خدا کو بھول جاتا ہوں

یہ حسرت بھی عجب شے ہے کہ وہ سفاک کہتا ہے
اسیرِ دامِ الفت کی خطا کو بھول جاتا ہوں

تصور بھی تیری زلفِ سیہ کا کس بلا کا ہے
کہ پڑھنا آیتِ ردِّ بلا کو بھول جاتا ہوں

فرشتوں میں خوشی ہوتی ہے کیسی آسمانوں پر
اگر میں کھینچنا آہِ رسا کو بھول جاتا ہوں

کہاں لیلیٰ ہے مجنوں سے جو پوچھا میں نے کہتا ہے
جنوں کے جوش میں راہِ فنا کو بھول جاتا ہوں

خضر آتے ہی کہتے ہیں سبیلِ کوئے جاناں پر
یہ پانی پیتے ہی آبِ بقا کو بھول جاتا ہوں

سمجھتا ہوں جسے بے گریہ و زاری ہی سن لیتا
یہ عادت ہے مری ایسی دعا کو بھول جاتا ہوں

شبِ فرقت میں آتا ہے مجھے تسکین دینے کو
غلط ہے یہ کہ میں روزِ جزا کو بھول جاتا ہوں

غریقِ بحرِ وحدت ہوں دوئی سے مجھ کو کیا مطلب
نبی کی یاد کرنے میں خدا کو بھول جاتا ہوں

امیرانِ زمانہ سے بنے کیونکر مری مائل
کہ دانستہ طریقِ التجا کو بھول جاتا ہوں



جو ہے کہنا وہ کہہ گذرتا ہوں
آج قصہ تمام کرتا ہوں

تیغِ ابرو وہ کھینچ کر بولے
اب تمھارا تو کام کرتا ہوں

اشک کہتے ہیں ہم ٹپکتے ہیں
دل یہ کہتا ہے میں بکھرتا ہوں

جو نہ ہونی تھی ہو چکی اب تو　　جو نہ کرنا ہو کر گزرتا ہوں
یہ رقابت غضب کی ہے تم پر　　دل بھی مرتا ہے میں بھی مرتا ہوں
یہ جنوں میں بڑی مصیبت ہے　　خود گریباں کو چاک کرتا ہوں
کیوں سنا یہ کہ مر چکو اک دن　　کیوں کہا یہ کہ تم پہ مرتا ہوں
کہیں پیرِ مغاں نہ سن پائیں　　نام توبہ کا لیتے ڈرتا ہوں
ایک تم ہو کہ کچھ نہیں پروا　　ایک میں ہوں کہ تم پہ مرتا ہوں
تیرے کوچے کی راہ ملتی ہے　　جس طرف ہو کے میں گزرتا ہوں
تو ابھر کر حباب بیٹھ گیا　　میں تو کہتا رہا ابھرتا ہوں
تجھے پیرِ مغاں خدا رکھے　　تیرے دم سے خدائی کرتا ہوں
گل میں کچھ ہے تو سرو میں کچھ ہے　　ان اداؤں پہ تیری مرتا ہوں
جستجو کس کی ہے کہ منزل پر　　غمِ دنیا سے دور اترتا ہوں

کل تو پی لی تھی مفت کی سائلؔ
آج تسبیح رہن کرتا ہوں



دل میں اس کو جو یاد کرتا ہوں　　مئے عرفاں سے جام بھرتا ہوں
سب خدائی کی سیر کرتا ہوں　　دل میں ہو کر جو میں گزرتا ہوں
تیری رحمت پہ ناز کرتا ہوں　　بے نیازی سے تیری ڈرتا ہوں
اپنی توبہ کی کھینچ کر تصویر　　مئے احمر سے رنگ بھرتا ہوں
تم کسی سے کبھی کچھ نہیں کہتے　　میں بھی افشائے راز کرتا ہوں
وہ گئے دن بتوں پہ مرتا تھا　　اب تو ان کی ہوا سے ڈرتا ہوں
دل کو تسکین جب نہیں ہوتی　　تیرے کوچہ میں ہو گزرتا ہوں
اور کیا عاشقی میں کرتے ہیں　　نالہ کرتا ہوں آہ کرتا ہوں
ان کا ہوتا نہیں مزاج درست　　میں تو سجدے پہ سجدہ کرتا ہوں

ایک نالے کے ہیں فلک سا نوں — پر کروں کیا خدا سے ڈرتا ہوں
تم نمکداں کو کیوں الٹتے ہو — زخم کہتا ہے میں تو بھرتا ہوں
جن سے آتی ہے بوئے سوز و گداز — جان ان پر نثار کرتا ہوں
وہ اگر آئے پھر کہاں وحشت — ابھی بنتا ابھی بگڑتا ہوں
میں کہاں اور کہاں تیرا در — اپنی قسمت پہ ناز کرتا ہوں
یہ نہ سمجھا حباب تو نے آہ — کس بھروسے پہ میں ابھرتا ہوں
بے خبر دار اے فشارِ قبر! — یا علی کہہ کے زور کرتا ہوں

اس میں بھی مصلحت ہے کچھ مائل
توبہ کر کے جو میں مکرتا ہوں



انجام کار اس کو فرزانہ دیکھتا ہوں — اس انجمن میں جس کو دیوانہ دیکھتا ہوں
ساقی کی جب نگاہِ مستانہ دیکھتا ہوں — توبہ کو اپنی غرقِ پیمانہ دیکھتا ہوں
آزادگاں کا عالم میخانہ دیکھتا ہوں — دنیا سے میکشوں کو بیگانہ دیکھتا ہوں
ان شیخ و برہمن کے جھگڑوں میں کیا دھرا ہے — دونوں کو دو گھروں کا دیوانہ دیکھتا ہوں
جس نے کہ طور پھونکا موسیٰ کے ہوش اڑائے — اس شعلہ رو پہ دل کو پروانہ دیکھتا ہوں
دل بھی مری طرح سے اک وضع پر ہے قائم — ہر فصلِ گل میں اس کو دیوانہ دیکھتا ہوں
کب تک پڑھوں چمن میں گل کا کتابخانہ — ہر ہر ورق پہ تیرا افسانہ دیکھتا ہوں
میں نے جو خاک اڑائی کہنے لگا یہ مجنوں — اپنے سے تم کو بہتر دیوانہ دیکھتا ہوں
کیا جاؤں میں چمن میں کیا گل کو مجھ سے نسبت — اپنے ہی رنگ و بو کا دیوانہ دیکھتا ہوں
باتیں یہ اتفاقی ظاہر میں تم بناؤ — دل کو تمہارے واعظ دیوانہ دیکھتا ہوں
اے آرزوئے دنیا دل سے بس اب نکل تو — کعبہ کو تیرے دم سے بتخانہ دیکھتا ہوں
ہر ایک آنکھ تجھ کو چاروں طرف ہے تکتی — ہر اک کے بال پہ تیرا افسانہ دیکھتا ہوں
کشتی ہے کس خوشی سے جوشِ جنوں میں میری — جاتا ہوں جس طرف کو ویرانہ دیکھتا ہوں

آدم کے سوز و غم کا اب تک وہی اثر ہے / ہر قصر کو جہاں کے غم خانہ دیکھتا ہوں

تو ہی نہیں ہے اے گل دنیا میں چاک داماں / یاں جس کو دیکھتا ہوں دیوانہ دیکھتا ہوں

میرا ہے وقتِ رخصت بالیں پہ آپ آئے / شادی کو اور غم کو ہم خانہ دیکھتا ہوں

رونق تھی اُن کے دم سے نکلے ہیں جب سے آدم / جنّت کے ہر چمن کو ویرانہ دیکھتا ہوں

اللہ رے عشق تیری نیرنگیوں کے جلوے / بندے کو اور خدا کو ہم خانہ دیکھتا ہوں

میں جل کے خاک ہوں گا اک روز اس کے ہاتھوں / ہر شمع رو پہ دل کو پروانہ دیکھتا ہوں

گلشن تو میرے حق میں بزمِ عدو ہے گویا / گل کو تری ادا کا دیوانہ دیکھتا ہوں

اک جام ہی نہیں ہے جامِ جہاں نما سا / ہر چیز میکدے کی شاہانہ دیکھتا ہوں

کہنے تو ہیں خدا بھی کرتا ہے ذکر تیرا / جبریل کو تو سنتے افسانہ دیکھتا ہوں

آتی ہے یاد مجھ کو توبہ شکستہ ابھی / ٹوٹا ہوا جو کوئی پیمانہ دیکھتا ہوں

اے فتنۂ قیامت یہ کی ہے کیا قیامت / اپنے ہی دست و پا کو بیگانہ دیکھتا ہوں

معلوم یہ ہے ہوتا مائلؔ نہیں ہے رہنا
ہر گھر کو اس گلی کے میخانہ دیکھتا ہوں



آپ اپنی ادا پہ شیدا ہوں / ان حسینوں کو کیا سمجھتا ہوں

جس طرف وہ مکان لیتے ہیں / اُس طرف میں نماز پڑھتا ہوں

آپ آئے تو دیکھئے حالت / کل کی نسبت تو آج اچّھا ہوں

جو اِدھر کی اُدھر لگاتے ہیں / ایسے لوگوں سے بچ کے چلتا ہوں

میں کہاں جاؤں کعبہ اتنی دور / شیخ صاحب ہیں تو ہنستا ہوں

کس قدر ہے زمانہ سفلہ نواز / قطرہ کہتا ہے میں بھی دریا ہوں

اڑ ہی جاتے ہیں ہوش مجنوں کے / کبھی وحشت کی میں جو لیتا ہوں

شوخیاں ہوں کبھی تو لیلیٰ کی / کبھی مجنوں کے سر کا سودا ہوں

لوگ کہتے ہیں مجھ کو دیوانہ / میں جو ناصح سے کچھ الجھتا ہوں

مرض الموت مجھ سے کہتا ہے — ملک الموت کا تقاضا ہوں
بت و بتخانہ کی قسم واعظ — پنج گانہ نماز پڑھتا ہوں
ان بتوں سے تو ہیں نہیں ڈرتا — اِن کے قہر و غضب سے ڈرتا ہوں
ایک واعظ ہیں در بدر پھرتے — ایک میں بھی تو اہلِ دنیا ہوں

شاعری میں ہیں آپ اگر سائل
بادہ خواری میں میں بھی یکتا ہوں



کوئے جاناں کا رہنے والا ہوں — آسمانوں کو کیا سمجھتا ہوں
اُن کو دعویٰ کہ میں دل آرا ہوں — داغ کہتا ہے میں بھی زیبا ہوں
دونوں عالم سے ہو گیا آزاد — دامِ گیسو میں جب سے آیا ہوں
یہ خدا سے ذرا نہیں ڈرتے — اہلِ دنیا سے میں تو ڈرتا ہوں
حسن سے تم ہو گر جہاں آرا — میں بھی وحشت سے اک تماشا ہوں
نیند کہتے ہیں کس کو کیسی نیند — رات بھر کروٹیں بدلتا ہوں
ایک تم ہو کہ مجھ سے نفرت ہے — ایک میں ہوں کہ تم پہ مرتا ہوں
اُس کے کوچہ کے ذرّہ ذرّہ کا — ہر قدم پر خیال رکھتا ہوں
دیر میں کعبہ میں کہیں مل جائیں — دردمندوں سے میں تو ملتا ہوں
جو اشارے ہوئے ہیں آنکھوں میں — وہ سمجھتے ہیں میں سمجھتا ہوں

جس کی رحمت کی دھوم ہے سائل
میں بھی بندہ اُسی خدا کا ہوں



تم سے خورشید رو کو تکتا ہوں — عشق بازی میں میں بھی یکتا ہوں
چشمِ افلاک میں کھٹکتا ہوں — بے کمالی میں میں جو یکتا ہوں
گو جنوں میں ہے قیس بھی مشہور — خاک اڑانے میں میں بھی یکتا ہوں

دلخراشی میں سینہ کاوی میں — اس زمانے میں میں بھی یکتا ہوں

ناصح آتا ہے جب یہ ہونا ہے — وہ بھی بکتا ہے میں بھی بکتا ہوں

کوئی غمخوار جب نہیں ہوتا — دلِ وحشی کے ساتھ بکتا ہوں

دب کے مجنوں کہیں نہ رہ جائے — خاک دامن سے میں جھٹکتا ہوں

آج ہے غیر اُن کی محفل میں — میں جو جاتے ہوئے کھٹکتا ہوں

اہلِ ایماں کہاں ہیں مجھ جیسے — کعبہ جاتے ہوئے جھجکتا ہوں

اُن کے یاں جلنے آنے والے ہیں — سب کی آنکھوں میں میں کھٹکتا ہوں

ان بتوں کی تو سنگِ کعبہ سے — سب حقیقت کو جان سکتا ہوں

گو ہوں دیوانہ حضرتِ ناصح — ایسی باتوں کو مان سکتا ہوں

روشنی عشق کی ہے آنکھوں میں — تجھ کو بے پردہ دیکھ سکتا ہوں

میں نے اہلِ نظر کو دیکھا ہے — میں خدا کو بھی دیکھ سکتا ہوں

شیخ جیتا جو خُم کو سر پہ رکھا — بس اتارو نہیں پٹکتا ہوں

بت کدے سے تو آ گیا محرم — کعبہ جا کر بھی سر پٹکتا ہوں

قتل ہونے کا شوق تو دیکھو — پائے قاتل پہ سر پٹکتا ہوں

جب اجل آ کے چھوڑ جاتی ہے — سر کو بالیں پہ دے پٹکتا ہوں

ابھی رہنے دو میری حالت پر — ابھی ہر راہ میں بھٹکتا ہوں

میں وہ ذرّہ ہوں خاک تو کیسی — روئے خورشید میں چمکتا ہوں

یہ عنایت ہے آپ کی ساری — میں جو اغیار سے جھجکتا ہوں

خود بتاتے ہیں مصحفِ رخ کو — پڑھتے پڑھتے جو میں اٹکتا ہوں

کہیں جلدی سے پی بھی جا مائل
جام کہتا ہے میں چھلکتا ہوں

حسن و جمالِ یار کا مضموں نگار ہوں
گلزارِ نظم و نثر میں فصلِ بہار ہوں

ساقی کی چشمِ مست پہ صہبا پہ جام پر
اس سوچ میں ہے توبہ کہ کس پر نثار ہوں

کھلتا نہیں یہ رازِ محبت ہے چیز کیا
آتا نہیں سمجھ میں کہ کیوں بیقرار ہوں

کیا میرے دل میں گنجِ شہیداں ہیں بے شمار
ہر داغ کہہ رہا ہے چراغِ مزار ہوں

واعظ نے عمر بھر میں یہ سچی کہی ہے بات
جب تک مہِ صیام ہے پرہیزگار ہوں

کیا ہوں جو راہِ عشق میں بیزار مجھ سے ہو
روزِ فراق ہوں کہ شبِ انتظار ہوں[1]

کیا پوچھتے ہو عشق میں نام و نشاں مرا
ٹھکرا کے جس کو آئے وہی خاکسار ہوں

اُن کے گلے کا ہار جو ڈالے ہوئے ہوں میں
ہر سانس کہہ رہا ہے نسیمِ بہار ہوں

مسجد میں یار کرتے ہیں منھ پھیر کر سلام
جاتا ہوں میکدے میں تو یاروں کا یار ہوں

سن کر مرے کلام کو کہنے لگا وہ شوخ
یہ سوز پھر کہاں ہو جو میں غمگسار ہوں

عشرت کدہ کو اپنے سجا کر کروں بھی کیا
جب ہے خوشی کو عذر کہ میں سوگوار ہوں

آئیں جو زلف و رخ کی فضائیں مرے پسند
کیا میں خیالِ یار میں لیل و نہار ہوں

تیرِ نظر سے دل کو بچایا تو کیا ہوا
غمزہ یہ کہہ رہا ہے کہ خنجر گذار ہوں

ساقی کی چشمِ مست یہ کہتی ہے میکشو
میں ہی بنائے گردشِ لیل و نہار ہوں

ہنستا چلوں نہ دل کے جنازے کے ساتھ ساتھ
کیوں ایک بے وفا کے لیے سوگوار ہوں

آجائے کاش موت کہ میتّ نہ پاک ہو
کس کام کا یہاں ہوں اگر ہوشیار ہوں[2]

دل کو جگر کو عقل کو ہوش و حواس کو
کس کس کو یاد کر کے بھلا اشکبار ہوں

عاشق کو جان دینے میں لگتی نہیں ہے دیر
دامن نہ جھٹکو تو ابھی میں غبار ہوں

واعظ کرم تو دیکھ کہ ہر گام مے کشی
جائے نزولِ رحمتِ پروردگار ہوں

بارِ گنہ اٹھاؤں تو فرق آئے شان میں
امیدوارِ حضرتِ آمرزگار ہوں

۱؎ ۲؎ ۳؎ ۴؎ ۵؎ ۔ یوں تو اور شعر بھی صاد کے قابل ہیں۔ اگر زیادہ صاد کرنا انتخاب میں داخل نہیں۔ ان شعروں میں کوئی نہ کوئی نئی بات ہے اور مقطع تو بالکل نیا ہے
اساتذۂ دہلی سے آپ کا کلام بہت ملتا ہے۔ یہ امتیاز دلی والوں کے لیے باعث فخر ہے ۱۲ صلائے عام دہلی
بابت اپریل ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۹

ساقی یہ کہہ رہا ہے پلا کر رہوں گا آج / توبہ یہ کہہ رہی ہے کہ چلتی بہار ہوں

مارا ہے کس فریب سے مجھ کو اجل نے آہ / کہتی ہوئی یہ آئی کہ پیغامِ یار ہوں

بکتی پھرے اجل کہ ہمارا شکار ہے / فتراک ہوں جس کے اسی کا شکار ہوں

چپکے سے میرے کان میں مجنوں یہ کہہ گیا / دیوانہ میں نہیں ہوں بڑا ہوشیار ہوں

دنیا سے کیا غرض مجھے جس سے پڑا ہے کام / اس کی نگاہِ ناز میں بے اعتبار ہوں

تسبیح لاکھ دانے کی لاؤں کہاں سے شیخ / یوں میں نظر میں خلق کے بے اعتبار ہوں

منھ سے لگا کے جام کو فرماتے ہیں یہ شیخ / قمائی خدانخواستہ میں بادہ خوار ہوں

○

روزِ ازل سے میں تو ندامت شعار ہوں / میں وہ نہیں کہ کر کے گنہ شرمسار ہوں

عالم میں ہست و بود کا مختار کار ہوں / پر تیری بزمِ ناز میں بے اختیار ہوں

مجھ کو شناخت کر کے وہ کہتے ہیں بزم میں / اچھا کسی کو کیا جو تغافل شعار ہوں

میری جبیں ہو اور تمہارا ہو نقشِ پا / قسمت پہ آپ اپنی نہ کیوں کر نثار ہوں

انساں کے مرتبہ کو سمجھ لیں ملائکہ / پتلا تو خاک کا ہوں مگر رازدار ہوں

کچھ مصلحت ہے اے چمن آرائے کائنات / شامِ خزاں کبھی کبھی صبحِ بہار ہوں

یارب تو ہی بچائے گا مژگانِ یار سے / کہتا ہے تیر تیر کلیجے کے پار ہوں

یہ تو خیال بھی نہ کرو تم کو بھول جاؤں / گردش سے آسماں کی پریشاں ہزار ہوں

تو مجھ سے خاکسار پہ اتنا ہو مہرباں / میں تجھ سے بے نیاز کا اور رازدار ہوں

آیا ہوں جب سے کعبہ سے لوٹا ہے یہ غضب / سارے ہی مے فروشوں میں بے اعتبار ہوں

آنا نہ میرے قتل کو تلوار کھینچ کر / جب تک کہے نہ خون کہ سر پر سوار ہوں

کیوں میں شراب خانے میں توبہ کا منھ بناؤں / ساقی کی چشمِ مست میں کیوں بے وقار ہوں

پیرانِ زندہ دل کی بھی صحبت عجیب ہے / فصلِ خزاں بھی کہتی ہے فصلِ بہار ہوں

ایسا کہ جس پہ شانِ کرم بھی دکھائے تو / بندوں میں تیرے ایک ہی امیدوار ہوں

پھرتا ہے غیر اپنی ہوا باندھتا ہوا کہتا ہے ایک ایک سے میں رازدار ہوں
بچنے کا ڈھب یہی ہے جہنم کی آگ سے قربان اُس کی شمع پہ پروانہ وار ہوں
لکھتا ہوں ان کو خط میں کہ جور و ستم کیساتھ اتنا رہے خیال کہ میں دل فگار ہوں
تو وہ ہے رشکِ گل کہ گلستانِ دہر کے ہر گل کو آرزو ہے کہ تجھ پر نثار ہوں
یارانِ با وقار سے ملتی نہیں ہے آنکھ جب سے کہ یار غارِ غمِ روزگار ہوں
فصلِ خزاں کے دور میں زاہد ہوں بے ریا آئی جو فصلِ گل تو کھلا بادہ خوار ہوں
مہماں نوازیاں مری پوچھو بلاؤں سے حالانکہ مبتلائے غمِ روزگار ہوں
تو بھی تو ایک شاہِ رحیم و کریم ہے میں بھی تو اک گدائے سرِ رہگذار ہوں
آئینہ دیکھ دیکھ کے کہتے ہیں دل میں شیخ جاؤں جو میکدے میں فرشتہ شمار ہوں
اے چارہ گر نہیں ترے بس کا نہیں یہ روگ دردِ فراقِ یار سے میں بیقرار ہوں
عاشق کی خاکِ پاک کو کینہ سے واسطہ دشمن کا بعدِ مرگ چراغِ مزار ہوں

مائل سخنوری میں تو دعویٰ نہیں مجھے
اگلے اساتذہ کا مگر یادگار ہوں



مائل میں تجھ سے کیا کہوں وہ یہ کہے میں یوں کہوں
مدت سے اس حسرت میں ہوں وہ یہ کہے میں یوں کہوں
باتیں یہ کرتا دل سے ہوں وہ یہ کہے میں یوں کہوں
کچھ بات ہو تو میں کہوں وہ یہ کہے میں یوں کہوں
دشمن مجھے مجنوں کہے میں بوالہوس اس کو کہوں
کیوں کر نہ ہو گا کشتِ خوں وہ یہ کہے میں یوں کہوں
وہ تو کہے مضطر ہے دل اور میں کہوں یہ ورنہیں
ناصح بنا ایسا فسوں وہ یہ کہے میں یوں کہوں

مجنوں کو وہ اچھا کہے میں زلف کا مداح ہوں
کیوں کر نہ ہو وحشت فزوں وہ یہ کہے ہیں یوں کہوں
ساقی کو میں دلبر کہوں رندِ بلا کش وہ کہے
واعظ تری کیوں کر سنوں وہ یہ کہے ہیں یوں کہوں
تو چھوڑ دامن تو مرا اور میں کہوں ہرگز نہیں
صدقے ترے دستِ جنوں وہ یہ کہے ہیں یوں کہوں
اے حضرتِ دل جان لو ہوگی نہ مجھ سے بات ہی
کہنے کو میں کہتا تو ہوں وہ یہ کہے ہیں یوں کہوں
مجھ سے نہ پوچھے یہ کوئی کیا کچھ مرے دل میں نہیں
یہ آرزو کس سے کہوں وہ یہ کہے ہیں یوں کہوں
کہتا ہوں میں کچھ بھی نہیں کہتا ہے دل کچھ ہے
کیا چیز ہے دنیائے دوں وہ یہ کہے ہیں یوں کہوں
اے ہم نشیں جانے بھی دے تقریر سے حاصل ہے کیا
کب تک یہ میں کہتا رہوں وہ یہ کہے ہیں یوں کہوں
اللہ رے شوقِ گفتگو اس فکر میں برسوں سے ہوں
بیٹھا ہوا ہوں سرنگوں وہ یہ کہے ہیں یوں کہوں
مائلؔ یہ کہہ دو شوق سے دنیا میں اب بھی اہلِ فن
دیکھو بٹھا دیتے ہیں یوں "وہ یہ کہے ہیں یوں کہوں"



خلوت میں انجمن میں کیا جانے میں کہاں ہوں | پہلو میں تم ہو بیٹھے اچھا ہوں بس جہاں ہوں
دل کی جنش کے ہاتھوں بیتاب ہوں جہاں ہوں | ہستی ہو یا عدم ہو دم بھر کا میہماں ہوں
اس سے ستم کا شکوہ کرتا ہوا ہوں ڈرتا | ایسا نہ ہو کہ کہہ دے میں تجھ سے بدگماں ہوں
مجھ کو جلا کے عیسیٰ کیا منفعل ہوتے ہیں | بولی ادا جو اس کی میں اس کی جاں ستاں ہوں
چھایا ہے میکدہ پر وہ آکے ابرِ رحمت | رضواں کی آرزو ہے اس در پہ پاسباں ہوں

حسرت ہے بر حرم کی ہوں خاک تیرے در کی
ہے شوقِ سنگِ اسود میں سنگِ آستاں ہوں

کہتا ہے عشق مجھ سے ملنے نہ دوں گا انکو
میں تیری حسرتوں کا سالارِ کارواں ہوں

لکھا ہے خط جو اُس نے مجھ کو کئی خطوں میں
شوخی غضب کی کی ہے کیونکر نہ بدگماں ہوں

محروم کیوں رہوں پھر مجھ پر بھی لطف فرما
اے میزبانِ عالم اک میں بھی میہماں ہوں

میرا خدا ہے حافظ اب اے بلائے غربت
نا آشنائے منزل گم کردہ کارواں ہوں

دل گنا ہے اس نے عشاق میں خدا کو
اب کس سے رشک رکھوں اور کس سے بدگماں ہوں

تیری گلی یا دل ہیں اور خاک میں ملوں میں
تیری ہوا ہو سر میں اور زیرِ آسماں ہوں

لکھا ہے مجھ کو خط میں شکوے ترے غلط ہیں
آنکھوں میں پھر رہا ہوں لیکن ترے نہاں ہوں

بلبل کو اُنس مجھ سے بجلی کو لاگ مجھ سے
باغِ جہاں میں کیا میں خاشاکِ آشیاں ہوں

کہتا ہوں جب میں اُن سے کیا میں نہیں ہوں عاشق
کہتے ہیں یہ وہ ہنس کر مصروفِ امتحاں ہوں

اُس فتنہ گر کے دل میں میری جگہ ہو کیوں کر
میں آہِ نارسا ہوں اور بے اثر فغاں ہوں

اب کیا امید اس سے لکھتا ہے مجھ کو خط میں
جور و ستم ہوں کس پر تجھ پر جو مہرباں ہوں

خوئے کرم نے تیری کھلنے دیا نہ پردہ
میں اُن میں ڈر رہا تھا ناخواندہ میہماں ہوں

رندانِ بادہ کش کا ممنوں ہوں کیوں نہ سائل
مجھ کو ہیں یاد رکھتے دنیا میں میں جہاں ہوں



دل تو پڑا ہے باغ میں اور میں قفس میں ہوں
قابو میں میرے دل ہے نہ میں دل کے بس میں ہوں

کیا پوچھتے ہیں آپ بس اتنی سی بات ہے
میں عمر بھر سے بوسۂ لب کی ہوس میں ہوں

دیتا نہیں ہے چین زمانہ کسی طرح
گلشن میں ہوں کبھی تو کبھی میں قفس میں ہوں

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی گرا نہ دے
کوچہ میں ہوں میں آپ کے گو خار و خس میں ہوں

ان سخت جانیوں سے یہ کہتا ہوں کیا عجب
میں بھی جنابِ خضر کے نارِ نفس میں ہوں

دیکھوں تو کیسے شمع پہ پروانہ ہو نثار
میں بھی تو آج انجمنِ بوالہوس میں ہوں

کیا پوچھتے ہو یہ بھی مقدّر کی بات ہے
ورنہ میں اور تم سے ستمگر کے بس میں ہوں

کہنے کی ہو جو بات تو لاؤں زباں پر
اچھا ہوا خیالِ ہوا و ہوس میں ہوں

ناصح خدا کے واسطے اس وقت تو نہ چھیڑ
کیا جانے کس خیال میں کس پیش و پس میں ہوں

یہ کیا کہا کہ ہجر کی کاٹی ہے ایک رات
روزِ ازل سے میں تو شمارِ نفس میں ہوں

کہتا ہے مجھ سے عشق مرا ضبط دیکھ کر
کیا جانے کیا کروں جو دلِ بوالہوس میں ہوں

اک اک ادا میں ڈال ہیں اگر اور طرزِ ناز
میں بھی نئے ہی رنگ پہ ہر ہر نفس میں ہوں

ہمت کو آفریں ہے یہ کہتا ہے مجھ سے قیس
ہو کر رہوں گا آپ سا گو سو برس میں ہوں

رکھتا ہے میری روح کو قندیلِ عرش میں
یاں تو قفس میں تھا ہی وہاں بھی قفس میں ہوں

چلنا تو اہلِ قافلہ دل کو سنبھال کر
میں دردِ دل کے آج صدائے جرس میں ہوں

پہلے جو تھا خیال وہ کچھ اور بات تھی
تھوڑے دنوں سے اور ہوا و ہوس میں ہوں
مائلؔ یہ کیا غضب ہے کہ ملتے ہی آنکھ کے
کہہ دیتے ہیں یہ آپ کہ میں اُن کے بس میں ہوں



جو دل میں رکھوں تو یہ ہی رکھوں کہ یار مجھ میں، میں یار میں ہوں
جو منہ سے بولوں تو یہ ہی بولوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
کہو تو زاہد کے بھید کہہ دوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
سنو تو واعظ کے راز کھولوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
اُدھر ہے ایمائے چشم میگوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
ادھر یہ کہتا ہے قدِ موزوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
خوشی نہ کیوں کر ہو روز افزوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
غم و الم اب کسی کو دے دوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
ابھی تو آگے دھرے ہیں شیشے ابھی تو ساغر بھرے نہیں ہیں
کہوں گا جب میں ذرا سی پی لوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
کسی کو مجھ سے غرض نہیں ہے کہیں ہو داور کہیں ہو محشر
رگلوں کا دفتر کبھی نہ کھولوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
حیا سے چپ تھی اگرچہ لیلیٰ اثر تو دیکھو کہ کہہ ہی اُٹھی
ہوا جو وردِ زبانِ مجنوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
ہزار باتیں بنائے ناصح کرو ڑ پہلو سجھائے ناصح
نہیں یہ ممکن کہ اس کی سن لوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
ہوا ہے مجھ کو یہ رشک تازہ کہ رات آنکھوں میں میں تو کاٹوں
صبا سے کہتی ہے زلفِ شب گوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں

نصیب دیکھو شہید ہو کر ہوئی ہے گُل کی مراد حاصل
یہ کہہ رہی ہے قبائے پرخوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں

یہ دو جہاں میں ہے جس کا جلوہ اُسی کو دل میں لیے ہوں بیٹھا
کسی کو دیکھوں تو کیا میں دیکھوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں

اُٹھا کے دیکھا جو آئینے کو تو بے تامل یہ جی میں آیا
میں آپ اپنی بلائیں لے لوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں

ادب سے اُن کو سلام کر لوں خضر ہوں اس میں کہ ہوں مسیحا
کسی کے ہر گز قدم نہ چوموں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں

ثواب کیسا عذاب کیسا اگر میں جا ہوں تو آج واعظ
بہشت و دوزخ پہ خاک ڈالوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں

یہ میں نے مانا کہ ہے یہ کعبہ مگر بتاؤ جناب واعظ
اُٹھا کے پردہ تو کیا میں دیکھوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں

بری بلا ہیں یہ اہلِ مسجد ہزار فتنے اٹھائیں ناتل
ابھی جو منھ سے میں یہ نکالوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں



یہ رنگ لائی ہے طبعِ موزوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
بندھے تو کیوں کر دوئی کا مضموں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں

بغیر اُس کے نہ مطمئن ہوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
ملے جو موقع خدا سے پوچھوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں

زمینِ تربت کو کیا میں سونپوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
ہوائے جنت سے کیا میں خوش ہوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں

یہ بات کیا ہے کہ زلفِ لیلیٰ بگڑ بگڑ کر یہ کہہ رہی ہے
بناؤں ایسے ہزار مجنوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں

جو آگ دل میں بھڑک رہی ہے اُسی کے شعلے نکل رہے ہیں
ہرا ہے یکساں درون و بیروں کہ یار مجھ میں ہے یار میں ہوں

بڑوں کی باتیں بڑی ہیں ہوتی ادھر ادھر کے ہی ذکر چھیڑے
نہ لب پہ لائے جنابِ مجنوں کہ یار مجھ میں ہے یار میں ہوں

بلا سے ہو جائے راز افشا تمھاری ضد سے جنابِ واعظ
یہ جی میں آتا ہے کہہ ہی گزروں کہ یار مجھ میں ہے یار میں ہوں

تجلیِ سودا اثر دیں دنیا کرشمے مجھ کو دکھا رہی ہے
کسی کا مجھ پر چلے نہ افسوں کہ یار مجھ میں ہے یار میں ہوں

نہ نیند آتی تھی جس سے شب کو نہ چین آیا تھا جس سے دن کو
کہاں ہے تن میں وہ جانِ محزوں کہ یار مجھ میں ہے یار میں ہوں

نگاہِ پرفن کی دیکھو شوخی دلوں میں ایسی ادا سے اتری
سمجھ رہا ہے ہر ایک مفتوں کہ یار مجھ میں ہے یار میں ہوں

نہ کر تامل پلا دے ساقی کہ خونِ توبہ چڑھا ہے سر پر
بس ایک جامِ شرابِ گلگوں کہ یار مجھ میں ہے یار میں ہوں

علی کی الفت بھری ہے دل میں نہیں ہے دشوار اب تو مجھ کو
نبی سے مل کر خدا سے مل لوں کہ یار مجھ میں ہے یار میں ہوں

مجھے مزے سے گزر رہی ہے نہ فکرِ دنیا نہ فکرِ عقبیٰ
نہ دل ہے غمگیں نہ جان محزوں کہ یار مجھ میں ہے یار میں ہوں

اُٹھاؤں سجدے سے سر کو کیوں کر نزول رحمت کا ہو رہا ہے
بس شکر اس کا ادا تو کر لوں کہ یار مجھ میں ہے یار میں ہوں

بہار پر ہے چمن کا عالم نظر تو کیجے جنابِ مائلؔ
پیوں نہ کیوں کر شرابِ گلگوں کہ یار مجھ میں ہے یار میں ہوں

○

دلِ پُر آرزو ہے اور میں ہوں
تمہاری گفتگو ہے اور میں ہوں

نظر آیا وہ ماہِ عید اب تو
صراحی ہے سبو ہے اور میں ہوں

کہاں بیٹھا ہوں کس محفل میں آکر
کمالِ آبرو ہے اور میں ہوں

تمھیں کس نے بلایا کیوں ہو آئے
یہ اُن کی گفتگو ہے اور میں ہوں

گئے وہ دن کہ دربانی تھی اُس کی
بس اب تنہائی کی بو ہے اور میں ہوں

اُڑا دیں آؤ ان ارض و سما کو
دلِ بیتاب تو ہے اور میں ہوں

ہوا ہے عاشقی میں خبط کیسا
کہ پاسِ آبرو ہے اور میں ہوں

خیالِ خلد ہے اور تم ہو واعظ
شرابِ مشکبو ہے اور میں ہوں

سمجھ لے اس سے تو دل کی حقیقت
زباں پر تو ہی تو ہے اور میں ہوں

کہاں پیدا ہیں ایسے دوست جیسے
خیالِ یار تو ہے اور میں ہوں

بہار آنے تو دے اے چارہ گر تو
گریباں کا رفو ہے اور میں ہوں

کچھ ایسا تنگ ہوں اہلِ چمن سے
قفس کی آرزو ہے اور میں ہوں

سنبھل کر ذبح کرنا تم ہو نازک
تہِ خنجر گلو ہے اور میں ہوں

قیامت کر رہی ہے بد گمانی
تصور میں عدو ہے اور میں ہوں

کبھی ذرہ کبھی ہوں مہرِ تاباں
یہ کس کی جستجو ہے اور میں ہوں

تم اپنا سنگِ در کیا دیکھتے ہو
مرا سر ہے لہو ہے اور میں ہوں

نمازیں رات دن ہیں اور واعظ
قرابوں سے وضو ہے اور میں ہوں

کوئی محفل ہو یا ہنگامۂ حشر
اُسی کی گفتگو ہے اور میں ہوں

خیالِ یار میں ایسا ہوا گم
کہ اپنی جستجو ہے اور میں ہوں

دکھاتا ہے فلک کیا کیا تماشے
وہ کافر ہے عدو ہے اور میں ہوں

دھرا ہے جامِ مے لبریز آ گئے
بغل میں خوبرو ہے اور میں ہوں

ملیں کیا مائلِ مے خوار مجھ سے
کہ اک ٹوٹا سبو ہے اور میں ہوں

عدو ہی باوفا ہے میں نہیں ہوں — وہی ہاں مبتلا ہے میں نہیں ہوں

فنا ہے یا بقا ہے میں نہیں ہوں — خدا جانے کہ کیا ہے میں نہیں ہوں

وہ کہتے ہیں کہ قاتل عاشقوں کی — نگاہِ سُرمہ سا ہے میں نہیں ہوں

خرابی ہیں ترے ہاتھوں سے اے چرخ — مری حرص و ہوا ہے میں نہیں ہوں

کہوں کیونکر کہ بیگانہ ہے مجھ سے — وہ جتنا آشنا ہے میں نہیں ہوں

جتایا ڈرتے ڈرتے یوں انھیں عشق — کوئی تم پر فدا ہے میں نہیں ہوں

کسی کو جان و دل دینے کے قابل — بجا ہے ہاں بجا ہے میں نہیں ہوں

خیالِ زلف میں کیا تو ہی اے دل — گرفتارِ بلا ہے میں نہیں ہوں

کہا کافر جو اس بت کو تو بولا — ترے دل میں خدا ہے میں نہیں ہوں

مرا دل مجھ سے بہتر ہے کہ تیرا — حقیقت آشنا ہے میں نہیں ہوں

ترے دل میں مری جانب سے ظالم — نہیں معلوم کیا ہے میں نہیں ہوں

وہ کہتے ہیں ترے سجدے کے قابل — یہ میرا نقشِ پا ہے میں نہیں ہوں

یہ کہتے کہتے آخر ہو گیا دل — نہ خنجر گلا ہے میں نہیں ہوں

یہ ہے انصاف کہتا ہے یہ نالہ — جہاں آہِ رسا ہے میں نہیں ہوں

اُسے سمجھاؤ جا کر ہم نشینو! — زمانہ بے وفا ہے میں نہیں ہوں

کھلا عقدہ تو میں ہی میں ہوں سب کچھ — یہ جو کچھ ہے فنا ہے میں نہیں ہوں

مرے سینہ میں جب تک یہ سلامت — دلِ درد آشنا ہے میں نہیں ہوں

اُٹھانے کو جفا پہلو میں میرے — دلِ بے مدعا ہے میں نہیں ہوں

رکھا اک عمر دھوکے میں یہ کہہ کر — وہی مجھ سے خفا ہے میں نہیں ہوں

اثر کہتا ہے رو رو کر یہ مجھ سے — جہاں تیری دعا ہے میں نہیں ہوں

غرض اس سے نہیں محفل میں تیری — نہیں ہے غیر یا ہے میں نہیں ہوں

بڑھے کیوں کر مرا مائل سے اخلاص
وہ جتنا پارسا ہے میں نہیں ہوں

ہر درد و سوزِ عشق کا لذّت چشیدہ ہوں
میں درسے میکدے کے خدا تک رسیدہ ہوں

کچھ بھی ہوں بارگاہِ جنوں میں رسیدہ ہوں
دامن دریدہ ہوں کہ گریباں دریدہ ہوں

اللہ تیری بندہ نوازی کے سامنے
یہ کہہ کے منفعل ہوں کہ آفت رسیدہ ہوں

الٹا اڑا رہے مری بات بات کو
ہنسنے لگیں گے آپ جو میں آب دیدہ ہوں

واعظ نے نامِ مے سے چڑھائی جو تیوری
کہنے لگی شراب کہ میں بھی کشیدہ ہوں

ظرفِ گزک کو چاٹ رہے ہیں زباں سے شیخ
اور یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ میں کیا ندیدہ ہوں

کیوں منفعل ہو داورِ محشر کے سامنے
خنجر بکف نہ تم ہو نہ میں سر بریدہ ہوں

اس آرزو میں باغ میں جاتا ہوں صبح دم
آئی ہو فصلِ گل تو گریباں دریدہ ہوں

مائل جہاں میں اہلِ اجازت نہیں رہے
کیوں کر نہ اپنے آپ کہوں برگزیدہ ہوں



اس شوق میں ہوں مست کہ گردن بریدہ ہوں
میں آہوئے حرم سے نہ کیوں کر رمیدہ ہوں

مجھ کو تو اپنے حال پہ کچھ بھی نظر نہیں
تجھ کو ہے میری شرم ترا آفریدہ ہوں

کرنی پڑے نہ آہ بگولوں سے التجا
بھولا ہوا ہوں راہ کو آفت رسیدہ ہوں

ایسی گھڑی نہ آئے کہ تم مہرباں نہ ہو
وہ دن خدا دکھائے کہ میں سر بریدہ ہوں

واعظ کرشمۂ قدِ جاناں بیان کر
قصے تو روزِ حشر کے سارے شنیدہ ہوں

اب بھی تو مجھ سے سدرہ و طوبیٰ کو رشک ہے
حالانکہ باغِ دہر میں شاخِ بریدہ ہوں

حکمت سے کوئی کام بھی خالی نہیں ترا
کافر ہوں گر کہوں کہ عبث آفریدہ ہوں

وہ مجھ کو جانتے ہیں مرے کام کا ہے یہ
میں یہ سمجھ رہا ہوں عبث آفریدہ ہوں

جھکنے کی کوئی حد بھی ہے اے سروِ باغِ حسن
سر لگ گیا زمیں سے کہاں تک خمیدہ ہوں

دل میں ہے جلوہ صاحبِ خلقِ عظیم کا
میں آج انتخابِ صفاتِ حمیدہ ہوں

مائل ہوا ہیں اس کی ہیں سودا و سوز و درد
یہ وہ زمیں نہیں ہے کہ میں آرمیدہ ہوں



تمھیں جہاں ہو تو ہم ہیں ہم جہاں کیوں　　تمھیں کہتے ہیں پھر جانِ جہاں کیوں

جلاتا ہے مجھے تو رازداں کیوں　　کہیں کہہ چک وہ آئیں گے یہاں کیوں

وہ عالم دردمندوں سے ہے خالی　　نظر جاتی ہے سوئے آسماں کیوں

خدا ہی جانے کافر نے کہا کیا　　بھرا بیٹھا ہے میرا رازداں کیوں

خصوصیت قبولِ درد کی کھوئی　　ہوئے اغیار میرے ہم زباں کیوں

غرض ہے ہر طرح ناکام رہنا　　وگرنہ لیں وہ میرا امتحاں کیوں

رہی کس کی امیدِ جبہ سائی　　عدو بیٹھا ہے بن کر پاسباں کیوں

نہ ہوتے تم جو مائل مائلِ کفر
اُٹھاتے اس طرح نازِ بتاں کیوں



ایسی کیا تھیں عتاب کی باتیں　　میں تو کہتا تھا خواب کی باتیں

کچھ غضب ہو رہی ہیں عارض سے　　زلف پر پیچ و تاب کی باتیں

بے حجابی میں کیا غضب ہوگا　　جب یہ کچھ ہیں حجاب کی باتیں

سر مرا اور نشانِ پائے عدو　　دیکھنا اضطراب کی باتیں

واعظو! جب تو ہاں مسلّم تھیں　　توبہ و اجتناب کی باتیں

ق

کہ نہ ہوں وصفِ خلد میں بھی کبھی　　کچھ شراب و کباب کی باتیں

دل نہیں مانتا ہے چھیڑ بغیر　　ہائے اس کے عتاب کی باتیں

سن کے بولے وہ ماجرائے فراق　　کس غضب کی ہیں خواب کی باتیں

جان پر ناز سے بنا دی ہے　　پوچھتے ہیں عتاب کی باتیں

میکدے میں کٹی ہے ساری عمر　　مجھ سے پوچھو شراب کی باتیں

ایک حضرت ہیں آپ بھی مائل
سن چکا ہوں جناب کی باتیں



شوخیِ چشمِ یار کی باتیں — ہیں کسی بیقرار کی باتیں
پوچھ لیں ہم سے پوچھنے والے — گردشِ روزگار کی باتیں
ہائے تم نے کبھی سنی ہی نہیں — دلِ امیدوار کی باتیں
میرے پہلو میں کون ہے دیکھو — جذبِ بے اختیار کی باتیں
اب تصور سے ان کے رہتی ہیں — شوقِ بوس و کنار کی باتیں
اے فلک کھینچتے ہیں ہم بھی آہ — ہو چکیں انکسار کی باتیں
میرے اشعار سن کے کہتے ہیں — ہیں کسی دل فگار کی باتیں
کیا سنوں ناصحوں کی سنتا ہوں — کسی غفلت شعار کی باتیں
پوچھتا ہے قفس ہی میں صیاد — مجھ سے فصلِ بہار کی باتیں
دل الجھتا ہے کیا ہی سنتا ہوں — جو کسی ہوشیار کی باتیں
اُن کے دامن سے اب تو رہتی ہیں — میرے مشتِ غبار کی باتیں
ہجر میں یاد آ ہی جاتی ہیں — آپ سے آپ یار کی باتیں
اُن کے قابو میں آ گیا دیکھو — دلِ بے اختیار کی باتیں
اب تو دوزخ سے رہتی ہیں پہروں — نفسِ شعلہ بار کی باتیں
ہو گئیں خونِ حسرتیں لاکھوں — کیا کہوں انتظار کی باتیں
جس میں بہتے ہیں خون کے دریا — ہیں اُسی رہگذار کی باتیں
سر کٹاتا ہے بوالہوس سن کر — خنجرِ آبدار کی باتیں
نہیں ہوتی ہے یاس سن کر بھی — ہستیِ مستعار کی باتیں
اُن کی محفل میں اب تو رہتی ہیں — میرے صبر و قرار کی باتیں
شعلۂ طور سے ہی رہتی ہیں — میری شمعِ مزار کی باتیں

آؤ واعظ تمھیں بھی سنوائیں
مائلؔ بادہ خوار کی باتیں

○

جتنی ہیں احتمال کی باتیں
سب ہیں اپنے خیال کی باتیں

گل و بلبل چمن میں کرتے ہیں
تیرے حسن و جمال کی باتیں

تا قیامت رہیں گی دنیا میں
عاشقوں کے وصال کی باتیں

سن کے روشن ضمیر ہوتے ہیں
روئے جاناں کے خال کی باتیں

نہ سنی پھر کسی کی بھی سن کر
تجھ سے صاحب جمال کی باتیں

جان کر ذکرِ غیر سنتے وہیں
وہ مرے انتقال کی باتیں

میں قیامت اٹھائے بیٹھا ہوں
مجھ سے کیجیے نہ چال کی باتیں

جانتا ہوں اسے رحیم و کریم
کیوں کروں انفعال کی باتیں

اور کیا ہے سوائے آہ و فغاں
عاشقِ خستہ حال کی باتیں

میری پھر دل خدا سے رہتی ہیں
اُس کے حسن و جمال کی باتیں

کس کی مانوں کہ خلق کرتی ہے
اپنے اپنے خیال کی باتیں

صبح ہوتے ہی کہہ گئی ہے صبا
سب ترے بال بال کی باتیں

خانقاہوں میں ہوتی رہتی ہیں
شیخ صاحب کمال کی باتیں

جو نظر آرہا ہے دنیا میں
ہیں یہ خواب و خیال کی باتیں

دخترِ رز کو تاکتا ہے شیخ
ہیں یہی تو وبال کی باتیں

یوں ازل کی ہیں مجھ کو باتیں یاد
جیسے دو چار سال کی باتیں

شیخ صاحب کی آ گئی تشریف
اب سنوں حال و قال کی باتیں

ہمہ تن گوش بن گئی لیلیٰ
قیس کی ہیں کمال کی باتیں

میکدہ میں کبھی سنی ہی نہیں
غم و رنج و ملال کی باتیں

پائی جاتی ہیں خرقہ پوشوں میں
اس کے جاہ و جلال کی باتیں

کیوں نہ قرآں میں ہو اثر مائلؔ
ہیں مرے ہم خیال کی باتیں

○

وہی تھیں جو تھیں زندگانی کی باتیں
جوانی کی راتیں جوانی کی باتیں

بہشتوں کے جلسوں میں بیٹھے اُٹھے ہم
کہیں بھی نہیں زندگانی کی باتیں

نہ ہو یا الٰہی سحر تا قیامت،
اثر کر رہی ہیں کہانی کی باتیں

خضر خیر مانگو کہ عمرِ ابد میں
نہیں ہیں غمِ جاودانی کی باتیں

ترا ذکر ہو یا تصور رہو تیرا
یہی ہیں مری زندگانی کی باتیں

مجھے آپ جو کچھ کہ فرما رہے ہیں
بجا ہے یہ ہیں مہربانی کی باتیں

تلاطم ہیں محشر کے کوئی کہے کیا
کسے یاد ہیں زندگانی کی باتیں

شبِ غم نہیں کیا کیا سنبھالا ہے مجھ کو
نہ پوچھو تم اپنی نشانی کی باتیں

مجھے اپنے مرنے سے بڑھ کر یہ غم ہے
ملیں خاک میں زندگانی کی باتیں

خدایا د آئے نہ بت یاد آئیں
غضب کی ہیں دنیائے فانی کی باتیں

بنا جب ہے چرخِ ستم گر کسی کی
سنی ہی نہیں کامرانی کی باتیں

ادھر توبہ ٹوٹی اُدھر جام ٹوٹا
یہ ہیں گردشِ آسمانی کی باتیں

ادائے تبسم نے تیری سکھائیں
مسیحا کو بھی زندگانی کی باتیں

اڑے ہوش ایسے سنبھالے نہ سنبھلے
وہ موسیٰ سے کیں لن ترانی کی باتیں

سبق کی طرح یاد کرتی ہے بلبل
چمن میں تری دُرفشانی کی باتیں

بگڑتے ہیں مجھ سے تو دشمن سے میرے
کیا کرتے ہیں شعر خوانی کی باتیں

نہ لو سر پہ مائلؔ، مرا خونِ توبہ
نہ چھیڑو مئے ارغوانی کی باتیں



کہتے ہیں مجھے دیکھ کے وہ روزِ جزا ہیں
کیا آپ بھی اُٹھ آئے ہیں ہمارے شہدا ہیں

ایجاد کیے جاؤ تم انداز و ادا ہیں
شوخی ہیں شرارت ہیں کرشمہ ہیں حیا ہیں

ہر بات کی سچ کہتے ہیں قدرت ہے خدا ہیں
ہو شیخِ زماں پیرِ مغاں کے رفقا ہیں

وہ سر کو جھکائیں گے تہِ تیغ جنھوں نے
رکھا نہ قدم جادۂ تسلیم و رضا ہیں

اس سے تو نہیں بحث کہ قاتل بھی تمہیں ہو — اٹھوں گا قیامت کو تمہارے ہی بہا میں
کچھ حال کہوں میں جو مرے ہوش بجا ہوں — دل کو تو اڑا لے گئے وہ ایک ادا میں
ہیں اور بھی پر درد و غم و حسرت و ارماں — دو چار یہ اچھے ہیں ہمارے رفقا میں
بنتا ہے قدم دشتِ محبت میں جو ہر خار — کچھ بات تو ایسی ہے مرے راہ نما میں
اس در پہ جو آجائے وہ محروم نہ جائے — لکھا ہے یہ ہر سنگ پہ درگاہِ خدا میں

وہ قطبِ زماں حضرتِ مائل ہی تھے شاید
میخانے کے در پر جو کھڑے تھے فقرا میں



کیوں تکر نہ گئیں شیخ کو ہم اہلِ صفا میں — میخانہ کا نقشہ ہیں لیے دستِ دعا میں
مشکل ہے ٹھہرنا ترے کوچے کی ضیا میں — ذروں میں ہے وہ تاب جو ہے نورِ خدا میں
کیوں کر نہ ہوا ہے شیخ اثر تیری دعا میں — برسوں ہے رہا پیرِ مغاں کے رفقا میں
اللہ رے میرے تنِ لاغر کا مقدر — جوہر ہے بنا جا کے تری تیغِ ادا میں
لکھتے ہو تو لکھ لو نہ تخلص بھی ہمارا — اک نام کے لاکھوں ہیں تمہارے شہدا میں
واعظ نہ کہیں پر اسی صورت کا کوئی شخص — دیکھا تو ہے میخانہ کے در پر فقرا میں
ہے منزلِ مقصود کی سب راہوں سے واقف — یہ بات غضب کی ہے مرے راہ نما میں
یہ حضرتِ واعظ کا کھلا آج ہمیں راز — لیجاتے ہیں شیشے کو چھپا کر وہ قبا میں

مائل کو مسلمان چڑھا آتے ہیں شاید
جب دیکھیے موجود ہیں درگاہِ خدا میں



پُرخم نہیں اتنا ہے تری زلفِ دوتا میں — تا روزِ قیامت رہیں عشاق بلا میں
مانے ہوئے جو لوگ ہیں تسلیم و رضا میں — ہمراہ مرے چل نہ سکے راہِ وفا میں
بت بن کے وہ کرتے ہیں جو دعوائے خدائی — ہم آج دکھا دیں گے یہ قدرت ہے خدا میں
ہوتا ہی نہیں ہائے یہ کافر نہیں ہوتا — اس دل کو پٹک آؤں گا درگاہِ خدا میں

یہ درد کے پتلے ہیں یہ ہیں سوز سراپا | عشاق کے کیوں کر نہ ہو تاثیر دعا میں
پینے کی تو طاقت نہیں احباب کو دیکھو | نسخے کو بھگوتے ہیں مرے آبِ بقا میں
ظالم کو یہ ہے فکر کہ کچھ بھی ہو بناتے | اک بات نکلتی رہے ہر ناز و ادا میں
بالیں سے مری اٹھ گئے یہ کہہ کے مسیحا | کیا کیجیے چارہ ہی نہیں حکمِ خدا میں
بیمارِ محبت کو تو اللہ کو سونپا | اس کے لیے تاثیر دعا میں نہ دوا میں
بے ہم تہِ تیغ جو کرتے ہیں تو کر جائیں | اک خون ہمارا بھی سہی راہِ وفا میں
وہ گھڑی ہے حالتِ شبِ ہجراں کی بدرت | آجائیں بلائیں بھی تو پڑ جائیں بلا میں

وہ چیز ہوں مائلؔ کبھی جنبش نہ ہو اُن کو
ہوں میں نہ اگر ہمتِ مردانِ خدا میں



مل جائے یہ آ کر تری خاکِ کفِ پا میں | اس دل کو چڑھا آؤں گا درگاہِ خدا میں
شوخی میں ہیں کچھ اور تو کچھ اور حیا میں | ہیں لاکھوں کرشمے تری ایک ایک ادا میں
رحمت کے فرشتوں نے کہا آئیے حضرت | یہ شان مجھی کو ہے علی روزِ جزا میں
تم اور جنازے پہ نہ آتے کہ دمِ مرگ | تھا دامنِ مقصود مرے دستِ دعا میں
وہ ہی نظر آتا نہیں اللہ رے پردہ | اور اُس کے ہی جلوے ہیں عیاں ارض و سما میں
یہ کافر و دیندار کا جھگڑا ہی مٹا دوں | بت خانہ کو رکھ آؤں نہ درگاہِ خدا میں
کیا جائے وہ ہم قتل ہوئی بے ادبی کیا | وہ دفن جو کرتے نہیں اپنے شہدا میں
ہم کو تو تری راہ میں چلنے سے ہے مطلب | کیا بحث کریں راہِ لقا ہیں کہ فنا میں
عشاقِ بلاکش ہیں کہاں ہم نظر آئے | رکھتے ہی قدم جادۂ تسلیم و رضا میں
کرتا ہوں دعائیں کہ یہ مٹی کو نہ کھوئے | اس راہ تو آرام سے ہوں دستِ قضا میں
ہم اس لیے بھی خوش ہیں کہ نیا لطف ہے ملتا | اچھا ہے کیے جائیں وہ ایجادِ جفا میں
افسانہ مرے شوق کا جب سے کہ سنا ہے | کانٹا سا کھٹکتا ہوں دلِ راہ نما میں
جب تک کہ اشارہ نہ ہو دامن کا تمھارے | لیجائے مری خاک یہ طاقت ہے ہوا میں

اک اہل بصیرت کی زباں سے یہ سنا ہے — داخل دہن یار ہے اسرارِ خدا ئیں

وہ صحبتیں رنگیں وہ قدح خواروں کے جلسے — یوں مٹ گئے گویا کہ نہ تھے ارض و سما ئیں

پیچ و خم کاکل کے جو قابل نہیں پایا — واعظ کو گرفتار رکھا حرص و ہوا ئیں

جب سے کہ صنم خانے سے سائل کو نکالا
اپنے کو سمجھنے لگے مردانِ خدا ئیں[1]



ہے شانِ غریبی کا اثر اور ہوائیں — عاشق ہیں کیا کرتے سفر اور ہوائیں[2]

اب کرتے ہیں راتوں کو سحر اور ہوائیں — اب اپنی دعا کا ہے اثر اور ہوائیں

ہوتا ہے وہاں اڑنے ہی سر اور ہوائیں — کیوں کر نہ ہو وہ راہ گذر اور ہوائیں

ہم تو یہ دعا کرتے ہیں دونوں کی رہے بات — تیر اور ہوائیں ہے جگر اور ہوائیں

شاید کہ مرے دل کی خبر ہو گئی ان کو — آنے جو لگا تیر نظر اور ہوائیں

گر ہم سر تسلیم سے مل جائیں تو کیا ہے — اُس شوخ کی ہے راہ گذر اور ہوائیں

یاروں نے مرے جا کے جو احوال سنایا — اڑنے لگے وہ سن کے خبر اور ہوائیں

نیرنگِ محبت سے یہ عالم ہے کہ ہر روز — ہوتی ہے مری شام و سحر اور ہوائیں

---

[1] یہ غزلیات مشاعرہ منعقدہ جے پور کی ہیں جو محلہ بساطیان میں بماہ جنوری ۱۹۱۴ء برمکان منشی شیخ وزیر علی مرحوم ہوا تھا۔ مصرع طرح تھا:۔

دل اور ہوائیں ہے جگر اور ہوائیں۔ اظہر، تقویٰ، نسیم، جوہر، نظیر حسن تمنا اور کوثر وغیرہ شریک تھے جوہر کا مطلع ہے: کیا تو نے ملایا ہے مئے ہوشربا ئیں۔ ہنیار و سرمست ہیں سب ایک ہوا ئیں انتخاب مشاعرہ ماہنامہ "جوہر سخن" جے پور بابت ماہ جنوری ۱۹۱۴ء میں شائع ہوا ہے ۱۲

[2] اس زمین میں نسیم کا مطلع ہے جس میں جگر کو قافیہ قرار دیا گیا ہے

دل اور ہوائیں ہے جگر اور ہوائیں: اور ان کے سوا دیدۂ تر اور ہوائیں

کوثر کا مطلع ہے:۔

کیوں کر نہ جگہ پائے دلِ اہلِ صفا ئیں: خشتِ خم میخانہ ہے مسجد کی بنا ئیں۔ ۱۲

رکھ دے جو قدم تو بے مرا کفر تو کیا چیز
رہ جائے گا اللہ کا گھر اور ہوا میں

آوازہ جو سنتا ہے ترے لطف و کرم کا
اڑتا ہے مرا دامنِ تر اور ہوا میں

آگے جو بڑھے زلف تو پھر دیکھیے کیا ہو
ہوتی ہی ہوئی تابِ کمر اور ہوا میں

ہمت سے نہ لے کام اگر پیرِ خرابات
میخانہ میں ہو جائے بشر اور ہوا میں

اللہ وہ یارانِ وفادار کہاں ہیں
رکھتے تھے مرے دل کی خبر اور ہوا میں

حیرت تو مجھے یہ ہے کہ تم جب سے ہو آئے
در اور ہوا میں ہے تو گھر اور ہوا میں

کیوں کر یہ مٹے کافر و دیندار کا جھگڑا
شام اور ہوا میں ہے سحر اور ہوا میں

ناصح یہ تری بات تو مانی ہے نہ مانوں
وہ شوخ ہے اللہ سے ڈر اور ہوا میں

چھپ چھپ کے وہ راتوں کو مرے پاس نہ آتا
ہوتا جو مرا رشکِ قمر اور ہوا میں

وہ پونچھتے ہیں گوشۂ دامانِ کرم سے
اب تو ہے مرا دیدۂ تر اور ہوا میں

بچ بچ کے جو چلتے ہو رہِ دیر و حرم سے
سائل ہے مگر عزمِ سفر اور ہوا میں



ڈوبا ہوا اٹھوں دمِ محشر شراب میں
دیدیں کفن جو یار ڈبو کر شراب میں

اے کشتگانِ یادِ لب و چشم مژدہ باد
بھجوا رکھا ہے یار نے خنجر شراب میں

عادت جو بیخودی کی تو محشر میں کام آئے
رہتا ہوں غرق اس لیے دن بھر شراب میں

مانے نہ مانے کوئی پر اتنا کہیں گے ہم
بے ذوقِ بیخودی تو مُقرر شراب میں

اب ہم ہیں وہ نہ دل ہے نہ عہدِ شباب ہے
ساقی ملائے برف کہ پتھر شراب میں

پیدا کہاں ہیں ایسے بھی یک رنگ بے ریا
ڈوبے ہوئے ہیں ہم تو سراسر شراب میں

جو مستیِ نگاہ کے دیکھے ہیں ہم نے رنگ
کیفیتیں نہیں ہیں وہ اکثر شراب میں

مانیں جو میری بات مریدانِ بے ریا
دیں شیخ کو کفن تو ڈبو کر شراب میں

ہاں ترکِ چشمِ مست کو تکلیفِ ناز کیوں
دیدو نہ مجھ کو زہر ملا کر شراب میں

یاروں نے منہ میں بوند نہ ٹپکائی وقتِ مرگ
میری رہے گی روح مضطر شراب میں

درکار ہی نہ ہوتی خضر عمرِ جاوداں — آبِ بقا جو پیتے ملا کر شراب میں
کس کے خرامِ ناز سے ملتی ہے موج موج — برپا ہے ایک فتنۂ محشر شراب میں

وہ رندِ بادہ کش ہوں کہ مائل لبِ فنا
آئے گی میری روح بھی کھنچ کر شراب میں



دونوں ہی کو ہے عشق نے ڈالا عذاب میں — میں اضطراب میں ہوں تو وہ پیچ و تاب میں
شوخی نے تجھ کو چین دیا کب حجاب میں — جلوے نے تیرے پھر اٹھایا نقاب میں
دشمن سے جو قرار ہوئے ہیں وہ بھول کر — لکھ دے خدا کرے مرے خط کے جواب میں
دو روز ہیں ہے آنے کو موسم بہار کا — کب تک بچے گی توبہ شبِ ماہتاب میں
حیرت کیا خود وہ رہ گئے آئینہ دیکھ کر — ہیں کس حساب میں ہوں عدو کس حساب میں
بس اتنی بات جن سے کہہ کر چلے گئے — کہنا اب ایک یک سے آئے تھے خواب میں
نیرنگ حسن و عشق کے جلوے ہیں جس قدر — میرے خیال میں ہیں زلیخا کے خواب میں
دشمن کو وصل میں نہ انھیں ناز ہیں ملے — جو لطف اُٹھائے ہم نے سوال و جواب میں
تڑپا ہی کیجیو دلِ بیتاب حشر تک — ابھی نہ آئی زلیست کہ وہ بے حجاب میں
ہم دیکھتے تو یوں ہی نکلتا یہ آفتاب — ہوتا اگر نہ وہ بت کافر حجاب میں
تلخی تمہارے وعظ بھلے ہے واعظو مگر — دیکھو تو کس مزے کی ہے تلخی شراب میں
نازک مزاجیاں یہ نہیں حسن و ناز سے — ڈالا ہے میرے دل نے تمہیں پیچ و تاب میں
سوجھا ہے کیا مجھے دلِ افسردہ کا علاج — لایا ہوں چھیڑ چھیڑ کے اس کو عتاب میں
وہ لطف میرے دل سے نہ جائے گا عمر بھر — گالی جو اس نے دی تھی بگڑ کر عتاب میں
آئیں تو کیسے آئیں وہ محفل سے غیر کی — تاثیرِ جذب ہیں نہ اثر اضطراب میں
ڈرتا ہوں کھل نہ جائے کہیں رازِ عشق کا — دیکھا ہے چاک چاک گریباں کو خواب میں

توبہ کے ٹوٹنے کا ہے مائل ملال کیوں
ایسی تو ہوتی رہتی ہے اکثر شباب میں



وہ آئے خواب میں تو ہوں اس پیچ و تاب میں
کیا جانے ہو کے آئے ہیں کس کس کے خواب میں

اس وہم نے ہے اور بھی ڈالا عذاب میں
کیوں جا بجا شکن ہے تمہارے نقاب میں

کچھ کچھ نکل چلے تو ہیں جوشِ شباب میں
یہ دیکھنا ہے رہتے ہیں کب تک حجاب میں

حرمان و یاس رنگ جب اپنا جما چکے
وہ آئے ہیں تو کب دلِ حسرت مآب میں

دنیا کی کچھ خبر ہے نہ واعظ کو دین کی
کم بخت مبتلا ہے عذاب و ثواب میں

کس کا یہ جوشِ غم ہے کہ یکجا نہیں قرار
دل میں کبھی ہے اور کبھی چشمِ پُر آب میں

واعظ جو احتراز خراباتیوں سے ہے
تشریف لائیے کیوں ہو جہانِ خراب میں

کافر ہوں آج سے جو رہوں بے خطا کیے
دیکھی ہیں وہ ادائیں تمہارے عتاب میں

کیا جانے مشتِ خاک ہے کس بیقرار کی
ذرہ یہ کیا بنی جو رہے اضطراب میں

دیکھا نہیں جنوں میں بھی زنجیر کی طرف
کیا جانے زلفِ یار ہے کیوں پیچ و تاب میں

تیرِ نگاہِ یار تو نازک مزاج تھا
کوئی نہ رہ سکا دلِ ناکامیاب میں

شوخی کی بھی ادا ہے تو شرم و حیا کے ساتھ
ہیں بے حجابیاں تری داخل حجاب میں

چھیڑیں گے ہم کو بزمِ عدو میں تو دیکھنا
جیسی کہیں گے ویسی سنیں گے جواب میں

میری نظر ہے وسعتِ رحمت پہ کچھ بھی دو
دنیا میں جو گناہ ہو میرے حساب میں

کس دم سے مجھ کو قتل وہ کرتے ہیں دیکھنا
عشاق میں تو آپ رہے انتخاب میں

واعظ کے کہنے سننے سے توبہ بھی کی تو کیا
دل تو پڑا ہوا ہے شراب و کباب میں

دیکھے گا کون دیدۂ انجم بھی بند ہے
مل جاؤ ہم سے آ کے شبِ ماہتاب میں

نائل کرم سے پیرِ مغاں کے ہماری تو
گزری تمام عمر شراب و کباب میں



ذرہ اگرچہ مل نہ سکا آفتاب میں،
دنیا میں نام پا تو گیا اضطراب میں

وہ بات ہی کہاں کہ تھی عہدِ شباب میں
اب کیا دھرا ہے چرخ ترے اضطراب میں

برسوں پیا ہے ہم نے تو عہدِ شباب میں
توبہ کا خون روز ملا کر شراب میں

جس در پہ سر پٹکتی ہے خسرو کی آرزو ۔۔۔ حسرت ہو کوہکن کی وہاں کس حساب میں
بیٹھا ہوں انجمن میں پر اتنا نہیں ہے ہوش ۔۔۔ وہ بے حجاب بیٹھے ہیں یا ہیں حجاب میں
اک شئے ہے کائنات میں واعظ شرابِ ناب ۔۔۔ اک چیز میکدہ ہے جہانِ خراب میں
ہوں گا گناہگار بھی ہو کر نہ روسیاہ ۔۔۔ تو بہ کو توڑتا ہوں شبِ ماہتاب میں
دل کی لگی کو اُس نے بجھایا ہے لاکھ بار ۔۔۔ دوزخ سمائے کیا مری چشمِ پر آب میں
ہوتے برے ہیں دیکھنے والے یہ جان لو ۔۔۔ یہ سب سہی کہ آپ ہیں سو سو حجاب میں
کہتے ہیں ڈوبنے کا ہم اس سے کبھی ماجرا ۔۔۔ جو کر سکا نہ تفرقہ آب و سراب میں
تم اور آ کے دو مجھے تسکیں خدا کی شان ۔۔۔ تاثیر دیکھتا ہوں عجب اضطراب میں
واعظ جو ہم سے ملتے رہو گے تو دیکھنا ۔۔۔ ڈوبی ہوئی یہ ریشِ مقدس شراب میں
ظالم کے کھولنے میں شبِ وصل کٹ گئی ۔۔۔ کس نے گرہ لگائی تھی بندِ نقاب میں
اے موت تیرے آتے ہی مر جائیں کس طرح ۔۔۔ اٹکا ہوا ہے دم ابھی خط کے جواب میں
اب کی بہار میں تو یہ ہیں مینیوں کے رنگ ۔۔۔ ڈوبا ہوا جہان ہے گویا شراب میں

مائل کی مغفرت میں رہا اب کلام کیا
دے دی ہے اس نے جان ادب تراب میں

○

کیا ملا گرچہ ملا ذوقِ نظر مدت میں ۔۔۔ کیا ملا بھول کے وہ رشکِ قمر مدت میں
اب کے طوفان کبھی ہو گا تو لہو کا ہو گا ۔۔۔ رنگ لایا ہے مرا زخمِ جگر مدت میں
نہ وہ ہم ہیں نہ وہ آنکھیں نہ وہ دل دیکھیں کیا ۔۔۔ کوئی صورت اگر آئی بھی نظر مدت میں
کام کر جائے جو ہنگام دعا تو جانیں ۔۔۔ ہم نے پیدا تو کیا کچھ ہے اثر مدت میں
دوسری آہ نے کبھی تم سے تغافل سیکھا ۔۔۔ دل میں تاثیر تو کرتی ہے مگر مدت میں
شبِ وصل اُس نے گزاری تو یہی کہہ کہہ کر ۔۔۔ آج ہوتی نظر آتی ہے سحر مدت میں

آنکھ لڑتے ہی نہ آنے کی شکایت مائل
دل میں پیدا بھی تو ہوتا ہے اثر مدت میں

○

جائے اور جاکر رہے جولانگہِ صیاد میں
حوصلہ سا حوصلہ ہے بلبلِ ناشاد میں

بدنصیبی دیکھنا واں ہوگیا پہلے ہی ضبط
آشیاں، کا تھا ارادہ گلشنِ شداد میں

طرزِ شوخی دیکھیے کہتے ہیں کیا مر جائینگے
تم ہماری یاد میں اور ہم تمہاری یاد میں

دیکھ کر شکلِ قفس ہی روح نے پرواز کی
آرزوئیں رہ گئیں کیا کیا دلِ صیاد میں

دم کیسا غیر کا جان و جگر کا کیا خیال
ہم تمھیں کو بھول جاتے ہیں تمہاری یاد میں

دل میں جو کچھ تھا کبھی کا ہو چکا نذرِ نگاہ
اب دھرا کیا ہے ہمارے خانۂ برباد میں

ایک ہی طرزِ تغافل میں تمہاری ہو لیا
دل نے جو پیدا کیا تھا حوصلہ فریاد میں

عرش سے بھی تو اگر بدلے نہ بدلیں اے فلک
اب بھی جو کچھ ہے ہمارے خانۂ برباد میں

مسکرا کر دیکھنا اور ناز سے منھ پھیرنا
کس قیامت کی ادائیں ہیں ستم ایجاد میں

دیکھنا سننا نہ اس کو بھول کر بھی تم کبھی
دل کشی کا بھی اثر ہے کچھ مری فریاد میں

بھول جانے کا اثر اور یاد رکھنے کی ادا
وہ مری فریاد میں ہے یہ تری بیداد میں

کیا کمر کس کی کمر کیسا دہن کس کا دہن
ہاں یہ کہہ لو جا رہا ہے دل عدم آباد میں

قہر ہے مجھ کو ستا کر بوالہوس سے کہتے ہیں
تم سے کچھ بڑھ کر اثر ہے آپ کی فریاد میں

کعبہ جا کر کیا کرے جائے تو کس امید پر
جو خدائی کر چکا ہو خود بتوں کی یاد میں

ہم نفس کچھ خیر ہے آئے گا وہ اور قبر پر
جو نہ آیا عمر بھر میرے دلِ ناشاد میں

سر میں اک تیشہ لگا کر نام اپنا کر گیا
ورنہ چھوڑا ہی نہ تھا غم نے تو کچھ فرہاد میں

اس قفس میں جیتے رہنے سے تو بہتر تھا کہیں
دم نکل جاتا اگر میرا کفِ صیاد میں

کیا یہ آپ ہی آپ مسجودِ ملائک بن گیا
جلوہ گر تھا کوئی تو انسانِ بے بنیاد میں

میری گردن پر بہت کچھ حق ہیں تیغِ ناز کے
کیا بتوں کو چھوڑ بیٹھوں گا خدا کی یاد میں

بتکدہ ہو خانقہ ہو دیر ہو کعبہ ہی ہو
اب کہیں چل کر رہو مائل خدا کی یاد میں

○

یاد اس کی تو نہ ڈال رسوم و قیود میں
اے شیخ کیا دھرا ہے رکوع و سجود میں

اس کی نگاہِ لطف کی ہیں پردہ داریاں
قرآں میں اثر ہے نہ کچھ ہے درود میں

خاک ایسی زندگی پہ اُسی سے ملے نہ ہم
جس کے لیے کہ آئے عدم سے وجود میں

کیا جانے شیخ صحبتِ رنداں میں بیٹھنا
گزری تمام عمر رکوع و سجود میں

یہ حسن یوسفی سے ملاتے ہیں سلسلہ
کیوں کر نہ دل کشی ہو بتانِ یہود میں

ساقی بھی وہ ملا ہے کہ رکھتا نہیں جواب
انداز میں کرشمے میں ہمت میں جود میں

دنیا تو دام گاہ ہے آزادگی کہاں
ہر اک پھنسا ہوا ہے رسوم و قیود میں

عشاق کے ہے درپئے آزار کیوں فلک
ہم لوگ تو کسی کے ضرر میں نہ سود میں

مجھ کو تو زندگی سے جبھی یاس ہو گئی
اُس نے دیا جو رنگ عدم کا وجود میں

پہلے ہی ضربِ تیشہ سے آتی تھی یہ صدا
فرہاد کیا دھرا ہے بھلا اس نمود میں

مائل وہ دن گئے کہ صبوحی کو اٹھتے تھے
کٹتی ہے اب تو رات رکوع و سجود میں



کیا کروں گا جا کے ہجرِ یار میں
لگ رہی ہے آگ سی گلزار میں

دیکھ میرے سینۂ افگار میں
کتنے جوہر ہیں تری تلوار میں

لختِ دل لے کر کوئی آیا نہ ہو
بے کھٹک سی دیدۂ خونبار میں

دیکھتے ہیں وہ نگاہِ گرم سے
کچھ اثر ہے آہِ آتشبار میں

کیا ہی آفت ہے دلِ پُراضطراب
لا بٹھایا محفلِ اغیار میں

غیر کیا دل میں ترے گھر کر گیا
کیوں مزہ آتا نہیں تکرار میں

ہے ازل سے عشق رسوائی پسند
ورنہ یوسف اور بکیں بازار میں

دیکھنا محشر بھی ہے شہرت بلند
مل نہ جائے فتنۂ رفتار میں

نیند بن کر تو ہی آجا اے حیا
پاسباں کے دیدۂ بیدار میں

اب یہ حالت ہے کہ سن کر نام زہر
جان آتی ہے دلِ بیمار میں

چارہ گر کیا خاک سوچے رہ گئیں — میری آنکھیں روزنِ دیوار میں
اک ادا سے تیری جھگڑے پڑ گئے — سو طرح کے کافر و دیندار میں
دے ہی دیتے ہیں تسلی دل کو ہم — لاکھ پہلو ہوں ترے اقرار میں
تو دکھائے گا دلِ مضطر مجھے — نقشِ پائے غیر کوئے یار میں
ہم سے سیکھو گر نہیں آتی کلیم — جان دینی حسرتِ دیدار میں
دل ہی میرا جانتا ہے کیا کہوں — مجھ پہ جو گزری ہے ہجرِ یار میں
یہ لکھا ہے رات بھر جاگا کریں — عاشقوں کے طالعِ بیدار میں
دور ہو اے ناامیدی دور ہو — رنگ ہے اقرار کا انکار میں
جان کہیے یا مرض کہیے اسے — اک تصور ہے دلِ بیمار میں

مائل آخر بن گئے پیرِ مغاں
رہتے رہتے خانۂ خمار میں

○

انداز یہ نہیں ہے کسی گل عذار میں — لاکھوں میں آپ ایک ہیں کہہ دوں ہزار میں
تاثیر دل میں کر گئی جو کوئے یار میں — وہ بات ہی نہیں ہے نسیمِ بہار میں
دیوانہ کو تو موت نہ آئے بہار میں — الجھی ہوئی ہے جان گریباں کے تار میں
اتنا تو کم سے کم ہو بھلا صحنِ میکدہ — وسعت ہے جتنی رحمتِ پروردگار میں
یا ولولے نہیں رہے اگلے سے دل میں اب — یا وہ اثر نہیں ہے نسیمِ بہار میں
اک وہ کہ جن کے گھر میں گئے بے بلائے آپ — اک ہم کہ ساری عمر کٹی انتظار میں
وعدے کے لطف پا کے دعا کر رہا ہوں میں — یارب تمام عمر کٹے انتظار میں
بت خانہ ہاتھ آئے تو واعظ نہ چھوڑ تو — جنت اگر نہیں ہے ترے اختیار میں
کیا حال بن گیا ہے چمن کا خزاں سے آہ — اچھا ہوا کہ مر گئی بلبل بہار میں
توڑوں اگر نہ توبہ تو بنتی ہے جان پر — کیا جانے کس بلا کا اثر ہے بہار میں
تجھ سے نہیں میں جو تجھے کیا کر سکیں گے فرق — تیرے ستم میں اور ستم روزگار میں

جو آئے بہرِ فاتحہ اس کا نہ ہو خیال
غافل ہم اس قدر تو نہیں ہیں مزار میں

کیسا ہوا ہوں خوش درِ میخانہ جان کر
دروازۂ بہشت کھلا جب مزار میں

کہتے ہیں میرے دل پہ مرا زور کچھ نہیں
ہونے کو دو جہاں ہیں مرے اختیار میں

مجنوں کے ہوش اُڑ گئے حیرت سی چھا گئی
وحشت کا رنگ دیکھ کے میرے غبار میں

سب پھنک رہے ہیں حسرت و ارمان و آرزو
شعلے بھڑک رہے ہیں دلِ داغدار میں

کیا کام اب رہا مجھے حرمان و یاس سے
جب تو سما گیا دلِ امیدوار میں

دیوانگی کے جوش میں پہلے تو آ گیا
ٹھہرا گیا نہ قیس سے میرے غبار میں

تنہائی میں گلے سے لپٹ جاتے وہ کہیں
اتنا تو وہاں اثر ہو دلِ داغدار میں

آتے ہیں اہلِ حشر زیارت کے واسطے
ایسی ہے کوئی بات ترے خاکسار میں

مجھ سے کہا یہ دل نے کہ تقلیدِ گل ہے کیا
کرنے لگا جو چاک گریباں بہار میں

روزے کا اعتبار بھی سائل کے کھو دیا
آ کر ماہِ صیام نے فصلِ بہار میں



سمائی یہ کیسی دماغِ بشر میں
لگا دخل دینے قضا و قدر میں

نظر جب پڑی ہے تمھیں پر پڑی ہے
تمھیں آئے جب آئے میری نظر میں

اگر نارِ دوزخ سے ڈرتا ہے واعظ
ہمارے لپٹ جائے دامانِ تر میں

یہاں آپ آئیں تو دیکھے زمانہ
تماشا خدائی کا بندے کے گھر میں

جدائی کے صدمے اٹھاؤں کہاں تک
نہ ہے صبر دل میں نہ طاقت جگر میں

نہ ترکیب جچتی فلک کی اجل کی
نہ انداز تیرا کسی فتنہ گر میں

صبوحی کو اٹھتے ہیں سارے ہی میکش
اثر ہو نہ کیونکر دعائے سحر میں

فرشتہ کہو کیسے رحمت کا آئے
نہ صہبا نہ ساغر ہے واعظ کے گھر میں

شبِ وصل ہے آج گردوں ملا دے
مری تیرہ بختی کو رنگِ سحر میں

ڈبو دوں ابھی سے یہیں دونوں جہاں کو
بھرا ہے وہ طوفاں مری چشمِ تر میں

غضب ہی کا ہے رندِ میخوار مائل
لے تو وہ پی لے خدا ہی کے گھر ہیں

○

غضب کی وہاں شوخیاں ہیں نظر ہیں ‏ یہاں تاب دل میں نہ طاقت جگر ہیں
بھر آتے ہیں اُن کی بھی آنکھوں میں آنسو ‏ اثر سا اثر ہے مری چشم تر ہیں
یہی آرزو ہے بس اب دل میں اپنے ‏ رہیں خاک ہو کر تری رہگذر ہیں
یہ حسنِ دل آرا یہ انداز دل کش ‏ نہ حور و پری میں نہ شمس و قمر ہیں
یہ شکل و شمائل یہ ناز و کرشمہ ‏ نہ حور و ملک میں نہ جنّ و بشر ہیں
یہ عالم ہے کیسا کہاں سے ہو آئے ‏ نہ شوخی نظر میں نہ خنجر کمر ہیں
غضب کا ہے اے خضر پاؤں میں چکر ‏ کٹی عمر ساری سفر ہی سفر ہیں
مجھے کیا خبر تھی وہ مٹ جائیں گے یوں ‏ مرا دل اُڑا کر نظر ہی نظر ہیں
محبت میں جینا محبت میں مرنا ‏ یہ خوبی تو دیکھی بشر ہی بشر ہیں
مرے دل کی یہ بھی تمنا نہ نکلی ‏ لگے تیر سارے جگر ہی جگر ہیں
دعا سب کی ہو جائے مقبول یارب ‏ رہیں ہم امیدِ اثر ہی اثر ہیں
دہن تک تصور رہی اپنا نہ پہنچا ‏ ہوئے گم خیالِ کمر ہی کمر ہیں

حرم میں بھی مائل خیالِ صنم ہے
یہ مشرک بنا اور خدا ہی کے گھر ہیں

○

خدا کو کر لیا ہے محو وصفِ زلفِ دلبر ہیں ‏ مری اُلجھی ہوئی تقریر لائی رنگ محشر ہیں
فلک کو مدتوں رکھا مرے نالوں نے چکر ہیں ‏ اثر کرتی رہی برسوں مری تقریر پتھر ہیں
لطافت اس قدر الفت سے آئی جسمِ لاغر ہیں ‏ اجازت دے جو قاتل ڈوب جاؤں آبِ خنجر ہیں
بھرا ہے اس قدر شوقِ شہادت جانِ مضطر ہیں ‏ جو قابو ہو تو اڑ کر ڈوب جائے آبِ خنجر ہیں
اڑا ایسے کسی محبوب سے تو اس کا رنگ دخت کا ‏ رہا برسوں یہی سودا جنابِ قیس کے سر ہیں

تری شوخی سے ڈرتا ہوں کہیں ان بن نہ ہو جائے
ہمارے اس دلِ شیدا میں یا اور جانِ مضطر میں

وہی گھر ہے وہی ہیں ہم مگر ہے اور ہی عالم
خدا جانے کہ مہماں کون آیا ہے مرے گھر میں

وہ کیفیت جو دیکھی ہے کسی کی آنکھ میں ہم نے
نہ ساقی میں نہ شیشے میں نہ صہبا میں نہ ساغر میں

وہی خم جس سے مے پیرِ مغاں بھر بھر کے دیتے ہیں
اسی خم کا سب پانی ہے واعظ حوضِ کوثر میں

پڑیں ہم فکر میں کیوں اُٹھائیں کس لیے احسان
وہی ہو کر رہے گا لکھ دیا ہے جو مقدر میں

جدھر اس کی نگاہِ لطف ہو جاتی ہے یہ دیکھا
نہ ہونا ہو تو وہ ہو جاتا ہے عالم ایک دم بھر میں

خدا سے ماجرائے دردِ ہجراں کہتے ڈرتا ہوں
شبِ غم کی درازی آ نہ جائے روزِ محشر میں

نہیں ہے فرق کچھ بھی تو وہ سن کر آہ کہتے ہیں
کسی کے نالہ و فریاد میں اور شورِ محشر میں

فرشتے وسعتِ دامانِ رحمت دیکھ کر بولے
ہمارے نام بھی لکھ دو گنہگاروں کے دفتر میں

بتوں کی دیکھنا شوخی حرم میں کچھ دنوں رہ کر
صنم خانے کے جلوے بھر گئے ایک ایک پتھر میں

وہ کھینچیں قتل کو ہم کو کیونکر بھول جاتے ہیں
ازل سے ربط ہے باہم گلو میں اور خنجر میں

خدا کے واسطے سائل کوئی یہ بھی طریقہ ہے
کبھی بت خانے میں رہنا کبھی اللہ کے گھر میں



لیلیٰ سے آپ بڑھ کے ہیں حسن و ناز میں
مجنوں سے ہم بھی کم نہیں عجز و نیاز میں

ٹپکے تھے دو ہی اشک تو میرے نماز میں
مسجد سے تا بخانہ گیا میں جہاز میں

کہتی ہے میرے رونے سے تنگ آ کے مردمک
گذری تمام عمر ہماری جہاز میں

تم کو قسم ہے ناز کی مجھ کو نہ چھیڑنا
ہوتا ہوں ہم کلام خدا سے نماز میں

پروانہ وار بزم میں جلنے سے فائدہ
تاثیر بھی تو چاہیے سوز و گداز میں

اے گریہ آسمان کی حالت تو دیکھ تو
گویا کہ ہیں سوار فرشتے جہاز میں

وہ دن گئے کہ رکھتے تھے تاثیر سب میں ہم
آہ و فغاں میں درد ہے سوز و گداز میں

میری شبِ فراق کی کیوں کر ہو انتہا
برسوں رہی ہے سایۂ زلفِ دراز میں

کیسا ستم کیا ہے یہ اُس بت کی یاد نے
بھولا ہوا کھڑا ہوں خدا کو نماز میں

مآئل خراب خانہ ہے توبہ کی فکر کیا
اس کو بیٹے آؤ کسی جانماز میں



بے اختیار گریہ جو آیا نماز میں — کیا اس نے گن لیا مجھے اہلِ نیاز میں
ملتی ہے سچ ہے راہِ حقیقت مجاز میں — آنے لگا خیال اُسی کا نماز میں
مجنوں سے تیز طبع تو پیدا نہیں ہوئے — طے کر گیا مقامِ حقیقت مجاز میں
محمود دیکھتے تجھے کس دل سے توڑتا — ہوتا جو سومنا تھ بھی کوئے ایاز میں
جلتا ہے واں چراغ تجلی سے طور کی — سُنتا ہوں اک مقام ہے ایسا حجاز میں
کہتے ہیں لوگ کعبہ کے در پر ہے جا پڑا — اور میں پڑا ہوں کوچۂ عالم نواز میں
تجھ سا بری جمال جو جب دل میں جلوہ گر — آئے تو پھر خیال کبھی کس کا نماز میں
رکھتی ہے ایسی بات خدا نے کہ کیا کہوں — حسن و جمال میں ترے انداز و ناز میں
جو خاکسار رہتے ہیں کوچہ میں یار کے — اُن کا ہی ہم خیال ہوں عجز و نیاز میں
دم بھر تو اُس کے سامنے یک ٹک پڑے رہو — گرنے دو آستیں سے بتوں کو نماز میں
دیکھو جدھر کو جلوۂ قدرت ہے آشکار — مخفی ہیں لاکھ راز ترے راز راز میں
مجھ کو تو اک نگاہِ کرم نے بنا دیا — قدرت بہت بڑی ہے مرے کارساز میں
ممکن نہیں ہے سامنے لب بھی ہلا سکوں — رہتے نہیں ہیں ہوش پڑھوں کیا نماز میں

ہم کس کو سجدہ کرتے ہیں مآئل خبر نہیں
مکہ حجاز میں ہے مدینہ حجاز میں



گویا کھڑے ہیں بارگہِ بے نیاز میں — رندانِ بادہ خوار کو دیکھو نماز میں
کیا لکھ دیا ہے نامۂ الفت طراز میں — پڑھتے ہیں اہلِ درد جو اُس کو نماز میں
کیوں کر اثر نہ ہو مرے سوز و گداز میں — برسوں رہا ہوں صحبتِ اہلِ نیاز میں
لے آؤ جبرئیل کہ تم بھی ہو بیقرار — میرے بھی دردِ دل کی دوا ہے حجاز میں

عیسٰی کو یا اجل کو بلا لائے دوڑ کر
اتنا بھی دم نہیں ہے مرے چارہ ساز میں

آفت ہے وہ مکان کہ آسیب جس میں ہو
رہتا نہیں ہے کوئی دلِ کینہ ساز میں

یارب بچا اس وقت کی ہو شاعروں پہ فرض
پاکیزہ ہاتھ آتے ہیں مضموں نماز میں

رہتے ہیں اُس کے سامنے عاشق شگفتہ دل
میرا نہیں ہے خندۂ بیجا نماز میں

مجھ پر ہے شمعِ بزمِ حسیناں کو ذوق کیا
میری بھی عمر کٹ گئی سوز و گداز میں

چاہِ ذقن ہے یار کا اور ہے جبینِ ناز
یہ دو ہیں انتخاب نشیب و فراز میں

ارض و سما کے بھید سے واقف ہی کون ہے
لاکھوں ہیں راز ان کے نشیب و فراز میں

ساقی کی چشمِ مست کو تسخیر کر لیا
پڑھ پڑھ کے روز سورۂ کوثر نماز میں

خوفِ خدا سے میں نہیں روتا ہوں زار زار
یاد آ گیا کسی کا ہنسنا نا نماز میں

سچ کہتے ہیں خیال ہے انساں کا راہبر
باتیں اُسی سے کرنے لگا میں نماز میں

پیرِ مغاں کی راہ پہ مائل چلے چلو
دنیا کے کیا پڑے ہو نشیب و فراز میں



کیوں کر خوشی سے جان نہ آ جائے لاش میں
جب تو ہو جلوہ ریز دلِ پاش پاش میں

دیوانہ وار پھرتے ہیں اُس کی تلاش میں
فکرِ مآل میں ہیں نہ فکرِ معاش میں

بھولا جو میں خدا کو ہوں فکرِ معاش میں
غم بھی ہے ساتھ خونِ جگر کی تلاش میں

سچ کہتے ہیں کہ عشق میں رہتی نہیں تمیز
پہنچا ہوں آسماں پہ بتوں کی تلاش میں

ہیں ساکنانِ کوچۂ جاناں ڈرے ڈرے
کیا فرق آ گیا ہے مری بود و باش میں

ایماں تو نذرِ گیسوئے خمدار کر چکا
کیا ڈھونڈتے ہیں آپ دلِ پاش پاش میں

اُس کی نگاہِ قہر کو ناصح بھلا دیا
کیا زہر ہے بھرا سخن دل خراش میں

واعظ کو کیا تمیز حرام و حلال کی
پی جائے گا شراب ملا کر وہ آش میں

یہ خنجرِ ستم کی ہے وہ تیغِ ناز کی
کرتے ہیں امتیاز کھڑے لاش لاش میں

خلقت مرید ہونے کو آتی ہے جوق جوق
وسعت ہو کیوں نہ شیخ تمھاری معاش میں

ہم اُس کی جستجو میں کدھر جائیں کیا کریں — دیر و حرم تو خود ہیں اُسی کی تلاش میں
ایسا لذیذ خربوزہ بھیجا ہے یار نے — شیریں کے بوسے کا ہے مزہ قاش قاش میں

مائل صنم کدہ ہے یہ بیت الحرم نہیں
تشریف آپ لائے ہیں کس کی تلاش میں[1]



چھوڑا نہیں ہے کچھ بھی ہمارے ہلاک میں — یارب یہ حسرتیں کہیں مل جائیں خاک میں
ہونے چلے ہیں آہ میں تاثیر کے سے رنگ — آتا چلا ہے فرق عدو کے تپاک میں
لطفِ جنوں بھی کچھ نہیں آتا کہ ضعف سے — اُلجھا ہوا ہے ہاتھ گریباں کے چاک میں
کم بخت چین ہی نہیں دیتا کسی طرح — اس دل کے ہاتھ سے تو مرا دم ہے ناک میں
شکوہ نہ آپ سے نہ شکایت فلک سے ہے — اپنے کو ہم نے آپ ملایا ہے خاک میں
پاتے نہیں جہان میں نام نشاط ہم — تو ڈھونڈتے ہیں وہ دلِ اندوہ ناک میں

مائل تجھے کچھ اور بھی ہے فکر یا نہیں
ظالم لگی ہوئی ہے اجل تیری تاک میں



ظالم رہا ہی کیا ہے ترے خستہ حال میں — الجھا ہوا ہے آپ ہی اپنے خیال میں
اپنی تو کیا اب اُن کی بھی پروا نہیں رہی — وہ بات آگئی ہے ہمارے خیال میں
ان مختن جانیوں میں کہاں تھا یہ حوصلہ — کاٹی شبِ فراق تمہارے خیال میں

---

[1] اس غزل کی وجہ تصنیف یہ ہے کہ حضرت مرزا مائل، خان بہادر احمد علیخاں صاحب ممبر محکمہ مُعتشمہ عالیہ کونسل صیغہ عدالت میں جے پور کے ندمائے خاص میں تھے روزانہ ان کی خدمت میں شام کو جایا کرتے تھے ایک روز جب دوپہر کا کھانا کھانے مرزا صاحب اپنے مکان پر بیٹھے تو خان بہادر کا آدمی ایک عمدہ خربوزہ لایا اور کہا کہ یہ تحفہ بھیجا ہے اور رسید منگوائی ہے مرزا صاحب نے فی البدیہہ آخری شعر بطور رسید لکھ کر دے دیا اور شام تک غزل پوری کرلی حسب معمول جب وہاں گئے تو سنا کر داد پائی ۱۲

بن بن کے جو بگڑ گئیں آنکھوں کے سامنے — وہ صورتیں اب آتی ہیں میرے خیال میں
کہتے ہیں اہلِ بزم ہے ان کو نہ چھیڑنا — جو محو ہو رہے ہیں کسی کے خیال میں
کچھ چیز ہو تو مانگیے احساں اٹھائیے — دونوں جہان آئیں کبھی اپنے خیال میں
ہیں نے جو کچھ کہا تو وہ کہتے ہیں خیر ہے — دیوانہ کی ہے بات نہ لانا خیال میں

دنیا و دیں کو چھوڑ کے آؤ تو کچھ دکھائیں
مائل پڑے ہوئے ہو عبث کس خیال میں



ہم لطف و قہر اٹھاتے رہے ایک حال میں — کیا محو ہو گئے ہیں جمال و جلال میں
شاعر شبِ فراق کو لائیں مثال میں — اتنا تو طول ہو شبِ عیشِ وصال میں
یاں اک نگہ میں رنگ دو عالم بدل گئے — واعظ پڑے ہوئے ہیں حرام و حلال میں
چہرے پہ اک بجا تو ہیں لاکھوں بناؤ ہیں — دیکھئے تمہاری شکل کوئی انفعال میں
واعظ کہاں شراب کہاں میکدہ کہاں — پکڑے گئے ہیں آپ کسی احتمال میں
پھر وہ ہی دلولے ہیں وہی تاک جھانک ہے — آتی چلی ہے جانِ دلِ خستہ حال میں
کچھ لطف تھا تو تازہ گرفتاریوں میں تھا — اب کیا دھرا ہوا ہے فراق و وصال میں

مائل تمہیں سنائیں گے اک اور بھی غزل
مضموں نئے نئے ہیں ہمارے خیال میں



یہ ناز یہ ادائیں یہ انداز جاں میں — اب کیا رہا ہے میرے دلِ پائمال میں
بھولے ہوئے ہیں رحمتِ پروردگار کو — واعظ پڑے ہوئے ہیں خیالِ مآل میں
ساقی کی چشمِ مست ہے گردش میں دیکھنا — آنے لگی بہار کئی بار سال میں
لائے زباں پہ نہ کبھی شکوۂ فلک — ابرو کی کوئی طرز نکلتی ہلال میں

ہاں جانتے ہیں حضرت تسلیم[1] کا ہے فیض
لاتا نہیں کسی کو جو مائل خیال میں

[1] ابو البیان مولانا حافظ محمد سلیم الدین تسلیم نارنولی ۱۲

جگہ کی اس کے قامت نے درو دیوار کے دل میں — قیامت سر کے بل کیونکر نہ آئے کوئے قاتل میں

لطافت اور نزاکت کا بتوں کی پوچھنا کیا ہے — کھٹکا کرتی ہے آنکھوں میں رہا کرتی ہے یہ دل میں

خدا ہی یار ہے اے رہروِ ملکِ عدم تیرا — ہزاروں مشکلیں پیش آئیں گی پہلی ہی منزل میں

کیا ترکِ ستم اس نے اسے انصاف کہتے ہیں — نہ پایا جب کوئی نقصان میرے عشق کامل میں

بتاؤ حضرتِ ناصح کوئی ملتا ہو گر اس سے — ادائیں ناز میں انداز میں شکل و شمائل میں

پسند آیا ہے جب سے گوشۂ تنہائی کا عالم — نہ دل لگتا ہے گلشن میں نہ لطف آتا ہے محفل میں

ان آنکھوں سے ہزاروں انقلابِ دہر دیکھے ہیں — خدا ہی کام آتا ہے اگر آتا ہے مشکل میں

تماشا اور کبھی دیکھوں کہاں جاتے ہو مقتل میں — ابھی تو جان باقی ہے تنِ مجروحِ بسمل میں

جنوں میں عاقلانہ کام مجنوں نے کیا کیسا — بٹھا کر کھینچ لایا جذب سے لیلیٰ کو محمل میں

بنا شوقِ شہادت کی جہاں میں ہم نے ڈالی ہے — ازل سے سر جھکا ہے آرزوئے تیغِ قاتل میں

امامِ خانۂ کعبہ بناتے ہم تو لے جا کر
نہ ہوتی خوئے میخواری جو اس کم بخت مائل میں



نظر آتا ہے خدائی کا تماشا دل میں — جلوہ افروز ہے کس کا رخِ زیبا دل میں

شکوۂ ہجر، غمِ رشک، تمنائے وصال — کیا کہیں تم سے کبھرے بیٹھے ہیں کیا کیا دل میں

یہ نگاہِ غلط انداز کہے دیتی ہے — کہ رہی وصل میں بھی دل کی تمنا دل میں

ایک جلوہ میں ہوئی صبحِ قیامت کی نمود — ہائے ارمان مرے رہ گئے کیا کیا دل میں

مجھ سے کہتا ہے ستمگار غضب تو دیکھو — کون ہے جس کے نہ ہو خوف خدا کا دل میں

شکوۂ وعدہ خلافی پہ کہا سچ تو کہو — کیا تصور بھی مرا شب کو نہیں تھا دل میں

غیر کے واسطے بے وجہ نہیں آرائش — ہاں وہاں اور بھی موجود ہے تم سا دل میں

رنگ پر آ گئی گر آپ کے حسرت مائل
دونوں عالم کا دکھا دے گی تماشا دل میں



کوئی سمجھے بھی تو کیوں کر انھیں اچھا دل میں
جن کے آتا ہی نہیں خوف خدا کا دل میں

یہ دعا کرتے ہیں میخوار خدایا دل میں
اپنی قدرت سے بنا چشمۂ صہبا دل میں

بت تو کیا چیز ہیں بت خانہ اگر ٹوٹ پڑے
نہ رہے ہم کو خدا پھر بھی بھروسا دل میں

خاک حسرت ہے بھری خونِ تمنا ہے بھرا
عمر بھر یہ ہی بھرا اور بھرا کیا دل میں

اُن کے رتبہ کی ہے کیا بات جگہ دیتی ہے
شیخ صاحب کو تو نیرنگیِ دنیا دل میں

میں جو جاتا ہوں تو کہتے ہیں مرے گھر نہ آؤ
خود چلے آتے ہیں دیے کو دلاسا دل میں

جب مرض کو نہیں سمجھے تو دوا کیا دیں گے
منفعل ہیں ترے بیمار سے عیسٰی دل میں

کچھ نہ کچھ آج مری روح کو صدمہ پہنچا
کون ہے اور جو کہتا ہے خدایا دل میں

آمد و شد یہ نفس کی تو نہیں ہے خالی
موت کرتی ہے تقاضے پہ تقاضا دل میں

اب وہ ہم ہیں نہ جوانی نہ وہ دل ہے نہ دماغ
اب خیال آئے تو کیا آئے کسی کا دل میں

تم جو آجاؤ دکھا دیں گے تمھارا نقشہ
کھینچ لیتے ہیں تصور سے سراپا دل میں

حضرت پیر مغاں کی ہے وہ صحبت مائل
کہ کھڑا بھی نہیں رہتا غمِ دنیا دل میں

○

جانتا ہوں جو وہ آجائے دل آرا دل میں
نظر آجائے خدائی کا تماشا دل میں

وہ بھلوں کو تو خدا جانے سمجھتے کیا ہیں
جو بُروں کو بھی سمجھتے رہیں اچھا دل میں

پی جو لیتے ہیں کبھی پیر مغاں کی جھوٹی
دیکھ لیتے ہیں دو عالم کا تماشا دل میں

ہم کو دیکھو کہ زمانہ کو ہے دیکھا ہم نے
ہم سے پوچھو کہ بھرے بیٹھے ہیں کیا کیا دل میں

خون ہو جاؤ گے تم حسرت و ارماں اک دن
خاک ہو جائیگی تو دل کی تمنا دل میں

ایک وہ ہیں کہ دو عالم سے ہیں بچ کر نکلے
ایک ہم ہیں کہ لیے پھرتے ہیں دنیا دل میں

ہم اثر گریہ و زاری ہیں کہاں سے لائیں
ہم تو رکھتے ہی نہیں خوف خدا کا دل میں

وہ پڑھا کرتے ہیں دیوانِ جناب مائل
درد رکھتے ہیں جو معشوق ذرا سا دل میں

○

یوں تجلی ہے ترے رخ کی مری جان دل میں
جیسے اصحاب کے تھا جلوۂ ایماں دل میں

نہ الجھ دستِ جنوں ہے یہ رگِ جان دل میں
تجھ کو سودا ہے کہاں تارِ گریباں دل میں

قتل بے قتل ہوئے حسرت و ارماں دل میں
کر لیے پھرتے ہیں ہم گنجِ شہیداں دل میں

جب جھکائی ہے ذرا جوشِ جنوں میں گردن
نظر آئے ہیں بیاباں ہی بیاباں دل میں

کیا نظر سوئے عدو تھی دمِ ناوک فگنی
کہ کھٹکتا ہے ترے تیر کا پیکاں دل میں

نہ ہوئی آہ جو برہم کنِ عالم نہ سہی
اور رکھتے ہیں بہت حشر کے ساماں دل میں

کبھی اُس کی نہ سنی ہے نہ سنیں گے ہرگز
کیا سمجھتا ہے ہمیں ناصحِ ناداں دل میں

جب تصور سے انھیں لا کے بٹھا دیتے ہیں
کیا بنا سکتے نہیں کوچۂ جاناں دل میں

وہ کبھی کہتے ہی رہے آج ہم آئیں گے ضرور
ہم کبھی کرتے ہی رہے عیش کا ساماں دل میں

کیوں نہ وحشت کا رہے جوش کہ بکھری بکھری
نظر آتی ہے تری زلفِ پریشاں دل میں

ہم کو چھیڑو نہ خدا کے لیے بس جانے دو
کہ بھرے بیٹھے ہیں ہم نوح کا طوفاں دل میں

وہ تو اک باغ تری راہگذر کا نکلا
ہم سمجھتے تھے جسے روضۂ رضواں دل میں

شیخ کو جامِ مئے ناب پلاتے کیوں کر
جان لیتے ہیں ہر انسان کو انساں دل میں

کلمہ کیسے بتوں کا نہ بھروں اے واعظ
کفر بھی کر بیٹھے ہیں یہ دشمنِ ایماں دل میں

تم کہو یا نہ کہو شکل کہے دیتی ہے
کہ بہت غیر سے ہو مل کے پشیماں دل میں

یاد ہے تیری کچھ ایسی ہی زمانہ کو عزیز
کہ اسے رکھتے ہیں سب گبر و مسلماں دل میں

اسے غیرت نہیں ہوتی نہیں ہوتی ہرگز
کیا سمجھتا ہے خدا جانے یہ انساں دل میں

ایک وہ ہیں کہ رہی کوئی نہ حسرت باقی
ایک ہم ہیں کہ بھرے بیٹھے ہیں ارماں دل میں

کیا خوشی ہے کہ شبِ وصل جہاں کے اوّل
بے بلائے کبھی چلے آتے ہیں مہماں دل میں

کیا ہی مکار ہے مائلؔ کہ خدا اُس سے بچائے
نہ تو ظاہر میں ہے کافر نہ مسلماں دل میں

○

مجھے سمجھے ہیں کچھ اپنے گماں میں
وہ ہیں سرگرم میرے امتحاں میں

غضب ہے ٹوٹ کر گرتی ہے بجلی دھرا کیا ہے ہمارے آشیاں میں
نہ آئے وہ شبِ وعدہ نہ آئے وہی نکلا جو تھا میرے گماں میں
وہی تیری طرح جلتا ہے بے راہ سمائی کیا داغِ آسماں میں
تم اتنے مضطرب کیوں رات کو تھے اثر تو کچھ نہیں میری فغاں میں

مری وحشت سے مائل کہتے ہیں لوگ
کہ ہے کچھ طرزِ مجنوں اس جواں میں



خیالِ میکدہ بھولوں تو کیونکر باغِ رضواں میں نہ وہ عشرت ہے عشرت میں نہ وہ ساماں ہے ساماں میں
صبا ہو کر نکلتی ہے تری زلفِ پریشاں میں خلل کیونکر نہ پڑ جائے دماغِ اہلِ ایماں میں
وہ صورت ہو کہ جیسے قطرہ ڈالیں موجِ طوفاں میں ملا دوں روزِ محشر کو جو اپنے روزِ ہجراں میں
دبا جاؤں نہ کیونکر ساقیِ کوثر کے احساں میں کہ میری آبرو ہے روز افزوں بزمِ رنداں میں
کیا ہے چارہ سازوں نے اگرچہ بند زنداں میں مرے دل میں بیاباں ہے مرا دل ہے بیاباں میں
گزر ہونا بہت دشوار ہے اب بزمِ جاناں میں کھٹکتی ہے ہماری خاکساری چشمِ درباں میں
اُلجھتا ہی رہا ظالم ہر اک تارِ گریباں میں نہ اُلجھا پر نہ اُلجھا ناخنِ وحشت رگِ جاں میں
نہ کرتی پھر خضر شرمندہ ناکامی سکندر کی اگر اس زندگی سے ڈوب جاتے آبِ حیواں میں
نہ میں قابو میں دل کے ہوں نہ دل قابو میں میرے ہے عجب عالم نظر آیا تری زلفِ پریشاں میں
الٰہی جلد دنیا سے اٹھا شیخ و برہمن کو کہ ان دونوں نے ڈالی ہے دوئی گبر و مسلماں میں
سمجھ لو دل کسی کا توڑنا اچھا نہیں ہوتا کہ ڈالا اس خطا نے حضرتِ یعقوب کو زنداں میں
اثر کی جستجو ہی کیا زلیخا تجھ کو وحشت میں ملا دے گرمیِ بازار یوسف آہِ سوزاں میں
غضب کی ہر در و دیوار پر وحشت برستی ہے الٰہی گھر میں بیٹھا ہوں کہ بیٹھا ہوں بیاباں میں
فلک کو دشمنی ہے وہ بہائے خون دشمن کا ہماری خاک مل جائے جو خاکِ کوئے جاناں میں
ہمیں اب یاد آیا فتنۂ محشر کو جو دیکھا وہی نالے ہیں جو کھینچے تھے ہم نے دردِ ہجراں میں
تو ہی ہے رنگ و بوئے گل تو ہی ہے نالۂ بلبل سوا تیرے دھرا کیا ہے خدائی کے دل و جاں میں
عدو کو جام مے دے کر وہ کافر مجھ سے کہتا ہے کہ لکھ رکھیں گے یہ مضمون شاعر اپنے دیواں میں
چمن میں ذکر کیا کیجے کہ گل فرمائے جاتے ہیں بڑے ہیں کیسے کیسے نازنیں گورِ غریباں میں

مئے صافی ہے اک خم کی جہاں جا ہو مجو د اعلا
یہی ہے بزمِ رنداں میں یہی ہے جامِ عرفاں میں

کرشمے سے کرشمے ہیں نہیں اک جا قرار اس کو
ابھی تھا نور سر تا سر ابھی ہے شکلِ انساں میں

تمھیں سمجھا ہے کس دن ہم نے سچا قول کا پورا
پڑے ہو کس لیے فکرِ شکستِ عہد و پیماں میں

کیا مجروح سینہ کو مگر دل میں جگہ کر لی
کہاں سے خلق ایسا آ گیا ہے تیرے پیکاں میں

لگا کر تیغ قاتل اقربا سے میرے کہتا ہے
اسے بھی دفن کر دینا کسی گنجِ شہیداں میں

کچھ اپنی آپ ہی بکتا رہا بیٹھا ہوا ناصح
رہا الجھا ہوا میں تو خیالِ زلفِ پیچاں میں

حرم میں واعظ کا کہنا تو کسرِ شانِ مائل ہے
کہ ہم نے آبرو دیکھی ہے اس کی بزمِ رنداں میں



زباں رکھتا ہو گویا جو دہن میں
وہ کیوں خاموش بیٹھے انجمن میں

فدا پروانہ تجھ پر انجمن میں
شہیدِ ناز تیرا گل چمن میں

ابھی تو بیٹھے ہیں وہ انجمن میں
کھلے جاتے ہیں غنچے کیوں چمن میں

گئے کیا وہ عدو کی انجمن میں
بھڑک اٹھے جو شعلے تن بدن میں

کہاں سے آئے کیفیت سخن میں
کوئی بھی زندہ دل ہے انجمن میں

نہ آنا وہ فریبِ پیرزن میں
خلل تھا پر دماغِ کوہکن میں

نہ لے جاؤ مجھے یارو چمن میں
کہیں بہلا ہے دل رنج و محن میں

کہاں اس کی لطافت یاسمن میں
نظر آتی ہے پھرتی روح تن میں

کہاں ملتا یہ لطفِ تلخ کامی
جو ہوتی جانِ شیریں کوہکن میں

فلک نے مجھ کو اس قابل نہ رکھا
کہ ڈالوں خاک چشمِ راہزن میں

بہت مشکل ہے کیا اے آہِ سوزاں
لگانا آگ کا چرخِ کہن میں

تجھے اے بےکسی لاؤں کہاں سے
بہت تو یاد آتی ہے وطن میں

بُرا ہوتا ہے پیری کا زمانہ
رہی گردش نہ وہ چرخِ کہن میں

خبر دی تو نے آ کر کیسی قاصد
لگا دی آگ سارے تن بدن میں

مثالِ بوئے گل ہیں اڑتے پھرتے
ہمارا دور دورہ ہے چمن میں

شہو جو اس کی رحمت کی نظر کا
نہیں اک تار بھی ایسا کفن میں

نکلتے پھر نہ یوسف تاقیامت
جو گر جاتے کسی چاہِ ذقن میں

گلاب و عطر و کافور آرہا ہے
تکلف اس قدر گور و کفن میں

کہاں یہ ہوش بلبل کو جو سمجھے
یہ ہیں گلکاریاں کس کی چمن میں

پئے گلگشت نکلا ہے وہ گل رو
بہار آنے کو ہے گویا چمن میں

کتابیں کرتے ہیں دن رات تصنیف
جنابِ شیخ مکاری کے فن میں

جنابِ قیس سے پوچھو تو کوئی
نکالا کام کیا دیوانہ پن میں

لیا مجنوں نے جو لینے کا حق تھا
محبت کا مزہ دیوانہ پن میں

عجب کیا شمع تیرے گرم آنسو
لگا دیں آگ پانی کے لگن میں

کرو باتیں بس پردہ ہی مجھ سے
زباں دیکھو کہ گویا ہے دہن میں

امیدیں کیوں نہ ٹوٹیں اس نے رکھا
دلِ مضطر کو زلفِ پر شکن میں

نہ چھوڑیں گے کسی کا بھی دل ڈویں
کرشمے ہیں وہ چشمِ سحر فن میں

فشارِ قبر سے بچنے کو رکھ لوں
اِدھر شیشہ اُدھر ساغر کفن میں

کھلے مجھ پہ یہاں تک سترِ مخفی
کمر بھی مل گئی فکرِ دہن میں

نہ کیوں دلکش ہو شانِ کجکلاہی
کہ یہ داخل ہے اس کے بانکپن میں

زباں میں ہوں نہ جب تک منہ کے کانٹے
بیاں کیوں کر ہو غربت کا وطن میں

جو تیرے پیرہن کو سونگھ لیتے
سماتے پھر نہ یوسف پیرہن میں

پسینے سے جو تیرے آئی خوشبو
نہ وہ گل میں نہ وہ مشکِ ختن میں

کچھ ایسا جرم تھا کہنا انا الحق
کہ لٹکا ہی دیا دار و رسن میں

ترا اے شاخِ گل ایک ایک کانٹا
کھٹکتا ہے دلِ چرخِ کہن میں

بسر کی یوں کہ کہہ سکتے نہیں ہم
سفر میں عمر گزری یا وطن میں

اُٹھاؤ گے مجھے محشر بنا کر
کہ عطرِ فتنہ ملتے ہو کفن میں

بنایا اک نیا جب توبہ توڑی
بہت ہیں میکدے میرے وطن میں

ابھی ہے اک مصیبت اور باقی
بیاں کرنا ہے غربت کا وطن میں

ہمیں معلوم ہے کعبہ سے مائلؔ
اُڑاتے خاک آئے ہو وطن میں



قافیہ بند

بہار آتی ہے یہ کہتی چمن میں
نہ ہو یا رب وہ گل رُو انجمن میں

کبھی ہے وہ گلِ رعنا چمن میں
کبھی ہے شمع سیما انجمن میں

ترے جلوے نظر آئے چمن میں
تجھے دیکھا جو دیکھا انجمن میں

جہاں ہوں جلوہ فرما حضرتِ عشق
خوشی کا کام کیا اُس انجمن میں

بنایا اس طرح دشمن کو میرے
بھڑک اُٹھا وہ کافر انجمن میں

مری تصویر کیوں دیکھی بس اس پہ
بگڑ بیٹھا وہ مجھ سے انجمن میں

اُلٹ کر پردہ روئے آتشیں سے
لگا دی آگ تو نے انجمن میں

خراب آباد رہتے دونوں عالم
نہ تو ہوتا جو ساقی انجمن میں

نہ جائیں گے بغیر اُن کی اجازت
نہ آئے بے بلائے انجمن میں

غضب کی شے ہے شوقِ خود نمائی
تجھے خلوت سے لایا انجمن میں

نگاہِ مست کس پہ جا پڑی ہے
سُنو تو کیا ہے چرچا انجمن میں

خدا جانے کہ کس کس کو بلا کر
اُٹھائے تو نے فتنے انجمن میں

نہ آنے پائے وہم غیر تک بھی
بلاتے ہو جو مجھ کو انجمن میں

وہ دیکھیں اور دیکھیں اپنی زلفیں
وہ آئیں اور آئیں، انجمن میں

اُڑے گی صبح کو پروانے کی خاک
یہ چرچے ہو رہے ہیں انجمن میں

فدائی ایک پروانہ ہے اے شمع
تماشائی ہیں لاکھوں انجمن میں

قیامت توڑیں گے کیا کیا نہ افلاک
بٹھا دیکھیں وہ مجھ کو انجمن میں

بگاڑ دو بات دشمن کی لگا دو
مری تصویر اس کی انجمن میں

نہ دیکھا چشمِ موسٰی نے سرِ طور
وہ جلوہ دیکھتا ہوں انجمن میں

ادھر حوریں اُدھر غلماں کھڑے ہیں — یہ تربت میں ہوں یا ہوں انجمن میں
مجھے وہ بھی ہیں اس کی داد دیتے — سنبھالا خوب دل کو انجمن میں
وہی جلتی ہے جس کی روشنی ہے — نیا دیکھا تماشا انجمن میں
نہ ہو جائے کہیں صبحِ قیامت — خراماں آ رہے ہیں انجمن میں
نہ اتنا مست ہو واعظ کہ اُچھلے — یہ دستارِ مبارک انجمن میں
مبارکباد دو ناصح کہ آیا — ہمارا ذکر اس کی انجمن میں
نہ آئے جذبِ دل تجھ سے تو کہنا — بچھا رکھی ہیں آنکھیں انجمن میں
یہ ذکرِ خیر کس کا ہو رہا ہے — کہ ہے کچھ اور عالم انجمن میں
ابھی اُن کی سواری کا پتہ کیا — ملائک آ رہے ہیں انجمن میں
ادھر میں ہوں اُدھر ہے شمع گریاں — کہیں طوفاں نہ اُٹھے انجمن میں
نہ ہوتی خاک پروانہ کی برباد — نہ تھا اتنا کبھی کوئی انجمن میں
عجب کیا وہ بٹھالیں پاس اپنے — بدل کر بھیس جاؤں انجمن میں
ترے اے شمع دو آنسو تو پونچھے — نہیں دلسوز اتنا انجمن میں
اگر آ جائے وہ رشکِ مسیحا — تو جان آ جائے ساری انجمن میں
مرا ماتم خانۂ دل ہوتے تو نے — گزاری عمر ساری انجمن میں
ہوئے بیباک اب ایسے چلے آئے — جنابِ شیخ صاحب انجمن میں
نظر آنے لگے آتے ہی اس کے — تماشائے دو عالم انجمن میں
خدا جانے کہ کیا شہرت ہوئی ہے — چلی آتی ہے خلقت انجمن میں
پلائی خوب ساقی نے مجھے آج — بٹھا کر پاس اپنے انجمن میں
یہ ہے کس فتنہ گر کی آمد آمد — کہ برپا ہے قیامت انجمن میں
خوشی سے کہہ رہا ہوں ہر کسی سے — بٹھایا اس نے مجھ کو انجمن میں
سحر ہونے کو آئی بھی تو کیا ہے — وہی رنگینیاں ہیں انجمن میں
اسے کہتے ہیں شانِ کبریائی — کہ میں بیٹھا ہوں کس کی انجمن میں

غلط فہمی سے خلوت میں جو چھیڑا وہ جا بیٹھے بگڑ کر انجمن میں
وہ آیا سرو قامت کس ادا سے اُٹھا شورِ قیامت انجمن میں
نظر آتی ہے رونق تیرے دم سے نظر پڑتی ہے تجھ پر انجمن میں
خیال آتا ہے جب دل میں سحر کا ٹپک پڑتے ہیں آنسو انجمن میں
دکھا آئیں انھیں ہم طاقتِ ضبط چلو، ہو آئیں دم بھر انجمن میں
کوئی پوچھے کہ کیوں آئے ہیں واعظ جو شرماتے ہیں پینے انجمن میں
رہا سنتے ہیں اتنا ہوش باقی کہ ان پر جا گرا میں انجمن میں
نگہ کے اٹھ گئے جتنے تھے پردے نظر پڑتے ہی اُن پر انجمن میں
دلِ پُر داغِ عاشق کو وہ سمجھا کہ گلدستہ دھرا ہے انجمن میں
تجھے ہمرازِ خلوت اس کا پایا تجھے مختار دیکھا انجمن میں
چھپاؤں کس طرح رازِ محبت نگاہیں لڑ رہی ہیں انجمن میں
بنی ہے شمع جلووں سے تمھارے جوابِ شعلۂ طور انجمن میں
دل و دیں کا بہت مشکل ہے بچنا تمھاری شوخیوں سے انجمن میں
تھیں میں مجھ کو خلقت دیکھتی ہے تماشا بن گیا ہوں انجمن میں
قیامت کیوں نہیں آتی عدو سے وہ شکوے کر رہے ہیں انجمن میں
چلی آتی ہے جو خلقت، کوئی ہے تماشا گاہِ عالم انجمن میں
ذرا پوچھو دلِ اہلِ نظر سے کہ کیا بنتی ہے اُن پر انجمن میں
نہیں رکھتے جو قابو دل پہ اپنے بڑی مشکل ہے ان کو انجمن میں
مری قسمت میں جلنا تھا جو لکھا گیا پروانہ بن کر انجمن میں
بھرا بیٹھا ہوں میں کیا جانے کیا ہو نہ چھیڑیں آپ مجھ کو انجمن میں
اُٹھو اب تو کہ لینے کو تمھارے بہار آئی چمن سے انجمن میں
مٹاتا ہے فلک یوں رفتہ رفتہ نہ تھا کچھ بھی سحر تک انجمن میں
بنے حسرت کدہ گر لاکے رکھ دو ہماری شمعِ تربت انجمن میں

سُنا ہے ہم نے یہ روشن دلوں سے | خدائی کر گیا وہ انجمن میں
مجھے بھی کیا کوئی پروانہ سمجھا | کہ ہوں قربان تجھ پر انجمن میں
یہ میں نے آزمایا ہے کئی بار | بگڑ جاتی ہے قسمت انجمن میں
چلو اچھا ہوا واعظ نہ آئے | بکھرتا خونِ توبہ انجمن میں
نہ رہنے دے گی گھر میں جانِ مضطر | نہ ٹکنے دے گی وحشت انجمن میں
پیے گے جب تو واعظ گر چھلکتا | دکھا دوں حوضِ کوثر انجمن میں
خبر اُس کو نہ ہو یا رب کہ مجھ پر | نظر پڑنے لگی ہے انجمن میں
انا الحق گو کا پھر کیا کوئی کرتا | جو آجاتا تمھاری انجمن میں
تری ہی یاد ہے ہر دل کے اندر | ترا ہی ذکر ہے ہر انجمن میں
غضب ہے شعلۂ آوازِ بلبل | چمن سے آ لگی آگ انجمن میں
عجب کیا ہے یہی ہو قطبِ جرمن[ل] | کہ واعظ فتنہ گر ہے انجمن میں
نیازِ ساقیِ کوثر دلاؤں | جو وہ دلبر ہو ساقی انجمن میں
خدا جانے کہ جا پہنچے کہاں ہم | قدم رکھتے ہی ان کی انجمن میں
توقع کیا ہو اُن سے اہلِ دنیا | ہوا کو دیکھتے ہیں انجمن میں
اثر ہوتا چلا ہے سوزِ غم کا | ہوا بندھتی چلی ہے انجمن میں
مری قسمت کا ہے تیری نظر پر | بگڑنا اور بننا انجمن میں
نہ پوچھو آہ پروانے نے جل کر | دیا ہے داغ کیسا انجمن میں
ذرا حاصل ہوا اطمینانِ خاطر | جہاں بیٹھو وہاں ہو انجمن میں
نہ ہوگا کم کبھی اندوہ غم کا | اگر ہم جا بھی بیٹھیں انجمن میں
کہاں کھوئی ہے تم نے عمر واعظ | نہ آیا بیٹھنا بھی انجمن میں
کیے یاں تک اشارے پر اشارے | چلی تلوار آخر انجمن میں
ہوئے کن مشکلوں سے شیخ صاحب | غریقِ موجِ صہبا انجمن میں

ل یہ غزل ۱۹۱۴ء کی تصنیف ہے جب جرمنی اور برطانیہ میں جنگِ عظیم کے شعلے بھڑک رہے تھے ۱۲

گرے پڑتے ہیں مستی میں اک اک پر — قیامت ڈھا رہے ہیں انجمن میں
الٰہی خیر، مجھ کو دیکھتے ہی — سنبھل بیٹھا وہ کافر انجمن میں
ابھی کچھ تھا ابھی کچھ ہے سحر تک — نہیں معلوم کیا ہو انجمن میں
نشستِ خانقہ ہے اور واعظ — ادب سے بیٹھیے گا انجمن میں
اجازت دے جو ساقی ہوں بیتاب — لگالوں منہ سے خم کو انجمن میں
حقیقت سے مری بلبل ہے واقف — چمن دل میں ہے گو ہوں انجمن میں
جلانے کو ہمارے اس نے کیا کیا — نئے پہلو نکالے انجمن میں
مری توبہ بھی ہے مستانہ کوئی — کہ ساقی پر ہے قرباں انجمن میں
ہزاروں کوس پر گرتی ہے بجلی — قدم رکھنا ہے مشکل انجمن میں
اشارے اور تری ترچھی نظر کے — قیامت کیوں نہ آئے انجمن میں
مری توبہ کی قسمت کی ہے گردش — نہیں ہے دورِ ساغر انجمن میں
نگاہِ یار کی کہتی ہے شوخی — رہے تلوار چل کر انجمن میں
ابھی ہونے لگے گا رقصِ بسمل — جو آ جائے وہ کافر انجمن میں
کھنچا بے ساختہ نالہ تو بولے — خدا لائے نہ تم کو انجمن میں
تڑپ جائیں گی پروانوں کی روحیں — نقاب الٹی جو تم نے انجمن میں

اثر توبہ کا باقی ہے کہ مائل
بچھا دیں جا نمازیں انجمن میں[1]



پیا ہے شیخ تو نے آبِ حیواں بادہ خواروں میں
کہ خضرِ وقت کہتے ہیں تجھے پرہیزگاروں میں

---

[1] یہ غزلیات مشاعرہ منعقدہ جے پور کی ہیں جو سنہ ۱۹۱۱ء کے وسط میں بہ محلہ بساطیان قاضی جی کے چوک میں ہوا تھا۔ مصرع طرح تھا: ”ہمارا کام کیا اس انجمن میں“ ۱۲

یہ مانا حضرتِ ایوب ہیں غمخوار یاروں میں
کہیں کیا داستانِ صبر ہم سے بیقراروں میں

کچھ اُن کی خاک ہے اگلے زمانے کے مزاروں میں
محبت اب نہ اپنوں میں مروّت اب نہ یاروں میں

کہاں ہے اب کدھر ہے دورِ ساغر بادہ خواروں میں
گئے وہ دن کہ فصلِ گل بھی تھی اپنی بہاروں میں

مرا سینہ تو داغوں سے ترے غم کی نشانی ہے
مرا چاکِ گریباں ہے جنوں کی یادگاروں میں

فرشتے اپنی کہتے ہیں مجھے تربت میں یہ غم ہے
نہ آ بیٹھا ہو اُن کے ساتھ دشمن سوگواروں میں

کبھی کہدے وہ آتے ہیں کبھی کہدے وہ آئے ہیں
نہیں ہے کوئی اتنا بھی ہمارے غمگساروں میں

نہیں ہے تاب اتنی بھی دلِ بیتاب کو میرے
کہ سن لے نام بجلی کا تمہارے بیقراروں میں

نکلتی کس طرح حسرت سرِ شوریدہ کی میرے
نہ پایا ایک بھی پتھر بتوں کی رہگذاروں میں

جلال آتا ہے جب میرے دلِ سوزاں کی آہوں کو
اُڑا کرتے ہیں دوزخ سے تو گنتے ہی شراروں میں

مریضانِ محبت کو شفا ہوتی نہیں ممکن
دمِ عیسیٰ سے لاکھوں ہوں اگر تیمارداروں میں

کوئی آکر یہ کہہ دیتا، وہ آتے ہیں نہ مرنا ہیں
نہ تھی کیا عقل اتنی بھی مرے غمخوار یاروں میں

اثر کرتی نہیں مجھ پر تو کیسی ہی بہار آئے
ہوا ہوں جب سے اے مائلؔ خزاں کے رازداروں میں



جو چیدہ لوگ ہیں دنیا میں اس کے رازداروں میں
ملا کرتے ہیں اکثر وہ بتوں کی رہگذاروں میں

سمجھ لے گا مرے دل کی کتابوں میں اشاروں میں
کہ حسن و عشق دونوں ہیں اُسی کے رازداروں میں

یہ کیا کم ہے ترا اعزاز واعظ بادہ خواروں میں
سمجھتے ہیں تجھے پیرِ مغاں کے خاکساروں میں

ادھر آیا اُدھر بخشا بھلا پھر ہو تو کیونکر ہو
امید و یاس کا جھگڑا ترے امیدواروں میں

میسر آبِ پیکاں جب نہیں آیا تو تنگ آکر
مرے ارماں تیمم کر گئے دل کے غباروں میں

نگاہِ ناز سے کہہ دو نہ تیغ و تیر برسائے
نہیں ہے جان اتنی اب تمہارے دلفگاروں میں

خیالِ یار میں مجنوں اُڑاتا خاک کا کیسا
مگر تو ڈھونڈھتا پھرتا ہے لیلیٰ کو مزاروں میں

ترے قامت کے فتنوں میں ملی ہوگی قیامت بھی
چھپا ہوگا کہیں محشر بھی ہم آفت کے ماروں میں

نہ کیونکر غم کی صورت ہوں مرا دل مر گیا جب سے
جگر بھی جان بھی دونوں ہیں اُس کے سوگواروں میں

وہی ہے کیا خدا کا گھر اسی کو کعبہ کہتے ہیں
جہاں ہم چھوڑ کر آئے ہیں توبہ یادگاروں میں

انھیں پر برق گرتی ہے انھیں کے ہوش اڑتے ہیں
جو اپنے آپ کو سمجھے ہوئے ہیں ہوشیاروں میں

ترے ناوک کا اک پیکاں مرا دل عالمِ ارماں
تسلی دے تو کس کس کو ہزاروں سوگواروں میں

قسم ہے چشمِ ساقی کی جیسا رند سائل ہے
نہ دیکھا ایک بھی ایسا ہزاروں بادہ خواروں میں



یہ کہہ کر کھینچتے ہیں تیغ ابرو دل فگاروں میں
کوئی آسان ہے تلوار کر لینا ہزاروں میں

کچھ ایسا کہہ دیا بارانِ رحمت نے اشاروں میں
مری توبہ لیے جاتی ہے مجھ کو بادہ خواروں میں

مرے گلرو کی فصلِ گل بلائیں لے کے کہتی ہے
بہارِ بے خزاں تو ہے دو عالم کی بہاروں میں

جہاں جاتے ہیں اُن کا بحرِ رحمت ساتھ ہوتا ہے
اثر اتنا تو دیکھا ہے تمھارے اشکباروں میں

بنائے فرقتِ جاناں انھیں لوگوں نے ڈالی ہے
دلِ شیدا نہ بیٹھا کر کبھی غفلت شعاروں میں

مجازی کیا، حقیقی کیا وہی ہے آتشِ الفت
بتوں کے بیقراروں میں خدا کے بیقراروں میں

یہاں تک روئیں میدانِ قیامت بحرِ رحمت تھا
مری آنکھوں نے رکھ لی بات میری شرمساروں میں

ترے کوچے میں ہونے سے ترے قدموں میں پڑنے سے
الگ معلوم ہوتا ہے غبار اپنا غباروں میں

بخطِ نور لکھا ہے مئے عرفاں کے ساغر پر
رہا جو بادہ خواروں میں اٹھا ایمانداروں میں

نسیمِ صبح گوشِ گل میں یوں کچھ آ کے کہتی ہے
کہ جیسے کوئی ہوتا ہے کسی کے رازداروں میں

قیامت میں وہ تیرے کشتۂ تیغِ ادا ٹھہرے
سمجھتے ہیں جنہیں تیغِ ستم کی یادگاروں میں

یقیں جانو خضر آبِ بقا دھوکے کا چشمہ ہے
ہر اک شے عالمِ فانی کی ہے بے اعتباروں میں

خدا کے گھر کا رستہ پوچھتے پھرتے ہو اب مائل
لٹا کر دین و دنیا کو بتوں کی رہگذاروں میں



بازاروں میں کوچوں میں محلوں میں گھروں میں
مشہور ہوئے ہم ترے شوریدہ سروں میں

ہُدہُد تو سلیماں کے ہیں پیغامبروں میں
ناصح سے سمجھ اچھی ہے سب جانوروں میں

سایہ نے ترے لطف و کرم کے اسے پالا
کیونکر نہ ہما یوں ہو ہما جانوروں میں

پیتے نہیں واعظ تو انھیں نوش ہی کیجیے
انگور تو میخانے کے رکھے ہیں دروں میں

ہر لختِ جگر صورتِ مکتوب ہے گویا
ہر اشک رواں ہے مرے پیغامبروں میں

پھر بھی وہ نہ مانیں گے مرے سوزِ دروں کو
لگ جائے اگر آگ بھی غیروں کے گھروں میں

دیکھا جو دعا کو تو ترے در پہ پڑی ہے
ہم ڈھونڈتے پھرتے ہیں اسے بے اثروں میں

فرہاد کو ہم بزمیِ خسرو سے غرض کیا
جاتے ہی نہیں اہلِ ہنر بے ہنروں میں

پیغامبری کو ہے بڑا حوصلہ درکار
ہونے کو تو موسیٰ بھی ہیں پیغامبروں میں

وہ پیرِ مغاں کے خلفا میں نہیں شامل
واعظ کا غلط نام لکھا ہے شجروں میں

اے آہ غریبوں کے ستانے سے ملا کیا
کیوں آگ لگا آئی فرشتوں کے پروں میں

اب جبر سے لے کام لکھا کرتے ہیں مجھکو
نالے ترے پکڑے گئے دو چار گھروں میں

کم بخت کو اب بھی تو رہائی کی خوشی ہے
طاقت نہیں پرواز کی بلبل کے پروں میں

جس ڈھب سے ہوئیں کاکلِ خمدار کے بوسے
عشاق کے سودا یہ سمایا ہے سروں میں

دشنام بھی انعام میں دیتے ہیں کسی کو
اس رشک کا جھگڑا ہے مرے نامہ بروں میں

پہنچا مرے غم نامہ کو لے کر جو کبوتر
تھی طاقتِ پرواز خدا داد پروں میں

یہ بات تو تیری نگہِ ناز میں دیکھی
اک تیر گزر جائے ہزاروں جگروں میں

وہ قلزمِ طوفاں سے ملاتا ہے نسب کو
قطرہ ہے مئے ناب کا عالی گہروں میں

وہ محفلِ دشمن میں گئے آگ لگانے
ہم پوچھتے پھرتے ہیں محلے کے گھروں میں

سنتا ہوں کہ نیند ان کی اڑی میری فغاں سے
ہے لطف جو گن لیں مجھے بیداد گروں میں

انگور کو کہتے ہیں کہ دنیا کا ہے میوہ
گندم کو سمجھتے ہیں بہشتی ثمروں میں

سنتا ہوں کلام ان کا ملائک کی زباں سے
ہیں حضرتِ سائل بھی بڑے ناموروں میں

○

کبھی وہ مجھ کو، کبھی اُن کو چاہتا ہوں میں
کبھی ہوں درد کبھی درد کی دوا ہوں میں

خیالِ زلفِ شبِ غم میں باندھتا ہوں میں
بجا ہے آپ کا کہنا بُری بلا ہوں میں

بتاؤں کیا کہ کہاں ہوں اب اور کیا ہوں میں
خیال و وہم کی حد سے گزر گیا ہوں میں

وطن سے دور ہوں احباب سے جدا ہوں میں
ستم رسیدہ بس اک بندۂ خدا ہوں میں

رہے نہ کیسے قیامت سی جان پر برپا
کہ ایک فتنۂ دوراں کو چاہتا ہوں میں

تمھیں کہو کہ پھر اس بزم سے اٹھوں کیونکر
جب اپنی جان کا دشمن ہی بن گیا ہوں میں

پڑے نہ خاک کہیں میری خاکساری پر
کسی کے ناز و تبختر سے جا بھڑا ہوں میں

جدا جہان سے اپنا طریق رکھتا ہوں
نہ بادہ خوار نہ زاہد نہ پارسا ہوں میں

بگڑ کے آپ نہ کہیے کہ کیا بلا ہے تو
میں اپنی آپ ہی کہتا ہوں کیا بلا ہوں میں

مرے تو ساتھ کبھی چلیے نہ میکدے میں شیخ
نہیں تو آپ اور اک خلق میں برا ہوں میں

جگر کے پار نہ کیونکر ہو نالہ بلبل کا
کہ دل فگار ہوں اور درد آشنا ہوں میں

خیالِ پیرِ مغاں بندھ گیا ہے جب آ کر
شراب خانے میں مرہی کے جل گیا ہوں میں

ذرا بھی طاقتِ پروازِ بال و پر میں نہیں
رہا تو ہوں مگر اے چرخ کیا رہا ہوں میں

کچھ ایسی مجھ سے ہے نفرت مٹا ہی دیں مجھکو
عدو کے خط میں بھی گر حرفِ مدعا ہوں میں

زمانے میں تو مرے دم سے حشر ہے برپا
تمھاری بزم میں اک آہِ نارسا ہوں میں

وہی صنم کہ جنھیں جانتا ہوں دشمنِ دیں
خدا کی شان کہ ان کو ہی پوجتا ہوں میں

خضر کا ذکر بھی سننے سے عار آتی ہے
کہ راہِ عشق و محبت کا رہنما ہوں میں

مجھی پہ تیغ ہے کھینچی مجھی پہ تیر چلے
نظر میں آپ کی ایسا سما گیا ہوں میں

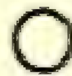
جہان کو ہے خوشی میری نارسائی کی
کسی کی اے مرے اللہ بد دعا ہوں میں

مجھے خبر ہی نہیں کہہ رہے ہیں کیا ناصح
خیالِ یار میں وہ محو ہو رہا ہوں میں

کہا جو میں نے کہ ہے موت و زیست تیرے ہاتھ
تو کس ادا سے وہ کہتا ہے کیا خدا ہوں میں

بگڑ بگڑ کے وہ دیتے ہیں گالیاں کیا کیا
ٹھہر ٹھہر کے جو غصہ میں چھیڑتا ہوں میں

سوائے رونقِ[۱] عالی تبار کے مائل
بتائے کون کہ بگڑی ہوئی ہوا ہوں میں



اُس کے قامت کو دیکھتا ہوں میں
یا قیامت کو دیکھتا ہوں میں

ہوتے ہیں میرے نام سے بدنام
اس ندامت کو دیکھتا ہوں میں

فتنے لیتے ہیں آ کے میرے قدم
کس کے قامت کو دیکھتا ہوں میں

زندگی ہے کہ مرگ سازِ سفر
اس اقامت کو دیکھتا ہوں میں

مجھ کو محشر سے خوف کیا واعظ
کس قیامت کو دیکھتا ہوں میں

دل کو درباں کو یار کے در کو
اور ملامت کو دیکھتا ہوں میں

آپ کو دیکھتا ہوں اے مائل
اور امامت کو دیکھتا ہوں میں

---

[۱] صاحبزادہ احمد علی خاں رونق ٹونکی ثم جے پوری ۱۲

نہیں یہ میرے دلِ داغدار پہلو میں
لگا رکھی ہے تری یادگار پہلو میں

نظر ہے سوئے عدو کیا اِدھر تو مڑ کر دیکھ
برس رہا ہے اک ابرِ بہار پہلو میں

یہ دل میں یادِ مژہ ہے کہ کوئی نشتر ہے
چبھو رہا ہے دمِ انتظار پہلو میں

فراقِ یار میں دل اور ہم نہیں باہم
یہ سوگوار کے ہے سوگوار پہلو میں

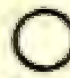
مزا ہی کچھ نہیں یارب مجھے تو جینے کا
نہ جامِ مے مرے آگے نہ یار پہلو میں

کچھ ایسے بیٹھے ہو شرم و حجاب میں ڈوبے
کہ جیسے ہو دلِ امیدوار پہلو میں

وہ دن گئے کہ بغل ہی میں لے کے سوتے تھے
بس اب تو رہتی ہے تصویرِ یار پہلو میں

لگاؤ آگ رقیبوں کو سوچتے کیا ہو
تم آ بھی جاؤ مرے ایکبار پہلو میں

یہ کیا غضب ہے کہ مائلؔ حرم میں بیٹھے ہو
لیے ہوئے صنمِ بادہ خوار پہلو میں



مقابل ہے نہ تو مجھ کو بٹھا اے یار پہلو میں
کہیں بیٹھا سنا ہے طالبِ دیدار پہلو میں

اسے اب بیٹھتے آتی ہے دیکھو عار پہلو میں
وہی کافر جو بیٹھا ہے ہزاروں بار پہلو میں

کسی ڈھب سے بٹھالے وہ پری رخسار پہلو میں
بنایا جس نے دل کو ہے تجلی زار پہلو میں

مری تربت ہے اور میں ہوں کہاں ہیں یار پہلو میں
اِدھر دیوار پہلو میں اُدھر دیوار پہلو میں

یہ چرچا کیوں ہے یاروں میں کہ ہیں اغیار پہلو میں
وہ گل ہے کونسا جس کے نہیں ہے خار پہلو میں

مریضانِ محبت کا یہ کیا جینے میں جینا ہے
کہ جانِ زار تن میں ہے دلِ بیمار پہلو میں

کہیں تو نیند اس پیری میں بھی آتی نہیں شبکو
نہ ہو جب تک پری پیکر کوئی میخوار پہلو میں

عتاب آخر یہ کس پر ہے بگڑ کر آئے ہو کس پر
اِدھر خنجر ہے پہلو میں اُدھر تلوار پہلو میں

نہیں ہے یاد گر تیری نظر بے سود آنکھوں میں
نہیں ہے جلوہ گر تیرا تو دل بیکار پہلو میں

نکالے جاتے ہیں پہلو جو لڑنے کے جھگڑنے کے
مگر رکھتے نہیں دل کا فرو دیندار پہلو میں

نگاہِ سحر آگیں اُس کی محفل میں کوئی دیکھے
اِدھر غافل ہیں پہلو میں اُدھر ہشیار پہلو میں

نکلے انجمن میں بیٹھے بیٹھے سینکڑوں پہلو
نہ بیٹھا ایک دم بھی وہ بتِ عیار پہلو میں

مزارِ شیخ پر کیونکر نہ چھائے ابرِ رحمت کا
اِدھر میخوار پہلو میں اُدھر میخوار پہلو میں

ازل میں بھی یہی حالت تھی اتنا یاد پڑتا ہے
خدا جانے کہ کب سے ہے دلِ بیمار پہلو میں

برا ہو اُس کے بیٹھوں میں دلِ ناداں یہ کیونکر ہو
کہیں بیٹھا بھی کرتے ہیں ذلیل و خوار پہلو میں

جواب آئے کسی پر دل مصیبت پر مصیبت ہو
نہ وہ ہیں یار پہلو میں نہ وہ غم خوار پہلو میں

فضیلت پر فضیلت ہو گئی واعظ خمِ مے سے
لگا دی بادہ خواروں نے تری دستار پہلو میں

عجب کیا ہے کہ مل جائے کہیں عیسیٰ نفس مجھ کو
لیے پھرتا ہوں در در میں دلِ بیمار پہلو میں

سمانا دل میں آنکھوں میں تو آساں سے بھی آساں ہے
مگر ہے بیٹھنا اُس کا بہت دشوار پہلو میں

یہاں بیٹھا ترے کوچے میں جنسِ دست گرداں ہے
متاعِ یوسفی سے حسن کا بازار پہلو میں

بلا سے قتل کر ڈالیں تو یہ جھگڑا ہی مٹ جائے
کہ مجھ کو دیکھ کر رکھتے ہیں وہ تلوار پہلو میں

کھُلے گا اب نہ پردہ شیخ صاحب کا کہ مسجد کے
بنایا میکشوں نے خانۂ خمار پہلو میں

بڑا دستِ ہوس جو جا بجا میرا تو کہتے ہیں
کہ اپنے آپ بن بیٹھے ہو خود مختار پہلو میں

نہ آیا باز کعبے میں کبھی جو کافر ادائی سے
لیے بیٹھے ہیں اُس کو مائل دیندار پہلو میں



بہارِ عشق نے میرے لگایا باغ پہلو میں
گئے وہ دن کہ رکھتا تھا دلِ بے داغ پہلو میں

مجھے گورِ غریباں میں عجب عالم نظر آیا
کسی کے باغ پہلو میں کسی کے راغ پہلو میں

سمجھ اتنی نہیں مجھ کو یہ ناصح ہے کہ واعظ ہے[1]
سمجھتا ہوں کہ بیٹھا ہے سفید اک زاغ پہلو میں

جہاں دیکھے ترے عاشق اسی حالت میں ہیں دیکھے
کسی کے زخم پہلو میں کسی کے داغ پہلو میں

قفس سے چھوٹ کر بلبل یہ کن آنکھوں سے دیکھے گی
بنا ہے شاخِ گل کے آشیانِ زاغ پہلو میں

دلِ وحشی مبارک ہو اُڑانا خاک چھٹتے ہی
نظر آتا ہے زنداں کے مجھے اک راغ پہلو میں

کہاں جا کر بنایا میکدہ مائل نے دیکھو تو
اِدھر بھی باغ پہلو میں اُدھر بھی باغ پہلو میں



[1] سمجھ مجھکو نہیں اتنی۔

نہاں نہ زخم ہے زخمِ جگر کے پہلو میں
کہ آ کے بیٹھتے ہیں وہ چارہ گر کے پہلو میں

بچا نہ جس سے محبت کا کوئی بھی پہلو
خدا نے دل وہ دیا ہے بشر کے پہلو میں

نزولِ رحمتِ پروردگار رہتا ہے
شراب خانہ ہے میرے جو گھر کے پہلو میں

شبِ وصال بھی کیا ہے ذرا کہو تو سہی
کبھی ادھر ہو کبھی ہو اُدھر کے پہلو میں

ہر ایک نالے سے اُس کے جو درد پیدا ہے
مرا سا دل نہ ہو مرغِ سحر کے پہلو میں

بغل میں غیر کی بیٹھا وہ شعلہ رو شاید
پڑے جو آبلے زخمِ جگر کے پہلو میں

کبھی نہ شیخ سے بو آئی بے ریائی کی
شراب خانہ ہے ہر چند گھر کے پہلو میں

تمھیں نہیں مرے گھر میں ہو آ کے گھبرائے
رہا ہے تیر بھی دل سے گذر کے پہلو میں

اُٹھے نہ حشر تو کیونکر ادا پہ خنجر کی
لگا ہوا ہے یہ کس فتنہ گر کے پہلو میں

ملے ہیں راہ میں شاید کمر کا نٹے
کہ چبھ رہے ہیں مرے نامہ بر کے پہلو میں

وہ شوقِ دید کو کہتے ہیں سُن کے دل تیرا
رہا ہے کیا کسی اہلِ نظر کے پہلو میں

کرے گا کون تصور سے بڑھ کے غمخواری
بٹھا دیا ہے وطن کو سفر کے پہلو میں

درِ قبول کو ناکامیوں نے وہ گھیرا
کہ جا ، ملی نہ دعا کو اثر کے پہلو میں

نگاہ ظاہر و باطن پہ اُن کے پڑتی ہے
ادب سے بیٹھیے اہلِ نظر کے پہلو میں

ملا نہ مصرعِ اول تو شعر ہی کیا ہے
گُہر ہی چاہیے ہونا گُہر کے پہلو میں

مجھے تو رشک ہے ناکامیوں کی قسمت پر
کہ بیٹھتی ہیں یہ اہلِ ہنر کے پہلو میں

نصیب کہتے ہیں اس کو کہ قبر مائل کی
بنی ہے روضۂ خیر البشر کے پہلو میں



جب آ گیا ہے جوشِ محبت کی راہ میں
سو سو فلک گرائے ہیں ایک ایک آہ میں

کیا قدر و منزلت ہو بتوں کی نگاہ میں
اپنے کو جانتا ہوں خدا کی پناہ میں

کیا منفعل ہوا ہوں قیامت سے راہ میں
کرنے لگا گلے جو ترے اشتباہ میں

دوزخ سے آفتاب سے لاکھوں ہیں اُڑ لیے
طوفاں ہے وہ شرر کا شبِ غم کی آہ میں

قطرہ نہیں ہے خون کا دل پر لگا ہوا
یاقوت کا ہے تکمہ گریبانِ شاہ میں[1]

توبہ کے میں خیال سے ہوتا ہوں تلخ کام
لذت بھری ہوئی ہے کچھ ایسی گناہ میں

مجنوں سے جا رہا ہوں ملاقات کے لیے
کرتا چلوں نہ چاک گریباں کو راہ میں

محمود کہہ اٹھا دُرِ شہوار ہیں یہی
موتی ایاز نے جو لگائے کلاہ میں

واعظ تو بال بال سنا ہے کہ بچ گئے
پکڑی گئی ہے ریشِ مخضب گناہ میں

واعظ خدا کو ڈھونڈھ نہ پھر تو اِدھر اُدھر
دنیا کی فکر میں ہوسِ مال و جاہ میں

شیریں بگڑ بھی جائے جو خسرو سے کیا کمی
فرہاد زخم خوردہ ہے اُس کی سپاہ میں

تم نے کیا ہے جور نہ بے رحمیاں کبھی
آیا کہاں سے درد مرے دل کی آہ میں

کس سے ہیں بدگمان کہ دربان سے کہتے ہیں
آنے نہ پائے کوئی مری خوابگاہ میں

کیا پوچھتے ہو حالِ زلیخائے خستہ جاں
دیوانہ وار پھرتی ہے زنداں کی راہ میں

ذکرِ وفائے غیر وہ کرتے ہیں بار بار
اچھا دیا خدا نے اثر آہ آہ میں

ضربیں نہیں لگاتے ہیں حلقہ بنا کے شیخ
ماتم ہے میری توبہ کا ہر خانقاہ میں

جس پر ہے سبز چادرِ حسرت پڑی ہوئی
مائلؔ کا وہ مزار ہے الفت کی راہ میں



یہ عیب ہے بڑا دلِ مضطر کی آہ میں
کہتی ہے بات بات فرشتوں سے راہ میں

پیرِ مغاں کے ساتھ ملے شیخ راہ میں
دنیا و دیں کو دیکھ لیا اک نگاہ میں

پیش آتیں مشکلیں نہ زلیخا کو چاہ میں
یوسفؑ ڈلو کے آتے جو عصمت کی چاہ میں

تیری سی کوئی بات نہیں مہر و ماہ میں
نادان دیکھتے ہیں ترے اشتباہ میں

گیسو و روئے یار ہماری نگاہ میں
یہ دو[2] ہیں انتخاب سفید و سیاہ میں

کیسی لگی ہے آگ دلِ بیگناہ میں
دیکھا مجھے جو رحمتِ حق کی پناہ میں

---

[1] ترا کہ تکمۂ لعل است در لباسِ حریر ٭ شدہ است قطرۂ خونِ منت گریباں گیر — از نورجہاں ۱۲

[2] دونوں —

مے پی کے جا پڑا ہوں جو مسجد کی راہ میں
آمیزشِ ثواب ہے میرے گناہ میں

جسمیں ہو آفتاب بھی چھوٹا سا اک حباب
وہ بحرِ آتشیں ہے مرے دل کی آہ میں

چہرے کا بعدِ مرگ نہیں ہے یہ رنگ زرد
ہے کشتِ زعفراں مری کشتِ گناہ میں

دنیا ہی گوشہ گوشہ میں مجھ کو نظر پڑی
میں نے مراقبہ جو کیا خانقاہ میں

جب سے یہ سن لیا ہے وہ ہے بیخودی پسند
بنوا رہا ہوں میکدہ کعبہ کی راہ میں

رکھ لی خدا نے آج مرے چارہ گر کی شرم
وہ دیکھنے کو آ گئے حالِ تباہ میں

مانگوں دعائے وصل خدا سے تو کب سنے
وہ طفلِ برہمن ہے خدا کی پناہ میں

چشکی سے چھوٹتے ہی ادھر تیر بار آ
دل کے سوا ہیں اور بھی مشتاق راہ میں

لیسے تو میکدے میں بہت ہیں وظیفہ خوار
ملتا ہے ایک جام جنھیں ایک ماہ میں

مجنوں سے فصلِ گل میں جاؤں جو ملنے کو
آ جائے پھر تو فرق مری رسم و راہ میں

آنے سے میرے گھر میں شبِ غم کو روک دے
اتنا نہیں ہے کوئی بھی میری نگاہ میں

وہ رند بادہ کش ہوں کہ بدستِ شیخ ہو
ساغر کو پھینک آؤں جو مسجد کی راہ میں

اے آسمان تو نہیں عاشق نہ جانیو
رہ جائے گر نشان ترا ایک آہ میں

وہ شوخ کہہ رہا ہے کہ مائلؔ سے کیا کہوں
کم بخت کے ہے نورِ محبت نگاہ میں

مائلؔ شراب خانے کو شاید ہیں جا رہے
مل مل کے رو رہے ہیں جو توبہ سے راہ میں



کیا آئے شیخ رحمتِ حق کی نگاہ میں
گنتی کے کچھ گناہ ہیں فردِ گناہ میں

آلودہ تھا جو سر سے قدم تک گناہ میں
لپٹا ہوا ہوں دامنِ عفوِ اللہ میں

ہم رنگ ہے عجب نہیں جو اشتباہ میں
لکھ دیں غلافِ کعبہ کو فردِ گناہ میں

دونوں نے مل کے خاک اڑا دی جہان کی
مجنوں جو مل گیا مجھے وحشت کی راہ میں

معشوق رشکِ حور ہے ساغر ہے رشکِ ماہ
پھر آ گئی سیاہی کہاں سے گناہ میں

وہ شوخ فتنہ گر کہیں سادات سے نہ ہو
جوہر ہیں ذوالفقار کے تیغِ نگاہ میں

میں خوب جانتا ہوں کہ توبہ کا توڑنا — لکھدیں گے دیکھنا یہ فرشتے گناہ میں
مجھ سے کھنچا کھنچا رہے یہ بات اور ہے — نخوت کی بو نہیں ہے مرے کج کلاہ میں
کہتا ہے مجھ سے آکے جنوں ہوشیار ہو — دانائی فصلِ گل میں ہے داخل گناہ میں
محشر ہوا تو اور بھی ہوں گے وہ بدمزاج — یا رب اثر نہ ہو مری فریاد و آہ میں
وہ لذتیں شباب کی پیری میں کیوں نہیں — پکڑے گئے ہیں میرے گنہ اس گناہ میں
رندی و زہد کی ہے کشاکش میں جب سے شیخ — اک پاؤں میکدے میں ہے اک خانقاہ میں
خنجر سے اُن سے غیر سے دنیا ہے ہمزباں — عالم ہے دشمنی کا مری قتل گاہ میں
اُس کے جنوں زدہ دل کو تو آتی نہیں ہے نیند — کانٹے بچھے ہوئے جو نہوں خوابگاہ میں
پہلا ہے عاشقی میں یہی کام ڈال دے — بنیادِ دشمنی کی دلِ خیرخواہ میں
فرشِ زمیں کو جھاڑ کے واعظ ہے بیٹھتا — کم بخت مبتلا ہی رہا عز و جاہ میں
پیرِ مغاں کا میرے تصرف تو دیکھنا — توبہ لکھی گئی مری فردِ گناہ میں
انجامِ کار دیکھیے واعظ کدھر رہے — ہے جان میکدے میں تو دل خانقاہ میں
جائیں تو کس طرح سے تری بدگمانیاں — سچ بولنے کی خو نہیں میرے گواہ میں
وہ مے پرست ہوں در و دیوار مست ہوں — پہنچے مرا خیال اگر خانقاہ میں
میداں ہے تنگ ملّت و واعظ کا کس قدر — توبہ کا توڑنا بھی ہے داخل گناہ میں
روکے گا کس طرح مجھے دربان بہار کا — ٹکڑے اُڑا دیے ہیں گریباں کے راہ میں
کس کا ہے جذبِ شوق کہ جاتا ہے دوڑتا — مجنوں سا ناتوان بھی محبت کی راہ میں

مائل ملا ہے خوب یہ حیلہ نماز کا
ہم پانچ وقت جاتے ہیں دربارِ شاہ میں



حسن و جمال کی ہے حقیقت نگاہ میں — گھر میں ہوں اے خدا کہ تری جلوہ گاہ میں
جلوے ترے نہاں ہیں سفید و سیاہ میں — ایمان و کفر ایک ہیں میری نگاہ میں
ہم جیسے عاصیوں کو جو لے لے پناہ میں — تیرے سوا ہے کون اس آشوب گاہ میں

(حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

رکھتے ہیں اس کو پیرِ طریقت نگاہ میں — مشکل جو پیش آتی ہے سالک کو راہ میں
تر دامنی کے داغ کی تہمت خدا کی شان — دامن تو تر ہوا نہیں یوسف کا چاہ میں
زیبا ہے زلفِ یار تجھے نازِ سرکشی — لٹکا دیا ہے تو نے فرشتوں کو چاہ میں
گل کا بشر کا شمع کا خورشید و ماہ کا — ہر جلوہ دیکھتا ہوں تری جلوہ گاہ میں
ایسا نہ ہو کہ پیرِ مغاں کا عتاب ہو — ہم پھینکتے چلیں غمِ دنیا کو راہ میں
بندے ہیں تیرے ہم تو ہمیں کچھ خبر نہیں — کیا کیا لکھا ثواب میں کیا کیا گناہ میں
کیونکر نہ بار بار ہو گرنے کی آرزو — تجھ سا ملے انہیں جو یوسف کو چاہ میں
وہ کر چکا بھی آتشِ نمرود لالہ زار — وہ لے چکا خلیل کو اپنی پناہ میں
اہلِ زبانِ عشق لگے رونے زار زار — افسانہ دردِ دل کا سنایا جو راہ میں
آتا نظر ہے وادیِ ایمن یہ سامنے — ملتے چلیں نہ آؤ خدا سے بھی راہ میں
کرتا ہوں یہ دعا تری رحمت کو دیکھ کر — یارب خلل پڑے نہ کسی کے گناہ میں
احسان وصلِ یار کا اس سے تو اٹھ چکا — تاثیر کی بھی تاب نہ ہو جس کی آہ میں
مشہور نام کعبہ ہے تم جس میں رہتے ہو — دنیا میں اک مکان ہے میری نگاہ میں
شاہانِ حسن و عشق کی پھر سنیے گفتگو — جب دونوں ایک وقت ہوں اک بارگاہ میں
کعبے سے بتکدے سے جدھر ہو کے آئے تو — آنکھیں بچھا رکھی ہیں تری راہ راہ میں
ممکن نہیں کہ شیخ و برہمن دوئی کے ساتھ — آجائیں ورنہ دیر و حرم کی نگاہ میں
اس بزمِ دلفریب میں لیتا ہے امتحاں — یہ مرحلہ بڑا ہے محبت کی راہ میں
میں ہو گیا کفن کی سفیدی سے آب آب — مجھ کو لپیٹ دو مری فردِ گناہ میں
اک حضرتِ اویس پہ اے عشق کیا ہے حصر — سارے بزرگ دب ہیں تری بارگاہ میں

ہو جا نہ خاکِ پائے گدایانِ میکدہ
مائل اگر ہے تو ہوسِ عز و جاہ میں



(حاشیہ صفحہ گزشتہ) لہ - مری - لہ - تیرے - لہ - بیٹھے اگر خیال مرا۔

تارکِ لذّتِ دنیائے دنی ہیں تو ہمیں
بندۂ حضرتِ اللہ غنی ہیں تو ہمیں

شمع و پروانہ تو ہر بزم میں جلتے ہی رہے
تیری محفل میں اگر سوختنی ہیں تو ہمیں

رنگ و بو پر تیری زلفوں کو پھر دعویٰ کیسا
کہ کہا کرتی ہیں مشکِ ختنی ہیں تو ہمیں

سادگی لعلِ لبِ یار کی دیکھو تو سہی
کہتے ہیں رشکِ عقیقِ یمنی ہیں تو ہمیں

دلِ پُرداغ سے سیدھے جو گئے سوئے فلک
نالے کہتے ہیں کہ سروِ چمنی ہیں تو ہمیں

سچ تو کہتا ہے یہ خسرو کہ دلِ شیریں میں
کوہکن کی ہے عبث کوہ کنی ہیں تو ہمیں

موت ہی گر نہیں آئی، تو پھر آئیں ورنہ
کوچۂ یار میں گردن زدنی ہیں تو ہمیں

حسرتیں کہتی ہیں فرہاد سے کیسی شیریں
کیوں یہ کرتا ہے عبث تیشہ زنی ہیں تو ہمیں

ایسے پیدا ہیں کہاں دردِ محبت والے
جن سے ہوتی ہی نہیں اُف شکنی ہیں تو ہمیں

دیکھ کر رُخ کو ترے کہتے ہیں گل حسرت سے
جن پہ ہوتی ہے سدا خندہ زنی ہیں تو ہمیں

دل میں گنجینۂ اسرارِ محبت ہے بھرا
دولتِ عشق ہے دنیا میں غنی ہیں تو ہمیں

کوئی ایسا نہیں جو پھر کے وطن کو نہ گیا
تیرے حصہ میں غریب الوطنی ہیں تو ہمیں

حال پہ اپنے نظر جب گئی مائلؔ تو کھلا
شدنی ہیں تو ہمیں ناشدنی ہیں تو ہمیں



مجنوں سے کہہ رہا ہے یہ فرہاد کوہ میں
مائلؔ ہے ایک شخص ہمارے گروہ میں

یارانِ باوفا کا مگر نام رہ گیا
مجنوں نہ دشت میں ہے نہ فرہاد کوہ میں

دل کی خبر خدا کو ہے ظاہر میں شیخ بھی
پیرِ مغاں سے کم نہیں شان و شکوہ میں

ممکن نہیں کہ وقتِ اجل اک ذرا ٹلے
دریا میں جا چھپے کہ ہو پوشیدہ کوہ میں

شیریں کی تابِ حسن سے ہو جائے آب آب
گر خونِ کوہکن سے بنے لعل کوہ میں

اس حسن اس جمال پہ معشوقِ دلنواز
تو ہی نظر پڑا ہے مجھے ہر گروہ میں

لطف و کرم سے تیرے ہی پاتا ہے آب و تاب
دُرِّ یتیم بحر میں یاقوت کوہ میں

حیراں ہیں بادہ خوار کہ شیشے میں ہے پری
یا نور بھر دیا ہے دلِ حق پژوہ میں

دُنیا میں بار بار جو آتا ہے زلزلہ
ٹکرا رہا ہے نالۂ فرہاد کوہ میں

چھائی یہ بیکسی کہیں فرہاد کی نہ ہو
لپٹی پڑی ہے نعش جو دامانِ کوہ میں

امید ہے مجھے کہ تری تیغ ناز سے
روزِ جزا اُٹھوں شہدا کے گروہ میں

واعظ یہ کیا بنی کہ کتب خانہ پھونک کر
جا کر ملا جو پیرِ مغاں کے گروہ میں

کعبہ تو گھر خدا کا ہے جو کچھ کہو بجا
بتخانہ ایک چیز ہے شان و شکوہ میں

ہر رہ گزار میں تمھیں سائل ہوں دیکھتا
دیوانہ وار پھرتے ہو تم کس کی ٹوہ میں



چلے گئے وہ ادائیں دکھا کے پردے میں
شرارتیں بھی ہیں شرم و حیا کے پردے میں

شبِ وصال ہی کیا اک نہیں نہیں میں کٹی
وہ کام کر گئے میرا ادا کے پردے میں

جُدا جہان سے طرزِ ستم نکالی ہے
جفا و جور ہیں مہر و وفا کے پردے میں

اک آہِ گرم جو کھینچی کہا کہ دیکھو تو
یہ کس نے آگ لگا دی ہوا کے پردے میں

نہ ماننا کبھی واعظ کے کہنے سننے کو
یہ راہزن ہے بڑا رہنما کے پردے میں

بلا سے جان ہی جائے کھُلے نہ راز کہیں
کہا اشارے سے مجھ کو بلا کے پردے میں

غضب کیا ہے کہ ارمان دل میں جو کچھ تھے
سُنا دیے انھیں سب التجا کے پردے میں

نہ پوچھو حال ہے کیا رہروانِ الفت کا
چھپے ہوئے ہیں مسافر بلا کے پردے میں

ملیں کسی سے تو بدنام ہوں زمانے میں
ابھی گئے ہیں وہ مجھکو سنا کے پردے میں

تمام خلق کو بسمل کیا ہے ، وہ تلوار
لگائی ہے نگہِ سرمہ سا کے پردے میں

وہ ایک ہی ہے ستمگر زمیں کے پردے پر
کیے ہیں خون ہزاروں حیا کے پردے میں

خموش ادب سے ہوں لے خضر ورنہ کہہ دیتا
شراب پیتے ہو آبِ بقا کے پردے میں

یہ دیکھنا کہ زمانے میں آگ برسے گی
جو مل گئیں مری آہیں ہوا کے پردے میں

وہ ناتواں ہوں کہ محفل میں بار پا تیری
پہنچ گیا ہوں میں آہِ رسا کے پردے میں

نہ مانگ واعظِ ناداں ذرا سمجھ تو سہی
شکایتیں ہیں یہ کس کی دعا کے پردے میں

مزے وصال کے آئے ہیں نزع میں مجھ کو — ادائے ناز ہے کس کی قضا کے پردے میں
بگڑ کے غیر سے دنیا سے تم بگڑتے ہو — یہ التفات ہے کیسا جفا کے پردے میں
ہم اور راہِ محبت میں سر نہ دیدیں گے — کہ جستجو ہے بقا کی فنا کے پردے میں
کسے تھی تاب کہ دیکھے یہ حسن کا عالم — سنا کرے تری باتیں بٹھا کے پردے میں

کسی کو پاس کسی کا نہیں رہا مائل
اک انقلاب ہے روزِ جزا کے پردے میں



دل ہے اک بیوفا کے پھندے میں — ہم دلِ مبتلا کے پھندے میں
یوں ہوں زلفِ دوتا کے پھندے میں — جیسے زاہد خدا کے پھندے میں
دیکھنا پھر اثر نہ چھوٹے گا — پھنس گیا گر دعا کے پھندے میں
دونوں عالم کو دیکھتا ہوں میں — تیرے ناز و ادا کے پھندے میں
دل یہ کہتا ہے آنے والا ہے — اثر آہِ رسا کے پھندے میں
چارہ ساز و ذرا کرو انصاف — رہوں کب تک دوا کے پھندے میں
ناخنِ عقل الجھ کے ٹوٹ گیا — اس کے بندِ قبا کے پھندے میں
جب نہ آئے بتوں کے دم میں ہم — جا پھنسا یا خدا کے پھندے میں
کچھ اثر ہم میں ہے کہ وہ کافر — آ گیا التجا کے پھندے میں
دیتے ہیں پر پھنسا کے دیتے ہیں — زندگی کو قضا کے پھندے میں
غیر کا دل اسیرِ زلف نہیں — اک بلا ہے بلا کے پھندے میں
کیا خبر تجھ کو کون کون آیا — تجھ سے نا آشنا کے پھندے میں
کیوں نہ تڑپوں کہ آ گیا ہوں میں — دلِ درد آشنا کے پھندے میں
اک زمانہ ہوا کہ ہم بھی تھے — کہیں مہر و وفا کے پھندے میں
وہ کھنچے جس کو ہے مرا بیمار — وہ پھنسے اور دوا کے پھندے میں
سر مرا سجدے سے اٹھے کیونکر — ہے ترے نقشِ پا کے پھندے میں

وہ اسیری کے لطف اٹھاتا ہے — جو ہے مہر و وفا کے پھندے میں
دیکھ کر جی مرا تو بھر آیا — دل کو زلفِ دوتا کے پھندے میں
دیکھتا ہوں کہ رہتی ہے کب تک — جان ناز و ادا کے پھندے میں
آج عیسیٰ بھی آگئے اُس کے — لبِ معجز نما کے پھندے میں
عاشقوں کی رہائی مشکل ہے — ہیں فنا اور بقا کے پھندے میں
ہے کہاں تک کمندِ زلف تری — عرش ہے انتہا کے پھندے میں
دخترِ رز خانقہ میں جا بیٹھی — پھنس کے اک پارسا کے پھندے میں

مائلِ بادہ کش نہ آئے گا
کبھی حرص و ہوا کے پھندے میں



جب سے رکھا ہے قدم ہم نے وفاداری میں — نام پایا ہے زمانے نے ستم گاری میں
دیکھ سرگرم نہ ہو چرخ ستم گاری میں — آگ لگ جائے نہ اس پردۂ زنگاری میں
بے گناہی میں کسی بات کی امید نہیں — اک توقع تو ہے رحمت کی گنہگاری میں
بے وفا جان کے دشمن سے بنا ہے ایسے — تم سے بڑھ کر تو نہیں کوئی وفاداری میں
سُن کے لوگوں سے بیاں ہاتھ سے دل دے بیٹھا — نہ اُسے خواب میں دیکھا ہے نہ بیداری میں
ہائے موسیٰ کی سی تقدیر کہاں سے لاؤں — کس کو پایا ہے گئے کس کی طلبگاری میں
یاد آتا ہے مجھے حضرتِ ناصح کا سخن — جان کو کھو ہی دیا دل کی طلبگاری میں
وہ جنازے پہ مرے آئے مقرر آئے — جو عیادت کو بھی آیا نہ ہو بیماری میں
کچھ تو سمجھا ہے مجھے دل میں کہے دیتی ہیں — یہ ادائیں جو ہیں سرگرم دل آزاری میں
آدمی ہیں جو گنہگار عجب ہی کیا ہے — نام پایا ہے فرشتوں نے سیہ کاری میں
گر جدائی میں بچی وصل میں جائیگی ضرور — جان بچتی ہی نہیں عشق کی بیماری میں
غیبتِ بادہ کشاں مسئلہ صوم و صلوٰۃ — یہ ہی دو کام ہیں واعظ کو تو بیکاری میں

کیوں نہ ہوں پیرِ خرابات جہاں میں مائلؔ
عمر کھوئی ہے تمام اپنی مے خواری میں



یہ سُرخ سُرخ نہیں ہے شراب شیشے میں — بھرا ہے لال پری کا شباب شیشے میں
مری نگہ میں ہے واعظ شراب شیشے میں — مری نظر میں ہے اک آفتاب شیشے میں
یہ جلوہ ریز ہے یارب شراب شیشے میں — کہ آ گئی ہے شبِ ماہتاب شیشے میں
خطابِ بادہ ہو رحمت مآب شیشے میں — جو ڈال دیں مری فردِ حساب شیشے میں
یہ دل جلوں سے ہوا انقلاب شیشے میں — کبھی شراب کبھی ہے کباب شیشے میں
کہاں وہ بات جو پیرِ مغاں کے جام میں ہے — یہ سب صحیح کہ ہے لاجواب شیشے میں
اُسے تو لائیے مکر و فریب سے ناصح — اُتارتے ہو تجھی کو جناب شیشے میں
سمجھ کے دخترِ رز کو لگاؤ منہ واعظ — یہ چھوڑ آئی ہے شرم و حجاب شیشے میں
سُنا جو محتسب آتا ہے عقل تو دیکھو — چھپے ہیں شیخ کرامت مآب شیشے میں
وہ حسنِ دخترِ رز کا ہے شیخ کہہ اُٹھے — یہ بند کس نے کیا آفتاب شیشے میں
وہ آپ آب ہوں بھر دو شراب کے بدلے — کرے گا کون حسابِ کتاب شیشے میں
یہ آپ جانیں کہ اخبار جا پڑا کیونکر — پڑا ہوا تو ہے بندِ نقاب شیشے میں
ہوا و حرص ہے وہ دل میں شیخ کے گویا — بھرا ہوا ہے جہانِ خراب شیشے میں
بنائے رحمتِ حق ہے کہوں تو کیونکر میں — ترا ہے چشمۂ کوثر جواب شیشے میں
وہ دل میں ہوتے ہیں غصے تو میں سمجھتا ہوں — نئی ہے بات بھرا ہے عتاب شیشے میں
نظر ملائیں گے اُس سے نہ رندِ میخانہ — بھری ہوئی نہ ہو کیسے شراب شیشے میں
رہا نہیں دلِ واعظ میں نورِ توبہ کا — نظر پڑا جو اُسے آفتاب شیشے میں
ہزار رنگ نہ کیونکر ہوں میری مستی میں — شراب خانوں کی ہے انتخاب شیشے میں
نہ اپنے چشمۂ کوثر پہ ناز کر واعظ — کہ اس کا رکھتے ہیں میکش جواب شیشے میں
نثار کر کے مجھے دیتا ہے اس لیے ساقی — رہے تمام عذاب و ثواب شیشے میں

بس اب خموش ہو واعظ کہ ایسے تو لاکھوں ؎ بھرے ہوئے ہیں عتاب و خطاب شیشے میں

جدھر کو ہو کے نکلتے ہو فتنے اٹھتے ہیں ؎ بھری ہے شیخ قیامت مآب شیشے میں

یہ نور کس کا ہے آنکھوں میں آپ کی مائل
یہ نور کس کا ہے عالی جناب شیشے میں



خدا پہ بھروسا ہے وہ بیکسی میں ؎ کہ دریا کا احساں نہ لوں تشنگی میں

بُرا مانیے گا نہ آپ اپنے جی میں ؎ نکل جائے منہ سے جو کچھ بیخودی میں

بچے خاک سے ہم تو کیا زندگی میں ؎ کہ اک روز ملنا ہے آخر اسی میں

مری تلخ کامی کی پوچھو نہ لذت ؎ مزا موت کا ہے مری زندگی میں

دکھائے جو اک حرفِ کُن میں تماشے ؎ خدا جانے کیا آ گیا اس کے جی میں

شبِ غم میں مجھ سے کہاں سخت جانی ؎ سحر کیوں نہ ہوگی مری زندگی میں

جو مل جائے تو، پھر خدا جانے کیا ہوں ؎ خدائی کو پایا تری بندگی میں

لگا لیتے ہیں غیر باتوں میں اس کو ؎ بنا لیتے ہیں کام اپنا ہنسی میں

بناتے ہیں مجھ کو اور اس پہ ہیں کہتے ؎ بگڑ جاتے ہو جلد کیسے ہنسی میں

تجھے کوئی دیکھے تو آنکھوں سے میری ؎ جو باتیں ہیں تجھ میں کہاں ہیں کسی میں

ترے سروِ بالا کے فتنوں نے اٹھ کر ؎ قیامت کو کیا کیا اڑایا ہنسی میں

کہیں حق میں توبہ کے ڈرتا ہوں واعظ ؎ نکل جائے منہ سے نہ کچھ بیخودی میں

تصور ہے کس مستِ سرکش کا دل کو ؎ کہ رنگِ خودی ہے مری بیخودی میں

جہاں اس کو پاتے ہیں اُڑ کر ہیں جاتے ؎ رُکا کرتے ہیں کوئی دل کی لگی میں

بگڑ کر جو وہ اُٹھ گئے انجمن سے ؎ خدا جانے کیا کہہ دیا بیخودی میں

کبھی توبہ کر لی، کبھی توڑ ڈالی ؎ کٹی عمر ساری اسی دل لگی میں

غم و عیش دنیا میں دونوں برابر ؎ مزا غم میں پایا نہ ہم نے خوشی میں

نہ کیوں منکر ہو رحمت پر اس کی بھروسا ؎ کہ ماہِ مبارک کٹا مے کشی میں

سمجھ تو سہی شیخ مستوں کی باتیں ۔۔۔ پتے کی یہ کہہ جاتے ہیں بیخودی میں
یہی دل جواب ہے خراب و شکستہ ۔۔۔ دکھادیں گے جلوے کسی کے اسی میں
بچائے تو ایماں کو کوئی کہاں تک ۔۔۔ تری زلف تو کم نہیں سرکشی میں

ہمیں جانتے ہیں خدا اُس کو بخشے
بہت خوبیاں تھیں، محمد تقی میں



ایک ہی رند ہوں زمانے میں ۔۔۔ عمر گزری شراب خانے میں
بیٹھ کر جس سے دردِ دل کہئیے ۔۔۔ کوئی اتنا نہیں زمانے میں
خاک ہوں میں، تو خاکِ گلشن ہوں ۔۔۔ موت آئے تو آشیانے میں
جن سے قائم ہیں آسمان و زمیں ۔۔۔ ہوتے رہتے ہیں ہر زمانے میں
سُننے والوں کا دل تو بھر آئے ۔۔۔ اثر اتنا تو ہو فسانے میں
دلربائی ترے ستم میں ہے ۔۔۔ جاں نوازی ترے بہانے میں
سر کے بل تیر یار آتا ہے ۔۔۔ دلِ عاشق کے آشیانے میں
اس طرح ہوں کہ خود نہیں معلوم ۔۔۔ ہوں بھی میں یا نہیں زمانے میں
زندگی میں تو راحت و آرام ۔۔۔ نہ قفس میں نہ آشیانے میں
کعبہ جائیں تو ہو گی یاروں کی ۔۔۔ پہلی منزل شراب خانے میں

اب تو رہتے ہیں حضرتِ مائل
بے تکلف شراب خانے میں



جان باقی ہے ابھی کچھ ترے دیوانے میں ۔۔۔ خاک اُڑتی نظر آتی ہے جو ویرانے میں
دل کو کیا خوف ہو محشر ترے ویرانے میں ۔۔۔ یہ بلاؤں میں رہا ہے مرے غمخانے میں
شیخ کیا خاک ہو عظمت تری میخانے میں ۔۔۔ ہے دو رنگی تری تسبیح کے ہر دانے میں
خاک اُڑاتا ہے غمِ ہجر کے ویرانے میں ۔۔۔ لاکھ صحرا کی ہے طاقت ترے دیوانے میں

اے مرے سوزِ دروں رحم جو تجھ میں ہوتا
کبھی تو آگ لگاتا مرے غم خانے میں

عقلِ حسرت سے یہ کہتی ہے کہ یہ مجھ میں نہیں
بات ایسی نظر آئی ترے دیوانے میں

آ گیا روزِ قیامت بھی مگر عید کے ساتھ
ایک ہنگامہ سا ہنگامہ ہے میخانے میں

جب چھلکتا ہے تو یا ساقیِ کوثر کہہ کر
یہ کرامت ہے غضب کی مرے پیمانے میں

دونوں آنکھیں مرے ساقی کی ہیں مستِ الست
ایک ساغر نہیں ایسا کسی میخانے میں

سچ کہا ہے کہ نہیں رہتے محبت میں حواس
ہم کسے ڈھونڈھنے جاتے ہیں صنم خانے میں

مر گیا ہائے مرا قوتِ بازوِ مجنوں
جا کے کیا خاک اڑاؤں کسی ویرانے میں

ایک جا ہوں دلِ بیتاب کے ہاتھوں تو لو
کبھی کعبہ میں ہوں رہتا کبھی بتخانے میں

بزمِ اغیار میں یہ کہہ کے جلاتے ہیں مجھے
سوز ان کا سا نہیں ہے کسی پروانے میں

سنتے سنتے تری آنکھوں میں بھر آئے آنسو
یہ خدا داد اثر ہے مرے افسانے میں

رُخِ ساقی کی تجلی سے شرابِ انگور
آتشِ طور نظر آتی ہے پیمانے میں

صبح کرتا ہے جو آ کر ترے درباں کو سلام
کچھ سمجھ آ تو گئی ہے ترے دیوانے میں

شیخ کرتے ہو اگر ذکر تہِ دل سے کرو
رات کالی نہ کرو بے اثر افسانے میں

جو ترے تیر نے برتاؤ کیے ہیں دل سے
یہ محبت نہیں دیکھی کسی بیگانے میں

جلوے اُس کے نظر آتے ہیں سارے دل میں
جسے کعبہ ہی میں پایا نہ صنمخانے میں

جلوہ افروز نہ ہوتا کبھی دل میں میرے
کبھی تشریف نہ لانا مرے کاشانے میں

ہو تو کیونکر دلِ مضطر کو تسلی میرے
وہ تو کعبہ ہی میں پایا نہ صنمخانے میں

رُخ ادھر کر کے پڑھی ہے کہیں مائل نے نماز
ہیں جو کعبے کے سے آثار صنم خانے میں



تیری تقدیر کا واعظ کسی میخانے میں
ایک قطرہ نہ سبو میں ہے نہ پیمانے میں

سوزِ دل شمعِ حرم کے نہیں پروانے میں
آتشِ عشق بھڑکتی ہے صنم خانے میں

توڑ کر توبہ سزا پائی یہ میخانے میں
کہ ملی شیخ کو ٹوٹے ہوئے پیمانے میں

اک ذرا پیچ و خمِ زلفِ دوتا سے کہدو
تابِ زنجیر نہیں ہے ترے دیوانے میں

کیوں نہ پھر حُسن پرستوں پہ قیامت ٹوٹے
کوئی کافر نظر آتا نہیں بُت خانے میں

وہ تجلی ہے عالم کہ نہیں کہہ سکتا
ہوں ترے گھر میں الہٰی کہ صنمخانے میں

جب سے کعبہ ہوں گیا ذکر خدا کا کیسا
ذکر میرا ابھی تو ہوتا نہیں بتخانے میں

اُس کی مرضی ہے کرے یا نہ کرے حج کو قبول
میں تو کعبہ میں ہوں اور جان ہے میخانے میں

ذکرِ اغیار دمِ بادہ کشی کرنے سے
زہر تھوڑا سا ملا دے مرے پیمانے میں

ملتوں سے جو الگ ہوں تو رہا کرتے ہیں
کفر و اسلام کے جلوے مرے کاشانے میں

چارہ سازِ غمِ ہجراں ہے ہمارا وہ ہی
جسے رکھتے ہیں نہاں دل کے صنم خانے میں

آپ پی کر اسے دیکھیں تو جنابِ واعظ
آپ کیا جانیں کہ کیا چیز ہے پیمانے میں

دردمندی جو تری یاد کیا کرتی ہے
وہ یگانہ ہی میں پاتا ہوں نہ بیگانے میں

سجدے کرتا ہے جنوں میں ترے کوچے کی طرف
یہ عجب بات ہے دیکھی ترے دیوانے میں

ایک مدت ہوئی ذکر اُن کا ہوا تھا اک بار
دونوں عالم کے ہیں جلوے مرے کاشانے میں

شور وہ ہے کہ جو ہوتا رہے دل کے اندر
زور وہ ہے کہ جو چلتا رہے میخانے میں

دیکھنا ہے جو مرا ظرف تجھے اے ساقی
حوضِ کوثر کو اُلٹ دے مرے پیمانے میں

میں بجز ذکر جو کبھی اُس سے چلا آتا ہوں
کعبہ آتا ہے منانے کو صنم خانے میں

مائل اک پیرِ خراباتِ سخن سنجی ہے
مے ہر اک رنگ کی رکھتا ہے وہ پیمانے میں



کہاں ملاپ میں وہ اور کہاں لڑائی میں
اُٹھائے لطف جو ہم نے تری رُکھائی میں

طلب ہے اُس کی تصور محال ہے جس کا
وہ آرزو ہے مری جو نہیں خدائی میں

یہاں تو جان نکلتی ہے سُن کے نامِ فراق
وہ لوگ کیسے ہیں جیتے ہیں جو جدائی میں

وہ لطفِ یار کی بیگانگی میں پنہاں تھا
امیدوار تھے ہم جس کے آشنائی میں

بس اتنی بات پہ مرتا ہوں تجھ پہ اے کافر
کہ لوگ کہتے ہیں یہ ایک ہے خدائی میں

جو نامراد ہو پھرنا تو خضر کو لو ساتھ یہ خوبیاں تو ہیں حضرت کی رہنمائی میں

خدا کی شان ہے مائل کو جانتے ہیں ولی
ہمیں کلام ہے حضرت کی پارسائی میں



ہر بات کے چرچے سرِ بازار بہت ہیں شاید کہ تری بزم میں اغیار بہت ہیں

کس منہ سے کہوں میں کہ گنہگار بہت ہیں میخانے میں رحمت کے سزاوار بہت ہیں

عاشق ترے اے ابروئے خمدار بہت ہیں کس کس پہ چلے گی تری تلوار بہت ہیں

شوریدہ سری سے مری کانپا کیے زنداں اس شہر میں ایسے در و دیوار بہت ہیں

خوشبو جو پسینے سے مرے آئے عجب کیا سینے میں مرے گلشن و گلزار بہت ہیں

اللہ ہی یہ کیا حصر ہے بندے بھی ہزاروں اس حسنِ دل آرا کے خریدار بہت ہیں

کچھ طول تو دو اور بھی تم زلفِ دوتا کو ہے دام تو چھوٹا سا گرفتار بہت ہیں

واعظ کبھی میخانے میں تم آکے تو دیکھو دستارِ فضیلت کے سزاوار بہت ہیں

دیکھوں تو کدھر ہو کے چلی آتی ہے توبہ کوچے میں مرے خانۂ خمار بہت ہیں

اے رشک ترے واسطے کس کس سے لڑوں میں گھر بیٹھے ہوئے اُن کے خریدار بہت ہیں

اک حضرتِ موسیٰ پہ تجلی نے کیا ناز کوچے میں ترے نقشِ بدیوار بہت ہیں

ہر بات میں کامل ہے مرا پیرِ خرابات ہر شان کے رندانِ قدح خوار بہت ہیں

دو چار ہی نکلیں گے طلبگار تمھارے موسیٰ کی طرح طالبِ دیدار بہت ہیں

اس خاک کے طبقہ پہ کیا حشر تو کیا ہے عالم ابھی اے شوخیِ رفتار بہت ہیں

جنت میں مجھے بھیج کہ بخشش پہ کروں ناز دوزخ میں تو مجھ جیسے گنہگار بہت ہیں

سنتے تھے بڑی دھوم قیامت کی جو دیکھا ایسے تو ترے فتنۂ رفتار بہت ہیں

آتی ہیں صدائیں مرے دل سے کہیں چاک اے رشکِ مسیحا ترے بیمار بہت ہیں

وہ آج ہی آجائیں گے یہ کیسے یقیں ہو قامت میں قیامت کے سے آثار بہت ہیں

کس واسطے ہم منتِ اغیار اٹھائیں گر جنس ہے اچھی تو خریدار بہت ہیں

ہم جیسے مریضوں کی دوا آئے کہاں سے — تیرے تو علاج اے دلِ بیمار بہت ہیں

جو تیر کے مانند گزر جاتے ہیں دل سے — ایسے مرے دیوان میں اشعار بہت ہیں

مائلؔ پہ نظرِ ساقیِ کوثر کی پڑی ہے

ہونے کو زمانے میں قدح خوار بہت ہیں



مانا جو تری رکھتے ہیں پہچان بہت ہیں — تھوڑے ہیں فرشتے مگر انسان بہت ہیں

مرنے کے شبِ ہجر میں ارمان بہت ہیں — وہ آئیں تو جینے کے بھی سامان بہت ہیں

ہم آئے تو پھر آکے پشیمان بہت ہیں — اے عقل تری بزم میں نادان بہت ہیں

نورِ نگہِ مست سے ساقی کی عیاں ہے — اس جام میں ڈوبے ہوئے ایمان بہت ہیں

وہ آنکھ ہے جو جلوۂ جاناں میں نہ جھپکے — اُڑنے کو تو طوطی کے سے اوسان بہت ہیں

اے قیس بس اک کوچۂ لیلیٰ ہی نہیں ہے — طے کرنے تجھے عشق کے میدان بہت ہیں

شکووں پہ نہ آنے کے نیا عذر نکالا — کہتے ہیں کہ دل میں ترے ارمان بہت ہیں

آ چک کہیں اے گرمیِ بازارِ محبت — تیرے تو خریدار مری جان بہت ہیں

جاؤں تو کہاں در سے ترے اے بتِ کافر — دوزخ میں بھی کم بخت مسلمان بہت ہیں

دیکھا کروں بیٹھا وہ ترا مصحفِ رخ ہے — پڑھنے کے پڑھانے کے تو قرآن بہت ہیں

میں نے جو قسم کھائی تو کہتے ہیں کہ جی ہاں — دنیا میں قسم کھانے کے ایمان بہت ہیں

اے کاکلِ خمدار ذرا لطف و کرم کر — ہم حلقہ بگوشوں میں پریشان بہت ہیں

تسکیں دمِ رخصت مجھے یہ کہہ کے ہیں دیتے — باقی ترے دل میں ابھی ارمان بہت ہیں

نالے بھی مرے ہمتِ مردانہ ہیں رکھتے — ہر چند کہ افلاک بھی ذی شان بہت ہیں

اک صاحبِ ہمت ہے مرا پیرِ مغاں بھی — کیا غم ہے جو میخانے میں مہمان بہت ہیں

اتنا تو کہوں گا کوئی مانے کہ نہ مانے — مایوس مجھے کر کے پشیمان بہت ہیں

ہیں اپنی تباہی کا ترے آگے الٰہی — کس منہ سے کروں شکوہ کہ احسان بہت ہیں

فرہاد تو اک کوہ میں سر پھوڑ رہا ہے — مجنوں تری وحشت کے بیابان بہت ہیں

اک تار نچوڑوں تو دو عالم کو ڈبو دوں — دامن میں مرے گریہ کے طوفان بہت ہیں

کیا بحرِ محبت میں ہیں آنکھیں مری ڈوبی — کہتی ہے جو ہر موج کہ طوفان بہت ہیں

ایک ایک خس و خارِ قفس کو مرے پھونکا — مجھ پہ تو تپِ ہجر کے احسان بہت ہیں

صحرا میں جو رہتا ہوں تو بکتا ہوں جنوں میں — گلشن میں ترے چاک گریبان بہت ہیں

کعبہ میں کبھی ہم نے کوئی مائل سا نہ دیکھا
ہونے کو تو دنیا میں مسلمان بہت ہیں



تیری نظر پھری ہے مقدر سے کیا کہیں — مرتے ہیں تجھ پہ چرخِ ستمگر سے کیا کہیں

دل دے کے اپنے آپ پڑے ہیں عذاب میں — اب ہم کہیں تو داورِ محشر سے کیا کہیں

طرار و خود پسند دل آزار و فتنہ گر — دلبر بھی کیا ملا ہے مقدر سے کیا کہیں

آئینہ نے جہان کو خود بیں بنا دیا — کیا کام کر گیا ہے سکندر سے کیا کہیں

چلتا ہے بچ کے سایۂ قامت سے دور دور — اب وہ کہیں تو فتنۂ محشر سے کیا کہیں

ایسے گنہ کیے ہیں کہ جو ہو سزا بجا — آتی ہے شرم داورِ محشر سے کیا کہیں

آزارِ دوست جان ہے ناصح کی کیوں سنیں — دل ہے جفا پسند ستمگر سے کیا کہیں

الفت دکھا کے آپ گرے ہیں نظر سے ہم — اپنا ہی ہو قصور تو دلبر سے کیا کہیں

ہم آئے بتکدے سے ابھی ہو کے کامیاب — پر آ گئی یہ شرم کہ پتھر سے کیا کہیں

پوچھو نہ جوشِ دیدۂ پرآب کا سبب — کیا جانے کیوں چھلکتے ہیں ساغر سے کیا کہیں

جو کچھ گزر گئی ہے خدا سے کہیں نہ ہم — ہم ماجرائے غم بتِ کافر سے کیا کہیں

شاید کہ سن لیا مری ناکامیوں کا حال — ناصح جو کہہ گیا کہ بد اختر سے کیا کہیں

کرلیں اسے دکھا کے زلیخا سے گفتگو — یعنی ادب کی جا ہے پیمبر سے کیا کہیں

قسمت ہی میں نہ ہو جو شہادت تو کیا کریں — قاتل ہی ناز میں ہو تو خنجر سے کیا کہیں

دیدہ ہی اپنے یار کو آزردہ کیوں کریں — توبہ کی سرگزشت کو ساغر سے کیا کہیں

وہ خود ہی جانتے ہیں کہ یہ بادہ خوار ہے
مائل کہیں تو ساقیِ کوثر سے کیا کہیں



رنگ لائے نہ مرا دیدۂ خونبار کہیں
نظر آتے ہیں محبت کے پھر آثار کہیں

یہ جگہ ہے یہ سرِ سینہ مرا حاضر ہے
آزما کے تو ذرا دیکھیے تلوار کہیں

ہے یہی طرزِ تغافل تو کسی دن ہم بھی
تیرے کوچے سے چلے جائیں گے ناچار کہیں

میں تو چھوٹوں کہ نہ چھوٹوں مگر اے حضرتِ دل
آپ ہونا نہ مرے ساتھ گرفتار کہیں

مفت میں حضرتِ واعظ کو لیے پھرتے ہیں
درِ مسجد ہے کہیں خانۂ خمار کہیں

وہ تجلی کا ہے عالم کہ ترے کوچے میں
ہم نے دیکھا ہی نہیں سایۂ دیوار کہیں

نہیں تم سا تو ستمگار زمانے میں نہیں
کوئی مجھ سا بھی نہ پاؤ گے وفادار کہیں

نہ کھلا پر نہ کھلا تیرے دہن کا عقدہ
نہ ملا پر نہ ملا محرمِ اسرار کہیں

کبھی میخانے پڑے راہ میں ایسے بھولے
ہم نے روزہ ہی کیا ہائے نہ افطار کہیں

اک اشارے سے کیا سارے جہاں کو بسمل
بڑھ گئے تلوار سے ہے ابروئے خمدار کہیں

گر ہمیں خلد میں بھیجو تو انھیں دوزخ میں
ایک جا رہتے نہیں زاہد و میخوار کہیں

کہیں پیدا ہیں بھلا حضرتِ ناصح جیسے
کبھی دیکھے ہی نہیں ایسے تو غمخوار کہیں

صحبتِ مائلِ میکش میں نہ بیٹھو واعظ
رہن رکھتے نہ پھرو جبّہ و دستار کہیں



ہاں بجا آپ کہیں محفلِ اغیار کہیں
ہمیں بیٹھے تھے بنے صورتِ دیوار کہیں

قبر میں بھی تو مری حشر بپا رہتا ہے
چین دیتی ہی نہیں شوخیِ رفتار کہیں

تیرے کوچے کے سوا سارے جہاں میں ہم نے
سر فروشوں کا تو دیکھا نہیں بازار کہیں

ہم سے پوچھو جگر و دل کی جراحت کے مزے
ہم پہ پڑ جاتی ہے تلوار پہ تلوار کہیں

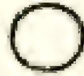
وہ پرے عرش سے یہ طور پہ کیا مضموں ہے
جلوۂ یار کہیں طالبِ دیدار کہیں

تیری بخشش کا بھروسا تری رحمت کی امید
کوئی ٹلتے ہیں ترے در سے گنہگار کہیں

یہ ہی کہہ دو نہیں ملنا ہمیں تم سے منظور
ایک دن مٹ تو چکے روز کی تکرار کہیں

حشر میں میری غلط آپ مگر پوچھیں تو
جھوٹ دیدیں گے گواہی در و دیوار کہیں

لوگ کہتے ہیں کہ ہوتی ہے دعا اس کی قبول
آزمائیں جو ملے مائلِ میخوار کہیں



اب تو ناصح تجھ سے ترکِ عشق ہو سکتا نہیں
ہاتھ جب آ ہی گئی دولت تو کھو سکتا نہیں

عشق ہے کیا چیز یارب کچھ بھی ہو سکتا نہیں
چاہوں گر دل کھول کر رونا تو رو سکتا نہیں

آہِ سوزاں اے فلک تجھ کو جلا سکتی تو ہے
گر ہمارا دیدۂ گریاں ڈبو سکتا نہیں

کوہکن نے جلیتوں کو کاخِ شیریں کر دیا
ایک خسرو ہے کہ پتھر اس کے ڈھو سکتا نہیں

عشق کی غیرت تو دیکھو جل تو جاتا ہے مگر
خاک پر پروانہ کی پروانہ رو سکتا نہیں

وصل میں بھی وہ ہی بیتابی ہے رہتی پیچ و تاب
صبر عاشق کو کسی حالت میں ہو سکتا نہیں

ہو نہیں سکتا غریقِ رحمتِ پروردگار
جو خمِ صہبا میں اپنے کو ڈبو سکتا نہیں

وہ ہماری وحشتِ دل کا کریگا کیا علاج
نوکِ نشتر جو رگِ جاں میں چبھو سکتا نہیں

عہدِ پیری میں ملیں کیونکر جوانی کے مزے
گرم و سردِ دہر کو کوئی سمو سکتا نہیں

دشمنی اور دوستی کی حد سے کوسوں دور ہوں
میرے حق میں غیر بھی کانٹے تو بو سکتا نہیں

لاکھ دریا اس سے نکلیں بھی تو کوہِ بے ستوں
داغِ خونِ کوہکن دامن سے دھو سکتا نہیں

جیتے جی تو نیند کیسی قبر میں بھی آدمی
اک ذرا کھٹکا ہو دل میں پھر تو سو سکتا نہیں

وہ گئے دن جو اٹھا کر تے تھے طوفاں رات دن
گریہ سے رومال بھی اب تو بھگو سکتا نہیں

دو کہیں کہہ اٹھے مرے اشکِ مسلسل دیکھ کر
تیرے آگے جوہری موتی پرو سکتا نہیں

ہو کے پابندِ وفا میں کس غضب میں پڑ گیا
دل کو رو سکتا نہیں اور جاں کو کھو سکتا نہیں

اپنے رونے کا تماشا میں دکھا دیتا مگر
دیدہ و دانستہ عالم کو ڈبو سکتا نہیں

کیسے مانوں حضرتِ مائل کہ اس برسات میں
آپ کی توبہ نہ ٹوٹے یہ تو ہو سکتا نہیں



میکشی کا مجھ پہ ہرگز بھی گماں ہوتا نہیں
گر غلامِ حضرتِ پیرِ مغاں ہوتا نہیں

رہروانِ راہِ الفت کا نشاں ہوتا نہیں
وہ سُبک رَو ہیں غبارِ کارواں ہوتا نہیں

عشق کا بندہ بنا ہوں میں تو اتنی بات پہ
مہرباں ہو کر کبھی نامہرباں ہوتا نہیں

آ ہی جائے اس کو اپنی اس ستم گاری کا لطف
میرے نالوں کے مقابل آسماں ہوتا نہیں

ایک اس کا نام ہے جس سے کھٹک جاتا ہوں میں
جس سے اس کے روبرو اپنا بیاں ہوتا نہیں

پھر نہ ہوتا چرخ سے بھی اس چمن کا انقلاب
بلبلِ کم بخت کا گر آشیاں ہوتا نہیں

قابلِ بوسہ نہ ہوتا سنگِ اسود حشر تک
اس کے گھر کا گر یہ سنگِ آستاں ہوتا نہیں

میری جاں کو اک نگہ میں وہ تو بیجاں کر گئے
کام یہ تو تجھ سے مرگِ ناگہاں ہوتا نہیں

اس بتِ کافر کو مجھ سے بدگمانی کیوں نہ ہو
راز داں بھی اس کے آگے ہمزباں ہوتا نہیں

جو نہ ہوئی ہو قیامت وہ بپا ہونے کو ہے
اب دلِ بیتاب سے ضبطِ فغاں ہوتا نہیں

جانتے ہیں اس کی جا مائل کو سارے بادہ کش
میکدہ میں جب کبھی پیرِ مغاں ہوتا نہیں

○

اک باغ باغِ خلد ہے ایسا برا نہیں
گو اس میں میکدے کی سی آب و ہوا نہیں

بوئے وفا ہو جس میں وہ وعدہ ترا نہیں
رنگِ اثر ہو جس میں وہ میری دعا نہیں

پنہاں ہیں مہر و لطف میں انداز جور کے
اس طرز کی جفا ہے کہ گویا جفا نہیں

یہ بھی ہے ایک طرزِ نویدِ وصال کی
کہتے ہیں میرے ہاتھ سے تیری قضا نہیں

آؤں نہ تیرے در پہ تو ناچار کیا کروں
قابو میں دل نہیں مرے نالہ رسا نہیں

ناصح وہ بے وفا ہی پہ کیسے چھوڑ دوں
یہ کام عاشقی میں کسی سے ہوا نہیں

کتنا ہی سر بلند ہو کیسا ہی بے نیاز
بنتا کسی طرح سے بھی بندہ خدا نہیں

گل کا جگر ہے چاک تو بلبل ہے نالہ کش
تیغِ ادائے ناز سے کوئی بچا نہیں

تاثیرِ جذبِ شوق کسی کا تو کہہ گیا
وہ شوخیاں نہیں ہیں وہ ناز و ادا نہیں

ناصح کی بات بات کو مانوں تو کس طرح
میری تو ایک بات بھی وہ مانتا نہیں

اب آئے یا نہ آئے زمانہ میں فصلِ گل — وہ ولولہ وہ جوش وہ دل ہی رہا نہیں
اب ہم کو دے نہ دے یہ اُسے اختیار ہے — قسمت میں وہ لکھا ہے کسی کی لکھا نہیں
کس کی نگاہِ مست کی تاثیر ہو گئی — دنیا میں نام کو بھی کوئی پارسا نہیں
وہ حال پوچھتے ہیں تجاہل سے بار بار — شوخی تو دیکھیے کہ سنا اور سنا نہیں
مانگیں جو ایک بار تو بہ سے ہزار بار — تیری تو میکشوں کی سی واعظ دعا نہیں
وہ لوگ تیرے در پہ جبیں سائی کر گئے — سمجھا جن کو یہ یقیں کہ بندہ خدا نہیں
پوچھے تو کوئی مجھ سے شبِ غم کی زندگی — کہنے کی ہے یہ بات کہ آتی قضا نہیں
عبرت یہ کہہ رہی ہے کہ دنیا سراب ہے — حیرت وہ چھا رہی ہے کہ دل رہنما نہیں

برباد اپنے نالۂ موزوں کو کیوں کروں
سائل جہان میں دلِ درد آشنا نہیں



یہ کیا ہے پیرِ مغاں کا اگر عتاب نہیں — ہمارے جام میں اک قطرۂ شراب نہیں
جسے کہ برشِ تیغِ ادا کی تاب نہیں — نہیں نہیں وہ شہادت میں کامیاب نہیں
اسی خیال میں توبہ سے ہو گئی کچھ دن — کہ کائنات میں اک قطرۂ شراب نہیں
وہ اور مجھ پہ غضب ہوں خدا خدا کیجیے — یہ حسن و عشق کے نیرنگ ہیں عتاب نہیں
عذاب وہ ہے کہ کھٹکا ہو غیر کا جس میں — تری جدائی میں جو کچھ بھی ہے عذاب نہیں
لطیف طبع ہیں جتنے جناب شیخ ہی کیا — شراب ناب کے پینے سے اجتناب نہیں
ذرا سی پیتے ہی بزکار اٹھوں مرے خم میں — شراب خانۂ منصور کی شراب نہیں
یہ بات کیا ہے جو خوش خوش ہیں چارہ گر میرے — یہ آج کیا ہے کہ کل کا سا اضطراب نہیں
کہاں سے نالۂ مستانہ دل میں پیدا ہو — نظر میں ایک بھی مستِ مئے شباب نہیں
ڈبوؤں چشمۂ کوثر میں جا کے توبہ کو — کہ میکدے میں تو اک بوند بھی شراب نہیں
عدو سے کہتے ہیں بڑھ کر وہ میرے نامہ کو — سلام تم کو لکھا ہے مگر جواب نہیں
مجھی سے کرتے ہیں باتیں یہ لطف تو دیکھو — مجھی کو کہتے ہیں تو قابلِ خطاب نہیں

جنابِ عشق کی کھا کھا کے ٹھوکریں دن رات
وہ بن گیا ہوں کہ میرا بھی اب جواب نہیں

وہ خانقاہ میں ہوگا کسی مصلّے پر
کہ جس نصیب میں اک قطرۂ شراب نہیں

غرور و ناز و تکبر کا ان کے کیا شکوہ
مرے سلام کی تقدیر میں جواب نہیں

ادا ادا سے برستی ہیں مستیاں پھر بھی
نگہ نگہ سے ٹپکتا ہے بے حجاب نہیں

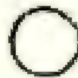
طلوع ہوتے ہی میدانِ حشر کانپ اٹھا
یہ داغِ سینۂ سوزاں ہے آفتاب نہیں

اٹھو بھی قبر سے یارو کہاں یہ ہنگامہ
سحر ہے روزِ قیامت کی انقلاب نہیں

وفا کا ساتھ ہیں اس کے اگر نہیں تحفہ
نیاز مند کو منظور وہ خطاب نہیں

کہونگا کاتبِ تقدیر تجھ پہ رحمت ہو
مرے نصیب میں لکھی کہیں شراب نہیں

کرم تو دیکھیے کہتے ہیں میرزا مائل
کیے گناہ بھی ایسے کہ انتخاب نہیں



کسی نظر کو، اسے دیکھنے کی تاب نہیں
یہ ان کا نقشِ قدم ہے یہ آفتاب نہیں

یہ دیر و کعبہ میں کیا شے اگر سراب نہیں
کہ کوئی شیخ و برہمن میں کامیاب نہیں

فراقِ یار کی ظلمت جو ٹل گئی اس سے
یہ کوئے یار کا ذرّہ ہے آفتاب نہیں

گرا کے برقِ تجلی جو طور کو پھونکا
سوالِ حضرتِ موسیٰ کا یہ جواب نہیں

نجات ملتی ہے دونوں جہاں کے طوفاں سے
سفینہ نوح کا ہے کشتیِ شراب نہیں

نہ آئے نغمۂ حورانِ خلد کی آواز
تو کنجِ قبر کی تنہائی کا جواب نہیں

وہ ایک رنگ پہ رکھتے نہیں ہیں عاشق کو
کبھی نقاب ہے منہ پہ کبھی نقاب نہیں

خیال و خواب میں لپٹی ہوئی ہے خود دنیا
سمجھ کا پھیر ہے دنیا خیال و خواب نہیں

اٹھا کے ہاتھ کروں کیا کہ یاد آتی ہیں
وہی دعائیں جو کم بخت مستجاب نہیں

رہی نہ تاب کہ پڑتی نگاہِ ظاہر میں
جو دل کی آنکھ سے دیکھا تو حجاب نہیں

خدا ہی جانے کہ ہو شائع کب کہ ساقی کی
نگاہِ مست میں اندازۂ شراب نہیں

گدائے خانہ نشیں ہوں مثالِ تخت نشیں
ہزار شکر کہ مٹی مری خراب نہیں

شبِ فراق کی تاریکیاں معاذ اللہ
وہ بے نقاب بھی آئیں تو بے نقاب نہیں

نہ دے سکوں عرقِ انفعال کا چھینٹا
بلند حشر میں اتنا تو آفتاب نہیں

یہ بات کیا ہے کہ قاتل کے وہ نہیں تیور
یہ بات کیا ہے کہ خنجر میں آب و تاب نہیں

وہ بات اب بھی نکلتی ہے اگلے لوگوں میں
کہ آجکل کے جوانوں کا وہ شباب نہیں

گئی ہے جب سے جوانی کی نیند آنکھوں سے
خدا گواہ ہمیں آرزوئے خواب نہیں

رہا نہ کوئی بھی موقع گلے کا کہنے میں
وہ کونسی ہیں دعائیں جو مستجاب نہیں

مرے نصیب میں لکھا ہے حوضِ کوثر تک
نصیبِ شیخ میں اک قطرۂ شراب نہیں

دعا قبول ہو میری تو کس طرح مائل
جگر کباب نہیں دیدۂ پُر آب نہیں

○

یہ طعن کیوں ہے کہ دل سا جگر کباب نہیں
کسی کو تاب ہے غم کی کسی کو تاب نہیں

نہ اس کے نام کی مہر ہو تو وہ حساب نہیں
نہوں جو وصف تمہارے تو وہ کتاب نہیں

نہ دیکھتے ترے ابرو تو سب یہی کہتے
بیاضِ حسن میں اک بیت انتخاب نہیں

تمام عالمِ حسن و جمال دیکھ لیا
کسی ادا کا تمہاری کہیں جواب نہیں

کتاب خانۂ قدرت تمام دیکھ لیا
تمہارے مصحفِ رخسار کا جواب نہیں

خدا کی یاد کی کہتا نہیں مگر پی کر
جو ذکرِ ساقیِ کوثر نہ ہو شراب نہیں

جدا ہوں اس سے یہ کیونکر سمجھ میں آجائے
جدا تو بحر سے موجیں نہیں حباب نہیں

عجیب چیز ہے دنیا میں زندگی میری
کہ جس میں نام و نشانِ خیال و خواب نہیں

نہ تھا وہ بزم میں جب تک حسین کہتے تھے
تمام اچھے ستارے ہیں ماہتاب نہیں

جو آئے لوگ ترے عاشقوں کو سمجھانے
مرے خیال میں وہ قابلِ خطاب نہیں

بہار آتی ہے کس کی تلاش میں یارب
جو اس چمن میں وہ سرمایۂ شباب نہیں

بشر کی آنکھ تو ایسی کہاں کہ دیکھ سکے
تمہارے حسن کی روح الامیں کو تاب نہیں

نہ آیا ۔

سرِ نیاز وہ میرا ہے سجدہ کرنے سے
جیسے کہ نقشِ قدم پر ترے حجاب نہیں

اگر ہے عشق تو وہ ہوں خدا ہو کوئی ہو
کسی کا تشنۂ دیدار کامیاب نہیں

وہ رو سیہ ہوں کہ کافی ہوں تیری رحمت کو
وہ بے حیا ہوں کہ منھ پر مرے نقاب نہیں

مرے خیال میں جب سے ہے وہ رخِ روشن
مری نظر میں سماتا ہی آفتاب نہیں

وہ بے پتہ ترے عاشق ہیں بحرِ الفت میں
جو ڈوب جائیں تو اٹھے کوئی حباب نہیں

خدا کے سامنے کہہ دوں تمھارے چہرہ کو
قسم ہے نور کی تیرے یہ آفتاب نہیں

شمار کیوں نہیں کرتے ہو خاکساروں میں
مری زبان پہ کیا ابو تراب نہیں

شراب خانۂ ہستی میں کیا نہیں اکمل
بھرا ہوا ہے مگر قابلِ جناب نہیں



کسی آنکھ میں بھی مروّت نہیں
یہ کیا ہے جو قربِ قیامت نہیں

نہیں اس میں ایسی شرارت نہیں
نہیں تجھ سے بڑھ کر قیامت نہیں

وہ آنے کو آجائیں کیا بات ہے
مگر ایسی اپنی تو قسمت نہیں

سنو ناصحوں کی غمِ ہجر میں
کوئی اس سے بڑھ کر مصیبت نہیں

شبِ غم میں گھبرائے کیونکر نہ دل
کوئی صبح ہونے کی صورت نہیں

یہاں تک کیا ہے زمانے نے تنگ
مجھے سر اٹھانے کی طاقت نہیں

غم و درد سہنے کو سہتے ہیں پر
وہ اگلی سے اب دل میں ہمت نہیں

زباں منھ میں رکھتے ہیں ہم بھی مگر
گلے شکوے کرنے کی عادت نہیں

مجھی کو ملیں ساری ناکامیاں
مری سی کسی کی بھی قسمت نہیں

یہ دم دیکھے اکھڑا تا ہوں یاس
مرے دل میں کوئی بھی حسرت نہیں

پھر ایسی تمھیں مجھ سے نفرت ہو کیوں
اگر مجھ کو تم سے محبت نہیں

چھڑک جائیں وہ بھی نمک زخم پر
مجھے ناصحوں سے شکایت نہیں

کسی کی نہیں تیری سی چال ڈھال
کسی کا بھی تیرا سا قامت نہیں

کچھ ایسا زمانے نے بدلا ہے رنگ — کسی کو کسی کی محبت نہیں
مریدوں میں جو چاہیں بنجائیں شیخ — مگر میکشوں میں تو عزت نہیں
مزہ بیکسی کا وطن میں کہاں — میسر وہاں شامِ غربت نہیں
شبِ غم مرے گھر میں نازل نہ ہو — جہاں میں کوئی ایسی آفت نہیں
بہت میں نے کاٹے ہیں کوہِ الم — مری کوہکن کی سی ہمت نہیں
پئیں متصل کیسے دو چار جام — ابھی شیخ صاحب کو عادت نہیں
مجھے وہ خدا نے دیا دردِ دل — کہ دم بھر کبھی رونے سے فرصت نہیں
خدا جانے کیوں ہے زمانے کو رشک — کسی بات میں اپنی شہرت نہیں
رہو چپ کبھی ناصح کہ سننے کی تاب — نہیں مجھ میں حضرت سلامت نہیں
وہ آنکھیں نہیں جن میں جادو نہ ہو — وہ قامت نہیں جو قیامت نہیں
جہاں ایک دو بھی نہ ہوں میکدے — برستا وہاں ابرِ رحمت نہیں
جہاں کے مرقع کو دیکھا ہے خوب — کسی کی بھی تیری سی صورت نہیں
چہکتی ہے بلبل تو چہکا کرے — زباں میں ہماری بھی لکنت نہیں
رہے مست ویسے ہوش برسوں ہی ہم — گئی اپنی پر آدمیت نہیں
ہمارا سخن تو ہے کرسی نشیں — لبِ فرش بیٹھیں تو ذلت نہیں
جو مل جائے واعظ تو پوچھوں یہ میں — کہیں شعر کہنا تو سنت نہیں

مرے آگے مائلؔ نوا سنجیاں
مگر بلبلوں کو جمیّت نہیں



نہیں تجھ میں تو وفا اے بتِ مغرور نہیں — آزمائش ہے عدو کی تو یہ دستور نہیں
زندگی آپ ہی اپنی مجھے منظور نہیں — ورنہ راہِ درِ جانانہ تو کچھ دور نہیں
جام ادھر دے کہ مرا دل ہے یہ منصور نہیں — سب ہی یکساں ہوں زمانے میں یہ دستور نہیں
مرگِ فرہاد ہے کچھ کھیل نہیں ہے پرویز — جانِ شیریں کی بچے عشق کا دستور نہیں

عظمتِ کعبہ مسلم ہے مگر بتکدے میں
ایک آرام یہ کیسا ہے کہ کچھ دور نہیں

ہائے کس وقت میں وہ مجھ سے ملے ہیں آکر
جان دینے کا بھی اب مجھ میں تو مقدور نہیں

ہیں نظر باز ہی دل میں ترے اے واعظ
ہاں بھلا کہا تو قسم یاد رخِ حور نہیں

ہیں وہ عاجز کہ نہیں دل پہ بھی اپنے مختار
تو وہ قادر کہ کسی حال میں مجبور نہیں

ستمِ یار کہیں ہے تو کہیں جورِ فلک
کوئی ایسا نہیں دنیا میں کہ رنجور نہیں

اب نہ جینے کی توقع ہے نہ مرنے کی امید
وصل تو وصل اسے قتل بھی منظور نہیں

نالہ جاتا ہے بہت ہی شرر افشاں ہو کر
عرش تک آگ لگا آئے تو کچھ دور نہیں

شمع روتی ہے ادھر جلتے ہیں پروانے ادھر
آج کیا بزم میں وہ کافرِ مغرور نہیں

کبھی دو چار انہیں شعر سنا آتا ہوں
ذرّ و گوہر کا تو اس وقت میں مقدور نہیں

ہاتھ سے مائلِ مے کش کے کسی دن واعظ
آبرو تیری بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں



کیا ہمارے دلِ سوزاں میں وہ ناسور نہیں
جس کی قسمت میں لکھا مرہم کافور نہیں

دلِ بیتاب سے بگڑے کہ بنے کچھ بھی ہو
بزمِ اغیار میں جانا ہمیں منظور نہیں

ایک وہ ہیں کہ چلے آتے ہیں تنہا ہی لیکر
ایک ہم ہیں کہ خدائی ہمیں منظور نہیں

ڈوب مرتو کسی میخانے کے خم میں اے شیخ
حوضِ کوثر میں اگر بادۂ انگور نہیں

آپ دیکھیں جو ذرا آکے تو جھگڑا مٹ جائے
چارہ گر کہتے ہیں دل میں ترے ناسور نہیں

ضبط کہتے ہیں اسے پی کے دکھا دیتا ہوں
میرے ساغر میں نہیں بادۂ انگور نہیں

کیوں نہ ہوں تیر اندھیرے کے دعائیں اگلی
دل میں زاہد کے محبت کا ذرا نور نہیں

تیری تقریر میں تاثیر ہو کیونکر واعظ
حسن کا ذکر نہیں عشق کا مذکور نہیں

صبر آئے بھی تو آئے مجھے کیونکر صیاد
آشیانے سے قفس بھی تو مرا دور نہیں

تجھے نفرت ہے حسینوں سے تو سن رکھ واعظ
تیری تقدیر میں جنت ہے مگر حور نہیں

خم اٹھانے کو پکڑ لائے کہاں سے میکش
واعظِ شہر ہے کم بخت یہ مزدور نہیں

مرضِ عشق کو سنتے ہیں کشش رکھتا ہے
وہ عیادت کو چلے آئیں تو کچھ دور نہیں

میں نے یوسف جو لکھا اُن کو تو آیا یہ جواب
ایسے گستاخ سے ملنا مجھے منظور نہیں

میری آنکھوں سے دمِ مرگ وہ دریا اُمڈیں
ملک الموت بھی بہہ جائے تو کچھ دور نہیں

بتکدے کو تو گیا عشقِ بتاں میں مائل
ہر قدم پہ یہ ندا تھی کہ خدا دور نہیں



ایک خنجر کی زبانی ہے یہ مشہور نہیں
کوچۂ یار سے فردوسِ بریں دور نہیں

رہ گئے ہیں ہمتِ مردانِ خدا کے بندے
بات بگڑی ہوئی بن جائے تو کچھ دور نہیں

جب سے چھوٹا ہے مرے ہاتھ سے دامن اُنکا
لوگ کہتے ہیں کہ تو صاحبِ مقدور نہیں

وہ تو ہر بات کا میری یہی دیتے ہیں جواب
عشق کا شیوہ نہیں حسن کا دستور نہیں

کھینچتے دار پہ ہیں کس کو شریعت والے
یہ انا الحق تو لبِ والۂ منصور نہیں

ہم تو جب جانیں شبِ غم کی سحر ہو جائے
لوگ کہتے ہیں خدا کو کہ وہ مجبور نہیں

اہلِ توبہ کا کریں بند وظیفہ اے شیخ
حضرتِ پیرِ مغاں کا تو یہ دستور نہیں

مصلحت اس کی مقدم ہے وگرنہ تاثیر
تیرے دامن سے مرادِ دستِ دعا دور نہیں

عالمِ نور کا سرمہ بھی لگائیں جو کلیم
تاب لائیں ترے جلوے کی یہ مقدور نہیں

کونسی روح ہے پروانہ نہیں جو تجھ پر
کونسی شمع ہے جس میں کہ ترا نور نہیں

کیوں نہ مقبولِ خدا نقشِ قدم ہو اس کا
خاکساروں سے سنا ہے کہ وہ مغرور نہیں

عمر گزری ہے مری اس کا ہی کلمہ بھرتے
وہ دمِ نزع جو آجائے تو کچھ دور نہیں

کوئی میخانہ نہیں دخترِ رز سے خالی
کوئی جنت نہیں ایسی کہ جہاں حور نہیں

سارے عالم کو زیارت کا بہانہ ہو جائے
کوچۂ یار میں مرنا ہمیں منظور نہیں

ہو گیا خاک تو میں خاک میں ملتے ملتے
پھر بھی کہتے ہیں کہ تجھ سا کوئی مغرور نہیں

کہہ اٹھا جوش میں منصور تو اس کی ہوشاں
بادہ خوارانِ محبت کا یہ دستور نہیں

آج لجا بیٹھا جو کچھ بھی خدا سے مانگیں
آج سینے میں ہمارے دلِ مغرور نہیں

مائلؔ ذوقِ سخن محوِ سخن ہوں میں تو (ق) میر و سودا کی سی شہرت مجھے منظور نہیں

ہوں ظہوریؔ کے مقابل میں خفائے غالب

میرے دعوے پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہیں



مستی میں اس کی ترچھی نظر ہے بھی اور نہیں
کچھ انجمن میں فتنہ و شر ہے بھی اور نہیں

اس بزم میں صبا کا گذر ہے بھی اور نہیں
کچھ عطر بیز بادِ سحر ہے بھی اور نہیں

سب اس کو جزو و کل کی خبر ہے بھی اور نہیں
ہاں خاص رازدار بشر ہے بھی اور نہیں

الفت میں سو طرح کا خطر ہے بھی اور نہیں
امکان کی کہیں لگے ضرر ہے بھی اور نہیں

ہر لطف آپ کا ستم آمیز کیوں نہ ہو
ہر بات میں ہماری اثر ہے بھی اور نہیں

رحمت پہ اس کی تکیہ ہے عصیاں کا خوف بھی
ہمراہ اپنے زادِ سفر ہے بھی اور نہیں

کم کم جو انجمن میں انھیں دیکھتے ہیں ہم
کہتے ہیں ان کو ذوقِ نظر ہے بھی اور نہیں

کرتا ہے منع عشق سے بھرتا ہے آہ بھی
ناصح کو دردِ دل کی خبر ہے بھی اور نہیں

شیریں کو کوئی کام نہ آیا ترا پسند
فرہاد تجھ کو یاد ہنر ہے بھی اور نہیں

کیا فرض ہے کہ سارے حسیں آپ ہی ہوں
دلکش جہاں میں حسنِ بشر ہے بھی اور نہیں

گھبراتے ہیں اور اٹھتے نہیں بزمِ غیر سے
آہ و فغاں میں اپنی اثر ہے بھی اور نہیں

ہونے کو ہے مگر نظر آتی نہیں کبھی
مضمون ہے نیا کہ کمر ہے بھی اور نہیں

تیروں سے کچھ چھدا ہے تو کچھ داغ داغ ہے
کہنے کو عاشقوں کے جگر ہے بھی اور نہیں

جلوؤں سے وہ ہوا ہے تحیر کیا کہیں
بزمِ جہاں کی ہم کو خبر ہے بھی اور نہیں

وہ اور مجھے لکھیں کہ نہ گھبرائیں گے ہم
شاید کہ غیر مدِ نظر ہے بھی اور نہیں

اے آہ ایک کام بھی پورا نہ ہو سکا
عالم تمام زیر و زبر ہے بھی اور نہیں

ظالم قدم قدم پہ شہیدوں کے ہیں مزار
آباد تیری راہگذر ہے بھی اور نہیں

کچھ دغدغہ ہے قہر کا کچھ عفو کی امید
روزِ جزا کا ہم کو خطر ہے بھی اور نہیں

دل میں حرم میں دیر میں ہر جا ہے بت شریک
اللہ کا جہان میں گھر ہے بھی اور نہیں

گردش میں رہنے کی ہمیں عادت ہی ہوگئی
مانندِ آفتاب سفر ہے بھی اور نہیں

مژگاں پہ شکلِ دُر ہے تو دامن پہ آب ہے
ہے طرفہ چیز اشک گہر ہے بھی اور نہیں

کچھ ایسی مرگ و زیست کی ہیں کشمکش میں ہم
اس رات کی امیدِ سحر ہے بھی اور نہیں

مل جائے مفت کی تو یہ پی جائے خم کے خم
واعظ کو میکشی سے حذر ہے بھی اور نہیں

ساتوں فلک ڈبوئے بجھائی نہ دل کی آگ
کچھ شرم تجھ کو دیدۂ تر ہے بھی اور نہیں

دنیا میں چاندنی ہے مرے گھر میں تیرگی
اس شب میں آسماں پہ قمر ہے بھی اور نہیں

اچھے بُروں کو داد برابر ہی ملتی ہے
مائل جہاں میں قدرِ ہنر ہے بھی اور نہیں



وہ جنوں کی مرے تصویر نہیں
قیس کے پاؤں میں زنجیر نہیں

تیرے منہ کو ہی تکا کرتی ہے
وہ دعا جس میں کہ تاثیر نہیں

کس طرح قاتلِ بے مہر کہوں
زہر آلودہ کوئی تیر نہیں

یوں جھجکتا ہوں حرم میں جاتے
بتکدے میں مری توقیر نہیں

دلِ مضطر کو جکڑ دوں جس سے
آہ ایسی کوئی زنجیر نہیں

آہ کا ہو کہ تری چتکی کا
پار جو دل کے نہ ہو تیر نہیں

نقش اتنا ہی قیامت میں رہا
ترے قامت کی وہ تصویر نہیں

دربدر پھر کے سمجھ میں آیا
جو بدل جائے وہ تقدیر نہیں

ہیں ابھی شیخ و برہمن ناکام
کفر و اسلام کی تصویر نہیں

ایک آنسو نہیں ہنگامِ دعا
کہوں کس منہ سے کہ تاثیر نہیں

زلف کی اور ہے ابرو کی اور
ہر ادا آپ کی شمشیر نہیں

گفتگو زلفِ پریشاں کی سُنی
کوئی الجھی ہوئی تقریر نہیں

کل تو نالوں نے دیا صاف جواب
آج آہوں میں بھی تاثیر نہیں

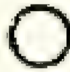
جو شبِ غم کو کرے دو ٹکڑے
ایسی چلتی ہوئی شمشیر نہیں

ذبح کرنے کو وہ آئے ہیں مجھے ۔۔۔ یاد ہوتی جنھیں تکبیر نہیں

وار جس کا نہ ہوا ہو مجھ پر ۔۔۔ کوئی خنجر کوئی شمشیر نہیں

اگر اچھی نہیں اچھا نہ سہی ۔۔۔ کچھ بُری بھی مری تقدیر نہیں

رنگِ عصیاں کا بھرا ہو جس میں
مائلؔ ایسی مری تصویر نہیں



شیخ مستانہ جو تقریر نہیں ۔۔۔ پیرِ میخانہ ترا پیر نہیں

میں جو کہتا ہوں جنوں میں کوئی بات ۔۔۔ تو کہا کرتی ہے زنجیر نہیں

بن گئے گنجِ شہیداں لاکھوں ۔۔۔ پر وہ کھینچے ہوئے شمشیر نہیں

بزمِ اغیار میں کر دو تقسیم ۔۔۔ بیش قیمت مری تقدیر نہیں

کر دیا عقل کو بے پا کیونکر ۔۔۔ گر جنوں صاحبِ تدبیر نہیں

اک زمانے کو بنا لے غمخوار ۔۔۔ غمِ دنیا میں یہ تاثیر نہیں

تیرے ابرو کے سوا دل میں مرے ۔۔۔ کوئی کھینچے ہوئے شمشیر نہیں

وہ بھی کہتا ہے کہ تیرا ہوں شکار ۔۔۔ جس کے سینے میں ترا تیر نہیں

سر جھکانا نہ پڑے گا جس پر ۔۔۔ کوئی ایسی مری تقصیر نہیں

میں نہیں آج سحر سے پہلے ۔۔۔ یا نشانِ فلکِ پیر نہیں

کبھی دے جائیں وہ تسکین اسے ۔۔۔ دلِ بیتاب کی تقدیر نہیں

بتکدہ ہو کہ خدا کا گھر ہو ۔۔۔ عاشقوں کی کہیں توقیر نہیں

وہ مرے قتل پہ کھینچے کیونکر ۔۔۔ آزمائی ہوئی شمشیر نہیں

دلِ زاہد ہے وہ شیشہ جس پر ۔۔۔ پیرِ میخانہ کی تصویر نہیں

اس کو آنکھوں سے لگا لو مائلؔ
خاکِ میخانہ ہے اکسیر نہیں



جس کی تائید میں تقدیر نہیں — وہ تو تدبیر میں تدبیر نہیں
اُس گنہ کی کہیں توقیر نہیں — جو گنہ قابلِ تعزیر نہیں
یہ غلط بزمِ کرم میں اُس کی — ہر گنہگار کی توقیر نہیں
یہ غنیمت ہے کہ محفل میں تری — ساتھ میرے مری تقدیر نہیں
خاک ملنے میں ہے مجنوں جو اثر — خاک اُڑانے میں وہ تاثیر نہیں
تو خدائی میں وہ یکتا کہ تری — کھینچ سکتا کوئی تصویر نہیں
اے جبیں، نقشِ قدم ہے اُس کا — اس کے قابل تری تقدیر نہیں
اشکِ خوں کی نہ ہوں جس پر مُہریں — کوئی ایسی مری تحریر نہیں
نہ ہو جب تک کہ اشارہ اُس کا — کام دیتی کوئی تدبیر نہیں
عرش پر جس کو لکھا ہو اُس نے — خاکساروں کی وہ تقدیر نہیں
میں دکھاتا تجھے اے جوشِ بہار — اس کی ملتی مجھے تصویر نہیں
دل اماں مانگ رہا ہو جس سے — وہ نگہ ہے تری شمشیر نہیں
توڑ ڈالو دلِ دشمن اک دن — اگلے وقتوں کی یہ تعمیر نہیں
رنگ رحمت کا بھرا ہے جس میں — اس سے بہتر تری تصویر نہیں
دے رہے ہو جو عدو کو مژدہ — یہ مرے خواب کی تعبیر نہیں
جو زمینوں کی قدم سے ہے ترے — آسمانوں کی وہ تقدیر نہیں

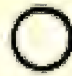
رونقِ کعبہ ہو کیوں کر مائل
بتکدے میں مری تصویر نہیں



جان اُن سے مجھے عزیز نہیں — چارہ سازوں کو کیا تمیز نہیں
وہ جو آئیں تو کیا کروں گا نثار — دونوں عالم تو کوئی چیز نہیں
آپ عالی نسب سہی واعظ — دخترِ رز بھی کوئی کنیز نہیں
کیوں نہ باندھوں کہ لوگ کہہ دیں گے — قافیہ اس غزل میں نیز نہیں

تم ہو واعظ اگر چہ پیے رستم — یہ غلام آپ کا بھی ہیز نہیں
وہ نہیں مرد جو بتوں سے ڈرے — جو خدا سے ڈرے وہ ہیز نہیں

اُن کے درباں سے تُو تکار کرے
مائل اتنا تو بے تمیز نہیں



کہتا ہوں ہاتھ رکھ کے یہ مصحف پہ کم نہیں — وہم و گماں مجھے اسی سر کی قسم نہیں
پیماں شکن کو کہتے ہو پورا رہے قول کا — ثابت قدم کو کہتے ہو ثابت قدم نہیں
یوں مجھ کو چھیڑتے ہیں وہ ہنگامِ میکشی — مذکورِ غیر شاملِ قول و قسم نہیں
میرا نہیں یہ پیرِ خرابات کا ہے قول — مکر و فریبِ شیخ بھی دنیا سے کم نہیں
عاجز نوازیاں ترے درباں پہ ختم ہیں — جو کچھ ہوا ہوا مجھے اصلاً بھی غم نہیں
ہم جا رہے ہیں دل میں تہیہ کیے ہوئے — درباں یار کا نہیں یا آج ہم نہیں
پہنچی ہے یوں حرم میں مری موت کی خبر — لڑتی تھیں جو بتوں سے اُن آنکھوں میں نم نہیں
اب سونگھتے ہیں اس کو شفا جس کے ہاتھ ہے — اب چارہ ساز لے دلِ بیمار ہم نہیں
توبہ کے ساتھ اس میں تو واعظ بھی ڈوب جائے — یہ بوند بھر شراب تو دریا سے کم نہیں
یوں چھیڑتے ہیں وسعتِ رحمت کو اُس کی ہم — دفتر گناہ کے تو ہمارے بھی کم نہیں
مورِ ضعیف زیرِ قدم دیکھتا ہوں میں — کتنا ہوں سنگدل مری آنکھوں میں نم نہیں
لے جائے کوئی چھین کے اس کا تو کیا علاج — دے ڈالوں میں کسی کو دل ایسی رقم نہیں
دل کی سی ہم کہیں نہ تمھاری سی ہم کہیں — دونوں میں ایک کے بھی طرفدار ہم نہیں
اچھی کہی ہے بات کسی خاکسار نے — وہ خاک ہی نہیں ہے جو زیرِ قدم نہیں
تدبیر وہ کروں کہ معالج رقیب ہو — نسخہ میں یہ طبیب تو لکھتے ہی سم نہیں
چھینٹے جنابِ نوح کے طوفاں سے لڑتے ہیں — یہ طفلِ اشک اپنی شرارت میں کم نہیں
روزہ رکھا جو آج تو دن اس قدر بڑھا — گھڑیاں بھی جس کی روزِ قیامت سے کم نہیں
جب تک ہے رہے نہ رہے اختیار ہے — جانِ حزیں سے کوئی بھی قول و قسم نہیں

خط تو ابھی پڑھا نہیں قاصد کے آنے کی
اتنی خوشی ہوئی ہے کہ آپے میں ہم نہیں

مکر و فریب سے ہے یہ آنا جھکا ہوا
بارِ گناہ سے کمرِ شیخ ، خم نہیں

حیران ہوں اے اجل کہ نکالیگی کس کو تو
مجھ میں خدا گواہ ذرا سا بھی دم نہیں

مائلؔ شراب خانے میں رحمت کے ساتھ ساتھ
یہ کیسی اک صفت ہے کہ اس گھر میں غم نہیں



کیا لکھیے دل خراش مضامیں اہم نہیں
کیا اپنی دردناک صریرِ قلم نہیں

سمجھے تو اپنے آپ کو معصوم ہم نہیں
رہتے ہیں میکدے میں فرشتوں سے کم نہیں

اللہ ہے کریم کچھ اس کا تو غم نہیں
یہ شکر ہے بتوں کے گنہگار ہم نہیں

اندازہ آپ کا تو کئی بار کر چکا
دوزخ بھی اک شررِ مرے سینے میں کم نہیں

واعظ گئے نہ کعبہ کو تم مر کے بل کبھی
اپنا تو سوئے بتکدہ اٹھتا قدم نہیں

آجائے وہ یقین ہے کرنے کو بے مزہ
لذتِ غمِ فراق کی خط میں رقم نہیں

گھر کے تمام فتنۂ خوابیدہ جاگ اٹھے
آنا بھی نامہ بر کا قیامت سے کم نہیں

کیفیتِ وصال بڑھانے کی طرز ہے
کس منہ سے یہ کہوں کہ ستم ہے ستم نہیں

تم جس کو مان لو سرِ دشمن کی ہے قسم
دل جس کو مان جائے خدا کی قسم نہیں

جس جا گئے ہو ہم نے ہی آنکھیں بچھائی ہیں
وہ کونسی ہے بزمِ جہاں تم ہو ہم نہیں

ابرو سے اس کے کافرِ دیندار کہتے ہیں
محرابِ دیر و کعبہ میں ایسا تو خم نہیں

مٹی خراب کس لیے کرتا ہے آسماں
عشاقِ باوفا کی تو گنتی میں ہم نہیں

اس غم میں مبتلا ہوں کہاں کی شبِ وصال
کیوں آج زلفِ یار میں کل کا سا خم نہیں

یہ بات دل نے آج بتائی تمیز کی
بے لطف جو ستم ہیں وہ اس کے ستم نہیں

ایجاد کرتے رہتے ہیں نسخے شراب کے
بیکار فصلِ گل میں تو دم بھر کبھی ہم نہیں

آبِ بقا کو پی کے بھی جیتے کبھی نہ خضر
جیتے ہیں اس خوشی میں کہ مرنے کا غم نہیں

اب ہوں گے خاک نازشِ فصلِ بہار ہم
وہ ولولے وہ جوش وہ مائل ہی ہم نہیں



دامن پہ ہم نہیں ہیں کہ خاکِ قدم نہیں
ایسے ہوئے ہیں خاک کہ اب ہم میں ہم نہیں

جتنا دلِ حزیں میں ہے میرے بھرا ہوا
اتنا خدا کی ساری خدائی میں غم نہیں

ہیں یہ بھی گو، ہاں، جلانے لگے جو بت
شمعِ صنم کدہ ہوں چراغِ حرم نہیں

آہوں میں کیا اثر ہو دعائیں ہوں کیا قبول
لکھے ہوئے ہیں ہاتھ اور آنکھوں میں نم نہیں

ساقی فراخ حوصلہ مہماں نواز ہے
اب آبروئے میکدہ کوثر سے کم نہیں

ایماں یہاں سے کون اڑا لیگیا مرا
آتی تو بتکدے میں ہوائے حرم نہیں

کیا ہے عجب جو ساکنِ کوئے بتاں کبھی
کہنے لگیں خدا کی خدائی میں ہم نہیں

اب نقشِ پا سے ان کے ملاتا ہوں سلسلہ
اب وہ نہیں ہوں خاک جو زیرِ قدم نہیں

ساقی کی چشمِ مست تصور میں دیکھ لی
اے توبہ ہوشیار اب آپے میں ہم نہیں

کعبہ کو بتکدہ مری خاطر سے کر دیا
ایمان کی کہو نگاہ یہ تھوڑا کرم نہیں

میری دعا نے صاف خدا سے یہ کہہ دیا
تجھ سے اثر کے باب میں قول و قسم نہیں

یوں پیرِ مے فروش سے کہتا ہوں دل کا حال
پہلے تھی جیسی شان وہ شانِ کرم نہیں

وہ دل ہیں میرے آئیں تو آئیں بھی کس طرح
آتشکدہ میں کوئی بھی رکھتا قدم نہیں

عاشق کی وہ فغاں ہے کہ تاثیر جس میں ہو
یوں چیخنے کو صورِ سرافیل کم نہیں

در پر تمہارے غیر نہ مر جائے کس طرح
شداد کے نصیب میں باغِ ارم نہیں

قشقہ لگا کے آئیے ایمان کے خون کا
مائل صنم کدہ ہے یہ بیت الحرم نہیں



دشمن کی جھڑکیاں کبھی سہنے کے ہم نہیں
درباں کی ٹھوکروں کی تو کھائی قسم نہیں

وہ کونسی گھڑی ہے جو ہوتا ستم نہیں
روئیں نہ اپنے حال پہ پھر تو ہم نہیں

یہ کہتے مجھ کو ساکنِ بیت الصنم نہیں؟ — مرزا ہیں وہ بزرگ کہ شیخِ حرم نہیں

آنے کا کوئی وقت تو خط میں رقم نہیں — آئیں گے یک بیک وہ قیامت سے کم نہیں

دشمن کو یہ گلا کہ کرم پر کرم نہیں — مجھ کو یہ آرزو کہ ستم پر ستم نہیں

عاشق نوازیاں ہیں یہ تیرے ستم نہیں — فریاد ہم کریں تو وفادار ہم نہیں

پرواز میں تو روح سے نالہ بھی کم نہیں — نکلا اِدھر دہن سے اُدھر ہم میں دم نہیں

ملتا کہیں نشانِ خوشی کم سے کم نہیں — دنیا وہ غمکدہ ہے جہاں غم کا غم نہیں

کعبہ بنا ہے جن کے لیے وہ ہی جائیں آئیں — اپنے مکاں سے ان کا مکاں دو قدم نہیں

گھیرے ہوئے ہیں قیس کو جنگل کے جانور — دیوانگانِ عشق کے اخلاق کم نہیں

تاثیر ہو نہ ہو یہ مقدر کی بات ہے — نالہ اِدھر تو عرش سے لیتا ہی دم نہیں

تو چیز کیا ہے تیرے فرشتوں سے چارہ گر — جب آ گئی بہار تو سنبھلیں گے ہم نہیں

جانے لگے ہیں گھر میں ہم اُن کے گھڑی گھڑی — آتا زباں پہ جو گلہ دم بدم نہیں

اُس کو جواب دوں تو مروّت سے ہے بعید — کہتا ہے مجھ سے غم کہ وہ آئے تو ہم نہیں

انگورِ عشق کی ہے سوا اس سے بھی ہر سوا — یہ بوند بھر شراب مری کم سے کم نہیں

مرغانِ باغ دیکھ کے عیشِ قفس مرا — حسرت سے کہہ رہے ہیں گرفتار ہم نہیں

مسجد و شیخ کا ہے ہمارا خمِ شراب — بگڑے تو اس گناہ میں جائیں گے ہم نہیں

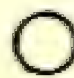
مرگِ عدو تو کچھ نہیں ہاں تیرے سوگ کا — وہ کونسا بشر ہے کہ جس کو الم نہیں

خادم بھی ہوں مرید بھی میرا تو کیا ہے شیخ — پیرِ مغاں کے آپ تو لیتے قدم نہیں

غم ہو تو اُن کو ہو جنہیں دھڑکا ہے موت کا — ہم تم پہ مر چکے ہیں مرنے کا غم نہیں

وسعت دکھائیں کس کو ہم اپنے مزار کی — دو گز زمین ساری خدائی سے کم نہیں

مائل پھرے ہوئے سے ہو کیوں پیرِ کفر سے
کیا سلسلے میں آپ کے زلفِ صنم نہیں



مٹنے کی چیز شورشِ دیر و حرم نہیں — اچھا ہے درمیاں ہی ہمارا قدم نہیں

سب ساکنانِ عرش کو بیہوش کر گئی — میری بھی آہ برقِ تجلی سے کم نہیں

ہو بھی تو اہلِ عشق میں کیا اسکی آبرو — جو تیری آرزو میں سراپا الم نہیں

کیا چل سکے کوئی تری وحدت کی راہ میں — گنجائشِ منازلِ دیر و حرم نہیں

رندانِ بادہ خوار کا اس پر ہے اعتقاد — تو جس میں جلوہ گر نہیں وہ جامِ جم نہیں

کعبہ تو دیکھتے ہی وہ جلوے نظر پڑے — کافر ہوں گر کہوں کہ یہ بیت الصنم نہیں

دل نے ہے پائی جلوۂ جاناں سے شان وہ — کعبہ تو کیا ہے عرشِ معلیٰ سے کم نہیں

دو چار صورتیں ہمیں ایسی نظر پڑیں — کوچہ میں یار کے جو ملائک سے کم نہیں

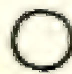
جتنے جہان میں ہیں خدا کے ادا شناس — کرتے بھی ہیں دعائیں مگر دم بدم نہیں

جو لا سکے نہ تاب وہ محفل میں جائے کیا — برقِ نگاہِ یار تجلی سے کم نہیں

ممنونِ عشق کے ہیں ہم اتنی ہی بات کے — رستے میں اُس کے منزلِ دیر و حرم نہیں

آئے ہیں ایسے روئے درخشاں کو دیکھ کر — جنت کی دیکھتے بھی تو حوروں کو ہم نہیں

مائل خدا کے واسطے ناشکر تو نہ بن
چلتے ہیں ہاتھ پاؤں یہ اُس کا کرم نہیں؟



جس نے گرا دیا نہ فلک وہ فغاں نہیں — جس سے پڑا نہ تفرقہ وہ آسماں نہیں

یہ جان لو کہ اہلِ محبت وہاں نہیں — جس سرزمیں پہ اُن کے قدم کا نشاں نہیں

سانبھر کے رہنے والو کہاں ہو کہاں نہیں — ہشیار ہو کہ اب وہ زمینِ زماں نہیں

کس کے غمِ فراق نے پتھر بنا دیا — بیٹھے ہیں یوں خموش کہ گویا زباں نہیں

یارب یہ کس کے رنگِ متانت کا ہے اثر — دل میں بھری ہے آگ اور آنسو رواں نہیں

ساقی اگر نہیں ہے تو ہے میکدے میں کیا — بے لطف زندگی ہے جو آرامِ جاں نہیں

وہ آدمی ہیں جن کو ہے ہر آدمی کا درد — ہونے کو آدمی تو جہاں میں کہاں نہیں

لیجے وہ جان و دل پہ ہیں قبضہ کیے ہوئے — سچ ہے کہ آدمی کی حکومت کہاں نہیں

مائل یہ خوبیاں تو خداداد اُن میں ہیں
جن کو گُل کہیں گے وہ ناظم[1] یہاں نہیں



پہلو میں مرے آج دلِ بدگماں نہیں
شاید کہ بزمِ غیر میں وہ میہماں نہیں

گر کھینچتا ہوں آہ تو پھر آسماں نہیں
اور دل میں روکتا ہوں تو دوزخِ جہاں نہیں

ہمت کو میری دیکھ کے واعظ قدم نہ لے
ادنیٰ سا بادہ خوار ہوں پیرِ مغاں نہیں

مل جائیں سب فوائدِ قتل خاک میں
قاتل ہزار شکر کہ نامہرباں نہیں

وہ گُل ہے کونسا کہ نظر میں مری نہ ہو
وہ کونسا چمن ہے جہاں آشیاں نہیں

بیٹھے ہیں رہگزار میں اُٹھ جائیں کس لیے
کوچہ ترا نہیں ہے ترا آستاں نہیں

یہ رشک ہے قفس میں کہ گرتی ہے کس پہ برق
گلشن میں مدتوں سے مرا آشیاں نہیں

ناصح بھی مہرباں ہو فلک بھی ہے مہرباں
اک تو نہیں ہے ایک ترا پاسباں نہیں

وحشت ہو جس کے سننے سے اڑ جائے جس سے نیند
مجنوں کی داستاں ہے مری داستاں نہیں

کھنچتے ہی آہِ گرم کے خاموش ہو گئی
لو شمعِ انجمن بھی مری ہمزباں نہیں

آئے ہو کس کے قتل پہ تلوار باندھ کر
کس کا یہ امتحاں ہے مرا امتحاں نہیں

یہ آہِ شعلہ بار کہاں تک کریگی پاس
گر آج بچ گیا بھی تو کل آسماں نہیں

خلوت میں اس کی یار ہے جلوت میں بھی یہ
کیونکر کہوں بشر کو ترا رازداں نہیں

واعظ نہ میکدے سے بڑھا خانقاہ کو
جو لطف زندگی کے یہاں ہیں وہاں نہیں

قاصد تری زباں سے سنوں کیا پیامِ یار
وہ شوخیاں نہیں وہ ادائے بیاں نہیں

ناآشنائے راہ ہوں جاؤں کدھر کو میں
یارب غبار بھی تو پسِ کارواں نہیں

نعمت یہ عاشقوں کو ملی ہے جنابِ خضر
عمرِ ابد کے ساتھ غمِ جاوداں نہیں

آباد باد کوچۂ قاتل کہ اے فلک
جو یاں ملے ہیں خاک میں وہ بے نشاں نہیں

گھبرا کے بزمِ غیر سے لائیں نہ آپ کو
اتنی تو بے اثر مری آہ و فغاں نہیں

---

[1] منشی جگن ناتھ پرشاد کاسلیواں ناظم سانبھر کے تبادلے پر غزل کہی گئی - ۱۲

کیونکر سہوں نہ جور اٹھاؤں نہ کیوں عتاب
وہ مجھ سے بدگمان ہے میں بدگماں نہیں

مائلؔ ثنائے سیدِ لولاک عرض کر
یہ انجمن تو لائقِ وصفِ بُتاں نہیں

○

بعدِ مُردن بھی تو رسوائی مقدر میں نہیں
کہ بگولے کی طرح خاک بھی چکر میں نہیں

جو شرر سنگ میں پنہاں ہے کہاں وہ گل میں
جو ادا گل میں نکلتی ہے وہ پتھر میں نہیں

دیکھئے آج ہیں تقدیر کو پلٹے کھاتے
ابھی دم بھر میں تو ہاں ہو ابھی دم بھر میں نہیں

ایک ہم ہیں کہ دعا کا نہیں ملتا ہے جواب
ایک وہ ہیں کہ نہیں جن کے مقدر میں نہیں

آگے اللہ کے کس منہ سے کروں میں فریاد
اس ادا کا کوئی قاتل بھی تو محشر میں نہیں

یا حرم میں نہیں ہوتی ہیں دعائیں مقبول
یا محبت ہی ہمارے دلِ مضطر میں نہیں

نہ رکھے شوقِ شہادت میں جو مجھ کو بیتاب
کوئی جوہر بھی تو ایسا ترے خنجر میں نہیں

پھیرتا ہے جو دمِ نزع زباں ہونٹوں پر
شیخ اٹکا تو ترا دم لبِ ساغر میں نہیں

سرد مہری نے تمہاری وہ سرایت کی کہ
کہ شررنام کو باقی بھی تو پتھر میں نہیں

ایک کیا لا کو خضرِ راہ نما کیوں نہ بنیں
آبِ حیواں تو نہیں بختِ سکندر میں نہیں

کیوں تصور ہے کسی زلفِ رسا کا یا رب
گر رسائی مرے نالوں کے مقدر میں نہیں

آہ وابستہ ہی نکلی ہے اثر سے بچ کر
جور باقی تو کوئی طبعِ ستم گر میں نہیں

خونِ حسرت سے تو فرہاد لکھا ہے اک جا
نام مجنوں کا کسی عشق کے دفتر میں نہیں

سر تو کٹتا نہ رہا دل کے کیے سو ٹکڑے
تیغِ ابرو میں وہ بُرش ہے کہ خنجر میں نہیں

اب تو آجاؤ کہ رسوائی کا کھٹکا نہ رہا
جوشِ وحشت میں کوئی، کوئی مرے گھر میں نہیں

رندِ مکیش اُسے مائلؔ نہ سمجھنا ہرگز
یاد جس کی کہ دلِ ساقیِ کوثر میں نہیں

○

آدمیت کی جو پوچھو کسی انساں میں نہیں
اور عادت تو بُری آپ کے درباں میں نہیں

آپ کیا جانیں کہ ہے کاوشِ مژگاں کیسی
دامن اُلجھا ہی کبھی خارِ مغیلاں میں نہیں

چارہ گر دیکھ تو ہے زخمِ جگر کا کیا رنگ
قطرۂ خوں بھی مرے دیدۂ گریاں میں نہیں

کونسا عقدۂ مشکل ہے پریشانی کا
جو مرے دل میں ترے کاکلِ پیچاں میں نہیں

اب مبارک تجھے اے زخمِ جگر دستِ جنوں
تار کوئی مرے دامان و گریباں میں نہیں

داغ کے رنگ کہیں سوز کے جلوے ہیں کہیں
گل گلستاں میں نہیں شمع شبستاں میں نہیں

خرمنِ صبر ہی کل تک تو جلا دیتی تھی،
آج وہ بھی اثرِ آہِ شرر افشاں میں نہیں

ہاں ذرا دیکھیں تو اے گریہ وہ خود کہہ اُٹھیں
نہیں یہ جوش نہیں نوح کے طوفاں میں نہیں

دیکھنا دامنِ ناصح کو ہوں کس حسرت سے
تار باقی جو کوئی میرے گریباں میں نہیں

دیکھتے ہیں جو تجھے صلِ علیٰ کہتے ہیں
تو تو ملتا ہی کسی فرقۂ انساں میں نہیں

منتیں کر کے اسے میں تو منا ہی لاتا
گھر میں رستہ مجھے ملتا شبِ ہجراں میں نہیں

وہ نہ آئیں تو گلہ کیا کہ ذرا بھی تاثیر
چشمِ گریاں میں نہیں نالہ و افغاں میں نہیں

سب زیارت کے لیے خارِ مغیلاں آتے
تارِ مجنوں کے کفن کا مرے داماں میں نہیں

سب ہی موجود ہیں جتنے ہیں فرشتہ صورت
میں کہوں کس کو بھلا محفلِ رنداں میں نہیں

حُبّ و تسخیر کی کیوں فکر پڑی ہے مائل
کیا کوئی شعر مزے کا ترے دیواں میں نہیں



کوہکن کوہ میں اور قیس بیاباں میں نہیں
کوئی بھی میرے سوا عشق کے میداں میں نہیں

خاک ان کی ترے کوچے میں اُڑا کرتی ہے
خاک اُڑاتے ترے عشاق بیاباں میں نہیں

بحرِ ہستی میں یونہیں ڈوبتے تِرتے گزری
کبھی طوفاں میں ہے کشتی کبھی طوفاں میں نہیں

خاکسارانِ جہاں کا ہے وہاں تو مجمع
اہلِ دنیا کا گذر محفلِ رنداں میں نہیں

شبِ عشرت کا تمہاری جو سُنے قصہ تمام
طول اتنا تو ہماری شبِ ہجراں میں نہیں

اُس نے چھیڑا کا جو نمک زخمِ جگر کہہ اُٹھا
میرے درماں میں ہی جو شے کسی درماں میں نہیں

آج آجائیں اگرچہ ہے کمر تک، پانی
جوشِ گل کا سا مرے دیدۂ گریاں میں نہیں

شیخ صاحب کی ہے دستارِ فضیلت کیا چیز
غم کے ساماں میں نہیں عیش کے ساماں میں نہیں

شوق سے تم مرے دامن کو پکڑ کر کھینچو
عصمتِ حضرتِ یوسف مرے داماں میں نہیں

جو ترے تیر نے برتاؤ کیا دل سے مرے
یہ تو اخلاص و محبت کسی مہماں میں نہیں

بتکدے میں مجھے کہتے ہیں بڑا کافر ہے
اک ذرا سا بھی جو رخنہ مرے ایماں میں نہیں

شیخ کیا چشمۂ کوثر کی حقیقت جانیں
بیٹھتے اُٹھتے کبھی محفلِ رنداں میں نہیں

مجھ سے کہتا ہے جنوں گھر سے نکلیے حضرت
بادشاہی کو کوئی لشکرِ طفلاں میں نہیں

ابھی احباب تھے بیٹھے ابھی ناصح آئے
یہ مصیبت تو نہیں کوچۂ جاناں میں نہیں

آسمانوں پہ ہے یہ شور کہ ڈوبے ڈوبے
جوش آیا ہی مرے دیدۂ گریاں میں نہیں

لے گیا روح تجھے کر ملک الموت اُسے
لاش کا میری پتہ گنجِ شہیداں میں نہیں

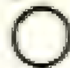
شور بختانِ محبت میں ہے نامی وہی زخم
جس کی قسمت کا نمک تیرے نمکداں میں نہیں

یوں تو ہونے کو خدا تک ہے رسائی لیکن
میری توبہ کا گذر محفلِ رنداں میں نہیں

ڈوبنے کی ہو خبر کیا مری غفلت دیکھو
میں سمجھتا ہوں کہ کشتی مری طوفاں میں نہیں

کچھ فرشتے ہیں کہ ان کو نہیں آتے دیکھا
اور تو کس کو کہوں محفلِ رنداں میں نہیں

یاد اُس بت کی کروں خاک حرم میں سائل
کام ہوتا ہی کوئی حالِ پریشاں میں نہیں



کہوں کس منہ سے کہ الفت ترے پیکاں میں نہیں
اس زمانے میں تو اخلاص دل و جاں میں نہیں

یہ کیا اُس بتِ کافر کے اشارے نے غضب
یوں کہا حرفِ بلی میں نے کہ تھی ہاں میں نہیں

کونسا راز ہے جو اُن سے چھپا رہتا ہے
کونسی بات ہے جو صحبتِ رنداں میں نہیں

دیکھیے ہوتی ہے طے کفر کی منزل کیونکر
کہ کسی ڈھب سے کبھی آتا خلل ایماں میں نہیں

یہ جو خورشیدِ قیامت ہیں سوا نیزے پر
یہ ہی حضرت ہیں جو نکلے شبِ ہجراں میں نہیں

تیری شمشیرِ جفا سے تو بچالوں دو بار
جانِ ناصح سے بچاؤں مرے امکاں میں نہیں

گلِ رخسار کے سایہ سے مری تربت پر
اُس نے وہ پھول چڑھائے جو گلستاں میں نہیں

یہ تو ہیں حضرتِ انساں وہ فرشتہ ہے غریب
تیرے درباں کی کوئی بات بھی رضواں میں نہیں

صبر تھا حضرتِ ایوب نے لے کر نہ دیا
اب تو وحشت کے سوا کچھ دلِ ویراں میں نہیں

کبھی ہیں اُس کی رضا پہ کبھی پابندِ خیال
کبھی زنداں میں ہیں یوسف کبھی زنداں میں نہیں

روزنِ در کا جسے چاہو بنا لو پردہ
کوئی جھگڑا مرے دامان و گریباں میں نہیں

جو محبت ہے تمہارے رُخ و گیسو میں بہم
یہ تو اخلاص کسی گبر و مسلماں میں نہیں

خُم کے خُم بادۂ عرفاں کے اُڑا جاتا ہے
رند مائلؔ سا کوئی مجلسِ رنداں میں نہیں



تل برابر بھی سیاہی رُخِ جاناں میں نہیں
کفر کا رنگ ذرا بھی مرے ایماں میں نہیں

کیا خبر ہے کبھی اثر یا دلِ سوزاں میں نہیں
آگ لگتی تو کبھی اُن کے گریباں میں نہیں

تجھے دیکھا تجھے جانا تجھے مانا دل سے
اور کہنے کو خدا صورتِ انساں میں نہیں

میں تو دیوانہ ہی قیس بھی کہتا ہے یہی
جو بیاباں میں مزہ ہے وہ گلستاں میں نہیں

حال ظاہر میں ہے خاصانِ خدا کا کچھ اور
خلوتِ خاص میں یوسف ہے زنداں میں نہیں

میں نے کیا کیا نہ کیا دل کی تسلی کے لیے
بت پرستی مری داخل، مرے عصیاں میں نہیں

سب ترے لب کے کرشمے ہیں وگرنہ کچھ بھی
دمِ عیسیٰ میں نہیں چشمۂ حیواں میں نہیں

کس قدر ہے یہ فلک ناموروں کا دشمن
خاکِ مجنوں کی جو ڈھونڈھی تو بیاباں میں نہیں

کیوں نہ قربانِ رخِ یار رہوں آتے ہی خیال
دیکھتا ہوں کہ سیاہی شبِ ہجراں میں نہیں

مجھ سے کہتے ہیں کہ تم اہلِ زباں ہو صاحب
لب و لہجے سے نکالو گے مری ہاں میں نہیں

جیسے انداز تری زلفِ دوتا میں دیکھے
یہ ادائیں تو کسی دشمنِ ایماں میں نہیں

میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی ہے تجلی تیری
ہوش اُڑتے جو مرے جلوۂ جاناں میں نہیں

عشق کے رنگ الگ حسن کے جلوے ہیں جدا
تجھ میں جو کچھ نظر آیا کسی انساں میں نہیں

جو نہ ملنے جو نہ جانے جو ڈھونڈھے تجھ کو
کوئی ایسا تو نہیں گبر و مسلماں میں نہیں

اُس کے دیوانوں کی حالت کو کوئی کیا جانے
چاک وہ رکھتے ہیں دل میں جو گریباں میں نہیں

خونِ دل خونِ جگر جس کے سخن سے ٹپکے
کوئی مائلؔ کے سوا بزمِ سخنداں میں نہیں

○

ترے ناز اٹھانے کے قابل ہمیں ہیں
کہ سر تا قدم عشق ہیں دل ہمیں ہیں

بہت ہیں ترے یوں تو دم بھرنے والے
اگر ہیں محبت میں کامل ہمیں ہیں

ہمیں میں ہیں راہیں وجود و عدم کی
بقا و فنا کی منازل ہمیں ہیں

کھلا جب گرے تھک کے ہم چلتے چلتے
ہمیں دشتِ غربت ہیں منزل ہمیں ہیں

ہمیں سے تو سیکھا ہے خنجر رگانا
ہمیں سے ہو کہتے کہ قاتل ہمیں ہیں

ہمیں ہیں ہمیں زینتِ بزمِ عالم
ہمیں ہیں تری شمعِ محفل ہمیں ہیں

نہ حیرت ہے ہم کو نہ جلوہ کسی کا
ہمیں آئینہ ہیں مقابل ہمیں ہیں

کسی کو بھی شاید نہ چھوڑے کہ اس کا
ہر اک ناز کہتا ہے قاتل ہمیں ہیں

تصور ہے لیلیٰ کا مجنوں کو پورا
جو وحشت میں کہتا ہے محمل ہمیں ہیں

یہ تڑپے کہ قاتل کو تڑپا گئے ہم
اگر ہیں جہاں میں تو بسمل ہمیں ہیں

نہ بھولے گا تو اور نہ بھولا کسی کو
خطا ہے ہماری کہ غافل ہمیں ہیں

جو ہو درمیاں کوئی پردہ اٹھا دیں
غضب یہ پڑا ہے کہ حائل ہمیں ہیں

طلب گار جنت بہت ہیں جہاں میں
تجھے تجھ سے مانگیں وہ سائل ہمیں ہیں

دکھاتے ہو کیا جامِ صہبا میں ہم کو
جھلکتے ہر اک شے میں مائلؔ ہمیں ہیں

○

جو ادا ہے اس کی خالی دلربائی سے نہیں
خوش ادائی سے جو ہاں ہے کج ادائی سے نہیں

ایک دن ہو کر رہے گی اس کو تسکیں دیکھنا
یہ دلِ مضطر مرا باہر خدائی سے نہیں

کیا عجب ہے پھر نہ جائے محفلِ اغیار میں
شوق اس نازک بدن کو ہاتھا پائی سے نہیں

عشق کی تاثیر سے سارا زمانہ پھر گیا
ہم سے پھر جانا تمہارا بے وفائی سے نہیں

میں انھیں دو چار دن سے دیکھتا ہوں بند بند
منہ بنا کے آج ہی شب کی لڑائی سے نہیں

لکھ گیا ہے کلک تیشہ مقتلِ فرہاد پر
کام چلتا عشق میں زور آزمائی سے نہیں

کیوں الگ بیٹھے ہو مجھ سے دل میں اپنے دیکھ لو
داغِ حسرت دور کچھ داغِ جدائی سے نہیں

اک زمانا کہہ اُٹھے مائل کا چاہا ہو گیا
کچھ بعید اللہ کی شانِ خدائی سے نہیں



یہ تو مانا مجھ کو نسبت کچھ خدائی سے نہیں
دل تو کم رتبہ میں عرشِ کبریائی سے نہیں

سچ کہا ہے جاتی رہتی ہے محبت میں حیا
میرے نالوں کو ندامت پارسائی سے نہیں

مر گئے ہیں جو ادائے بے نیازی دیکھ کر
ظلم اُن پہ جس قدر ہے بیوفائی سے نہیں

لب سے نکلے اور پھونکا یہ سمجھ لے اے فلک!
نالۂ آتش فشاں میرے ہوائی سے نہیں

شہرتِ ناکامیِ بختِ سکندر لے اُڑی
نام پایا خضر نے کچھ رہنمائی سے نہیں

یوں سرِ بازار آنا بے نقاب بے حجاب
یہ تقاضا حُسن کا ہے خود نمائی سے نہیں

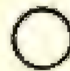
ان بتانِ دہر کی کیونکر پرستش چھوڑ دوں
کعبہ سے نکلے ہیں کافر کچھ خدائی سے نہیں

کیا ہیں یہ دیر و حرم جب دل میں ہم نے ٹھان لی
کچھ بھی حاصل در بدر کی جبہ سائی سے نہیں

جس طرح تڑپا دیا تیرِ نگاہِ یار نے
دل تڑپتا اس طرح دردِ جدائی سے نہیں

کوندتی ہے برق بھی میرے قفس سے دور دور
ناامیدی اس پہ بھی مجھ کو رہائی سے نہیں

مے کے پینے سے حذر واعظ کو کم ظرفی سے ہے
میں قسم کھاتا ہوں مائل پارسائی سے نہیں



امیدِ زندگی کی کبھی ہے کبھی نہیں
تن میں ہمارے روح ابھی ہے ابھی نہیں

جھوٹے کی کوئی بات بنی ہے بنی نہیں
کذاب زعمِ خود میں نبی ہے، نبی نہیں

حیراں ہوں کیوں نہ گورِ غریباں کو دیکھ کر
یہ سر زمیں عجب ہے بسی ہے، بسی نہیں

دشمن بھی پاسباں بھی دونوں ہی بچ گئے
تلوار انجمن میں چلی، ہے چلی نہیں

رکھی ہوئی کہیں نہیں دستارِ شیخ کی　　دوکانِ مے فروش سجی، ہے سجی نہیں
ہوتا ہے اس کے قلب میں اک نورِ جلوہ گر　　مستی میں بادہ خوار ولی ہے ولی نہیں
سایہ پڑا نہیں گلِ رخسارِ یار کا　　پھولوں سے میری قبر بسی ہے بسی نہیں

مفتی جو دے بھی حکم تو کیا اُس کے باب میں
مائل شراب خوار کبھی ہے کبھی نہیں



ظالم یہ کیا ستم ہے کہ بیداد بھی نہیں　　اک میں نہیں تو کیا دلِ ناشاد بھی نہیں
میں اور گلے تمہارے ستم کے کہاں ہو تم　　مجھ کو تمہارے سر کی قسم یاد بھی نہیں
سہتا کچھ اس طرح کہ وہ آتے ہی راہ پر　　آفت تو یہ پڑی ہے کہ بیداد بھی نہیں
وہ ولولے وہ شوق وہ بے تابیاں کہاں　　وہ دل نہیں وہ نالۂ فریاد بھی نہیں
تیشہ لگا جو سر پہ تو نکلی یہی صدا　　شیریں اگر نہیں ہے تو فرہاد بھی نہیں
رودادِ جز افسانۂ غم کیا سناؤں میں　　اتنی تو مختصر مری روداد بھی نہیں
کیا پوچھتے ہو دل کی حقیقت یہ غمکدہ　　ویراں اگر نہیں ہے تو آباد بھی نہیں
نالوں نے ایک دم میں زمیں کو ہلا دیا　　اے آسمان تیری تو بنیاد بھی نہیں

اپنا تو اعتقاد ہے مائل خدا گواہ
شاگرد جو نہیں ہے وہ استاد بھی نہیں



اچھا جو قتل کا تمہیں اقرار بھی نہیں　　دو دن کی زندگی مجھے دشوار بھی نہیں
اللہ رے نازِ پرسشِ تیغِ نگاہ پر　　مقتل میں آئے ہاتھ میں تلوار بھی نہیں
کیوں دل سے اتنے تنگ ہیں دیوانگانِ عشق　　صحرا اگر نہیں ہے تو گلزار بھی نہیں
یہ بات اور ہے کہ لٹے جنسِ دل مگر　　اس کا تو کوئی مفت خریدار بھی نہیں
وہ دیکھنے کسی کو نہ دیں یہ تو سہل ہے　　مشکل یہ ہے کہ طاقتِ دیدار بھی نہیں
چھپتا نہیں ہے راز چھپائے کسی طرح　　اور قہر یہ کہ قابلِ اظہار بھی نہیں

ہم کس سے دل لگائیں کدھر جائیں کیا کریں
تم سا تو کوئی اور ستم گار بھی نہیں

یہ ہیں جلال حسن کے جلوے تو ایک دن
کوچہ میں اُس کے سایۂ دیوار بھی نہیں

دشمن کے ساتھ تم نہ سہی ہیں یہ کیوں کہوں
کیا میرے ساتھ وہم غلط کار بھی نہیں

آوارہ گرد رہتے ہو، مائل یہ کیا ہوا
کیا شہر میں کہیں درِ خمار بھی نہیں



ذکر ہوتا واں مرا اچھا برا کچھ بھی نہیں
کیا مرے اللہ تاثیرِ دعا کچھ بھی نہیں

یوں تو لینے کو وہ لے لیتے ہیں جو کچھ دیجیے
پر پسند آتا انھیں دل کے سوا کچھ بھی نہیں

کس کو پھونکا اور کہاں تو جا گری اے برقِ آہ
خانۂ دشمن میں تو شور و بکا کچھ بھی نہیں

چارہ سازو کس لیے رُٹتے ہوئے جاتے ہو واں
دل میں اُس سفاک کے خوفِ خدا کچھ بھی نہیں

دیکھنا شوخی کہ خط پڑھ کر مرا کہتے ہیں وہ
طول تو ہے اس قدر اور مدعا کچھ بھی نہیں

یہ تو ہیں بس دور ہی سے دیکھنے کے کام کے
ان بتانِ دہر میں مہر و وفا کچھ بھی نہیں

دردِ فرقت رشک دشمن طعنِ ناصح کے سوا
کیا مری تقدیر میں یارب لکھا کچھ بھی نہیں

ساکنانِ عرش سے تاثیر اس کی پوچھیے
یوں تو کہنے کو مری آہِ رسا کچھ بھی نہیں

گر نہیں باور تو مجھ کو قتل کر کے دیکھ لو
میرے خوں کے سامنے رنگِ حنا کچھ بھی نہیں

ایک تو دردِ جدائی اور اُس پر یہ عذاب
جو ہے کہتا ہے تری آہِ رسا کچھ بھی نہیں

آج دشمن مر گیا کل پاسباں پر وار ہے
تم کہے جاؤ لو نہیں تیری دعا کچھ بھی نہیں

اُسکے پینے سے ہے کٹتی کس مزے سے زندگی
جامِ مے کے سامنے آبِ بقا کچھ بھی نہیں

بوئے زلفِ عنبریں گر ساتھ لیتی آئے تو
کام مشکل یہ تو اے بادِ صبا کچھ بھی نہیں

اُسکے آنے کی خوشی میں جان رخصت ہو گئی
سچ ہے بیمارِ محبت کی دوا کچھ بھی نہیں

تجھ کو دیکھوں میں پشیماں اور خدا کے سامنے
مجھ سے تو ہوتا گلہ روزِ جزا کچھ بھی نہیں

حال دل کا کھل گیا سب رنگ کی تغییر سے
پھر نہ کہنا بھول کر آہِ رسا کچھ بھی نہیں

غیر سے ملتے ہی تم بیباک ایسے ہو گئے
چشمِ مستِ ناز میں شرم و حیا کچھ بھی نہیں

میکدے پہ ابرِ رحمت کیوں نہ ہو چھایا ہوا
اس میں دیکھو جس طرف مے کے سوا کچھ بھی نہیں

تھا صریحاً وہ تصور میں کسی کے چشمِ تر
میں نے پوچھا غیر سے کہنے لگا کچھ بھی نہیں

وہ نہ یارِ بے تکلف ہیں نہ وہ عہدِ شباب
سچ تو یوں ہے میکشی کا اب مزا کچھ بھی نہیں

حضرتِ ناصح نے اک عالم کو دشمن کر لیا
کہہ کے اتنی بات وہ کافر ادا کچھ بھی نہیں

تھا وہاں جو کچھ بھی مائل وہ کسی کے ساتھ تھا
ہم سے پوچھو تو حرم میں اب رہا کچھ بھی نہیں



گر جدائی میں ملے باغِ جناں کچھ بھی نہیں
وصل ہو تو ہیمِ نارِ جاوداں کچھ بھی نہیں

بے اثر سمجھو نہ ہم تفتہ دلوں کی آہ کو
تم سلامت ہو تو سات آسماں کچھ بھی نہیں

بات میری یاد رکھو زاہدوں کے واسطے
اب یہاں کچھ بھی نہیں اور جب وہاں کچھ بھی نہیں

نام سن کر دل ہی قابو میں نہیں رہتا ہے یاں
سامنا اس کا غضب ہے امتحاں کچھ بھی نہیں

کس قدر ہو محو اپنی شوخیِ رفتار کے
اضطراب دل کا میرے امتحاں کچھ بھی نہیں

مجھ سے پوچھو تو عدو کے حق میں ساری عمر سے
آسماں کیا گردشِ چشمِ بتاں کچھ بھی نہیں

ہم تو سمجھے تھے کوئی دلبستگی کا ہے مقام
ایک دن جا کر جو دیکھا لامکاں کچھ بھی نہیں

وہ نہ گھبرائے نہ جاگے اور نہ اٹھا حشر ہی
اے مرے اللہ تاثیرِ فغاں کچھ بھی نہیں

ابر ہو ساقی ہو سبزہ ہو چمن ہو یار ہو
پھر ہماری آنکھ میں دونوں جہاں کچھ بھی نہیں

میرے دل پر جو گزرتی ہے گزر ہی جائے گی
کیا کہوں کچھ بھی نہیں اے رازداں کچھ بھی نہیں

جھڑکیاں بھی گالیاں بھی غیر کو ملنے لگیں
اب ہمارے واسطے اے جانِ جاں کچھ بھی نہیں

اے مرے اللہ کیوں رکتے ہیں وہ ملتے ہوئے
میرے دل میں غیر کا وہم و گماں کچھ بھی نہیں

بس خدا کے واسطے مائل نہ چھیڑو تم مجھے
واعظ اچھے ہی سہی پیرِ مغاں کچھ بھی نہیں



اگلی سی اب وہ طرزِ ملاقات ہی نہیں
وہ لطف ہی نہیں وہ مدارات ہی نہیں

وہ لوگ ہی نہیں رہے، وہ بات ہی نہیں
اس وقت میں تو لطفِ ملاقات ہی نہیں

کیا اے ستم شعار یہ سمجھے ہوئے ہے تو
واں خونِ بیگنہ کی مکافات ہی نہیں

دونوں کا ایک ذات سے ملتا ہے سلسلہ
کہنے کو حسن و عشق کی کچھ ذات ہی نہیں

رونے کو ایک بھی نہیں یعقوب کی طرح
کہنے کو ہیں ہزار کہ برسات ہی نہیں

آزار کے لئے مرے افلاک کے سوا
کچھ اور فتنہ گر بھی ہیں یہ بات ہی نہیں

وہ ایک تیغ ناز سے لاکھوں کے سر اڑائے
دس بیس قتل کرنے تو کچھ بات ہی نہیں

اُٹھتے ہیں بادہ کش بھی صبوحی کو زاہدو
ہنگامِ صبح وقت مناجات ہی نہیں

اے دل فراقِ یار میں اور زندگی کی آس
ہو جائے جس کی صبح یہ وہ رات ہی نہیں

اس طرز کی جفا نہ اس انداز کے ستم
تیری سی آسماں میں کوئی بات ہی نہیں

کیا جانے تو کہ دل پہ مرے بن رہی ہے کیا
ناصح کسی سے تیری ملاقات ہی نہیں

دو چار اہلِ درد بھی جس میں نہ ہوں شریک
واعظ وہ بزم بزمِ خرابات ہی نہیں

بیٹھے ہو ایسے بزم میں بیگانہ وار سے
گویا کہ ہم سے تم سے ملاقات ہی نہیں

مائلؔ یہ ابرِ قبلہ نہ برسا تو آج سے
رندوں کے ہم بھی قبلۂ حاجات ہی نہیں



دل میں آتے ہیں تو وہ نور نظر آتے ہیں
گھر میں آتے ہیں تو مغرور نظر آتے ہیں[ل]

ل منشی چند بہاری لال صبا راوی ہیں کہ ایک بار جے پور میں اُس زمانے کے ممتاز شعرا اور اساتذہ جمع تھے کہ مرزا داغؔ کا یہ مشہور مطلع کسی نے پڑھا:-

وہ نہایت ہمیں مغرور نظر آتے ہیں
پاس بیٹھے ہیں مگر دور نظر آتے ہیں

سب نے تعریف کی مگر مولوی سید معشوق حسین اطہرؔ کے بشرے سے ایسا ظاہر ہوا کہ وہ اس کو کوئی اہمیت نہیں دے رہے ہیں۔ حاضرین کو اس کا احساس ہوا اور قرار پایا کہ اس زمین میں مشاعرہ کیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو انہی قافیوں میں مطلع کہا جائے۔ (باقی صفحہ ۴۱۴ پر)

کب ہمیں ساغرِ بلور نظر آتے ہیں
میکشوں کے دلِ پُر نور نظر آتے ہیں

رہنماؤں کی یہ حالت ہے رہِ الفت میں
ہر قدم پر مجھے مجبور نظر آتے ہیں

مے پلانے کو جو ساقی نے الٹ دی ہے نقاب
جامِ بلورِ رُخِ حُور نظر آتے ہیں

مدعا کچھ بھی نہیں اُن کو ستانے سے مرے
اپنی عادت سے وہ مجبور نظر آتے ہیں

تیرے ایوان کی تعمیر میں پتھر ڈھوتے
کوہ کن سے کئی مزدور نظر آتے ہیں

عہدِ مجنوں میں جو تھے دشتِ جنوں کے اب بھی
وہی آئین وہی دستور نظر آتے ہیں

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۳)
تاریخ و مقامِ مشاعرہ طے ہو گیا۔ یہ ۱۹۲۸ء یا ۱۹۲۹ء کا واقعہ ہے۔ چنانچہ انوار منزل واقع باندرہ کی ناسک چرکٹری گنگا پرل پر مشاعرہ ہوا۔ مطلع کے لئے ان قافیوں کی تخصیص کے ساتھ یہ بھی قید تھی کہ اسی ترتیب سے باندھے جائیں۔ مگر سوائے حضرتِ مائل کے اور کسی نے اس قرار داد کی پابندی نہیں کی۔ میں نے پوچھا وجہ ؟ کہا اس مطلع کا جواب ممکن نہیں صرف حضرتِ مائل ہی کہہ سکتے تھے جو انھوں نے کہا۔ میں نے عرض کیا کہ "یہ صحیح ہے کہ ہر شخص داغ نہیں ہو سکتا نہ مائل، پھر بھی قرار داد کے مطابق عمل ہونا چاہیئے تھا۔ ورنہ طرح ہی نہ کرتے"۔ منشی صاحب نے فرمایا، "آپ کہتے تو کیا کہتے ؟"

اتفاق امر کہ اسی وقت بطور القایہ مطلع موزوں ہوا تو میں نے عرض کیا "میں تو یوں کہہ کر تکمیل قرار داد کرتا۔

زہد و طاعت پہ جو مغرور نظر آتے ہیں
رحمتِ حق سے وہی دور نظر آتے ہیں

حضرت داغ و مائل کے مطلعوں کا اندازہ اہلِ نظر و اربابِ بصر خود فرمالیں۔ حضرت مائل نے سوائے قافیہ "بھرپور" کے اور تمام قوافی حضرت داغ کے جواب میں باندھے ہیں جن کے حوالے کے ساتھ داغ کے اشعار بھی درج ذیل ہیں "بھرپور" کے قافیہ کے لئے صبا صاحب نے فرمایا کہ یہ قافیہ اُستاد نے گویا مجھے عطا کر دیا، اور میری حوصلہ افزائی کرنے اور حضرت داغ کا ادب تسلیم کرنے کی علامت کے طور پر نہ باندھا۔ یہ دونوں شعر بھی آخر میں درج کیے جاتے ہیں :-
(باقی صفحہ ۴۱۵ پر ملاحظہ فرمایئے)

خاکِ پا عشق کی آنکھوں میں لگائی جب سے
پاس تو ، اور سبھی دور نظر آتے ہیں

اے خدا سوزِ محبت سے جھلس دے اُن کو
آتشِ عشق سے جو دُور نظر آتے ہیں

یوں تو اک شانِ خداداد ہے واعظ کی مگر
خم اٹھاتے ہیں تو مزدور نظر آتے ہیں[۴]

گرنی ہے برقِ تجلی جو جنوں میں دل پر
سنگِ طفلاں شررِ طور نظر آتے ہیں

دیکھ کر دفترِ عصیاں کو کریمی دیکھو
بخشدینے پہ وہ مجبور نظر آتے ہیں

اب نہیں ہے دلِ مجروح کے بچنے کی امید
روزنِ سینہ سے ناسور نظر آتے ہیں[۵]

جب تصور میں نظر آتی ہے انکی صورت
دل و جاں نور سے معمور نظر آتے ہیں

بحرِ دنیا کی ہوا کا یہ اثر ہے کہ حباب
جو اُبھرتے ہیں تو مغرور نظر آتے ہیں

دل میں وہ سوز بھرا ہے کہ ترے اشکالے
اے جہنم مجھے کافور نظر آتے ہیں[۶]

اے مری آہِ شرربار کسے پھونک آئی
آسماں ساتوں بدستور نظر آتے ہیں

اب رہا کون جو سمجھائے کہ کیا چیز ہے وہ
عقل و ادراک تو مجبور نظر آتے ہیں

دلِ بیتاب یہ کہتا ہے نہیں پاس ہو پاس
چشم کہتی ہے بہت دور نظر آتے ہیں

حضرتِ ساقیٔ کوثر کی ہوئی جب سے سنبھال
میکدے نور سے معمور نظر آتے ہیں

اُن کے کوچے میں کہاں ٹیکوں سرِ عجز و نیاز
نقشِ پا تک بھی تو مغرور نظر آتے ہیں

تو ہمیں تو نظر آتی ہے جہاں میں بجلی
ہم بھی تجھ کو شبِ دیجور نظر آتے ہیں

جامِ صہبا جو نظر میں ہے - فلک پر مجھ کو
جا بجا ساغرِ بلّور نظر آتے ہیں

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۴)

خانۂ غیر میں بے پردہ ہے وہ جمال — کہ ستارے مجھے بے نور نظر آتے ہیں داغ

[۲] چاند سورج کو فلک اپنے لیے رہنے دے — ہم کو کیا کیا رُخ پہ نور نظر آتے ہیں "

[۳] وصفِ خوبانِ جہاں پر یہ کہا اس بت نے — آپ کی آنکھ میں سب حور نظر آتے ہیں "

[۴] اجر ملتا ہے اُٹھاتے ہیں جو بارِ غمِ عشق — ہم کو عاشق ترے مزدور نظر آتے ہیں "

[۵] اشکِ پُرخوں کا جو ٹپکا ہی لگا رہتا ہے — دل کے اندر کئی ناسور نظر آتے ہیں "

[۶] سرد مہری سے تری سرد ہوئے ہیں ایسے — دل جو پُرسوز تھے کافور نظر آتے ہیں "

وادیِ عشق میں اے برقِ تجلی تیرے — ایک کیا مجھ کو کئی طور نظر آتے ہیں
جی میں آتا ہے اُنھیں توڑ کے توبہ توڑوں — باغ میں خوشۂ انگور نظر آتے ہیں

آج امام ان کو بتائیں کہ ملے کیفیت
آج مائل ہمیں مخمور نظر آتے ہیں[۱]



کس قدر حسن پہ مغرور نظر آتے ہیں — کہ خدائی سے کہیں دور نظر آتے ہیں[۲]
چپکے رہنے پہ وہ مجبور نظر آتے ہیں — جو ہمیں صاحبِ مقدور نظر آتے ہیں
اور تو کچھ نہیں آنکھوں میں مرے دو آنسو — یادگارِ دلِ مغفور نظر آتے ہیں
کل ہمیں بیٹھے ترے زانو سے ملائے زانو — آج محفل میں ہمیں دور نظر آتے ہیں
اہلِ دنیا نہیں اک وضع پہ اپنی قائم — کبھی غمگیں کبھی مسرور نظر آتے ہیں[۳]
خاکساروں میں ترے ذرہ نوازی سے تری — ہمیں ہوتے ہوئے مشہور نظر آتے ہیں[۴]
فرق ہاں ہوش میں موسیٰ کے تجلی سے پڑا — پہ دل و دیدہ بدستور نظر آتے ہیں[۵]
خاکساروں میں تو میں خاک نظر آتا ہوں — ماہ رویوں میں وہ مغرور نظر آتے ہیں
زہد و تقویٰ کے ہیں جھگڑوں میں پڑے کب میخوار — ان بکھیڑوں سے تو یہ دور نظر آتے ہیں
اُن سیہ بختوں سے پوچھو شبِ غم کی حالت — جن کو دن بھی شبِ دیجور نظر آتے ہیں[۶]

۱؎ نہیں خم خانۂ عالم میں کوئی بھی ہشیار ؎ ہم کو مخمور ہی مخمور نظر آتے ہیں

۲؎ یہ ہے وہ مطلع مقید لقوافی ۔ مرزا داغ کا مطلع صفحہ ۴۱۳ پر درج ہو چکا ہے۔

۳؎ شکر کرتا ہوں انھیں دیکھ کے دشمن ہو کر دوست ؎ مجھ کو دُنیا میں جو مسرور نظر آتے ہیں

۴؎ اے فلک ان کے علاوہ بھی حسیں ہیں کہ نہیں ؎ جو زمانے میں ہیں مشہور نظر آتے ہیں

۵؎ مر کے بھی داغ محبت کے نشاں کچھ نہ مٹے ؎ داغ کے دل پہ بدستور نظر آتے ہیں

۶؎ یاد آتے ہیں وہ دندانِ مسی آلودہ ؎ جب ستارے شبِ دیجور نظر آتے ہیں

(حاشیہ باقی صفحہ ۴۱۷ پر ملاحظہ فرمایئے)

ہر طرف شورِ انا الحق کی صدا آتی ہے
کبھی ہم نغمۂ منصور نظر آتے ہیں

ناتوانی کا بُرا ہو انھیں روکوں کیونکر
دو قدم پر بھی مجھے دور نظر آتے ہیں

دردِ دل کہنے کو ہمدرد کہاں سے لاؤں
دونوں عالم مجھے مسرور نظر آتے ہیں

وہ دعا کرتے ہیں انجامِ محبت ہو بخیر
عاشقی میں جو بہت دور نظر آتے ہیں

جام دیتے ہی یہ ساقی سے کہا تھا میں نے
کہ تنک حوصلہ منصور نظر آتے ہیں

کیوں نہ حسرت ہو فزوں ماہِ مبیں کی صورت
نظر آتے ہیں مگر دور نظر آتے ہیں

یہ تو کہہ جذبۂ دل تجھ پہ غضب کیا ٹوٹا
یہ تو مانا وہ بہت دور نظر آتے ہیں

آئینہ ہے یہ سکندر کہ طلسمِ توحید
ایک ہی ناظر و منظور نظر آتے ہیں

آنکھیں جلدی مے گلفام سے چھلکا ساقی
منتظر ساغرِ بلور نظر آتے ہیں

ہر طرح سے تمہیں مختار نظر آتے ہو
سب طرح سے ہمیں مجبور نظر آتے ہیں

اپنی آنکھیں مری آنکھوں سے بدل لے اے دل
تیری آنکھوں سے اگر دور نظر آتے ہیں

ساغرِ شرم گنہ منہ سے لگا رکھا ہے
میکدے میں سبھی مغفور نظر آتے ہیں

نہ جُرا مانے تو اک بات کہوں اے توبہ
آج بازار میں انگور نظر آتے ہیں[1]

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۶ کا)

سخت جاں ہو دلِ بسمل تو کرے کیا قاتل
وار بیٹھے ہوئے بھرپور نظر آتے ہیں (داغ)

وحشت خاروں سے جو معمور نظر آتے ہیں
آبلے پاؤں میں بھرپور نظر آتے ہیں (صبا)

یہاں حضرت مائل کی ایک اصلاح کا بھی ذکر کر دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا صرف ایک لفظ بدل کر شعر کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے۔ صبا کا شعر تھا:

وہ تو موسیٰ ہی کی تقدیر سے آنکلے تھے
اب کہاں کس کو سرِ طور نظر آتے ہیں

اُستاد نے "آنکلے" کے بجائے "آ چکے" بنا کر شعر کو چمکا دیا۔ ۱۲ (شاغل)

(۱) حاشیہ صفحہ ہذا) زاہدِ خشک کی بھی رال ٹپک پڑتی ہے: تر و تازہ اگر انگور نظر آتے ہیں (داغ)

راہ پہ آتی ہے کب دیکھیے تقدیرِ وصال
دل میں بیٹھے ہیں مگر دور نظر آتے ہیں

تن تو مردہ ہے مگر قبر میں دیکھو صورت
زندہ دل مائلِ مغفور نظر آتے ہیں



اس قدر مجھ سے وہ اب دور نظر آتے ہیں
میرے نالے بھی تو مجبور نظر آتے ہیں

غمزدہ اس کے تو مسرور نظر آتے ہیں
غم کے پردے میں وہ مستور نظر آتے ہیں

یہی شورش ہے انا الحق کی تو کھنچتے اک دن
دار پر حضرتِ منصور نظر آتے ہیں

کشتیِ بادہ سے تشبیہ جو دیدی میں نے
آسماں نور سے معمور نظر آتے ہیں

روحِ ساقی کی قسم جلوۂ صہبا کی قسم
مہر و مہ ساغرِ بلور نظر آتے ہیں

حضرتِ پیرِ خرابات کی صحبت والے
غمِ دنیا سے بہت دور نظر آتے ہیں

قدرِ فرہاد ہو شیریں کی نظر میں کیا خاک
اس کے دربان تو مزدور نظر آتے ہیں

آپ اپنے کو بہت دور نظر آتا ہوں
تیرے انوار جو مستور نظر آتے ہیں

اک تمھیں ہو کہ بدلتے ہو زمانے کی طرح
اک ہمیں ہیں کہ بدستور نظر آتے ہیں

مے پرستی اسے کہتے ہیں جنابِ واعظ
سجدے میں خوشۂ انگور نظر آتے ہیں

ایک اپنی ہی نہیں دونوں جہاں کی ہم کو
زندگانی ترے مذکور نظر آتے ہیں

تم دمِ گریہ و زاری ہمیں چھیڑا نہ کرو
ہم اسی باب میں مجبور نظر آتے ہیں

ہمیں چھیڑو نہیں اے مذہب و ملت والو
کفر و اسلام ہمیں دور نظر آتے ہیں

ہم نے ہر پردۂ حائل کو اُٹھا کر دیکھا
جلوۂ یار بہت دور نظر آتے ہیں

انھیں آنکھوں سے وہ پہلو میں نظر آتے ہیں
انھیں آنکھوں سے بہت دور نظر آتے ہیں

ہم نفس ان کے اگر بات بنا دیں تو بنے
ہمنشیں اپنے تو مجبور نظر آتے ہیں[لہ]

(لہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

آتے ہی غیر کے کہتے ہیں سُنا کر مجھ کو
کوئی ہوتے ہوئے کافور نظر آتے ہیں

چشمِ حاسد کے لیے نور کہاں سے لاؤں
اُسے ہیرے مرے بلّور نظر آتے ہیں[1]

حوضِ کوثر پہ ٹہلتے ہوئے اکثر ہم کو
خواب میں مائلِ مغفور نظر آتے ہیں



دیکھتے ہیں مجھے جب بزم میں ٹل جاتے ہیں
مجھ سے جو عہد وہ کرتے ہیں بدل جاتے ہیں

رو بہ رو میرے تو میری سی ہیں کہتے احباب
سامنے اس کے سب ایمان بدل جاتے ہیں

کس غضب کے ہیں یہ بے مہر بتاں سرکش
دل میں آتے ہیں اور آتے ہی نکل جاتے ہیں

تجھ سے بہتر ہیں ترے تیر کہ میرے دل سے
حسرتوں کو لیے ہمراہ نکل جاتے ہیں

ایک میں ہوں کہ کسی سے بھی نہیں رشک و عناد
ایک وہ ہیں کہ مجھے دیکھ کے جل جاتے ہیں

ہم سنانے نہیں جاتے ہیں اُسے شوقِ وصال
آپ اپنا لیے پیغامِ اجل جاتے ہیں

ہم سے کیا بڑھ کے چلے گا کوئی جانبازی میں
پہلے پروانے سے ہم بزم میں جل جاتے ہیں

خود بخود غیب سے ہو جاتے ہیں سارے ساماں
اُس پہ تکیہ ہو تو سب کام نکل جاتے ہیں

بیخودی کہتے ہیں اس کو کہ جناب واعظ
پاؤں میخانے میں رکھتے ہی پھسل جاتے ہیں

لوگ کہتے ہیں وہ آتے ہیں عیادت کے لیے
دیکھیے مرتے ہیں ہم یا کہ سنبھل جاتے ہیں

سنگِ طفلاں کا مزہ آتشِ دل نے کھویا
تن پہ پتھر مرے لگتے ہی پگھل جاتے ہیں

ذکر پروانے کا چھیڑو نہ ہمارے آگے
اپنی ہی آگ میں ہم لوگ تو جل جاتے ہیں

جوش میں آتی ہے جب بادہ کشوں کی ہمت
چشمۂ کوثر و تسنیم اُبل جاتے ہیں

(حاشیہ صفحۂ گزشتہ)
ہم تمھیں اُن کے منانے کے لیے بھیجتے تھے ... وہ سوا مجھ سے بھی مجبور نظر آتے ہیں (داغ)

ن: "میرے، ہیرے اُسے بلّور نظر آتے ہیں"

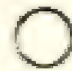
[1] چشمِ مستانِ قدح خوار میں شب کو اختر : چرخ پر ساغرِ بلّور نظر آتے ہیں (داغ)

گو مسلمان ہوئے ہو گئے برسوں مائل
اب بھی بتخانہ میں ہم سر کے بل جاتے ہیں



بن کے وہ جان اُڑے جاتے ہیں — دل کے ارمان اُڑے جاتے ہیں
کیا ہے جلدی کہ فرشتے لے کر — جو مری جان اُڑے جاتے ہیں
آج ساقی کے ہیں تیور ایسے — سب کے اوسان اُڑے جاتے ہیں
منع کرتا نہیں غیروں کو کوئی — پان پہ پان اُڑے جاتے ہیں
اُس کے گیسو نہ اُڑا بادِ صبا — سب کے ایمان اُڑے جاتے ہیں
کیا کہوں تذکرۂ غیر میں وہ — بن کے انجان اُڑے جاتے ہیں
اک جوانی کا نہیں ہے افسوس — سارے سامان اُڑے جاتے ہیں
آدمی بھی تو فرشتوں کی طرح — اے تری شان اُڑے جاتے ہیں
شوق سا شوق ہے تیری رہ میں — ہم سے بے جان اُڑے جاتے ہیں
کیا بہار آئی کہ دیوانوں کے — جو گریبان اُڑے جاتے ہیں

دیکھ کر وضعِ زمانہ مائل
اپنے اوسان اُڑے جاتے ہیں



وہی اک بیلِ مجھے گل روبغنی میں سب اڑاتے ہیں — اگر گلشن میں جاتا ہوں تو غنچے مسکراتے ہیں
برہمن کیسے اٹھ اٹھ کر قدم لینے کو آتے ہیں — صنم خانے میں جب ہم سے فنا فی اللہ جاتے ہیں
غلط ہے یہ کہ واعظ میکدے میں آتے جاتے ہیں — مگر ماہِ مبارک میں کبھی تشریف لاتے ہیں
خدا جانے وہ کیا سوچے ہیں اور کیا رنگ لاتے ہیں — مرے نامے کو چپکے چپکے پڑھ کے مسکراتے ہیں
غضب ہے کشمکش میں ہیں جوابِ روزِ محشر سے — ستم پر ہاتھ اٹھاتے ہیں حیا سے سر جھکاتے ہیں

شبِ فرقت میں تسکیں دل کو دیتا ہوں یہ کہہ کہہ کر
کوئی لمحہ ہی جاتا ہے کہ وہ یاں آئے جاتے ہیں

یہ نالے وہ نہیں ہیں جو اٹھائیں حشر عالم میں
یہ نالے وہ ہیں جو کاشانۂ دشمن جلاتے ہیں

کیا خوں آرزوؤں کا ستم سے وہ نہ باز آئے
مرے پہلو میں بیٹھے ہیں مگر شرمائے جاتے ہیں

بیانِ حشر چھوڑو بس کہ اس کے سننے سے واعظ
وہی فتنے خرامِ فتنہ زا کے یاد آتے ہیں

رموزِ عاشق و معشوق کو سمجھے تو کیا سمجھے
یہ سب کہنے کی باتیں ہیں وہ ہم کو آزماتے ہیں

صدائے لن ترانی پر یہ شعلہ دل سے نکلا ہے
کدھر ہے دھیان اے موسیٰ وہ کب جلوے دکھاتے ہیں

غضب تاثیر کی پیدا شبِ فرقت کے نالوں نے
کہ بزمِ غیر میں بیٹھے ہیں اور گھبرائے جاتے ہیں

یہی کہتا ہوں دل سے غیر ہوں گے اور وہ ہوں گے
گماں میرے مجھے کیا کیا عدو بن کر جلاتے ہیں

ذرا انصاف کر ناصح کہ کیونکر چھوڑ بیٹھوں میں
ستم سب بھول جاتا ہوں کرم جب یاد آتے ہیں

محبت میں شکایت کیا یہ کیسی بدگمانی ہے
گلے تیرے زباں پر ہم نہ لائیں گے نہ لاتے ہیں

ذرا بھی حضرتِ ناصح سے چپ بیٹھا نہیں جاتا
کوئی بولے نہ بولے کچھ نہ کچھ فرمائے جاتے ہیں

اثر پیدا کیا ہے دردِ دل میں کس قدر ہم نے
کہ جس محفل میں جا بیٹھے ہیں ہنستوں کو رلاتے ہیں

خیالی بادہ کش ہو شیخ صاحب حوضِ کوثر کے
چلو میخانے میں دیکھو کہ یوں پینے پلاتے ہیں

مرادِ دل ہی نہیں افسردہ فصلِ گل کے جانے سے
چمن میں گل نہ کھلتے ہیں نہ غنچے مسکراتے ہیں

چمن میں اے نسیمِ صبح کس کی آمد آمد ہے
نہ تو اک جا پہ ٹکتی ہے نہ گل پھولے سماتے ہیں

غضب نیرنگ حسن و عشق ہے موسیٰ سنبھل جانا
یہ اک شعلے پہ پہلے حوصلے کو آزماتے ہیں

ہمارے دل کو شاید سوزِ غم ہی سے بنایا ہے
کہ جب رونے پہ آتے ہیں تو دریا ہی بہاتے ہیں

نہ روکو حضرتِ مائل ہمیں، اب ہم نہ ٹھہریں گے
خدا حافظ ہے بت خانے کا بیت اللہ جاتے ہیں

○

خفا ہو کر بگڑتے ہیں بگڑ کر منہ بناتے ہیں
ہماری اک تمنا پر وہ کیا کیا رنگ لاتے ہیں

جگر پر ہاتھ رکھتا ہوں تو دل ہاتھوں سے جاتا ہے
الٰہی دیکھیں کس کس پر وہ خنجر آزماتے ہیں

مریضِ غم ہوں کس کا میں نہ جیتا ہوں نہ مرتا ہوں
مسیحا دن میں سو سو بار مجھ کو دیکھ جاتے ہیں

صدائے لن ترانی نے اُڑا رکھا ہے موسیٰ کو
یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ وہ جلوے دکھاتے ہیں

ازل سے ساتھ ہے شیخ و برہمن کفر و ایماں کا
خدا بھی یاد آتا ہے یہ بُت جب یاد آتے ہیں

اُدھر وہ کھنچ کے بیٹھے ہیں الٰہی دیکھیے کیا ہو
اِدھر ہم جذبۂ دل کے اثر کو آزماتے ہیں

وہ دیکھیں کیسے جاتے ہیں کسی کی بزم میں مائل
ہم اپنے جذبۂ دل کے اثر کو آزماتے ہیں



یہ مہ و مہر جو گردش میں رہا کرتے ہیں
کیا تصدق تری صورت پہ ہُوا کرتے ہیں

ایک عاشق ہیں کہ خاموش سُنا کرتے ہیں
ایک ناصح ہیں کہ دن رات بکا کرتے ہیں

وہ کوئی بھول کے وعدہ جو وفا کرتے ہیں
مدتوں دل میں پشیمان رہا کرتے ہیں

ناز و انداز ترے حشر بپا کرتے ہیں
ہر طرف بزم میں فتنے ہی اُٹھا کرتے ہیں

میری آنکھوں سے کہاں اشک بہا کرتے ہیں
یوں ہی طوفان زمانے میں اُٹھا کرتے ہیں

اب یہ دن آ گئے اللہ کہ افسانۂ یار
ہم سُنا کرتے ہیں اور غیر کہا کرتے ہیں

ایک وہ ہیں کہ شب و روز ہے آغوش میں یار
ایک ہم ہیں کہ تصور میں رہا کرتے ہیں

یوں تو میخانے میں واعظ نہیں آتے جاتے
رمضاں میں کبھی تکلیف کیا کرتے ہیں

بھول جانے کا مرے ڈھنگ نکالا ہے نیا
نام دشمن کا وہ ہر وقت لیا کرتے ہیں

عشق میں سچ ہے کہ تقدیر اُلٹ جاتی ہے
لو مسیحا مرے مرنے کی دعا کرتے ہیں

آدمی کے لیے کافی ہے فقط سوزشِ دل
شمع کی آگ میں پروانے جلا کرتے ہیں

محفلِ غیر میں جانے کی ضرورت ہے کوئی
یہ بھی ہم عشق کا اک فرض ادا کرتے ہیں

نیند آنے کو تو آئے مگر آئے تو کہاں
وہ شبِ غم مری آنکھوں میں رہا کرتے ہیں

آؤ میخانہ میں واعظ نہ کسی کی بھی سنو
اچھے اچھوں کو یونہیں لوگ کہا کرتے ہیں

آپ کو حضرتِ عیسیٰ یہ ہوا ہی کیا ہے
کہیں عاشق بھی بھلا تم سے جیا کرتے ہیں

میرے رونے پہ مجھے ڈر ہے کہ رونا نہ پڑے
اب تو جلنے پہ مرے آپ ہنسا کرتے ہیں

نہ دہن کا ہے تصور نہ کمر کا ہے خیال
ہم دل و جاں کو محبت میں فنا کرتے ہیں

مرگِ دشمن کا کیا سوگ کہاں کا تم نے
نقش بن بن کے ہزاروں ہی مٹا کرتے ہیں

اک نظر میں وہ اُڑا لیتے ہیں دل کو جاں کو
کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا کرتے ہیں

جب کسی کی نگہِ لطف ہوا کرتی ہے
کام بگڑے ہوئے دم بھر میں بنا کرتے ہیں

بدگمانی کا بُرا ہو کہ کھٹک جاتا ہوں
وہ شبِ وصل میں مجھ سے جو حیا کرتے ہیں

تم وہ ظالم ہو کہ دل لے کے ستم کرتے ہو
ہم وہ عاشق ہیں کہ دل دے کے وفا کرتے ہیں

سب سے آگے رہِ الفت میں رہا کرتا ہوں
پیر و مرشد، مجھے عشاق کہا کرتے ہیں

اُن کے شکووں کو وہ کہتے ہیں چلو یونہی سہی
ہم جفا کرتے ہیں اور آپ وفا کرتے ہیں

ان حسینوں کے ستم کا تو ٹھکانا ہی نہیں
ذبح کرتے ہیں اگر خوفِ خدا کرتے ہیں

رشک دیتا ہی نہیں چین مجھے وصل میں بھی
اب یہ سنتا ہوں کہ دشمن پہ جفا کرتے ہیں

عشق میں پردہ نشینوں کے مزہ آتا ہے
مدتوں نامہ و پیغام رہا کرتے ہیں

ان کے دل میں مری باتوں کا اثر ہو کیونکر
اس طرف کی وہ ہوا سے بھی بچا کرتے ہیں

ساتھ ہی جنبشِ ابرو کے اڑا سر اپنا
دیکھو یوں شرطِ محبت کو ادا کرتے ہیں

جانتے ہیں تری رحمت ہے گنہگار پسند
ناز جو کرتے ہیں ہم تجھ پہ بجا کرتے ہیں

دمِ عیسیٰ کی ہوا بندھ گئی جن کے دم سے
کام اُن کے لبِ اعجاز نما کرتے ہیں

ایک منصور ہی کیا لاکھو انا الحق گو ہوں — کہیں اسرارِ محبت بھی کھُلا کرتے ہیں

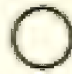
خادمِ کعبہ کبھی ہوں گے جنابِ مائل
اب تو میخانے میں دن رات رہا کرتے ہیں



ہم جن سے محبت کرتے ہیں — وہ ہم سے نفرت کرتے ہیں
جو ہم سے نفرت کرتے ہیں — ہم ان پر لعنت کرتے ہیں
ہم وصفِ قامت کرتے ہیں — یا ذکرِ قیامت کرتے ہیں
سُن کر میرے نالے کہتے ہیں — کیا لوگ قیامت کرتے ہیں
ہم کرتے نہیں ہیں ساغر ساغر — یوں شکرِ نعمت کرتے ہیں
ہم جان پہ اک دن کھیلیں گے — ہم دل سے محبت کرتے ہیں
ہیں عفو و کرم تیرے دونوں — جو میری حمایت کرتے ہیں
ہاتھ لگے تو مفت ہی لے لیں — یوں دل کی قیمت کرتے ہیں
شبنم کا رونا کہتا ہے — گُل ذکرِ شہادت کرتے ہیں
وہ کرتے ہیں ہم بھی مے پی کر — جو صاحبِ قدرت کرتے ہیں
جب پیرِ مغاں سے ملتا ہوں — اک جام عنایت کرتے ہیں
اے آہِ رسا تاثیر نہ کر — وہ مجھ سے شکایت کرتے ہیں
یہ کافر و مومن جتنے ہیں — سب تیری عبادت کرتے ہیں
یہ تیغِ نگہ کے مضموں لکھ کر — ہم تیز طبیعت کرتے ہیں
ہم رونقِ محفل تیری ہیں — ہم گرمیِ صحبت کرتے ہیں
وہ قتل بھی کر کے ہم کو تو — ممنونِ منت کرتے ہیں
ان پہ قرباں جان و ایماں — ناحق کیوں حجت کرتے ہیں
اجرِ روزہ ہم کو ملے گا — ہم ترکِ عبادت کرتے ہیں
ہیں پیرِ مغاں ایسے انساں — سب ان کی عظمت کرتے ہیں

چاروں طرف سے ابر ہے آتا　　　جب میکش ہمت کرتے ہیں
مر گئے، مر گئے، کہتے ہیں　　　ہم سیرِ جنت کرتے ہیں
اک میں ہی نہیں سجدہ اس کو　　　سب اہلِ محبت کرتے ہیں
درباں کیا، ان کے در کی　　　ہم خاک کی عظمت کرتے ہیں
دیر و حرم میں دیکھا کیا ہے　　　اک نام کی عظمت کرتے ہیں
بس یہی سبب ہے کھنچنے کا　　　ہم ان سے محبت کرتے ہیں
وہ ناحق بگڑے جاتے ہیں　　　ہم شکوۂ قسمت کرتے ہیں
خضر سے کہہ دو دل کو تھامیں　　　ہم ذکرِ غربت کرتے ہیں
دیکھ کے میرے دل کی جرأت　　　آئینے حیرت کرتے ہیں
وہ ہم سے ہو تو کیونکر ہو　　　جو کچھ تو دولت کرتے ہیں
تجھ سے قیامت ہو نہ سکے گا　　　جو فتنۂ قامت کرتے ہیں

لب ہیں تو وہی لب ہیں مائل
جو امت امت کرتے ہیں



یہ ناز و حسنِ شیریں عشق سے فریاد کرتے ہیں
ہمیں بدنام ناحق آپ کے فرہاد کرتے ہیں

یہ کہہ کہہ کر وہ اپنے عاشقوں کو شاد کرتے ہیں
اسیرانِ محبت کو کبھی آزاد کرتے ہیں

خوشی دیکھو تو پھر ان کی جنہیں ناشاد کرتے ہیں
جو چھوٹوں بھی کوئی کہہ دے تمہیں وہ یاد کرتے ہیں

مریضِ دردِ غم کا ہچکیوں سے ناک میں دم ہے
خدا بھی یاد کرتا ہے صنم بھی یاد کرتے ہیں

فرشتوں کو یہ کیا سوجھی کہ باغِ خلد کے جوتے
ترے کوچے پہ قرباں گلشنِ شداد کرتے ہیں

نہ بجلی ہم پہ گرتی تھی نہ گلچیں لاگ رکھتا تھا
قفس کی راحتوں کو آشیاں میں یاد کرتے ہیں

کھا کبوں میں نے پردے میں کہ وہ ضد سے یہ کہتے ہیں
خدا جانے یہ کس کا شکوۂ بیداد کرتے ہیں

نظر جن کی پڑی ہے وسعتِ دامانِ رحمت پر
وہ دشمن کو بھی ذکرِ خیر ہی سے یاد کرتے ہیں

گلہ کس مُنہ سے کرتا ہے تو اس کی بے وفائی کا
اثر کچھ بھی ترے نالے دلِ ناشاد کرتے ہیں؟

قیامت کیسے اب آنے کی رہی ہے کونسی صورت
نہ وہ بیداد کرتے ہیں نہ ہم فریاد کرتے ہیں

جنابِ شیخ صاحب غیبتِ پیرِ مغاں کر کے
ریاضت عمر بھر کی کس لیے برباد کرتے ہیں

بس اتنا جانتے ہیں ہم کہ کچھ شکوہ نہیں ان کا
خدا جانے کرم کرتے ہیں یا بیداد کرتے ہیں

ضرور اس پر ہوا کرتی ہے کچھ اصلاح بندے کی
کوئی نسخہ اگر پیرِ مغاں ایجاد کرتے ہیں

جو دشمن ہوں تو ایسے ہوں کہ ہیں ساتوں فلک جیسے
پسِ مردن ہماری خاک بھی برباد کرتے ہیں

بنائے میکدہ پیرِ مغاں نے دل میں ڈالی ہے
جنابِ شیخ تو تعمیرِ بے بنیاد کرتے ہیں

جو اُس کے ہیں انھیں لغزش نہیں ہوتی نہیں ہوتی
صنم خانے میں بھی مائل خدا کو یاد کرتے ہیں



یہ حُسن و عشق بھی کیسا ستم ایجاد کرتے ہیں
جنہیں ہم یاد کرتے ہیں ہمیں وہ یاد کرتے ہیں

مرے دل میں جب آتے ہیں تو یہ ارشاد کرتے ہیں
کہ اس اُجڑے ہوئے دل کو ہمیں آباد کرتے ہیں

خیالِ ابروئے جاناں میں جو بسم یاد کرتے ہیں
اُنھیں اشعار پہ رُوح الامیں بھی صاد کرتے ہیں

بہارِ باغِ عالم تو بس اک دم بھر کی مہماں ہے
یہ اتنا ناز کیوں سرو و گل و شمشاد کرتے ہیں

قفس میں جب سے آئے ہیں چمن کو یاد کر کر کے
دُعائے خیر ترے حق میں اے صیاد کرتے ہیں

ہنسی آتی ہے مجھ کو اہلِ دنیا کی دعاؤں پہ
کہ اُس کی اور اُسی کے سامنے فریاد کرتے ہیں

نہیں یہ کھینچتے تصویر اُس کے سرو قامت کی
قیامت عاشقوں پہ مانی و بہزاد کرتے ہیں

ہمیں معلوم ہے شیوہ اسیرانِ محبت کا
قفس میں بھی وہ پاسِ خاطرِ صیاد کرتے ہیں

طریقِ عشق میں مجھ سے کوئی کیا بڑھ کے نکلے گا
کہ میرا نام روشن قیس اور فرہاد کرتے ہیں

خدا جانے وہ کیسا ہے کرشمے جس کے کھنچتے ہیں
یہاں جو کچھ کہ کرتے ہیں ہمیں ایجاد کرتے ہیں

زمیں کیسی فلک کیا، ساکنانِ عرشِ اعظم تک
سنبھل جائیں کہ ہم سے خستہ جاں فریاد کرتے ہیں

بنا کر دیکھتے ہیں حلقہ حلقہ زلفِ پیچاں کا
یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہاں آزاد کرتے ہیں

مبارک ہو ہوائے خلد زاہد کو کہ عاشق تو
ہوائے کوچۂ جاناں سے دل کو شاد کرتے ہیں

قلم سے یا قدم سے یا درم سے جیسی صورت ہو
بہت ہیں لوگ دنیا میں کہ جو امداد کرتے ہیں

مثل مجھ پہ یہ صادق ہے کہ من آنم کہ من دانم
یہ ان کی مہربانی ہے کہ مجھ کو یاد کرتے ہیں

زہے قسمت تری مائل جنابِ ساقیٔ کوثر
سنا ہے چشمۂ کوثر پہ تجھ کو یاد کرتے ہیں



حسرتیں کب نظر میں پھرتی ہیں — وحشتیں ہیں کہ گھر میں پھرتی ہیں

نہیں ملتا اگر اثر نہ سہی — آہیں کس دردِ سر میں پھرتی ہیں

وہ تو بیٹھے ہیں بزمِ دشمن میں — حسرتیں ہیں کہ گھر میں پھرتی ہیں

آج ہوں گے شہید ہم، ہولا گے — آج حوریں نظر میں پھرتی ہیں

مجھ ہی کم بخت کی ہیں وہ آہیں — جو تلاشِ اثر میں پھرتی ہیں

میں سمجھتا ہوں خوب جو باتیں — دلِ بیداد گر میں پھرتی ہیں

ان دعاؤں کا پوچھنا ہی کیا — جو تری رہگذر میں پھرتی ہیں

آ کے ناکامیاں زمانے کی — کوچۂ اہلِ ہنر میں پھرتی ہیں

وہ کہیں جائیں چھپ نہیں سکتا — شوخیاں رہگذر میں پھرتی ہیں

ناامیدی سے اپنی کہتا ہوں — آپ میرے ہی گھر میں پھرتی ہیں

حسرتیں تیری خون ہو ہو کر میرے دل میں جگر میں پھرتی ہیں
وہ نگاہیں جو اُن پہ پڑتی تھیں گھر کے دیوار و در میں پھرتی ہیں
ہوش اتنا ہے غفلتوں کو مری کوچۂ باخبر میں پھرتی ہیں
یوں پریشانیاں ہیں مجھ کو عزیز سارے میرے سفر میں پھرتی ہیں
کیا سعادت نصیب ہیں آہیں جا کے برجِ قمر میں پھرتی ہیں
تو کہیں ہو مگر تری شامیں دیدۂ حسن گر میں پھرتی ہیں
رو ہی پڑتا ہوں دل کے ٹکڑوں کو صورتیں جب نظر میں پھرتی ہیں
اُس کی نیرنگیاں ہیں کتنی شوخ شکلِ شام و سحر میں پھرتی ہیں
میری آہیں دھوئیں کی صورت میں فلکِ فتنہ گر میں پھرتی ہیں
جان قرباں ہو صورتیں ایسی وقتِ آخر نظر میں پھرتی ہیں
وہ حسیں تھے کہ صورتیں جن کی دلِ شمس و قمر میں پھرتی ہیں
بحرِ رحمت کی سینکڑوں لہریں میرے دامانِ تر میں پھرتی ہیں

اب پھرے دن دعائیں مائلؔ کی
بابِ خیر البشر میں پھرتی ہیں



وہ دمِ نزع مرے داغِ جگر جلتے ہیں پاس آتے ملک الموت کے پر جلتے ہیں
شکر کس منہ سے کریں صاحبِ زہد و تقویٰ دیکھتے ہیں جو مرا زادِ سفر جلتے ہیں
ایک ایسا بھی ہے صحرائے محبت میرا جس میں اُڑتے ہوئے جبریل کے پر جلتے ہیں
تم مری آہ و شرر بار سے ڈرتے کیوں ہو آگ لگتی ہے کہاں کونسے گھر جلتے ہیں
بار کیوں نکر ہوں کہ وہ آگ لگی رہتی ہے دل میں آتے ہی ترے تیرِ نظر جلتے ہیں
آگ کس نے ہے لگائی کہ قفس میں بلبل آشیانے کی لپٹ سے ترے پر جلتے ہیں
اُن چراغوں کی ضیا سے ہے فروغِ خورشید دلِ عشاق ہیں جو وقتِ سحر جلتے ہیں
کیا زمانہ ہے کہیں مہر و محبت نہ رہی دل کے داغوں سے مرے داغِ جگر جلتے ہیں

رشکِ دشمن کو نہیں ہے جو محبت میری
تیری محفل میں وہ کیوں آئیں اگر جلتے ہیں

ایک ایسے بھی دنیا میں خدا کے بندے
طے کر آیا ہوں جو کعبے کا سفر جاتے ہیں

ایک تو ہی خم مے سے نہیں جلتا ہے فلک
میرے ساغر سے ترے شمس و قمر جلتے ہیں

کیا کوئی نیم گنہ اُن سے ہوا ہے یارب
یہ جو دوزخ میں پڑے تا بہ کمر جلتے ہیں

تا قیامت انھیں جلتا ہی خدا رکھے گا
تیری محفل میں جو سنتے ہی خبر جلتے ہیں

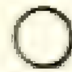
شعلۂ عشق کو جب راہ نما کرتا ہوں
میرے رستے کے سبھی فتنہ و شر جلتے ہیں

دلِ سوزاں تری فریاد سے میرے ہی نہیں
ایک عالم کی دعاؤں کے اثر جلتے ہیں

کیسے کہدوں کہ نہیں سوزِ درونی تاثیر
سُن کے اشعار مرے اہلِ ہنر جلتے ہیں

یوں جلا کرتے ہیں عشاق کے نخلِ امّید
جیسے اُجڑے ہوئے باغوں کے شجر جلتے ہیں

سچ تو یہ ہے کہ مری شمع سخن پر مائل
مثلِ پروانہ سبھی اہلِ ہنر جلتے ہیں



قتیلِ ابرو و مژگاں جدھر ہو کر نکلتے ہیں
کہیں کھنچتی ہیں تلواریں کہیں خنجر نکلتے ہیں

یہ بت بھی کیا قیامت ہیں جدھر ہو کر نکلتے ہیں
دلِ گبر و مسلماں میں بنا کر گھر نکلتے ہیں

بنائے سے کہیں بگڑی ہوئی قسمت بھی بنتی ہے
نکالے سے کہیں تقدیر کے چکر نکلتے ہیں

نہ وہ یارانِ جلسہ ہیں نہ ہیں وہ لطف صحبت کے
نہ وہ شیشے نکلتے ہیں نہ وہ ساغر نکلتے ہیں

کسی کو آرزوئے دید کوہِ طور لے پہنچی
کسی کے حسرت و ارماں تہ خنجر نکلتے ہیں

کسی کی کچھ نہیں چلتی ہے جب قسمت بدلتی ہے
ہم آئے بزم میں کیونکر تھے اور کیونکر نکلتے ہیں

فدا ہوں ہمت پیر مغاں پر اہل میخانہ
شراب ناب میں ڈوبے ہوئے اکثر نکلتے ہیں

قیامت دُور سے سجدے ترے قامت کو کرتی ہے
ترے سایہ سے بچ کر فتنۂ محشر نکلتے ہیں

گلوں کا لطف ہی جب ہے کہ الفت دونوں جانب ہو
ادھر دفتر نکلتے ہیں اُدھر دفتر نکلتے ہیں

خبر ہوتی نہیں کچھ بھی اُنہیں تسبیح و جُبہ کی
جنابِ شیخ میخانے سے جب پی کر نکلتے ہیں

قیامت ہے کسی پردہ نشیں پہ دل کا آجانا
نہ جا سکتے ہیں ہم اندر نہ وہ باہر نکلتے ہیں

خجل ہوں اشکِ خوں کو لعل کہہ کر وہ یہ کہتے ہیں
کہ جس کا دل ہو پتھر کا وہیں پتھر نکلتے ہیں

ہمارا دل بھی شاید رہگذر میں ان کی پڑتا ہے
صدا آئی جو پہلو سے ادھر ہو کر نکلتے ہیں

نہ گھبرا سخت جانی سے مری اے خنجرِ قاتل
مرے ارماں نکلتے ہیں ترے جوہر نکلتے ہیں

مری آنکھوں سے ایسے اشکِ بے تابانہ آتے ہیں
کہ سب انداز تیرے سے دلِ مضطر نکلتے ہیں

ہماری قبر پر ہو کر وہ کافر کب نکلتا ہے
نکلنے کو تو لاکھوں فتنۂ محشر نکلتے ہیں

کہاں جا کر پڑا ہے ناطقِ میخوار دیکھو تو
جدھر ہو کر جنابِ ساقیِ کوثر نکلتے ہیں

○

کسی کے قہر میں جو مہر کے پہلو نکلتے ہیں
دعائے نوح سے پہلے مرے آنسو نکلتے ہیں

حرم سے شوق میں جن کے ملائک خو نکلتے ہیں
صنم خانے سے ایسے کافرِ دل جو نکلتے ہیں

خمِ شمشیر سے کیا معنیِ ابرو نکلتے ہیں
تری ہر بات میں کافر بہت پہلو نکلتے ہیں

یہ نوبت سوزِ غم کو ضبط کرتے کرتے پہنچی ہے
کہ ذکرِ شمع سنتے ہی مرے آنسو نکلتے ہیں

نگاہیں کچھ ہیں کہہ جاتیں کرشمے کچھ ہیں کہہ جاتے
تری تحریرِ سرمہ میں غضب پہلو نکلتے ہیں

تلاطم ڈال دیتے ہیں خدا کے بحرِ رحمت میں
گناہوں کی ندامت سے جو دو آنسو نکلتے ہیں

مریدِ شیخ صاحب آسمانوں پر بھٹکتے ہیں
غلامِ حضرت پیرِ مغاں یکسو نکلتے ہیں

مجھے اس رشک نے مارا کہ ذکرِ غیر سے کافر
جبیں کی چیں نکلتی ہے خمِ ابرو نکلتے ہیں

جو ہیں پابند ملت اپنی اپنی راہ لیتے ہیں
مگر عاشق تلاشِ یار میں ہر سو نکلتے ہیں

جنابِ شیخ صاحب کو نکلتے ہم نے دیکھا ہے
غلط ہے یہ کہ میخانے سے بے قابو نکلتے ہیں

وہ عالم میکشوں کا دیکھنے کا ہے کہ مستی میں،
وہ میخانے سے جب کرتے ہوئے ہو ہو نکلتے ہیں

مرے میکش اُڑاتے ہیں نسیمِ صبحگاہی کے
کہ میخانے سے خوش خوش جھومتے ہر سو نکلتے ہیں

اثر اب تک تو باقی ہے مرے بے کینہ ہونے کا
مری تربت پہ اعدا کے خمِ ابرو نکلتے ہیں

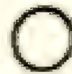
بگڑ جاتی ہے جب اُن سے تو میدانِ محبت میں
کمند و نیزہ لے کر قد و گیسو نکلتے ہیں

دمِ تکبیر مسجد میں قیامت کیوں نہ ہو برپا
الف اللہ میں وصفِ قدِ دلجو نکلتے ہیں

بھروسا رکھتے ہیں تجھ پر یہ مرغانِ چمن کیسا
کہ ہر صبح آشیانوں سے جو کہہ کر تو نکلتے ہیں

مرے دل میں ہیں آ بیٹھے فرشتے چاہِ بابل کے
مرے اشعار جو کرتے ہوئے جادو نکلتے ہیں

درِ بتخانہ پہ مائلؔ کھڑے کیونکر نہ ہوں جا کر
وہ اک طفلِ برہمن خوش ادا خوش رو نکلتے ہیں



لوگ جو انتخاب ہوتے ہیں — ہم سے خانہ خراب ہوتے ہیں
واں جو مجھ کو خطاب ہوتے ہیں — عاشقی کی کتاب ہوتے ہیں
یہ حسیں بھی زمیں کے پردے پر — مہر و مہ کے جواب ہوتے ہیں
میں تو کیا ہوں فرشتے ڈرتے ہیں — جب صنم محوِ عتاب ہوتے ہیں
کچھ اُدھر کی کبھی لو لگی ہو اگر — شعر پھر لاجواب ہوتے ہیں
کعبہ جائیں کہ بت کدے جائیں — اہلِ دُنیا خراب ہوتے ہیں
میکدہ کیوں نہ ہو تجلی زار — سینکڑوں آفتاب ہوتے ہیں
ہم گناہوں کو کیوں گنیں اپنے — جب کرم بے حساب ہوتے ہیں
میکدے میں تو شیخ صاحب بھی — مست پی کر شراب ہوتے ہیں
ہم تو زندہ ہیں کچھ نہیں معلوم — کیا عذاب و ثواب ہوتے ہیں

ہم نے دیکھی بیاضِ دنیا کی کچھ ورق انتخاب ہوتے ہیں
کیا ہوا ہے قصور کہیے تو کیوں عتاب و خطاب ہوتے ہیں
مصحفِ رُخ کو دیکھ کر جانا بت بھی اہلِ کتاب ہوتے ہیں

شرم توبہ سے حضرتِ مائل
آج عرقِ شراب ہوتے ہیں



یہ سب کہنے کی باتیں ہیں حسیں کب یار ہوتے ہیں
لپٹ پڑتے ہیں یہ کافر گلے کا ہار ہوتے ہیں

دلِ بیتاب ہوتا ہے در و دیوار ہوتے ہیں
یہی دو ایک فرقت میں مرے غمخوار ہوتے ہیں

نکل جاتے ہیں جب نالے فلک کے پار ہوتے ہیں
ٹپک پڑتے ہیں جب آنسو گلے کا ہار ہوتے ہیں

جو دم بھر بزم میں بیٹھوں نگاہوں سے اداؤں سے
جگر پر جان پہ دل پہ ہزاروں وار ہوتے ہیں

نہ سودا سر میں ناصح کے نہ سوزش دل میں واعظ کے
محبت کے بھی، لوگوں کو سب آزار ہوتے ہیں

مرے نالوں نے یوں ہی کر دیا برہم زمانے کو
قیامت میں کسی قد کے تو کچھ آثار ہوتے ہیں

نہ گھبرانا کبھی ہمراز بگڑے حال کیسا ہی
صلا دے کو کسی کے ہم فقط بیمار ہوتے ہیں

مرا کیا مفت کا دل ہے کہ واں جا کر جلاؤں میں
تمہاری بزم میں اغیار ہی اغیار ہوتے ہیں

وہ کیوں آئیں گے پھر باندھے ہوئے تلوار مقتل میں
کہ اُن کے ابروئے خمدار ہی تلوار ہوتے ہیں

لہو بن کر جو ٹپکے حسرتِ دیدار آنکھوں سے
کسی کے بند شاید روزنِ دیوار ہوتے ہیں

ترے گیسو ترے رخسار جیسے بے کدورت ہیں
کہیں پیدا بھی ایسے کافر و دیندار ہوتے ہیں

دہن کو اور کمر کو جو نگاہوں سے چھپایا ہے
عیاں کچھ عشق کے ان سے مگر اسرار ہوتے ہیں

پھنسے کس کشمکش میں ہیں طلسمِ دہر میں آکر
نہ ہم مجبور ہوتے ہیں نہ ہم مختار ہوتے ہیں

چمن میں دل بہلنے دے ذرا خاموش رہ بلبل
کہ نالے تیرے اے ظالم جگر کے پار ہوتے ہیں

ہزاروں حشر اداؤں سے نگاہوں سے تبسم سے
شہیدانِ محبت ہر قدم رفتار ہوتے ہیں

اُسے ماہِ مبارک حضرتِ واعظ ہیں فرماتے
کہ جس میں بند سارے خانۂ خمّار ہوتے ہیں

کہیں کیا ہم شبِ غم میں کہ ہم پر کیا گزرتی ہے
یہ سر ہوتا ہے اور گھر کے در و دیوار ہوتے ہیں

زلیخا کی خدا جانے کہ کیا ہوتی ہے رسوائی
یہ سودے یوں جو یوسف کے سرِ بازار ہوتے ہیں

ہمارے ہوش اُڑتے ہیں تجلی کے تصور سے
تماشا ہے کہ موسیٰ طالبِ دیدار ہوتے ہیں

خدا جانے جدا ہوتے ہیں کس سے آکے دنیا میں
کہ دو دن زندگانی کے ہمیں دشوار ہوتے ہیں

طفیلِ ساقیِ کوثر بنی ہے بات وہ مائل
کہ بزم مے جہاں ہوتی ہے ہم مختار ہوتے ہیں

○

غیر پر حد سے زیادہ جو کرم ہوتے ہیں
کیا تصور میں کہیں آپ کے ہم ہوتے ہیں

شام ہوتے ہی صنم خانے کی پڑ جاتی ہے
دل میں لاکھوں ہی اگر عزمِ حرم ہوتے ہیں

نہ لکھا کچھ نہ کہا کچھ نہ گنہگار ہوئے
مفت میں ہاتھ ہمارے تو قلم ہوتے ہیں

مانتے ہیں کہ ستمگار نہیں ہو دیکھو
ہم سے دنیا میں وفادار بھی کم ہوتے ہیں

نہ یہاں ہے نہ وہاں نام کو ہے رنگِ وفا
یار کیوں راہروِ ملکِ عدم ہوتے ہیں

داغ پر داغ ہمارا جو نہ ہو اے مائل
بے چراغ آج ہی یہ دیر و حرم ہوتے ہیں

○

ادائے ناز تیری عارفِ کامل سمجھتے ہیں
زبانِ شمع و خنجر کو ترے بسمل سمجھتے ہیں

جہاں ہم تھک کے گرتے ہیں اُسے منزل سمجھتے ہیں
جہاں ہم ڈوب جاتے ہیں اُسے ساحل سمجھتے ہیں

کسی کی جستجو میں ایسے ہم خود رفتہ رہتے ہیں
نہ جاں کو جاں سمجھتے ہیں نہ دل کو دل سمجھتے ہیں

جنوں میں کیوں نہ خوش آئے یہ رنگ آمیزیِ دنیا
اسے نقش و نگارِ پردۂ محمل سمجھتے ہیں

سمجھ کر کام کرتے ہیں نہیں ہیں ایسے ناداں ہم
اسی پر جان دیتے ہیں جسے بسمل سمجھتے ہیں

اٹھایا کرتے تھے محشر کبھی ہم ایک نالے میں
اب اُٹھنا بیٹھکر اپنا بہت مشکل سمجھتے ہیں

الٰہی کیا یہ دنیا بھی کوئی خوابِ پریشاں ہے
سحر تک کچھ نہیں پاتے جسے محفل سمجھتے ہیں

فلک نے وہ گلِ رعنا کیے ہیں قتل چُن چُن کر
کہ تجھ کو بھی شفق ہم دامنِ قاتل سمجھتے ہیں

یہ مانا تو سراپا محو ہے اُس میں مگر اے دل
ابھی کچھ ہوش باقی ہے کہ وہ غافل سمجھتے ہیں

وہ سرکائیں رخِ تاباں سے کیونکر زلفِ پیچاں کو
کہ عاشق کفر و ایماں کو ابھی شامل سمجھتے ہیں

تڑپنے ہی تڑپنے دامنِ قاتل سے جا لپٹوں
یہ تو کہیں تری سب ہم دلِ بسمل سمجھتے ہیں

لگا رہنے دو پہلو میں نہ چھیڑو چارہ سازو تم
دلِ مضطر کو اپنے ہم کسی قابل سمجھتے ہیں

نگاہِ مہر آ گئیں ہو کہ تیرِ زہر آلودہ
جگہ دیتے ہیں دل میں ہم جسے قابل سمجھتے ہیں

نہ وہ جوشِ جوانی ہے نہ وہ آہیں نہ وہ نالے
ہم اس جینے کو سچ پوچھو تو بے حاصل سمجھتے ہیں

ستم کرتے ہیں اس پر ہی بھروسہ جس پہ ہوتا ہے
اسی کو آزماتے ہیں جسے کامل سمجھتے ہیں

رموزِ عاشقاں عاشق بداند کہتے ہیں اس کو
کہ مجنوں نہ باتیں قیس کی مائل سمجھتے ہیں



ذلیل جو بے قصور رہتے ہیں	رحمتِ حق سے دور رہتے ہیں
نہیں آساں بنوں کا مل جانا	یہ خدا سے بھی دور رہتے ہیں

میرے گھر میں تو وہ نہیں آتے | میرے دل میں ضرور رہتے ہیں
بحث بے جا ہے اُن کے شیدائی | عرش کیا دور دُور رہتے ہیں
اپنی آہِ رسا سے پوچھوں گا | عرش سے کتنی دُور رہتے ہیں
یہ غلط ہے کہ اہلِ میخانہ | آدمیت سے دُور رہتے ہیں
تیرے کوچہ میں اک زمانے کے | عاشقِ نا صبور رہتے ہیں
سب ہی پیرِ مغاں کی خدمت میں | با ادب با شعور رہتے ہیں
ایک حالت ہے قیس کی لیلیٰ | اُس کے سر پہ طیور رہتے ہیں
جن پہ سایہ ہے زلف کا تیری | ہر بلا سے وہ دُور رہتے ہیں
اس نزاکت پہ یہ حسین و جمیل | پائمالِ غرور رہتے ہیں
دور سے اس کی شان کہتی ہے | میکدے میں غیور رہتے ہیں
ولولے عشق کے نہیں رُکتے | کرکے اپنا ظہور رہتے ہیں
مردہ دل جس قدر ہیں دنیا میں | مثلِ اہلِ قبور رہتے ہیں
اہلِ دولت کی عقل تو دیکھو | خاکساروں سے دُور رہتے ہیں
میرے دل سے جو شعلے اٹھتے ہیں | بن کے وہ برقِ طور رہتے ہیں
کیا کروں خانقاہ میں جاکر | سب طلبگارِ حور رہتے ہیں
ہم تو اے بیخودی ترے دم سے | سارے جھگڑوں سے دُور رہتے ہیں
وہ جہاں جائیں ساتھ ساتھ انکے | ناز و کبر و غرور رہتے ہیں
شیخ سے پارسا کہاں پیدا | میکدے میں حضور رہتے ہیں
شرم آتی ہے جاتے جنت میں | واں تو سب بے قصور رہتے ہیں
دونوں عالم تمہارے جلوے کے | غرقِ دریائے نُور رہتے ہیں

جو ہیں مائلؔ گدائے میخانہ
اہلِ دنیا سے دُور رہتے ہیں

ہمیشہ برق کو ہم شرمسار رکھتے ہیں — غضب کا سینہ میں دل بیقرار رکھتے ہیں
غضب کے دل ترے امیدوار رکھتے ہیں — امیدِ صبح شبِ انتظار رکھتے ہیں
بہار ہے ترے بیمارِ غم کے سینے میں — کہ دل کے داغ ہمیشہ بہار رکھتے ہیں
دکھا دکھا کے وہ جلوے مٹائے دیتا ہے — چھپا چھپا کے دل و جاں ہزار رکھتے ہیں
فلک کو دیکھ کے بھرتے ہیں آہ حسرت سے — امید کیا ترے امیدوار رکھتے ہیں
کسی سے شکوۂ بیگانگی کروں کیا میں — کہ یار بھی مرے ملنے سے عار رکھتے ہیں

شبِ فراق کے صدمے غضب کے ہیں مائل
کہ وصل میں بھی دلِ بیقرار رکھتے ہیں



دل نہیں داغدار رکھتے ہیں — یادگارِ بہار رکھتے ہیں
دل جو آئینہ دار رکھتے ہیں — کب کسی سے غبار رکھتے ہیں
مژدہ اے تشنۂ شہادت وہ — خنجرِ آبدار رکھتے ہیں
تم کو آنا پڑے گا تسکیں کو — گر دلِ بیقرار رکھتے ہیں
اک تمنا نہیں تیرے ملنے کی — آرزوئیں ہزار رکھتے ہیں
میکدے سے اٹھیں تو کیونکر ہم — دلِ الفت شعار رکھتے ہیں
لاکھ حسرت ہو عرشِ اعظم کی — کب قدم خاکسار رکھتے ہیں
وہ قیامت کو بھی جیے شاید — یہ حسیں جس کو مار رکھتے ہیں
کیوں نہ مغرور ہوں بتانِ جہاں — ہم سے امیدوار رکھتے ہیں
اُن کے خنجر میں یہ نہیں جوہر — شہدا کا شمار رکھتے ہیں
مست ہو کر جنابِ واعظ بھی — میکدے میں بہار رکھتے ہیں
دل و جاں سے عزیز اہلِ وفا — میری خاکِ مزار رکھتے ہیں
کیوں شکایت کریں کسی کی ہم — خود ہی اپنے سے عار رکھتے ہیں
وہ فرشتوں کو کب ملی نعمت — جو ترے دلفگار رکھتے ہیں

اُسے دیتے ہیں جامِ زہر آلود
وہ جسے ہوشیار رکھتے ہیں

بڑھ کے پیرِ مغاں سے خوئے کرم
مائلِ بادہ خوار رکھتے ہیں



وہ تو عاشق کا بس اک تار نظر رکھتے ہیں
کون کہتا ہے کہ معشوق کمر رکھتے ہیں

تیرے دیدار کو آنکھوں میں نظر رکھتے ہیں
سجدہ کرنے کو تجھے دوش پہ سر رکھتے ہیں

بیخودی میں قدمِ غیر پہ سر رکھتے ہیں
شوق سا شوق ترے خستہ جگر رکھتے ہیں

سچ تو یوں ہے ہمیں اپنا ہی وہ کر رکھتے ہیں
دلبری کا جو نگاہوں میں اثر رکھتے ہیں

نور اتنا جو فلک شمس و قمر رکھتے ہیں
یہ تصور میں مرا داغِ جگر رکھتے ہیں

ہم تو بک جاتے ہیں اُن اہلِ کرم کے ہاتھوں
کرکے احسان بھی جو نیچی نظر رکھتے ہیں

آج کہتی ہے شبِ غم کی سیاہی کچھ اور
آج مر جائیں جو ارمانِ سحر رکھتے ہیں

ہم تو کہتے ہیں کہ ہیں آپ فرشتہ صورت
شیخ کہتے ہیں کہ ہم شکلِ بشر رکھتے ہیں

غنچۂ دل کو ہمارے بھی کھلادے اک دن
تجھ سے امید یہ اے بادِ سحر رکھتے ہیں

ہے فرشتوں کو جو تسکین جدائی میں تری
یہ تصور میں کوئی شکلِ بشر رکھتے ہیں

تم نے دیکھے ہی نہیں دردِ محبت والے
لاکھوں ایسے ہیں کہ باتوں میں اثر رکھتے ہیں

ہے تو دستارِ فضیلت ہی انھیں رکھنے دو
شیخ زیرِ خمِ میخانہ اگر رکھتے ہیں

مصلحت یوں ہے کہ خاموش رہیں کچھ نہ کہیں
ورنہ معلوم ہے واعظ جو ہنر رکھتے ہیں

دیکھتے ہی کسی قامت کو یہ مصرع سوجھا
سرو بھی باغِ محبت کے ثمر رکھتے ہیں[1]

اُن پہ مرتے ہیں جو الطاف و کرم ہیں کرتے
ان کے بندے ہیں جو بندوں پہ نظر رکھتے ہیں

شاید اُس کے ہی یہ دریائے کرم بن جائیں
ہم تو اس واسطے یہ دیدۂ تر رکھتے ہیں

زہد و تقویٰ پہ تمھیں ناز اگر ہے واعظ
اہلِ میخانہ بھی اک دامنِ تر رکھتے ہیں

---

[1] اس شعر کی مولانا مبین نے داد دی تھی کہ "بڑھاپے میں جوانانہ شعر"! ۱۲۔

کبھی خالی نہیں جاتی ہیں دعائیں ان کی
درد رکھتے ہیں جو دل میں وہ اثر رکھتے ہیں

اُن کے دل کی بھی کدورت کو مٹا دیتے ہیں
اثر اتنا تو مرے دیدۂ تر رکھتے ہیں

آ ہی جائے گی ہوا لطف و کرم کی اُس کے
ہم گنہگار اگر دامنِ تر رکھتے ہیں

بے ادب شیخ و برہمن سے نہ دیکھے نہ سُنے
حرم و دیر میں یہ فتنہ و شر رکھتے ہیں

کیا ہوا حضرتِ مائل نے جو دیکھا اس کو
اہلِ دل جتنے ہیں سب ذوقِ نظر رکھتے ہیں



نہ تو دل رکھتے ہیں عاشق نہ جگر رکھتے ہیں
دونوں پہلو میں ترے تیرِ نظر رکھتے ہیں

حضرتِ عشق کے پاؤں پہ جو سر رکھتے ہیں
پاؤں ہر راہ میں بے خوف و خطر رکھتے ہیں

بے پری میں بھی وہ پرواز بشر رکھتے ہیں
شک ملائک کو یہ ہوتا ہے کہ پر رکھتے ہیں

اک تماشا نظر آتی ہے یہ دنیا ہم کو
اُس کے نیرنگ جو ہم پیشِ نظر رکھتے ہیں

دین و دل اُن سے بچائیں تو بچائیں کیونکر
وہ کرشموں میں خداداد اثر رکھتے ہیں

نیت اُن کی ہے رکوع اُنکے ہیں سجدے اُنکے
جو نمازوں میں اُسے پیشِ نظر رکھتے ہیں

رُخ و گیسو کی کشاکش میں بجا نسا رکھا ہے
نہ ادھر رکھتے ہیں ہم کو نہ اُدھر رکھتے ہیں

ایک ہم ہیں کہ نہیں اپنی خبر کچھ ہم کو
ایک وہ ہیں کہ دوعالم کی خبر رکھتے ہیں

ہم کو مرنے کا نہیں رنج خوشی ہے اس کی
آج ہم اپنی خموشی میں اثر رکھتے ہیں

ایسی کچھ بات ہے اتنا تو سمجھ لے ظالم
ہم جو نقشِ کفِ پا پہ ترے سر رکھتے ہیں

جوشِ مستی میں نہیں اُس کو ذرا بھی کچھ ہوش
پاؤں پڑتا ہے کدھر اور کدھر رکھتے ہیں

مُردے آوازِ سلاسل سے جلا دیتے ہیں
ہم جنوں میں بھی قیامت کا اثر رکھتے ہیں

یہ کسی راہ کی دنیا بھی سرا ہے شاید
کہ یہاں جتنے ہیں سب عزمِ سفر رکھتے ہیں

ہم تصور میں ترے ساتھ رہا کرتے ہیں
ہم نگاہوں میں تری راہ گذر رکھتے ہیں

دیکھ کر ہم کو نہ ہو شعلہ فشاں اے دوزخ
ہم گنہگار ہیں پر دیدۂ تر رکھتے ہیں

یہ بہار آئی کہ آفت ہے جنابِ واعظ
رہن میخانے میں اللہ کا گھر رکھتے ہیں

ایک وہ ہیں کہ ہیں مرغانِ سحر کے دشمن　　　ایک ہم ہیں کہ تمنائے سحر رکھتے ہیں

ایک ہی ہاتھ میں یہ کہہ کے اُڑایا اُس نے　　　کہیں عاشق بھی بھلا دوش پہ سر رکھتے ہیں

دل کو دیکھو کہ سمجھتا ہے رقیبوں میں ہمیں　　　ہم جو آنکھوں میں اُسے آٹھ پہر رکھتے ہیں

میکدے میں یہ کوئی قطبِ زماں ہیں مائل
بیخودی میں جو خدائی کی خبر رکھتے ہیں[۱]



وہ کیفیت ہے آنکھوں میں گلابی لوگ کہتے ہیں　　　نگاہِ مستِ ساقی کو شرابی لوگ کہتے ہیں

جو اُن کی چشمِ میگوں کو شرابی لوگ کہتے ہیں　　　دلِ سوزاں کو میرے بھی کبابی لوگ کہتے ہیں

تصور میں وہ آتے ہیں تصور میں وہ جاتے ہیں　　　تماشا ہے جو اس کو بے حجابی لوگ کہتے ہیں

دلِ مضطر سنے نام اسکا جو کلک برق سے لکھ دو　　　چلا آئے گا وہ کا فرشتابی لوگ کہتے ہیں

عجب ہے شانِ تقویٰ کی جنابِ شیخ صاحب کی　　　شرابی لوگ کہتے ہیں کبابی لوگ کہتے ہیں

قدم رکھتے ہی بلبل کے اثر تو عشق کا دیکھو　　　چمن میں ہو گئی خانہ خرابی لوگ کہتے ہیں

کہوں کس کس سے یارب میں کہ روتے رات کٹتی ہے　　　تری آنکھیں ہیں کیوں ایسی گلابی لوگ کہتے ہیں

نقاب اُلٹے ہوئے آنا نقاب اُلٹے ہوئے جانا　　　اسی شوخی کو اُن کی بے حجابی لوگ کہتے ہیں

اِدھر اک سر اُٹھاتا ہے اُدھر اک بیٹھ جاتا ہے　　　یونہی دنیائے فانی کو حبابی لوگ کہتے ہیں

کبھی دیکھا نہیں اپنے دل آرا کو مگر اکثر　　　میانہ قامت و روئے کتابی لوگ کہتے ہیں

بنا کرتا ہے انساں ٹھوکریں کھا کھا کے برسوں میں　　　ہوا کرتی ہے یونہی کامیابی لوگ کہتے ہیں

حرم میں سجدہ کرتے ہی بُتوں نے پھیر لیں آنکھیں　　　صنمخانے میں جاتے ہی عتابی لوگ کہتے ہیں

---

[۱] یہ مشاعرہ جے پور کے محلہ بساطیان میں بماہ مئی ۱۹۱۴ء ہوا تھا۔ مصرع طرح تھا:-

یہ بھی اک بے خبری ہے کہ خبر رکھتے ہیں

اظہر، ایمان، تسنیم، تنویر، جوہر، نظیر حسن سخا، شوخ وغیرہ شریک تھے۔ سخا کا مطلع ہے:-

ناز و غمزہ کی جو وہ تیغ دو سر رکھتے ہیں
ہم بھی دُہری جگر و دل کی سپر رکھتے ہیں

انتخاب "جوہرِ سخن" بابتہ ماہ مئی ۱۹۱۴ء میں شائع ہوا ہے۔ ۱۲۔

بس اک میں ہی نہیں کہتا خدائی تجھ کو زیبا ہے
یہی سارے جہاں کے انتخابی لوگ کہتے ہیں

نقابِ روئے رنگیں کو جو اس نے باغ میں اُلٹا
چمن سارا ہوا گہرا گلابی لوگ کہتے ہیں

صنم رہتے تھے کعبہ میں نہ جھگڑا کفر و دیں کا تھا
ہوئی تھوڑے دنوں سے یہ خرابی لوگ کہتے ہیں

ہمارے ساتھ پیتے ہیں ہمیں کچھ بھی نہیں کہتے
جنابِ شیخ صاحب کو شرابی لوگ کہتے ہیں

زمیں سے خون میں ڈوبا ہوا نکلا عجب کیا ہے
جو ہر گل میں ہو بوئے بوترابی لوگ کہتے ہیں

طفیلِ روحِ پاکِ حافظِ شیراز مائل تو
غزل مستانہ کہتا ہے شرابی لوگ کہتے ہیں



رہا وہ کافر آنکھوں میں تماشا اس کو کہتے ہیں
رہے ہم حشر تک مضطر تمنا اس کو کہتے ہیں

کھڑے ہیں ناز سے وہ، حشر برپا اس کو کہتے ہیں
تماشائی ہے عالم روئے زیبا اس کو کہتے ہیں

خدا بھی دیکھتا ہی رہ گیا محشر میں اس بت کو
تجلّی ہے جمالِ روئے زیبا اس کو کہتے ہیں

مزہ جب یاد آتا ہے مجھے صحرا نوردی کا
ترے کوچے سے اُٹھ جاتا ہوں سودا اس کو کہتے ہیں

غضب میں پھنس گئے لے کر حیاتِ مستعار اس سے
کہ ہر دم موت سے سر پہ تقاضا اس کو کہتے ہیں

تماشا دیکھنا منظور ہے گر دیدۂ تر کا
ذرا ہنس کر یہ کہہ دینا کہ دریا اس کو کہتے ہیں

جو دیکھوں تجھ کو حیراں ہوں نہ دیکھوں تجھ کو مضطر ہوں
نہیں ہے عشق اے کافر تو پھر کیا اس کو کہتے ہیں

مرے ہوتے ہوا مشہور ایسا نام مجنوں کا
مگر دنیا میں بند ہو جانا ڈنکا اس کو کہتے ہیں

ملی ہے آج ہم کو داد کچھ صحرا نوردی کی
خضر فرما گئے یہ دشت پیما اس کو کہتے ہیں

خیالِ جور ہے ان کو نہ کچھ ہے پاس وعدے کا
وہ ہیں اور آئینہ محوِ تماشا اس کو کہتے ہیں

نظر آیا جو اک جلوہ صنم خانہ میں واعظ کو
چلا آیا سمجھ کر کعبہ دھوکا اس کو کہتے ہیں

بجا کہیے تو کیا زلفِ پریشاں کو ہوا حاصل
کیا عالم کو برہم نازیبا اس کو کہتے ہیں

سنا ہے جب سے موت آتی ہے دردِ سر کے ہونے سے
دھڑک جاتا ہے دل سینے میں کھٹکا اس کو کہتے ہیں

ذرا تو دیکھ تو مجنوں مری تصویر کا عالم
جنوں ہر رنگ سے کھلتا ہے سودا اس کو کہتے ہیں

ہوا جس کی بدولت خانہ برباد دل وہ بھی
مرے منہ پر لگا کہنے کہ سودا اس کو کہتے ہیں

سمجھ کر حضرتِ واعظ الجھیے آپ مائل سے
کہ رندِ لاابالی بادہ پیما اس کو کہتے ہیں



ستم کا لطف یہ روزِ شمار دیکھتے ہیں
کہ ہر نگہ کو تری شرمسار دیکھتے ہیں

درازیِ شبِ ہجراں تو دیکھ لی ہم نے
تجھے بھی آج شبِ انتظار دیکھتے ہیں

نگاہِ ناز سے کیا دیکھتے ہیں وہ مجھ کو
مجھے جو بزم میں سب بار بار دیکھتے ہیں

ہمیں تو ہجر میں مرنا ہے کل سہی اے مرگ
کسی کا آج تو قول و قرار دیکھتے ہیں

یہ کم نہیں تری فرقت میں رشک کا صدمہ
کہ ذرّہ ذرّہ کو ہم بیقرار دیکھتے ہیں

نگاہِ ناز یہ جادو ہے کیا کہ دُنیا کے
دل و جگر پہ ترا اختیار دیکھتے ہیں

خدا کو مان، نہ کر محتسب ستم اتنا
کہ آسماں کی طرف بادہ خوار دیکھتے ہیں

خدا کی شان کہ پیرِ مغاں کی بیعت کا
جنابِ شیخ کو امیدوار دیکھتے ہیں

صبا سے کہتے ہیں لپٹے نہ میرے دامن سے
جو رہگزر میں وہ میرا غبار دیکھتے ہیں

ہزار فتنۂ محشر اُدھر سے اُٹھتے ہیں
وہ انجمن میں جدھر ایکبار دیکھتے ہیں

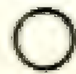
نگاہِ یار کی گردش تو دیکھ لی ہم نے
تجھے بھی گردشِ لیل و نہار دیکھتے ہیں

فغاں کو، آہ کو، نالہ کو، چشمِ گریاں کو
سبھی کو عشق میں بے اختیار دیکھتے ہیں

تری نگاہ میں کیا شوخیاں ہیں تیری سی
کبھی جگر کے کبھی دل کے پار دیکھتے ہیں

مزاج داں نہ ترا کوئی ہم کو ملتا ہے
کسی کو ہم نہ ترا رازدار دیکھتے ہیں

جنیں گے حضرتِ مائل حرم میں کیا جاکر
کہ بتکدے میں اُنھیں بیقرار دیکھتے ہیں



سمجھ کر نہ تجھ کو صنم دیکھتے ہیں
خدا جانے کیا تجھ میں ہم دیکھتے ہیں

دل اس بُت کو دے کر یہ ہم دیکھتے ہیں
کہ ہر لحظہ آنکھوں میں دم دیکھتے ہیں

فلک کیا یہ ہو ہو کے خم دیکھتے ہیں
مگر تیرے نقشِ قدم دیکھتے ہیں

رہے کیوں نہ شیخ و برہمن میں جھگڑا
تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں

ہمیں دیکھنا ہے تو۔ تو دیکھتا ہے
تجھے دیکھتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں

یہاں میکدہ ہے وہاں حوضِ کوثر
یہ اس کے کرم یہ کرم دیکھتے ہیں

کرم کا ہی بس ایک رونا نہیں ہے
ستم بھی تو اب اس کے کم دیکھتے ہیں

کہاں میکدے سے چلیں بیٹھے بیٹھے
تماشائے ابرِ کرم دیکھتے ہیں

اسی گھر میں گویا ہمیشہ رہیں گے
مرے دل کو یوں درد و غم دیکھتے ہیں

ستم ہے کہ دشمن کو آنکھوں سے اپنی
تری کھاتے جھوٹی قسم دیکھتے ہیں

بگڑ کر وہ کہتے ہیں رسوا نہ کرنا
کبھی چھپ چھپ اکر جو ہم دیکھتے ہیں

ہمیں یاد آتا ہے میخانہ اپنا
جہاں کفر و دیں کو بہم دیکھتے ہیں

جنہیں ہم نے دیکھا محبت سے برسوں
علم اُن کی تیغِ ستم دیکھتے ہیں

ابھی ہم نہ لائیں گے اپنی زباں پر
ابھی ان کے قول و قسم دیکھتے ہیں

یہ مانا کہ ہے رندِ میخوار مائل
پر اتنا بھی دنیا میں کم دیکھتے ہیں

○

آنکھ لڑتے ہی نگاہوں سے گرا دیتے ہیں
خاک میں اشک سے پہلے وہ ملا دیتے ہیں

آدمیت کا انھیں شیوہ سکھا دیتے ہیں
ہم فرشتوں کو بھی انسان بنا دیتے ہیں

کس غضب کے ترے گیسو ہیں یہ بکھرے بکھرے
کہ بھلے چنگے کو دیوانہ بنا دیتے ہیں

تو نے دیکھا ہی نہیں بادہ کشوں کو واعظ
ایک ساغر میں دو عالم کو بھلا دیتے ہیں

جب مجھے بزم سے ہوتا ہے اُٹھانا منظور
میرے پہلو میں وہ دشمن کو بٹھا دیتے ہیں

یوں گلے کرنے کو کرتے ہیں زمانے میں سبھی
دونوں جانب ہو محبت تو مزا دیتے ہیں

اب بھی میخانہ میں ہیں رندِ قدح کش ایسے
کفر آ جائے تو ایمان بنا دیتے ہیں

لب جاں بخش سے فرماتے ہیں انکارِ وصال
لو مسیحا مجھے پیغامِ قضا دیتے ہیں

کچھ عجب حسن و محبت کے کبھی دیکھے ہیں رنگ
جو نہ دیکھے ہوں تماشے وہ دکھا دیتے ہیں

یا تو ناصح ابھی ہشیار بنا دے ہم کو
یا ابھی ہم اُسے دیوانہ بنا دیتے ہیں

ہم سے رندوں کا تو کرتے نہیں چارہ عیسیٰ
اور مُردوں کو جو کہیے تو جلا دیتے ہیں

مہرباں ہو کے بلاتے تو ہیں محفل میں مگر
چھیڑتے ہیں مجھے اتنا کہ رُلا دیتے ہیں

زندہ دل حضرتِ مائل سے کہاں ہیں پیدا
باتوں باتوں میں وہ روتوں کو ہنسا دیتے ہیں



راہ سیدھی ترے ملنے کی بتا دیتے ہیں
اس طرح جان ترے اہلِ وفا دیتے ہیں

وہ سنبھلنے کہیں عاشق کو بھلا دیتے ہیں
بھول جاتا ہوں تو خود یاد دلا دیتے ہیں

جو تری راہ میں اپنے کو مٹا دیتے ہیں
وہیں مرگ بھی تعلیمِ فنا دیتے ہیں

جب کبھی ہوتے ہیں یہ حسن و محبت باہم
جو نہ دیکھے ہوں تماشے وہ دکھا دیتے ہیں

یہ تو مانا کہ نہیں کچھ بھی گلوں کے انداز
دل میں بلبل کے مگر آگ لگا دیتے ہیں

جوش پر آتے ہیں جب سوزِ محبت والے
ایک نالے میں دو عالم کو جلا دیتے ہیں

میں نہ جاؤں گا در پیرِ مغاں سے محروم
یہ تو بگڑی ہوئی تقدیر بنا دیتے ہیں

کبھی کہتے ہیں کہ آ منہ نہ آئے آگے
کبھی وہ پردۂ رخسار اٹھا دیتے ہیں

کبھی خلوت میں کسی کو وہ بلا لیتے ہیں
کبھی کبلی سر موسے پہ گرا دیتے ہیں

جس طرف چلتے ہیں یہ بادِ خزاں کے جھونکے
گل و گلزار کو دم بھر میں مٹا دیتے ہیں

جان کر مجھ کو جلاتے ہیں یہ کیونکر مانوں
جو مرے دل پہ گذرتی ہے سنا دیتے ہیں

نہ تو مرتے ہی بن آتی ہے نہ جیتے مجھ کو
وہ کبھی زہر کبھی آبِ بقا دیتے ہیں

چھیڑ کر اہلِ محبت کو مزہ کیا پایا
یہ تو ہر حال میں بے چارے دعا دیتے ہیں

ان سے بگڑے کہیئے جان رہے یا نہ رہے
آج جو دل میں بھرا ہے وہ سنا دیتے ہیں

یہ اگر سچ ہے کہ مل جاتا ہے وہ در دنیا
ایک بوسہ انہیں ہم نام خدا دیتے ہیں

خم کے خم بادۂ صافی کے جناب مائل
نام پر ساقیٔ کوثر کے لٹا دیتے ہیں

نذرِ اہلِ کرم جو لیتے ہیں
بڑھ کے دیتے ہیں کم جو لیتے ہیں

کیا ہیں واعظ قدم جو لیتے ہیں
سر پہ آفت کو ہم جو لیتے ہیں

کیا کہیں لطف ہم جو لیتے ہیں
دل میں چٹکی صنم جو لیتے ہیں

مفت جاتی ہے بندگی سی چیز
ہم خدائی سے کم جو لیتے ہیں

کیا ہی جلتا ہوں ان سے روزِ عید
اک شبو سے گلی کو جو لیتے ہیں

کیا کہوں آہ اہلِ صحت خانہ
مجھ سے قول و قسم جو لیتے ہیں

آزمائیں گے جان پر کس کی
آپ تیغِ دو دم جو لیتے ہیں

ان کی ہمت کو دیکھتا ہوں میں
دین و دنیا بہم جو لیتے ہیں

چلتے ہوتے ہیں سانس گھٹتے ہی
آ کے دنیا میں دم جو لیتے ہیں

تازہ کرتے ہیں زخم نو و کہن
مجھ سے دادِ ستم جو لیتے ہیں

کہتے ہیں اس کا اعتبار نہیں
بیخودی میں قسم جو لیتے ہیں

پھینک دیتے ہیں چھین کر احباب
ہم ہتھیلی پہ سم جو لیتے ہیں

فکرِ دارین سے ہے مستغنی
مول اوروں کا غم جو لیتے ہیں

عہد لیتے ہیں مجھ سے ملنے کا
ان سے قول و قسم جو لیتے ہیں

پوچھیے ان سے لذتِ بیداد
لطفِ درد و الم جو لیتے ہیں

کہنی پڑتی ہے ان سے دل کی بات
تیرے سر کی قسم جو لیتے ہیں

دل میں رہتے ہیں داغ بن بن کر
راہِ ملکِ عدم جو لیتے ہیں

سر پٹکتی ہے حسرتِ شداد
آپ باغِ ارم جو لیتے ہیں

تیرے گھر کا طواف کر لیتے
راہِ بیت الحرم جو لیتے ہیں

کہیں اس کا نہیں حساب کتاب
آپ دل سی رقم جو لیتے ہیں

روٹھ جاتے ہیں پھر نہیں منتے
پھر بلائیں بھی ہم جو لیتے ہیں

روئے ایماں پر ملیں گے شیخ ؛
خاکِ پائے صنم جو لیتے ہیں

کرتے ہیں انتظار بادہ فروش
نقد داموں سے ہم جو لیتے ہیں

شیخ جی بھیں گے کعبہ کو سوغات
خاکِ بیت الصنم جو لیتے ہیں

ہے اس کا خیال بھی قاصد
ہم تمہارے قدم جو لیتے ہیں

وہ تو مجھ ناتواں کے ہیں نالے
عرشِ اعظم پہ دم جو لیتے ہیں

شاخِ طوبیٰ کو رشک ہوتا ہے
ہاتھ میں وہ قلم جو لیتے ہیں

وہ سمجھتے ہیں عشق کا رتبہ
داغِ دل کی قسم جو لیتے ہیں

لیتے ہیں نذر میں جبینِ نیاز
ان کے نقشِ قدم جو لیتے ہیں

ان کے نالوں سے لے سپہر ذر
لطفِ جور و ستم جو لیتے ہیں

دلِ دیوانہ جی میں ہے دیدوں
گیسوئے خم بہ خم جو لیتے ہیں

جا کے چھپتا ہے قیس مکتب میں
کبھی وحشت کا نام جو لیتے ہیں

کیا فسانہ لکھیں گے دشمن کا
واسطی کے قلم جو لیتے ہیں

قطبِ میخانہ ہو مگر مائل
رند آ کر قدم جو لیتے ہیں



ڈرتے ہیں آسماں سے مزاج قضا کے ہیں
ہم ہیں مٹے ہوئے تو کسی کی ادا کے ہیں

شکوے فلک کے کیجیے شکایت اجل کی کیا
یہ سب کرشمے آپ کی ناز و ادا کے ہیں

پہلے بھی یاد تھیں کبھی ایسی رکاوٹیں
یہ سب غرور و ناز مری التجا کے ہیں

دیکھا دعا جو لگتے کہتے ہیں بزم میں
بولو نہ ان سے کوئی یہ بندے خدا کے ہیں

میں نے کہا نہ تھا کہ تم آئیں، کہا کہ ہاں
دنیا میں جو اثر ہیں تمہاری دعا کے ہیں

محشر خرام اور بھی تم سے ہیں خلق میں
کوچہ میں غیر کے جو نشانِ نقشِ پا کے ہیں

اچھے ہیں ہاں عدو ہی یہ کہنا بجا مگر
دل میں تمہارے نقش ہماری وفا کے ہیں

کیا جانے کیا کہیں گے قیامت کو دیکھنا
کشتے جو آپ کے ستم ناروا کے ہیں

ہوا شبِ فراق سے گھبرائیں گے وہ کیا
جو لوگ شیفتہ تری زلفِ دوتا کے ہیں

گنتی ہی کچھ نہیں ستمِ روزگار کی
سچ پوچھیے تو آپ کے عاشق بلا کے ہیں

کہتے ہیں مجھ سے بیٹھ کے پہلو میں غیر کے — امیدوار آپ بھی روزِ جزا کے ہیں
پردوں سے کیوں ہیں طالبِ دیدار کوہ سنج — یہ جلوے بھی تو آخر اسی دلربا کے ہیں
مائل شرابِ ناب ہی سے کرتے ہو وضو
رندی میں بھی کھلے ہوئے رنگ اتقا کے ہیں

○

اتنے نشانِ سجدہ نہ پوچھو کہاں کے ہیں — کچھ ان کی رہ گذار کے کچھ آستاں کے ہیں
کیونکر نہ بدگمان ہوں چہرہ بھی زرد ہے — نالے بھی دردناک مرے راز داں کے ہیں
دشمن کا مرثیہ جو سنایا تو کہتے ہیں — گریہ کے بند اس میں ہماری زباں کے ہیں
آتے ہی مجھ سے کہتے ہیں شوخی تو دیکھنا — جلوے ترے مکاں میں ہمارے مکاں کے ہیں
اے چارہ گر بھرے نہ بھریں گے تمام عمر — دل پر ہمارے زخم کسی مہرباں کے ہیں
آتے ہیں جو قفس کی زیارت کے واسطے — اے برق کیا شرار مرے آشیاں کے ہیں
چٹکی کا تیرے تیر اور اس کا ہو چارہ ساز — ایسے کہاں نصیب دلِ خستہ جاں کے ہیں
قہر و غضب انھیں یہ ہے صیاد کا سوا — جو دام میں اسیر بلند آشیاں کے ہیں
پھر دل میں کوئی دور سے بھڑکا رہا ہے آگ — پھر زور شور نالۂ آتش فشاں کے ہیں
کعبہ اسی کو جان کلیسا اسی کو جان — فقرے یہ ہم کو یاد ترے پاسباں کے ہیں
دم بھر بہار ٹھیر کہ لالہ کے جام میں — دو چار گھونٹ اور مئے ارغواں کے ہیں
ویراں، تباہ، آب زدہ، نیم سوختہ — گلشن میں اب یہ نام مرے آشیاں کے ہیں
مائل کہاں سے لائیں وہ دریا دلی کے جوش
گو سب کمال شیخ میں پیرِ مغاں کے ہیں

○

اک عمر سے زمیں کے نہ ہم آسماں کے ہیں — کیا جانیں ہم غبار نہ کس کارواں کے ہیں
ہم شیفتہ کرے نہ عاشق دہاں کے ہیں — ڈوبے ہوئے خیال میں اک بے نشاں کے ہیں
پہلو میں یا تو آپ ہوں یا خنجرِ اصیل — بس یہ ہی دو علاج دلِ بدگماں کے ہیں

بے وقت آ گئی ہے قیامت کہ اس طرح
شکوے زباں زباں پہ جو میری فغاں کے ہیں

باتیں شبِ وصال کی کیونکر کہے کوئی
وہ راز ہی نہیں ہیں جو قابل بیاں کے ہیں

اللہ رے جوشِ یاس کہ گھبرا کے بار بار
نالوں سے پوچھتا ہوں ارادے کہاں کے ہیں

ہم سے نہ احتراز کرے پیرِ خانقاہ
ہم بھی غلام حضرتِ پیرِ مغاں کے ہیں

مجنوں کو شوقِ سجدہ میں اتنی نہیں تمیز
لیلیٰ کے نقشِ پا ہیں کہ یہ سارباں کے ہیں

خنجر بجھا رہے ہیں وہ آبِ حیات میں
منظور امتحان کسی نیم جاں کے ہیں

کیا ہم بتائیں حال کہ ہیں کون اے صبا
اک ناتواں غبار کسی کاروان کے ہیں

حیراں ہوں کوئے یار کی رفعت کو دیکھ کر
شکوے مری زبان پہ کس آسماں کے ہیں

اے آستانِ یار کرم کی نگاہ رکھ
ادنیٰ غلام ہم بھی ترے پاسباں کے ہیں

واعظ برا نہ مانیے وہ بات تھی کچھ اور
گو رنگ ڈھنگ آپ میں پیرِ مغاں کے ہیں

مائل انھیں سے فیض کا طالب رہا سدا
جو لوگ ہم صفیر بلند آشیاں کے ہیں



جلوے جو رنگ رنگ کے دونوں جہاں کے ہیں
سارے یہ اہتمام مرے امتحاں کے ہیں

جو لوگ انتخاب ہیں دونوں جہان کے ہیں
وہ ہی تو رازداں ترے رازِ نہاں کے ہیں

کھاتا ہے آفتاب قسم جن کے حسن کی
ذرے بہت سے ایسے ترے آستاں کے ہیں

جس کا کہ حسنِ یار ہے سالارِ قافلہ
یوسف بھی اک متاع اسی کارواں کے ہیں

جس پر کہ حسن و عشق جھکے ایک شان سے
ہم سجدہ کرنے والے اسی آستاں کے ہیں

ممکن نہیں کہ کر سکوں عرشِ بریں کی سیر
جب تک خیال دل میں بلند آشیاں کے ہیں

جس انجمن میں پرسشِ روح الامیں نہ ہو
ہو جائیں میرِ بزم ہم ایسے کہاں کے ہیں

کیوں طول دوں بیاں کو ہے یہ قصہ مختصر
دونوں جہاں طلسم تری داستاں کے ہیں

دل لیتے حرم سے دیر سے اس کے تو کبھی اور
رستے بہت سے کوچۂ جانِ جہاں کے ہیں

کیونکر کہوں نہ حشر میں قصدِ گناہ کے
اس کے کرم کو شوق اسی داستاں کے ہیں

ہوتیں نہ نافہ نافہ میں یہ مشک بیزیاں — احساں یہ تیرے گیسوئے عنبر فشاں کے ہیں

یارب نہ جرمِ رشک میں احباب کو پکڑ — جو کچھ بھی ہیں قصور ہماری زباں کے ہیں

سائلؔ یہ ہے قدیم کہ الفاظ سینکڑوں

اللہ کے کلام میں اردو زباں کے ہیں

○

تھے گل کے ہمنشیں وہی خار آشیاں کے ہیں — یہ لطف اس چمن میں بہار و خزاں کے ہیں

اے شیخ پاسباں جو درِ لامکاں کے ہیں — ادنیٰ غلام حضرتِ پیرِ مغاں کے ہیں

جلوے صنم کدے میں جو حسنِ بتاں کے ہیں — ہر اک سے پوچھتا ہوں یہ پتھر کہاں کے ہیں

کل کی خبر نہیں کہ نکل جائے منہ سے کیا — اب تک زبان پر تو گلے آسماں کے ہیں

واقف ہوں مے فروشوں سے واعظ بتایئے — سامان یہ بہشت میں کس کی دکاں کے ہیں

جس وقت اس کو سفلہ نوازی کی خو ملی — ہم نوا سی گھڑی سے عدو آسماں کے ہیں

جلتے ہیں لالہ زار جہاں میں بہشت میں — پروردہ سب مری مژۂ خوں چکاں کے ہیں

چل ہٹ اے نسیمِ صبح نہ آئی لپٹ کے چل — نازک مزاج خار مرے گلستاں کے ہیں

کیا پوچھتے ہو کس نے ہلایا ہے عرش کو — آساں کام سب مری آہ و فغاں کے ہیں

اک چشمِ تر ہی کیا دل و جاں میں چھپے ہوئے — دشمن ہزار ہا مرے رازِ نہاں کے ہیں

کیونکر نہ شاد ہو دلِ شوریدہ پھوٹ کر — پتھر یہ کہہ رہے ہیں ہم ان کے مکاں کے ہیں

خورشیدِ روزِ حشر سے، دوزخ سے خوف کیا — دونوں بنے ہوئے مرے سوزِ نہاں کے ہیں

ہر تیرِ آہ عرش سے آگے نکل گیا — اس بات کے گواہ کئی آسماں کے ہیں

اب برق مجھ غریب پہ گرتی ہے کیوں کرم — گنتی کے دو جہان مرے آشیاں کے ہیں

تغیرِ رنگ ہی نہیں آئینہ دیکھئے — نقشے الگ مرے وہم و گماں کے ہیں

سینے ہیں جن کے درد و الم سے بھرے ہوئے — شوقین ایسے لوگ مری داستاں کے ہیں

اے ساقیِ الم مجھے خونِ جگر پلا! — محفل میں ان کی دورِ مے ارغواں کے ہیں

کہتی ہے یہ زمیں کہ میرے ہیں میرے ہیں — عیسیٰ یہ جانتے ہیں کہ ہم آسماں کے ہیں

ٹوٹے ہوئے وہ دل میں لگاتے ہیں تیر کیا
پھوٹے ہوئے نصیب مرے میہماں کے ہیں

نسبت نہیں ہے جور میں تجھ سے تو فتنہ گر
شاگرد آسمان ترے پاسباں کے ہیں

گھڑیاں مصیبتوں کی تو سب ہو چکیں تمام
دو چار سانس اور مرے امتحاں کے ہیں

کیونکر کرے خدا ابھی نہ سائل کا احترام
دربان آپ کوچۂ جانِ جہاں کے ہیں



قہر و عتاب تجھ پہ جو پیر مغاں کے ہیں
دو چار پردے اور ابھی درمیاں کے ہیں

کس شوق سے وہ خاک ترے آستاں کے ہیں
جو لوگ انتخاب میں دونوں جہاں کے ہیں

مجھ کو تو کچھ نہیں ہے جبینِ نیاز کو
دو چار ٹھوکروں کے گلے پاسباں کے ہیں

اب آسمان رحم بگولوں کے حال پر
بچھڑے ہوئے غریب کسی کارواں کے ہیں

جو کھینچ لیں گے آہ تو ہمت کی بات ہے
یہ سن رہا ہوں عزم دلِ ناتواں کے ہیں

آخر وہ کہہ اٹھے کہ ہمارا قصور کیا
ڈالے ہوئے فساد ترے رازداں کے ہیں

وہ شوخ اور انجمن آرائے غیر ہو
سارے یہ وسوسے مرے وہم و گماں کے ہیں

کیونکر نہ ہو نگاہ میں کوثر کی موج موج
ہم پاسباں کوچۂ پیرِ مغاں کے ہیں

آہوں کو مانتا ہوں کہ دشمن ہیں غیر کی
نالوں کو جانتا ہوں عدو آسماں کے ہیں

مجھ سے سوا ہیں اپنے مٹانے کی فکر میں
احسان تجھ پہ یہ مرے نام و نشاں کے ہیں

ناکام میکدے سے نکلوائیے اسے
یہ مشورے مرے لیے ہفت آسماں کے ہیں

کوثر پہ جاؤ شیخ تو یاروں سے پوچھ کر
آج انتظام حضرتِ پیرِ مغاں کے ہیں

ان کا تو فیصلہ نہ ہوا ہے نہ ہو کبھی
جھگڑے جو آسمانوں سے آہ و فغاں کے ہیں

اڑنے لگے جو ہوش زلیخا کے دیکھ کر
کہہ اٹھے کہ غبار مرے کارواں کے ہیں

لکھتے ہیں مجھ کو خط میں کہ نالوں کو روکیے
ٹکڑے تمام راہ میں ہفت آسماں کے ہیں

اوروں پہ جبرئیل کو دوں فوق کس لیے
شوقین ایک یہ بھی مری داستاں کے ہیں

ہم نے تو اپنی آپ ڈبو دی رہی سہی
کیوں کہہ دیا غلام ترے پاسباں کے ہیں

کہدو یہ شاعروں سے تبرک ہیں بانٹ لیں ٹکڑے ہزار ہا مری اردو زباں کے ہیں
سائلؔ یہ ہوئے ہے جو وضعِ قدیم کو
ہر ایک پوچھتا ہے یہ حضرت کہاں کے ہیں[1]



فنا اک روز کیا گبر و مسلماں ہونے والے ہیں
یہ مجموعے دو عالم کے پریشاں ہونے والے ہیں

یہ سب کہنے کی باتیں ہیں وہ مہماں ہونے والے ہیں
ہمارے دل ہی دل میں خونِ ارماں ہونے والے ہیں

کہے دیتی ہے بیتابی ہمارے حضرتِ دل کی
کوئی دن میں یہ خاکِ کوئے جاناں ہونے والے ہیں

بہار آئی ہے عالم میں خبر لو چارہ سازو تم
کہ میرے چاک داماں و گریباں ہونے والے ہیں

وہی ہو انجمن میں شمع سیماتم کہ کہتے ہیں
وہی پروانے کی مانند قرباں ہونے والے ہیں "کذا"

نہیں ہے محتسب سے بے سبب یہ رنجشِ خاطر
مگر واعظ شریکِ بزمِ رنداں ہونے والے ہیں

---

[1] ایک بار مرزا سائل حکیم اجمل خاں شیدا مرحوم کے ساتھ مسوری پہاڑ پر گئے ہوئے تھے قیام چند ہی دن کا تھا۔ احباب ملاقات کو آتے رہے اور مرزا صاحب سے بھی تعارف ہوتا رہا حکیم صاحب کی روانگی میں دو روز باقی تھے کہ مرزا صاحب سے متاثر ہو کر متعدد شعرا اصحاب نے جو گرمی کی وجہ سے وہاں آئے ہوئے تھے طرحی مشاعرہ کی بابت حکیم صاحب سے استدعا کی چونکہ صرف دو دن اور ایک رات کا قلیل وقت تھا حکیم صاحب نے مرزا صاحب سے استفسار کیا کہ اتنے جلد غزل ہو سکے گی؟ انھوں اقرار کیا تو بعد مشورہ یہ زمین طرح ہوئی۔ اور اس قدر قلیل مہلت میں مرزا صاحب نے یہ پانچ غزلیں کہہ کر مشاعرہ میں سنائیں اور خوب داد پائی ۱۲۔

ستم کر کے پشیماں تھے مگر شکرِ ستم سن کر
پشیمانی سے اپنی وہ پریشاں ہونے والے ہیں

شہادت جب نہ پائی ہاتھ سے اس کے تو غیرت سے
جنابِ خضر غرقِ آبِ حیواں ہونے والے ہیں

چھٹے زنداں سے گر یوسف تو کیا چھٹ کر زلیخا کے
اسیر حلقۂ گیسوئے پیچاں ہونے والے ہیں

کہے دیتی ہے طرزِ آستین و دامنِ قاتل
کہ یہ آلودۂ خونِ شہیداں ہونے والے ہیں

یہ بت وہ بے مروّت ہیں کبھی کچھ ان کو دے دیکھا
ہوئے ہیں اور نہ یہ ممنونِ احساں ہونے والے ہیں

ہمیں معلوم ہیں سارے نہیں، کہ بے خبر ایسے
رقیبوں کے جو اُن سے عہد و پیماں ہونے والے ہیں

جنابِ نوح کے طوفاں کو نسبت ہی نہیں واعظ
بہت دنیا میں ایسے ایسے طوفاں ہونے والے ہیں

اسیری میں دعا دیتا ہوں اپنی چشمِ گریاں کو
شکستہ سب در و دیوارِ زنداں ہونے والے ہیں

نظر میں بادہ خواروں کی تمھارے مرتبے واعظ
یہاں کچھ ہو گئے ہوں گے جو کچھ واں ہونے والے ہیں

وہی مائلؔ ہے جو خادم بتِ الحرم برسوں
سنا ہے میکدے کے اب وہ درباں ہونے والے ہیں



بہار آئی ہے صحرا بھی گلستاں ہونے والے ہیں
بس اب رخصت یہ دامان و گریباں ہونے والے ہیں

سنا با بزمِ دشمن میں مجھے یوں مژدہ آنے کا
کسی غمخانے میں عشرت کے ساماں ہونے والے ہیں

انھیں کیا دیکھ کر خوش ہوں سمجھتا ہوں کہ آخر کو
تماشائے جہاں خوابِ پریشاں ہونے والے ہیں

خدا جانے وہ کب آئیں، یہاں تو اب کوئی دم میں
دل و جاں دونوں نذرِ دردِ ہجراں ہونے والے ہیں

ہم اس کے دیکھنے والے ہیں جس کے حسن کے آگے
یہ مہر و ماہ دونوں چشمِ حیراں ہونے والے ہیں

چھپاؤں گر یہاں دل میں کھلیں گے روزِ محشر کو
محبت کے کہیں آثار پنہاں ہونے والے ہیں

صدا بلبل کے نالہ سے یہ پیدا ہے سمجھ لے تو
چمن بھی باغ بھی گلشن بھی ویراں ہونے والے ہیں

ابھی تو ایک میرا سر اڑا ہے کوئے قاتل میں
یہ وہ جا ہے جہاں گنجِ شہیداں ہونے والے ہیں

طبیعت غیر سے اُن کی سنا ہے پھرنے والی ہے
ہم اپنے شوق کے ممنونِ احساں ہونے والے ہیں

مرا دل بے سبب واعظ نہیں کھنچتا نہیں کھنچتا
یہ جلوے بتکدے کے نورِ ایماں ہونے والے ہیں

یہ اسرارِ محبت ہیں کہوں کیا رازداں تجھ سے
کچھ ان سے اور تجھ سے عہد و پیماں ہونے والے ہیں

ہماری چشمِ گریاں نے قسم کھائی ہے رونے کی
جہاں میں اب جو ہیں دریا بیاباں ہونے والے ہیں

چلو بت خانے میں چل کر زیارت ان کی کر آئیں
سُنا ہے حضرتِ مائل مسلماں ہونے والے ہیں



وہ اس انداز سے باندھے ہوئے تلوار بیٹھے ہیں
کہ سر دینے کو محفل میں سبھی تیار بیٹھے ہیں
نگہ کہتی ہے کھینچ آغوش میں سرشار بیٹھے ہیں
مگر تیور یہ کہتے ہیں بہت ہشیار بیٹھے ہیں
شرارت سی شرارت ہے سکھا رکھا ہے درباں کو
جب آئے وہ یہ کہدینا ابھی اغیار بیٹھے ہیں
مری جانب سے ایسی بدگمانی دل میں بیٹھی ہے
کہ پہلو میں تو بیٹھے ہیں مگر بیزار بیٹھے ہیں
کہا جو کچھ ہے اس نے بے تکلف نامہ بر کہدے
نہیں ہے غیر کوئی سب مرے غم خوار بیٹھے ہیں
ہمارے حال پر دراں کے در و دیوار روتے ہیں
جہاں جا کر غمِ فرقت میں ہم اے یار بیٹھے ہیں
نہ دیکھے ہوں گے تو نے خواب میں بھی اپنے اے مجنوں
ہمارے پاؤں کے چھالوں میں جتنے خار بیٹھے ہیں
مزہ پوچھو تو ہم سے حسرتِ دیدار کا پوچھو
سحر سے شام تک برسوں پسِ دیوار بیٹھے ہیں
اٹھانا ہے جو محفل سے بہانہ سوچتے کیا ہو
وہیں بیٹھے ہیں ہم جا کر جہاں اغیار بیٹھے ہیں
تمنا دید کی نکلی تو کیا نکلی کہ محفل میں
نہ وہ بیہوش بیٹھے ہیں نہ ہم ہشیار بیٹھے ہیں

زلیخا کی مگر منظور تھی یوسف کو رسوائی
متاعِ حسن لے کر جو سرِ بازار بیٹھے ہیں

خضر سے راہ میں تیری بہت آوارہ پھرتے ہیں
مسیحا سے بہت در پر ترے بیمار بیٹھے ہیں

مسلماں ایسے ہوتے ہیں انھیں کو دیکھ لو واعظ
وہ در پر بتکدے کے مائلِ دیندار بیٹھے ہیں



ظلم ظالم کرنے والا

وہ ہی کیا ایک ستم گار بنے بیٹھے ہیں
غیر بھی تو مرے غم خوار بنے بیٹھے ہیں

واعظوں کی بھی یہ توقیر ہے اللہ اللہ
پاسبانِ درِ خمّار بنے بیٹھے ہیں

رخ سے پردہ یہ اغیار اٹھائیں کیونکر
ہم بھی تو طالبِ دیدار بنے بیٹھے ہیں

دوستی کی مجھے امید تھی جن سے کل تک
آج وہ بھی مرے اغیار بنے بیٹھے ہیں

چشم سے آب رواں سینہ میں داغوں کی بہار
ہم بھی اک تختۂ گلزار بنے بیٹھے ہیں

میرے پہلو میں تو بیٹھے ہیں مگر ہاں کیونکر
کبھی خنجر کبھی تلوار بنے بیٹھے ہیں

دیکھ لیں گے جو ادھر ایک نظر کیا ہوگا
بزم میں ہم بھی گنہگار بنے بیٹھے ہیں

پوچھتے ہیں وہ مجھی سے یہ غضب تو دیکھو
آپ بھی طالبِ دیدار بنے بیٹھے ہیں

دلربائی کے کچھ انداز غضب ہیں تیرے
کہ ہوس پیشہ خریدار بنے بیٹھے ہیں

وہ عیادت کو نہ آئے ہیں نہ آئیں مائل
آپ مرنے کو ہی بیمار بنے بیٹھے ہیں



دیکھنا شان بنے بیٹھے ہیں
ہم تن جان بنے بیٹھے ہیں

ہے اسیری میں بھی وحشت ایسی
کہ بیابان بنے بیٹھے ہیں

قتل کر کے بھی ستم تو دیکھو
وہ پشیمان بنے بیٹھے ہیں

غیر سے انجمنِ یار میں ہم
اے تری شان بنے بیٹھے ہیں

بزمِ جاناں سے نہ نکلیں گے رقیب — یہ تو ارمان بنے بیٹھے ہیں
یہ ہی رونا ہے تو دنیا کے لیے — ہمیں طوفان بنے بیٹھے ہیں
دیکھتا کیا ہے ترے تیرِ مژہ — دل میں پیکان بنے بیٹھے ہیں
کیا کہوں کس سے کہوں حال اپنا — وہ تو انجان بنے بیٹھے ہیں
یہ ہی ہیں ناصحِ دل سوز مرے — یہ جو انسان بنے بیٹھے ہیں
بزمِ دنیا میں سبھی دشمن و دوست — تیرے مہمان بنے بیٹھے ہیں
زلف کی طرح سے شوخی دیکھو — نرہ پریشان بنے بیٹھے ہیں
کس بھروسے پہ خدا جانے ہم — ایسے نادان بنے بیٹھے ہیں

چھوڑ دوں اور بتوں کو صائلؔ
یہ تو ایمان بنے بیٹھے ہیں

○

میکدے میں جو آئے بیٹھے ہیں — دونوں عالم بھلائے بیٹھے ہیں
دل کسی سے لگائے بیٹھے ہیں — زخم پر زخم کھائے بیٹھے ہیں
سب کو ہم آزمائے بیٹھے ہیں — دردِ دل کا سنائے بیٹھے ہیں
میرے قاصد کے اور نامے کے — پرزے پرزے اڑائے بیٹھے ہیں
ہے کسی کا تو انتظار کہ وہ — جام منھ سے لگائے بیٹھے ہیں
تیری محفل میں بیٹھے ہیں یوں ہم — جس طرح بے بلائے بیٹھے ہیں
ہم سے نکلے گا کیا جنوں میں قیس — خاک دل کی اڑائے بیٹھے ہیں
بارِ خاطر اگر ہوں اٹھ جاؤں — آپ کیوں منھ بنائے بیٹھے ہیں
ہم سے کیوں کر نہ ہوئے درد آئے — ناز کس کے اٹھائے بیٹھے ہیں
مژدہ ہو ذوقِ قتل خنجر کو — زہر میں وہ بجھائے بیٹھے ہیں
ہر ادا کہتی ہے دو عالم کو — اک ادا میں بنائے بیٹھے ہیں
کیا قیامت ہے بے تکلف وہ — پردہ رخ سے اٹھائے بیٹھے ہیں

ہم کو در سے اٹھا نہ اے درباں
ہم کسی کے بٹھائے بیٹھے ہیں

دیکھ تو کن کن آرزوؤں کو
خاک میں ہم ملائے بیٹھے ہیں

وہ خدائی کا کرتے ہیں دعویٰ
ہم خودی کو مٹائے بیٹھے ہیں

ہم سے پیدا ہیں دردمند کہاں
زخمِ دل کو چھپائے بیٹھے ہیں

بتکدے میں بھی حضرتِ مائل
لَو خدا سے لگائے بیٹھے ہیں



اے محتسب آئی جو بلا دیکھ رہے ہیں
میخانے کی تسلیم و رضا دیکھ رہے ہیں

کھینچے ہوئے وہ تیغ جفا دیکھ رہے ہیں
اے سر تجھے ہم تن سے جدا دیکھ رہے ہیں

پیرانِ طریقت سے تو کھٹکا ہے مجھے اور
آنکھوں کو کیے بند یہ کیا دیکھ رہے ہیں

کیونکر دلِ بیتاب کو محفل میں سنبھالوں
وہ سب کی طرف میرے سوا دیکھ رہے ہیں

گل میں ترے ہنسنے کا ہے انداز نکلتا
غنچے میں تبسم کی ادا دیکھ رہے ہیں

بدلی جو نظر اس نے تو آدم سے پیمبر
بگڑی ہوئی جنت کی ہوا دیکھ رہے ہیں

تم کو ہی نہیں محفلِ اغیار میں بیٹھے
ہم اپنی بھی تسلیم و رضا دیکھ رہے ہیں

کیا آئی ہے یارو خبرِ مرگ اثر کی
ہم چاکِ گریبانِ قضا دیکھ رہے ہیں

پھوٹی ہوئی تقدیر جو اب بھی یہی ہوگی
ہونا ہے جو کچھ روزِ جزا دیکھ رہے ہیں

کیا چیز ہیں ہم بھی رخِ پرنور کے ہوتے
غارتِ گرِ دیں زلفِ دوتا دیکھ رہے ہیں

شیوہ نہ تغافل کا نہ عادت ہے ستم کی
وہ اہلِ محبت کی وفا دیکھ رہے ہیں

کیونکر یہ شبِ ہجر بسر ہو کہ فلک کو
کرتے ہوئے ایجادِ بلا دیکھ رہے ہیں

پھر بھی یہی کہتے ہیں کہ ہے عشق میں خامی
بیٹھے ہوئے تاثیرِ دعا دیکھ رہے ہیں

اللہ رے قسمت کہ شفق سے وہ ملا کر
شوخی تری اے رنگِ حنا دیکھ رہے ہیں

اس نے درِ رحمت کا بنایا تجھے پردہ
عصمت تری دامانِ دعا دیکھ رہے ہیں

تو خاک کا پتلا ہو کہ ہو نور کا پتلا
ہم تجھ میں عجب شانِ خدا دیکھ رہے ہیں

آگے ہی بڑھی عرشِ معلیٰ کو ہلا کر — ہم حوصلۂ آہِ رسا دیکھ رہے ہیں
کھٹکا ہے نہ خطرہ نہ کوئی وہم و گماں ہے — جب تک تمھیں پابندِ حیا دیکھ رہے ہیں
کیونکر ہو کوئی وقت قیامت کا مقرر — اب تک تو وہ انداز و ادا دیکھ رہے ہیں
کہتے ہیں دمِ حشر یہ کیونکر ہو گوارا — عاشق ترے دیدارِ خدا دیکھ رہے ہیں
چلتی ہے اِدھر کی کبھی چلتی ہے اُدھر کی — شوخی تری اے بادِ صبا دیکھ رہے ہیں
اک وہ ہیں کہ جھونکوں سے اِدھر کے نہ اُدھر کے — اک ہم ہیں کہ دنیا کی ہوا دیکھ رہے ہیں
عاشق کے دل و جاں پہ خبر بھی ہے بنی کیا — آپ اپنے ہی انداز و ادا دیکھ رہے ہیں
دربان سے کہنے لگے پہچان کے مجھ کو — یہ روزنِ دیوار سے کیا دیکھ رہے ہیں
فتنہ تری رفتار کا عالی تو نہیں ہے — فتنے سے قیامت کے جدا دیکھ رہے ہیں
مہکا چمنِ دہر ہے خوشبو سے تمھاری — جس وقت سے غنچے کو کھلا دیکھ رہے ہیں

یہ بارِ گنہ پھینک کر رحمت کی نظر سے
مائلؔ تجھے محبوبِ خدا دیکھ رہے ہیں



آنکھوں ہی میں کیا رنگِ وفا دیکھ رہے ہیں — ہر ناز حسینوں کا جدا دیکھ رہے ہیں
ہم زلفِ دوتا کو تری کیا دیکھ رہے ہیں — ہر حلقے کو زندانِ بلا دیکھ رہے ہیں
گردن میں کہاں طوقِ وفا دیکھ رہے ہیں — ہم اپنی ترے ہاتھ قضا دیکھ رہے ہیں
سن لیں گے کسی روز کہ کچھ بھی نہیں اُن میں — ہر سانس میں اک تیرِ فنا دیکھ رہے ہیں
جبریل لیے بیٹھے ہیں مٹھی میں دبائے — جس خاک کو ہم اپنی دوا دیکھ رہے ہیں
ہونا ہی پڑا پیرِ خرابات سے بیعت — دل میں اثرِ حرص و ہوا دیکھ رہے ہیں
کٹ جائے تو کٹ جائے شبِ ہجر خوشی سے — آ جائے تو آ جائے قضا دیکھ رہے ہیں
ساقی جو گرا ہاتھ سے ساغر تو خطا کیا — ہر ناز ترا ہوش ربا دیکھ رہے ہیں
اک تم کو ہی اس کا تو خریدار نہ پایا — دنیا میں عجب چیز وفا دیکھ رہے ہیں
ہم اور جبیں سا ہوں درِ غیر پہ جا کر — شوخی تری نقشِ کفِ پا دیکھ رہے ہیں

کیا شیخ زرِ نقد کے طالب ہیں خدا سے
ہاتھوں کو جو ہنگامِ دعا دیکھ رہے ہیں

کافر مجھے کہتے ہیں مسلمان غضب ہے
اور کرتے ہوئے یادِ خدا دیکھ رہے ہیں

رکھتے ہیں دو عالم کی اسیری کا ارادہ
ہم پیچ و خمِ زلفِ دوتا دیکھ رہے ہیں

بوسہ لبِ جاناں کا ملے گا، کئی دن سے
ہم خواب میں جو آبِ بقا دیکھ رہے ہیں

آشوبِ قیامت ہیں حسینوں سے ملاکر
عاشق تری ایک ایک ادا دیکھ رہے ہیں

بے پوچھے چلے جائیں گے ہم عرشِ بریں تک
نقشِ قدمِ راہ نما دیکھ رہے ہیں

جن کو ہے ملی آنکھ، یہ معمورۂ دُنیا
اک مرحلۂ راہِ فنا دیکھ رہے ہیں

عیسیٰ بھی بیاضِ لبِ اعجاز نما میں
بیمار محبت کی دوا دیکھ رہے ہیں

اک وہ ہیں کہ جو طور پہ بے ہوش پڑے ہیں
اک وہ ہیں کہ دیدارِ خدا دیکھ رہے ہیں

تم جب سے کہ ہو کر گئے تربت سے ہماری
خورشید سے ذرے کو سوا دیکھ رہے ہیں

ہے بات کچھ ایسی کہ لیے ہاتھ میں اپنے
حیرت سے وہ خاکِ شہدا دیکھ رہے ہیں

جو نیچی نگاہوں کے کرشمے ہیں تمھارے
ہم دیکھ رہے ہیں بخدا دیکھ رہے ہیں

بے شغل ہیں کیوں بیٹھے ہوئے حضرتِ واعظ
میخانے کی کیا آب و ہوا دیکھ رہے ہیں

مے پینے سے خطرہ نہیں ایماں کو ہمارے
ساقی کی ہم آنکھوں میں حیا دیکھ رہے ہیں

یہ سینہ و دل ان کا ہے وہ عرشِ بریں ہے
جاتا ہے کدھر تیرِ دعا دیکھ رہے ہیں

کس ڈھب سے لگایا ہے پتہ ان کے مکاں کا
کعبہ میں کھڑے قبلہ نما دیکھ رہے ہیں

جی میں ہے نشیمن کسی صحرا میں بنائیں
بگڑی ہوئی گلشن کی ہوا دیکھ رہے ہیں

کعبہ ہو کہ بتخانہ ہو ناکامِ محبت
ہر دو پہ تماشائے دعا دیکھ رہے ہیں

جب آ ہی گئے بزمِ عدو میں تو گلہ کیا
جو کچھ بھی دکھاتا ہے خدا دیکھ رہے ہیں

قسمت اسے کہتے ہیں کہ پہنے ہوئے گل کو
اتری ہوئی ہم اس کی قبا دیکھ رہے ہیں

کہتے ہیں دمِ نزع وہ بالیں پہ ہماری
مٹتی ہوئی تصویرِ وفا دیکھ رہے ہیں

ہر گوشۂ عشرت کدۂ دہر میں سائلؔ
ٹوٹے ہوئے پیمانِ وفا دیکھ رہے ہیں

ہم عرشِ معلی سے ادھر دیکھ رہے ہیں — تکتی ہے کہاں جا کے نظر دیکھ رہے ہیں

کچھ بات تو ایسی ہے کہ جھک جھک کے ملائک — گردوں سے تری راہ گزر دیکھ رہے ہیں

بیٹھے ہیں الگ ہم سرِ تسلیم جھکائے — کیا جانے وہ محفل میں کدھر دیکھ رہے ہیں

ہر بات میں ہر رنگ میں ہر طرز میں تیری — اللہ کی حجت کا اثر دیکھ رہے ہیں

صورت بھی تری دل میں ہے اور داغ بھی گویا — اک برج میں ہم شمس و قمر دیکھ رہے ہیں

یہ بت بھی غضب کے ہیں کہ سینہ میں ہمارے — حسرت کدہ اللہ کا گھر دیکھ رہے ہیں

ہشیار رہو ہشیار کہ وہ نیچی نظر سے — اے حشر ترے فتنہ و شر دیکھ رہے ہیں

کیا ہو شبِ مہتاب میں توبہ کا ہمیں پاس — صہبا میں ملا نورِ قمر دیکھ رہے ہیں

جن کو کہ ملا غش وہ اسے دیکھتے کیونکر — جن کو کہ ملی تابِ نظر دیکھ رہے ہیں

یا منزلِ مقصود ہمیں لینے ہے آئی — یا مشکل تری وقتِ سفر دیکھ رہے ہیں

شیشے کو چھپائے ہوئے پھرتے ہیں حرم میں — موقع[1] کی جگہ شیخ مگر دیکھ رہے ہیں

دل ہے تو ہمارا ہے جگر ہے تو ہمارا — کرتے ہوئے یاروں کو سفر دیکھ رہے ہیں

اول ہی پڑا حسنِ نظر سوز کا پردہ — پھر کیونکر اسے اہلِ نظر دیکھ رہے ہیں

ملتی ہے اگر شیخ تو سر سے اسے پھینکو — دستار کو میخانے کے در دیکھ رہے ہیں

کیا کام کیا نقشِ کفِ پا نے کسی کے — بت خانے کو اللہ کا گھر دیکھ رہے ہیں

عشاق کی ہوتی ہیں نمازیں بھی مزے کی — بیٹھے ہیں جدھر آپ ادھر دیکھ رہے ہیں

اک وہ ہی نہیں ملتے ہیں ملتا ہے خدا بھی — یہ ان کی محبت میں اثر دیکھ رہے ہیں

ہے یہ سببِ گریۂ اخیارِ خدا میں — اللہ کے بندوں کی خبر دیکھ رہے ہیں

ہم اپنی دعائے سحری میں نہیں پاتے
مائل کے سخن میں جو اثر دیکھ رہے ہیں

---

(۱) موقع کی جگہ نہایت پاکیزہ اردو ہے۔ غزل میں شراب کے مضمون جب تک اچھے اچھے نہ ہوں غزل ناقص سمجھی جاتی ہے۔ اس میں دو شعر اسی وضع کے اور ہیں: ملتی ہے اگر شیخ الخ عشاق کی ہوتی ہیں نمازیں الخ مزے کی نمازیں بہت خوب ہے۔ ہم اپنی دعائے الخ بالکل سچ فرمایا ۱۲

پانی وہ نہیں تا بہ کمر دیکھ رہے ہیں
ہمت تری اے دیدۂ تر دیکھ رہے ہیں

جن کا کہ ترے سجدے میں سر دیکھ رہے ہیں
ڈالے ہوئے تسبیح گہر دیکھ رہے ہیں

طوفان میں اٹھتے کبھی گوہر ہیں برستے
تیرے بھی ہنر دیدۂ تر دیکھ رہے ہیں

عشاق کے سر کیا ترے کوچے کی ہوا میں
اڑتے ہوئے جبریل کے پر دیکھ رہے ہیں

جو تجھ پہ نظر پڑتی ہے آگے نہیں بڑھتی
ہم بزم میں ایک ایک نظر دیکھ رہے ہیں

کعبہ میں کھڑے شیخ کتابوں میں ریا کی
کس ڈھب سے یہاں ہوگا گزر دیکھ رہے ہیں

آتے ہیں نظر ارض و سما نور کے طبقے
اک شانِ خدا وقتِ سحر دیکھ رہے ہیں

اب کس پہ کریں وار ترے ابروئے خمدار
سب ارض و سما زیر اثر دیکھ رہے ہیں

نیرنگیِ عالم کے کرشموں کو تمھارے
گو ہم کو نہیں اپنی خبر دیکھ رہے ہیں

ہو جائے عجب کیا کفِ دریائے کرم تو
آب آب تجھے دامنِ تر دیکھ رہے ہیں

کہنے کی نہیں بات تصور میں جمائے
اک یہ بھی ہے جدت کہ کمر دیکھ رہے ہیں

ڈرتا ہوں کہ خورشیدِ قیامت نہ بنا دیں[1]
بے پردہ مرا داغِ جگر دیکھ رہے ہیں

اس سوزِ محبت ہی سے اے حضرتِ ناصح
ہم اپنی دعاؤں میں اثر دیکھ رہے ہیں

زندہ رہے یارب دلِ دیوانہ ہمارا
ہم سر میں بہارِ گلِ تر دیکھ رہے ہیں

کیا جانے کہاں آگ لگانے کے ہیں خواہاں
مڑ مڑ کے جو آہوں کو شرر دیکھ رہے ہیں

قسمت تو نہیں ایسی کہ وہ دیکھیں ادھر بھی
یہ ان کی عنایت ہے اگر دیکھ رہے ہیں

صد شکر کہ انجامِ محبت نظر آیا
صورت تری ہنگامِ سفر دیکھ رہے ہیں

ہم کوثر و تسنیم سے اس جامِ گلی تک
ساقی کی نگاہوں کے اثر دیکھ رہے ہیں

سائل مری خاطر سے کوئی قافیہ بدلو
اس بزم میں اک اہلِ نظر دیکھ رہے ہیں[2]

---

[1] ناسخ کے داغِ ہجراں سے کہ ہے۔ مرا سینہ ہے مشرق آفتابِ داغِ ہجراں کا
حضرت سائل کا داغِ قیامت کا ہے جس میں ان کے شاعری زیادہ نازک خیالی ہے دلی کی شاعری کا مایۂ اس وقت جناب سائل دور سائل پر ہے۔ (نسل کے عام بابت جوگی صفحہ ۱۵)

[2] غزلیات بہ تبدیلی قافیہ سابقہ صفحات پر درج ہیں۔ اہل نظر سے یہاں مراد نواب سراج الدین احمد خاں سائل (باقی صفحہ ۴۶۴ پر)

تصویر سے زُہاد کے ایمان بگڑ جائیں | آجائے تو موسیٰ کے بھی اوسان بگڑ جائیں
جب لطف ہے وہ عہد وہ پیمان بگڑ جائیں | غیروں سے وہ خود ہو کے پشیمان بگڑ جائیں
اللہ نہ کیونکر مرے اوسان بگڑ جائیں | جب اپنی دکھا کر وہ مجھے شان بگڑ جائیں
یہ جان کے کرتا ہے مری زلف کی تقلید | وہ دیکھ کے مجھکو نہ پریشان بگڑ جائیں
بس اس لیے کرتے ہیں وہ یاں آنے میں تاخیر | جو کچھ کہ کیے ہم نے ہیں سامان بگڑ جائیں
یہ خوف ہے جب سے کہ ترے تیر ہیں دل میں | ایسی نہ ہو کچھ بات کہ مہمان بگڑ جائیں
قاصد اُسے جس شان میں دیکھا ہے نہ کہنا | ایسا نہ ہو سُن کر مرے اوسان بگڑ جائیں
کوچے میں ترے آکے تو ناصے نہ رُکیں گے | افلاک بگڑ جائیں کہ دربان بگڑ جائیں
موسیٰ ہوئے کیوں طالبِ دیدار کہ اُسکی | ہر شان یہ کہتی ہے کہ اوسان بگڑ جائیں
جل جاؤں اگر شمع کی مانند تو خوش ہیں | پروانہ کی صورت جو ہوں قربان بگڑ جائیں
جی میں ہے کہ اک نالہ میں ڈالوں وہ تزلزل | اس عالمِ ہستی کے سب ارکان بگڑ جائیں
کیا چیز ہے یہ حسن بھی گر حضرتِ واعظ | اس بُت کو کہیں کچھ تو مسلمان بگڑ جائیں
اے شیخ دوئی دل سے نکلتی نہیں تیرے | صحبت میں تری بیٹھیں تو انسان بگڑ جائیں
پھر کہیے کہ کیا چیز انھیں دے کے مناؤں | وہ نذر میں لیکر جو مری جان بگڑ جائیں
پھر بات بناؤں تو بنائے نہ بنے گی | سن کر جو کہیں وہ مرے ارمان بگڑ جائیں
کیا خاک کروں بات جب آمد سے تمھاری | آئے ہوئے اوسان مری جان بگڑ جائیں

مائل ابھی دیکھے نہیں اس بت کے کرشمے
گر لاکھ ہوں دل میں ترے ایمان بگڑ جائیں



اجمیر دیکھ کر مری باچھیں سی کھل گئیں | درگاہ جاتے جاتے مرادیں بھی مل گئیں

(بقیہ صفحہ ۴۷۳ کا) احمد خاں سائل ہیں یہ مشاعرہ دلی میں منجانب پنڈت امرناتھ ساحر دہلوی ۱۹۲۳ء یا ۱۹۲۴ء میں ہوا تھا۔ جہاں ہندوستان کے چوٹی کے شعرا جمع تھے۔ مگر مائل نے ایک کی تخصیص کی ہے ۱۲

پیری سے سب عدو دِ جوانی کی مل گئیں
پر تری عادتیں نہیں، پیماں گسل گئیں

قاضی کی محتسب کی جو آئیں سواریاں
کوچے سے مے فروش کے ہو کر خجل گئیں

اے پاسبانِ بابِ اثر کیا ہوا تجھے
مجھ سے جگر فگار کی آہیں خجل گئیں

جنت میں پھر دماغ کو واعظ کے دیکھنا
دو چار گر نصیب سے حوریں بھی مل گئیں

اب تو خدا کے واسطے تسکین آ کے دو
دل کی تڑپ سے ساتوں زمینیں تو ہل گئیں

کافر تری نگاہوں سے کعبہ لرز گیا
سینے کو میرے توڑ کے جب تا بدل گئیں

آئی نہیں بہار کو کیا جانے کیا ہوا
دو چار دھجیاں تو گریباں کی سل گئیں

کیا جانے کون باغ میں آیا ہے صبح دم
بلبل بھی چہچہاتی ہے کلیاں بھی کھل گئیں

محفل میں جو گذر گئی اس کو نہ پوچھئے
دو چار گالیاں تو قیامت میں مل گئیں

دنیا و دیں کی نعمت پیرِ مغاں کے ساتھ
جو کچھ کہ نعمتیں مجھے ملنی تھیں مل گئیں

میں تو سمجھ گیا ہوں کہ یہ ہے شگونِ بد
ناکامیاں جو رہ میں دعاؤں سے مل گئیں

دشمن کی انجمن میں مدارات ہو گئی
دو چار گالیاں مجھے خلوت میں مل گئیں

سائلؔ ہنسی ہوئی مرے تقوے کی کس قدر
ذکرِ شباب آتے ہی باچھیں جو کھل گئیں



ردیف "و"

ہے وہ ابرِ جلوہ گستر آج تو
رشکِ ایمن ہے مرا گھر آج تو

آرزوئے قتل کو کل پر رکھو
رحم دل ہے وہ ستمگر آج تو

اضطرابِ دل کی صورت کیا کہوں
اس نے دیکھا مسکرا کر آج تو

شہر تو سودائے الفت کچھ نہ پوچھ
ذکر ہے میرا ہی گھر گھر آج تو

شوخی و ناز و ادا تو اک طرف
صاعقہ تھا وہ ستمگر آج تو

الفتِ ساقی ہے دل میں موج زن پی رہا ہوں آبِ کوثر آج تو
بزم میں کس کی ہوا مائل و خیل
ہے دماغ اس کا فلک پر آج تو



مانا کہ جا کے مل گئی آہ آسماں میں تو رسوا تو کر گئی مجھے دونوں جہاں میں تو
ہونے کو ذرے ذرے کے ہے جسم و جاں میں تو کہنے کو ہے یہ بات کہ ہے لامکاں میں تو
اک مشتِ پر کے نالے میں یہ دل کشی کہاں ہے عندلیبِ زار کے شور و فغاں میں تو
پر تو ترے جمال کے گو ہیں جدا جدا مانا گیا ہے ایک ہی دونوں جہاں میں تو
اے برق اس قدر جو ہے گرنے کو بیقرار کیا دیکھتی ہے کہہ تو مرے آشیاں میں تو
کچھ کہہ کے تجھ سے کہتے ہیں مانگے ضبط جب پورا اتر گیا اگر اس امتحاں میں تو
تاثیرِ ضبطِ سوز سے اے برق جل بجھے رک جائے ایک دم جو مرے آشیاں میں تو
کوسوں پڑے ہیں اپنی حقیقت کو دور ہم آئے تو کیونکر آئے خیال و گماں میں تو
ہوں وہ وفا شعار کہ کہتا ہے مجھ سے عشق سالار کارواں ہے مرے کارواں میں تو
اس کی جو بات بات سے آتی ہے بوئے درد کیا گھر کئے ہوئے ہے دلِ رازداں میں تو
کہنا غبار سے تجھے آنکھیں ہیں ڈھونڈھتی پہنچے صبا کبھی جو مرے کارواں میں تو
تو کر کے آپ مجھ سے کیا کرتے ہیں جو بات داخل ہے کیا کرشمۂ نازِ بتاں میں تو
تاثیر میری آہ سے کہتی ہے بار بار دل کا معاملہ ہے نہ پڑ درمیاں میں تو
عشاق شوقِ دید میں ہوتے نہ بیقرار ہوتا اگر نہ پردۂ حسنِ بتاں میں تو
کہتا ہے شوقِ سجدۂ جبینِ نیاز سے مل جاتا اس کی خاکِ درِ آستاں میں تو
دیتا ہے لطفِ زیست ہر اک جا الگ الگ دل میں جگر میں جان میں لب میں زباں میں تو
تیرے مٹائے سے نہ مٹوں گا میں اے فلک سمجھے ہوئے ہے کیا مجھے اپنے گماں میں تو

بوئے خلوص آتی ہے تیرے کلام سے
مائل رہا ہے خدمتِ پیرِ مغاں میں تو



دل میں جوشِ نالۂ بے اختیار آنے تو دو
تم ذرا آنا لب پہ جانِ بیقرار آنے تو دو

روبرو مائل کو اپنے ایک بار آنے تو دو
جان و دل پر رکھتے ہی ہو اختیار آنے تو دو

پوچھ لینا جو تمہیں ہو پوچھنا منکر نکیر
ایک عالم چھوڑ آیا ہوں قرار آنے تو دو

دیکھنا رنگِ نگاہِ چشمِ ساقی دیکھنا
محتسب مانا کہ ہے پرہیزگار آنے تو دو

سخت جانی کا ابھی میری امتحاں ہو جائیگا
تم نہ آؤ موت کو تو ایک بار آنے تو دو

چشمِ ساقی کے ابھی بدلے ہوئے تیور ہیں کیا
میکدے میں مجھ سا کوئی بادہ خوار آنے تو دو

دیکھنا جو کچھ کہ ہوگا ہو رہے گا چارہ گر
کیوں ابھی سے فکر ہے فصلِ بہار آنے تو دو

لطف کیا ہے سر گرانی اور بھی بڑھ جائیگی
ان کو جذبِ عشق سے تم بے قرار آنے تو دو

کیوں ابھی سے کیوں ابھی سے تہمتِ افشائے راز
اپنی محفل سے کسی کو ہوشیار آنے تو دو

دو ہی آنسو آنکھ سے ٹپکے کہ رونا آ گیا
مجھ کو رونا اک ذرا بے اختیار آنے تو دو

چارۂ جوشِ جنوں اچھا کیا اچھا سہی
چارہ سازو اک ذرا فصلِ بہار آنے تو دو

توبہ وہ تقویٰ و استغفار دیکھے جائیں گے
حضرتِ مائلؔ ذرا فصلِ بہار آنے تو دو

○

دیدۂ تر سے کبھی ارمان نکل جانے دو
گر ابلتا ہے یہ چشمہ تو ابل جانے دو

میکدے میں جو ہو لغزش تو سنبھل جانے دو
پاؤں کعبے میں جو پھسلے تو پھسل جانے دو

ہوتے ناصح کے مسیحا کو نہ لاؤ یارو
ایک آفت کو تو سر سے مرے ٹل جانے دو

آپ کیوں دیر کرو بزمِ عدو میں جاؤ
گر نکلتی ہے مری جان نکل جانے دو

اور اگر کچھ نہیں ابرو سے اشارہ کر کے
بزمِ اغیار میں تلوار تو چل جانے دو

تم کبھی آنکھ نہ دشمن سے بدلنا ہرگز
گر بدلتا ہے زمانہ تو بدل جانے دو

ضبط کہتا ہے نہیں بات بگڑ جائے گی
آہ کہتی ہے مجھے دل سے نکل جانے دو

پوچھتے کیا ہو ابھی سختیِ غربت کا مزہ
آبلوں سے تو مرے پاؤں کو چھل جانے دو

لاکھ روکو نہ رکیگا نہ رکیگا دشمن
لینے آتی ہے اگر اس کو اجل جانے دو

سجدہ کرنے نہیں دیتے مجھے در پہ اگر — خاک تھوڑی سی تو پیشانی پہ مل جانے دو
جب قفس سے مجھے امیدِ رہائی نہ رہی — آشیانے پہ گری برق تو جل جانے دو
ہمنشیں جب مرے جینے کا بھروسہ کرنا — شبِ فرقت کو مرے گھر سے نکل جانے دو

توبہ کے ساتھ ہی مائل نہ کرو عزمِ حرم
کچھ دنوں اور طبیعت کو سنبھل جانے دو

○

ساتھ اشکوں کے رواں لختِ جگر ہونے دو — ضبطِ گریہ کا عیاں ان پہ اثر ہونے دو
طرزِ رفتار میں شوخی کا اثر ہونے دو — دونوں عالم ہوں اگر زیر و زبر ہونے دو
دیکھنا ہے جو تماشا دلِ بسمل کا مرے — پار سینے سے مرے تیرِ نظر ہونے دو
زاہدو تم تو عبادت پہ بھروسہ رکھو — اس گنہگار پہ رحمت کی نظر ہونے دو
دیکھنی آپ کے وعدے کی درازی ہے ہمیں — حشر تک روز یوں ہی شام و سحر ہونے دو
میں نے جاتے ہی حرم میں یہ کہا تھا کہ تو — یہ صنم خانہ تو اللہ کا گھر ہونے دو
لطف مسجد میں نہیں چھیڑنے کا واعظ کو — میکدے میں کبھی حضرت کا گذر ہونے دو
عشق کی راہ میں روکو نہ مجھے تم ناصح — نام رہنے دو دل و جاں کا ضرر ہونے دو
یہ جو کہتے ہو کہاں ضبط کی طاقت تمہیں — مدعا یہ ہے کہ آہوں کو شرر ہونے دو

حسنِ انجام پہ میری تو نظر ہے مائل
بتکدے ہی میں مری عمر بسر ہونے دو

○

فدائے نقشِ پا ہوتا ہے گر یہ سر تو ہونے دو — کسی کو اپنے کوچے میں مرا ہمسر تو ہونے دو
بگڑ دینا کہیں دامن لہو سے تر تو ہونے دو — گلوئے عاشقِ مضطر پہ خنجر تو ہونے دو
دکھا دیں گے ہم اپنا آشیانہ عرشِ اعظم پہ — ہمارے قابلِ پرواز بال و پر تو ہونے دو
قیامت تک رہیں گے زلزلے میں آسماں والے — زمیں میں دفن اپنا عاشقِ مضطر تو ہونے دو
تمہیں فرصت نہ دے گی کیا گل و بلبل کی صحبت — مثالِ غنچہ مٹھی میں ہمارے زر تو ہونے دو

ابھی سے خط میں لکھتے ہو کہ رسوائی نہ ہو جائے
ابھی چرچا محبت کا مری گھر گھر تو ہونے دو

ابھی سے رشک کیا اشکِ ندامت پر کرے واعظ
ابھی غرقاب عصیاں کا مرے دفتر تو ہونے دو

اگر میں رند میکش تو دکھا دیں گے کہ کیا ہو گا
شکستہ محتسب کے ہاتھ سے ساغر تو ہونے دو

مزے سے نامرادی کے ہوں واقف کیسے جاناں میں
جنابِ خضر کے خالی دو اک جگہ تو ہونے دو

اگر تم ہاتھ سینے پر مرے رکھتے نہ شرماتے
ذرا باتوں سے تسکینِ دلِ مضطر تو ہونے دو

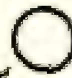
اٹھائے کوئی ٹھوکر سے کہ قم کہہ کر نہ اٹھیں گے
پڑے رہنے کا تربت میں ہمیں خوگر تو ہونے دو

سنبھالے کس لئے دستار واعظ دونوں ہاتھوں سے
ذرا کچھ محفلِ رنداں میں شور و شر تو ہونے دو

قیامت ہے رہے ویران اور دل لامکاں واعظ
خدا کا یا بتوں ہی کا کسی کا گھر تو ہونے دو

ہمارا نالۂ مستانہ سن کر عرش جھومے گا
زباں پر وردِ نامِ ساقیِ کوثر تو ہونے دو

دکھا دیں گے تمہیں مائلؔ یہ کعبہ ہے کہ بت خانہ
عرب کی سرزمیں کو کوچۂ دلبر تو ہونے دو



مرا میں کیوں نہ شوق اس کا سن کر میری وحشت کو
کہاں سے قیس آیا ہے حصولِ فیضِ صحبت کو

پسند آیا لطافت سے نہ سایہ اس کے قامت کو
کہ بن کر ابرِ رحمت چھائے گا روزِ قیامت کو

نہیں منظور میری بیکسی کی یہ بھی غیرت کو
جگہ دل میں نہ دے پروانہ میری شمعِ تربت کو

ہمیں میں جستجوئے یار ہشیاری کے پردے میں
نہ پہنچے گا کبھی مجنون ہماری طرزِ وحشت کو

بس اب ڈوبا ہی سمجھو دفترِ عصیاں کہ چھیڑا ہے
مرے اشکِ ندامت نے برس کر ابرِ رحمت کو

قدم سوئے وطن اٹھنے نہیں دیتا نہیں دیتا
خدا جانے کہ کیا الفت ہے مجھ سے دشتِ وحشت کو

دکھا کر داغِ دل پچھتا رہا ہوں ایسے مجمع میں
خجل ہوتے ہوئے دیکھا جو خورشیدِ قیامت کو

یہاں تک رشکِ دشمن نے لگائی آگ ہے دل میں
کہ رہنا ہو گیا مشکل مرے ارمان و حسرت کو

ترے کوچے میں ہر پھر کر نہ کیوں اہلِ نظر آئیں
خدا نے تیرے پیکر میں دکھایا اپنی صورت کو

جو اب تصویر بھی کھنچوائیں تو دیکھے نہیں کوئی
گئے وہ دن کہ ہم خود دیکھتے تھے اپنی صورت کو

کہیں کہدے نہ وہ کافر کہ خامی تجھ میں باقی ہے
برا کہتے ہوئے ڈرتا ہوں میں دل میں محبت کو

یہ بخشی آبرو مجھ کو نگاہِ لطف نے تیری
فرشتے منہ پہ ملتے ہیں مرے اشکِ ندامت کو

غضب کی بیکدورت بزم ہے یہ بزمِ رنداں بھی
یہاں سنتا نہیں کوئی کسی کی بھی شکایت کو

مری وحشت کا سن کر ذکر اس کو شوق کہتے ہیں
کہاں سے قیس آیا ہے حصولِ فیضِ صحبت کو

ہوائے صحبتِ واعظ سے رکھیو دور ہی یارب
جنابِ میرزا سائل سے اک رنگین طبیعت کو



سینے میں لے چلا ہوں دلِ بیقرار کو
تجھ سے گلے ہزار ہیں میرے مزار کو

ہے دیدِ حشر پر تو معین نہیں وہ دن
کیونکر قرار ہو دلِ امیدوار کو

میں خاک بھی ہوا تو وہی جستجو رہی
گردش ہے بعدِ مرگ بھی میرے غبار کو

آنے کی ان کے ہم نے اڑائی تو ہے خبر
آئے اگر یقین دلِ بیقرار کو

مرنے سے اپنے زندہ ہوا نام جانکنی　　فرہاد پوچھتا ہے ہمارے مزار کو
کہہ دیں گے وہ کہ مر نہ گئے قصّہ جھوٹ ہے　　رہنے ہی دوں بیانِ شبِ انتظار کو

مائلؔ نے اپنے قتل کی تدبیر خوب کی
لایا ہے چھیڑ چھیڑ کے غصّے میں یار کو

○

کیوں نہ جھکائیں آگے ہم اپنے سرِ نیاز کو　　کھینچے ہوئے تو بیٹھے ہیں تیغِ نگاہِ ناز کو
دل میں رکھیں گے عمر بھر عشق کے سوز و ساز کو　　لب پہ نہ لائیں گے کبھی نالۂ جانگداز کو
زلفِ درازِ حسن سے دل کو ہوئی ہے لاگ سی　　اور بھی ہم بڑھائیں گے اپنی نسبِ دراز کو
سوتے ہیں بیحجاب وہ دل پہ ہمارے حشر ہے　　فتنے اٹھانے آئے ہیں نرگسِ نیم باز کو
رہتے ہیں سب سے وہ الگ دونوں جہاں سے ہیں جدا　　تجھ میں ہوئے ہیں جو فنا کس سے کہیں وہ راز کو
دیکھ کے تیری دلبری دونوں ہی نذر کر گئے　　عشق سرِ نیاز کو حسن ادائے ناز کو
روتے ہیں روزِ ہجر میں یاد کسی کی کر کے ہم　　غمزۂ جاں نواز کو عشوۂ دل نواز کو
ہم کو ذرا سنبھال کو دیکھنا نظر اِدھر اُدھر　　کھائے ہوئے ہیں دل پہ ہم تیغِ نگاہِ ناز کو
لالہ و گل میں یہ ادا شمس و قمر کی یہ ضیا　　ایک زمانہ چاہیے حسن کے امتیاز کو

حضرتِ مائلؔ آج کیا جبہ و خرقہ لائے ہیں
رہنِ شراب کل تو کر گئے جانماز کو

○

کیا کہیں ہم کہ کیا کیا دل کو　　لے گیا کوئی دلربا دل کو
حال کیا کہیے بے قراری کا　　ابتدا میں ہے انتہا دل کو
حال سنتے ہو چپکے بیٹھے ہو　　تم نے پتھر بنا دیا دل کو
ہر ستمگر سے جا ہی بھڑتا ہے　　یہ تو بے ڈھب پڑا مزا دل کو
شوخیاں ہیں وہی تمہاری سی　　ڈھنگ اپنا سکھا دیا دل کو
تم سے بیداد گر سے ملتا ہوں　　کون سی بھا گئی ادا دل کو

لحظہ لحظہ فزوں ہے بیتابی — یا الٰہی یہ کیا ہُوا دل کو
غضب آنکھیں جھکائے بیٹھے ہو — تم نے گویا چُرا لیا دل کو
برق سے کچھ بڑھائے رکھتی ہے — شوخیِ چشم فتنہ زا دل کو
دل کو دے کر یہ بیخودی چھائی — اس سے کہتا ہوں کیا کیا دل کو
ناز کے ساتھ اٹھائے ظلم ان کے — آفریں تجھ کو مرحبا دل کو

اب ملا یار کا پتہ مائلؔ
کیا بنایا ہے رہنما دل کو



واعظ سنے تو کیا وہ تری قال و قیل کو — دیوانہ جانتا ہو جو تجھ سے عقیل کو
شرم آئے کیوں نہ رحمتِ ربِ جلیل کو — لائے کشاں کشاں ہیں غلام خلیل کو
ہو جاتے وہ بھی آ کے قدم بوس آپ کے — ناحق کا تجھ سے رشک ہوا جبرئیل کو
واعظ کو آرزو ہے کہ گنبد ہو قبر پر — رکھ دو نہ میکدے کے سبوئے سبیل کو
سجدے سے نقشِ پا کے تمہارے جبیں ہو عار — آنے نہ دیجے بزم میں ایسے ذلیل کو
رکھتا ہوں اب بھی دل میں وہ نالہ کہ اے فلک — عرشِ بریں کی جا کے ہلا دے فصیل کو
کوچہ میں میرے آ کے خدا خیر ہی کرے — غم پوچھتا ہے خونِ جگر کی سبیل کو
آذر نے بت بنا کے کبھی بھی کیا نہ فخر — کعبہ بنا کے ناز ہے کیا خلیل کو
بیتاب تشنگی سے ہوں ساقی پلا۔ پلا — اس وقت تو نہ دیکھ کثیر و قلیل کو
غل پڑ گیا فلک پہ کہ اللہ رے قلق — میں اڑ گیا جو عرشِ بریں کی فصیل کو
اللہ رے بے نیاز کہ بت خانہ کر دیا — مژدہ بنائے کعبہ کا دیکر خلیل کو
دو چار خم اڑاؤں تو فتوے کو مان لوں — واعظ حرام کہتے ہیں قطرۂ قلیل کو
ملت میں حسن و عشق کی یہ بھی ہے کیا گناہ — دیدیتے آ کے زہر جو اپنے علیل کو
فرعون کی خدائی تو اک موج کی ہوئی — جب ہو گیا اشارہ ترا رودِ نیل کو
بندہ تو بے دلیل ہی اس کو ہے مانتا — دیجے جنابِ شیخ نہ وسعت دلیل کو

ہے زندگی تو آپ کی گھبرا گیا ہوں میں
طے کیجیے خضر قصۂ عمرِ طویل کو

بندہ اسی کا میں بھی ہوں دیکھا تو کیا ہوا
اللہ دیکھتا ہے حسیں کو جمیل کو

اتنا تو جانتا ہوں کہ عیسیٰ سے لاکھ ہوں
اچھا نہ کر سکیں گے تمہارے علیل کو

ایسا نہ ہو کہ ہو خمِ ابرو کو ناگوار
باندھیں کمر میں آپ نہ تیغِ اصیل کو

کعبہ ہے گھر خدا کا، بنایا تو کیا ہوا
بت خانے کا ثواب ملے گا خلیل کو

ہم کو دکھا دے آنکھ سے کوئی دہانِ یار
ہم مانتے نہیں ہیں قیاس و دلیل کو

فرعون کو ڈبو کے بھی قسمت کی بات ہے
زمزم کی آبرو نہ ملی رودِ نیل کو

موسیٰ تمہارے ساتھ رہا ہے جہاد میں
غازی خطاب دیجیے دریائے نیل کو

نمرود کا غرور تو پشّے سے ڈھا دیا
کب تاب تیرے قہر کی اصحابِ فیل کو

دیوانہ جان کر مجھے ناصح ہیں چھیڑتے
سمجھائے کس طرح کوئی ایسے عقیل کو

کعبہ کے گوشے گوشے میں مائلؔ ہوں ڈھونڈتا
پاتا نہیں ہوں دل میں جب اپنے خلیل[1] کو



ساقی جو دستِ ناز سے چھلکائے جام کو
پھر کون پوچھتا ہے حلال و حرام کو

جس سے کہ بوئے انس نہ آتی ہو نام کو
اپنا تو بس سلام ہے ایسے سلام کو

کیا مجھ سے ہو گئے ہو جو کہتے ہو بار بار
لگ جائے آگ مہر و محبت کے نام کو

وہ دن خدا دکھائے کہ مجھ سے کوئی کہے
جی چاہتا ہے خلوت و صہبا و جام کو

نکلے ادھر دہن سے ادھر تو نہ ہو فلک
وہ نالہ ڈھونڈتا ہوں ترے انتقام کو

خامے بنے بنائے ہو ناصح ابھی رقیب
سُن لو مری زباں سے اگر اس کے نام کو

اے بوالہوس اک آہ ترے پاس ہو تو دے
دم بھر کو چاہیے ہے ہمیں ایک کام کو

آتے ہی اقربا سے وہ کہتے بھی ہیں تو کیا
صدمے میں بھولنا نہ کہیں اذنِ عام کو

جنبش کسی طرح نہ کرے گا اب آفتاب
قاصد یہ کہہ گیا ہے کہ آئیں گے شام کو

---

[1] خلیل سے مراد حضرت مائل کے پیر و مرشد شاہ محمد خلیل الرحمٰن جمالیؒ بھی ہو سکتے ہیں۔ ۱۲ شاغل

آسماں پر سلامتی ہو

ہاں چارہ سازیِ غمِ فرقت کریں گے آپ بس بندگی مسیح علیہ السلام کو
تسکین ہے میرے نام سے اور حفظِ راز بھی پڑھتا ہوں دھو کے آپ میں اپنے کلام کو

مائل سے خوشی جو ہوگی تو آدم سے پہلے کچھ
جب سے تو جانتے بھی نہیں اس کے نام کو



یونہی رو یا کرو گے حضرتِ ناصح دل وجاں کو
مری آنکھوں سے کر دیکھو کسی کے روئے تاباں کو

محبت سچ کہا مجبور کر دیتی ہے انساں کو
جگہ دینی پڑی ناچار دل میں دردِ ہجراں کو

چمن میں گل جو ہنس ہنس کر گریباں چاک کرتا ہے
مگر یہ دیکھ آیا ہے کسی کے روئے خنداں کو

نہ سمجھا ہوں نہ سمجھوں گا نصیحت کو تری ناصح
لئے بیٹھا ہوں میں دل میں خیالِ زلفِ پیچاں کو

جلا کر خاک کر دیں ہم دلِ بیتاب کو اپنے
اثر اتنا تو دے یا رب ہماری آہِ سوزاں کو

کوئی دیکھے ہماری خاطرِ مجموع کا عالم
صبا جب چھیڑ دیتی ہے تری زلفِ پریشاں کو

بہار آئے تو آنے دو جنوں بڑھتا ہے بڑھنے دو
لگا رکھا ہے کس دن کے لئے ہم نے گریباں کو

تعلق گر نہ رکھنا تھا، تمہیں ہم سے تو یہ کہیئے
ضرورت کیا تھی رہنے کی ہمارے دل میں پیکاں کو

کبھی کہنے سے باہر میں نہ ہونگا حضرتِ ناصح
مرے دل سے اگر کھو دو کسی کے دردِ ہجراں کو

بڑھاتا لحظہ لحظہ ہے الٰہی دیکھئے کیا ہو
کسی کا عشوۂ پنہاں ہمارے دردِ پنہاں کو

کہاں میں اور کہاں مجنوں نہیں واقف وہ اتنا بھی
کیا کرتے ہیں کیوں کر چاک وحشت میں گریباں کو

نہ کیوں کر شمع کے رونے پہ مجھ کو رونا آجائے
محبت دردکا پتلا بنادیتی ہے انساں کو

تماشا ہے جنوں کیا ہے کہ بیٹھا فوق دیتا ہوں
کبھی گھر کو بیاباں پر کبھی گھر پہ بیاباں کو

خلیل اللہ کی امت میں اٹھوں حشر میں یا رب
ترے دھوکے میں دیکھا ہو جو میں نے ماہِ تاباں کو

زلیخا کو تو رسوا کر کے رہتا عشق دنیا میں
نہ کرتی چاک سبھی گر حضرتِ یوسف کے داماں کو

بس اب ٹپکا ہی تجھ کو ئی دم میں خون کا آنسو
پتہ دل کا ہمارے مل گیا ہے اس کی مژگاں کو

فلک کو اور میری بے کسی پر رحم آئے گا
مٹا دیتا ہے یہ بیداد گر گورِ غریباں کو

در و دیوار دیکھے سے جنوں کا جوش ہوتا ہے
بنایا موسمِ گل میں ہے شاید میرے زنداں کو

ڈبوتا تھا جو دنیا کو تو دو آنسو گرا دیتے
جنابِ نوح نے ناحق کیا بدنام طوفاں کو

تڑپنا خاک و خوں میں بسملوں کا دیکھ کر تیرے
پشیماں ہو رہے ہیں خضر پی کر آبِ حیواں کو

بنایا دستِ قدرت نے مرقع کفر و ایماں کا
ترے رخسارِ تاباں کو تری زلفِ پریشاں کو

بڑھے کیونکر نہ رتبہ حاملانِ عرشِ اعظم سے
اٹھا لیتا ہوں شور و غل سے سر پر کوئے جاناں کو

خیال آیا تھا مجھ کو جب بنائے کعبہ پڑتی تھی
کہ یہ دھوکے میں ڈالے گا بہت گبر و مسلماں کو

مٹایا خوب ہی غفلت کا جھگڑا حضرت مائل
چڑھا آئے صنم خانے میں اپنے دین و ایماں کو



غضب دل کش بنایا ہے تری زلفِ پریشاں کو
نہ چھوڑا ہے نہ چھوڑے گی کسی کے دین و ایماں کو

جہاں جاتا ہوں وحشت میں لپٹ جاتے ہیں دامن سے
جگہ دل میں نہ دوں کیونکر ہر اک خارِ بیاباں کو

تصور خوب بندھتا ہے کسی کی زلفِ پیچاں کا
بڑھا دے اور بھی یارب شبِ تاریکِ ہجراں کو

نگاہِ مہر بھی تیری وہ آفت ہے کہ اے ظالم
خدا محفوظ ہی رکھے ہر اک گبر و مسلماں کو

زمانہ جب بدلتا ہے کسی سے کون ملتا ہے
غنیمت جانتا ہوں میں جنوں میں سنگِ طفلاں کو

ترے دامن سے کچھ رکھتا جو ہے نسبت تو وحشت میں
رگِ جاں سے سوا سمجھا ہے ہر تارِ گریباں کو

اُسے کھینچوں تو کیونکر میں کہ دل کھنچنے نہیں دیتا
خدا جانے کہ کیا سمجھا ہوا ہے آہِ سوزاں کو

نہ ہو جب تک کہ یکرنگی حجاب اٹھتا نہیں دل سے
بنا کر درد کا پتلا کیا ہم رازِ انساں کو

چمن میں بلبلِ بیتاب نالے کر تو لیتی ہے
کہیں ہم آہ کس کے آگے اپنے دردِ پنہاں کو

ابھی گھر سے قدم باہر نہیں رکھا کے لے آئی
مرے بختِ سیہ کی تیرگی شامِ غریباں کو

اسے دینا پڑے گا قطرے قطرے کا حساب اک دن
زمیں کیونکر نہ دے دل میں جگر خونِ شہیداں کو

صلاحیں کرتے ہیں آپس میں دیوانے مزہ جب ہے
بہار آنے سے پہلے توڑ لیں دیوارِ زنداں کو

نظر اپنی پڑی ہے جب سے اس دنیائے فانی پر
اٹھا کر آنکھ بھی دیکھا نہیں تختِ سلیماں کو

مجھے ڈر ہے کہ وہ سمجھے ہیں اس کو خیر خواہ اپنا
کہیں درباں نہ جنت سے بدل لے کوئے جاناں کو

محبت ہو تو ایسی ہو جو عاشق ہو تو ایسا ہو
کہ جس حالت میں کل دیکھا ہے سائل نے سلماں کو



سنا کرتے ہیں پہروں دل لگا کر میرے شیون کو
سخن سنجی سکھاتا ہوں نوا سنجانِ گلشن کو

بھلا مقتل میں کیوں بیٹھا جھکا کر اپنی گردن کو
جو اس نے قتل کر ڈالا مرے دھوکے میں دشمن کو

نہ جاتے حضرتِ عیسیٰ کبھی مر کر بھی گردوں پر
زمیں تھوڑی سی گر ملتی ترے کوچے میں مدفن کو

غبارِ راہ ہم ہوتے تو کس امید پہ ہوتے
پہنچ کر بزمِ دشمن میں جھٹک دیتے ہیں دامن کو

دکھا دیں گے کہ دل کس کا جگر کس کا رہا باقی
ذرا بیتاب ہونے دو نگاہِ چشمِ پُرفن کو
کیے ہیں سینکڑوں ٹکڑے جگر کے دل کے پہلو کے
اثر الماس کا بخشا ہے یا رب رشکِ دشمن کو

اگر صیاد ہنستا ہے قفس میں میرے رونے سے
تو دم بھر میں رلا دوں گا سنا کر اپنے شیون کو
یہ شوقِ خود نمائی دیکھیے کیا رنگ لاتا ہے
اٹھا دیتے ہو ہر حیلے سے تم تو بار چلمن کو

سمجھ رکھا ہے ظالم نے کہ سب مرتے ہیں مجھ پر ہی
اٹھا لیتا ہے دامن کو جہاں پاتا ہے مدفن کو
گل اپنی نازکی پر ناز کرتے ہیں مجھے دیکھو
کہ کیا رنگین نوائی سے بناتا ہوں گلشن کو

معاذ اللہ میری تیرہ بختی ایک آفت ہے
ترستی ہے زمانے میں خدائی روزِ روشن کو
اٹھایا ہی نہیں جس نے کبھی احسان بجلی کا
جلا دے نالۂ آتش فشاں میرے نشیمن کو

نہ جائے گی نہ جائے گی مری وحشت تو مر کر بھی
نہ چھوڑا ہے نہ چھوڑے گا جنوں کا جوش دامن کو
بہت عاشق زمانے میں بہت معشوق دنیا میں
محبت کا مزہ جب ہے کہ چاہے تم سے پُرفن کو

خیال آتا ہے جب وحشت میں گیسوئے معنبر کا
اٹھا کر سونگھتا ہوں حلقۂ زنجیر آہن کو
نہ کعبہ ہی تجلی گاہ ٹھہرایا نہ بت خانہ،
لڑانا خوب آتا ہے تمہیں شیخ و برہمن کو

وہی انداز بچنے کا وہی ترکیب کھنچنے کی،
سکھائے ڈھنگ اپنے سے ہی تم لے اپنے دامن کو
تمہیں سمجھائیں تو کیا ہم کہ شیخ وقت ہو سائلؔ
تم اپنے آپ کو دیکھو اور اک طفلِ برہمن کو



کیوں اثر سے جان لوں محروم اپنی آہ کو
دیر ہی لگتی نہیں دیتے ہوئے اللہ کو

انقلابِ دہر کی خانہ خرابی دیکھنا،
کر دکھایا کچھ دنوں بت خانہ بیت اللہ کو

سچ تو یوں ہے حشر ہونا اک تعجب ہو گیا
بے اثر سمجھے ہوئے تھے ہم تو اپنی آہ کو

کوئی اتنا جا کے کہدے اس تغافل کیش سے
روک رکھوں دل میں کب تک نالۂ جانکاہ کو

تجھ کو واعظ اک ذرا بھی خوفِ رسوائی نہیں
پوچھتا ہے ہر کسی سے میکدے کی راہ کو

چاہتا ہے بیٹھنا پیرِ مغاں کے آس پاس
ڈھونڈھتا ہے میکدے میں شیخ عزوجاہ کو

جو نوائے عندلیبِ زار سے ہو بدماغ
کب وہ سنتا ہے ہمارے نالۂ جانکاہ کو

کیا ہی دھوکے دے رہے ہیں اس کے جلوے دیکھنا
ہر قدم پر پوچھتا ہوں چلتے چلتے راہ کو

حق تو یہ ہے آپ اپنے کو کہوں جو کچھ کہوں
ان بتوں کو کیا کہوں اور کیا کہوں اللہ کو

جس سے گھبرا کر وہ آئے وہ اثر اس میں کہاں
کیا کروں میں کھینچ کر شرمندہ اپنی آہ کو

ایک ہی دو دلوں کو پایا جب تعین اٹھ گیا
بارگاہ حسن کو اور عشق کی درگاہ کو

میں رہا ہوں خدمتِ پیرِ مغاں میں عمر بھر
راہ پر لا کر رہوں گا واعظِ گم راہ کو

دیکھنا ہم کو تو یہ ہے بیٹھ کر کعبہ میں بت
کھینچتے ہیں اپنی جانب کس فنا فی اللہ کو

دیکھنا حسنِ بتاں کی دلبری ہی دیکھنا
دام میں لائے ہیں سائلؔ سے خدا آگاہ کو



توبہ کی ہے تلاش جو ابرِ سیاہ کو
لایا لگا کے ساتھ ہی عفوِ الٰہ کو

کہدوں جو میں حقیقتِ عفوِ الٰہ کو
دل میں رکھیں چھپا کے فرشتے گناہ کو

حیراں ہوں پند گو کو دکھاؤں کو کس طرح
دل سے نکال کر ترے تیرِ نگاہ کو

ایسا ہے کون دوست کہ محفل میں غیر کی
مہماں بلا ہی لے مرے روزِ سیاہ کو

اک دم کے دم میں ہم نے دو عالم کی سیر کی
مانیں نہ کیسے دیدۂ دل کی نگاہ کو

رحمت پہ اس کی تکیہ نہ کرتے جو بادہ خوار
ملتا نہیں ٹھکانہ کسی بھی گناہ کو

اس کے سوا جہاں میں کوئی سوجھتا نہیں
کیا جانے کیا ہُوا یہ ہماری نگاہ کو

پاسِ ستم گری ہے تو آنا نہ بھول کر
دیکھا نہ جائے گا مرے حالِ تباہ کو

کیا جانے شب کو دل سے نکل کر کدھر گئی
عالم میں ڈھونڈھتی پھری تاثیر آہ کو

کہتے ہیں خاکِ پاک سے آتی ہے بوئے درد
جو لوگ دیکھتے ہیں مری قتل گاہ کو

مجموعہ عشق کا تو یہ پتلا ہے خاک کا
پروانے کو سوز ملا، داغ ماہ کو

بدلے میں ایک جام کے واعظ نے دیکھنا
میخانے میں ملا ہی دیا خانقاہ کو

پستوں سے گر کے ملتے ہیں عالی ہیں جن کے ظرف
بخشی ہے آبروئے مہِ کنعاں نے چاہ کو

دیکھا ہے کیا بتوں میں کہ مائلؔ پھر آکے آپ
آنکھوں سے طے کیے ہوئے کعبہ کی راہ کو

○

شوقِ سیرِ حرم و دیر ہے کیا کیا مجھ کو
کشمکش میں ترے نیرنگ نے ڈالا مجھ کو

رنگ لایا ہے مرا یاسِ وفا آخر کار
ہے شبِ ہجر میں جینے کی تمنا مجھ کو

ہیچ نگاہوں میں سماتے نہیں دونوں عالم
نظر آتا ہے تجھے دیکھ کے کیا کیا مجھ کو

پھر خرابی نظر آتی ہے وہی اگلی سی
لیے جاتا ہے وہیں پھر دلِ شیدا مجھ کو

پھر اسی رنگ سے بیتاب ہیں دل اور جگر
پھر اسی رازِ نہفتہ نے ستایا مجھ کو

گر گئے آنکھ سے سب فتنۂ محشر مائلؔ
آپ نے حالِ شبِ غم جو سنایا مجھ کو

○

کیا سکھائے گا کوئی طرزِ محبت مجھ کو
کہ نہیں اپنے عدو سے بھی عداوت مجھ کو

کیوں سنوں قصۂ فرہاد میں کیا رکھا ہے
ایک دن رونگی یوں ہی مری حسرت مجھ کو

یا تو ناصح ہی کو موت آئے کہ جھگڑا جائے
یا کسی کی نہ دے اللہ محبت مجھ کو

کیوں نہ مر جاؤں خوشی سے کہ وہ کافر کہے
اب تو کچھ ہو تی چلی ہے تری الفت مجھ کو

جان دینے کی محبت میں قسم کھا بیٹھا
اب ستم کا نہ گلہ ہے نہ شکایت مجھ کو

کیا شبِ وصل میں خوش ہوں کہ سحر سے پہلے
نظر آنے لگے آثارِ قیامت مجھ کو

ہے یقیں ہو نہ سکے روزِ جزا بھی فریاد
کھینچ کر نالہ ہوئی ایسی ندامت مجھ کو

وہ مجھے دیرِ و حرم میں نہ ملا ہے نہ ملے
یہ نئے پھرتی ہے در در مری شامت مجھ کو

بات تیری نہ بگڑ جائے فغاں سے مری
نہ جگا تو نہ جگا شورِ قیامت مجھ کو

تو وہ آنکھوں میں سمایا ہے کہ آئینہ میں
آپ اپنی نظر آتی نہیں صورت مجھ کو

جستجو شرط ہے جو منزلِ مقصود کہیں
لے ہی پہنچے گی کسی دن مری ہمت مجھ کو

یاد آئی ہے جنوں میں جو تری طبعِ لطیف
خاک اڑانے نہیں دیتی مری وحشت مجھ کو

اب تجھے اے دلِ ناکام خدا کو سونپا
کہ مزہ دینے لگا ہے غمِ فرقت مجھ کو

اٹھ کے کعبے سے جو ناکام چلا ہوں مائل
ہے یہ اللہ کی جانب سے ہدایت مجھ کو

○

آپ فرمائیں نہ کچھ بھی سرِ محفل مجھ کو
لے کے آیا ہے یہ کم بخت مرا دل مجھ کو

زیست سے تنگ ہوں اتنا کہ دعا کرتا ہوں
کھینچ لے اپنی طرف کوچۂ قاتل مجھ کو

پہلے ہی وار میں اس نے جو کیا کام تمام
پیش آئی نہ کوئی عشق میں منزل مجھ کو

جب سے میں نے یہ کہا ہے کہ فدا ہوں تم پر
شہدا کے وہ گنا کرتے ہیں شامل مجھ کو

ہائے پوچھو نہ کوئی راہ میں غش کیوں آیا
ساتھ لے کر ہے گرا پردۂ محمل مجھ کو

دو ہی آنسو یہ گرے تھے کہ یہ طوفاں ہے بپا
نظر آتا نہیں کوسوں بھی تو ساحل مجھ کو

ہائے رُک رُک کے گلو پر مرے چلنا اس کا
یاد آتا ہے بہت خنجرِ قاتل مجھ کو

خارِ صحرائے جنوں میرے قدم لیتے ہیں
جانتے کوہکن و قیس ہیں کامل مجھ کو

کبھی کہتے ہیں کہ محفل میں نہ آنے پائے
کبھی خلوت میں وہ کر لیتے ہیں شامل مجھ کو

جس طرح غیر محبت ہے جتایا کرتا
یاد ہیں ایسے بہت دعوئے باطل مجھ کو

کچھ کشش ان کی طرف سے بھی ہے پائی جاتی
کہ اڑائے لیے جاتا ہے مرا دل مجھ کو

آبرو کوچۂ جاناں میں رہے جب جانوں
عشق نے کر تو دیا ہے کسی قابل مجھ کو

سجدۂ شوق نے کیا قہر کیا ہے دیکھو
قتل کرنے کو وہ آئے سرِ محفل مجھ کو

رنگ لاتی نظر آتی ہے مگر اب کے بہار
کہ مزہ دینے لگا شورِ عنادل مجھ کو

شعرا رشکِ تخلص سے مرے جاتے ہیں
وہ پری وش بھی جو کہنے لگا مائل مجھ کو



موت یہ ہے، وہ سمجھ جائیں نہ غافل مجھ کو
شبِ فرقت میں تو جینا نہیں مشکل مجھ کو

یہ ہے ایما کہ قیامت کو بھی فریاد نہ ہو
سرنگیں چشم سے کرتے ہیں جو بسمل مجھ کو

جس سے سنیے وہ یہ کہتا ہے مجھے قتل کرو
کس قیامت کا ملا شوخ ہے قاتل مجھ کو

پھر جنوں کے سے ہیں آثار نمایاں مجھ میں
پھر لگاتا ہے کسی ڈھب سے مرا دل مجھ کو

دل میں جب سے کہ یہ آیا کہ سحر کچھ بھی نہیں
مثل اک خوابِ پریشاں کے ہے محفل مجھ کو

جوشِ وحشت میں قدم سوئے بیاباں جو بڑھا
قیس تک لینے کو آیا کئی منزل مجھ کو

تو خدا کے لیے اے شورِ قیامت نہ اٹھا
یاد ہے یاد وہ ہنگامۂ محفل مجھ کو

کسی میخوار سے شاید ہیں یہ ملتے جلتے
شیخ صاحب جو نظر آتے ہیں کامل مجھ کو

لاغری سے جو نہیں ایک ذرا دم مجھ میں
دیکھتا چشمِ حقارت سے ہے قاتل مجھ کو

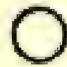
چارہ گر جانتے ہیں جوشِ جنوں کو میرے
کس لیے پھر یہ پنہاتے ہیں سلاسل مجھ کو

منتِ جانی نے مری کر دیئے جوہر پیدا
یاد کیونکر نہ کرے خنجرِ قاتل مجھ کو

جان بھی ساتھ میں پھر دیتے نہ جب آتی کیوں
پھیر دیتے ہیں بگڑ کر جو مرا دل مجھ کو

چشمِ میگوں کے دکھاتے ہیں جو ان کو نیرنگ
کبھی ہشیار ہیں رکھتے کبھی غافل مجھ کو

آپ جاتے تو ہیں کعبہ کو مگر وقتِ دعا
بھول جانا نہ کہیں حضرتِ مائلؔ مجھ کو



مفتیِ میکدہ فرماتے ہیں مائلؔ مجھ کو
یاد ہیں بادہ کشی کے وہ مسائل مجھ کو

لے کے اس راہ سے گذرا ہے مرا دل مجھ کو
کعبہ خود لینے کو آیا کئی منزل مجھ کو

اس سے حیرت ہے کہ کثرت میں ہے وحدت کیسی
نظر آتا نہیں اپنا جو مقابل مجھ کو

نہ گئی جوششِ جنوں میں بھی لطافت میری
نکہتِ گل نے پنہائی ہے سلاسل مجھ کو

مجھ سے ناچیز پہ اور پیرِ مغاں کا یہ کرم
کہ مے خاص میں کر لیتے ہیں شامل مجھ کو

نہ تو بڑھنے کی خوشی اور نہ ہو گھٹنے کا الم
یہ جتانے کو ہے نکلا مہِ کامل مجھ کو

ہر طرف سے ہیں قیامت کے یہ آثار نمود
نظر آتی ہے عجب ڈھب کی یہ محفل مجھ کو

کیا ضرورت ہے کروں کوچۂ دلبر کی تلاش
لے ہی پہنچیگا کسی روز مرا دل مجھ کو

سچ تو یہ ہے کہ محبت کے ہیں نیرنگ غضب
کبھی قابل ہے بنایا کبھی بسمل مجھ کو

ناتوانی سے ہوا میں جو اڑا جاتا ہوں
وہ سمجھتے ہیں غبارِ پسِ محمل مجھ کو

میں نے جو ڈالدیا خونِ وفا کا چسکا
یاد کرتا ہی رہا خنجرِ قاتل مجھ کو

دل یہ کہتا ہے چلو سیرِ چمن ہے کیسی
مار ڈالے نہ کبھی شورِ عنادل مجھ کو

جا کے کعبہ میں قدمبوس ہوا وائے نصیب
میکدے میں نہ ملے حضرتِ مائلؔ مجھ کو



دیتے نہیں تسکین دمِ فریاد کسی کو
اور دیکھ بھی سکتے نہیں آزاد کسی کو

آفت ہے الٰہی کہ قیامت ہے غضب ہے
ایسا تو نہ دیجو دلِ ناشاد کسی کو

کس منہ سے کروں شکوہ غریب الوطنی کا
میری تو وطن میں بھی نہیں یاد کسی کو

صرف ایک عدو کے لیے فرماتے ہیں مجھ سے
سونے نہیں دیتی تری فریاد کسی کو

معلوم تمہیں دیکھ کے کرتے ہیں مرا حال
میں نے تو سنائی نہیں روداد کسی کو

اس لطف سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ ظالم
دنیا میں نہ چھوڑے تری بیداد کسی کو

کیا کہتی ہے یہ چشمِ فسوں گر اسے دیکھو
تو ہم نہ کہیں گے ستم ایجاد کسی کو

ہو قابلِ تسلیم تو تسلیم[۱] ہے مائل
یوں کہنے کو کہہ لے کوئی استاد کسی کو



تمہیں اس فکر سے کیونکر نجات اے اہلِ دنیا ہو
ہوا اُس کی تو بگڑی ہو اور اس کا رنگ اچھا ہو

یہ باتیں آپ کی وہ ہیں کہ کھٹکا جن سے پیدا ہو
یہ وعدہ آپ کا وہ ہے کہ ایفا ہو نہ ایفا ہو

عجب کیا ہے ترا خنجر جو اِن میں رشک پیدا ہو
جگر زخمی ہے پہلے سے گو بھی اس پہ شیدا ہو

میرا دیوان کیا گر بیاضِ دین و دنیا ہو
تمہاری بیتِ ابرو سے نہ کوئی شعر اچھا ہو

ہزاروں تیر برسے ہیں اداؤں کے نگاہوں کے
ہمارے خونِ ناحق کا بتاؤ کس پہ دعویٰ ہو

ہوا کرتا ہے دنیا میں خیالِ آبرو سب کو
مقابل میری آنکھوں کے تو کیونکر کوئی دریا ہو

حرم سے اگلے وقتوں کا کوئی پتھر اٹھا لاؤں
یہاں کافر نہیں ایسا کہ بتخانے میں یکتا ہو

کچھ ان بن ہو چلی ہے قامت و رفتارِ جاناں میں
کہیں ایسا نہ ہو دنیا میں کوئی فتنہ پیدا ہو

بہت دل تنگ ہوں اس عرصۂ دنیا کی تنگی سے
دکھا دوں جوشِ وحشت کا اگر میدان اچھا ہو

خبر ہوتے نہیں تم تو کوئی آئے کوئے جائے
خدا جانے کہ کس عالم میں تم محوِ تماشا ہو

عجب کیا ہے کہ نکلے کام اپنا جلد بازی سے
لگا دو یار محشر میں کفن پر میرے شیدا ہو

خبر تک بھی نہیں ہوتی کہ کب آئے تھے دن غم کے
گزر جاتے ہیں باتوں میں اگر غمخوار اچھا ہو

اگر ہیں بے اثر نالے تو کیا غم ہے کہ یاروں میں
اک اسرافیل ایسے ہیں کہ اس دم حشر برپا ہو

اُدھر ساقی اِدھر پیرِ مغاں دونوں کرم فرما
تو ہم سے بادہ خواروں کا مقدر کیوں نہ اچھا ہو

مرقع دونوں عالم کا یہ حاضر ہے بتا دیجے
ادائیں ناز ہیں صورت میں کوئی تم سے اچھا ہو

جو نفرت ہوتی جاتی ہے بتوں کو تیری صورت سے
عجب کیا ہے کہ مائل تو خدا کا ذکر کرتا ہو

---

۱ مراد مولانا ابو البیان حافظ محمد حلیم الدین تسلیم نارنولی استاد مائل ۱۲

نگاہِ مستِ ساقی کو کب اتنا ناز زیبا ہو
کہ اس کے میکشوں کو احتیاجِ جامِ صہبا ہو

جو اندازِ کرم تیرا ذرا بھی لطف فرما ہو
اثر ایسا کریں نالے کہ دل میں درد پیدا ہو

عنایت کیجیے وہ دولت ضیا کے دین و دنیا ہو
کرم فرمائیے ایسا کہ زیبائی کو زیبا ہو

دلِ بیمار و مضطر پر کرم کیجے کرم کیجے
مریضانِ محبت کے مسیحا ہو مسیحا ہو

مجھے درسِ جنوں دیتے ہیں یوں درگاہ کے تنکے
کہا کرتے ہیں آپس میں کہ سودا ہو تو ایسا ہو

یہ وہ درگاہ ہے جس میں ہوائے شوق چلتی ہے
یہ وہ درگاہ ہے جس میں خیالِ یار پیدا ہو

چڑھا در گاہِ مولانا ضیاء الدین میں دل کو
خدا کے واسطے مائلؔ نہ اس پیری میں رسوا ہو



دوزخ میں جلے کیا جو تپِ غم سے جلا ہو
جنت میں رہے کیا جو ترے گھر میں رہا ہو

وہ آبروئے تاجِ شہنشاہ و گدا ہو
جو اشک کہ آویزۂ درگاہِ خدا ہو

پھر کچھ نہیں مشکل جو خودی دل سے جدا ہو
اک سانس میں طے منزلِ تسلیم و رضا ہو

گر پیرِ خرابات کا خاکِ کفِ پا ہو
تو قبلہ ہو تو کعبہ ہو تو قبلہ نما ہو

عاشق کو کہاں صبر کہ موسیٰ سے پیمبر
اس شوق میں نکلے ہیں کہ دیدار ترا ہو

یہ کہہ کے غمِ عشق نے کی مجھ سے ملاقات
میں ہوں ملک الموت اگر نام سنا ہو

اٹھ جائے تو کیونکر کوئی محفل سے تمہاری
ممکن نہیں تصویر سے تصویر جدا ہو

میں کرنے کو سجدہ تجھے کس دم نہیں کرتا
سر جائے تری راہ میں جب فرض ادا ہو

مستانہ جو وہ نرگسِ مستانہ بنا دے
ہر شعر مرا سورۂ کوثر سے سوا ہو

کعبہ کبھی بت خانہ بنائے نہیں بنتا
رہتا ہے وہی ہو کے جو منظورِ خدا ہو

کھل جائے اگر پیرِ خرابات کا پردہ
مشہور درِ میکدہ درگاہِ خدا ہو

وہ تو کبھی آیا نہ کبھی ہوش میں آئے
جو بادۂ الفت میں تری ڈوب رہا ہو

کیونکر ہو جگہ دل میں مرے عشقِ بتاں کی
وہ گھر تو کسی کا نہیں جس گھر میں خدا ہو

ابرو سے یہ کہتی ہے تری چشمِ سیہ مست
ممکن نہیں کعبہ سے یہ میخانہ جدا ہو

حیرت سے تری بزم میں مژگاں ہی پہ رہ جائے   وہ اشک بھی جو جوش میں طوفاں سے سوا ہو
دریا میں اگر میں نہیں دریا تو ہے مجھ میں   قطرہ اسے کہتے ہیں جو دریا سے جدا ہو
مائل کو ذرا قدر نہیں اپنی جبیں کی
ورنہ در بت خانہ پہ کیوں ناصیہ سا ہو



تم مجھ کو ملو غیر کو دوزخ کی سزا ہو
ہو لطف یہی فیصلہ گر روزِ جزا ہو
شوخی یہی کہتی ہے نہ پابندِ حیا ہو
ہر بات میں ہر رنگ میں انداز جدا ہو
لرزہ جو نہ ہو ہاتھ میں کیوں تیر خطا ہو
کیونکر نہ ہو مقبول اگر دل سے دعا ہو
کہہ جاؤ خضر آپ ہی آگے جو بلا ہو
غربت زدہ آتا ہے ذرا راہ نما ہو
ہوتی ہے وہی بات جو منظورِ خدا ہو
گردن مری اور آپ کے خنجر سے جدا ہو
کرتے ہیں برے وقت میں ادنیٰ کی خوشامد
ناخن سے یہ کہتا ہوں کہ تم عقدہ کشا ہو
توبہ مجھے منظور ہے اس شرط سے واعظ
جنت میں مرے واسطے میخانہ بنا ہو
کہتے ہیں دمِ مرگ یہ بلبل نے دعا کی
جو دامِ محبت میں پھنسا ہو نہ رہا ہو
دم بھر کو جتانے پہ مرے ہو کے چلے جاؤ
آئندہ ملاقات نبا ہو نہ نبا ہو

لگے ہے نمازی ہیں نہ اگلی سی نماز یں
کر لیتے ہیں تقلید ادا ہو کہ قضا ہو

ایسے بھی ہیں ہم توبہ کو توڑیں نہ کبھی بھی
پیمانہ اگر بادۂ کوثر سے بھرا ہو

میں نے جو کیا شکوہ تو کہتے ہیں بگڑ کر
ہاں ہم تو ستمگار ہیں تم اہلِ وفا ہو

جائیں گے خضر آپ مرے ساتھ کہاں تک
دو چار قدم کے لیے کیوں راہ نما ہو

میں نے جو کہا اُن سے کہ خاکِ کفِ پا ہوں
کہنے لگے اب قدر تری ہو بھی تو کیا ہو

مرچیں سی لگی رہتی ہیں ہر زخمِ جگر میں
چھڑکیں جو نمک آپ تو پھر کیوں نہ مزا ہو

کیا چیز ہو اے خضر ہمیں یہ تو بتا دو
کھلتا نہیں ہم پر کہ فنا ہو کہ بقا ہو

گذری نہ کبھی دل کے لگانے کی مصیبت
ناصح تری بک بک میں بھلا خاک مزا ہو

توڑوں جو نہ توبہ کو تو میخوار نہ کہنا
میخانہ میں چھائی ہوئی گھنگھور گھٹا ہو

کیا بات ہے کیا فکر ہے کچھ منھ سے تو بولو
کیوں بت سے بنے بیٹھے ہو کیا مجھ سے خفا ہو

کہتا ہے کہ چپکے رہو شرکت نہیں اچھی
اس بت کی جو محفل میں کبھی ذکرِ خدا ہو

ٹھہریں نہ وہ دم بھر بھی ذرا ہو کے چلے جائیں
یہ خانۂ ویراں ابھی جنت سے سوا ہو

مائل جو گھٹا آتی ہے اٹھتے ہی تمھارے
کیا پیرِ خرابات کے تم دستِ دعا ہو



یہ سمجھ کے آپ نے کیا کہا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی ہم میں تم میں جو ربط تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی چپکے چپکے وہ دیکھنا مرے پاس آکے وہ بیٹھنا
مجھے جان جان کے چھیڑنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ سبق کہ جس سے فراق ہو مجھے زیست جس سے کہ شاق ہو
مرے دشمنوں نے پڑھا دیا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ عدو سے ہنس کے جو تم نے کچھ سرِ بزم اٹھ کے کہا بھی تھا
مرے دل پہ نقش وہ ہو گیا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

نہ کسی کا تم کو لحاظ تھا نہ کسی کا تم کو خیال تھا
مرے ساتھ پھرتے تھے جا بجا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

یہ جو آج ذکر ہے کچھ سنا جبھی میں نے تم سے کہا نہ تھا
ہوئی جب تھی عشق کی ابتدا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

یہ بھلا دوں دل سے میں کس طرح کہ جتاتے عشق تھے اس طرح
نہیں کچھ خیال ترے سوا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

یہی آپ کہتے تھے ہر گھڑی ترے دم سے رہتی ہے دل لگی
تری بات بات میں ہے مزا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کرو یاد دل میں یہ غافلو کہ کسی سے عہد تھا کیا کیا
مرا کام یہ تھا جتا دیا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ذرا دل میں اپنے یہ سوچ لو کہ شباب ہے مرا پند گو
یہ زمانہ سب پہ گزر گیا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مری آنکھ تم پہ وہیں پڑی کہوں کیا کہ تھی وہ عجب گھڑی
مجھے جب ملا دلِ مبتلا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

میں وہی ہوں مائلِ بت شکن کہ صنم کدے ہیں ابھی تلک
رہا لب پہ جس کے خدا خدا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو



واعظ تو اور بادہ کشوں میں شمار ہو
چل میکدے میں پیرِ مغاں پر نثار ہو

ایمان پیشِ کفر کھڑا اشک بار ہو
کاکل کو روئے یار پہ گر اختیار ہو

ان کو تو سن رہا ہوں کہ بزمِ عدو میں ہیں
کیا جانے تم کہاں مرے صبر و قرار ہو

آنکھیں بچھاؤں راہ میں دشمن ترے بغیر
مہمان میرے گھر میں اگر لاکھ بار ہو

مر مر کے ہم جیے ہیں شبِ غم کا ماجرا
اب اور اس سے بڑھ کے تو کیا اختصار ہو

جس گھر میں شوخیاں ہیں تری گھر کیے ہوئے
اس کو کبھی ہوا ہے نہ ہرگز قرار ہو

خم ہے سبو ہے جسم کو نسبت ہے شیخ کے
پھر کیوں نہ اس پہ رحمتِ پروردگار ہو

جو دل رہا ہو سینۂ عاشق میں بیقرار
ممکن نہیں کہ اس کو کہیں بھی قرار ہو

کہتا ہوں ہجرِ یار میں میں ہو کے بیقرار
اے ناصحِ شفیق مرے غمگسار ہو

لایا کبھی بزمِ غیر میں اور مر کے بل تجھے
تجھ پر خدا کی مار دلِ بیقرار ہو

اب سجدہ ہم کریں تو بتا تو کہاں کریں
دشمن کی رہ گذر جو تری رہ گذار ہو

ہے بھی اگر بشر کو تو دم بھر میں کچھ نہیں
ہو بھی تو مشتِ خاک کا کیا اعتبار ہو

نیزوں پہ اس کو اے مژۂ یار رکھ بھی تو
دل تو غریب ایک ہو اور تم ہزار ہو

میں ہوں غلامِ ساقیِ کوثر عجب نہیں
صحنِ شراب خانہ میں میرا مزار ہو

تو وہ ہے سرفراز کہ جب آئے باغ میں
قرباں ادا ادا پہ نسیمِ بہار ہو

اپنے گناہ کم ہیں عبادت سے شیخ کی
دیکھیں کدھر کو رحمتِ پروردگار ہو

جلتے ہو داغِ دل مگر ایسے بجھے بجھے
گویا کہ حسرتوں کا چراغِ مزار ہو

کہتے ہیں عاشقوں سے لوگ وہاں ہی جا میں
میرے شہیدِ ناز کا جس جا مزار ہو

چادر چڑھاؤں گنجِ شہیدانِ ناز پہ
دربانِ کوئے یار جو بے روزگار ہو

ناصح خدا کے واسطے اتنا تو سوچ تو
دل میں لگی ہو آگ تو کیونکر قرار ہو

تربت پہ میری آکے وہ کہتے ہیں غیر سے
حسرت برس رہی ہے کسی کا مزار ہو

اے توبہ یہ دعا ہے گدا ہو کہ بادشاہ
ہر بادہ کش پہ رحمتِ پروردگار ہو

دل کے معاملے نے پریشان کر دیا
ورنہ تمام رات مجھے انتظار ہو

سائل بتوں کے عشق کو دل میں جگہ نہ دے
ایسا نہ ہو کہ حشر میں تو شرمسار ہو



واعظ غریقِ رحمتِ پروردگار ہو
یعنی شراب خانہ میں اس کا مزار ہو

آمادہ دلکشی پہ اگر زلفِ یار ہو
کعبہ صنم کدے کے لیے بیقرار ہو

اپنا اگر زمینِ غزل میں مزار ہو
مضمونِ دردناک ہمارا غبار ہو

اس رشکِ آفتاب کا شاید پتہ چلے
ذروں سے پوچھتا ہوں کہ کیوں بیقرار ہو

تیرِ نگاہِ ناز ترا جس طرف چلے
انسان تو کیا ہے طائرِ سدرہ شکار ہو

ساقی شرابِ تند کے بھر بھر کے جام دے
منصور ہم نہیں ہمیں مستی ہزار ہو

کہتے ہیں مجھ کو دیکھ کے وہ اپنے تیر سے
چٹکی سے چھوٹتے ہی کلیجے کے پار ہو

ایسے کہاں نصیب تھے ہر بادہ خوار کے
منصور کی طرح جو سزاوارِ دار ہو

میں ہوں فراقِ یار میں بھی وہ شگفتہ دل
کھینچوں جو آہِ سرد نسیمِ بہار ہو

مے پی کے یادِ ساقیِ کوثر میں مست ہوں
ہو اور مجھ پہ رحمتِ پروردگار ہو

اے دل تلاشِ دامنِ جاناں ابھی سے کیوں
پہلے تو اس کی راہ میں مٹ کر غبار ہو

ہر عضو کہہ رہا ہے کہ اب وقت ہے قریب
اور سانس کی صدا ہے کہ اب ہوشیار ہو

عاشق کا دل جلے تو تجلی ہو طور پہ
زاہد کا دل جلے تو چراغِ مزار ہو

وہ ہی ہوا کہ تابِ تبسم نہ لا سکے
کہتا نہ تھا کلیم کہ ناکردہ کار ہو

تائب ہوا ہوں جب سے اسی فکر میں ہوں میں
دل میں شراب خانہ کی کیونکر بہار ہو

کس منہ سے تکے روزنِ در کا وا کرنا ہم اس کو دیکھ لیتے ہیں پردہ ہزار ہو

پردہ پکڑ کے کعبہ کا کیوں رو رہے ہو شیخ
مائل کے تم مرید ہو اور بادہ خوار ہو



ہماری اس ستم گر تک رسائی ہو تو کیونکر ہو
رسائی ہو تو پھر بخت آزمائی ہو تو کیونکر ہو

تری محفل میں بیٹھے ہیں اور ایسے محو بیٹھے ہیں
کہ تجھ سے ہی یہ کہتے ہیں رسائی ہو تو کیونکر ہو

صلا حیں رات دن رہتی تھیں یہی اک زمانہ میں
ہمارے اور اس کے آشنائی ہو تو کیونکر ہو

مقید کب قفس کا ہوں کہ مر کر چھوٹ جاؤں گا
اسیرِ دامِ گیسو ہوں رہائی ہو تو کیونکر ہو

سکندر کو دیا ہے داغ کیا نا امیدی کا
جنابِ خضر تم سے رہنمائی ہو تو کیونکر ہو

ہزاروں بار توبہ کی سمجھ میں ہی نہیں آتا
خیالِ حور و کوثر پارسائی ہو تو کیونکر ہو

سنا ہے آج واعظ چپکے چپکے کہہ رہے تھے یہ
کہ میری دخترِ رز سے آشنائی ہو تو کیونکر ہو

ہمیں سمجھے ہو کیا دل میں ہمیں ہم ہیں زمانے میں
مٹے ہیں کچھ سمجھ کر بے وفائی ہو تو کیونکر ہو

نکلتا ہی نہیں کیوں پیچ و خمِ زلفِ پریشاں کا
کسی نے کہہ دیا ہے کیا رہائی ہو تو کیونکر ہو

یہ مانا قتل کرنے کو وہ آتے ہیں مگر پھر بھی
مری موت اس بہانے سے نہ آئی ہو تو کیونکر ہو

ابھی تو آنکھ سے ٹپکا نہیں لختِ جگر کوئی
بیانِ لذّتِ دردِ جدائی ہو تو کیونکر ہو

خود آرائی و خود بینی انھیں دیتی نہیں فرصت
کہ نکلیں سیر کو وہ خود نمائی ہو تو کیونکر ہو

ترے حسنِ دل آرا نے غضب جلوے دکھائے ہیں
بتوں کی اس زمانے میں خدائی ہو تو کیونکر ہو

حصولِ مدعا کیسا یہی ہے فکر مدت سے
کہ اس ناآشنا سے آشنائی ہو تو کیونکر ہو

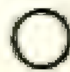
ذرا کہیے تو جینا اور ہم سے خستہ جانوں کا
سبھی میں ایسی ہی بے اعتنائی ہو تو کیونکر ہو

کبھی بھولے سے تیرے غم کے بیماروں کی تسکیں کو
اجل تک بھی سر بالیں نہ آئی ہو تو کیونکر ہو

جہاں ہم جا کے بیٹھے ہیں تری محفل میں بیٹھے ہیں
یہ سب کہنے کی باتیں ہیں رسائی ہو تو کیونکر ہو

لبوں تک ضعف سے تو تو جگر دم لیکے آتی ہے
ہماری آہ کی واں تک رسائی ہو تو کیونکر ہو

بتوں کو سجدہ کرتے ہو نہ بت خانہ میں آئے ہو
بھلا مائل تمہیں سمجھو خدائی ہو تو کیونکر ہو



نہ ہو جو تاب ہی دل میں تو آہ کیونکر ہو
وہ سنگ دل ہے مری رسم و راہ کیونکر ہو

نہ ہو جو لشکرِ طفلاں تو پھر جنوں کیا ہے
نہ ہو سپاہ تو پھر بادشاہ کیونکر ہو

شراب و شیشہ و ساغر تمام ہیں گلرنگ
شرابخوار بھلا روسیاہ کیونکر ہو

مثالِ مست نکلتی ہے چشم میگوں سے
جگر کے پار تمھاری نگاہ کیونکر ہو

دھواں اٹھے نہ اگر میکشوں کی آہوں کا
شراب خانے پہ ابرِ سیاہ کیونکر ہو

خدا کے واسطے یا رو بتاؤ تو تدبیر
ہمارے ساتھ کوئی کجکلاہ کیونکر ہو

بھڑک رہی ہے ابھی آگ دل میں لیلیٰ کی
مزارِ قیس پہ پیدا گیاہ کیونکر ہو

یہ جانتا ہے کہ رو تے پھریں گے راتوں کو
ہمارے سامنے وہ رشکِ ماہ کیونکر ہو

جگہ ملی نہ ہو جس دل میں دردمندوں کو
جنابِ عشق کی وہ بارگاہ کیونکر ہو

بتوں کے عشق میں دل پر مصیبتیں ڈالیں
پڑے جو وقت تو میرا گناہ کیونکر ہو

جنابِ شیخ سے کل عید کو ہوا سو ہوا
کسی کے سامنے ذکرِ گناہ کیونکر ہو

بھرے ہوئے ہیں کریم و رحیم دنیا کے
شرابِ خانۂ ہستی تباہ کیونکر ہو

جنابِ شیخ تو ہیں اعتکاف میں بیٹھے
مہِ صیام میں ماکل گناہ کیونکر ہو



نصیب غیر تری جلوہ گاہ کیونکر ہو
حرم پہ دیر کا اب اشتباہ کیونکر ہو

نہ ہو وہ رشکِ تجلی اگر جہاں آرا
فلک پہ جلوۂ خورشید و ماہ کیونکر ہو

شرابِ خانۂ قدرت کا تو تو ساقی ہے
تری سی مست کسی کی نگاہ کیونکر ہو

ریا سے ہیں دَر و دیوار اس کے آلودہ
نثار میکدے پہ خانقاہ کیونکر ہو

بتاؤ اے در و دیوار کوچۂ دلدار
کہ دیکھ لیں اسے ایسی نگاہ کیونکر ہو

نگاہِ قہر سے اس کی کرم ٹپکتا ہے
گناہگار سے عذرِ گناہ کیونکر ہو

خدا کی ساری خدائی ہے اس کی مٹھی میں
گدائے میکدہ پھر بادشاہ کیونکر ہو

ادا سے لطف سے خالی نہیں ہے کوئی بات
ترے ستم کا کوئی داد خواہ کیونکر ہو

خدا نہ ہو نہ ہونے پہ قادر ہے دل میں بندے کے
فرازِ عرش ترا خیمہ گاہ کیونکر ہو

جو آج آ گئے ناصح تو ان سے پوچھو نگا
مجھے بتاؤ کہ تم خیر خواہ کیونکر ہو

کسی طرح بھی نہیں مٹتی تیرگی دل کی
تمام ہو تو یہ روزِ سیاہ کیونکر ہو

بتوں کی یاد تو عاشق کو رلا بھی دیتی ہے
خدا کی یاد سے عفوِ گناہ کیونکر ہو



مزہ آجائے الفت کا اگر وہ بدگماں پھر ہو
وہی لب پر ہمارے نالۂ آتش فشاں پھر ہو

دلِ بیتاب تو میرا ابھی گرمِ فغاں پھر ہو
مگر منظور اس کو بھی بنانا آسماں پھر ہو

ذرا سا بھی عتابِ حضرتِ پیرِ مغاں پھر ہو
ٹھکانہ میری توبہ کا خدا جانے کہاں پھر ہو

نہ کیوں کر اس کے کوچے میں ہجومِ عاشقاں پھر ہو
نہ ایسا آستاں پھر ہو نہ ایسا پاسباں پھر ہو

دلِ بیتاب کہتا ہے اسی کوچے میں پھر چلیے
جبینِ شوق کہتی ہے کہ وہ ہی آستاں پھر ہو

یہ دیوانوں سے سُن سُن کر بہار آئی بہار آئی
جنوں سے کہنے جاتا ہوں کہ میرا امتحاں پھر ہو

وہ کافر ہو جو پہلو میں دلِ بیتاب کے بدلے
دعائے نیم شب پھر ہو نہ یہ آہ و فغاں پھر ہو

انھیں لکھا تو ہے خط میں، جو آجائیں تو آجائیں
ہماری آرزوؤں کے کبھی جانِ جہاں پھر ہو

دلِ وارستہ کے حق میں دعا کعبہ میں کرتا ہوں
کسی ڈھب سے اسیرِ حلقۂ زلفِ بتاں پھر ہو

تمنا ہے بس اتنی سی شہیدِ ناز کی تیرے
گلوئے خشک پر اس کے وہی خنجر رواں پھر ہو

ہزاروں قسمیں کھا کھا کر منا کر اس کو لایا ہوں
کہیں ایسا نہ ہو یارو وہ کافر بدگماں پھر ہو

کچھ ایسا لطف آتا ہے کسی کے آزمانے میں
کہے جاؤں قیامت تک کہ میرا امتحاں پھر ہو

دوئی دل سے جو مٹ جائے تو پھر جھگڑا ہی مٹ جائے
نہ وہ آرامِ جاں پھر ہو نہ وہ آزارِ جاں پھر ہو

ملا تھا مجھ کو اک منصور اس کو دار پر کھینچا
کہاں پیدا رفیق ایسا کہ میرا راز داں پھر ہو

ہوا لیں جو محبت کی تم آ بیٹھو نہیں ممکن
کوئی پردہ ہمارے اور تمہارے درمیاں پھر ہو

پشیماں ہو رہا ہوں یوں کہ سر لاؤں کہاں سے میں
یہ کہنے کو تو کہہ بیٹھا کہ میرا امتحاں پھر ہو

خریدیں اس زمانے میں نہ اس کو کھوٹے داموں بھی
جو حسنِ ماہِ کنعاں بھی متاعِ کارواں پھر ہو

یہ کس کو کہہ رہا ہے دل سمجھ ہی میں نہیں آتا
خدایا مہرباں پھر ہو خدایا مہرباں پھر ہو

اثر اتنا تو دے یارب کہ سُن کر وہ بھی کہہ اٹھیں
نہ ایسا قصہ خواں پھر ہو نہ ایسی داستاں پھر ہو

حسابِ دوستاں در دل سمجھ رکھا ہے میں نے تو
کوئی نامہرباں پھر ہو کہ مجھ پر مہرباں پھر ہو

وہ سُن سُن کر مرے قصے کو شوخی سے یہ کہتے ہیں
اڑا دے نیند عالم کی جو ایسی داستاں پھر ہو

یہ آساں ہے کہ ہو جائے قفس، گلزار جنت کا
یہ مشکل ہے کہ بلبل کا چمن میں آشیاں پھر ہو

نکالا ہے جنابِ ساقیِ کوثر کے ایما سے
نہیں ممکن کہ میخانے کا واعظ پاسباں پھر ہو

طواف آکر مری تربت کا کر جائے کہ آخر ہوں
کوئی دِلّی میں میرے بعد اگر اہلِ زباں پھر ہو

وہی سائلؔ تھے کیا جو کہہ رہے تھے گر کے قدموں پر
کرم اگلا سا مجھ پر حضرتِ پیرِ مغاں پھر ہو



لہ: بزمِ سخن، دہلی کا ہر سال دسمبر میں اجلاس ہوتا ہے۔ ۱۹۳۱ء کے اجلاس کے مشاعرہ کی طرح تھی:
نشیمن پر شرر افشاں نہ کیوں برقِ تپاں پھر ہو
مجھے اندیشہ تھا کہ اس زمین میں طبع آزمائی ذرا مشکل ہے۔ مشکل سے کوئی نیا مضمون نکلے گا، اور زبان کی خوبی تو اور بھی مشکل ہے۔ میرے قیاس کے خلاف مشاعرے میں اس طرح میں بہت اچھی اچھی غزلیں سننے میں آئیں۔

حضرت سائل دہلوی ان دنوں دلی میں نہ تھے میں نے صرف دو دن پہلے حضرت کو لکھا کہ وقت تو ہے نہیں لیکن ممکن ہو تو آپ بھی اس طرح میں دو چار شعر کہیں اتفاق سے میرا خط دیر میں پہنچا، دیر میں اور دیر ہو گئی اس پر بھی آپ نے میری خاطر سے تکلیف گوارا فرمائی۔ یہ غزل مجھے مشاعرہ کے ختم ہونے کے دو گھنٹہ بعد پہنچی اس وجہ سے مشاعرہ میں اس کے پڑھے جانے کی نوبت نہ آسکی۔ آپ کا کلام دیر میں آئے یا وقت پر ہر طرح نہ صرف غنیمت ہے بلکہ نعمت ہے۔

وہ جلد آئینگے یا دیر میں خدا جانے　　میں گل بچھاؤں کہ کلیاں بچھاؤں بستر پہ

اس میں شعر تو بہت اچھے اچھے نکالے ہیں مگر ان شعروں کا کیا کہنا ہے۔ جو یہ ہیں:

(۱) یہ دیوانوں سے سُن سُن کر الخ۔ یا سے امتحاں کی درخواست سب نے باندھی ہے جنوں سے امتحان کی خواہش بہت خوب ہے۔

(۲) ذرا سا بھی عتاب الخ۔ تو یہ کا پھر کہاں ٹھکانہ۔ (باقی صفحہ ۴۹۷ پر)

کیوں آپ مجھ سے کہتے ہیں ٹھہرو کھڑے رہو
جس بات پر اڑے ہو اسی پر اڑے رہو

مجھ سے لڑے رہو کہ عدو سے لڑے رہو
جو دل میں ٹھان لی ہے اسی پر اڑے رہو

درباں سے کہہ رہے ہیں کہ ڈرتے ہو کس لیے
میں ہوں تمہارے ساتھ دراتم کھڑے رہو

مانا یہ بات میری ادب ہاتھ سے نہ دو
چھوٹے ہو تم اگر تو بڑوں سے بڑے رہو

ایسا نہ ہو کہ آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے
بالیں پہ میرے آکے نہ دم بھر کھڑے رہو

میں نے دیا جواب تو منکر نکیر کو
کہنے لگی یہ قبر کہ چپکے پڑے رہو

چھوٹا مجھے سمجھتے ہو چھوٹا ہی میں سہی
اے خضر اگر بڑے ہو تو اچھا بڑے رہو

کہتے ہیں مسکرا کے منانے کا میں نہیں
مجھ سے تمام عمر اگر تم لڑے رہو

کیا جانے کس نے دی ہے نگینوں کو یہ دعا
انگشتری میں یار کی تم تو جڑے رہو

مسکیں نواز حضرتِ پیرِ مغاں ہیں شیخ
تلچھٹ اٹھاؤ خم کی برابر پڑے رہو

جو ہے امام یار تو نیت کی کیا ضرور
اس کا خیال باندھ کے چپکے کھڑے رہو

پیرِ مغاں کریم ہے خالی نہ جاؤ گے
مائل شراب خانے کے در پر پڑے رہو



ہمیں تو ساقیِ گلگوں قبا مبارک ہو
جنابِ شیخ کو عید الضحیٰ مبارک ہو

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) (۳) پشیماں ہو رہا ہوں الخ۔

(۴) یہ آساں ہے کہ ہو جائے الخ۔ یہ غایت شومیِ قسمت ہے کہ ناممکن سامان بھی میسر آجائیں مگر جس چیز کی انسان کو تمنا ہو وہ باوجود ممکن ہونے کے کبھی ناممکن نظر آئے اللہ رے شومیِ قسمت۔

(۵) طواف آکر مری تربت الخ۔ یہ شعر بے مثل اور واقعی وقوعی فرمایا۔

ہر مرغ کہ بپرد بہ تمنائے اسیری
اول بہ شگون گرد طوافِ قفسِ ما

(۶) وہی مائل تجھے کیا جوا الخ۔ ("صلائے عام" بابت ماہ جنوری ۱۹۱۳ء)

نگاہِ ناز کو شرم و حیا مبارک ہو
یہ پیچ و خم تجھے زلفِ دوتا مبارک ہو

مریضِ عشق کو کیونکر شفا مبارک ہو
کہ تیغ ہے سرِ بالیں قضا مبارک ہو

اٹھا وہ جھوم کے ابرِ سیاہ بادہ کشو
ہوئی قبول تمہاری دعا مبارک ہو

وہ اور دیں مجھے تسکین اے دلِ مضطر
ہوئی ہے عشق کی آج انتہا مبارک ہو

بڑے ہی کام میں آیا ہے خونِ قربانی
کہ عرش پر ہے لکھا جا بجا مبارک ہو

زباں پہ آتے ہی لبیک یہ صدا آئی
کہ دل میں جلوۂ نورِ خدا مبارک ہو

بہار آتے ہی گلشن میں کہہ اٹھی بلبل
جمالِ یار کو ناز و ادا مبارک ہو

ہمیں تو کام ہے رہنے سے اُسکے کوچے میں
جنابِ شیخ کو حرص و ہوا مبارک ہو

مزہ تو جب ہے دعا کا کہ لب پہ آتے ہی
درِ قبول سے آئے صدا مبارک ہو

خوشی ہو عید کی مجھ کو تو آہ کیونکر ہو
کہے وہ غیر سے جب بر ملا مبارک ہو

ہوا تو ہے یہ عنایت دعا کرو مائل
خدا کرے دلِ درد آشنا مبارک ہو



یہ جشنِ کامرانی اہلِ محفل کو مبارک ہو
ہر اک جاں کو مبارک ہو ہر اک دل کو مبارک ہو

قتیلِ ابروئے ناز و ادا کا خوں بہا کیسا
ہوئی پرسش نہ محشر میں بھی قاتل کو مبارک ہو

بہت بیتاب رہتا تھا تمنا اب تو بر آئی
ہوئے ہیں جلوہ فرما وہ مرے دل کو مبارک ہو

الٰہی جس سفینے میں مرے اغیار بیٹھے ہیں
نہ دریا کو مبارک ہو نہ ساحل کو مبارک ہو

سوار اس میں تو ہے لیلیٰ بنا ہے ساربان مجنوں
یہ ناقہ کو مبارک ہو یہ محمل کو مبارک ہو

بہار آئی بہار آئی جہاں میں شور سنتا ہوں
جنوں کا جوش ہوگا پھر سلاسل کو مبارک ہو

نہ چھوڑا مرتے مرتے بھی وفاداری کے شیوہ کو
دعا کرتا ہوں مقتل میں کہ قاتل کو مبارک ہو

مرے گھر میں بجز توبہ نہ صہبا ہے نہ ساغر ہو
بہار آئی تو مجھ کو کیا عنادل کو مبارک ہو

جلانے کو وہ میرے ہر کسی سے چھیڑ کرتے ہیں
مرا آنا نہ کیونکر اہلِ محفل کو مبارک ہو

رہی جب تک کہ صحبت پاکبازانِ محبت سے
خیال آیا تو وہ آیا کہ جو دل کو مبارک ہو

ہمیں تو چشمِ ساقی نے بنا رکھا ہے متوالا
سخن کا ساغرِ سرشار مائلؔ کو مبارک ہو



بہار میرے دلِ داغدار میں دیکھو — اور ان کے جلوۂ رخ کو بہار میں دیکھو
ابھی وہی غلط اندازیوں کے تیور ہیں — نگاہِ یار کی شوخی خمار میں دیکھو
صنم پرست مجھے کہہ رہے ہو کیا واعظ — ظہورِ جلوۂ حق روئے یار میں دیکھو
خیالِ طرۂ لیلیٰ تو قیس کو ہوگا — یہ پیچ و تاب ہے کس کے غبار میں دیکھو
کہیں مرقعِ خوبانِ روزگار کھلے — تمھیں پہ آنکھ پڑے گی ہزار میں دیکھو
دکھائیں گے تمھیں ناصح اثر محبت کا — جو آ گیا وہ مرے اختیار میں دیکھو
بلائیں اس کی سرِ بزم تم نے لیں مائلؔ
یہ کی ہے کیا حرکت اضطرار میں دیکھو



اثر غضب کے ہیں عاشق کی آہ میں دیکھو — گرا دیا ہے نہ یوسف کو چاہ میں دیکھو
نہ میرے حال کو پوچھو نہ بات کو سمجھو — تم اپنی شوخیِ رفتار راہ میں دیکھو
یقین غیر کے جھوٹے بیان کا ہے تمھیں — کبھی مجھے بھی تو حالِ تباہ میں دیکھو
بلا سے رشک کے صدمہ سے کوئی مر جائے — پڑے نہ فرق تمھارے نباہ میں دیکھو
تمھاری سنگ دلی ہم تمھیں دکھا دیں گے — جو ہو گئی کبھی تاثیر آہ میں دیکھو
جو جانتے ہو کہ جلوے کے اپنے دیکھو رنگ — تو آن کر مرے روزِ سیاہ میں دیکھو
یہ آگے آئینہ رکھ رکھ کے دیکھنا کیا ہے — ادائیں اپنی جو دیکھو تو راہ میں دیکھو
عروجِ طالعِ مائلؔ پہ ہو نہ کیونکر رشک
پڑا ہے خاک پہ وہ کس کی راہ میں دیکھو



یہی حیرت تو مجھ کو ہے کہوں کیا تم کو کیا تم ہو
نظر آتے نگاہِ دُور بیں میں جا بجا تم ہو

جمالِ رُوئے زیبا سے تو کیا حیرت فزا تم ہو
حقیقت عشق کی ہم ہیں، ہمارا ماجرا تم ہو

کہا میں نے کہ مجھ کو قتل کر ڈالو تو کہتے ہیں
نہ ایسے پُر جفا ہم ہیں نہ ایسے با وفا تم ہو

جو تم ہو پاس اچھا ہے نہیں ہو تم تو مرنا ہے
مریضِ دردِ الفت کی شفا تم ہو دوا تم ہو

ابھی تو ہے گمان ورشک عدو کی کامیابی میں
کہ اس کے ملنے جلنے پر بھی پابندِ حیا تم ہو

ہوا سے میری بچتے ہیں مری صورت سے نفرت ہے
انھیں کیونکر کہوں یارب کہ میرا مدعا تم ہو

نہ بھولوں گا کبھی میں جنبشِ مژگاں کی لذت کو
مرے دل پر جو تلوتلو بارِ خنجر آزما تم ہو

اگر باور نہیں تم کو تو میرے دل میں آ دیکھو
دعائے نیم شب تم ہو مری آہِ رسا تم ہو

مقابل آئینہ رکھ کر یہ کیا بننا سنورنا ہے
مری آنکھوں سے دیکھو تو عجب نامِ خدا تم ہو

کوئی ہشیار کر کے اہلِ دنیا سے یہ پوچھو تو
کہاں تھے اور کہاں آئے ہو اور کس سے جدا تم ہو

ابھی سے بھول جائیں ہم شبِ فرقت کے صدموں کو
ہمارے حال کے پرساں اگر روزِ جزا تم ہو

محبت کا مزہ جب ہے کہ مثلِ موجِ دریا کے
کبھی تم میں فنا ہم ہوں کبھی ہم میں فنا تم ہو

مجھے دیکھا جو آنکھیں بند جاتے راہِ الفت میں
جنابِ خضر کہہ اٹھے کہ اس کے رہنما تم ہو

سنائیں کیا حقیقت ہم کہیں کیا ماجرا تم سے
ہمارے دردِ پنہاں سے ابھی ناآشنا تم ہو

ہمارے سامنے مائل نہ لیجے زُہد و تقویٰ کی
ہمیں سب حال ہے معلوم جیسے پارسا تم ہو



سراسر جس میں گیسو کا بیاں ہو
کہاں تک مختصر وہ داستاں ہو

عجب کیا ہے اگر عشقِ بتاں ہو
خدا کا فضل ہے مائل جواں ہو

ہر اک کہتا ہے ان کو جانِ جاں ہو
جواب ہو بھی تو کس کا امتحاں ہو

نہاں ہو یا خدا جانے عیاں ہو
غرض جس رنگ میں ہو جانِ جاں ہو

نہ جلئے چارہ گر لینے کو اس کے
خدا جانے کہ وہ کافر کہاں ہو

اگر تڑپا ترا بسمل عجب کیا
زمیں مقتل کی اڑ کر آسماں ہو

جنوں میں قیس ہو لیتا ہے دیکھے
کوئی محمل کسی جانب رواں ہو

زلیخا کیوں نہ ہو رسوائے عالم
کہ جب یوسف متاعِ کارواں ہو

بتوں نے کر دیا ہے دل شکستہ
خدا کیونکر نہ ہم پر مہرباں ہو

نہ بھولونگا یہ بے مہری بتوں کی
اگر مجھ پر خدا بھی مہرباں ہو

نہیں ممکن وہ بت بگڑے تو میرا
کوئی بندہ خدا کا ہمزباں ہو

ہر اک سے ہے تمھاری خط کتابت
نہ کیونکر کوئی تم سے بدگماں ہو

چمن سے اٹھ رہا ہے کچھ دھواں سا
کہیں جلتا نہ میرا آشیاں ہو

یکایک اس طرح آئے ہو گویا
ہمارے حق میں مرگِ ناگہاں ہو

تمھارا کوچہ ہے مقتل جہاں کا
تمھیں کیونکر کہوں جانِ جہاں ہو

گرے عرشِ بریں سے اس پہ بجلی
اگر طوبیٰ پہ میرا آشیاں ہو

جہاں تم ہو فلک ہو خاکِ تو وہ — جہاں ہم ہیں زمیں بھی آسماں ہو
جو ہوتی ہے وہ ہو جاتی ہے دل پر — ہوئی ہے اور نہ الفت کا بیاں ہو
خضر بن کر چلے منزل بہ منزل — کوئی ایسا غبارِ کارواں ہو
پڑے چکر میں ہیں نام و نشاں سے — نہ ڈھونڈھیں ہم جو لے نام و نشاں ہو
وہی جانے کہ کیا ہے بھید اس میں — یہ پتلا خاک کا اور راز داں ہو
کچھ ایسا رنگ ہے بزمِ جہاں کا — عجب کیا ہے کہ کوئی میہماں ہو
کسی سے بھی نہیں ملتا مرا دل — کوئی ہو بھی تو کیسے راز داں ہو
ہمیں سمجھے نہیں رازِ محبت — ہمارا کوئی کیونکر راز داں ہو
محبت میں ہے اب یہ دل کی خواہش (ق) — مکاں ہو بھی تو شکلِ لامکاں ہو
نہ درباں کی کبھی ہو اس میں حاجت — نہ دروازہ نہ سنگِ آستاں ہو
گزر کر ہو کہیں کون و مکاں سے — زمیں پہ ہو نہ زیرِ آسماں ہو
ملیں اس سے کہ ملجا نا ہے جس سے — ہمیں ہم ہوں نہ کوئی درمیاں ہو
رہِ الفت میں یاں تک ہو سبک رو — کہ جیتے جی غبارِ کارواں ہو
نہ لیں ہرگز تمہارے مرنے والے — عنایت گر حیاتِ جاوداں ہو

خدا کی شان تو دیکھو کہ مائل
مرا سر اور درِ پیرِ مغاں ہو

○

کہیے تو دوں پتہ وہ تمھیں یاد اگر نہ ہو — یوں دیکھنا کہ جس کی مجھے بھی خبر نہ ہو
کہتے ہیں آج کوئی وہاں قتل ہو گیا — کوئی خبر تو لاؤ مرا نامہ بر نہ ہو
سنیے بتاؤں میں کہ وہ تھے شب عدو کے گھر — تا حشر اے خدا شبِ غم کی سحر نہ ہو
اتنا تو جانتے ہیں کہ دل کی کشش سے ہم — تم کو تو کھینچ لیں گے جو کچھ بھی اثر نہ ہو
وہ کیا کرے جو رحم کچھ آتا بھی ہے کبھی — کہتا ہے ناز تو تو کسی سے خبر نہ ہو
تو ہو نہ آسمان ہو اللہ رے بخت خیر — اس کا عدو کہیں بھی کوئی فتنہ گر نہ ہو

فرہاد لاکھ بار اگر جان دے تو کیا
شیریں وہ سنگ دل ہے کہ مطلق خبر نہ ہو

کہتے ہیں آکے نعش پہ یہ کیسے مر گیا
یوں پوچھتے ہیں جیسے کسی کو خبر نہ ہو

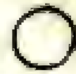
ملکِ عدم کی راہ میں اللہ ہی یار ہے
جانِ عزیز بھی تو وہاں ہم سفر نہ ہو

اے دل نہ رکھ خدا سے بھی امید حشر میں
یہ عشق ہے وہ جرم کہ کوئی ادھر نہ ہو

لائیں عدم سے ڈھونڈھ کے مضمون نئے نئے
ہم وہ نہیں کہ ہم کو خیالِ کمر نہ ہو

یہ چاہتا ہے دل کہ مری طرح فتنہ گر
عاشق کسی پہ تو بھی تو یوں ہو مگر نہ ہو

سائل تری زبان سے یہ بولتا ہے کون
ایسا ہوا فصیح کلام بشر نہ ہو



سامنے ہو تو لے اس کے نظر ہو کہ نہ ہو
بے خبر ہو تو گئے اسکو خبر ہو کہ نہ ہو

اب تو طوفان ہی دنیا میں رہے گا برپا
اشک تھمنے ہی نہیں سوزِ جگر ہو کہ نہ ہو

قتل کرتا ہے بناوٹ سے یہ کہنا ان کا
آہ کھینچو گے سہی ہم یہ اثر ہو کہ نہ ہو

ہو چکے خانہ خرابی کے تو سارے ساماں
دل میں اس شوخ ستمگار کے گھر ہو کہ نہ ہو

یہ تو ممکن ہی نہیں سوزِ دروں پھر کہنا
آگ ہو دل میں لگی دیدۂ تر ہو کہ نہ ہو

چارہ سازو کوئی تدبیر نکالو ایسی
دل کو آرام ہو وہ رشکِ قمر ہو کہ نہ ہو

اب تو ہم کوچۂ دشمن ہی میں جا پڑتے ہیں
اس ستمگار کا وہ راہ گذر ہو کہ نہ ہو

دل میں ہو آگ لگی سینہ میں ہو جوشِ تپش
چشم سے خوں نہ تھمے زخمِ جگر ہو کہ نہ ہو

لامکاں سے بھی پرے جوشِ طلب میں پہنچا
آپ کو بھی مرے مرنے کی خبر ہو کہ نہ ہو

ضد ہے ہر شخص کو مجھ سے ہی غضب تو دیکھو
اس کو سب دیکھتے ہیں ذوقِ نظر ہو کہ نہ ہو

مژدۂ قتل ہی پر جان فدا کرتا ہوں
تیغ بیداد وہاں زیبِ کمر ہو کہ نہ ہو

دلِ مضطر کے لیے یہ ڈھنگ شبِ ہجر ایسے
جان تو بچتی نہیں آج سحر ہو کہ نہ ہو

قیس و فرہاد نہوں اکم نہیں تم بھی سائل
اور دنیا میں کوئی خستہ جگر ہو کہ نہ ہو

مجھ کو شکایتِ ستمِ آسماں نہ ہو
تجھ سا عدو کے حال پہ جو مہرباں نہ ہو

دیکھیں گے کیسے روزِ قیامت ہو آشکار
جب تک فسانۂ دلِ بسمل بیاں نہ ہو

واعظ کہاں خیال ہے کیسی صدائے صور
ہنگامہ خیزِ حشر ہماری فغاں نہ ہو

ڈرتا ہوں اس سے کہتا ہوا ماجرائے دل
تاثیرِ ضبطِ آہ کہیں رائگاں نہ ہو

تجھ پر جفا و جور کی تہمت لگا ہی دوں
میری نظر کے سامنے گر آسماں نہ ہو

ملتا نہیں پتہ ہی ہمارے مزار کا
ایسا جہان میں تو کوئی بے نشاں نہ ہو

الفت ہو جب کسی سے نکلتی ہے بات وہ
جس بات کا کسی کو خیال و گماں نہ ہو

گرتی رہے گی بجلی پہ بجلی ہی دیکھنا
جب تک کہ جل کے خاک مرا آشیاں نہ ہو

جاتی رہے گی اس میں سے خوانخان کی
شیریں کی ایک شب بھی اگر داستاں نہ ہو

ایسا نہ ہو کہ اور بلا لائے آسماں
بلبل قفس میں بیٹھ کے تو گلفشاں نہ ہو

جاتے وہاں ہیں شوق میں عشاق کھل کھل
کہتے ہیں جس کو کعبہ ترا آستاں نہ ہو

عاشق ہی ہم کو آج سے اپنا نہ جاننا
برہم جو ایک آہ میں سارا جہاں نہ ہو

ہوتی عجب مزے کی ہے تقریرِ اہلِ دل
کہتے ہیں ایسی بات جو دل پر گراں نہ ہو

ناصح نہ کیجیے ترکِ محبت کی گفتگو
وہ آدمی نہیں جسے پاسِ زباں نہ ہو

مائل خدانخواستہ اپنا ہو واں گزر
جس بزم میں کہ دورِ مئے ارغواں نہ ہو



پیدا ذرا رنگِ رخ سے محبت عیاں نہ ہو
ہو دل میں درد اور لبوں پر فغاں نہ ہو

بے طرح آج ہے تری آوازِ دلخراش
اے عندلیب صبر کہ برہم جہاں نہ ہو

ملتی نہیں ہے دادِ غم و رنجِ عشق کی
جب تک کہ پاش پاش دلِ ناتواں نہ ہو

ملتا نہیں ہے منزلِ مقصود کا پتہ
جب تک کوئی غبارِ رہِ کارواں نہ ہو

واعظ اگر پیو تو پلا دوں ابھی وہ شراب
حضرت پہ میکشی کا کسی کو گماں نہ ہو

کیا کیا نہ بزمِ غیر میں جا کر ہوا ذلیل
سچ ہے کہ بے بلائے کوئی میہماں نہ ہو

کس طرح جھوٹ بولوں نکالوں میں کیسے کام
ڈرتا ہوں پاسباں سے ترا رازداں نہ ہو

کافی ہے برہمی کو جہاں کی وہ فتنہ گر
اے آہ کیا خطر ہے اگر آسماں نہ ہو

واں کام سنج ہوں کہ فرشتے نہ جا سکے
وہ آرزو ہے دل میں کہ جس کا بیاں نہ ہو

وہ دن گئے کہ دل میں تمنا تھی وصل کی
اب تو یہ آرزو ہے کہ تو مہرباں نہ ہو

کس کس کو خاک و خون میں لٹایا ہے اے خدا
مدِ نظر کسی کا اُسے امتحاں نہ ہو

واعظ تو وہ بلا ہے کہ دوزخ میں ڈال دے
گر میکشوں کو بیعتِ پیرِ مغاں نہ ہو

گلشن سے اڑ کے آئے شرارے قفس میں کیوں
جلتا کہیں چمن میں مرا آشیاں نہ ہو

کہتے ہیں جس کو طالعِ بیدار خلق میں
شکلِ بشر میں وہ ہی ترا پاسباں نہ ہو

لو اب وہائے غیر کا چھڑتا ہے تذکرہ
دیکھوں تو کیسے کوئی مرا ہمزباں نہ ہو

اس کا نہیں ہے رنج کہ وہ بت یہاں نہیں
میرا گماں جہاں ہے الٰہی وہاں نہ ہو

تسکین کیلیے دلِ رشک آفریں کو میں
واں ڈھونڈھنے چلا ہوں وہ کافر جہاں نہ ہو

کیونکر اب ان کو عشق و ہوس کا ہو امتیاز
دشمن وہ کہہ رہا ہے جو مجھ سے بیاں نہ ہو

دانستہ جا کے بیٹھے ہیں پہلو میں غیر کے
اور مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ تو بدگماں نہ ہو

میں جانتا ہوں تم کو محبت ہے غیر سے
اس میں ہی خیر ہے کہ مرا امتحاں نہ ہو

محنت سخنوروں کی جو ملتی ہے خاک میں
سائلؔ زمینِ شعر کہیں آسماں نہ ہو



جو لطفِ عیش ماہ کی تنویر میں نہ ہو
یارب وہ بادہ خوار کی تقدیر میں نہ ہو

پہنچے خدا ہی جانے جنوں میں کہاں کہاں
وحشی کا اس کے پاؤں جو زنجیر میں نہ ہو

کہتے ہیں مجھ سے لکھنے کو لکھیے ہزار خط
پر حرفِ مدعا کسی تحریر میں نہ ہو

عشاق دیکھتے ہی جو سجدے میں گر پڑے
ابرو کا اس کے خم کہیں شمشیر میں نہ ہو

ممکن نہیں کہ جا دلِ عاشق میں کر سکے
شوخی تری نگاہ کی جو تیر میں نہ ہو

یارب نہ دیجیو کسی کافر کو بھی وہ دل
الجھا جو اس کی زلف گرہ گیر میں نہ ہو

جو لطف عاشقی میں ہے رسوائیوں کے ساتھ
حاصل ہو لاکھ عزت و توقیر میں نہ ہو

ممکن نہیں کسی کے ہو دل سے لگی ہوئی
رنگِ قبول آہ کی تاثیر میں نہ ہو

دل میں کسی کی چشمِ فسوں گر کا ہے خیال
جادو بھرا ہوا مری تقریر میں نہ ہو

وہ لکھ رہے ہیں غیر کو کچھ برہمی کے ساتھ
یارب لکھا ہوا مری تقدیر میں نہ ہو

مستی میں شیخ کیسی یہ خوبی ہے دیکھ لو
تقصیر کا شمار بھی تقصیر میں نہ ہو

سنتے وہ عاشقوں کے تصور سے کہتے ہیں
جو بات مجھ میں ہے مری تصویر میں نہ ہو

وہ وصف کیجیے رخِ روشن کا کہتے ہیں
والشمس والقمر کی بھی تفسیر میں نہ ہو

واعظ خدا کے واسطے دل سا مکاں بنا
مصروف خانقاہ کی تعمیر میں نہ ہو

جاتا جو ہے اُدھر کوئی آتا ہے یہ خیال
اس کی نگاہِ ناز کی تسخیر میں نہ ہو

رکھے ہی صید گاہِ محبت میں کیوں قدم
جب تاب اس کے تیر کی نخچیر میں نہ ہو

مانا کہ دل کشی ہے مگر محو اس قدر
سائل خدا کے واسطے تصویر میں نہ ہو



وہ دل ہی کیا جو بادۂ الفت بھری نہ ہو
یہ شیشہ وہ نہیں ہے کہ جس میں پری نہ ہو

دیتا ہوں آبِ گریہ اسے ایک عمر سے
ممکن نہیں کہ شاخِ تمنا ہری نہ ہو

کام اس سے آ پڑا ہے جسے ہے ستم کو ناز
دل پھنس گیا وہاں کہ کبھی جاں بری نہ ہو

کہتے ہیں تجھ سے غیر کے پہلو میں بیٹھ کر
سب کچھ ہو روزِ حشر مگر داوری نہ ہو

گل کو ہے اس پہ فوق کہ رکھتا ہے رنگ و بو
جس میں ادائے ناز نہ ہو دلبری نہ ہو

بہتر ہے اس سے نرگسِ مستانہ باغ میں
جس آنکھ میں کرشمۂ جادوگری نہ ہو

واعظ کو ایک بات میں لے آؤں راہ پر
کم بخت میں جو عیبِ سخن پروری نہ ہو

گم کردہ راہِ عشق ہوں بس کیجیے معاف
تم سے ہوئی ہے، خضر مری رہبری نہ ہو

جانے تو ہو یہ کہہ کے جنازے پہ آئیں گے
میرا یہی نفس نفسِ آخری نہ ہو

واعظ نہ پڑ خیال میں کوثر کے اس قدر
پیرِ مغاں کی تجھ سے ہوئی ہمسری نہ ہو

مرد ہنے کو مجھے دربت خانہ کم نہیں
خانہ خراب دل میں اگر خود سری نہ ہو

ہر وقت دیکھتی ہے ادائے غرور و ناز
زلفِ دراز یار میں اور خود سری نہ ہو

وعدے کیے جو آپ نے میں جانتا ہوں خوب
وہ بات مجھ سے کہیے کہ جو سرسری نہ ہو

عادت ہے عمر بھر کی نہ آئے گی مجھ کو نیند
جب تک مری بغل میں وہ رشکِ پری نہ ہو

مائلؔ مرے کلام کے منکر ہیں وہ ہی لوگ
اعجاز کو جو کہتے ہیں جادوگری نہ ہو



کیا ہے مائلؔ جو رو ئے دیتے ہو
میرزائی ڈبوئے دیتے ہو

ایک قطرے سے اے دل و دیدہ
دونوں عالم ڈبوئے دیتے ہو

غیر کو دیکھتے ہو اور مجھ کو
دین و دنیا سے کھوئے دیتے ہو

نعش پر کیا وہ آئیں گے مائلؔ
مفت میں جان کھوئے دیتے ہو



وہ اور مضطرب مرے غم کے بیاں سے ہو
یہ تو کبھی ہوا ہے نہ سوزِ نہاں سے ہو

انسان کیوں نہ عشق میں بیزار جاں سے ہو
اپنا بیان اور نہ اپنی زباں سے ہو

اس طرح پوچھتے ہو مرے غم کا ماجرا
گویا کہ بے خبر مرے دردِ نہاں سے ہو

میری طرف سے آگ لگائی کسی نے ہے
ہے کچھ نہ کچھ تو بات جو تم بدگماں سے ہو

کم بخت چھوڑتی نہیں ناکامیاں مجھے
ڈرتا ہوں انفعال نہ کچھ امتحاں سے ہو

کوئی مجھے بتاؤ کہ میں دوں جواب کیا
کہتے ہیں مجھ سے کون ہو آئے کہاں سے ہو

لیتا ہے نام یار نہایت ادب کے ساتھ
کیوں کر نہ میرے دل میں کھٹکا زباں سے ہو

جب تک کہ میرے ساتھ ہیں ناکامیاں مری
کچھ آہ سرد سے ہو نہ آتش فشاں سے ہو

بن جائے چارہ ساز کسی دردمند کا
یہ کام تو ہوا نہ کبھی آسماں سے ہو

کیوں کہہ کے منفعل ہوں شبِ غم کی سرگذشت
ان کو ہوا یقین نہ میرے بیاں سے ہو

دشمن سے لطف پوچھ نہ اپنے خیال کا
اس کا بیاں ہو لے نہ اسکی زباں سے ہو

پہنچا دیا ہے اس دلِ بیتاب نے وہاں
عمدہ نہ نہیں سے ہو مجھے تسکین ہاں سے ہو

کہتے ہیں ڈھنگ تیرے یہی آہِ نارسا
ہو اور الفغاں مجھے آسماں سے ہو

کعبہ کو بتکدہ بھی بنایا تو کیا ہوا
بڑھ کر ہوا کبھی نہ ترے آستاں سے ہو

محفل میں تیری جائے کسی کی مجال کیا
کیسی ہی رسم و راہ ترے پاسباں سے ہو

کہدیں وہ یہ کہ صور کی آواز سے ہوا
برہم اگر جہان بھی میری فغاں سے ہو

اس عشق فتنہ خیز کے نیرنگ دیکھنا
الفت تو ایک سے ہو عداوت جہاں سے ہو

ناصح خدا کے واسطے میرے نہ پاس آ
ایسا نہ ہو کہ دور وہ وہم و گماں سے ہو

بیٹھا ہے اس کے سامنے کہنے کو اے خدا
ذلت نہ قصہ خواں کو مری داستاں سے ہو

ساقی کی ہر ادا یہی کہتی ہے میکشو
آزاد ایک جام میں دونوں جہاں سے ہو

مائلؔ حرم میں رہ کے نہ ہستی خراب کر
چل فیض یاب بیعتِ پیرِ مغاں سے ہو



کہتے ہیں جو کہیے دلِ بیتاب میں آؤ
یہ ہی نہ کہو معدنِ سیماب میں آؤ

یوں گھر میں مرے آؤ نہ تم خواب میں آؤ
ہاں بن کے تسلی دلِ بیتاب میں آؤ

جس سے ہے محبت تمھیں اس کا ہی ہو خون
مے پی کے جو گھر سے شبِ مہتاب میں آؤ

اب کہیے محبت اسے سمجھوں کہ بناوٹ
وہ لکھتے ہیں مجھ کو کہ مرے خواب میں آؤ

کہتے ہیں بگڑ کر مجھے یوسف نہ سمجھنا
میں نے جو کہا ان سے مرے خواب میں آؤ

تمکین میں پڑے فرق تو میں اس کا ہوں ضامن
تم شوق سے میرے دلِ بیتاب میں آؤ

یہ کہہ کے چمن میں وہ لیے جاتے ہیں مجھ کو
کچھ عیب نکالیں گلِ شاداب میں آؤ

کیا بحث تمھیں ذات سے تقریر میں ناصح
جلتے ہو کہاں عالمِ اسباب میں آؤ

اللہ رے اللہ تمنائے ملاقات
گھبرا کے انھیں لکھ گیا القاب میں آؤ

جینے نہیں دیتا ہے تصور ہی تمھارا
اور آگ لگا جاؤ اگر خواب میں آؤ

جب سمجھو گے ناصح مرے رونے کی حقیقت
دریائے محبت کے جو گرداب میں آؤ

رسوائی جو ہونی تھی وہ ہو ہی چکی اب تو
بے خوف و خطر تم شبِ مہتاب میں آؤ

مسجد سے تو میخانے میں واعظ رہے اچھے
منبر پہ کبھی جاؤ نہ محراب میں آؤ

ڈرتے ہو اگر ولولۂ شوق سے میرے
تنہا نہ ملو مجمع احباب میں آؤ

اب راہ نکلنے کی یہ ہے حسرت و ارماں
بن بن کے لہو دیدۂ پُر آب میں آؤ

سب دل سے نکل جائے دو عالم کی کدورت
مائل جو کبھی بزمِ مے ناب میں آؤ

○

میں نے جو کہا ان سے کہ آغوش میں آؤ
کہنے لگے کیا خوب ذرا ہوش میں آؤ

ہوش آئے تو کیونکر کہ مجھے یاد ہے آنا
کہنا وہ کسی کا کہ ذرا ہوش میں آؤ

میں نے جو کہا ان سے کہ مرتا ہوں تو بولے
باتیں کرو جینے کی ذرا ہوش میں آؤ

سیکھو تو کسی رند سے رحمت کا برسنا
میخانہ ہے واعظ نہ یہاں جوش میں آؤ

ساقی نے پلائی وہ مے حسن و محبت
ہم ہوش میں آئے ہیں تم ہوش میں آؤ

مسجد ہے یہ واعظ کوئی میخانہ نہیں ہے
مانندِ خمِ مے نہ یہاں جوش میں آؤ

چلنے لگو واعظ رہِ تسلیم و رضا پر
گر مجلسِ رندانِ بلا نوش میں آؤ

واعظ تمھیں آجائیں سب آدابِ محبت
گر خدمتِ مردانِ خطاپوش میں آؤ

یہ وقت ہے امداد کا اے جذبِ محبت
کہتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ آغوش میں آؤ

بیٹھے ہوئے کیا کرتے ہو یارو چلو ہو آئیں
اس انجمنِ وعدہ فرامو ش میں آؤ

تم بے طلب آئے نہیں تربت پہ ہماری
ہے بند ہمارے لبِ خاموش میں آؤ

مائل بے خبر بھی تمھیں کس نیند ہو سوتے
آئی ہے سحر ہونے کو اب ہوش میں آؤ

○

ردیف "ھ"

ایک اک کو قتل کرتے ہیں ہر اک ادا کے ساتھ
آئے ہیں انجمن میں وہ گویا قضا کے ساتھ

الفت دکھا رہے ہیں زمانہ کو ورنہ وہ
روئیں ہماری نعش پہ اہلِ عزا کے ساتھ

منت عدو کی بھی لئے مقصود کر چکے
بس اب رہی ہے ایک توقع خدا کے ساتھ

اک اک کے پاؤں پڑتے ہیں ہم اسکی بزم میں
جا کر سبک ہوئے دلِ حسرت فزا کے ساتھ

بس زندگی سے تنگ ہوں درماں سے چارہ گر
دے کاش مجھ کو زہر ملا کر دوا کے ساتھ

کیا چپکے چپکے دل میں ہمارے اتر گئیں
وہ نیچی نیچی ان کی نگاہیں حیا کے ساتھ

گویا کہ ایک عمر سے خواہانِ مرگ تھا
مر مر گیا ہوں وصل میں ہر اک ادا کے ساتھ

اٹھ اٹھ کے رہ گئیں مرے دل میں قیامتیں
دیکھا جو قہر سے نگہِ فتنہ زا کے ساتھ

آنے میں ناز اسے بھی ہے کیوں یار کی طرح
کس دن تھی اے قضا مجھے الفت قضا کے ساتھ

امید کیا نباہ کی اس سے کہ جس کو ہے
نفرت وفا کے ساتھ محبت جفا کے ساتھ

جادو ہے بات بات میں فتنے نگاہ میں
شوخی حیا کے ساتھ شرارت ادا کے ساتھ

ناکام شاید آئے کہ میخانے کی طرف
مائل گیا تو ہے مگر اک پارسا کے ساتھ



اچھا ہے میل جول کا رکھنا تو سب کے ساتھ
دنیا کے کاروبار ہیں چلتے سبب کے ساتھ

میں جس کو دیکھتا ہوں محبت کی آنکھ سے
وہ مجھ کو دیکھتا ہے نگاہِ غضب کے ساتھ

بچنا محال ہے دل و جاں کا وہ رکھتے ہیں
انداز سیکڑوں نگہِ جاں طلب کے ساتھ

کیونکر نہ کوئے یار کے چکر ہوں رات دن
گردش میں ہیں نصیب مرے روز و شب کے ساتھ

گر فکر دخت رز ہے تو اے پیر میکدہ !
منسوب کیجیے واعظِ عالی نسب کے ساتھ

ٹھوکر لگا کے مجھ کو وہ کہتے ہیں بزم میں
کم بخت بیٹھنا بھی نہ آیا ادب کے ساتھ

حوروں کے آنے جانے کی سُن لی کہیں خبر
آئے جو میری قبر پہ قہر و غضب کے ساتھ

واعظ ہے بیگنہ نہ گنہگار کچھ بھی ہو
جنت میں جا پڑیگا قیامت میں سب کے ساتھ

کیا جانے باغبان کو اس سے ہے لاگ کیوں
گلشن میں آتی جاتی ہے بلبل بھی سب کے ساتھ

میں خوب جانتا ہوں یہ واعظ میں جس قدر
دنیا میں اپنے دام بچھاتے ہیں ڈھب کے ساتھ

میری طرح سے آپ کا دیوانہ یہ بھی ہے
آیا ہے روزِ حشر جو شور و شغب کے ساتھ

پھر ہم سے عاشقوں کو بنائیں گے یہ شفیع
پکڑا جو ان بتوں کو خدا نے غضب کے ساتھ

اس ڈھب سے کٹ رہے ہیں تعجب کی بات ہے
جائے نہ جانِ زار جو امروز و شب کے ساتھ

تقلیدِ خاص و عام گوارا نہیں مجھے!
اٹھونگا کس طرح سے قیامت کو سب کے ساتھ

وہ خاکسار اب نہیں جو زندگی میں تھا
آتے مزار پر ہیں فرشتے ادب کے ساتھ

میں ان کو جھانک جھانک کے پہروں ہوں دیکھتا
ایسا ملا ہے روزنِ دیوار ڈھب کے ساتھ

رندانِ بادہ خوار سمجھتے ہیں کیوں حقیر
واعظ شراب خانے میں پیتا ہے سب کے ساتھ

دیوانگانِ عشق جنازے کے ساتھ ہیں
دنیا سے ہم چلے بھی تو شور و شغب کے ساتھ

اک قطرے کا سلوک بھی دریا نہ کر سکا
تیرے بغیرِ حکم کسی تشنہ لب کے ساتھ

مائل مرے کلام کو سنتے ہیں دل سے وہ
رکھتے ہیں جو مذاق زبانِ عرب کے ساتھ

○

گزری خوشی کے ساتھ کہ رنج و تعب کیساتھ
اپنی تو لو لگی ہی رہی اپنے رب کے ساتھ

دیکھا جو التفات خدا کا عرب کیساتھ
بتخانے جھک گئے سوئے کعبہ ادب کے ساتھ

جل کر ہو خاک آتشِ قہر و غضب کیساتھ
دوزخ اگر سلوک کرے بولہب کے ساتھ

کیا جانے کس نے آگ لگائی کہ اس طرح
نکلا ہے آج دل سے جو نالہ غضب کے ساتھ

ساغر کی بزمِ دہر میں قسمت عجیب ہے
گردش میں بھی گذرتی ہے عیش و طرب کے ساتھ

پھر کون مانتا یہ تری بے نیازیاں
برتاؤ ایک سے جو ترے ہوتے سب کے ساتھ

ہونا ہے کچھ تو خدمتِ پیرِ مغاں میں رہ
صدق و صفا کے ساتھ خلوص و ادب کے ساتھ

بحرِ کرم سے تیرے تجھے تو بھیجے یہ آگ
عالم ہے تشنگی کا ترے تشنہ لب کے ساتھ

کرتا ہے اس کی خاک کی تعظیم عرش بھی
طے کی ہے جس نے راہِ محبت ادب کے ساتھ

باور نہیں ہے شیخ تو مینے میں دیکھ لو
شیشہ شرابِ ناب کا ہوتا ہے لب کے ساتھ

ہوں ایک دو تو ان کا مسیحا کو رشک ہو
عالم ہے معجزوں کا ترے لعلِ لب کے ساتھ

کھٹکی بتوں کی آنکھ میں جس دم خلیل نے
ڈالی بنائے خانۂ کعبہ ادب کے ساتھ

تربت نے تجھ کو شوق سے آغوش میں لیا
دیکھا جو دل میں عشقِ زمینِ عرب کے ساتھ

واعظ اگر ہے ہوش تو پیرِ مغاں کی سن
کم بخت کھو نہ عمر کو شور و شغب کے ساتھ

دونوں جہاں میں بنتے ہیں خوشرو جہاں جہاں
دل کی ہمارے خط و کتابت ہے سب کے ساتھ

واعظ ہے بیرِ قافلہ کیونکر نہ ہوں ہم سفر
کعبہ کبھی گیا نہ کسی بے ادب کے ساتھ

بس یہ ہے کائنات ہمارے شباب کی
آیا نہ ایک سانس بھی شور و شغب کے ساتھ

کس منہ سے شیخ پیرِ مغاں کو برا کہے
برتاؤ دیکھتا ہے کریمانہ سب کے ساتھ

کعبہ کو جا رہا ہوں بڑی دھوم دھام سے
لبیک کا بھی شور ہے شور و شغب کے ساتھ

کیا جانے کیا ہے بات کہ جتنے ہیں اہلِ عشق
سنتے ہیں داستان ہی تیری ادب کے ساتھ

سمجھا جو آسماں کو سراپردہ یار کا
دیوانگی میں خاک اڑائی ادب کے ساتھ

ناسور کیسے کیسے ہیں دل میں پڑے ہوئے
کیا دیکھتے ہو زخمِ جگر کو عجب کے ساتھ

دیر و حرم نہیں ہیں یہ کوچے ہے یار کا
رکھنا قدم تو حضرتِ مائل ادب کے ساتھ

○

کیا کہیں چھوٹ گیا تیرِ نظر تیر کے ساتھ
کر تڑپتی ہے بڑی موت بھی تخجیر کے ساتھ

مہربانی ہے جو اس کی تو یہاں ہے یہ رنگ
لب سے نالہ بھی نکلتا ہے تو تاثیر کے ساتھ

قتل کرنے میں مجھے غیر کی جانب ہے لگاؤ
تیر بھی ایک لگا دیتے ہیں شمشیر کے ساتھ

آئے اور غیر کے پہلو ہی سے اٹھ کر آئے
چاہیے شوق کی تاثیر بھی تسخیر کے ساتھ

دیکھنا کیسے تجھے سینہ پہ اپنے قاتل
جو مری جان نکل جائے ترے تیر کے ساتھ

ہم زباں کیسے بھلا غیر مرا ہو جاتا
میری تقدیر بھی ہوتی مری تقریر کے ساتھ

ناتوانی سے یہ عالم ہے کہ مضموں کی طرح
خود پہنچ جاؤں گا میں اپنی ہی تحریر کے ساتھ

میں عجب کشمکشِ زندگی و موت میں ہوں
مجھے ٹھوکر بھی لگا دیتے ہیں تکبیر کے ساتھ

میری وحشت نہ سمجھنا کہیں مجنوں جیسی
ایک ویرانہ بنا ہے مری تعمیر کے ساتھ

روز کے وعدے سے جھوٹوں بھی کہاں کا قصہ
ایک دن ہو بھی رہو عاشقِ دلگیر کے ساتھ

اب ٹھکانا ہی نہیں میری پریشانی کا
پیچ قسمت میں پڑے زلفِ گرہ گیر کے ساتھ

پہلوئے غیر میں سوتے ہی رہے وہ نہ اٹھے
شورِ محشر بھی ہوا نالۂ شب گیر کے ساتھ

خواب سنتے تو ہو پر حضرتِ یوسف دیکھو
میری تقدیر نہ الٹے مری تعبیر کے ساتھ

کی مری جنبشِ پا نے جو کمی تو کیا کچھ
شورِ محشر نے دیے نالۂ شب گیر کے ساتھ

یہ محبت کا اثر ہے کہ تری محفل میں
مجھے ذلت بھی ہوئی عزت و توقیر کے ساتھ

بوالہوس جب تو مری جان پہ ہی بن جاتی
تیری تحقیر جو ہوتی مری تحقیر کے ساتھ

گالیاں غیر کی کھاتا نہ کبھی اے قاصد
تیری تقدیر بھی پھوٹی مری تقدیر کے ساتھ

ایک بھی کھل نہ سکا عقدہ مری مشکل کا
چھیڑ وحشت کی رہی ناخنِ تدبیر کے ساتھ

نقشِ لیلیٰ و مجنوں تو ملا کر دیکھا
اپنی تصویر بھی دیکھو مری تصویر کے ساتھ

اثرِ نالۂ دلدوز کو سمجھوں کیوں کر
وہ بدل جاتے ہیں ہر رنگ کی تاثیر کے ساتھ

سر کے دیتے ہیں مجھے فکر ہو کیا اے سائل
حشر ہونا ہے مرا حضرتِ شبیر کے ساتھ

○

واللہ دشمنی ہے بڑی آبرو کے ساتھ
جانا کسی کے در پہ کسی آرزو کے ساتھ

درباں کو تو کہا ہے بگڑتے ہو کس لیے
کرتے ہیں ہم تو یاد خدا کو بھی تو کے ساتھ

مسجد سے میکدہ تو ہے واعظ ملا ہوا
پیتے چلے بھی جایئے آبِ وضو کے ساتھ

جاتا ہے ساتھ نافہ کے کیا اڑا ہوا
مجنوں میں جان آ گئی لیلیٰ کی بو کے ساتھ

کعبہ خوشا در دل سے بلاتے تو آپ ہیں
رکھا بتوں کو دل میں ہے اس آرزو کے ساتھ

ساقی کی زلف و چشم کا کیجیے نہ تذکرہ
آتا ہے مجھ کو جوش مئے مشک بو کے ساتھ

اعجازِ تیغِ عشق نے قاتل دکھا دیا
گردن عدو کی کٹ گئی میرے گلو کے ساتھ

باغِ جہاں سے دور چلی جا بہار، تو
گلشن میں آرہا ہے وہ کافر عدو کے ساتھ

رحمت کو اپنے ساتھ یہ لاتا ہے جوش میں
کیوں کر رکھیں نہ رند عقیدہ سبو کے ساتھ

دستِ جنوں کا قہر گریباں سے کیا اُٹھے
تارِ نفس پہ بن گئی تارِ رفو کے ساتھ

پیرِ مغاں سے فیض نہ پائے گا شیخ تو
جب تک نہ ہوگی تجھ کو محبت سبو کے ساتھ

کعبہ تو صوف پوش ہے اُس کا تو ذکر کیا
بت خانہ جل گیا مری اللہ ہُو کے ساتھ

گھر کو مرے سُنا کے یہ کہہ کر چلے گئے
بے آبرو ہی رہتے ہیں بے آبرو کے ساتھ

کیا مفت کی ملی تھی کہ اتنی اُڑا گئے
پھینک آئے رند شیخ کو ٹوٹے سبو کے ساتھ

ناصح ہے تو بھی آتشِ غم سے پھُنکا ہوا
آتی ہے بوئے سوز تری گفتگو کے ساتھ

جو ہم پہ بن رہی ہے بلا سے بنی رہے
قول و قسم کو تم تو نبھاؤ عدو کے ساتھ

مآئل اسی سے جوش جوانی میں مانگ لو
مستانہ وار پھرتے ہو جس ماہرو کے ساتھ

○

وہ صف میں عاصیوں کی رہا آبرو کے ساتھ
پیتا رہا شراب جو آبِ وضو کے ساتھ

ہم کیوں کہیں کہ ہم کو کیا قتل بے گناہ
اُٹھے گا روزِ حشر یہ خنجر گلو کے ساتھ

روشن ضمیر آپ ہوں کیوں کر جنابِ شیخ
پیتے نہیں شراب کسی ماہرو کے ساتھ

اے دل ہے تجھ میں آگ کہاں کی بھری ہوئی
شعلے بھڑک اٹھے ہیں جو اللہ ہُو کے ساتھ

واعظ ترے نصیب میں کوثر کی ہو تو ہو
قسمت لڑی ہوئی ہے ہماری سبو کے ساتھ

اُس کا نصیب بختِ سکندر سے کم نہیں
اُٹھ جائے اس زمانہ میں جو آبرو کے ساتھ

تم لاؤ اپنے ساتھ قیامت ہی کیوں نہیں
بڑھیں گے کچھ نہ کچھ تو مروت عدو کے ساتھ

کوثر سے ہم ملائیں گے کیوں کر نہ سلسلہ
شجرہ لکھا ہے شیشہ پہ بیعت سبو کے ساتھ

مشکل نہیں ہے کام ترے دل کا پھیرنا
جب چاہیں کر دکھائیں گے ہم ایک ہُو کے ساتھ

جس کی نگاہِ گرم دو عالم کو پھونک دے
مجھ کو پڑا ہے کام اُسی شعلہ رو کے ساتھ

آساں نہیں ہے دل سے دوئی کا نکالنا
مشکل ہے کام، رکھنی محبت عدو کے ساتھ

پی کر دعا کروں کہ نماز اُس کی رد نہ ہو
واعظ کو کد ہے میکدۂ قبلہ رو کے ساتھ

انجامِ کار آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے
دل کو سنبھالتا ہی رہا گفتگو کے ساتھ

مدت ہوئی خلیفۂ پیرِ مغاں ہوئے
برسوں ہوتے گیے ہوئے جینِ سبو کے ساتھ

عبرت کا ہے مقام کہ آئل سا شیخِ وقت
جائے شراب خانے میں اک ماہرو کے ساتھ



ہم سب کی آرزو ہے تری آرزو کے ساتھ
ہم سب کی آبرو ہے تری آبرو کے ساتھ

آرائشِ بہشت تمہارا ہے نقشِ پا
آسائشِ جہاں ہے تمہاری ہی بو کے ساتھ

دانستہ میری آہ کو کرتے ہیں بے اثر
احسان کر رہے ہیں وہ کیسا عدو کے ساتھ

مستانہ بن کے چھوٹ حساب و کتاب سے
میخانہ میں گزار کُلُوا وَاشْرَبُوا کے ساتھ

ہمدرد کیسے شیخ ہیں آیا جو محتسب
کیسے لپٹ کے روئے ہیں جام و سبو کے ساتھ

پیکاں کی فکر کیا نکل آئیں گے سینکڑوں
دل کے لہو کے ساتھ جگر کے لہو کے ساتھ

ملتے ہی ہم تو نفس کے اتنا سمجھ گئے
جینا عدو کے ساتھ ہے مرنا عدو کے ساتھ

شداد تو نہیں ہوں کہ ہو کر رہوں ذلیل
دوزخ مجھے قبول مگر آبرو کے ساتھ

حلقے میں میکشوں کے تھے پگڑی بغل میں تھی
نکلے میکشوں میں شیخ بڑی آبرو کے ساتھ

آئل بھی میکدے میں ہمارے ہیں ایک چیز
ساغر کے ساتھ ہیں تو کبھی ہیں سبو کے ساتھ



دیکھا جہاں جہاں کو تری جستجو کے ساتھ
پہنچے کہاں کہاں ہیں تری آرزو کے ساتھ

کیوں کر نہ بیقرار رہوں اُس کے شوق میں
جس کو کہ دیکھتا ہے خدا آرزو کے ساتھ

عالم جہاں جہاں ہے تمہارا ہے ذکرِ خیر
مہکا چمن چمن ہے تمہاری ہی بو کے ساتھ

بھڑکا دیا ہے کس نے خدا جانے یار کو
ہوتا ہے آگ آگ مری گفتگو کے ساتھ

یہ کون آ رہا ہے کہ کہتے ہیں اہلِ حشر
عالم کی آرزو ہے تری آرزو کے ساتھ

ہوتے ہی کامیاب جو کر لیتے اے خدا
ہم اپنی جستجو بھی تری جستجو کے ساتھ

یارب یہ کس کی مرغِ سحر کو لگی ہوئی
سر پر اٹھا لیا ہے چمن تو ہی تو کے ساتھ

اس خاک کی قسم ہے بناوٹ ذرا نہیں
آیا ہوں تیرے در پہ دلی آرزو کے ساتھ

اک کُن کے ساتھ تو نے تو سب کچھ بنا دیا
عاشق بگاڑ دیں گے ترے ایک ہو کے ساتھ

کیسا ہی آفتابِ قیامت قریب ہو
سایہ میں ہم تو جائیں گے اک ابرو کے ساتھ

ہے تو اس انجمن میں مگر ہے چھپا ہوا
اتنا پتہ چلا ہے بڑی جستجو کے ساتھ

میں کیا ہوں یہ بھی ساقیِ کوثر کا ہے کرم
رہتا ہوں میکدے میں جو اس آبرو کے ساتھ

حسن و جمال تو ہی ہے حسن و جمال کا
کیوں کہیے نہ تجھ سے خدا آرزو کے ساتھ

اس دستِ نازنیں سے ہوئے قتل سینکڑوں
خنجر مرے گلے پہ چلا آرزو کے ساتھ

بازارِ مغفرت کا ہوا گرم اس قدر
دستارِ شیخ بک گئی جام و سبو کے ساتھ

محشر میں عاصیوں نے یہ اچھا دیا جواب
دوزخ میں بھیج آیۂ لاتقنطوا کے ساتھ

مائل کو اپنے در پہ رکھو یا بہشت میں
محشر ہوا تمام اسی گفتگو کے ساتھ

○

جہاں میں وہ کرے گا انقلاب آہستہ آہستہ
کہ ہے گردش میں چشمِ نیم خواب آہستہ آہستہ

چمن پر چھا رہا ہے جو سحاب آہستہ آہستہ
نہ پیتا ہو کوئی گلرو شراب آہستہ آہستہ

پیوں کیوں کر نہ اے ساقی شراب آہستہ آہستہ
کہ آتا ہے وہ سرمستِ شباب آہستہ آہستہ

کھلیں گے جوہرِ حسن و شباب آہستہ آہستہ
اٹھے گا پردۂ شرم و حجاب آہستہ آہستہ

ترشحِ ابرِ رحمت کی رہے کیوں کر نہ تربت پر
پیا کرتے تھے ہم اکثر شراب آہستہ آہستہ

خدا جانے صلاحِ قتل کس کی ہے کہ دشمن سے
وہ باتیں کر رہے ہیں پُر عتاب آہستہ آہستہ

ثبات اتنا بھی دنیا کو کہاں ملتا نہ آتا گر
کوئی سرمایۂ حسن و شباب آہستہ آہستہ

یہ حالت تھی شبِ غم ہی کہ گھٹتے زور سے برسی
کہا جتنا کہ اے چشمِ پُر آب آہستہ آہستہ

نگاہیں بے محابا پڑ رہی ہیں دست و بازو پر
نہ خنجر پھیر، رشکِ آفتاب آہستہ آہستہ

ملا کرتا ہے رتبہ رفتہ رفتہ خاک ہی ہو کر
کھلا کرتی ہے شانِ بوتراب آہستہ آہستہ

درازی روزِ محشر کی بڑھائی اور جا پہنچی
سنائی گر مری فردِ حساب آہستہ آہستہ

کچھ ایسا محو لطفِ ناامیدی ہوں کہ دانستہ
دعا کرتا ہوں وقتِ اضطراب آہستہ آہستہ

نہ کوہِ طور ہی جلتا نہ موسیٰ ہی کو غش آتا
اُلٹتا گر وہ جانِ جاں نقاب آہستہ آہستہ

ترے کہنے سے کیونکر بے تامل چھوڑ دوں واعظ
حرام اللہ نے کی ہے شراب آہستہ آہستہ

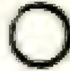
گزک کا لطف کیا جانے یہ اک دو گھونٹ پی کر
اڑا جائے گا واعظ سب کباب آہستہ آہستہ

رکھا ہے ہاتھ سینے پر تو تھوڑی دیر تو رکھو
کہ ٹھہرے گا دلِ پر اضطراب آہستہ آہستہ

تفاوت ہے تو اتنا ہے فلک میں اور اس بت میں
کیا کرتا ہے وہ مٹی خراب آہستہ آہستہ

چلوں کیونکر نہ قاصد سے کہ مجھ سے آکے کہتا ہے
مجھے ٹھہرا کے لکھا ہے جواب آہستہ آہستہ

خدا جانے کہ کیا ہے رمز اس میں حضرتِ مائل
جو پچھلی شب کو پیتے ہیں شراب آہستہ آہستہ



نہ کیوں جائے مرا صبر و قرار آہستہ آہستہ
نگاہیں ہو رہی ہیں دل کے پار آہستہ آہستہ

کہاں تک آئے گا اے گلعذار آہستہ آہستہ
چمن پر چھا گیا ابرِ بہار آہستہ آہستہ

جنازہ لے چلیں کیوں کر نہ یار آہستہ آہستہ
کہ نکلی ہے بدن سے جانِ زار آہستہ آہستہ

کبھی دل کو کبھی جاں کو کبھی دیں کو غرض جو تھا
کیا نذرِ نگاہِ شرمسار آہستہ آہستہ

نکل جاتی ہے جانِ اہلِ غیرت ایک دم بھر میں
نکلتا ہے مگر دل کا غبار آہستہ آہستہ

خدا جانے کہ ڈر کس کا ہے کافر یہ مسلماں کو
کہا کرتی ہے اکثر زلفِ یار آہستہ آہستہ

ترے کوچے میں مر جانا مرے کام آ گیا آخر
کہ جا لیتا ہے دامن سے غبار آہستہ آہستہ

قدم جتنے جو دیتا رشکِ دشمن کوئے جاناں میں
بنا لیتے وہیں اپنا مزار آہستہ آہستہ

قیامت اور نہ ہو ہر گام پر برپا نہیں ممکن
چلے وہ فتنۂ عالم ہزار آہستہ آہستہ

مزار آہستہ آہستہ، کیا کیا کچھ

صدائے شورِ محشر جو مرے آتی ہے کانوں میں
کوئی آتا نہ ہو سوئے مزار آہستہ آہستہ

کہا میں نے عدو سے خط کتابت کیوں تو کہتے ہیں
کرو تُٹیں گے سبھی قول و قرار آہستہ آہستہ

ادب آموز ہیں دیوار و در سب کوئے جاناں کے
چلے کیوں کر نہ واں بادِ بہار آہستہ آہستہ

جنوں میں ناتوانی کا بھی ہونا اک قیامت ہے
گریباں کو کیا ہے تار تار آہستہ آہستہ

مزے لینے واعظ سے نہیں پیا بڑھاتا ہوں
امیدِ رحمتِ پروردگار آہستہ آہستہ

عجب اک لطف آتا ہے کسی سے چھپ کے ملنے میں
کبھی باتیں کبھی بوس و کنار آہستہ آہستہ

کیا کرتے ہو کیا افسوس مائل حال پر اپنے
یہ مٹ جائیں گے سب نقش و نگار آہستہ آہستہ



بھلا ہم بھولتے کس کس کو رکھتے یاد کیا کیا کچھ
خدا جانے کہ الفت میں ہوا برباد کیا کیا کچھ

دلِ غمگیں بس اتنی بات پر ہے شاد کیا کیا کچھ
کہ تو وہ ہے کیا اک حرف میں ایجاد کیا کیا کچھ

ابھی تو سر کے بل لایا ہے کافر بزمِ دشمن میں
خدا جانے دکھائے گا دلِ ناشاد کیا کیا کچھ

نظر آنے لگے باغِ ارم بن کر تجھے زاہد
دکھاتی ہے تماشے حسرتِ شداد کیا کیا کچھ

نہ کیوں کر ناز ہو صبر و تحمل پر مجھے اپنے
کیے ہیں ظلم تو نے چرخِ بے بنیاد کیا کیا کچھ

نہ پوچھو کوہکن کی لاش پر شیریں جو آ نکلی
بیاں کر کر کے روئی حسرتِ فرہاد کیا کیا کچھ

خیالِ ہستیِ موہوم و وہمِ غیر و خود بینی
مٹاتی رہتی ہے دل سے کسی کی یاد کیا کیا کچھ

صنم خانہ سے لیکر کعبہ و دل کر دیئے روشن
کسی کے ایک جلوے نے کیا آباد کیا کیا کچھ

اداؤں سے نگاہوں سے کرشموں سے تبسم سے
سکھاتی ہے مرے دل کو تری بیداد کیا کیا کچھ

ادا و ناز و انداز و کرشمہ ہے سراپا تو
بنائے گا تری تصویر میں بہزاد کیا کیا کچھ

گلہ کرنے لگے تم ایک شب کی نیند اڑنے پر
ابھی تو رنگ لائے گی مری فریاد کیا کیا کچھ

مرا سینہ ہے اک گنجینۂ علمِ سخن مائل
خدا جانے کہ اس میں بھر گئے استاد کیا کیا کچھ



تیشہ کا لطف عاشقِ شیریں کے سر سے پوچھ / مژگاں کی جو خلش ہے ہمارے جگر سے پوچھ

کیا پوچھتا ہے مجھ سے کہ آتا ہے کیسے دل / اس بات کو تو اپنی ہی طرزِ نظر سے پوچھ

تیرِ نظر کو غیر سے کیا پوچھتا ہے تو / دل سے ہمارے پوچھ ہماری نظر سے پوچھ

آثار تیرگی کے ابھی تک نمود ہیں / ظلمت شبِ فراق کی رنگِ سحر سے پوچھ

گم گشتگانِ عشق کا مجھ سے نہ پوچھ حال / اپنے دہن سے پوچھ کہ اپنی کمر سے پوچھ

مجھ سے نہ سُن حقیقتِ جان و جگر نہ سن / اپنی مژہ سے پوچھ کہ اپنی نظر سے پوچھ

ہنسنے کا لطف سُن تو کسی بوالہوس سے سُن / رونے میں جو مزہ ہے مری چشمِ تر سے پوچھ

واقف ہی کچھ نہیں ہیں تری انجمن کے لوگ / تو رازِ حسن و عشق کسی بے خبر سے پوچھ

واعظ مٹا ہوا ہے عبث تو بہشت پر / اُس کوچہ کی فضا تو مرے نامہ بر سے پوچھ

آئے ہیں تیرے در پہ خدائی کو چھوڑ کر / کیفیت اپنے حسن کی اہلِ نظر سے پوچھ

اے عندلیب کیا ہیں نواسنجیاں تری
لطفِ بہارِ مائلِ آشفتہ سر سے پوچھ



مریدِ خاص لکھیں جب جنابِ پیرِ میخانہ / دکھائے کیوں نہ واعظ فخر سے تحریرِ میخانہ

ہوئے ہو آن مائل صاحبِ تدبیرِ میخانہ / کہا ساقی نے خوش ہو کر زہے تقدیرِ میخانہ

گرے سجدے میں جو رو کر جنابِ پیرِ میخانہ / غریقِ بحرِ رحمت ہو گئی تقصیرِ میخانہ

خدا جانے کہ سمجھے کیا جنابِ پیرِ میخانہ / بنایا شیخ کو جو صاحبِ تدبیرِ میخانہ

نمایاں روئے واعظ سے جو ہے تنویرِ میخانہ / کہیں یہ گھول کر پیتا نہ ہو تصویرِ میخانہ

تجھے سودا ہے کیا واعظ ملا کر دیکھتا کیا ہے / کہاں کعبہ کا نقشہ اور کہاں تصویرِ میخانہ

دعائے خیر مانگیں زاہدانِ شہر سے کہہ دو / بگڑ بیٹھے ہیں اک دم سے جوان و پیرِ میخانہ

نگاہِ مستِ ساقی کے یہاں تک تیر کھائے ہیں / کہ میرے مرغِ دل کو کہتے ہیں نخچیرِ میخانہ

زمیں ملتی نہیں مسجد کہاں جا کر بناؤں میں / یہاں تک رفتہ رفتہ ہو گئی تعمیرِ میخانہ

دعا کرتا ہے واعظ بوسہ دے کر اُس کے حلقہ کو / رہے آباد یارب خانۂ زنجیرِ میخانہ

مرنی توبہ کا ہے مجھ کو اگر اچھا ہی کرنا ہے
گلے میں ڈال دو یارو مرے تصویرِ میخانہ

خیالِ ابروئے ساقی ہمیشہ دل میں رہتا ہے
زباں کیوں کر نہ ہو اپنی بھلا شمشیرِ میخانہ

تمام عمر سر پٹکا بہت بہزاد و مانی نے
نہ آئی پر نہ آئی کھنچی تصویرِ میخانہ

یہ بھڑکی آگ زاہد کی کہ انگاروں پہ لوٹا ہے
ہوئی ثابت نہ روزِ حشر جو تقصیرِ میخانہ

وہ غنچوں کو کھلاتی ہے یہ دل کو شاد کرتی ہے
کہاں تاثیرِ فصلِ گل کہاں تاثیرِ میخانہ

جنابِ پیرِ میخانہ نے جشنِ عید فرما کر
خطاب ابروئے ساقی کو دیا شمشیرِ میخانہ

ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہ رحمت کس پہ ہوتی ہے
اُدھر ہے پردۂ کعبہ اِدھر زنجیرِ میخانہ

پتہ گورِ غریباں میں یہ ہے مائل کی تربت کا
اِدھر نقشہ ہے کعبہ کا اُدھر تصویرِ میخانہ



الٰہی پھر گئی کیوں یک بیک تقدیرِ میخانہ
کہ حج کرنے کو جاتے ہیں جنابِ پیرِ میخانہ

لگا آیا کوئی میخوار کیا تصویرِ میخانہ
نظر آئی جو بامِ عرش پر تنویرِ میخانہ

فلک پر شور ہوتا ہے وہ آیا پیرِ میخانہ
دعا کرتے ہیں جب پی کر جنابِ پیرِ میخانہ

شرابِ ناب میں شامل کیا ہے ابرِ رحمت کو
رہے زندہ صدوں سال یا رب پیرِ میخانہ

کسی نے سچ کہا ہے یہ کہ خدمت ہی سے عظمت ہے
لقب واعظ کا رندوں میں ہوا ہے پیرِ میخانہ

نکل سکتے نہ حجرے سے کبھی بھی حضرتِ یوسف
زلیخا گر لگا دیتی کہیں تصویرِ میخانہ

کہا کرتی ہے یہ زاہد سے رو کر خانقہ ہر شب
دعا کیجے کہ مل جائے مجھے تقدیرِ میخانہ

نہ ہوتی دیر اتنی بھی درِ رحمت کے کھلنے میں
مری تربت پہ رکھ دیتے اگر تصویرِ میخانہ

نمازی سب صبوحی کو چلے آتے ہیں ڈرتا ہوں
قیامت کو نہ ہو مسجد گریباں گیرِ میخانہ

طفیلِ ساقیِ کوثر مراد اپنی تو بر آئی
بہار آنے سے پہلے ہو گئی تعمیرِ میخانہ

دعا کرتے ہیں اس ڈھب سے کہ وہ مقبول ہوتی ہے
خدا کو محو کر لیتے ہیں خوش تقریرِ میخانہ

کہا کرتے ہیں وہ دل میں یہاں اک شور رہتا ہے
کہاں تکبیرِ مسجد کی کہاں تکبیرِ میخانہ

قلم سے پہلے یہ نکلا ہمیشہ تھی یہ رحمت ہو
لکھی جب کاتبِ تقدیر نے تقدیرِ میخانہ

صبوحی کرکے پڑھتے ہیں نمازیں عرشِ اعظم پر
یہ ناپاک آلودہ سمجھے ہیں جو بے توقیرِ میخانہ

انا الحق شیخ کہتا اور کہنا بھی سرِ منبر
سنبھال اُس کی نہ رکھتے گر جنابِ پیرِ میخانہ

کریموں کا وہ مرجع ہے خطا پوشوں کا مجمع ہے
خدا کو مان اے زاہد نہ کر تحقیرِ میخانہ

مے کوثر عوض پانی کے اُٹھے پاؤں زمزم سے
بنا دیں خانۂ کعبہ بتیں گر تصویرِ میخانہ

چھلکتا جام دیدینا یہ ہے انعام ساقی کو
ذرا تیور بدل لینا یہ ہے تعزیرِ میخانہ

شرابِ ناب تو کیسی ہوا میں مست ہوش آئے
پلا دو محتسب کے زاہد کو اگر زنجیرِ میخانہ

جنابِ میرزا سائل ہیں کوئی وصف ایسا ہے
بزرگ اپنا سمجھتے ہیں جو اُن کو پیرِ میخانہ



جب تری تصویر ہو تصویرِ پشتِ آئینہ
کیوں نہ ہو جیتا بہ مہ توقیرِ پشتِ آئینہ

اُف رے سوزِ رشک دستِ برق وش تیرا تھا
دیکھ کر جل ہی گیا تنویرِ پشتِ آئینہ

(ق)
خواب میں بھی رہتی ہے سینہ پہ اُس کے ہو بہو
غیر کی تصویر بھی تصویرِ پشتِ آئینہ

یوں ہی وہ خورشید رو میرا بھی دل میں بانٹ لے
دیکھ لوں کیوں کر خدا تسخیرِ پشتِ آئینہ

چشم سے دریا ہے جاری اب یہ جنبش تک نہیں
بن گیا ہوں صورتِ تصویرِ پشتِ آئینہ

واں تو وہ دستِ نگاری میں ہے اور میں دور سے
جل رہا ہوں دیکھ کر تقدیرِ پشتِ آئینہ

التماسِ قتل پر عذرِ خود آرائی رہا
حشر میں تم ہو گے دامن گیرِ پشتِ آئینہ

دستِ رنگیں میں ہے اُس کے وہ اور اس ناز سے
بوالہوس بھی ہو گیا نخچیرِ پشتِ آئینہ

جلوۂ رخ بے نقاب آئینہ کی صورت بنی
اور ہیں ابرو ترے شمشیرِ پشتِ آئینہ

ہائے کس عیسیٰ نفس کا دست پرور ہو گیا
عالمِ بالا پہ ہے توقیرِ پشتِ آئینہ

عکس اپنا دیکھ کر لیں گے وہ بوسہ ترا
مر گیا میں پڑھتے ہی تقدیرِ پشتِ آئینہ

رکھ لیا آئینہ رخ پر میں نے جب جل کر کہا
تم نہ ہو گے جو ہوئی توقیرِ پشتِ آئینہ

جانتا ہوں مسکرا کر دیکھئے جو کس لیے
آپ نے پڑھ دی مری تحریرِ پشتِ آئینہ

دیکھتا ہوں جب تمھیں حیراں سے ہو جیسے پڑے
ہو گئی تم میں بھی کیا تاثیرِ پشتِ آئینہ

کچھ تو ہے حیرت سے کیوں آنکھوں میں آنسو تھم رہے
بن گئی تیغِ نظر شمشیرِ پشتِ آئینہ

شوقِ خود بینی دکھا کر پہنچی دستِ یار میں
مانتا ہوں دل سے میں تدبیرِ پشتِ آئینہ

گاہ زانو سے ہے چپکا گاہ دستِ ناز میں
ہے سکندر سے سوا تقدیرِ پشتِ آئینہ

ہم سخن برسوں رہے اپنے دلِ حیراں سے ہم
سیکھ لے ہم سے کوئی تقریرِ پشتِ آئینہ

سائلؔ اعجازِ سخن حیرت فزا جب ہے کہاں
جبذا سن کر کہہ اٹھے تصویرِ پشتِ آئینہ



ہیں شرم سے چپ ورنہ ابھی کیا نہ کریں وہ
وہ کون سے فتنے ہیں کہ برپا نہ کریں وہ

دیکھا ہے انھیں غیر سے ملتے ہوئے سو بار
بس اب تو نظر ہم سے ملایا نہ کریں وہ

غمگیں ہوئے اعدا مجھے اس ظلم سے مارا
ڈرتا ہوں کہ خوں کا مرے دعویٰ نہ کریں وہ

چھپتے ہیں تو پردہ نہ کسی حال میں چھوڑیں
منھ خواب میں بھی آکے دکھایا نہ کریں وہ

انداز مجرے ہیں مرے نالوں کے شبِ ہجر
ڈرتا ہوں قیامت کہیں برپا نہ کریں وہ

انجام مرے صبر و تحمل کا برا ہے
اب غیر سے ملنے کی تمنا نہ کریں وہ

اس میں بھی ہے اک صورتِ بربادیِ عاشق
آشفتگیِ زلف کی پروا نہ کریں وہ

اچھا نہیں ایسا اثر اے نالۂ گستاخ
بیساختہ گھر سے نکل آیا نہ کریں وہ

سائلؔ مجھے ہے ولولۂ صبر و تحمل
اچھا ہے کہ پاسِ دلِ شیدا نہ کریں وہ

ردیف "ی"

(یائے معروف)

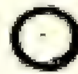
مجھ سے کہنا وفا نہیں آتی
شرم اے کج ادا نہیں آتی

کیا کچھ آتا نہیں مگر اُن کو
دردِ دل کی دوا نہیں آتی

آسماں منفعل ہے اور ہنوز
اُس کو طرزِ جفا نہیں آتی

وصل کی رات اور یہ خاموشی — بات کرتی کبھی کیا نہیں آتی
امتحاں ہو کبھی تو اُس کا بھی — کیا عدو کو وفا نہیں آتی
لو سنو لوگ تم کو کہتے ہیں — طرز کچھ دل ربا نہیں آتی
واں ہو اسر ہیں اور ہی کچھ ہے — یاں ہمیں التجا نہیں آتی
شب اول ہے ہجر کی دیکھیں — موت آتی ہے یا نہیں آتی
بے وفا پھر کسی کو کیا کہیے — جب اجل اے خدا نہیں آتی
ہم بھی صدمے اُٹھاتے جائیں گے — دیکھیں کب تک قضا نہیں آتی
ناامیدی یہ چھا گئی دل پہ — کہ زباں تک دعا نہیں آتی

دعویٰ عشق اور خواہشِ مرگ
تجھ کو مائل حیا نہیں آتی



بتوں کی جو کچھ دن خدائی نہ ہوتی — تو کعبہ نے یہ شان پائی نہ ہوتی
خدا کی بھی ظاہر خدائی نہ ہوتی — اگر حسن میں خود نمائی نہ ہوتی
مسیحا کی معجزہ نمائی نہ ہوتی — اگر بندگی میں خدائی نہ ہوتی
جو دل میں تمہارے بُرائی نہ ہوتی — جدا ہو تو جاتے جدائی نہ ہوتی
نہ ہوتا کہیں درد و غم کا ٹھکانہ — اگر میرے دل میں سمائی نہ ہوتی
عبادت میں آتی جو کیفیت اُس کو — کبھی شیخ میں پارسائی نہ ہوتی
کبھی جان دیتا نہ پروانہ جل کر — اگر آگ تو نے لگائی نہ ہوتی
نکلتے حرم سے تو دل میں ہی رہتے — بتوں میں اگر بے وفائی نہ ہوتی
تصور میں نکلی نخی زلفِ رسا کے — مری آہ میں اور رسائی نہ ہوتی
قدم رکھتے ڈرتے ہیں راہِ فنا میں — خضر سے کبھی رہنمائی نہ ہوتی
کوئی لالہ رو دل میں واعظ نہ ہوتا — تو رکنِ مقدس صفائی نہ ہوتی

حقیقت میں مائلؔ دکھائے وہ جلوے
اگر وہ نہ ہوتا خدائی نہ ہوتی

○

سب دل کی لگی تو نے محشر میں عیاں کردی
اے شمع تری کس نے یہ شعلہ زباں کردی

سر سجدے میں رکھتے ہی یہ کام کیا ہم نے
جو اپنی حقیقت تھی سب اُس پہ عیاں کردی

کعبہ میں پریشاں ہے بت خانے میں حیراں ہے
کیا دل کی مرے حالت اے عشق نہاں کردی

دیکھا جو مجھے آتے بازارِ محبت میں
اک ایک نگہ اُس نے قیمت میں گراں کردی

اب اُن کو مزا آیا جلنے کا جلانے کا
ہر آہ مری دل نے جب شعلہ فشاں کردی

اب مجھ سے نہ پوچھو تم کیا تجھ پہ گزرتی ہے
جو مجھ پہ گزرتی ہے صورت نے عیاں کردی

جب حشر کیا برپا دنیا کو مٹا ڈالا
اک شان عیاں کردی اک شان نہاں کردی

جس نے کہ کھلا رکھا دروازۂ توبہ کو
اے بادہ فروش ایسی کیوں بند دکاں کردی

وعدہ تو قیامت کا ایفا تجھے کرنا تھا
بدنام دو عالم میں کیوں میری فغاں کردی

دربانوں میں اپنا وہ سب کام بنا لائے
جس کو کہ عطا تو نے تاثیرِ بیاں کردی

کیوں اتنے بگڑتے ہو اک غیر کی محفل پہ
برہم مرے نالوں نے کیا بزمِ جہاں کردی

ڈرتا ہوں مقدر سے کچھ رنگ نہ لے آئے
موقع پہ نہیں گرچہ اُس شوخ نے ہاں کردی

عشاق زیارت کو آئیں تو کہاں آئیں
تربت تو مری اُس نے بے نام و نشاں کردی

دریائے محبت سے میرے ہی نکالی ہے
وہ نہر جو جنت میں کہتے ہیں رواں کردی

ہوتے وہ یہ کہنا ہے اس کا تو خدا حافظ
حالت مری کیوں ایسی اے جانِ جہاں کردی

میخانے میں بھول آیا یا راہ میں پھینک آیا
مستی میں خدا جانے گم عقل کہاں کردی

جو کچھ ہے تجھے کرنا وہ لطف کرم کردے
مائلؔ نے بہت خدمت اے پیرِ مغاں کردی

○

لوگ سمجھے ہے پرستی چھوڑ دی
شیخ نے تو فاقہ مستی چھوڑ دی

ہوش ایسے اُڑ گئے منصور کے
حق سمجھ کر حق پرستی چھوڑ دی

رونقِ میخانہ آدھی رہ گئی
شیخ نے جو فاقہ مستی چھوڑ دی

سب متاعِ حسن لوٹی غیر نے
کس لیے آنکھوں میں مستی چھوڑ دی

خاک میں ملنے کو تیری راہ میں
نیستی میں آئے ہستی چھوڑ دی

عظمتِ عمامہ واعظ اب کہاں
کیا سمجھ کر خم پرستی چھوڑ دی

اب ترا دامن ہے اور میرا غبار
سب بلندی اور پستی چھوڑ دی

کیوں نہ بھر دیں مجھ کو اچھی مے فروش
جو ملی قیمت میں سستی چھوڑ دی

اب کہاں شانِ بزرگی شیخ کی
مُغ بچوں کی سرپرستی چھوڑ دی

ہو گئے ہم تو مسلماں ہو گئے
چھوڑ دی ہاں مے پرستی چھوڑ دی

ہوتے ہوتے ہو گئے انساں ہم
رفتہ رفتہ خود پرستی چھوڑ دی

ایک ہم ہیں چھوڑ بیٹھے اتقا
ایک وہ ہیں مے پرستی چھوڑ دی

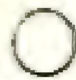
جب نظر اس کی حقیقت پر پڑی
عاشقوں نے بت پرستی چھوڑ دی

وقتِ توبہ یہ گنہ کیا ہوا
اک گھٹا ہم نے برستی چھوڑ دی

جب یہ سمجھے وہ ہی وہ ہے کارساز
ہم نے فکرِ تنگ دستی چھوڑ دی

جب دلِ مجنوں ادھر کو کھنچ گیا
کوچۂ لیلیٰ کی بستی چھوڑ دی

جب یہ سمجھے بندہ پرور اور ہے
ہم نے آتل بت پرستی چھوڑ دی



مجنوں سے کہاں کہتا محمل کی وفاداری
پردے میں سُناتا ہے سب دل کی وفاداری

کھینچے ہوئے خنجر کو کس ڈھب سے وہ بیٹھا تھا
سینے سے مرے پوچھو قاتل کی وفاداری

اغیار کو مقتل میں کیوں آپ بلاتے ہیں
کیا بھول گئے اپنے بسمل کی وفاداری

طوفان کے آتے ہی دامن میں لیا اس نے
بھولوں گا نہ ہرگز میں ساحل کی وفاداری

شامل اسے پایا ہے ہر کام میں عاشق کے
لکھنے ہی کے قابل ہے مشکل کی وفاداری

اک قطرہ دیا ہے کا رحمت کی دعا پائی — ہے نقش مرے دل پر سائل کی وفاداری
ہر ایک مسافر کو دیتی ہے جگہ دل میں — غربت میں کھلی ہم پر منزل کی وفاداری
کہتے ہیں بناوٹ ہے جب اُن کو سناتا ہے — دل میری وفاداری میں دل کی وفاداری

محراب حرم پر اک کتبہ تھا لکھا دیکھا
عنوان یہ اس کا تھا مائل کی وفاداری



وہ کہتے ہیں مجھ سے کہانی تمہاری — سنیں گے کسی دن زبانی تمہاری
شب غم کے شکووں کو سن کر وہ بولے — یونہی کٹ گئی زندگانی تمہاری
تصور سے میرے نہ بڑھ کر کھنچے گی — جو کھینچے بھی تصویر مانی تمہاری
بسر میکدے ہی میں اے خضر کرتا — جو ملتی مجھے زندگانی تمہاری
ستم پر ستم ہیں انھیں پر تمہارے — کبھی جن پہ تھی مہربانی تمہاری
ستم میں وہ کیا تم سے بڑھ کر چلے گا — فلک کی ہے پیری جوانی تمہاری
زر و مال پر اہلِ دولت نہ بھولو — نہ ہوگی یہ دنیائے فانی تمہاری
مٹایا مرے دل سے رشکِ عدو کو — غضب کی ہے جادو بیانی تمہاری
جب آغوش میں اُن کو کھینچا تو بولے — گئی اب کہاں ناتوانی تمہاری
دم قتل کہتا ہے مجھ سے وہ کافر — یہ خنجر ہے اور سخت جانی تمہاری
کئے بیٹھے ہو سوگ مرگِ عدو کا — قبا کہتی ہے آسمانی تمہاری
کہا میں نے جب اُن سے مرتا ہوں تم پر — تو بولے کہ بس مہربانی تمہاری
ہوا کارگر دل پہ افسوں کسی کا — کہے دیتی ہے لن ترانی تمہاری
نہیں رکھتے ہیں تاب جلوے کی موسیٰ — کہے دیتی ہے لن ترانی تمہاری
نہ انگشتری ہے نہ چھلا ہے کوئی — فقط داغِ دل ہے نشانی تمہاری
نہ بے صرفہ ہے ذوقِ تکرار موسیٰ — نہ بے وجہ ہے لن ترانی تمہاری

ہمیں یاد ہے سبزہ رنگوں میں مائلؔ
وہ پینی مئے ارغوانی تمھاری



کافری کرتی ہے دربانی مری
بے خدائی یا خدادانی مری

کہہ رہی ہے شانِ ایمانی مری
بُت کدے میں ہوگی قربانی مری

موت کو سونپی نگہبانی مری
زندگی کو کر دیا فانی مری

اللہ اللہ مرگ سامانی مری
ہر بلا کرتی ہے مہمانی مری

صحنِ بُت خانہ سے آگے کیا بڑھوں
ایک حد تک ہے خدادانی مری

دیکھتا ہوں ساحلِ مقصود پر
جو دعا ہوتی ہے طوفانی مری

خوف طاری جب ہوا رونے لگا
اس قدر ہے بس خدادانی مری

بحرِ ذخّارِ الم میں اے خدا
زندگی کشتی ہے طوفانی مری

رندِ مے کش ساقیِ کوثر کا ہوں
ہے نگاہِ مست عرفانی مری

اک زمانہ کہہ اُٹھا کافر مجھے
اللہ اللہ شانِ ایمانی مری

کہہ رہا ہے قطرہ قطرہ اشک کا
کم نہ ہوگی اب تو طغیانی مری

قتل کو دو چار خنجر لائیے
رنگ لائے گی گراں جانی مری

جب صنم خانے سے منھ کالا کیا
کھل گئی شانِ مسلمانی مری

مٹ گئی منھ دیکھتے ہی دیکھتے
خواب تھی گویا پریشانی مری

فصلِ گُل کو کہہ اٹھا رخسارِ یار
یہ تو ہے مشہور دیوانی مری

یہ جو اک حسرت کدہ سینے میں ہے
ہے اُسی کا کتبہ پیشانی مری

کس نے دیکھا اُن کی بزمِ ناز میں
کس نے دیکھی سیرِ روحانی مری

آگ جو لگی تھی دل میں لگ گئی
اب بجھائے پیاس کیا پانی مری

ہر ادا ہے کہہ رہا ہے ہوشیار
ہر نظر اُس نے جو پہچانی مری

کم ہے کم دونا تو روزِ حشر ہو
داستانِ غم ہے طولانی مری

ضبط دیکھو قیس کا کہتا نہیں ہو گئی لیلیٰ بھی دیوانی مری
کاتبِ تقدیر یہ کیا لکھ دیا اک ذرا سی ہے یہ پیشانی مری
شعر ہیں یا ناوکِ دل دوز ہیں مرثیہ ہے یا غزل خوانی مری
لیتے آنا ساغرِ ماتل اگر ملے
میکدے میں پاک دامانی مری



واقفِ رمزِ خدادانی مری بت کدہ ہے یا ہے پیشانی مری
کیا نہ جانیں گے وہ حیرانی مری کیا نہ سمجھیں گے پریشانی مری
اپنی اپنی داد کے طالب رہے آپ کا خنجر گراں جانی مری
میں تو کیا ہوں رہ گذارِ عشق میں ہو گئی کافر مسلمانی مری
جب ہوئی رسوائی رکھی رہ گئی آپ کی دانائی نادانی مری
حیلہ جو اُس کے کرم کو دیکھ کر لے اُڑے عادی پشیمانی مری
وائے قسمت کہتے کہتے رک گئے یہ کریں گے خوب دربانی مری
بے رقابت زاہدوں سے خلد میں سب کی سب حوریں ہیں دیوانی مری
جانتا ہوں عشق کی افتاد کو جانتا ہوں جان ہے جانی مری
دخترِ رز کا مصلیٰ بن گئی اللہ اللہ پاک دامانی مری
چیز کیا ہے گردشِ لیل و نہار ایک تسبیحِ سلیمانی مری
کہہ رہا ہے مسکرا کر دیکھنا کھل گئی ان پر پریشانی مری
دید کے قابل تھی ان کے روبرو دردِ دل کہہ کر پشیمانی مری
جانتا ہوں جو کرم ہیں آپ کے آزمائش ہے یہ روحانی مری
کوئی سمجھے تو کنائے آپ کے کوئی دیکھے تو ادادانی مری
حسن اس کا دیکھتے ہی چھا گئی عالمِ حیرت پہ حیرانی مری
پاک دامن کوئی بھی ہوتا نہیں جو نہ ہوتی پاک دامانی مری

بے ستوں قائم ہیں ساتوں آسماں ۔۔۔ یہ بھی اک قوّت ہے روحانی مری
ہے جو خلوت ایک رشکِ مہر سے ۔۔۔ ماہ رو کرتے ہیں دربانی مری
واہ وا ہیں شورِ محشر آ ملا ۔۔۔ کیا قیامت ہے غزل خوانی مری
سُنتے سُنتے آپ کیوں گھبرا گئے ۔۔۔ کے گھڑی کی ہے غزل خوانی مری

آپ مائل شاعری میں غرق ہیں
آپ کیا جانیں خدادانی مری



مل گئی بوئے گل میں بُو میری ۔۔۔ ذکر تیرا ہے گفتگو میری
کیا کہوں حالِ جوشِ وحشتِ دل ۔۔۔ کوئی سمجھے بھی گفتگو میری
اُس کے کوچے میں لے ہی پہنچیگی ۔۔۔ رفتہ رفتہ یہ جستجو میری
کون کہتا ہے غیر مرتے ہیں ۔۔۔ جان جاتی ہے فتنہ خو میری
جانتا ہے کہ دل میں کھٹکے گی ۔۔۔ کیا حقیقت سُنے عدو میری
میں سمجھتا ہوں عشق کا رُتبہ ۔۔۔ اشک ریزی ہے آبرو میری
ایک مجمع ہے میرے مقتل پر ۔۔۔ اک تماشا ہے آرزو میری
نہ بگڑ جائے بات دشمن کی ۔۔۔ کچھ حقیقت نہ پوچھ تو میری

چُپ ہوں لیکن سُنو گے تم مائل
سامنے اُن کے گفتگو میری



اُس کی باتوں سے ٹپکتی ہے تعلی کیسی ۔۔۔ ہوش موسیٰ کے اُڑائے ہیں تجلی کیسی
دل کو آئینہ بنا دیتی ہے مے بھی اے شیخ ۔۔۔ دیکھ تو پی کے کبھی ہے یہ مجلّی کیسی
کوئی جانے کہ یہ ہیں مہر و محبت والے ۔۔۔ چلتے چلتے مجھے دیتے ہیں تسلی کیسی
وہ تو پردے میں رہا طرفہ تماشا دیکھو ۔۔۔ خاک میں مل گئی موسیٰ کی تعلی کیسی

خواجۂ عشق کی درگاہ ہے مائل دیکھو
چشم تر رکھتے ہیں یاں کے متولی کیسی



جب منھ سے وہ لگاتے ہیں بوتل شراب کی
بنتی ہے ریشِ شیخ کرن آفتاب کی

اس میں ہے روحِ شیخ فضیلت مآب کی
قلقل جو کہہ رہی ہے صراحی شراب کی

کیوں میکدے میں شیخ نے مٹی خراب کی
سنتا نہیں ہے کوئی عذاب و ثواب کی

ساقی لگا دے منھ سے صراحی شراب کی
امید پھر کسے ہے شبِ ماہتاب کی

حالت تو شوقِ وصل میں دیکھو اضطراب کی
کھلتی نہیں گرہ ترے بندِ نقاب کی

اب کچھ نہیں رہی ہے شکایت حجاب کی
یاں کام کر گئیں ہیں ادائیں نقاب کی

تقدیرِ راہ رو کو جدھر چاہے لے چلے
راہیں کھلی ہوئی ہیں عذاب و ثواب کی

کیوں کر نہ ہوں خراب کھلتے ہی آنکھ کے
صورت نظر پڑی تھی جہانِ خراب کی

اے ابر اُس کی بندہ نوازی سے کیا عجب
رہ جائے آبرو مری چشمِ پُر آب کی

رندوں نے مے سے رنگ دیا ریشِ شیخ کو
اچھا کیا رہی نہ ضرورت خضاب کی

گھبرا کے بزمِ غیر سے اُٹھ آئے اس طرح
کچھ زلف کی خبر نہ تھی نہ بے نقاب کی

سچ کہتے ہیں کہ عشق میں سونا حرام ہے
گذری تمام عمر تمنا میں خواب کی

جاؤں تو اُس کی بزم میں اب کیونکہ بے خطر
طاقت نہیں رہی ہے نگاہِ عتاب کی

اک جا ہے ڈھیر آگ کا اک جا ہیں کچھ چمن
بس یہ ہے کائنات عذاب و ثواب کی

تیری نگاہِ مست کا کچھ ذکر چھیڑ کر
کل میکشوں میں بات بنا دی شراب کی

اللہ شعلہ رویوں کو کیوں بھیجتا ہے تو
دوزخ میں کیا کمی ہے بڑی التہاب کی

کوچہ ہو غیر کا کہ تری بزمِ ناز ہو
مٹی خراب ہے دلِ حسرت مآب کی

گر محتسب نے میکدہ توڑا تو کیا کیا
بنیاد کچھ نہیں ہے جہانِ خراب کی

افسردہ خاطری کا برا ہو بہار میں
کیفیتیں ہی یاد نہ آئیں شباب کی

ہم اُس جہاں میں ہیں کہ تجلی یار سے
دن آفتاب کا ہے نہ شب ماہتاب کی

اس نیرنگی میں کام یہ آئے گا داغِ عشق — پڑتی نہیں جھلک کبھی جہاں آفتاب کی

یوں تو ہے بال بال میں اندازِ دل کشی — پر زلف کی غضب ہے ادا پیچ و تاب کی

ڈرتا ہوں یہ ہی شوقِ نمائش اگر رہا — بگڑے کہیں نہ بات تمھارے حجاب کی

اُس کی طرف سے آپ کو خود لکھ رہا ہوں میں — اللہ رے آرزو مجھے خط کے جواب کی

لو ہم بھی ایسے ہیں کہ ستانے کے واسطے — تدبیر سوچتا ہے فلک انقلاب کی

مائل وہ دن گئے کہ اڑاتے تھے خم کے خم
کافی ہے اب تو ایک صراحی شراب کی

○

ناامیدی زندگانی ہو چکی — ہو چکی بس مہربانی ہو چکی

جلوہ آرا جابجا ہے حسنِ یار — ہم سے دل کی پاسبانی ہو چکی

سامنے اُس کے نہ لے چل ہم نشیں — مجھ سے تقریرِ زبانی ہو چکی

کیوں تری باتوں کے ہیں مشتاق خضر — کیا حیاتِ جاودانی ہو چکی

کیوں فلک کو دیکھتا ہوں یاس سے — کیا بلائے آسمانی ہو چکی

ایک کافر ہے وہ شوخِ فتنہ گر — ہم سے اس کی رازدانی ہو چکی

کیوں عدو کے دل نہ دینے پر ہے ناز — کیا ادائے دل ستانی ہو چکی

خنجرِ خونخوار کا منھ پھر گیا — انتہائے سخت جانی ہو چکی

وہ عدو سے کہتے ہیں مرتے ہیں ہم — اب ہماری زندگانی ہو چکی

بے طلب جلوے دکھائے غیر کو — ہو چکی بس لن ترانی ہو چکی

رات دن روتے ہو کیوں مائل مگر — تابِ غم ہائے نہانی ہو چکی

کیوں ہے مائل آج چہرہ زرد زرد
کیا شرابِ ارغوانی ہو چکی

○

کیا اڑائیں خوابِ شیریں حشر میں فرہاد کی — کون سنتا ہے کہانی عاشقِ ناشاد کی

ہے اُسی کے دم سے رونقِ عالمِ ایجاد کی
گو حقیقت کچھ نہیں انسانِ بے بنیاد کی

گو بنج اُٹھا گھر خدا کا آسماں تو چیز کیا
ہر دہ کعبہ پکڑ کر جب کبھی فریاد کی

وہ عدو کا گھر سمجھ کر میرے گھر میں آ گئے
بات کیسی بن گئی شورِ مبارک باد کی

اُٹھے کب بزمِ عدو سے کب قیامت کی بپا
کیا شکایت وہ کریں گے نالہ و فریاد کی

پاسبانی پر ہے اس کی پاسباں کو کیوں غرور
کیا خدائی مل گئی نمرود کی شداد کی

مجھ تک آتا ساغرِ سرشار اس کی بزم میں
چشمِ میگوں کے اشارے نے مگر امداد کی

میں تو جب جانوں سزا دے سنگ دل سے سنگ دل
دیکھ کر تصویر مجھ سے خانماں برباد کی

قتلِ عاشق کے لیے اس کو بہانہ چاہیے
اس خطا پر مجھ کو مارا کیوں خدا کی یاد کی

پہلے آئی کچھ ہنسی آخر کو رونا آ گیا
آرزوئیں دیکھ کر اپنے دلِ ناشاد کی

مصحفِ رخسار کا پڑھنا سمجھنا سہل ہے
جب تلاوت کرنے بیٹھا ایک آیت یاد کی

فاتحہ گو رِ غریباں میں جو پڑھنے آؤ گے
خود نظر آ جائے گی تربت ہماری یاد کی

ایک عالم مر رہا ہے ایک عالم مر گیا
اُف رے بُرِش ان بتوں کے خنجرِ بیداد کی

کیوں نہ ہوں منت کشِ اشکِ ندامت کیوں نہ ہوں
آبرو رکھ لی قیامت میں مری فریاد کی

دشمنوں نے کان اُس کے کھرنے کھرنے بھر دیے
اب تو گنجائش نہیں ہے ناسخ تری فریاد کی



اب یہ حالت ہے قفس میں بلبلِ ناشاد کی
رو پڑی آواز سن کر طائرِ آزاد کی

جان پر گل جیں بنا دے بلبلِ ناشاد کی
برگِ گل پر کھینچ دے تصویر تو صیاد کی

وہ تو یہ سمجھے ہوئے تھے دیکھ لیں گے اک نظر
کیا خبر تھی حضرتِ موسیٰ کو اس افتاد کی

کھینچ کر تصویر اپنی اس نے اپنے ہاتھ سے
خاک میں صنعت ملا دی مانی و بہزاد کی

کیا خبر ہے کیا ہوئی، تا تم خدائی کب ہوئی
کیا بتاؤں عمر اپنے نالہ و فریاد کی

پوچھو تو تم ہجر کی شام و سحر سے پوچھ لو
عمر میری آہ و زاری، نالہ و فریاد کی

طے کرائے یوں مقاماتِ محبت یار نے
جب وفا کی داد چاہی اور بھی بیداد کی

بھرتے ہیں علمِ لدنی سینۂ افگار میں
عاشقی میں کچھ نہیں حاجت کسی اُستاد کی

لے اُڑی ہی اس کو تو وحشت میرے دل کی لے اُڑی
فصد پہلے کھول دے اے چارہ گر فصّاد کی

کفر تھا شاہد ہمارا کہہ گیا ایمان سے
بتکدے میں عمر بھر اُس نے خدا کی یاد کی

عاشقی میں جب تو جانوں مجھ سے کوئی بڑھ گیا
ہو مجنوں اور ہو تم سے ستم ایجاد کی

ہم جہاں گئے دین و ایماں مانگ لائے نذر کو
جب ادائے کافرانہ حسن نے ایجاد کی

اے ادائے بے نیازی کیا کیا یہ کیا کیا
توڑ دی ہمت ہمارے نالہ و فریاد کی

مر مٹیں میری خطائیں اس ادا پر مر مٹیں
جس ادا نے آپ کی طرزِ کرم ایجاد کی

ہے ابھی اردو زباں میں جان باقی ہے ابھی
ہے ابھی دنیا میں اک صورت جہان آباد کی

جو کیا اچھا کیا جو کچھ ہوا اچھا ہوا
میں کہوں تو کیوں کہوں مٹی مری برباد کی

خاک کیسی آپ نے دامن سے جھٹکا تھا جسے
آرزو تھی وہ کسی کی خاطرِ ناشاد کی

بت کدے میں آ پڑا بیت الحرم کو چھوڑ کر
کیا ہوا باندھی ہے مائلؔ آپ کے ارشاد کی



لیتی ہر اک ادا میں ہے جانیں ہزار کی
آفت کی طرز ہے نگہِ شرمسار کی

کرنی پڑی تھی وصل میں اک تیری التجا
سُننی پڑی ہیں ہجر میں باتیں ہزار کی

زاہد تجھے شراب پلا کر رہوں گا آج
مجھ کو قسم ہے رحمتِ پروردگار کی

ساری خدائی لے کے بھی ناکام ہی رہا
اللہ رے آرزو دلِ امیدوار کی

تیرا ستم رہے گا نہ اے آسمان تو
پڑ جائے گی گر آہ کسی دل فگار کی

وہ کام کر گیا کہ فرشتے نہ کر سکے
ہمت کو آفریں ہے دلِ بے قرار کی

رہنے دے کوئے یار میں تو کس لیے صبا
دشمن بنی ہوئی ہے ہمارے غبار کی

باتیں کچھ ایسی کر کہ نکل جائے دم ابھی
ناصح تجھے قسم ہے مری جانِ زار کی

کھینچا ہے حال جب قلق و اضطراب کا
تصویر کھینچ دی ہے دلِ بیقرار کی

آیا ہے جوش رحمتِ پروردگار کو
تقدیر کھل گئی ہے کسی بادہ خوار کی

کیا جانے کیا سمجھ کے وہ کافر بگڑ گیا
کی تھیں شکایتیں ستمِ روزگار کی

وحشت میں بھی تھا ساتھ رخ و زلف کا خیال
گردش ہمارے دم سے ہے لیل و نہار کی

تاثیر دیکھتے ہیں یہ تیری نہیں ہیں ہم
امید ٹوٹتی نہیں امیدوار کی

ہم نے تو اپنی عمر میں دیکھے ہیں تیرے ظلم
سن لیں شکایتیں ستمِ روزگار کی

اللہ رے طولِ عمر حقیقت ہی کچھ نہیں
روزِ شمار کی نہ شبِ انتظار کی

ہم اپنے داغِ دل بھی تو پورے نہ گن سکے
شہرت ہی تھی درازیِ روزِ شمار کی

واعظ شراب خانے میں آؤ گے سر کے بل
پڑ جائے گی نظر جو کسی بادہ خوار کی

آتی ہے عار عرش پہ پڑتے ہوئے اسے
یارب یہ مشتِ خاک ہے کس خاکسار کی

مائل ہزار توبہ کا اظہار کیجیے
چھپتی نہیں چھپائے سے صورت خمار کی

○

جان لے کر رہے گی عاشقِ دل گیر کی
کہہ رہی ہے ہر ادا کافر تری شمشیر کی

جلد کیسے جان نکلے عاشقِ دل گیر کی
کچھ نہ حسرت دل کی نکلی اور نہ اُن کے تیر کی

وصل میں یاد آئی اُن کو غیر کی تصویر کی
سچ تو کہتے ہیں بدی جاتی نہیں تقدیر کی

ایک سے اک بڑھ کے وصلِ یار کی تدبیر کی
پر خبر رکھی نہیں کچھ گردشِ تقدیر کی

دیکھتے پھر وحشتیں اس آسمانِ پیر کی
اس کو مل جاتی اگر گردش مری تقدیر کی

بارگاہِ حسن کی اے دل حقیقت کیا کہوں
کچھ بھی پرسش داں نہیں ہے عاشقِ دل گیر کی

ہم بھی دیکھیں گے جہاں میں کس کے سر پر تن رہا
گر یہی پرسش رہی قاتل تری شمشیر کی

بتکدے کو ہو لیا وہ راہِ کعبہ چھوڑ دی
مر مٹا جو دیکھ کر شوخی تری تصویر کی

ہم کو اُٹھ آتے بن آئی محفلِ اغیار سے
کچھ بھی جب چلتی نہ دیکھی آسمانِ پیر کی

میں بتاؤں تجھ کو صیادِ ستم گر کس طرح
صید گہ پر چھا رہی ہیں حسرتیں نخچیر کی

اک ادا میں پڑ گیا دیر و حرم میں تفرقہ
ہیں غضب کی شوخیاں کافر تری تصویر کی

آہ و نالہ شور و افغاں عاشقی میں کچھ بھی ہو
بے اثر جو بات ہے گنتی میں ہے تقصیر کی

آئیں اور آئیں ہمارے نامہ بر کے ساتھ ساتھ
دیکھ لینا جذبۂ دل نے اگر تاثیر کی

دامنِ رنگینِ جاناں سے کبھی لپٹی دیکھنا
کھل گئی تقدیر کیسی خاک دامن گیر کی

تجھ سے اے ناوک فگن دل کی حقیقت کیا کہوں
زخمیِ تیغ و تبر کو کیا خبر ہو تیر کی

بن بلائے آ گئے کس انجمن میں دیکھنا
کچھ کشش دیکھی کبھی تم نے عاشق دلگیر کی

اور دونا زلفِ جاناں کا تصور بندھ گیا
حضرتِ ناصح نے وہ الجھی ہوئی تقریر کی

میکدے میں کیوں ہے تو بیٹھا ہوا محروم سا
کیا نہیں اک بوند بھی واعظ تری تقدیر کی

حضرتِ پیرِ مغاں کے میکدے ہیں سیکڑوں
کیا ہوا اگر ایک مسجد شیخ نے تعمیر کی

حضرتِ ناصح تو اس کا منہ ہی تکتے رہ گئے
چارہ گر کو آفریں ہے خوب ہی تقریر کی

ذوا تو تکتے ہیں عدو کو اور قیامت دیکھنا
چاہتے ہیں داد مجھ سے شوخیِ تحریر کی

قیس کیا دنیا سے اٹھا ظرفِ وحشت اٹھ گیا
قدر کرتا تھا ہمارے نالۂ شبگیر کی

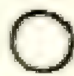
مژدہ باد اے آرزوئے قتل تیری بن پڑی
واں صلاحیں ہو رہی ہیں لاش کی تشہیر کی

شورشِ بلبل کی خاطر فصلِ گل کو دیکھنا
لے اڑی تاثیر میرے نالۂ زنجیر کی

جس نے دیکھا قتل گہ میں اس کے دل سے پوچھیے
ہائے وہ اندازِ قاتل اور ادا شمشیر کی

اب وہ آئیں تو مرے زنداں کی جانب کس طرح
ہو گئی پہچان ان کو نالۂ زنجیر کی

کیا عجب ہے ہیں تو وہ مشہور اک عاشق مزاج
گر پرستش کرتے ہوں مائل کسی تصویر کی



لے خبر آ کے جلد تو دل کی
پھوٹ جائے گی ورنہ بو دل کی

بے سبب کب ہے ہائے و ہو دل کی
کچھ نہ کچھ تو ہے آرزو دل کی

کیوں نہ غنچے سے آئے بو دل کی
شکل رکھتا ہے ہو بہو دل کی

داغ پر داغ تازہ دیتا ہے
عشق کرتا ہے آبرو دل کی

کیا چھپے راز ساتھ اشکوں کے
ٹپکی پڑتی ہے آرزو دل کی

پھر نہ سنیو کبھی، مگر سن لے
ایک شب داستان تو دل کی

آگیا پھر بہار کا موسم / زلفِ جاناں سے آئی بو دل کی
جب ملا ہے نہیں کسی کا پتہ / عمر بھر کی ہے جستجو دل کی
ہو ہی جاتی ہے عرش کو جنبش / جب وہ سنتا ہے ہائے و ہو دل کی
لیے پھرتا ہوں جوشِ وحشت میں / خاک اڑاتا ہوں کو بکو دل کی
کبھی حیراں ہے اور کبھی بیتاب / یہ تو اچھی نہیں ہے خو دل کی
کوئی کافر بدل گیا شاید / اجنبی سی ہے آج بو دل کی
اڑ گئے ہوش چارہ سازوں کے / دیکھ کر حالتِ رفو دل کی
یہ تو لے کر رہے گی اُس کی ادا / خیر مانگا کرے عدو دل کی

سب کلیجہ پکاتے ہیں مائل
بات کہتا ہے ایک تو دل کی

○

پرسش ہے جیسی محفلِ رنداں میں جام کی / کعبہ میں ایسی قدر نہیں ہے امام کی
یہ ہے خدا کی شان کہ میں اور یوں کہوں / سُن لیجیے ایک بات تو اپنے غلام کی
دیوانِ سوز بزم میں پروانہ پڑھ گیا / بلبل نے بھی چمن میں گلستاں تمام کی
بیٹھوں قفس میں کیوں نہ کلیجے کو تھام کر / آواز آشنا ہے گرفتارِ دام کی
جیتا تو در کنار ہے جو تجھ پہ مر گیا / سُنتا نہیں مسیح علیہ السلام کی
ٹھہری ہوئی ہے لب پہ مرے آہ اس طرح / گویا کہ منتظر ہے کسی کے پیام کی
مستوں کو کیا خبر کدھر آیا کدھر گیا / بنتی ہے ہوشیار پہ ماہِ صیام کی
یوسف زنانِ مصر کے دل سے اُتر گئے / تصویر دیکھتے ہی تمہارے غلام کی
ہیں شوخیاں تو آپ کی اشعار میں مرے / کیفیتیں ہیں چشم میں کس کے کلام کی
دل ہی لرز گیا جو سپاہی نظر پڑی / صورت خدا دکھائے نہ غربت میں شام کی

مائل شراب خانے سے جاؤں تو میں کہاں
بت خانہ برہمن کا ہے مسجد امام کی

○

میں بے خبر نہیں ہوں حقیقت سے جام کی
پیتا رہا ہوں ساقیِ کوثر کے نام کی

یہ کہہ کے ناصحوں کی تو حجت تمام کی
پروا نہیں رہی ہے مجھے ننگ و نام کی

بازارِ مصرِ حسن سے جس کے چمک گیا
صورت تو ہو بہو ہے تمہارے غلام کی

ان کو تو ہے یقین قیامت کے نام کا
جن کو کہ یاد ہے کسی محشر خرام کی

شیشے کی ایک چیز سمجھتا کبھی نہ شیخ
کم بخت بے خبر ہے حقیقت سے جام کی

یہ شورشیں غلط ہیں قیامت اگر نہیں
تعلیم یافتہ کسی محشر خرام کی

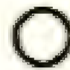
روحِ جنابِ شیخ، مری توبہ ایک ہے
خوشبو سے بھاگتی ہے مئے لالہ فام کی

بلبل کی آرزو تو سفیدی سحر کی ہے
پروانے کی مراد سیاہی ہے شام کی

معشوق سے شکایتِ جور و جفا غلط
بے جا ہے آسمان سے فکر انتقام کی

نازک مزاجِ یار ہے جبریل ہوشیار
خدمت نہیں ہے سہل پیام و سلام کی

سائل شراب خوار نہیں ہوں خدا گواہ
کیفیتوں سے مست ہوں اپنے کلام کی



دل میں جو موج آ گئی لبریز جام کی
بنیاد تک رہی نہ خیالاتِ خام کی

یوں عمر شوقِ دید میں ہم نے تمام کی
کی صبح بت کدے میں تو کعبے میں شام کی

رحمت ہو واعظوں پہ کہ وہ بھی حرام کی
دنیا میں جو خوشی کی ہے اک چیز کام کی

یوسف کو لیکے کیوں نہ زلیخا ہو شاد شاد
سیرت غلام کی ہے نہ صورت غلام کی

رندانِ بادہ خوار کو خالی سمجھو نہ شیخ
لذت ہے ان کے جام میں کوثر کے جام کی

کیوں کر نہ جائیں طور پہ دل میں کلیم کے
بھڑکی ہوئی ہے آگ تو اس کے کلام کی

دنیا کا میکدہ بھی عجب پُر بہار ہے
کیفیتیں جدا ہیں یہاں جام جام کی

دل کو بھی لوگ کہتے ہیں دیر و حرم کو بھی
تحقیق کچھ خبر نہیں اس کے مقام کی

بت بھی ملیں اسی سے اسی سے خدا ملے
دنیا میں ایک چیز محبت ہے کام کی

کہتا ہے وہ بھی پیری میں کعبہ کو جائیے
جس بت کے در پہ ہم نے جوانی تمام کی

واعظ جو مر گیا ہے تو تقبلی سنوار دو
چھڑکو کفن پہ ساقیِ کوثر کے نام کی

ہم کو شبِ فراق میں جینے کے واسطے
تقلید ہے وہ خضر علیہ السلام کی

زاہد بھی شاد شاد ہے میکش بھی باغ باغ
کچھ انتہا نہیں ہے ترے لطفِ عام کی

سالک کا راہِ عشق میں رکتا نہیں قدم
بجھتی نہیں ہے پیاس ترے تشنہ کام کی

اُن کے قدم کے رکھتے ہی مقبول ہو گئی
کیا سہل بات بن گئی بیت الحرام کی

کیوں کر کسی کو ہو مری توبہ کا اعتبار
بنوائی جا نماز میں تصویر جام کی

یہ میکدہ ہے سامنے واعظ قدم بڑھا
وہ لٹ رہی ہے ساقیِ کوثر کے نام کی

ہم نے بھی واعظوں کے جلانے کے واسطے
توبہ کے توڑنے کی بڑی دھوم دھام کی

یوں دل میں ڈھونڈتا ہوں ترا تیر اِدھر اُدھر
جاتی رہی ہو جیسے کوئی چیز کام کی

ماتمؔ وہیں خلیل نے کعبہ بنا دیا
میخانے میں جگہ تھی جو میرے قیام کی



بس اتنی بات پر اس نے بڑھا دی شانِ آدم کی
کہ جانِ دل سے قدر و منزلت کرتے رہے غم کی

غضب کی بات رکھ لی خوب میری چشمِ پُرنم کی
ہوا بگڑی ہے کیسی ایک چھینٹے سے جہنم کی

الم سے چشمِ پُرنم دیکھتا ہوں ایک عالم کی
کہوں میں کس کے آگے داستانیں جانِ پُرغم کی

بچائے دین و ایماں کس طرح اولادِ آدم کی
اداؤں کا فسانہ ہیں تمہاری زلفِ برہم کی

خرابی آ گئی نازوں سے اُن کے دونوں عالم کی
یہ کیوں پیچھے بٹھائے نہ طرح شاقِ برہم کی

یہ حالت اس کے آگے ہے ہماری چشمِ پُرنم کی
کہ پیشِ مہرِ تاباں ہو حقیقت جیسے شبنم کی

ہمیں بادہ کشی بیکدے کے در پہ اے واعظ
اِدھر آبِ بقا کی ہے اُدھر ہے آبِ زمزم کی

مجھے رکھا ہے برسوں سے کہ آکر بن جانے والی ہے
خفا ہوتے ہو کیسی ہم سے کب تک جانِ پُرغم کی

دُھلے جاتے ہیں اپنے آپ جو دفتر گناہوں کے
خدا کا بحرِ رحمت ہے کہ موجیں چشمِ پُرنم کی

خیال آیا ہے جب سے یہ کہ دونوں گھر اسی کے ہیں
حرم خانے کی بھی عظمت نہ بیت اللہ سے کم کی

کسی میں بھر کے دے ساقی نہیں پینے سے عذر ہے
نہ شوقِ جامِ زریں ہے نہ پروا ساغرِ جم کی

نہیں رنگینیٔ نہیں رکتیں دلِ بیتاب کی آہیں
خدا سے خیر مانگیں اب فرشتے عرشِ اعظم کی

تبرک جان کر واعظ ملاتا ہے بُرا کیا ہے
شرابِ ناب میں دو چار بوندیں آبِ زمزم کی

یہ کس بت خانے سے مائل حرم میں آج آئے ہیں
صدا چاروں طرف سے آ رہی ہے خیر مقدم کی



صدا گنجِ شہیداں سے چلی آتی ہے ماتم کی
شہیدوں نے ترے مانی ہے کیا مجلس محرم کی

مرے گھر میں کرے گی کیا یہ تاریکی شبِ غم کی
مرے سینہ میں ہے قندیل روشن عرشِ اعظم کی

خوشی کی وہ بناتا تھا مگر صورت بنی غم کی
خدا جانے کہاں کی تھی یہ مٹی خاکِ آدم کی

پسند آیا جو اُس کا عجز خورشیدِ درخشاں کے
فنا ہوتے ہی دونی ہو گئی توقیر شبنم کی

زباں پہ وہ بتِ کافر نہیں لاتا نہیں لاتا
نہ ہو دشنام میں تاثیر جب تک اسمِ اعظم کی

نہ ہوتا نیر اتنی بھی تو پھر رونے میں کیا رونا
کہ اک قطرہ سے ساری آگ بجھ جائے جہنم کی

دیا جب اپنے کو جیہ کو خطابِ کربلا اُس نے
ہمیں اچھی طرح سے یاد دسویں تھی محرم کی

نئی صورت سے ہر عاشق کو اپنے قتل کرتا ہے
کہیں خنجر کی بُرّش ہے کہیں تاثیر ہے سم کی

خدا ملنے کو ملتا ہے مگر مشکل سے ملتا ہے
جبینِ عجز کہتی ہے یہ ابراہیم اُدہم کی

سمجھایا اک خُمِ مے کی برابر اُس کو رندوں نے
گلہ پھر بھی ہے واعظ کو کہ میری آبرو کم کی

بھلا ہو ناتوانی کا کہ اتنی دیر میں پہنچے
ہمارے جاتے جاتے بجھ گئی آتش جہنم کی

یہ منت میں نے مانی ہے کہ کعبہ سے جو پھر آؤں
سبیلیں راہِ میخانہ میں رکھوں آبِ زمزم کی

وہ سوتا ہے بتِ کافر کہیں کھولے ہوئے زلفیں
بہت پھیلی ہوئی ہے آج تاریکی شبِ غم کی

تحیر لی اِدھر حالت تجلی کی اُدھر صورت
نظر پڑنے لگی ہے دونوں جانب ایک عالم کی

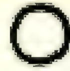
مرا زخمِ جگر اچھا نہیں ہوتا نہیں ہوتا
خدا جانے کہاں جاتی رہی تاثیر مرہم کی

قریبا حسرتِ فرہاد کا کچھ رنگ لایا ہے
صدا جب بے ستوں سے گونج کر نکلی ہے ماتم کی

یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ غفلت اُن کا شیوہ ہے
مریضِ دردِ فرقت کی خبر رکھتے ہیں دم دم کی

تری معجز نمائی سے تنِ عیسیٰ میں جان آئی
تری عصمت سے عصمت ہو گئی دامانِ مریم کی

خدا کے واسطے ثاقبؔ کہیں تائب نہ ہو جانا
یہ میخانے میں سب رونق ہے حضرت آپ کے دم کی[1]



رہی کچھ بھی خبر دل کی نہ جاں کی ۔ نظر پڑتے ہی اُس جانِ جہاں کی
عدو کے شوق میں آئے ہیں درتک ۔ تمنا ہیں بر آئیں پاسباں کی
کیا بلبل نے کیا ضبط فغاں میں ۔ اُڑی جاتی ہے رنگت باغباں کی
تم اور چھپ چھپ کے یوں رانوں کو آؤ ۔ کشش دیکھو مرے ضبطِ نہاں کی
نہ دیں اک بات کے سَو سَو جواب آپ ۔ یہی تاکید ہے میرے گماں کی
وہ سمجھے بوالہوس ہی کاش مجھ کو ۔ کوئی تو راہ نکلے امتحاں کی
کھلا جاتا ہے رازِ وصلِ دشمن ۔ خبر لو طرۂ عنبر فشاں کی

جنابِ شیخ بھی کہہ اُٹھے ثاقبؔ
بڑی ہے آبرو پیرِ مُغاں کی



فلک کا دل ہلا دیتی ہیں آہیں دل ذگاروں کی ۔ زمیں کا دم نکلتا ہے تڑپ سے بےقراروں کی
کہیں ہیں چارہ سازوں کی کہیں ہیں رازداروں کی ۔ جہاں پہنچا وہاں قبریں ملیں دو چار یاروں کی
نہیں ہے اُس کی عادت آپ سے غفلت شعاروں کی ۔ خدا سُنتا ہے اور سنتا ہے ہم سے خاکساروں کی
اسی میدانِ محشر میں منے گی عہد یاروں کی ۔ خدا نے بات رکھ لی آج اپنے بادہ خواروں کی
ہمارے اُن کے جھگڑوں کی بنی رہتی ہے جانوں پر ۔ اِدھر بھی رازدار دل کی اُدھر بھی رازداروں کی
زمیں کی کوئی کہتا ہے فلک کی کوئی کہتا ہے ۔ خدا باتیں سُنا کرتا ہے اپنے بادہ خواروں کی

[1] یہ غزلیات جے پور کے طرحی مشاعرے کی ہیں جو بماہ فروری ۱۹۱۴ء منشی ہیرالال موتس کے مکان پر بوقت شب ہوا تھا۔ طرح تھی:۔ تمھارے دشمنوں کو کیا پڑی تھی میرے ماتم کی
ان کا انتخاب ماہنامہ "جوہر سخن" جے پور میں طبع ہوا ہے ۱۲

[2] یہ رونق سب ہے میخانے میں حضرت آپ کے دم کی۔

کبھی اس باغ میں جانا کبھی اُس باغ میں رہنا
بہاریں یاد آتی ہیں ہمیں اگلی بہاروں کی

ذرا سی لغزشِ مستانہ چکنا چور کرتی ہے
مری توبہ بھی ہے گویا صراحی بادہ خواروں کی

جہاں وحشت میں جاتا تھا مرے ہمراہ جاتے تھے
مجھے کبھی یاد آتی ہے وہ ہمدردی غباروں کی

پیا پے جام پینے میں نہ کر تکرار اے واعظ
دلیلِ رحمتِ حق ہے یہ حجت بادہ خواروں کی

جہاں کوئی نظر آیا بنا دیتی ہے دیوانہ
نگاہِ مست ساقی کی ہے دشمن ہوشیاروں کی

جو دم بھر بیٹھتے اُٹھتے وہ دیوانوں کی صحبت میں
بناتے شیخ صاحب خانقاہیں بھی غباروں کی

زبانِ خار پر جو ہیں زبانِ تیشہ پر جو ہیں
وہ ساری سرگذشتیں ہیں ہمیں آفت کے ماروں کی

یہاں لوٹی وہاں لوٹی یہاں تڑپی وہاں تڑپی
اُڑا لی طرز بجلی نے تمہارے بیقراروں کی

طبیعت آ گئی کس پر کسے تسخیر کرنا ہے
منگاتے ہیں وہ کیوں مٹی شہیدوں کے مزاروں کی

وہی انسان ہوتا ہے اسے انسان کہتے ہیں
میسر جس کو آ جاتی ہے صحبت بادہ خواروں کی

ترا احسان مانوں گا ملا دے جام میں ساقی
ذرا سی حضرتِ پیرِ مغاں کے خاص یاروں کی

شبِ غم میں زمین و آسماں کا ہوش کس کو تھا
بہت سے داغِ دل تھے بھی آگئے گنتی میں تاروں کی

ترے ابرو پہ سر کٹتے ہوئے دیکھے ہیں لاکھوں کے
تری آنکھوں پہ کافر جان جاتی ہے ہزاروں کی

رسا ہوتے ہیں اور ہوتے ہیں نالے خستہ حالوں کے
اثر کرتی ہیں اور کرتی ہیں آہیں دلفگاروں کی

تڑپ اتنی نہ کوئے یار پر بجلی یہاں آ کر
بگڑ جاتی ہیں دم بھر میں ہوائیں بے قراروں کی

اگر دل ہے زمانے میں تو اُس کے بیقراروں کا
اگر آنکھیں ہیں دنیا میں تو اُس کے بیقراروں کی

جنابِ شیخ کے تقوےٰ کو سائلؔ اس سے کیا نسبت
مری توبہ نے برسوں کی ہے خدمت بادہ خواروں کی



آئے بھی تو کیا آئے اُسے یاد کسی کی
پڑتی ہی نہیں کان میں فریاد کسی کی

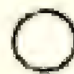
کیا خاک سُنے وہ ستم ایجاد کسی کی
تاثیر تو رکھتی نہیں فریاد کسی کی

جس وقت کہ آتی ہے اُسے یاد کسی کی
سُنتا ہی نہیں پھر دلِ ناشاد کسی کی

یہ چرخ ہی کیا چیز ہے گر کھنچ گیا نالہ
قائم نہ رہے گی کبھی بنیاد کسی کی

یوں ذکر وہ کرتے ہیں پسِ پردہ ہمارا — راتوں کو سُنا کرتے ہیں فریاد کسی کی
یہ جان لو آباد حسینوں سے نہیں ہے — جس شہر میں مٹی نہیں برباد کسی کی
ہوتی ہے ہر اک کام میں تائید اُدھر سے — درکار نہیں عشق میں امداد کسی کی
وہ گھر ہی نہیں جس میں کہ بستا نہ ہو کوئی — وہ دل ہی نہیں جس میں نہ ہو یاد کسی کی
کیا جانے کہ کس چیز سے دل اُن کا بنا ہے — تاثیر ہی کرتی نہیں فریاد کسی کی
پھر زخم ہرے ہو گئے دل اور جگر کے — یاد آ گئی پھر لذتِ بیداد کسی کی
اک ہم کہ کسی حال میں بھولے نہیں اُس کو — اک وہ ہے کہ رکھتا ہی نہیں یاد کسی کی
چلنے کا مزہ جب ہے قسم ہے مرے خوں کی — گردن نہ رہے خنجرِ فولاد کسی کی
ناکامیِ جاوید مقدر سے ملی ہے — قسمت ہے کہاں تیری سی فرہاد کسی کی
کیوں کر نہ عجب چیز ہو گلزارِ جہاں کا — ہر برگ میں ہر گل میں ہے ایجاد کسی کی
ہے اُس کے اسیروں کو یہی فکر کہ ہم سے — آزردہ نہ ہو خاطرِ ناشاد کسی کی
غم خانۂ دنیا نہیں کچھ آج ہی کل کا — ڈالی ہوئی دیرینہ ہے بنیاد کسی کی
اللہ چھڑائے گا ہمیں دامِ قفس سے — فریاد تو سنتا نہیں صیاد کسی کی
سب عیش کے سامان تکلف سے دھرے ہیں — ہے یہ مرے غم خانہ میں ایجاد کسی کی
زیرِ خم ہے اِس کو چھپاتے جو ہو واعظ — دستار اُڑا لائے ہو استاد کسی کی
خاموش رہو قمری و بلبل کہ سحر ہے — ہیں یاد ہمیں سرو و گل و شمشاد کسی کی

چھوٹا نہ کسی حال میں تنہائی میں آنا
یہ وضع نہیں مائلِ آزاد کسی کی



کچھ کام تو کرتی نہیں تدبیر کسی کی — سینے سے لگی رہتی ہے تصویر کسی کی
آئے کششِ دل سے ہیں اور کہتے ہیں مجھ سے — دیکھی نہیں ہم نے کبھی تاثیر کسی کی
نازاں ہیں بہت حسن پہ کچھ حضرتِ یوسف — لاؤ تو دکھائیں انھیں تصویر کسی کی
ہمراز سے کہتے ہوئے آتے ہیں مرے گھر — سیدھی سی نظر آتی ہے تقدیر کسی کی

ہاں عشقِ جہاں سوز ذرا اور بھی ہمت
کچھ کہتی تو ہے رنگ کی تغییر کسی کی

اے آہ و فغاں شرم کہ وہ کہتے ہیں ہر بار
ہم کو بھی دکھا دو کبھی تاثیر کسی کی

سن لیتے ہیں وہ حال مرا کوئی سنائے
گویا کہ سمجھتے نہیں تقریر کسی کی

اللہ وہ دن بھی ہو کہ سو ناز و ادا سے
پھرتی ہو گلو پر مرے شمشیر کسی کی

کچھ کافر و دیندار کا جھگڑا ہی نہ رہتا
کعبہ میں لگا دیتے جو تصویر کسی کی

لو آج بنے حضرتِ مائل مرے ناصح
کل تک تو لیے پھرتے تھے تصویر کسی کی

○

ہماری روح ہے اور یہ تک جاودانی کی
کفن کی تہ میں تھوڑی خاک ہے دنیائے فانی کی

خدا سے خیر مانگو خضر اپنی زندگانی کی
کہ اس کی تیغ ہے دشمن حیاتِ جاودانی کی

سرِ قاصد کی پیشانی پہ اس نے خون سے لکھا ہے
کہ اس گستاخ نے درباں سے میرے بدزبانی کی

خطا کرتے ہی آدم کس طرح جنت میں مر جاتے
ہوا کھانی ابھی تھی تقدیر میں دنیائے فانی کی

گل و لالہ کی چالاکی ذرا چل کر تو دیکھو تم
اڑا کر لے گئے کترن قبائے ارغوانی کی

کہاں تک کام لیں ضبط و تحمل سے کہ انساں ہیں
کہاں تک ہم کریں خاطر بلائے آسمانی کی

وہ منہ دھونے کو جب بیٹھے مرا گریہ یہ کہتا تھا
مری تقدیر سے اچھی رہی تقدیر پانی کی

کبھی وہ بھی بگڑتے ہیں تو تیوریں چڑھاتے ہیں
کبھی ہم بھی لیا کرتے ہیں کیا کیا لن ترانی کی

فراہم چار تنکے ہوں تو دشمن برق ہو جائے
فلک یہ قدر تجھ سے طائرِ خوش آشیانی کی

نگاہِ ناز کی شوخی قیامت کر گئی برپا
اثر کر لے گئی تاثیر آہِ امتحانی کی

لگایا تیر پھر ایسا نہ ڈوبا جس کا پیکاں تک
دلِ مجروح پر میرے یہ تم نے مہربانی کی

برا ہو اس محبت کا یکایک ان کے آنے سے
ہزاروں سوزشیں پیدا ہوئی ہیں بدگمانی کی

جنابِ شیخ صاحب کی حنائی ایک ڈاڑھی ہے
مرے گھر میں ہیں دو قلبیں شرابِ ارغوانی کی

شرابِ تلخ کی لذت کو دونا کر دیا واعظ
یہ کیا تاثیر کچھ کم ہے شرابِ ارغوانی کی

ملا دے اس میں ساقی چہرۂ گلنار کی سرخی
اگر پھیکی رہی رنگت شرابِ ارغوانی کی

خدا کے ڈر سے تو زاہد نہیں روتا نہیں روتا کیا کرتا ہے شب کو نوحہ خوانی نوجوانی کی
اُٹھوں گا روزِ محشر دیکھ لینا سرخرویوں میں بغل میں وہ صراحی ہے شرابِ ارغوانی کی
ذرا سا عشق بھی مائلؔ حضرتِ موسیٰ سے لے لیجے
اُٹھائی ہے جو کیفیت صدائے لن ترانی کی



دلِ بیمارِ غم کی انتہا ہے ناتوانی کی کہ اُس کے آنسوؤں میں بھی نہیں طاقت روانی کی
ہزاروں اس میں قبریں ہیں حیاتِ جاودانی کی خدا جانے کہ کتنی عمر ہے دنیائے فانی کی
مریدِ پیرِ میخانہ ہوں روزہ کھولتا کیوں کر سبیلیں جابجا تھی رہیں پانی ہی پانی کی
ترے خنجر کی عادت ہے گلو پر اُس کے چلتا ہے خوشی جس کو سُناتا ہے حیاتِ جاودانی کی
مرے سینے میں اہلِ درد کا گورِ غریباں ہے کہیں تربت ہے آہی کی کہیں تربت فغانی کی[1]
مکانِ غیر کی چھت پر بٹھا کر مجھ کو کہتے ہیں نگہبانی کیا کیجے بلائے آسمانی کی
بڑھایا اور بڑھایا شانِ مشتِ خاک کو کیا کیا دلِ آدم پہ اُس نے ناخنِ غم سے نشانی کی
یہ ہم نے بارہا دیکھا تمھارے سخت جانوں میں ہوا بگڑی ہوئی رہتی ہے مرگِ ناگہانی کی
فرشتے ہوں کہ انساں ہوں یہ اپنی اپنی قسمت ہے کسی نے رازدانی کی کسی نے پاسبانی کی
لیے پھرتا ترے ناقے کو لیلیٰ دشتِ وحشت میں ملی مجنوں کو اک دن بھی نہ خدمت ساربانی کی
نہیں مرنے کے ہم تیغِ ستم کیسی ہی برّاں ہو نہ دیں گے داد کب تک وہ ہماری سخت جانی کی
مریدِ بے ریا کا شیخ صاحب خون کر دیجے ادا کرنی ہے گر قیمت شرابِ ارغوانی کی
کہا ہنس کر کہ وہ تو ہے ہمارے مرنے والوں میں ہوئی شہرت زمانے میں جو میری سخت جانی کی
کہا کچھ بھی نہیں اُس نے اشاروں میں کبھی مجھ سے مگر یاروں نے تو تہمت لگا دی رازدانی کی
نیازِ عاشقاں ہی ہے ہوائے نازِ بندہ حقی ہے کلیم اللہ نے شہرت سُنی ہے لن ترانی کی

---

[1] یہ غزلیات حیدرآباد دکن کے طرحی مشاعرے کی ہیں جو مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد کے دولت کدہ پر ہوا تھا۔ مولوی سید نظیر حسن سخا دہلوی اُن کی سرکار سے وابستہ تھے۔ انھیں کی فرمائش پر مائلؔ نے یہ غزلیں وہاں بھیجیں اور آخر میں پڑھی گئیں۔ بعد مشاعرہ مولوی صاحب نے اطلاع دی کہ غزلیں کامیاب رہیں اور اس شعر کو ماحصل مشاعرہ سمجھا گیا۔

ہمیں سب اہلِ محفل اپنی آنکھوں پر جگہ دیتے ہوا کچھ ہم کو لگ جاتی جو اُن کی رازدانی کی

اثر اتنا تو اُس بت پر ہوا مائلؔ کی صحبت کا
قسم جھوٹی نہیں کھاتا کتابِ آسمانی کی



کہیں نوبت پہ نوبت بج رہی ہے شادمانی کی کہیں ٹھوکر پہ ٹھوکر ہے بلائے آسمانی کی

بھلا ابھریں کیا ابھریں امنگیں نوجوانی کی چلی آتی ہے کانوں میں صدا فانی ہی فانی کی

بڑھا ہے حوصلہ کیسا ہماری چشمِ گریاں کا نظر آتا ہے طوفاں بھی اسے اک بوند پانی کی

ہمارے قتل کا وعدہ ابھی ایفا نہ کرنا تم ہوس باقی ہے تھوڑی سی ہماری زندگانی کی

عجب کم سخن ہوں میں کہ سمجھا شورِ محشر کو غزل پڑھتا ہوا نکلا کوئی بابا فغانی کی

لڑائی ہے نہ جھگڑا ہے محبت کی ہیں تکراریں ادھر بھی بدگمانی کی اُدھر بھی بدگمانی کی

کسی کے کہنے سننے سے مرے گھر میں اُتر آئی نظر ملتی نہیں لیکن بلائے آسمانی کی

رہے سینہ سپر اُن کی نگاہِ ناز کے آگے جگر کی پاسبانی کی نہ دل کی پاسبانی کی

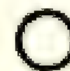
کہیں آفت نہ برپا ہو مرے نالوں سے رستے میں کہیں شامت نہ آجائے بلائے آنجہانی کی

پشیماں ہیں تو کہہ کر ہوں وہ کہہ کے ہیں پچھتائے ہنسی کیسی اڑائی ہے رقیبوں نے کہانی کی

یہ آفت اور کیسی ہے شبِ غم کی درازی میں کہ باتیں سننی پڑتی ہیں بلائے آسمانی کی

تمہارے مصحفِ رخسار کا مطلب سمجھنے کو پڑھا کرتا ہوں تفسیریں کتابِ آسمانی کی

جنابِ پیرِ میخانہ نے اُس کو خوب ہی رنگا
نہ پی مائلؔ نے جب تلچھٹ شرابِ ارغوانی کی



ان بتوں نے کہاں رسائی کی گھر میں اللہ کے خدائی کی

کوئی پہلو میں آ ہی بیٹھا ہے جب کبھی قسمت آزمائی کی

دیکھو تو میکدے میں اے واعظ کوئی صورت تو ہے خدائی کی

ساتھ ہی دل کے جان بھی دیدی ہے غضب طرزِ دلربائی کی

کیا ہی مٹی خراب ہوتی ہے　　تیرے کوچے میں پارسائی کی
گزر رہی آزادگی میں ساری عمر　　بندگی میں بھی اک خدائی کی
جوں ہی رُخ سے نقاب کو اُلٹا　　کھل گئی شانِ کبریائی کی
ہو ہی جائے گی زندگی پوری　　کٹ ہی جائے گی شب جدائی کی
کوئی پوچھے دلِ سکندر سے　　خضر نے جیسی رہنمائی کی
عرش تک جا کے رہ گئے افسوس　　کیا ہی نالوں نے نارسائی کی
آپ کیا جانیں حضرتِ ناصح　　دل لگایا نہ آشنائی کی
دل کا رستہ بنا دیا اُس کو　　عشق کی ہم نے رہنمائی کی
داستاں بے مزے کی سن لیجے　　ایک ساعت شبِ جدائی کی
ایک ساعت ہی آپ سن لیجے　　داستاں ہے شبِ جدائی کی

ہوں مسلماں تو کیا کریں مائل
بُت پرستی میں تو خدائی کی

○

حقیقت پوچھیے ہم سے بتوں کی خود نمائی کی　　صنم خانے میں ہم نے شان دیکھی ہے خدائی کی
تمھیں کیا حضرتِ ناصح یہی ہے رنگ دنیا کا　　کسی نے دل دیا اپنا کسی نے بے وفائی کی
سکندر لے گیا جب داغ دل پہ نامرادی کا　　جنابِ خضر پھر امّید کس کو رہنمائی کی
نہ بیٹھے ایک پل تک کر نہ ٹھہرے ایک جا دم بھر　　بجت خاک چھنواتی رہی ساری خدائی کی
نہ چھوٹے ہیں نہ چھوٹیں گے کسی کے دامِ گیسو سے　　نہ نکلی ہے نہ نکلے گی کوئی صورت رہائی کی
امیدیں حسرتیں دل میں رہیں سب خون ہو ہو کر　　نظر ملتے ہی ظالم نے کچھ ایسی کج ادائی کی
اگر ہوں لاکھ دن روزِ قیامت سے تو کٹ جائیں　　نہیں کٹتی نہیں کٹتی مگر اک شب جدائی کی
کہیں بھٹکے نہ بھولے ہو لیے سیدھے ہی رستہ پر　　ہمارے شوقِ دل نے ہی ہماری رہنمائی کی
دکھا دیں گے کہ وہ آتا ہے گھبرایا ہوا کوئی　　جو کی تاثیر نالوں نے اور آہوں نے رسائی کی
کوئی دیکھے تو غصّے میں ترے رخسار کا عالم　　کوئی پوچھے تو میرے دل سے کیفیت لڑائی کی

کیا ہی مٹی خراب ہوتی ہے　　تیرے کوچے میں پارسائی کی
گزر رہی آزادگی میں ساری عمر　　بندگی میں بھی اک خدائی کی
جوں ہی رُخ سے نقاب کو اُلٹا　　کھل گئی شانِ کبریائی کی
ہو ہی جائے گی زندگی پوری　　کٹ ہی جائے گی شبِ جدائی کی
کوئی پوچھے دلِ سکندر سے　　خضر نے جیسی رہنمائی کی
عرش تک جا کے رہ گئے افسوس　　کیا ہی نالوں نے نارسائی کی
آپ کیا جانیں حضرتِ ناصح　　دل لگایا نہ آشنائی کی
دل کا رستہ بتا دیا اُس کو　　عشق کی ہم نے رہنمائی کی
داستاں بے مزے کی سن لیجے　　ایک ساعت شبِ جدائی کی
ایک ساعت ہی آپ سن لیجے　　داستاں ہے شبِ جدائی کی

ہوں مسلماں تو کیا کریں مائلؔ
بُت پرستی ہیں تو خدائی کی



حقیقت پوچھیے ہم سے بتوں کی خود نمائی کی　　صنم خانے میں ہم نے شان دیکھی ہے خدائی کی
تمھیں کیا حضرتِ ناصح یہی ہے رنگ دنیا کا　　کسی نے دل دیا اپنا کسی نے بے وفائی کی
سکندر رہ گیا جب داغ دل پر نامرادی کا　　جنابِ خضر پھر امید کس کو رہنمائی کی
نہ بیٹھے ایک پل تک کرنہ ٹھہرے ایک جا دم بھر　　مجت خاک چھنوائی رہی ساری خدائی کی
نہ چھوٹے ہیں نہ چھوٹیں گے کسی کے دامِ گیسو سے　　نہ نکلی ہے نہ نکلے گی کوئی صورت رہائی کی
امیدیں حسرتیں دل میں رہیں سب خون ہو ہو کر　　نظر ملتے ہی ظالم نے کچھ ایسی کج ادائی کی
اگر ہوں لاکھ دن روزِ قیامت سے تو کٹ جائیں　　نہیں کٹتی نہیں کٹتی مگر اک شب جدائی کی
کہیں بھٹکے نہ بھولے ہو لیے سیدھے ہی رستہ پر　　ہمارے شوقِ دل نے ہی ہماری رہنمائی کی
دکھا دیں گے کہ وہ آتا ہے گھبرایا ہوا کوئی　　جو کی تاثیر نالوں نے اور آہوں نے رسائی کی
کوئی دیکھے تو غصے میں ترے رخسار کا عالم　　کوئی پوچھے تو میرے دل سے کیفیت لڑائی کی

سبھی سے ملتے جلتے ہو سبھی سے ربط رکھتے ہو
تمھی میں کیا برائی دیکھ لی ساری خدائی کی

بجانے بزم میں کیوں کر قسم کھا رکھی تھی اُس کی
نگہ نے دل ستانی کی ادا نے دل ربائی کی

توافق حسن کا شیوہ ادا کو دل کشی کی خو
نہ تم نے کج ادائی کی نہ دل نے بے وفائی کی

غلط ہے یہ کہ ہر لحظہ دگرگوں رنگِ عالم ہے
وہی دن ہیں وہی راتیں وہی صورت جدائی کی

طوافِ کعبہ اور یاد آئے سائلؔ جام کی گردش
حقیقت دیکھ لی قبلہ تمھاری پارسائی کی



کس کی ہے مجھ کو بلبلِ شوریدہ سر لگی
تالو سے جو زبان نہ بولوں رات بھر لگی

رونے ہی روتے کٹ گئی میری تمام عمر
تیری جھڑی تو خوب ہی اے چشمِ تر لگی

اپنی بھی آہ کا کبھی ہو جائے گا اثر
چلنے تو کوئے یار میں بادِ سحر لگی

فتنے تمام شیخ و برہمن کے مٹ لیے
کچھ دل اِدھر لگا نہ طبیعت اُدھر لگی

پہلے ہی میرے خط سے دل اپنا دیا اُسے
رکھی نہ تو نے کچھ بھی تو اے نامہ بر لگی

دوزخ سے میرے سینے کو تو نے بڑھا دیا
تجھ میں ہے کیسی آگ یہ داغِ جگر لگی

کیا جانے کیا غضب ہے کہ بجھتی نہیں کبھی
رہتی ہے دل میں آگ سی آٹھوں پہر لگی

مذکور سوزِ دل کا ہمارے نہ ہو کہ آگ
کہتے ہیں بزمِ غیر میں اک بات پر لگی

وہ آئیں یا نہ آئیں مگر یاں تو شوق میں
اپنی ہے آنکھ آٹھ پہر سوئے در لگی

اس نازکی پہ قتل کا دعویٰ خدا کی شان
خنجر اُٹھانے سے تو لچکنے کمر لگی

کیسا ہے فیضِ پیرِ مغاں کا کہ شہر میں
ہر جا سبیلِ مے ہے سرِ رہگذر لگی

سنتا ہے ذکر بھی تو نہ صبر و قرار کا
دل کو مرے کسی کی مقرر نظر لگی

اک قہر ہے خدا کا محبت کی آگ تو
پھر حشر تک بجھی نہیں جا کر جدھر لگی

جاتے ہی کوئے یار میں قاصد ہوا شہید
جنت تو اس کے ہاتھ بے دردِ سر لگی

ناصح کا قول ٹھیک ہے الفت کی آگ نے
پھونکا ہے لاکھ گھر کو اگر ایک گھر لگی

کہتے تھے واں کے لوگ کہ ملکِ عدم گیا
قاصد کی کوئے یار میں اتنی خبر لگی

ہے نیلگوں فلک جوانِ آرائشوں پہ بھی
شاید کہ پڑ چکی یہ کسی کی نظر لگی

دل پر ہمارے حشر کئی بار ہو گیا
قاصد کو آنے جانے میں دیر اس قدر لگی

رنگِ ریا نہیں نری تقریر میں جو آہ
تجھ کو ہوائے میکدہ واعظ مگر لگی

سائل صنم کدے سے حرم کو چلے تو ہیں
کچھ دن گزار دیں گے طبیعت اگر لگی

○

واں جفا سے جو خجالت ہوگی
سر پہ عاشق کے قیامت ہوگی

مر کے جنت میں گئے بھی تو کیا
یہی ہم ہیں یہی وحشت ہوگی

وہ سمجھتے ہیں کہ ہے ذکرِ حرام
لوگ کہتے ہیں قیامت ہوگی

غیر سے اپنے ستم کی پوچھو
میں کہوں گا تو شکایت ہوگی

سجدہ کرتے ہو بتوں کو سائل
حشر میں کس سے ندامت ہوگی

○

بلائیں آئیں کہ ناصح کے خبر ہوگی
بنی ہوئی شبِ فرقت میں جان پر ہوگی

بلائے وادیِ غربت ہی راہبر ہوگی
نگاہِ لطف اگر اس کی ہم سفر ہوگی

ستارہ اوج پہ ہوگا جو بادہ خواروں کا
تو اپنی کشتیِ مے آسمان پر ہوگی

ملے گا جاتے ہی خلعت تجھے شہادت کا
یہ منزلت مرے نامہ بر ہوگی

تمام عمر تڑپتا رہے گا دل میرا
جو اس کی تیغِ کرشمہ نہ کارگر ہوگی

شراب خانے میں کیا کام فتنہ و شر کا
قیامت آنے کی کیوں کر ہمیں خبر ہوگی

کہوں تو کیا کہوں تم دیکھنا کہ کیا ہوگا
ہزار میں اگر اک آہ کارگر ہوگی

وہی ہوا نہ قیامت بپا ہم جو کہتے تھے
تمہاری شوخیِ رفتار فتنہ گر ہوگی

حرم میں دیر میں واعظ کہیں تو مرنا تھا
یہ حسرتِ خاک کسی کی تو خاکِ در ہوگی

عدو کی بزم میں جانا تو چھپ نہیں سکتا
جدھر سے جاؤ گے نشانہ وہ رہگذر ہوگی

شراب خانے میں اے شیخ ڈھونڈھتا کیوں ہے — یہاں کہاں تری توبہ خدا کے گھر ہوگی
تمھارے حسن دل آرا کی ہے سُنا جاؤ — یہ داستان ہوئی ہے نہ مختصر ہوگی
چھٹیں گے محفلِ رنداں میں مے کے فوارے — جنابِ شیخ کی جب ریش تر بہ تر ہوگی
وہ انجمن میں جو آئے تو ہم دکھا دیں گے — تمام اہلِ نظر کی نظر اُدھر ہوگی
زمانہ ایک طریقہ پہ رہ نہیں سکتا — کبھی تو اے شبِ ہجراں تری سحر ہوگی
بُتوں کی بزم میں اے شیخ عزت و توقیر — تری تو کیا ترے ایمان کی مگر ہوگی
کہیں تو ہوگی یہ ممکن نہیں کہیں بھی نہ ہو — یہاں نہیں تو عدم میں تری کمر ہوگی
اُڑا نہ خاک صبا تو مزارِ لیلیٰ کی — یہ چیز وہ ہے کہ مجنوں کے زیرِ سر ہوگی
خدا کی حسن پرستی یہ رنگ لائے گی — کسی کی ہو کہ نہ ہو پرسشِ بشر ہوگی
ہزار تیر نگاؤ کمانِ ابرو سے — ہمیں ہوئی ہے نہ فکرِ دل و جگر ہوگی
اُسے بھی نالہ کہوں میں جو بے اثر ہوگا — اسے بھی آہ سمجھ لوں جو بے ثمر ہوگی
کرم سے اُس کے یہ کہتا ہوں شرم ہے مجھکو — خطائیں ایسی نہیں ہیں کہ درگذر ہوگی

گدائیِ درِ میخانہ ایسی ہے مائل
تمام عمر مری عیش سے بسر ہوگی

○

کیا شبِ وصل کی سحر ہوگی — اک قیامت ہی جان پر ہوگی
ہمت اتنی ہی بڑھتی جائیگی — آرزو مجھ کو جس قدر ہوگی
وہ نہ آئے نہ آئیں گے اے دل — عمر ساری یونہیں بسر ہوگی
ہم نہ ہوں گے نہ ہوں شبِ ہجراں — صبح تو قصہ مختصر ہوگی
اثرِ عشق دیکھیے گا آپ — میرے مرنے کی جب خبر ہوگی
روزِ محشر جلو میں کافر کے — ایک دنیا ادھر اُدھر ہوگی
مر گیا نام حسن کے جو تیرا — حسرت اس کی بھی کس قدر ہوگی
تمھیں نفرت ہے جس قدر مجھ سے — مجھ سے حسرت نہ اس قدر ہوگی

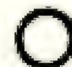
وصل کی قتل کی کہ مرنے کی — جو دعا ہو گی بے اثر ہو گی
شبِ وعدہ ضرور آنا تم — شام سے پہلے ہی سحر ہو گی
رشک تو کام کر چکا ہے تمام — غیر پر ہو گی جب نظر ہو گی
یہ تو کہنے کی بات ہے واعظ — حوریں خوبیِ بشر ہو گی
بندگی سے بھی عار آتی ہے — اب خدا سے بھی درگذر ہو گی

اب تو پھرتے ہوئے خبر سائل
مرنے کے بعد کچھ خبر ہو گی



خبرِ وفاتِ عاشق تو ضرور آئی ہوگی — اُسے موت بھی جو ظالم کہیں دور آئی ہوگی
مری انجمن میں ہر سو ہیں پری رخوں کے جلوے — ترے خواب میں نہ واعظ کبھی حور آئی ہوگی
مجھے دیکھ کر تبسم جو کیا ہے تو نے ظالم — کوئی بات تیرے دل میں تو ضرور آئی ہوگی
مرے کان میں ہے آتی یہیں جہاں بھی جا کے بیٹھا — وہ صدا کہ تم کو موسیٰ سرِ طور آئی ہوگی
مری خاک تیرے در پر ہی ہو گی سر پٹکتی — ترے پیرہن کی جب بو بغرور آئی ہوگی
یہ سفید ریش لیکر جو شراب خانے پہنچے — تمھیں شرم شیخ صاحب تو ضرور آئی ہوگی
تجھے کیا غرض تھی واعظ جو سحر کو اُٹھ کے آتا — تری ریش میکدے میں پئے نور آئی ہوگی
جو قفس پہ ہو کے گذرے تو چمن بنا کے جائے — وہ بہار اس قفس سے کہیں دور آئی ہوگی

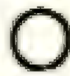
ترے نامۂ عمل سے ہے یقین مجھ کو سائل
تجھے شرم اُس کے آگے تو ضرور آئی ہوگی



توبہ جو ہم خیال ٹھہرے گی — دُخترِ رز با کمال ٹھہرے گی
وار خالی گیا جو قاتل کا — پھر یہ گردن وبال ٹھہرے گی
چشمِ بینا سے جو اُسے دیکھے — ہر ادا بے مثال ٹھہرے گی
تیرے کہنے پہ جو چلوں ناصح — زندگانی وبال ٹھہرے گی

بزمِ دشمن اگر ہو دنیا میں — وہ بھی خواب خیال ٹھہرے گی
صورت اچھی کسی کی ہو اُس کی — شانِ حسن و جمال ٹھہرے گی
رازِ اُلفت جو کھل گیا اُن پر — بات کرنی محال ٹھہرے گی
جب جھکی اُس کے سامنے گردن — صورتِ انفعال ٹھہرے گی
کم سے کم کہہ رہا ہوں فرقت کی — اک گھڑی اک سال ٹھہرے گی
توڑتا ہوں تو توبہ پھر کرنا — ایک امرِ محال ٹھہرے گی
خاک اپنی بھی اک زمانے میں — دولتِ لازوال ٹھہرے گی
یہ زلیخا بھی عشق کے ہاتھوں — ایک دن خستہ حال ٹھہرے گی
کس لیے نامہ بر نہیں کہتا — جو خبر نیک فال ٹھہرے گی
شیخ اُچھلے تو بزمِ رنداں میں — مجلسِ حال و قال ٹھہرے گی
مسجدِ عشق جس سے گونج اُٹھے — وہ اذانِ بلال ٹھہرے گی
اہلِ حاجت کی پردہ داری کیا — خامشی بھی سوال ٹھہرے گی
تم جسے زندگی میں ٹھہراؤ — نعش بھی پائمال ٹھہرے گی
طول دیتا ہوں گر غزل کو میں — تو زمیں پائمال ٹھہرے گی

میں نے پی لی تو دیکھنا سائلؔ
بادہ خواری حلال ٹھہرے گی



اُنھیں دشمنوں کو بلائے بنے گی — ہمیں انجمن سے اُٹھائے بنے گی
خودی ہی نہیں کچھ مٹائے بنے گی — محبت میں سب کچھ بھلائے بنے گی
یہی ہے اگر شوقِ دیدار اپنا — نقاب اُن کو رخ سے اُٹھائے بنے گی
اگر رنگ لائی مری بےقراری — کہو تو تمھیں بال بن آئے بنے گی
سلامت رہے عشق خونِ جگر کیا — کھلائے گا جو کچھ وہ کھائے بنے گی
یہ حالت ہے اب تو کہ احوال دل کا — جو پوچھا کسی نے سنائے بنے گی

حرم ہو کہ بتخانہ جلوہ ہو تیرا — نہیں تو وہاں سر جھکائے بنے گی
نہ بے فکر ہو آگ دل میں لگا کر — بھڑکنے سے پہلے بجھائے بنے گی
تجھے ایسی جلدی ہے کیا جوشِ گریہ — یہ مانا کہ طوفاں اُٹھائے بنے گی
یہ کہہ کر اُٹھا تھا محبت کا شعلہ — کہ یہ آگ دل میں لگائے بنے گی
نہ ہو شیفتہ تجھ پہ تو وہ نہیں ہے — خدا سے بھی تجھ کو چھپائے بنے گی
نگاہِ کرم کہتی ہے تیری ساقی — کہ یاں بھی وہاں بھی پلائے بنے گی
مرا رنگ تیرے جمائے جمے گا — مری بات تیرے بنائے بنے گی

چلے بُت کدے سے تو اُٹھ کر ہو مائل
اسی در پہ حضرت پھر آئے بنے گی



دردِ غم سے نہیں ہوتا دلِ نالاں خالی — ساری دنیا کے ہوئے جاتے ہیں زنداں خالی
سخت جانی سے شبِ وصل تو مر مر کے جیے — کوئی ممکن ہے کہ جائے شبِ ہجراں خالی
دیکھ لینا ہے ذرا فصلِ بہار آنے دو — کہ کوئی چاک سے رہتا بھی ہے داماں خالی
تیرے وعدے نے کیا قہر یہ کیسا ظالم — کر گئے موت کے سارے سر و ساماں خالی
ہم سے دو چار بھی گر رند نہ پہنچے زاہد — تو یہ سمجھو کہ رہا روضۂ رضواں خالی

حضرتِ عشق کے الطاف کہوں کیا مائل
دُر و یاقوت سے رہتا نہیں داماں خالی



وہ بھٹکتا ہی رہا راہِ حقیقت نہ ملی — جس کو کچھ پیرِ خرابات کی صحبت نہ ملی
کسی بت کی کسی بت سے کبھی تو صورت نہ ملی — سارے بتخانے میں دیکھا کہیں کثرت نہ ملی
وہ سخن کیا جسے خوبی و متانت نہ ملی — وہ حسیں کیا جسے شوخی و شرارت نہ ملی
بزمِ دشمن میں تجھے ڈھونڈنے جاتا کیونکر — رہنمائی کے لیے مجھ کو قیامت نہ ملی
میری توبہ ہوئی ساغر میں غریقِ رحمت — زہد و تقویٰ کو ترے شیخ یہ قسمت نہ ملی

غمِ دارین سے آزاد رہا کرتے ہیں
پادشاہوں کو فقیروں کی سی راحت نہ ملی

خُمِ میخانہ سا جب تک کہ عمامہ نہ بندھا
کبھی مسجد کی بھی واعظ کو امامت نہ ملی

حسنِ یوسف کا ہوا ذکر تو ہنس کر بولے
چیز اچھی تھی مگر مصر میں قیمت نہ ملی

محتسب نے جو گرفتار کیا واعظ کو
معتبر تر کوئی توبہ سے ضمانت نہ ملی

سچ کہا ہے کہ بُرا وقت بُرا ہوتا ہے
دوستوں کی بھی نظر روزِ مصیبت نہ ملی

کیوں نہ سمجھوں کہ ملا مُفت غلامی کا شرف
دونوں عالم تو ملے پر مری قیمت نہ ملی

کعبہ و عرش نے کیا کیا نہ دعائیں مانگیں
نہ ملی پر نہ ملی دل کی سی قسمت نہ ملی

خود تو گھر بیٹھ رہے میخانہ میں پہنچی دستار
شیخ کی سی تو کسی کو بھی کرامت نہ ملی

لوگ کرتے ہیں ترے خاک نشینوں میں شمار
کہوں کس منہ سے مجھے دولتِ قسمت نہ ملی

کس طرح غیر ترے جور و ستم کو سہتا
مرے ارماں نہ ملے اور مری حسرت نہ ملی

عدم آباد سے آئے عدم آباد گئے
اس سفر میں کہیں دم لینے کی فرصت نہ ملی

میری آہوں سے لرزتے ہی رہے ساتوں فلک
میرے نالوں سے کبھی چشمِ قیامت نہ ملی

چشمِ قتّال بھی ملی دیدۂ بینا بھی ملا
اس زمانے میں مگر چشمِ مروّت نہ ملی

منہ دکھائے تری رحمت کو تو کیونکر واعظ
خاکِ میخانہ میں دستارِ فضیلت نہ ملی

آنکھ سے مجھ سے گنہگار کی ٹپکا تو کیوں
تجھ سے تاثیر جو اے اشکِ ندامت نہ ملی

اپنے میخانے کو بس باغِ ارم کر دیتا
ہائے صائل مجھے قارون کی دولت نہ ملی



اُس کے سایہ میں نہ بیٹھو جسے عظمت نہ ملی
اُسے انسان نہ سمجھو جسے ہمّت نہ ملی

مصلحت ہو گی کچھ اس کی ہی صنم خانے میں
مجھے ایمان چڑھانے کی اجازت نہ ملی

کھولتے قفلِ درِ میکدہ کیوں کر شب کو
شیخ صاحب کو کلیدِ درِ جنّت نہ ملی

پیرِ میخانہ کی جب تک کہ سفارش نہ ہوئی
نہ ملی شیخ کو کعبہ کی امامت نہ ملی

خاکِ میخانہ ہے کیا چیز اُسے کیا معلوم
جسے جاروب کشی کی کبھی خدمت نہ ملی

منھ چھپائے ہوئے گوشہ میں پڑا ہے زاہد
کیا کرے عُقدہ کشائی جسے ہمت نہ ملی

شام کہتی ہوئی آئی کہ مبارک ہو سحر
مختصر ایسی کسی کی شبِ فرقت نہ ملی

وہ ہیں انوارِ جہاں تاب کہ اللہ اللہ
صورتِ پیرِ مغاں سے کوئی صورت نہ ملی

اپنی زلفوں کے اسیروں میں گن دی اُس نے
پھر بھی کہتا ہوں کہ ایمان کی قیمت نہ ملی

مجھے دیوانہ بناتے تمھیں لیلیٰ کہتے
یہ تو اچھا ہی ہوا قیس کی قسمت نہ ملی

سب کہیں گے کہ تنگ ظرف ہے اے قامتِ یار
تیرے فتنوں سے اگر جھک کے قیامت نہ ملی

وہ تو پتھر ہے جسے دردِ محبت نہ ملا
وہ تو اندھا ہے جسے چشمِ مروت نہ ملی

نہ کھلا راز ترے حسن و ادا کا نہ کھلا
نہ ملی دردِ محبت کی حقیقت نہ ملی

ذکر بھی نہ رہی نہ ارادہ افسوس
پیرِ میخانہ سے واعظ تجھے ہمت نہ ملی

پھر زمیں ملتی کہاں خیمۂ لیلیٰ کے لیے
دلِ وحشی کی قسم قیس کو وحشت نہ ملی

اس سے جانا کہ ابھی اور ہے دنیا کا قیام
آنے والی ترے کوچہ میں قیامت نہ ملی

فتنۂ قد سے ترے آنکھ ملائے کیوں کر
تیری رفتار کے فتنوں سے قیامت نہ ملی

یوں کیا کرتے ہیں اظہارِ کرامت عشاق
وہ مٹانے کو جو آئے مری تربت نہ ملی

یوں بھی سوتوں کو جگاتے ہیں کہ گھبرا اٹھیں
آدمیت تجھے اے شورِ قیامت نہ ملی

دہن اس کا نظر آیا تو یہ غنچوں نے کہا
رنگ ایسا نہ ملا ایسی نزاکت نہ ملی

آگ لینے کے بہانے ترے در پر آتے
ہمیں حضرتِ موسیٰ کی سی قسمت نہ ملی

نامرادی اسے کہتے ہیں کہ ہم ساری عمر
کوئے قاتل میں رہے اور شہادت نہ ملی

شیخ میخواروں کے کیا رمز و کنائے سمجھے
کہ اُسے پیرِ خرابات کی صحبت نہ ملی

کیا کوئی اور جگہ ارض و سما میں تجھ کو
اک مرے دل کے سوا دردِ محبت نہ ملی

چپکے چپکے ہی دلِ غیر جلایا کرتا
اتنی تاثیر بھی اے سوزِ محبت نہ ملی

خانہ جنگی حرم و دیر سے ہوتی رہتی
خیر گزری کہ مرے دل کو کدورت نہ ملی

کچھ بھی دشوار نہ تھا کھینچ بلانا میرا
در کعبہ کو صنم خانہ کی ہمت نہ ملی

بزمِ رنداں میں جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے
کون کہتا ہے کہ زاہد کو متانت نہ ملی

خاک اُڑانے کے سوا اس کو کچھ آیا نہ گیا
مجھے زیبا ہے کہوں قیس کو وحشت نہ ملی

دل دورنگی کی کشاکش سے بچا خوب ہوا
درِ میخانہ سے کعبہ کی اجازت نہ ملی

وہی نشے جس سے خودی مٹ کے خدائی ملتی
بوند بھر شیخ کو ہنگامِ عبادت نہ ملی

سوئے میخانہ کبھی شیخ نہ آیا بیتاب
دخترِ رز کی بھی کم بخت کو الفت نہ ملی

ایک ایمان، خدا اس کو سلامت رکھے
ہمیں دنیا میں کوئی چیز سلامت نہ ملی

محتسب خضر سے بھی آج تو بڑھ کر نکلا
میکدے میں کوئی کشتی بھی سلامت نہ ملی

ٹوٹی پھوٹی کسی زاہد کی مرے سر ٹیکی
مجھے توبہ بھی تو کم بخت سلامت نہ ملی

وہ خدا جانے کدھر ہو کے گئے غیر کے گھر
راہ رستے میں کہیں مجھ کو قیامت نہ ملی

گرد پھر پھر کے شبِ قدر بسر کی مائل
درِ میخانہ پہ ٹکنے کی اجازت نہ ملی



وقتِ آخر آ گئے وہ اُن کی صورت دیکھ لی
زندگی میں ہم نے تاثیرِ محبت دیکھ لی

کعبہ و بت خانہ کی بس یہ حقیقت دیکھ لی
یاں بھی خلقت دیکھ لی اور واں بھی خلقت دیکھ لی

تھا دم آنکھوں میں کہ شامِ روزِ فرقت دیکھ لی
چلتے چلتے ایک یہ بھی اس کی قدرت دیکھ لی

رہ گئے ہیں دو گھڑی آتی ہے اب فرقت کی رات
اک قیامت دیکھتے ہی اک قیامت دیکھ لی

آج نکلے گا عدو میری طرح ہو کر ذلیل
آج اس نے صبح اٹھ کر میری صورت دیکھ لی

اب یہ سمجھے ہم کہ تھا نازِ سیہ کاری درست
اب کسی کی وسعتِ دامانِ رحمت دیکھ لی

اب نہ جائیں لاکھ بھیجے ان کو جنت میں کوئی
عرصۂ محشر کی دیوانوں نے وسعت دیکھ لی

کیا رہا ہے حشر میں دیکھو گے کیا اے زاہدو
اُس کی رحمت دیکھ لی میری ندامت دیکھ لی

ایک بھی ٹوٹا نہیں حلقہ مری زنجیر کا
دیکھ لی شورش تری اے جوشِ وحشت دیکھ لی

اب کہاں جائیں الٰہی کیا کریں کیونکر جئیں
آزما کر تیرے در پر اپنی قسمت دیکھ لی

نام لیتے ہی سفر کا بے کسی چھا گئی
دو قدم چل کر وطن سے شانِ غربت دیکھ لی

یہ نہ سمجھے مر نہ جائے کوئی پڑھ کر یہ سخن
خط میں لکھ بھیجا کہ تاثیرِ محبت دیکھ لی

دیکھنا اُس کا تو کیسا اُس کے کوچہ میں مگر ہر قدم پر اک نہ اک تازہ مصیبت دیکھ لی
جب خیال و وہم کی حد سے قدم آگے بڑھا ہر در و دیوار میں اپنی ہی صورت دیکھ لی
کچھ تصور اس کا باندھا کچھ ہوا مے کا سرور ہم نے گھر میں بیٹھے بیٹھے سیرِ جنت دیکھ لی
ہائے دل نے یہ نہ دیکھا عشق ہے دشوار کام عمر بھر کے اور کاموں سے تو فرصت دیکھ لی
رنج و غم درد و الم سارے جہاں کے بھر لیے اے فلک تو نے ہمارے دل کی وسعت دیکھ لی
وقت جب آکر پڑا تو کوئی بھی دیکھا نہ یار چار پیسے کی مگر صاحب سلامت دیکھ لی
جب تصور بندھ گیا ہے شوخیِ رفتار کا آنکھ اُٹھا کر جس طرف دیکھا قیامت دیکھ لی

ہیں طوافِ کعبہ اور مائل بتوں کی تاک جھانک
پارسائی آپ کی حضرت سلامت دیکھ لی



اک نفس کی سب کی ہستی دیکھ لی ہر بلندی اور پستی دیکھ لی
دیکھ لی دنیا کی ہستی دیکھ لی چلتے چلتے یہ بھی بستی دیکھ لی
رفتہ رفتہ اک تمہاری یاد میں دل سے ویرانے میں بستی دیکھ لی
کیا وہ دیکھے کوثر و تسنیم کو جس نے اُن آنکھوں کی مستی دیکھ لی
روزِ محشر بھی رہا وہ محوِ ناز انتہا کی خود پرستی دیکھ لی
میکدے سے اب نہ مر کر جائے گا شیخ نے رحمت برستی دیکھ لی
چشمِ ساقی کا تصور اور شیخ بادۂ ناب ایسی سستی دیکھ لی
ہم نہ ملتے ہم نہ ملتے خاک میں دل کے ہاتھوں تنگ دستی دیکھ لی
اک نگاہِ مہر سے بڑھتے نہیں جنسِ عصیاں ایسی سستی دیکھ لی
بے نیازی اس سے بڑھ کر اور کیا اپنے گھر میں بت پرستی دیکھ لی
نالۂ دل سوزِ بلبل سن لیا نرگسِ شہلا کی مستی دیکھ لی
کیا وہ آئیں اب ہماری گور پر دور سے حسرت برستی دیکھ لی
اب کسی صحبت میں جی لگتا نہیں دل کے اندر ایسی بستی دیکھ لی

کیوں نہ ہو حیرت فزا نیرنگِ یار نیستی میں بزمِ ہستی دیکھ لی

مائل اس کی سرپرستی دیکھنا
جس کے دم سے حق پرستی دیکھ لی



اول تو عاشقی میں مری جان پر بنی آخر یہ نوبت آئی کہ ایمان پر بنی
کعبہ کو دیکھتے ہی مری جان پر بنی پہنچا جو میکدے میں تو ایمان پر بنی
بنتی نہیں ہے بات جو قابو میں دل نہ ہو اُلٹی اُدھر نقاب اِدھر جان پر بنی
بگڑا ہوا مزاج ہے گیسوئے یار کا یہ اور آج دل سے پریشان پر بنی
جیسا ہے اس بہار میں دستِ جنوں کا زور ایسی کبھی نہ اپنے گریبان پر بنی
جب شوقِ خود نمائی ہوا حسن و ناز کو میں تو سمجھ گیا کہ اب انسان پر بنی
پیتا ہوں گھول گھول کے تسکین کے لیے دردِ فراقِ یار میں قرآن پر بنی
ایسے کہاں نصیب کہ تیرا ہو داغِ عشق کافر ہوں گر کہوں کہ مری جان پر بنی
آیا خدا نہ یاد وہ جلوے نظر پڑے بزمِ بتاں میں جاتے ہی ایمان پر بنی
افلاک سے گذر گئی فریادِ میکدہ بیدادِ محتسب سے وہ سامان پر بنی
اس آہِ نیم شب کو وہ کہتے ہیں بے اثر جس سے کہ آسمان سے ذی شان پر بنی
مجھ پر بنی ہوئی ہے وہ کوچہ میں آپ کے اغیار پر بنی نہ وہ دربان پر بنی
ناصح کو کیا خبر کہ محبت ہے چیز کیا ایمان پر بنی نہ کبھی جان پر بنی
سر پیٹنے کی دل سے جو آواز آئی ہے کیا جانے آج کیا مرے ارمان پر بنی

مائل بنی ہوئی ہے وہ اک بت کے عشق میں
جو گبر پر بنی نہ مسلمان پر بنی



درِ دشمن پہ سر دیے ہی بنی جو نہ کرنی تھی وہ کیے ہی بنی
دیکھیے اور دیکھنا کیا ہے کہ شبِ ہجر میں جیے ہی بنی

نہ رہا پاسِ دشمع پر نہ رہا — بات کرنی نہ تھی کیسے ہی بنی
ان گراں جانیوں کے صدقے ہیں — تا قیامت ہمیں جیے ہی بنی
توبہ تو کر چکے تھے پر واعظ — مے گلفام بھی پیے ہی بنی

ہائے کس کا ظہور تھا مائل
سجدہ بُت خانے میں کیے ہی بنی



آیا نہیں ہے یار کو لطفِ جفا ابھی — مجھ سے سُنا نہیں ہے مرا ماجرا ابھی
وہ کہہ رہے ہیں کس پہ کروں امتحانِ تیغ — آ جائے تو عجب نہیں میری قضا ابھی
تو نے جفا سے ہاتھ اُٹھایا تو کیا ہوا — خنجر کشیدہ ہے تری ہر ہر ادا ابھی
ساری تری نمود ہے بس ایک آہ کی — بگڑا نہیں فلک کوئی درد آشنا ابھی
گر چھیڑ دوں گا بزم میں دشمن کا تذکرہ — جاتی رہے گی آپ کی شرم و حیا ابھی
شہرت سہی جہاں میں پر اپنے خیال میں — اُن کی جفا ابھی ہے تو اپنی وفا ابھی
تھا لطف اک نگاہ کا وہ بھی تو کھو دیا — کرنی نہ تھی وصال کی ہم کو دعا ابھی
دیکھا بھی تم نے رنگ الٹ کر نقاب کو — کیا تھا ابھی جہان میں اور کیا ہوا ابھی
اُن کے تو اختیار میں دونوں جہان ہیں — جو چاہیں کر دکھائیں یہ ناز و ادا ابھی
پیرِ مغاں کو ناز مری مے کشی پہ ہے — اور خلق جانتی ہے مجھے پارسا ابھی
دنیا میں شور اُس کی جفا کا ہے اور یاں — آیا نہیں زبان پہ حرفِ وفا ابھی
کہتے یو نہی ہیں گبر و مسلماں برا برا — سمجھا نہیں ہے کوئی مرا مدعا ابھی
آتا چلا ہے لطف تغافل کا یار کے — یارب نہ ہو قبول ہماری دعا ابھی
پہنچے گی یہ وہاں کہ جہاں کوئی بھی نہ ہو — گزری ہے عرش سے مری آہِ رسا ابھی
گھبرا کے یہ دعا شبِ غم کر رہا ہوں میں — ہو جائے اے خدا ابھی روزِ جزا ابھی
آنے سے تیرے آگ مجھے کیسے رشک کی — کوچہ میں غیر کے ہے ترا نقشِ پا ابھی
تم کو خیال بھی نہیں ایفائے وعدہ کا — کیا پوچھتے ہو غم کی مرے انتہا ابھی

مائل کو ساتھ لائے تھے تائب سمجھ کے شیخ
کعبہ میں توبہ توڑ کے وہ چل دیا ابھی



ممنون تری تیغ کا سینہ بھی ہے سر بھی
مرہون ترے تیر کا دل بھی ہے جگر بھی

موجود ہے ناوک کے لیے دل بھی جگر بھی
وہ تیغ بکف آئیں تو حاضر ہے یہ سر بھی

چھوڑا نہیں اُس نے کوئی اندازِ نظر بھی
دیکھا جو قیامت کو دہن بھی ہے کمر بھی

شرمائے وہ ایسے کہ اُٹھانے نہیں سر بھی
آفت ہے قیامت ہے محبت کی نظر بھی

سچے ہیں تو اک آپ ہیں جھوٹا ہے یہ سر بھی
دیتے ہیں گواہی مری خنجر بھی کمر بھی

میرے تو ہیں مشتاق چلا جاؤں جدھر بھی
جنت کے گلِ تر بھی جہنم کے شرر بھی

ہے شمع کے رونے میں جو تھوڑا سا اثر بھی
سوزِ دلِ پروانہ ادھر بھی ہے اُدھر بھی

ہیں ہی نہیں مضطر تری بخشش کی ہوائیں
بیتاب ہے بیتاب مرا دامنِ تر بھی

مجھ کو بھی ہنساتا ہے اُنھیں بھی ہے ہنساتا
میرا دلِ دیوانہ ادھر بھی ہے اُدھر بھی

اغیار کی محفل سے مرے دل میں چلے آؤ
ہونے کی نہیں اُن کے فرشتوں کو خبر بھی

گریہ ہی برستا ہے ترا دیدۂ گریاں
روئیں گے تری جان کو دیوار بھی در بھی

شیریں جو گئی کود کے پتھر یہ پکارے
ٹھوکر کی تمنا میں ہے فرہاد کا سر بھی

آتا ہے ترے شوق میں جب تیر پری پر
انسان فرشتوں سے ملاتا نہیں پر بھی

کیا آنکھ ملائیں گے وہ اللہ کے آگے
آلودہ مرے خوں سے ہے دامانِ نظر بھی

ہیں ابروئے خمدار کہ حسنِ ستم آرا
کھینچے ہوئے تلوار ادھر بھی ہے اُدھر بھی

اُس کا جو چڑھا بحرِ کرم دونوں ہوئے غرق
خورشیدِ قیامت بھی مرا داغِ جگر بھی

یہ دیر ہے وہ کعبہ ہے حیراں ہوں کدھر جاؤں
لبیک کی آواز ادھر بھی ہے اُدھر بھی

موزوں تری ہر چیز بنائی ہے خدا نے
غنچہ سا دہن بھی ہے رگِ گل سی کمر بھی

آنکھیں ہیں اگر دیکھو شب و روز کی گردش
ہر شام کے پیچھے نظر آتی ہے سحر بھی

بت خانہ میں ناقوس ہے کعبہ میں اذاں بھی
شورِ دلِ عشاق ادھر بھی ہے اُدھر بھی

طوفانِ محبت کی امامت میں رہا کیا — سجدے میں مرے ساتھ گیا دیدۂ تر بھی
رخسار کا پردہ نہ اُٹھے گا کبھی اُن کا — ہو جائے اگر چاک گریبانِ سحر بھی
جس گھر میں لگے آگ مرا خانۂ دل کیا — شعلے بھی بھڑکتے ہیں نکلتے ہیں شرر بھی
ہرگز نہ اُٹھانا رخِ تاباں سے نقابیں — کھل جائے گا جو راز اِدھر بھی ہے اُدھر بھی
وہ کون سی ساعت ہے کہ فرقت میں تمھاری — ٹپکا نہ ہو آنکھوں سے مرے خونِ جگر بھی
اے کاتبِ تقدیر ترے ہاتھ قلم ہوں — روتا ہے نصیبوں کو مرے ساتھ ہنر بھی
شعلوں کو جہنم ترے کیا آگ لگاؤں — ان سے نہ ہوا خشک مرا دامنِ تر بھی
جس پر نہ ہوئے ہوں ترے احسان ہزاروں — ایسا نہیں دنیا میں کوئی فردِ بشر بھی
نیند آئے تو کیوں کر کسی پہلو کسی کروٹ — دنیا کا تجسس بھی ہے اللہ کا ڈر بھی
بت خانہ تو کیا چیز ہے فریاد و فغاں سے — ہم سر پہ اُٹھا لیتے ہیں اللہ کا گھر بھی
وہ شورِ قیامت کا مچایا شبِ غم میں — گھبرا کے یہ کہنے لگا سودا سا سحر بھی

مائل تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
آتی ہے سحر ہونے کو ظالم کہیں مر بھی

○

لڑ جاتی ہیں کسی سے نگاہیں کبھی کبھی — کر لیتے ہیں جواب بھی ہم آہیں کبھی کبھی
بیٹھے مرے لیے ہوں نگہبان جا بجا — جی ڈھونڈتا ہے پھر بھی راہیں کبھی کبھی
شکوے کیے جو اُن سے نہ ملنے کے کہتے ہیں — اپنی تو آپ وضع نباہیں کبھی کبھی
انجان بن کے کہتے ہیں سنتا ہوں نیند میں — بھرتا ہے کوئی رات کو آہیں کبھی کبھی
کھلتا نہیں ہے بھید کہ کیوں بچھ جاتے ہیں — واعظ شراب خانے کی راہیں کبھی کبھی
گھبرا کے دیکھتا ہوں فلک کو گھڑی گھڑی — پھر جاتی ہیں جو اُن کی نگاہیں کبھی کبھی

توبہ کے ہوش اُڑتے ہیں آجاتی ہے جو یاد
مائل کسی کی مست نگاہیں کبھی کبھی

○

قاصد کی شہادت کا نہ ہوتا ہمیں غم بھی
کر دیتے اگر خط میں کوئی راز رقم بھی

کیا جانیے کیا چیز ہے یہ عشق کا غم بھی
دیکھا جسے روتے ہوئے رونے لگے ہم بھی

دل سے مرے پوچھے کوئی کیا ان میں مزا ہو
خالی نہیں الطاف سے یہ جور و ستم بھی

اک بار بلائیں تری ہم لے کے رہیں گے
اس جرم میں ہو جائیں اگر ہاتھ قلم بھی

ہم پر ہی ستم کرتے ہیں یہ لطف تو دیکھو
اور ہم سے ہی وہ چاہتے ہیں دادِ ستم بھی

کیونکر نہ کہوں میں شبِ فرقت نہ کٹے گی
موجود ہے ہر رنگ میں ہستی کے عدم بھی

اے راہ روِ ملکِ بقا بچ کے نکلنا
کہتے ہیں اسی راہ میں ہے ملکِ عدم بھی

کیونکر اسے دل کوچۂ دلدار سے نسبت
جنت سے نہیں گلشنِ شداد تو کم بھی

باندھی ہے گراں جانیِ عاشق نے ہوا وہ
رکھی ہی رہی آپ کی یہ تیغِ دو دم بھی

گھیرے ہوئے بیٹھا ہے مجھے شوقِ شہادت
ڈالا نہیں ابرو میں ابھی آپ نے خم بھی

پائے تو کہاں راہِ فنا میں کوئی مجھ کو
میں وہ ہوں سبک رو کہ نہیں نقشِ قدم بھی

میرا دلِ ویران تو ہے دلی سے بڑا شہر
حسرت بھی ہے آباد وہاں رنج و الم بھی

کیا جانے وہ کیا چیز ہے میخانۂ جنت
دیکھا نہیں واعظ نے کبھی باغِ ارم بھی

چھوڑا ابھی نہیں محتسبِ دہر نے اس کو
آخر کو شکستہ ہی ہوا ساغرِ جم بھی

اس زہدِ ریائی سے تو وہ کام کر اے شیخ
آ جائیں زیارت کو تری دیر و حرم بھی

سچ یوں ہے کہ بیجا ہے گلہ جور و ستم کا
ہم پر ہیں کیے تو نے بہت لطف و کرم بھی

امیدِ کرم پر تری یاں تک تو ہیں گستاخ
جھوٹی کبھی کھا لیتے ہیں ہم تیری قسم بھی

کیا جی کے کرے عاشقِ ناشاد کہ اس کی
اللہ بھی سنتا نہیں فریادِ صنم بھی

میں نے ہی محبت میں نہیں کی ہے نئی بات
سجدے بھی کیا کرتے ہیں لیتے ہیں قدم بھی

بت خانے میں رہتے ہوئے مدت ہوئی سائل
جی میں ہے کہ [illegible] دیکھ آؤں کسی روز حرم بھی

○

نئی بات دل سے نکلتی رہی
محبت جو پہلو بدلتی رہی

محبت کا دیکھا عجب میکدہ
مئے ناب خم سے ابلتی رہی

قلق بعدِ مردن بھی یہ تھا کہ لاش
فلک تک تو برسوں اچھلتی رہی

پڑا تھا نہ جب تک محبت سے کام
بلا سر پہ جو آئی ٹلتی رہی

اگر یونہی نیرنگِ جلوہ رہا
تو شیخ و برہمن میں چلتی رہی

جلایا تو پروانہ کو شمع نے
مگر عمر بھر خود بھی جلتی رہی

شبِ ہجر کچھ تھی شبِ وصل کچھ
قیامت بھی پیکر بدلتی رہی

وہ تمکیں سے بیٹھے رہے بزم میں
ادا پر ادا اک نکلتی رہی

وہ لے جانِ عاشق کو چلتے ہوئے
اجل ہاتھ ملتی کی ملتی رہی

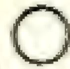
حیا وصل میں اور بڑھتی گئی
نگہ مست ہو کر سنبھلتی رہی

کسی سے کہی اس نے محفل میں بات
وہ پھر پھر کے مجھ پر ہی ڈھلتی رہی

نہ جلنے دیا گرچہ فانوس نے
مگر جانِ پروانہ جلتی رہی

وہاں ایک جنبش تھی ابرو کی یاں
دل و جاں میں تلوار چلتی رہی

نباہا تو مائل نے توبہ کو خوب
مگر جان مے پر نکلتی رہی



دن سہی اور آفتاب سہی
آؤ جلوہ بھی اک نقاب سہی

بزمِ رنداں میں آؤ بھی اے شیخ
عہدِ پیری نہیں شباب سہی

جس نے رسوا کیا مجھے اتنا
وہ مرا دیدۂ پر آب سہی

اب تو جھکتیں گے کچھ بھی ناصح
نہ سہی عشق اک عذاب سہی

زلف کا اور خیال ہاں یہ کہو
عمر بھر ایک پیچ و تاب سہی

جس نے عالم کیا تہ و بالا
ہاں وہ میرا ہی اضطراب سہی

دشمنِ جاں اگر نہیں بے نگاہ
فتنۂ چشمِ نیم خواب سہی

دیکھنا تو گنہ نہیں واعظ
بادہ خواروں سے اجتناب سہی

تم ہو اور ہم ہیں اور مے ہے
آج غیروں سے اجتناب سہی

نہ سہی عہدِ غیر کا مذکور — یہ مری بات کا جواب سہی
دیکھنا ہے وہ طولِ روزِ جزا — حسرتوں کا مری حساب سہی
کسی گنتی میں ہم بھی تو آئیں — مہربانی نہیں عتاب سہی
کچھ بھی ہو اب تو کہہ کے اٹھیں گے — بات دفتر نہیں کتاب سہی
زندگی بخش کچھ نہ کچھ تو ہو — آبِ حیواں نہیں شراب سہی
ماہ کہنے سے کیوں برا مانا — نہ سہی ماہ آفتاب سہی
کیوں نہیں دیکھتے ہو جانبِ غیر — میں نہیں آپ کامیاب سہی

گر نہیں فخرِ خانداں مائل
نہ سہی خانماں خراب سہی



توڑیں نہ آپ آئینہ اچھا نہیں سہی — عالم میں دوسرا کوئی تم سا نہیں سہی
اے قیس اپنے محملۂ دل میں تو دیکھ تو — گو پیشِ چشم محملِ لیلیٰ نہیں سہی
دل میں جگہ ہے جس کی ہمیں جانتے ہیں خوب — ظاہر میں تم کو پاس کسی کا نہیں سہی
میں نے کہا کہ مجھ پہ عنایت ذرا نہیں — کہنے لگے نہیں ہے تو اچھا نہیں سہی
فرہاد پر ہی ختم سہی سر بھی پھوڑنا — ہم کو کسی ہنر میں بھی دعویٰ نہیں سہی
ربطِ عدو کے ذکر پہ بگڑے ہو کس لیے — جانے دو بس نہیں ہے تو اچھا نہیں سہی
اچھا مجھی سے ضبطِ محبت نہ ہو سکا — گردن پہ تیری خونِ تمنا نہیں سہی
غش میں تو شغلِ حضرتِ موسیٰ نہیں ہوا — گر میں نہیں ہوں محوِ تماشا نہیں سہی
تو جو کہے بجا ہے کہ دل دے چکے ہیں ہم — یہ ظلم یہ ستم ترے بے جا نہیں سہی
ہم بے نصیب بزم سے ساقی نہ جائیں گے — پی لیں گے جامِ زہر بھی صہبا نہیں سہی
باتوں ہی میں بزمِ غیر کو برہم تو کر دیا — محشر نہیں ہوا ہے جو برپا نہیں سہی
آئے ہو میکدے میں جو واعظ تو مے پیو — گو اس درازِ ریش پہ زیبا نہیں سہی
آیا نظر نہ وہ ہمیں جس کا خیال ہے — دیکھا نہیں جو خوابِ زلیخا نہیں سہی

دشنام پاسباں کے جفا آسمان کی
دل دے کے ہم نے آپکو کیا کیا نہیں سہی

ناصح خدا کے واسطے اب آپ جائیے
اچھا نہیں سہی تمھیں سودا نہیں سہی

دل نے مرے ہی راز حقیقت کیا ہے فاش
دیر و حرم میں جلوہ تمھارا نہیں سہی

باطن میں اس کے بحر محبت ہے جوش زن
ظاہر میں ایک اشک بھی دریا نہیں سہی

دنیا کو ترک کر کے بھی ملتی نہیں نجات
عقبیٰ کا غم سہی غم دنیا نہیں سہی

پابند وضع غیر سہی ہاں نہ ملیے آپ
مجھ سا جہان میں کوئی رسوا نہیں سہی

ہر ایک شعر چشمۂ آب حیات ہے
ہاں طبع میں روانیٔ دریا نہیں سہی

مائل یہ میکدہ ہے یہاں شان اور ہے
کعبہ تجھی مگر خدا کا ہے۔ ایسا نہیں سہی



ہم کو کسی کی کچھ بھی خبر ہی نہیں سہی
اچھا اس انجمن میں گذر ہی نہیں سہی

اچھا مری فغاں میں اثر ہی نہیں سہی
دنیا تمام زیر و زبر ہی نہیں سہی

سمجھے نہ پاسباں کی بھی غفلت کو دیکھ کر
مرنے کی میرے تم کو خبر ہی نہیں سہی

ہاں میں ہی کہہ رہا ہوں بتوں کو برا برا
واعظ ترے مزاج میں شر ہی نہیں سہی

آفت ہے پھر بھی درد محبت خدا گواہ
اس میں کسی طرح کا ضرر ہی نہیں سہی

ہم نے تو کوئے غیر میں مدفن بنا لیا
نالہ زدہ تیری راہ گذر ہی نہیں سہی

یا آج بزم یار سے نکلی عدو کی لاش
یا آج اپنے دوش پہ سر ہی نہیں سہی

عاشق تمھیں پہ سب ہیں بگڑتے ہو کس لیے
کوئی کسی کا مد نظر ہی نہیں سہی

عاشق بھی ہے عدو ہی، عدو میں وفا بھی ہے
ہم میں کسی طرح کا ہنر ہی نہیں سہی

نجانے چلتے پھرتے ہیں، ملنا جو چاہتے
اچھا مرا جہان میں گھر ہی نہیں سہی

ہم وہ ہیں سخت جاں نہیں مرنے کے ہجر میں
اس رات کی امید سحر ہی نہیں سہی

ناصح یہ کیا برا ہے کہ دل میں تو کوئی ہے
اچھے برے پہ ہم کو نظر ہی نہیں سہی

یہ میری آہ گرم بناوٹ ہے جان لو
سینے میں میرے سوز جگر ہی نہیں سہی

محفل میں سب طرف ہوں اشارے ستم شعار
ہاں اک نگاہِ ناز ادھر ہی نہیں سہی

ملکِ عدم کا عزم ہے آتی نہیں اجل
قسمت میں اپنی کوئی سفر ہی نہیں سہی

واعظ سے کون ضد کرے کعبہ کی شان کا
عالم میں دوسرا کوئی گھر ہی نہیں سہی

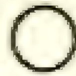
جب قتل پر ہمارے ہی بندھتی نہیں کبھی
اپنی طرف سے اس کے کمر ہی نہیں سہی

رکھیں گے آپ حسن کو کب تک نقاب میں
دنیا میں کوئی اہلِ نظر ہی نہیں سہی

لائے کہاں سے پینے کو ہم ہمت روز روز
واعظ کو مے کشی سے حذر ہی نہیں سہی

ہاں چاہیے ضرور رکھیں فکرِ زادِ راہ
درپیش ہم کو کوئی سفر ہی نہیں سہی

مائل ہے فاش رحمتِ حق اجرِ میکشی
نزدیک واعظوں کے ہنر ہی نہیں سہی



پہلو میں میرے یار کی تصویر ہی سہی
تسکینِ اضطراب کی تدبیر ہی سہی

وحشت میں کچھ نہ کچھ تو ہو دل بستگی کی بات
ناصح سے اور دو گھڑی تقریر ہی سہی

آتا نہیں یقین کہ تیرِ پا زیا تھیں
مانا کہ آہ غیر میں تاثیر ہی سہی

ہاں کچھ تو بانکپن کی نکلتی رہے ادا
خنجر نہیں کمر میں تو شمشیر ہی سہی

نیت تھی مسجدوں کی ہی واعظ کی ضد سے اب
اچھا شراب خانے کی تعمیر ہی سہی

اچھا نہیں سہی دمِ عیسیٰ میں کچھ اثر
وہ بھی تمھاری شوخیِ تقریر ہی سہی

درباں کی آنکھ میں بھی سبک ہو کے اب رہے
توقیر گر یہی ہے تو، تو قیر ہی سہی

کچھ تو رہے جہان میں اپنی بھی یادگار
دردِ غمِ فراق کی تحریر ہی سہی

واعظ جو بے گناہ جہنم میں پڑ گیا
یارب، مرے گناہ کی تعزیر ہی سہی

سارے کسی کی تیغِ ادا کے شہید ہیں
کہیے تو خیر کشتۂ شمشیر ہی سہی

بخشش سے ہو غرض مجھے رحمت سے کام ہے
یہ بندگی مری مری تقصیر ہی سہی

کیا جانے کس خیال نے پابند کر دیا
کہنے کو میرے پاؤں میں زنجیر ہی سہی

بڑھتا چلا ہے غیر سے ربط اور اتحاد
یہ بھی ہماری آہ کی تاثیر ہی سہی

جانے دو جذبِ شوق سے آئے نہیں ہیں آپ
اچھا ہے میری خوبیِ تقدیر ہی سہی

کعبہ میں چل کے آج بھی سائل دعا کریں
اس در پہ آزمائشِ تقدیر ہی سہی



دل کیا کسی شے میں بھی کدورت نہیں دیکھی
میخانہ نشینوں کی سی صحبت نہیں دیکھی

پردے کو دوئی کے جو اٹھایا تو نہیں تھے
اب کہہ نہیں سکتے تری صورت نہیں دیکھی

جو آئی فرشتوں کی زباں پر وہی کہہ دی
اس خاک کے پتلے کی حقیقت نہیں دیکھی

آنکھوں پہ جگہ دیتے ہیں دشمن کو بھی عشاق
ان کی سی کسی میں بھی مروت نہیں دیکھی

نکلا کبھی جو خورشید تو رستہ نہیں ملتا
تیری سی سیاہی شبِ فرقت نہیں دیکھی

ابرو پہ نظر پڑتے ہی سر سجدے میں رکھا
محرابِ حرم نے تری صورت نہیں دیکھی

سجدہ جو کیا در پہ ترے کعبہ سمجھ کر
اس میں تو کوئی ہم نے قباحت نہیں دیکھی

کی ایک بشر نے تری خلوت میں رسائی
بے پردہ کسی اور نے صورت نہیں دیکھی

یا پیرِ مغاں کہتے ہی دونی ہوئی مستی
ایسی تو کسی پیر کی نسبت نہیں دیکھی

ہیں عالمِ مستی میں دو عالم کو سنبھالے
رندانِ قدح کش کی سی ہمت نہیں دیکھی

سالک کے قدم آگے ہی بڑھتے ہوئے دیکھے
جلووں سے سرِ راہ کے حیرت نہیں دیکھی

مجنوں نے قدم چوم کے یہ عرض کی مجھ سے
حضرت کی کبھی جوش پہ وحشت نہیں دیکھی

اک جام میں واعظ نہیں مستانہ بنا تو
کیا پیرِ خرابات کی ہمت نہیں دیکھی

کھولے ہوئے صیاد رہا در کو قفس کے
بلبل میں جو پرواز کی طاقت نہیں دیکھی

خوں ہو کے یہ بہہ جائے گا چھیڑو نہ ہمیں تم
اب دل کی جو حالت ہے یہ حالت نہیں دیکھی

موجیں جو نظر آنے لگیں بحرِ کرم کی
توبہ کی دمِ مرگ ضرورت نہیں دیکھی

دیکھی جو ترے روئے کتابی میں ہیں آیات
قرآں میں ایسی کوئی آیت نہیں دیکھی

اس کے ہی کرم سے ہے چلا کام ہمارا
تاثیر تری اشکِ ندامت نہیں دیکھی

پوچھو تو کوئی شیخ سے کیا کعبہ میں دیکھا
جب مائلِ مئخوار کی تربت نہیں دیکھی

○

کیونکر یہ کہوں ایسی مصیبت نہیں دیکھی
اک بات نئی روز قیامت نہیں دیکھی

بے شر کسی بت کی بھی طبیعت نہیں دیکھی
فتنے نہ ہوں جس میں وہ قیامت نہیں دیکھی

بکتا اسے بازارِ محبت میں تو دیکھا
دل کی کہیں ملتی ہوئی قیمت نہیں دیکھی

پوچھو مری آنکھوں سے کہ کس کس کو نہ دیکھا
یہ حسن یہ انداز یہ صورت نہیں دیکھی

وہ دیر و حرم میں کسی قابل نہیں دیکھا
جس دل میں حسینوں کی محبت نہیں دیکھی

پر کاٹ کے صیاد پشیمان ہے کیا کیا
بلبل میں جو پروانہ کی ہمت نہیں دیکھی

کیا بادہ کشی سے مری واعظ نہیں واقف
کیا موسمِ گل میں مری حالت نہیں دیکھی

کیا جانے ہے کیا بات کہ وہ کہتے ہیں تجھ سے
تیری سی کسی کی بھی تو قسمت نہیں دیکھی

سچ سچ تو یہ ہے نالۂ عشاق سہی تجھ میں
اک بات بھی اے شورِ قیامت نہیں دیکھی

ساقی نے دیا جامِ مئے ناب ہے جن کو
دل میں کبھی ان کے کدورت نہیں دیکھی

اے شیخ کہے یاد برائی سے کسی کو
یہ پیرِ خرابات کی عادت نہیں دیکھی

دیکھا نہ کسی نے بھی اسے آنکھ اٹھا کر
جس دل میں ترے دردِ محبت نہیں دیکھی

منجانے میں واعظ کو یہ کہتے ہی بن آئی
ایسی تو برستی ہوئی رحمت نہیں دیکھی

جس طرح ہمارے دلِ مظلوم نے پائی
ایسی تو کسی کی بھی شہادت نہیں دیکھی

تقویٰ اسے کہتے ہیں کہ منجانہ سمجھ کر
واعظ نے پسِ مرگ بھی جنت نہیں دیکھی

خالی نہ گیا بال سے کوئی حضرتِ موسیٰ
ارمان بھی لے گئے صورت نہیں دیکھی

اشعار تو اعجاز دکھا دیتے ہیں اس کے
مائل کی مگر ہم نے کرامت نہیں دیکھی[1]

○

---

[1] یہ غزلیات جے پور کے طرحی مشاعرے کی ہیں جس کا مصرعۂ طرح تھا: ختم ہوئی دنیا میں قیامت نہیں دیکھی
اور سنہ ۱۳۱۹ھ میں ہوا تھا ۱۲

فصلِ گل آنے تو دو وہ ولولۂ دل ہے وہی
جوشِ وحشت ہے وہی شورِ سلاسل ہے وہی

اب جو دیکھا تو نہیں ہوں نہ مرا دل ہے وہی
گل و غنچہ ہے وہی شورِ عنادل ہے وہی

اب خدا خیر کرے پھر تپشِ دل ہے وہی
حلق ہے پھر وہی اور خنجرِ قاتل ہے وہی

سیکھ لے ہم سے کوئی سرِ بقا بعدِ فنا
اہلِ دل جس کو کہا کرتے ہیں بیدل ہے وہی

قیس کیوں منتظرِ بادِ صبا ہے یارب
پردۂ دل ہے وہی پردۂ محمل ہے وہی

یہی وہ چارہ ہیں کیا پھر دمِ مہ و لالہ و گل
شمع رو لاکھ سہی رونقِ محفل ہے وہی

آپ کو راہِ محبت میں مٹایا جس نے
بندگی کیا ہے خدائی کے بھی قابل ہے وہی

داغِ دل سمجھے ہوئے تھے جسے ہم مدت سے
شبِ فرقت میں جو دیکھا مہِ کامل ہے وہی

کبھی تم بھول کے بھی اس میں نہ آنا دیکھو
جس نے بدنام کیا تم کو مرا دل ہے وہی

کس غضب میں ہوں پڑا شک و یقیں کے ہاتھوں
تیرے انداز وہی ہیں اور مرا دل ہے وہی

یاد کرتی ہوئی آتی ہے جسے تو لیلیٰ
دیکھ تو پردہ اٹھا کر پسِ محمل ہے وہی

باغِ فردوس جسے کہتے ہیں یہ واعظ لوگ
کوچۂ یار سے اللہ مقابل ہے وہی

جو پسِ پردہ بھی رہا وصل میں مجھ سے محجوب
بے حجاب آہ عدو سے سرِ محفل ہے وہی

اصطلاح اپنی زباں کی ہے تمھیں کیا واعظ
خلد کہتے ہیں جسے کوچۂ قاتل ہے وہی

قابلِ رحم ہوں یا اب بھی نہیں کہہ تو سہی
ان جفاؤں پہ ستم گار مرا دل ہے وہی

سہل سمجھے تھے اسے جس کو وفا کہتے ہیں
عشق میں اور تو سب سہل ہیں مشکل ہے وہی

درِ مطلب ہی سے جب ہاتھ اٹھا بیٹھے ہم
قعرِ دریا ہے وہی اور لبِ ساحل ہے وہی

ہم سے آزاد بھی دنیا میں کہاں ہوتے ہیں
کوئی عالم ہو مگر ولولۂ دل ہے وہی

رہ روِ راہِ فنا ہیں ہمیں مقصود سے کام
دشتِ غربت میں جہاں تھک گئے منزل ہے وہی

شوخ و طرار و جفا کار و دل آزار سہی
دل لگانے کے جو قابل ہے تو قابل ہے وہی

نہ لیا نام مگر دیکھ کے یوں کہنے لگے
بے قراری تو یہ کہتی ہے کہ بسمل ہے وہی

آج کیا دیکھتے ہو چشمِ حقارت سے اسے
زندگی ہے تو دکھا دیں گے یہ مائل ہے وہی

○

اسی دم میں تو سمجھا تھا کہ یہ کافر بلا لائی
ترے رخسار پر ایمان جب زلفِ دوتا لائی

خبر جب اس کے آنے کی مری آہِ رسا لائی
دعا گھبرا کے کہہ اٹھی کہ میں خدمت بجا لائی

سحر ہوتے ہی غنچے کھل کھلا کر ہنس پڑے سارے
خدا جانے کہ کیا پیغام تو بادِ صبا لائی

دل و جاں کو نہ کس کس کے کیا تو نے تہ و بالا
نہ کیا کیا رنگ عالم میں تری کافر ادا لائی

غضب کی دلفریبی گلشنِ ہستی نے پائی ہے
کہ مجھ کو باغِ جنت سے یہاں حرص و ہوا لائی

ابھی ڈوبا نہیں خونِ شہیدِ ناز میں گر دل
ابھی تو رنگ کیا یہ شوخیِ رنگِ حنا لائی

مجھے امید کب تھی نامہ بر کے زندہ آنے کی
بچا کر اس کے کوچے سے مگر شانِ خدا لائی

قبولِ درد کے جھگڑے کو تو اپنے ہاتھ رکھا ہے
کہوں کس منہ سے اس سے میں کہ تاثیرِ دعا لائی

تجھے کیوں رشک ہے واعظ حرم میں میرے مرنے کا
مری مٹی جہاں کی تھی وہاں مجھ کو قضا لائی

اجل بھی یار بھی دونوں ہی خالی ہاتھ آئے ہیں
نہ زہرِ ناب وہ لائے نہ یہ آبِ بقا لائی

جنابِ خضر کی صورت سے ناکامی برستی تھی
تمنائے سکندر جب بنا کر رہنما لائی

نہ پایا کوئی مجھ سا جب جہاں میں عاشقِ صادق
تجھے ناچار میرے گھر تری خوئے جفا لائی

طوافِ میکدہ کرتے ہی بن آئے گی اے واعظ
تجھے گردش میں ساقی کی جو چشمِ فتنہ زا لائی

نہ دوں دل آہ کیونکر میں مرے قاصد کے خوں کی ہے
ہوائے کوچۂ جاناں جو یہ بوئے وفا لائی

یہ سچ ہے آرزوئے زیست سب کو ہے کہ ظلمت میں
خضر کو جستجوئے چشمۂ آبِ بقا لائی

کوئی تو راہ ہے اس میں بھی شاید اس کے ملنے کی
کہ اس دنیائے فانی میں تمنائے قضا لائی

فدا ہوں کیوں نہ رحمت پر کہ مجھ کو اہلِ دوزخ نے
اسی کا کام تھا جو ڈھونڈ کر روزِ جزا لائی

خدا سمجھے گا تجھ سے پیرزن فرہاد کہتا ہے
پیامِ یار لائی اور کیا بد مزا لائی

عجب کیا ہے مدینے تک یونہی اک روز لے پہنچے
حرم میں جس طرح سائل تجھے یادِ خدا لائی

○

جوں ہی کشتی شراب کی آئی
بات منہ پر حجاب کی آئی

پھر قیامت کا سامنا ہے کہ یاد
پھر ادا وہ عتاب کی آئی

ٹوٹے کھانے لگی مری توبہ
موج ایسی شراب کی آئی

آج رندوں میں آ پھنسے ہیں شیخ
آج شامت جناب کی آئی

میرے اشکوں نے وہ جھڑی باندھی
پھر نہ باری سحاب کی آئی

آرہے ہیں وہ حضرت ناصح
اک گھڑی پھر عذاب کی آئی

رخِ ساقی سے کیا عرق ٹپکا
مے سے خوشبو گلاب کی آئی

قتل کرکے مجھے وہ کہتے ہیں
میرے تعبیر خواب کی آئی

لب دریا ہے غیر اُسے آئے
یا الٰہی حباب کی آئی

اپنی رحمت پہ کر نظر یا رب
فردِ میرے حساب کی آئی

بعد مردن بھی میری تربت سے
مدتوں بو شراب کی آئی

کعبہ سے بت نکل گئے یہ خبر
اک بڑے انقلاب کی آئی

سب ڈبو آئی جس طرف ہو کر
موج چشم پرآب کی آئی

دیکھتے ہی شعاع مہر کو یاد
اس کے تارِ نقاب کی آئی

میرے سر کا ہے اب خدا حافظ
یاد تیغِ خوش آب کی آئی

یہ تو اچھا ہوا مری توبہ
نہ سوال و جواب کی آئی

گل رعنا کو دیکھ کر مائل
یاد عہد شباب کی آئی

○

حسن تو جس کو ملا اس کو ادا بھی آئی
تیرے حصہ میں مگر شانِ خدا بھی آئی

آمد و شد ہیں نفس کے یہ صدا بھی آئی
ہم تو آئے ہیں کوئی دم میں قضا بھی آئی

بے نیازی کی ادائیں یہ کہے دیتی ہیں
بے وفائی بھی تجھے آئی، جفا بھی آئی

تو جو پینے کو اے شیخ برا کہتا ہے
تیرے گھر میں کبھی جنت کی ہوا بھی آئی

آپ ہی کچھ نہیں آئے ہیں عیادت کے لیے
میری بالیں پہ کئی بار قضا بھی آئی

اب ترا اے دل مجروح خدا حافظ ہے
ہجر میں یاد ہمیں تیغِ ادا بھی آئی

پوچھتے یہ تو نہیں ہم کہ کہاں تھے شب کو
پر تمھیں دیکھ کے آئینہ حیا بھی آئی

گل ہی آیا نہیں کچھ چاک گریباں ہو کر
سر کے بل محفلِ جاناں میں صبا بھی آئی

شیخ اس ریش پہ بادہ کشوں کی جھوٹی
تجھے پیتے ہوئے کم بخت حیا بھی آئی

داورِ حشر تو ہے اس کی طرف کیا ہوگا
آہ لب پر جو مرے روزِ جزا بھی آئی

یہ تو مانا تری آنکھوں سے اڑائی گردش
فلکِ پیر کو تیری سی جفا بھی آئی

ایسی سرعت سے تیری بزم میں اڑ کر آیا
کہ مرے بعد مری آہِ رسا بھی آئی

زندگی کے تو اجل ساتھ لگی رہتی ہے
شمع آئی کہ ادھر بادِ صبا بھی آئی

جوشِ خونِ شہدا کو تو نہ آتا کیوں کر
پائے بوسی کی تمنا میں حنا بھی آئی

نہ تو کافر ہی ہوئے آہ نہ دیندار رہے
آئی جب یادِ صنم یادِ خدا بھی آئی

آ گیا وعظ کا کہنا تو حرم میں رہ کر
مانگنی حضرتِ مائل کو دعا بھی آئی



بن کر وصالِ یار کی صورت بگڑ گئی
وہ کیا بگڑ گئی مری قسمت بگڑ گئی

ایمان کی تو یہ ہے کہ فریاد سے مری
تیری تو بات شورِ قیامت بگڑ گئی

پچھتا رہے ہیں ہجر میں ہم آ کے باغ میں
بلبل کے چہچہوں سے طبیعت بگڑ گئی

منصور کی زباں سے انا الحق نکلتے ہی
رندانِ بادہ خوار کی عزت بگڑ گئی

کیا جانے کس ادا پہ ہے بلبل مٹی ہوئی
گل کی تو ایک رات میں صورت بگڑ گئی

کیا جانے قیس کوچۂ لیلیٰ کی تو بہار
جنگل میں رہنے سے تری وحشت بگڑ گئی

فتنوں پہ اپنے کیا ہی قیامت کو ناز تھا
قامت کو اس کے دیکھ کے صورت بگڑ گئی

حاصل ہوا یہ پیرِ مغاں سے بگاڑ کے
واعظ سے سارے شہر کی خلقت بگڑ گئی

ساغر کو ان کے منہ سے لگا کر کہا جو کچھ
کہنے لگے کہ آپ کی عادت بگڑ گئی

اللہ رے نازِ حسن کہ انصاف پر مرے
اس کی خدا سے روزِ قیامت بگڑ گئی

ہچکی تمہاری تھم گئی دشمن کے نام پر
میری شبِ وصال کی لذت بگڑ گئی

انکار مے سے کرتے رہے میکشوں سے شیخ
آئے نظر کباب تو نیت بگڑ گئی

ہم نے بھی پھر ادب کو اٹھا طاق پر رکھا
درباں سے کرتے کرتے جو منت بگڑ گئی

وہ دن گئے کہ جاتے تھے قاصد بھی پے بہ پے
اب کیسی ان سے خط و کتابت بگڑ گئی

اعجاز دیکھ کر لبِ جاں بخش یار کا
سب حضرتِ مسیح کی امت بگڑ گئی

ہر روز کے عذاب کا جھگڑا ہی مٹ گیا
ناصح سے آج وقتِ نصیحت بگڑ گئی

دل میں نہ ہو جو کچھ تو زباں سے ادا ہو کیا
تقریر اپنی وقتِ شکایت بگڑ گئی

سچ ہے کہ فاتحہ کو وہ آئے ثواب کہاں
کشتہ کی ان کے بنتے ہی تربت بگڑ گئی

تیری سحر ہوئی ہے نہ ہونے کی ہے امید
حالت تو میری اے شبِ فرقت بگڑ گئی

کس منہ سے جاؤں پیرِ مغاں کی جناب میں
کرتے ہی توبہ دل کی حقیقت بگڑ گئی

مائل کے توبہ کرتے ہی کیا جانے کیا ہوا
رندانِ بادہ خوار کی صحبت بگڑ گئی

○

سَو سَو طرح سے بات بنائی بگڑ گئی
اک ان کے ساتھ ساری خدائی بگڑ گئی

غصہ میں ہنس دیے جو وہ تلوار کھینچ کر
کہنے لگی ادا کہ لڑائی بگڑ گئی

بگڑے ہوئے زمانے کی تاثیر دیکھنا
دل میں بھی کوئی بات جو آئی بگڑ گئی

تیور کو دیکھتے ہی وہ کافر بگڑ گیا
نیت جو اپنی وقتِ جدائی بگڑ گئی

کیسی ہوائے غیر وہاں تھی بندھی ہوئی
کم بخت کے ہوا جو سمائی بگڑ گئی

کیا پوچھتے ہو حال کہ کیوں طبعِ عندلیب
سن کر قفس میں ذکرِ رہائی بگڑ گئی

تقدیر اے نسیم تری اتنی بات پر
کوچہ میں اس کے راہ نہ پائی بگڑ گئی

سچ ہے کہ عاشقوں کی تو بنتی نہیں ہے بات
کل ان سے ہوتے ہوتے رسائی بگڑ گئی

تیری تو سخت جانی بن آئی کہ یار نے
زہراب میں جو تیغ بجھائی بگڑ گئی

کعبہ میں تیغِ ناز جو آیا وہ کھینچ کر
دم بھر میں سب بتوں کی خدائی بگڑ گئی

بلبل بس اب خموش کہ مائل کے سامنے
تیری ہوائے نغمہ سرائی بگڑ گئی

○

مری زندگی بامزا ہو گئی　　محبت جوان کی ذرا ہو گئی
گنہ کیا ہوا کیا خطا ہو گئی　　کہ یادا س کی مجھ سے خفا ہو گئی
مرا نالہ جب نارسا ہو گیا　　شکایت تمہاری بجا ہو گئی
شہیدِ کرشمہ جو ہم ہو گئے　　وفا بھی قتیلِ ادا ہو گئی
تیری جستجو میں جدھر ہو لیا　　وہی راہ، راہِ وفا ہو گئی
کہا مجھ سے کعبہ نے یہ دل کا بھید　　بتوں کی جدائی بلا ہو گئی
درِ لامکاں پر ہے نقشِ جبیں　　مری آہ اتنی رسا ہو گئی
برا وقت یارب کسی پر نہ آئے　　بلا بن کے نازل دعا ہو گئی
ہوا میں اڑی جو ترے در کی خاک　　ہزاروں مرض کی دوا ہو گئی
مرے حق میں اے یادِ گیسوئے یار　　شبِ غم میں تو بھی بلا ہو گئی
مرا دل یہ کہتا ہے اے چارہ گر　　قبول آج میری دعا ہو گئی
تری جستجو میں جو باندھی کمر　　مصیبت مری رہنما ہو گئی
ابھی ڈوبنے کو تھی کشتی مری　　کسی کی دعا ناخدا ہو گئی
اشارے کنائے کچھ ایسے کیے　　مری روح رمز آشنا ہو گئی
محبت بھی دل میں تری ڈال دی　　یہ نعمت بھی مجھ کو عطا ہو گئی
بگڑ جائے گا صحن بتخانہ شیخ　　جو مسجد کی اس میں بنا ہو گئی
جو بولوں تو ذکرِ بتاں ہو گیا　　جو چپ ہوں تو یادِ خدا ہو گئی
محبت عدو کی چھپانے لگے　　یہ در پردہ مجھ پر جفا ہو گئی
گری خم میں واعظ ترے ہاتھ سے　　یہ تسبیح اب بے ریا ہو گئی

چلو رات کاٹ آئیں مائل کہیں
نمازِ عشا تو ادا ہو گئی.



بڑی بات کیا نقشِ پا ہو گئی　　جو خلقِ خدا جبہ سا ہو گئی

ترے قد و قامت میں اے سرو ناز قیامت، قیامت ادا ہوگئی
نمودار کیا وہ شب تار میں سفیدی سحر کی فنا ہوگئی
بس اب رحم فرما کہ ہونی تھی جو مرے حوصلے سے سوا ہوگئی
یہ پہنے دو پردہ میں جو کچھ کہ بات مسیحا کے لب سے ادا ہوگئی
در میکدہ جوں ہی آیا نظر نگہ شیخ کی پارسا ہوگئی
کہیں التجا سے بھی نکلا ہے کام کہیں سرکشی التجا ہوگئی
مجھے تو نے بخشا تری شان کی یہ اک بات رند جزا ہوگئی
تری راز داں اور اک مشت خاک کرم کی ترے انتہا ہوگئی
کسی کے لبوں کو ہوا کچھ نہ رشک بڑی خیر آب بقا ہوگئی
چمن میں ہوا شور آئے جو تم وہ مقبول گل کی دعا ہوگئی
سحر ہم پکڑلیں یہ ممکن نہیں اگر کارگر بھی دوا ہوگئی
قیامت میں اس نے جو الٹی نقاب عیاں سب پہ شان خدا ہوگئی
یہ کس میکدے کی ہے خوشبوئے مے کہ تو بہ بھی حسرت فضا ہوگئی
اٹھا فصل گل میں جو دامن پہ ہاتھ مری عقل مجھ سے خفا ہوگئی
ادا شکر کر جسم خاکی کہ تو گدا اے روح رمز آشنا ہوگئی
بگاڑا اور رند بلا نوش سے تری عقل اے شیخ کیا ہوگئی
نہ کیونکر کرے وہ کرم پر کرم کہ مجھ سے خطا پر خطا ہوگئی
وہ بندے ہیں بندے کہ جن کی دعا شمول کلام خدا ہوگئی
وہ مشکل کشا ہیں، وہ مشکل کشا نظر جن کی مشکل کشا ہوگئی

بڑھا روز محشر تو مائل بڑھے
غزل اپنی اس سے سوا ہوگئی

○

برستے اے رات بھر ہوگئی گھٹا بھی مری چشم تر ہوگئی

بیان ناز کی کا کروں اس کی کیا　　طبیعت سے بڑھ کر کمر ہو گئی

کیا تو نے ہستی میں جو ہنی ظہور　　عیاں سب پہ شانِ بشر ہو گئی

اٹھے قبر سے جب ترے بیقرار　　قیامت بھی زیر و زبر ہو گئی۔

تعجب ہے یہ جب وہ آئے نہیں　　شبِ غم کی کیوں کر سحر ہو گئی

خدائی میں تیرے تبسم کی یاد　　نمک پاشِ زخمِ جگر ہو گئی

دو اک دو زرہ کر تری راہ میں　　قیامت بھی اک فتنہ گر ہو گئی

قدم جس نے رکھا عدم کو گیا　　تری رہگذر، رہگذر ہو گئی

بڑھیں گے کہاں تک خیالاتِ زلف　　شبِ ہجر بھی اب بسر ہو گئی

کہیں ذکرِ محشر کا سنتا نہیں　　یہاں تک فغاں بے اثر ہو گئی

اسے شوق کہتے ہیں قاصد کیساتھ　　مری جان بھی ہم سفر ہو گئی

ذرا شرم کر آہ مشہور تو　　زمانے میں اب بے اثر ہو گئی

کچھ اس ڈھب سے اس نے ستم بھی کیے　　کہ الفت مجھے بیشتر ہو گئی

شبِ غم نکل کر مرے دل سے آہ　　گئی جس طرف کارگر ہو گئی

کٹی میکشی میں مری عمر شیخ　　تری عمر یوں ہی بسر ہو گئی

گئے بزمِ دشمن میں پیچھے ہیں آپ　　مرے دل کو پہلے خبر ہو گئی

ہوا ترکِ مے سے یہ مائل حصول
کہ در پر کسی کے بسر ہو گئی



جس دن اس در تک رسائی ہو گئی　　یہ سمجھ لینا خدائی ہو گئی

ہم اسیرِ آب و دانہ ہو گئے　　لوگ کہتے ہیں رہائی ہو گئی

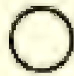
سچ ہے بڑھنا بات کا اچھا نہیں　　صلح ہو کر پھر لڑائی ہو گئی

ظرف دیکھو میکدے میں جاتے ہی　　محتسب سمجھا خدائی ہو گئی

آپ کیوں ہوتے ہیں اتنے منفعل　　ہو گئی گر بے وفائی ہو گئی

ہم کہیں تو اب کسی سے کیا کہیں — پردے پردے میں لڑائی ہوگئی
ملتے ملتے بے تکلف ہوگئے — رفتہ رفتہ آشنائی ہوگئی
رشک آخر کام اپنا کر گیا — ہوگئی ان سے جدائی ہوگئی

اک بت سرکش سے مائل کیا کہیں
کعبہ جاکر آشنائی ہوگئی



غیر سے کیا ہاتھا پائی ہوتے ہوتے رہ گئی — کل تو خود ان سے لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی
شوخیِ رفتار تھی محشر کہ میری خاک کی — اس کے دامن تک رسائی ہوتے ہوتے رہ گئی
آتے آتے رہ گیا لب پر گلہ بے داد کا — آج ہم سے بے وفائی ہوتے ہوتے رہ گئی
مان لوں کیونکر عادتِ بیگانگی چھڑوائیں گے — جب تجھی سے آشنائی ہوتے ہوتے رہ گئی
کیا کہیں کنجِ قفس میں ہم صفیرانِ چمن — ایک نالے میں رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی
اک ادا ہے واں تو برگشتہ نظر سے دیکھنا — جان و دل میں یاں جدائی ہوتے ہوتے رہ گئی
اضطرابِ دل نے کی ساری خرابی کیا کہیں — ان کی محفل میں رسائی ہوتے ہوتے رہ گئی
واں خیالِ امتحاں آیا اور آکر رہ گیا — یاں مقدر آزمائی ہوتے ہوتے رہ گئی
کعبے والوں سے کوئی پوچھے بتوں کا مرتبہ — یہ وہ ہیں جن کو خدائی ہوتے ہوتے رہ گئی
جب کہا میں نے کہ مرتا تھا تو فرمانے لگے — آپ سے بھی بے وفائی ہوتے ہوتے رہ گئی
کیا ہی بگڑا تھا وہ بت اللہ اکبر رات کو — باتوں باتوں میں جدائی ہوتے ہوتے رہ گئی

دیکھنا حسنِ مآلِ بت پرستی دیکھنا
آج مائل کو خدائی ہوتے ہوتے رہ گئی



نہ جائے دل نظر آئے حسین جب کوئی — خدا کے واسطے یارو بتاؤ ڈھب کوئی
کوئی سنے نہ سنے کچھ نہ کچھ کہے جانا — غرض کہ حضرتِ ناصح بھی ہیں عجب کوئی
یونہی تو غیر کی جانب سے بدگماں ہو جائیں — برا بھلا نہیں سنتا ہے بے سبب کوئی

کسی زمانے میں کچھ ہوں گے حضرتِ یوسف
جہان میں نہیں تجھ سا حسین اب کوئی

بھلا زمانے میں کوئی کبھی کسی کا تھا
یہ کیا کہا کہ ہمارا نہیں ہے اب کوئی

سنا سنا کے مجھے غیر سے وہ کہتے ہیں
کسی کے عشق میں مرتا ہے روز و شب کوئی

پس فنا بھی نہیں چھوڑتے ہیں حضرتِ عشق
غرض کہ آپ بھی دنیا میں ہیں عجب کوئی

خدا کے واسطے اتنا تو مجھ کو سمجھا دو
کسی پہ جان بھی دیتا ہے بے سبب کوئی

شراب پینے کو بیٹھا ہے بے وضو سائل
جہان میں نہیں تجھ سا بھی بے ادب کوئی

○

صبر کر بیٹھے اگر بلبلِ نالاں کوئی
نہ تو گلچیں ہی رہے پھر نہ گلستاں کوئی

یا مرے سامنے مجنوں کا نہ کیجے مذکور
یا ملا دیجیے مرے گھر سے بیاباں کوئی

جان جانے کو شبِ ہجر ہے اغیار کے گھر
اور آنے کو ہے مرے گھر میں مہماں کوئی

نہ جیا کوئی شبِ غم کی سحر تک غمخوار
نہ رہا ہائے مرے حال کا پرساں کوئی

کیسے دنیا سے مٹے دیر و حرم کا جھگڑا
میری سنتا ہی نہیں گبر و مسلماں کوئی

یوں ہی مر مر کے گزاری شبِ ہجراں ساری
نہ ملا پر نہ ملا موت کا ساماں کوئی

وہ مجھے ایک نظر دیکھ کے یوں پچھتانے
جیسے ہوتا ہے ستم کر کے پشیماں کوئی

دل پریشاں ہو کسی کا یہ تماشا دیکھو
چھوڑ دے عارض پہ رخِ زلفِ پریشاں کوئی

تیرے جاتے ہی بنی وہ مرے گھر کی صورت
جیسے برسوں سے رہا ہو نہ کبھی یاں کوئی

اک زمانے کو ڈبوئے گا مرا قطرۂ اشک
کہہ نہ دے اس کو کہیں نوح کا طوفاں کوئی

یہ تو ممکن ہی نہیں حشر نہ ہو جائے بپا
لاکھ اٹھا کر ہی چلے گوشۂ داماں کوئی

جب میں جانوں تجھے اے دستِ جنوں ناصح کا
آج ثابت نہ رہے تارِ گریباں کوئی

کیا کہوں میں شبِ ہجراں کی حقیقت تجھ سے
یاد آیا نہ ترا وعدۂ پیماں کوئی

تجھ کو اور قیس کو دیکھا تو مسیحا نے کہا
ہائے ان میں سے نہیں قابلِ درماں کوئی

ایک تو ہے کہ زمانے کو تمنا ہے تری
ایک میں ہوں کہ نہیں حال کا پرساں کوئی

اس قدر دعویٰ دیں آپ کو کیوں ہے مائل
کیا زمانے میں نہیں دشمنِ ایماں کوئی

○

پھر تو دل میں نہ رہے کفر کا ارماں کوئی — ہاتھ آجائے جو غارت گرِ ایماں کوئی
سرِ خاکِ صنم خانہ لگایا جب تک — خواب میں بھی نظر آیا نہ مسلماں کوئی
مجھ سے وحشی کو پسِ مرگ کہاں رکھیں گے — کہ بہشتوں میں بنایا نہیں زنداں کوئی
ہو بہو ہے رخِ تاباں کی تمھارے صورت — میرے ایمان سے بڑھ کر نہیں ایماں کوئی
بختِ خفتہ کو جو میرے ہو جگانا منظور — تو لگا دے نہ ذرا سی شبِ ہجراں کوئی
مذہبِ عشق میں کافر نہیں کہتے اس کو — جو پڑھا جائے صنم خانے میں ایماں کوئی
جسے دیکھا وہ تری تیغِ ادا کا ہے شہید — کربلا سا تو نہیں کنجِ شہیداں کوئی
یک بیک آنکھ سے مجنوں کی جو ٹپکا ہے لہو — پائے لیلیٰ میں چبھا خارِ بیاباں کوئی
جو سمجھتا رہے اپنے کو خدا کا بندہ — نظر آتا نہیں اتنا بھی مسلماں کوئی
شمع و پروانہ کی کیا تجھ پہ حقیقت کھولوں — مجھ سے پوشیدہ نہیں رازِ شبستاں کوئی
ذقن و لب کو ترے دیکھ کے کہہ اٹھے خضر — چاہِ زمزم ہے کوئی چشمۂ حیواں کوئی
وہ بلائے تو یونہی چاک گریباں جاؤں — پھر تو تیری نہ سنوں ناصحِ ناداں کوئی
بزم کا رنگ یہ کہتا ہے سحر سے پہلے — آنے والا ہے دل آرائے شبستاں کوئی

نہ ہوں مائل سے جو دو چار فرشتہ خصلت
ایسی دیکھی ہی نہیں محفلِ رنداں کوئی

○

کیا ہوا وعدہ خلافی سے پشیماں کوئی — منہ پہ ڈالے ہوئے آیا ہے جو داماں کوئی
کبھی تو آجاتی مجھے جوشِ جنوں کی لذت — نہ چبھا دل میں مرے خارِ مغیلاں کوئی
چشمِ حق بیں سے جو دیکھو حرم و دیر کو تم — پھر تو جھگڑا نہ رہے گبر و مسلماں کوئی
نقشِ پا نے ترے بخشا ہے وہ کعبہ کو جمال — کہ صنم خانے میں جاتا نہیں انساں کوئی

گو ہوں معتوب و خطا وار کرم تو دیکھو
میرے ہاتھوں سے چھڑاتا نہیں داماں کوئی

مست و بیخود اسے کہتے ہیں جناب واعظ
دو گھڑی کے لیے ہو جائے جو انساں کوئی

خوب طوفان اٹھا گردش دوراں میں نہیں
تیرے تھمنے کی گھڑی دیدۂ گریاں کوئی

نقد جاں دے کے لیا کرتے ہیں لینے والے
مفت ملتا ہے کہیں ناوکِ جاناں کوئی

وہ جلانے کو مجھے بزم عدو میں پہنچے
ان کے قابل تو نہ تھا عیش کا ساماں کوئی

تنگ اتنا ہے کیا دونوں نے مل کر مجھ کو
مفت بھی لے تو بیچ آؤں دل و جاں کوئی

دل قوی چاہیے بت خانے میں جانے کے لیے
کہ پکڑتا ہے وہاں دامنِ ایماں کوئی

اس کے دریائے کرم میں ہے وہی جوش و خروش
اور باقی نہ رہا دفترِ عصیاں کوئی

مجھے ڈر ہے دلِ مضطر جو سنبھالوں تجھ کو
نہ چھڑا جائے مرے ہاتھ سے داماں کوئی

تیرے دامن پہ مرا ہاتھ پڑے تو کیونکر
تو وہاں ہے کہ فرشتہ ہے نہ انساں کوئی

گرم اشعار کی مائل نہ کرو فرمائش
لب پہ آجائے نہ آہِ شرر افشاں کوئی



بن گیا داغ جو شمعِ شبِ ہجراں کوئی
کر گیا کام ترا جلوۂ پنہاں کوئی

ایک دستارِ فضیلت پہ ہے نازاں کوئی
اور فدائی کا تو گھر میں نہیں ساماں کوئی

جز خدا کے نہیں اس کا تو نگہباں کوئی
دل میں عاشق کے مگر راز ہے پنہاں کوئی

ابھی بت خانے میں کیونکہ ہو مرا سجدہ قبول
مجھے کہتا نہیں کافر تو مسلماں کوئی

لے کے آئی ہیں دعائیں جو اثر کا مژدہ
مل گیا راہبرِ کوچۂ جاناں کوئی

ہم تو درباں سمجھ کر اسے کر لیں گے سلام
آپ کے در پہ فرشتہ ہو کہ انساں کوئی

لوگ تسخیر بھی رکھتے ہیں اثر بھی رکھتے
میرے نالوں پہ تو کرتا نہیں احساں کوئی

جس کے دل میں ہوں رواں عفو و کرم کے دریا
اس کے آنسو تو اٹھاتے نہیں طوفاں کوئی

آ گیا کعبہ بتوں سے جو کہا کرتا تھا
آنے والا ہے مرے گھر میں بھی مہماں کوئی

کیا گرفتار نہیں زلفِ محبت میں تری
کہ فرشتہ نہیں اب تک جو پریشاں کوئی

پاک دامن پہ تو دیکھا نہیں دھبّہ لگتے
یوں اٹھایا کرے طوفان پہ طوفاں کوئی

یوں تصوّر ہے ترے مصحفِ رخ کا دل میں
جیسے کعبہ میں تلاوت کرے قرآں کوئی

ہم نے ناچار قیامت کے اٹھائے فتنے
راہ پر جب نہیں آیا کسی عنواں کوئی

ایک ہی وار میں کر مثلِ قمر دو ٹکڑے
جب کرشموں ہی پہ لایا نہیں ایماں کوئی

میرے ہمراہ صنم خانے میں چلیے سائل
نظر آتی ہے وہاں صورتِ ایماں کوئی



ہم بھی دیکھیں گے نہ ہو بزم میں حیراں کوئی
جو الٹ آئے نقابِ رخِ تاباں کوئی

تو تو اپنی ہی کہے جائے گا بادہ ہے حرام
لاکھ سمجھائے تجھے واعظِ ناداں کوئی

آ نکلتے تو جبیں سائی کی حسرت کیوں کر
یار بنتا ہی نہیں آپ کا درباں کوئی

دن جنوں کے مرے آرام سے گھر میں کٹ جائیں
ہاتھ آ جائے جو چھوٹا سا بیاباں کوئی

بزمِ دشمن میں چلا جو دلِ دیوانہ مرا
اس نے تاکا ہے مگر اس میں گریباں کوئی

دیجو تکلیف نہ ذرہ کو وطن کے میرے
تجھ سے مل جائے جو اے شامِ غریباں کوئی

نیتِ توبہ کی ساقی کو خبر کر آئے
مجھ پہ کرتا نہیں اتنا بھی تو احساں کوئی

اس لیے ہو کے مسلمان پشیماں ہوں میں
کہ بتوں پر نہ چڑھائے گا اب ایماں کوئی

کس طبیعت کی ہے کس رنگ کی کس خو کی
تجھے سمجھا نہیں اے شامِ غریباں کوئی

ان کو آئی جو پریشانیِ عشاق پسند
اس کی موجد ہے مگر زلفِ پریشاں کوئی

ہم کہے جائیں گے دن رات اکیلے بیٹھے
اب سنے یا نہ سنے حالِ پریشاں کوئی

آ پڑا ہوں ترے در پر تو پڑا رہنے دے
کہ مرے پاس نہیں آگے کا ساماں کوئی

ایک ہی شعلے کے ہو جائیں گے یہ ساتوں فلک
کھینچ بیٹھے گا جو آہِ شرر افشاں کوئی

کوچۂ یار پہ کر جائے جو کعبہ کو نثار
اتنی ہمت کا نہیں گبر و مسلماں کوئی

جا کے مجنوں نے یہ کی شاہِ جنوں سے فریاد
مجھے دیتا نہیں سائل تو بیاباں کوئی



جلوہ گر جب سے ہوا ہے رُخِ تاباں کوئی
عوضِ میکدہ دیتا نہیں ایماں کوئی

وہ چلے آئے ہیں بے پردہ یہ کیونکر مانوں
نظر آتا نہیں محفل میں تو حیراں کوئی

دلِ مجروح مرا بس نہ کرے گا ہرگز
جو الٹ جائے نمکداں پہ نمکداں کوئی

نہ ہوا پر نہ ہوا ان کا کفن بھی میلا
نہ ملا پر نہ ملا خاک میں انساں کوئی

بتکدے جانے کی کعبہ نے اجازت دیدی
جب مرا ہو نہ سکا چارۂ درماں کوئی

لے لیے ہاتھ مرے جوشِ جنوں نے دونوں
مجھ سے شکوہ نہ کرے تارِ گریباں کوئی

مجھ سے پوچھے جو گئے جوشِ جنوں کے اعمال
کیا گواہی مری دے گا نہ بیاباں کوئی

لو لگائے ہوئے ہم بیٹھے ہیں جب سے تیری
یاد آتا ہی نہیں گبر و مسلماں کوئی

شیخ جنّت کو سدھاریں گر ان کے نزدیک
بزمِ دنیا میں نہیں عیش کا ساماں کوئی

تو ہے پردہ میں یا پردہ سے باہر تجھ کو
دیکھ سکتا ہی نہیں گبر و مسلماں کوئی

دردِ غم رنج و الم، داغِ جگر آہ و فغاں
یہ بھی ساماں محبت میں ہے ساماں کوئی

تیرے اندازِ تبسم پہ تو مرنا ہی پڑے
سب اڑا جائے اگر چشمۂ حیواں کوئی

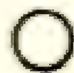
نا امیدی ترے ہاتھوں سے ہو جینا مشکل
جو بدلتا نہ رہے رنگِ شبستاں کوئی

ہے خدائی کی بڑی بحث حقیقت اپنی
مجھے سمجھائے تو ہاں گبر و مسلماں کوئی

خود ہی گردش میں ہے تو تجھ سے گلہ ہی کیا ہو
تیرے چکر میں نہیں گردشِ دوراں کوئی

ایک واعظ ہی کی ہے ذاتِ مقدس ایسی
ترک جس سے نہ ہوا شیوۂ رنداں کوئی

وضعِ مستانہ کو کیا خاک نبھاؤں مائل
رہن رکھتا نہیں میخانے میں ایماں کوئی



کیا ہو آجائے تکلف کا جو مہماں کوئی
گھر کے تختوں میں نہیں تختِ سلیماں کوئی

رخِ تاباں کی جھلک نے ہیں کیے دل روشن
زلفِ شب گوں پہ تو لاتا نہیں ایماں کوئی

یا کہے کچھ نہ صنم خانے کو میرے آگے
یا ملا لے مرے ایمان سے ایماں کوئی

تیر پر تیر لگیں کیوں نہ کسی کے دل پر
بے اثر کیوں رہے نالۂ شبِ ہجراں کوئی

بوریا ایک ہمارا ہے جہاں میں باقی　　　تختِ طاؤس نہ ہے تختِ سلیماں کوئی

رُخ سے پردہ تو کہیں وہ بتِ کافر الٹے　　　نذر کرنے کو بھی آجائے گا ایماں کوئی

آکے بالیں پہ مری کہتے ہیں میں کیوں آیا　　　تیرے مرنے کا نہیں آج تو ساماں کوئی

دلِ دیوانہ اڑا خاک دو عالم اس میں　　　تنِ خاکی سے تو بہتر نہیں زنداں کوئی

کیا بڑی بات ہے جو خلد بریں کے بدلے　　　مجھ سے دیوانے کو دے ڈالے بیاباں کوئی

ہو تو کم بخت کے جینے کی توقع کیونکر　　　دلِ بیمار کا کرتا نہیں درماں کوئی

مجھے سر کی تو نہیں فکر رہے یا نہ رہے　　　تیری تلوار کا رہ جائے نہ ارماں کوئی

نامۂ غیر کو آنکھوں سے لگاتے کیوں ہو　　　اس میں لکھی تو نہیں آیتِ قرآں کوئی

وہ کسے توڑیں گے میں شکوہ کروں گا کس کا　　　اب تو کرتے ہی نہیں عہد نہ پیماں کوئی

مجھ سے ناخوش سے رہا کرتے ہیں کیوں پیرِ مغاں　　　میں نے توڑا تو نہیں ساغر و پیماں کوئی

یاد رکھو کہ غنیمت ہے ہمارا دم بھی　　　پھر تو اتنا بھی نہ پاؤ گے غزل خواں کوئی

جس سے کھل جائے ترے دل کی حقیقت گل پر
شعر مائلؔ کا سنا بلبلِ نالاں کوئی



جان تجھ پر فدا کرے کوئی　　　تیرے دل میں رہا کرے کوئی

جب وفا پر جفا کرے کوئی　　　مر نہ جائے تو کیا کرے کوئی

آسماں کی ستمگری جب ہے　　　تجھ سے بڑھ کر جفا کرے کوئی

گر تمنائے نامرادی ہو　　　خضر کو رہنما کرے کوئی

تو ہی انصاف دل میں کر ناصح　　　تیری کب تک سنا کرے کوئی

تم عدو سے ہنسا کرو سرِ بزم　　　دل ہی دل میں جلا کرے کوئی

ہم بھی چھیڑے ہی جائیں گے سرِ بزم　　　دیکھیں کب تک حیا کرے کوئی

جو عدو دستہ ہو گئے ہیں قول و قرار　　　بھول جائے خدا کرے کوئی

ایک کافر پہ مر مٹا سائل
اس کے حق میں دعا کرے کوئی

○

ہمراہ میری آہ کے بادِ سحر ہوئی
تھی عز نیاز اس کی بھی اب دربدر ہوئی

اب کس سے ہو امیدِ اثر آہِ نیم شب
جاتے ہی کوئے یار میں بادِ سحر ہوئی

رونے پہ اپنے آپ ہنسی آ گئی مجھے
تاثیر اس کے دل میں بس اے چشمِ تر ہوئی

پیغامِ عشق میں یہی ہوتا ہے، رنج کیا
ذلت تجھے نصیب اگر نامہ بر ہوئی

تم اور کان دھر کے سنو داستاں مری
تاثیر میری آہ میں پیدا اگر ہوئی

پوچھیں گے پھر مزاج تغافل کا آپ کے
کوئی بھی اپنی آہ اگر کارگر ہوئی

تھے ایسے محوِ دید کہ تیروں پہ تیر کھائے
دل کو خبر ہوئی نہ جگر کو خبر ہوئی

ملتی نہیں نظر سے شبِ غم کی تیرگی
کیا جانے کیا بلا تجھے داغِ جگر ہوئی

اظہارِ حسن کے لیے اللہ کو پسند
اندازِ دل کشی میں ادائے بشر ہوئی

روزِ جزا جو کھل گئی میری زبان مجھے
یہ دیکھنا کہ ساری خدائی کدھر ہوئی

بسمل بنا دیا ہے حکایت نے غیر کی
تو یہ بھی میری جان کو تیغِ نظر ہوئی

آتے ہیں میری ضد سے ہوس پیشہ سر کے بل
آباد میرے دم سے تری رہ گزر ہوئی

کیا جانو سوزِ عشق کی لذت کو ناصحو
بے تاب دل ہوا نہ کبھی چشمِ تر ہوئی

پھر میکشوں کا نالۂ مستانہ دیکھنا
ساقیِ انجمن کی عنایت اگر ہوئی

آتے ہی فصلِ گل کے گریباں کیا ہے چاک
وحشت بھرا گئی سی مجھے اے چارہ گر ہوئی

حصے میں میرے آ گئی وہ آہ یا نصیب
پیدا ازل کے روز ہی جو بے اثر ہوئی

جھپکی جب آنکھ خواب پریشاں نظر پڑا
کیا داستانِ غیر وہاں رات بھر ہوئی

گستاخ بادہ کش جو ہوئے شیخ غم نہ کر
ذلت ترے نصیب میں تھی جس قدر ہوئی

حیران ہوں کہ اس کا سراپا لکھوں تو کیا
پیدا دہن ہوا ہے نہ ظاہر کمر ہوئی

کہتے ہیں وقتِ قتل کہ سمجھوں گا روزِ حشر
گر میری آستین ترے خوں سے تر ہوئی

واعظ کبھی بنے کبھی پیرِ مغاں بنے
اپنی تو زندگی یونہی مائلؔ بسر ہوئی



کیا پوچھتا ہے دل کی ستم گر لگی ہوئی
اک عمر سے ہے آگ برابر لگی ہوئی

افشا ہو رازِ میکدہ کیونکر کہ مثلِ خم
ہر باخبر کے مہر ہے منھ پر لگی ہوئی

نالے جو دردناک گذرتے ہیں عرش سے
کس کی ہے تجھ کو اے دلِ مضطر لگی ہوئی

غافل نہ بھول ہستیِ ناپائیدار پر
ہے موت زندگی کے برابر لگی ہوئی

باہر نقاب کے جو پریشان رہتی ہے
رخسار سے ہے زلف مقرر لگی ہوئی

دیکھا کبھی نہ بجھتے محبت کی آگ کو
رہتی ہے یہ تو دل میں برابر لگی ہوئی

ل کر رہے گا وہ ترے کوچے کی خاک میں
جس کو کہ تیری لو ہے ستم گر لگی ہوئی

ساقی جو مستِ ناز ہے چھٹتے ہیں بادہ کش
سب کی ہے آنکھ جانبِ ساغر لگی ہوئی

شوخی ہے تیری سی دلِ مضطر کی آگ میں
دم بھر بجھی ہوئی ہے تو دم بھر لگی ہوئی

لیجا کے بزمِ غیر میں مجھ کو نہ کر ذلیل
مانا کہ ہے تجھے دلِ مضطر لگی ہوئی

اے حشر کر رہا ہے جو برہم جہان کو
کس فتنہ گر کی ہے تجھے ٹھوکر لگی ہوئی

کیا خوش نسیمِ خلد سے مرقد میں ہوں کہ ہے
مجھ کو ہوائے کوچۂ دلبر لگی ہوئی

کیسا قبولِ عام ہے میخانے کو ملا
جب دیکھتا ہوں بھیڑ ہے در پر لگی ہوئی

تو اور لے قدم دمِ رفتار یار کے
ہوتی ہے ایسی فتنۂ محشر لگی ہوئی

ہے خنجرِ نگاہ جگر پر کھنچا ہوا
تیرِ مژہ کی تاک ہے دل پر لگی ہوئی

آنکھوں کو ہے یہ شوق کہ دیدار دیکھیے
دل کو ہے یادِ زلفِ معنبر لگی ہوئی

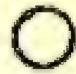
جس کے شرر کی تاب بھی دوزخ نہ لا سکا
وہ آگ ہے کلیجے کے اندر لگی ہوئی

اے شیخ اب تو چھوڑ ریاکاریوں کو تو
ریشِ سفید ہے ترے منھ پر لگی ہوئی

کیونکر نہ بدگمان ہوں کر سنتے ہو حال یوں
جیسے کسی کی چوٹ ہو دل پر لگی ہوئی

دل میں، جگر میں، جان میں، کعبے میں، دیر میں
جلوے کی تیرے آگ ہے گھر گھر لگی ہوئی

سائلؔ اسی کے نام پہ پیتے ہیں ہم شراب
جس کی سبیل ہے لبِ کوثر لگی ہوئی



ردیف "ے" (یائے مجہول)

کہوں گا تو کیا مدعا چلتے چلتے　　مگر سن تو لے بے وفا چلتے چلتے
اٹھا جانے وحشت میں جاتا کہاں ہوں　　کہ تھک کر گرا رہنما چلتے چلتے
یہ دہشت رہی دم نکلتے نکلتے　　کہ ٹکڑے گریباں کیا چلتے چلتے
سلامت رہے پند گو جب سے آیا　　فسانہ سا کہتا رہا چلتے چلتے
بہت دل ہیں وابستہ زلفِ دوتا سے　　نہ کر چھیڑ بادِ صبا چلتے چلتے
اٹھائے ہیں فتنے بہت بیٹھے بیٹھے　　کیے حشر لاکھوں بپا چلتے چلتے
سنی ہی نہیں میں نے تقریرِ ناصح　　مگر وہ بکا ہی کیا چلتے چلتے
جسے دیکھتا ہوں وہ ہے چلنے والا　　کہوں بھی کسی سے تو کیا چلتے چلتے
تجھے خواب ہی میں کبھی دیکھ لیتے　　یہ ارمان دل میں رہا چلتے چلتے
نہ ہوگا یہ اچھا مجھے دیکھ کر بس　　مسیحا نے اتنا کہا چلتے چلتے
دعا بادہ خواروں کی دیکھی بھی واعظ　　لگا مینھ برسنے ہوا چلتے چلتے
دھواں سا دھواں دل سے اٹھا شبِ غم　　کہ رک رک گئی ہے ہوا چلتے چلتے
یہ شوخی تو دیکھو سرِ بزم مجھ کو　　وہ ٹھوکر لگا ہی گیا چلتے چلتے
فلک ہم پہ ٹوٹے تری راہ میں گو　　کہیں دم لیا ہو ذرا چلتے چلتے
وہ بالیں پہ میرے کھڑے رو رہے ہیں　　تماشا یہ دیکھا سنا چلتے چلتے
مزہ آگیا اس کی بے رحمیوں کا　　گلو پر جو خنجر رکا چلتے چلتے

نہ بھولا کسی حال میں اس کو مائل
رہی دل میں یادِ خدا چلتے چلتے

○

جادو تری آنکھوں کو اگر یاد نہ ہوتے
لب بند ہمارے دمِ فریاد نہ ہوتے

یہ حسن و محبت اگر ایجاد نہ ہوتے
ہستی و عدم دونوں ہی آباد نہ ہوتے

ہوتا نہ اگر تیری طبیعت میں تغافل
ہم خاک میں مل کر بھی تو برباد نہ ہوتے

منظور نہ ہوتا جو رخ و زلف کا اظہار
یہ دیر و حرم بھی کبھی آباد نہ ہوتے

جب بھی تو ترے ظلم سے بچتا نہ زمانہ
گر وقت و فلک بھی ستم ایجاد نہ ہوتے

کیوں قاصدِ بیچارہ کھلا جان سے جاتا
گر خط میں رقم شکوۂ بیداد نہ ہوتے

کیا جانے شبِ ہجر میں کیا جان پہ بنتی
گر قول و قسم تیرے ہمیں یاد نہ ہوتے

ہر وقت ترے ناز پہ ہم جان نہ دیتے
گر شیفتۂ حسن خداداد نہ ہوتے

تقدیر میں ہوتا بھی اگر دام میں پھنسنا
ہم صید نہ ہوتے جو وہ صیاد نہ ہوتے

ملنے کی ترے ہم کو جو امید نہ ہوتی
یوں دل میں بھرے شکوۂ بیداد نہ ہوتے

کچھ اپنی ہمیں زیست کی امید تو ہوتی
تم شوخ ہی ہوتے ستم ایجاد نہ ہوتے

ناکامِ محبت اسے کہتا نہ زمانہ
ہم عشق میں گر رہبر فرہاد نہ ہوتے

نیرنگ جہاں پر جو نہ ہوتی نظر اپنی
ہستی سے عدم تک کہیں آزاد نہ ہوتے

کھلتے نہ اگر جنبشِ ابرو کے کرشمے
یہ گنجِ شہیداں کبھی آباد نہ ہوتے

مائل کو فنِ شعر میں آتا نہ کبھی کچھ
گر انورؔ و تسلیمؔ[2] سے استاد نہ ہوتے

○

بنا درد، درماں سوا ہوتے ہوتے
خدا جانے کیا ہو دوا ہوتے ہوتے

ادھر آئے دشمن کے گھر جلتے جاتے
ہوا فضل قہرِ خدا ہوتے ہوتے

اثر کی شکایت تو ہوتی نہ ہوتی
یہاں کچھ نہیں تھا دعا ہوتے ہوتے

[illegible] مولوی سلیم الدین تسلیم نارنوی

یہ بے گانہ پن ہی ترا کہہ رہا ہے
کہ ہو جائے گا آشنا ہوتے ہوتے

دلِ مضطرب کا برا ہو اسی نے
نہ ہونے دیا مدعا ہوتے ہوتے

مٹا دے گی لاکھوں کے نام و نشاں کو
یہ دنیائے فانی فنا ہوتے ہوتے

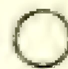
نگاہِ ستم گر کی شوخی تو دیکھو
ہوئی ابتدا انتہا ہوتے ہوتے

وفا کی ادھر انتہا ہو چکے گی
اُدھر ظلم کی ابتدا ہوتے ہوتے

رہی آرزو نے چمن دل کی دل میں
نکل ہی گیا دم رہا ہوتے ہوتے

مرا نالہ واں ہے جہاں کچھ نہیں ہے
کہاں جا رہا ہے رسا ہوتے ہوتے

تجھے دیکھنا بھی کچھ آتا ہے مائل
یہ بت رہ گئے ہیں خدا ہوتے ہوتے



اشک رکتے ہیں کہیں سوزِ جگر کے ہوتے
راز چھپتا ہے کوئی دیدۂ تر کے ہوتے

حسن میں کوئی تو اندازِ وفا کا ہوتا
کچھ تو آثار محبت میں اثر کے ہوتے

کچھ تو ہوتی دل اڑانے کی ادا چور دل میں
کچھ تو انداز تری زلف کمر کے ہوتے

دیکھتا کون یہ راتیں یہ بلاؤں کا نزول
ہم نہ عاشق جو کسی رشکِ قمر کے ہوتے

کیا کوئی عاشقِ دل خستہ کی سنتا ہی نہیں
نا امیدی کی یہ کیوں آہِ سحر کے ہوتے

بات بگڑی ہے مری شرم و حیا سے تیری
قتل شمشیر سے ہوں تیغِ نظر کے ہوتے

یہ تو مانا کہ وہ جھوٹی نہیں سچی ہی سہی
کیوں قسم غیر کی کھاؤ مرے سر کے ہوتے

باغِ دنیا ہی نہیں گلشنِ فردوس میں بھی
پوچھتا کون ہے حور دل کو بشر کے ہوتے

اے فلک یاد رہیں گے یہ ستم بھی تیرے
بے ہنر عیش کریں اہلِ ہنر کے ہوتے

روبرو اس کے اگر حضرتِ ناصح جاتے
آپ بھی مجھ سے ہی اک تیرِ نظر کے ہوتے

جب اثر دیکھتے اشعار کا میرے یہ اگر
نالہ و آہ کسی خستہ جگر کے ہوتے

کہتے ہیں وہ ترے نالوں میں اثر کچھ بھی نہیں
بے اثر کہتے ہیں اللہ اثر کے ہوتے

دو ہی آنسو ہیں بہت اس کے بجھانے کے لیے
آگ دوزخ میں کہاں دیدۂ تر کے ہوتے

کون ہے تیرے سوا ایسے گنہگار دل کا　　　ہم کہاں جائیں الٰہی ترے در کے ہوتے

کہنے سننے میں جو واعظ ہی کے رہتے مائل
بندہ پہ در نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے ہوتے

○

کیا کام ہے وہ جس پہ نظر ہم نہیں رکھتے　　　کیا بات ہے وہ جس کی خبر ہم نہیں رکھتے

چاہیں تو ابھی ہم سے پنپنے غیر سے بگڑے　　　کیا آہ میں اتنا بھی اثر ہم نہیں رکھتے

کچھ پیش کشِ نازِ نگہ دے تو چکے ہیں　　　مانا کہ دل و جان و جگر ہم نہیں رکھتے

تم سر تو اٹھا دو یہ بناوٹ بھی غضب ہے　　　اچھا یہ سمجھ لو کہ خبر ہم نہیں رکھتے

کس ذلت و خواری سے اٹھاتے ہیں وہ ہم کو　　　اللہ جہاں میں کہیں گھر ہم نہیں رکھتے

مقتل میں ہر اک کشتے سے کہتا ہے ستم گر　　　کیا سچ ہے یہ مضموں کہ کمر ہم نہیں رکھتے

قدرت میں خدا کی نہیں کچھ دخل مگر ہاں　　　اس شب کی تو امیدِ سحر ہم نہیں رکھتے

اللہ رے جوابِ گلۂ طرزِ تغافل　　　کہتے ہیں کہ ہاں تیری خبر ہم نہیں رکھتے

نالوں کی ندا ہے کہ نہیں ہم میں رسائی　　　کہتی ہیں دعائیں کہ اثر ہم نہیں رکھتے

بارِ دلِ درباں ہوں غبارِ دلِ دشمن　　　اس بزم میں اتنا بھی اثر ہم نہیں رکھتے

مائل خبرِ خاطرِ آزاد نہ پوچھو
یہ جنس کہیں ہے تو مگر ہم نہیں رکھتے

○

مجھ سے کہتے ہیں قدم رنجہ اگر یاں کیجے　　　شکوہ کیجے نہ کسی بات کا ارماں کیجے

کچھ نہ کچھ تو دلِ بے تاب کا درماں کیجے　　　وصل کا ہاں نہ سہی قتل کا ساماں کیجے

وصف کرنے جو لگا زلف کا ان کی تو کہا　　　اس سے بڑھ کر کوئی تقریر پریشاں کیجے

روز کم بخت بڑھاتا ہے عدو کی توقیر　　　کہیے کس دل سے بھلا منتِ درباں کیجے

ہر ادا سے یہ ٹپکتا ہے نہیں کچھ پروا　　　دل تو کیا چیز ہے گر جان بھی قرباں کیجے

خضر کی عمر تو ٹھہری ہے قیامت تک ہی　　　روبرو کس کے بیانِ شبِ ہجراں کیجے

عاشقوں کو ہے اگر راہ پہ لانا منظور / شیخ صاحب صفتِ کوچۂ جاناں کیجے

چلتے چلتے یہ صبا کہہ کے گئی ہے مجھ سے / فصلِ گل آگئی پھر چاک گریباں کیجے

قتل کرنا تو ہے آساں کوئی دشوار نہیں / اور احساں نہیں کرتے یہی احساں کیجے

بے تامل مرے پہلو میں بس آ بیٹھیے آپ / عہد کیجے نہ کسی بات کا پیماں کیجے

تنگ آیا ہوں بہت جوشِ جنوں کے ہاتھوں / جی میں آتا ہے کہ آباد بیاباں کیجے

دیکھ کر حسن کو قسامِ ازل نے یہ کہا / کچھ نہ کیجے اسے غارت گرِ ایماں کیجے

عشق کی بو بھی نہیں ان سے تو آتی نائل
کس طرح پیرویِ گبر و مسلماں کیجے

○

دے اور جزائے خیر اسے پروردگار دے / قرضہ جو مے فروش کا کوئی اتار دے

مجنوں کسی کو دے بھی تو مشتِ غبار دے / دامن کہاں جنوں میں جو دو چار تار دے

میرا سا دل کسی کو نہ پروردگار دے / دھڑکا لگا ہوا ہے کہ ہمت نہ ہار دے

سو بار کہہ چکا ہوں دعا جانِ زار دے / کس منہ سے اب کہوں مجھے صبر و قرار دے

مژدہ کرم کا رحمتِ پروردگار دے / احساں کا کسی کے جو بدلا اتار دے

ہو بھی تو پاسِ خاطرِ توبہ ہو کس طرح / ساقی جو بھر کے ساغرِ فصلِ بہار دے

ان کے تو عشق غیر ہے سر پہ چڑھا ہوا / آسیب تو نہیں ہے کہ کوئی اتار دے

ہم اس کو جان دیں گے کہ تیرا ہی ہے مکاں / جس در پہ جانِ زار دلِ بے قرار دے

نکلوں شراب خانے سے توبہ کو ڈھونڈھنے / مہلت کوئی گھڑی کی جو ابرِ بہار دے

سب اس کی زلف و رخ کے کرشمے میں جان لے / سہہ لے جو رنج گردشِ لیل و نہار دے

وعدے پہ اپنے آئے وہ کیونکر یہ مان لوں / جو موت کو نہ حکمِ شبِ انتظار دے

کیونکر نہ رشک آئے مرے ہوتے شیخ کو / ساقی کہے کہ طاق سے شیشے اتار دے

سمجھاؤں دل کو کیا مجھے سمجھائے دل تو کیا / تسکین سوگوار کو کیا سوگوار دے

آتی ہے یہ ندا کہ محبت کا دم نہ بھر / کرتا ہوں جب دعا مجھے صبر و قرار دے

تو ہی مجھے بتا کہ سوا تیرے اے خدا — قدرت ہے کس میں ایسی کہ بگڑی سنوار دے

جو وقت بےخودی سے کٹے مغتنم سمجھ — جو دم شرابخانے میں گزرے گزار دے

کہدو جو اتنی بات کہ یہ بھی ہے نامراد — خوش ہو کے کیوں نہ جان پھر امیدوار دے

ایسے کہاں نصیب ترے شیخ بدنصیب — جھوٹی شراب اپنی کوئی بادہ خوار دے

روشن جو اپنے ہاتھ سے کر جاؤ ماہ کیا — خورشید کو جواب چراغِ مزار دے

اے جانِ بےقرار زمانہ فراق کا — تھوڑا سا رہ گیا ہے اسے بھی گزار دے

ہم جائیں کوئے غیر میں اور جائیں سر کے بل — کچھ بھی پتہ ترا جو تری رہ گزار دے

وہ بت ہے مستِ ناز تو مائل بقولِ ذوقؔ
یہ نشہ وہ نہیں جسے ترشی اتار دے



چھوڑ دے مائل خیالِ کفر و ایماں چھوڑ دے — کام کر اپنا حقِ گبر و مسلماں چھوڑ دے

یہ فلک بھی تیرے بختِ نارسا کے ساتھ ہے — اے زلیخا چھوڑ دے یوسف کا داماں چھوڑ دے

بن گئی ہے جان پر اور ہے جگر بھی چاک چاک — رحم کر اے دل خیالِ نوکِ مژگاں چھوڑ دے

پڑھ کے خط میں شکوۂ جور و ستم کہنے لگے — مدعا یہ ہے کوئی ہو کر پشیماں چھوڑ دے

فصلِ گل بھی کچھ نہیں جوشِ جنوں بھی کچھ نہیں — ناخنِ وحشت اگر تارِ گریباں چھوڑ دے

میکدے میں خم کے خم واں ہیں فقط اک حوض ہی — چھوڑ دے واعظ خیالِ باغِ رضواں چھوڑ دے

یاد ہے کہنا وہ گھبرا کر ہر اک آہٹ کے ساتھ — چھوڑ دے کم بخت اب تو میرا داماں چھوڑ دے

کوئی دم میں اب ہوا جاتا ہے اے دل یہ تمام — روزِ محشر کہ بیانِ روزِ ہجراں چھوڑ دے

حضرتِ واعظ کو پہلے میکدے میں دیکھنا — لا کے حوروں کو کوئی فردوس سے یاں چھوڑ دے

دیکھنا قسمت کی خوبی تیر اگر وہ بھول کر — میری جانب چھوڑ دے تو تیرِ پیکاں چھوڑ دے

اس ستم کا کیا ٹھکانا قید کر کے پند گو — مجھ سے کہتا ہے خیالِ کوئے جاناں چھوڑ دے

آ گئے وحشت سے ہم یاں چھوڑ کر جنت تو کیا — یہ نہیں ہوتا کوئی اپنا بیاباں چھوڑ دے

پھر ہوائے فصلِ گل کی دیکھنا تاثیر کو — وہ ذرا رخسار پر زلفِ پریشاں چھوڑ دے

یہ ستم کیا ہے یا رب چاہتے ہیں دادِ ظلم اور یہ کہتے ہیں ذکرِ دردِ ہجراں چھوڑ دے

عشق میں وہ راہ ناؔکل چل گیا ممکن نہیں
پیروی اس کی کوئی گبر و مسلماں چھوڑ دے



یہ جلانا نالۂ آتش فشاں تو چھوڑ دے
دل لگی کے واسطے اک آسماں تو چھوڑ دے

سخت جاں ہے سخت جاں ہو قتل گاہِ عشق میں
یہ نہیں ممکن کسی کو نیم جاں تو چھوڑ دے

میں بلائیں اس کی لے لوں سر سے پا تک ایک بار
سر اڑا دے ہاتھ دونوں پاسباں تو چھوڑ دے

چارہ گر اچھے ہوئے ایسے کہیں بیمار بھی
فکر میرا اے شفیقِ مہرباں تو چھوڑ دے

تھک گیا ہوں کہتے کہتے اس دلِ ناداں کو میں
ہر گھڑی کی بے اثر آہ و فغاں تو چھوڑ دے

شیخ کو سمجھا رہا ہے دانۂ تسبیحِ شیخ
اک خدا کے واسطے دونوں جہاں تو چھوڑ دے

گو ضعیف و ناتواں ہوں یہ تو ہو سکتا نہیں
انتخابِ ہر کو اے آسماں تو چھوڑ دے

دامنِ حسنِ دلآرا کو ترے میں چھوڑ دوں
یہ خیالِ خام اپنا جانِ جاں تو چھوڑ دے

ان کے ہمسایہ میں رہنا جو مرا ہے ناگوار
یہ مکاں میں چھوڑ دوں اور لامکاں تو چھوڑ دے

کیف سے اسکے ابل پڑتے ہیں اکثر بادہ خوار
ساغرِ سرشار بینا رازداں تو چھوڑ دے

اک سخن میں وہ دلِ شیدا کو تسکیں دے گیا
عشق صادق ہے اگر وہم و گماں تو چھوڑ دے

یہ کہا کرتی ہے بجلی سے قفس میں عندلیب
باغ میں اجڑا ہوا اک آشیاں تو چھوڑ دے

اب تجھے اس قفس میں اپنی موت و زندگی
چھوڑ دے بلبل خیالِ گلستاں تو چھوڑ دے

آنا جانا تیرے گھر میں ہر گھڑی میں چھوڑ دوں
ملنا جلنا غیر سے جانِ جہاں تو چھوڑ دے

جو نہیں ہوتی کسی دہشت سے برہم بزمِ غیر
پھلجھڑی اک نالۂ آتش فشاں تو چھوڑ دے

گرم ایسی آہ کھینچو آسماں تک پھونک دوں
غیر کی جانب جو حقہ کا دھواں تو چھوڑ دے

کل کہیں گے شیخ صاحب تو خدا کو چھوڑ بیٹھ
آج تو اتنا کہا عشقِ بتاں تو چھوڑ دے

تو ہوا میں اڑ رہا ہے میں رہا پیچھے رہا
ساتھ میرا اے غبارِ کارواں تو چھوڑ دے

پوچھنے آئیں وہ مجھ سے اک اسے آگے کیا ہوا
ایسے موقع پر ہماری داستاں تو چھوڑ دے

میکدے اجڑے پڑے ہیں مسجدیں ویران ہیں
چشمِ جاناں مے فروشی کی دُکاں تو چھوڑ دے

وہ ستم گر اور سرگرمِ تغافل ہو گیا
کیوں کہا میں نے کہ خوئے امتحاں تو چھوڑ دے

شیخ دیکھے مے فروشوں کے اگر بازار کو
چھوڑ دے یہ دلفریبی کی دُکاں تو چھوڑ دے

آہ کرنی ہم کو آئی اور نہ نالہ کھینچنا
ہم سے مسکینوں کا لینا امتحاں تو چھوڑ دے

راہ لے کعبہ کی اپنے سنگِ اسود چوم شیخ
حضرتِ پیرِ مغاں کا آستاں تو چھوڑ دے

رہرو راہِ فنا ہوں تجھ پہ آفت آ نہ جائے
ساتھ میرا اے بلائے آسماں تو چھوڑ دے

کوئے جاناں کی زمیں سے تیری عظمت ہو سوا
یہ خیالِ خام اپنا آسماں تو چھوڑ دے

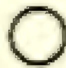
ہم دکھا دیتے ہیں اپنے ضبط کی تاثیر بھی
پھر نہ کہنا نالہ و آہ و فغاں تو چھوڑ دے

قصہ خواں رونے رلانے سے کسی کے فائدہ
دیدۂ گریاں کی کہنی داستاں تو چھوڑ دے

بدنما دل کو نہ کر اے مرہمِ لطف و کرم
اک ذرا سا زخمِ کاری کا نشاں تو چھوڑ دے

بدمذاقی کس قدر اہلِ سخن میں آ گئی
مجھ سے کہتے ہیں کہ دلی کی زباں تو چھوڑ دے

جو دکھا دل چشمۂ کوثر پہ مائل اپنی شان
پھر نہ کہنا دامنِ پیرِ مغاں تو چھوڑ دے



اور سب کچھ کرے خدا نہ کرے
مجھ سے میکش کو پارسا نہ کرے

اس سے اغیار کیوں جھگڑتے ہیں
وہ کرے مجھ کو قتل یا نہ کرے

مجھ سے احسان اٹھ نہیں سکتا
میرے حق میں کوئی دعا نہ کرے

موسمِ گل ہی وہ نہیں جس میں
سیرِ میخانہ پارسا نہ کرے

حق تو یوں ہے کسی مسلماں کو
تجھ سے کافر پہ مبتلا نہ کرے

جو ہوائیں حرم میں چلتی ہیں
آئیں میخانے میں خدا نہ کرے

اس پہ مرنا ہی کیا ہے مر جانا
جو کرشموں کی انتہا نہ کرے

اس نے عاشق کشی کا شوق کیا
کہیں مجھ سے ہی ابتدا نہ کرے

کہنے بیٹھوں جو داستانِ فراق
خضر کی عمر بھی وفا نہ کرے

وہ تو دل کی کماں کا ہوتا ہے
تیر ایسا کبھی خطا نہ کرے

کوچۂ یار میں مرا نالہ
حشر برپا کرے خدا نہ کرے

دیکھ کر اُس کو ہم بھی دیکھیں تو
کونسا بُت خُدا خُدا نہ کرے

کر دیا جس کو مطمئن تو نے
وہ کسی کی بھی التجا نہ کرے

چارہ گر کو مرے یہ سمجھا دو
زہر دیدے مگر دوا نہ کرے

بے وفا ہی سہی، سمجھوں میں
وہ عدو سے اگر وفا نہ کرے

وہ نہیں ہے خدا کے بندوں میں
کام جس کا تری ادا نہ کرے

عشق رکھتا نہیں ہے اُس کو عزیز
جس کو رسوا وہ جا بجا نہ کرے

پھر خدائی یہ آئے جو قبول
عاشقوں کی کبھی دعا نہ کرے

بھید کھل جائے پھر خدائی کا
وہ اُٹھے پردہ یہ خدا نہ کرے

عید اس کی ہے میکدہ اُس کا
ایک روزہ بھی جو قضا نہ کرے

وہ جنازے پہ غیر کے جائے
سچ ہو ایسی خبر خدا نہ کرے

ہے مرے جام میں وہ بادۂ ناب
جس سے انکار پارسا نہ کرے

یوں لرزتا ہوں دشتِ غربت میں
رحم مجھ پہ کوئی بلا نہ کرے

مجھ سے ساقی نے جب کہا تائب
یہ ہی کہتے بنی خُدا نہ کرے

فتنہ گر، اور وہ بھی مائل سا
آئے میخانے میں خدا نہ کرے



جو بولے جھوٹ آج وہ دوزخ میں کل پڑے
کافر ترے بغیر جو دم بھر بھی کل پڑے

پھر میری داستان کو کہیے گا ساختہ
تم سے ستم شعار کے آنسو نکل پڑے

لے آؤ اُس کو چارہ گرو! جس طرح بنے
گر چاہتے ہو یہ کہ کسی طرح کل پڑے

اللہ رے فیضِ عشق کہ بس دو ہی دن کے بعد
تصویر اپنی دیکھ کے آنسو نکل پڑے

رہ جائے جذبِ شوقِ شہادت کی آبرو
یعنی کہ خود بخود تری تلوار اگل پڑے

چپکے سے نامہ بر نے خدا جانے کیا کہا
سنتے ہی جس کے حضرتِ ناصح اُچھل پڑے

ابرو میں ہو جبین میں ہو، گیسوؤں میں ہو
ظالم یہی نہ ہو کہ ترے دل میں بل پڑے

مائلؔ چلے تھے کعبے کو اِحرام باندھ کر
بس دیکھتے ہی میکدہ حضرت پھسل پڑے



آجائے مجھ کو موت تو چھوٹے عذاب سے
ہے چارہ ساز تنگ مرے اضطراب سے

واعظ ڈرا کسی کو نہ اُس کے عذاب سے
دوزخ تو بجھ گئی مری چشمِ پُر آب سے[1]

انجم نہیں ہیں، ہیں یہ زلیخا کے داغِ دل
کیوں بھائیوں کو رنج ہے یوسف کے خواب سے

کہتے تو ہیں یہ لوگ کہ یہ تو کسی کا ہے
جلتا تو ہے سراغ ترا آفتاب سے

ہوتا خلیقِ رحمتِ پروردگار شیخ
میت کو اُس کی غسل جو دیتے شراب سے

ایمن میں ایک روز لگا کر رہے گی آگ
رکتی ہے کوئی تابِ تجلی نقاب سے

اے آرزوئے وصل نہ گھبرا خدا کو مان
آتی ہے بو لگاؤ کی خط کے جواب سے

نورِ نگاہ حضرتِ یعقوب جا چکا
میں تو سمجھ چکا ہوں زلیخا کے خواب سے

بدمست اک جہان ہو تشبیہ دوں اگر
فصلِ بہار کو ترے عہدِ شباب سے

اے دل کبھی بگڑ کے نہ جاتا وہ اس طرح
بگڑے ہیں سارے کام ترے اضطراب سے

اے ابرِ نو بہار اثر ہے خدا کے ہاتھ
رونا تو سیکھ لے مری چشمِ پُر آب سے

تیری نگاہِ ناز اسے کھولے تو یہ کھلے
ہے بند بند دل ترے شرم و حجاب سے

تو ہی گیا نہ ہو کہیں اُس کے بھی خواب میں
آتی ہے بوئے رشک زلیخا کے خواب سے

دیر و حرم کی مجھ سے حقیقت نہ پوچھیے
پردہ اٹھا ہوا ہے تمھاری نقاب سے

---

[1] دِلّی والے دوزخ کو مذکر بھی بولتے ہیں اور مونث بھی۔ مرزا صاحب نے بھی دونوں طرح باندھا ہے۔ مذکر جہاں باندھا ہے وہ شعر یہ ہے۔

ہر مذہب و ملت کے ہزاروں نظر آئے
جنت سے تو دوزخ ہمیں اچھا نظر آیا

۱۲۔ شاغل

کرتی ہے حسرتوں کا مرے گھر میں آ کے خوں
جلتا فراق میں ہوں شبِ ماہتاب سے

رونق مٹے گی بزمِ جہاں کی نہ حشر تک
بدلے ہزار رنگ فلک انقلاب سے

بھرتا ہے ابر کیا ہی ہوا میں بھرا ہوا
زورِ اشک مانگ کر مری چشمِ پُرآب سے

پیدا کیجے شراب میں کیفیتوں کے رنگ
کچھ طرز مانگ کر مرے عہدِ شباب سے

دُنیا میں عیشِ خلد بھی مجھ کو جو دے خدا
بدلوں نہ روزِ ابر و شبِ ماہتاب سے

بجلی تڑپ میں جس نے ہلایا ہے عرش کو
نکلا نہ کام عشق میں اُس اضطراب سے

صبر و قرار دل سے سب اک بار لے گیا
جادو سا کر گیا نگہِ پُرحجاب سے

طاقت نہیں رہی ہے مجھے ضبطِ آہ کی
میری طرف نہ دیکھ نگاہِ عتاب سے

ایک ایک گھونٹ گن کے پیا ہے شراب کا
واعظ مجھے ڈرائے نہ روزِ حساب سے

ارمان و آرزو مرے دل میں سمائیں کیا
آتی ہے بوئے لطف تمھارے عتاب سے

غافل نہ رہ یہاں یہ بھروسے کی جا نہیں
دنیا ہے بے ثبات نہایت حباب سے

واعظ تجھے پتہ نہ ملے گا کبھی مرا
ہے دُور تر مقامِ عذاب و ثواب سے

تقدیر اپنی اپنی ہے طالب تو ہوں کلیم
جل جائے کوہِ طور تجلّی کی تاب سے

کیا کیا بھری ہوئی ہیں مرے دل میں حسرتیں
پوچھو کبھی تو حالِ شبِ ماہتاب سے

تم پر بھی عشقِ غیر میں کیا کیا نہیں ہوا
گھبراتے کس لیے ہو مرے اضطراب سے

کاٹی ہے جس طرح شبِ ہجراں نہ پوچھیے
سچ ہے کہ کم نہیں ہے محبت عذاب سے

دیکھی نگاہِ یار کی ہیں ہم نے گردشیں
ڈرتے ہیں آسمان کے کیا انقلاب سے

جانے نہ دیں گے آج سحر ہو گئی تو کیا
باتیں بناؤ لاکھ بگڑ کر عتاب سے

مے پی تھی بزمِ غیر میں کیا اس کے سامنے
شرمائے جاتے ہو جو شبِ ماہتاب سے

یہ داغِ عشق میرے بہت کام آئے گا
اک چیز لے چلا ہوں جہانِ خراب سے

مائلؔ حقیقت آپ کی توبہ کی دیکھ لی
آنکھوں میں سرخی آ گئی ذکرِ شراب سے

صبا کہنا جو گزرے تو ہمارے سرو قامت سے
کہ ٹل جانا تجھے مشکل نہیں پہلے قیامت سے

بٹھا لیتے ہیں پہلو میں جو وہ ہم کو محبت سے
ہمیں بھی دیکھتا ہے ایک عالم چشمِ حیرت سے

اُٹھا جائے تو کیا تعظیم کو اُس کی قیامت سے
الف اللہ کا سکتہ میں جس کے سرو قامت سے

کہا کرتے ہیں اپنے کشتگانِ سرو قامت سے
کفن دینا تمھیں لازم ہے دامانِ قیامت سے

وہ آئے اور آ کے بیٹھیں اے واعظ مروت سے
رہی ہیں عاشقی میں صحبتیں برسوں قیامت سے

رُلاتا ہے یہ چرخِ پیر برسوں خون کے آنسو
اگر اک شب بھی کٹ جائے کسی کی عیش و عشرت سے

نہیں ملتا کہیں اتنا ٹھکانا ہم کو دنیا میں
گزاریں دو گھڑی جا کر جہاں حرفِ حکایت سے

جوانی اور پیری میں تفاوت ہے تو اتنا ہے
نکالا چاہتے ہیں کام اب ہم آدمیت سے

کہاں مجھ سا قدح کش اور کہاں صحبت ثقیلوں کی
نکل جاؤں گا گھبرا کر کسی جانب کو تربت سے

کہا کرتے ہیں ذکرِ توبہ پر یہ پیرِ میخانہ
خدا سے پھر گیا جو پھر گیا پیرِ طریقت سے

جنابِ شیخ صاحب کا لقب منصور اچھا ہے
گزر جاتے ہیں اک چلو میں حضرت آدمیت سے

مبارک ہو مبارک اے دعائے نیم شب تجھکو
کہ مجھ سے پیش آیا وہ ستم پیشہ محبت سے

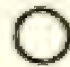
اُٹھے بالیں سے جب اُس کی فلک پر دم لیا جا کر
خجل ایسے ہوئے عیسیٰ ترے بیمارِ فرقت سے

قدم لیتے ہیں کیسے خوش عقیدہ لوگ جھک جھک کر
جہاں نکلے جنابِ شیخ محرابِ عبادت سے

گزر جاتے ہیں سینہ سے ہزاروں تیر دم بھر میں
فلک کا ناک میں دم ہے مرے نالوں کی ہمت سے

نہ چھوٹی ہے نہ چھوٹے گی کبھی رندوں سے میخواری
نہ باز آئے نہ باز آئیں گے واعظ اپنی عادت سے

خبر دو اہلِ کعبہ کو سنبھالیں اک مسلماں کو
درِ میخانہ پر سائل پڑا ہے ایک مدت سے



دیا ہے داغ اُلفت کا جو تو نے اپنی رحمت سے
خجل کیجو اسے یارب نہ خورشیدِ قیامت سے

اگرچہ سر بہ زانو ہوں گناہوں کی ندامت سے
مگر نیچی نگاہیں لڑ رہی ہیں اس کی رحمت سے

ملے کیونکر جہاں میں ایک صورت ایک صورت سے
کہ یہ کثرت نہیں خالی ترے اظہارِ وحدت سے

نکالا اس خطا پر قیس کو صحرا نے وحشت سے
کہ گزرا اک نفس کیوں فصلِ گل میں آدمیت سے

خدا جانے کہ کیسے کیسے میخوار اُٹھ گئے آکر
کہ ساقی انجمن کو دیکھتا ہے چشمِ عبرت سے

فرشتہ بھی اگر آئے تو درباں اُن کا کہتا ہے
قدم رکھنا اجازت لے کے پہلے بادولت سے

اسیرِ دام توبہ کر الٰہی ایسے میکش کو
گزر جاتا ہو جو سرشار ہو کر آدمیت سے

تجلی ایسی ہوئی حسن کی اب تک سر بہ زانو ہو
کیا تھا تذکرہ اک دن ترے قد کا قیامت سے

رہو زندہ ہمیشہ اے قدح خوارانِ میخانہ
طلب کرتا ہوں نعمت کو خداوندانِ نعمت سے

وہ نخلِ خشک ہے زاہد کہ آبِ میکدہ کیسا
ترو تازہ نہ ہوگا یہ ہوائے باغِ جنت سے

خدا تنہائی میں سنتا ہو گو، سن لیتا ہے بندوں کی
جگا دینا مجھے دو چار دن پہلے قیامت سے

خدا جانے کہ مجھ کو قتل کر کے کیوں وہ کہتا تھا
کہ یہ واقف نہ تھا شاید رہ و رسمِ محبت سے

ادائے دل کشی کیونکر نہ ہو ہر بال سے پیدا
شکن زلفوں میں ڈالی ہے قضا نے دستِ قدرت سے

جو جیتا ہے تو جینے دیں جو مرتا ہے تو مرنے دیں
مسیحا کیوں الجھتے ہیں ترے بیمارِ فرقت سے

زمیں دیکھی مصیبت کی فلک دیکھا بلاؤں کا
جنابِ خضر گھبرائے ہمارے دشتِ غربت سے

کبھی مقتل میں جاتا ہوں کبھی کوچے میں قاتل کے
غضب میں جان ہے بیتابیِ شوقِ شہادت سے

بلاؤ شیخ صاحب کو درِ میخانہ خالی ہے
سنا ہے ہو گئے موقوف کعبہ کی امامت سے

نہیں واللیل ہی قرباں تری زلفِ معنبر پر
تکا کرتی ہے صورت سورۂ والشمس حیرت سے

فدا ہوتا رہوں کیونکر نہ چشمِ مستِ ساقی پر
اشارے ہی کیا آگاہ اسرارِ حقیقت سے

خُمِ مے پر اگر رکھ دیں تو ان کی شان گھٹ جائے
بزرگی شیخ صاحب کی ہے دستارِ فضیلت سے

ڈبوتا ہے مجھے رو کر جہاں کو بحرِ رحمت میں
زمیں کیونکر نہ ہو پانی مرے اشکِ ندامت سے

برس پڑتا جہاں دیکھو نشانِ بادہ پیمائی
کرم اُس کا کہا کرتا ہے اکثر ابرِ رحمت سے

نگاہِ مست سے اپنی اُسے سرشار رکھتا ہے
ملا ہے مائلِ میخوار کو معشوق قسمت سے



اللہ رے وہ شے ہیں صہبا کہیں جسے
اور ایک وہ نگاہ دل آرا کہیں جسے

ہیں مہر و ماہ سے تو ہزاروں جہان میں
ایسا نہیں ہے کوئی کہ تجھ سا کہیں جسے

تاثیر کچھ نہیں تو پھر اے چشم کچھ نہیں ۔ رونے میں گو وہ جوش ہو دریا کہیں جسے

وحشت اگر یہی ہے تو دو چار دن ہی میں ۔ گھر کی وہ شکل دیکھیے صحرا کہیں جسے

سُن کر گلے ستم کے دیا تو جواب کیا ۔ ایسا نہیں ہے کوئی سبب اچھا کہیں جسے

مائلؔ نہ عشق سے ہے نہ غمِ دہر سے نجات
وہ شاعری ہے آپ کی سودا کہیں جسے



دم نکلتا ہے مری فریاد سے ۔ سہل چھوٹے آپ تو بیداد سے

تاب جلوے کی تو لا سکتا نہیں ۔ کیا کھنچے نقشہ ترا بہزاد سے

اس شبِ فرقت کو کاٹا الاماں ۔ داد لیتا ہوں تری بیداد سے

اب علاجِ سخت جانی کیا کروں ۔ ہاں خجل ہونا پڑا جلاد سے

کیا بنی سن کر پیامِ پیرزن ۔ کوئی پوچھے تو دلِ فرہاد سے

ہم نے دل پہ زخم کاری کھائے ہیں ۔ ہم ہیں واقف عشق کی افتاد سے

دیکھ تو واعظ تری باتوں میں بھی ۔ ہم نہیں غافل کسی کی یاد سے

میں کہاں اور محفلِ دشمن کہاں ۔ تنگ آیا ہوں دلِ ناشاد سے

کام ہے یہ تو کسی آزاد کا ۔ کیا خدائی ہو سکے شداد سے

دیکھنا مائلؔ کی ہمت دیکھنا
ہے محبت کس ستم ایجاد سے



خوب واقف ہوں تری بنیاد سے ۔ اے فلک گھر تو مری فریاد سے

خامشی میں ہی اثر پیدا کیا ۔ جب نہ نکلا کام کچھ فریاد سے

کیا سنائیں ہم کسی کو ماجرا ۔ ہم کو فرصت ہی نہیں فریاد سے

جب سنا یہ وہ ہوئے ہیں بد دماغ ۔ ناامیدی ہو گئی فریاد سے

حشر اُٹھے یا نہ اُٹھے کچھ بھی ہو ۔ کام ہے یاں رات دن فریاد سے

ہم تعلق ہی نہ رکھیں کچھ بھی ہو
درد سے بیداد سے فریاد سے

رات دن ہے مجھ کو یہ ہی مشغلہ
تنگ ہے عالم مری فریاد سے

بے اثر ہے اُس پہ فرماتے ہیں آپ
تنگ آئے ہیں تری فریاد سے

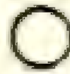
اب نہ چھوڑیں گے کسی عالم میں ہوں
کام لیں گے صبر کا فریاد سے

دور ہو جاتا ہے سب دل کا غبار
زندگی کچھ ہے تو ہے فریاد سے

تم بھی رہنا دل جگر سے ہوشیار
لیں گے ہم کارِ نظر فریاد سے

کچھ نہ نکلا کام اپنا عشق میں
خامشی سے آہ سے فریاد سے

کیا پڑی ہے تجھ پہ مائل کچھ تو کہہ
دل الجھتا ہے تری فریاد سے



دیتے ہیں حکم ابروئے خمدار سے
کاٹ لو خود ہی گلا تلوار سے

پاسباں سے، چرخ سے، اغیار سے
چھیڑ ہے اپنی انہیں دو چار سے

جان کیا بچتی نگاہِ یار سے
دل لگا تھا نرگسِ بیمار سے

میں نہ ہوتا راہ میں گر پائمال
حشر اُٹھتا آپ کی رفتار سے

ہنس کے کہتے ہیں نہ ملنا عمر بھر
ہم اگر پھر جائیں گے اقرار سے

ایک دن ہونا ہے جو کچھ ہو چکے
مدعا کیا روز کی تکرار سے

پوچھ لو حسرت نگاہِ ناز کی
کشتگانِ ابروئے خمدار سے

دیکھ لینا اے فلک ہم ایک دن
پھونک دیں گے آہِ آتشبار سے

ابرِ نیساں کیا برستا ہے برس
شرط بد کر چشمِ گوہربار سے

حسرتوں کا فیصلہ ہوتا نہیں
دل ہی ٹپکے دیدۂ خونبار سے

حسرتِ دیدار کی کیفیتیں
پوچھ لینا روزنِ دیوار سے

محتسب بھی تنگ آ کر چل دیا
میں نہ اٹھا خانۂ خمار سے

دیکھنا قسمت کہ قبرِ محتسب
دو قدم ہے خانۂ خمار سے

کچھ بھی بن جائے ہماری جان پر
تم نہ اُٹھنا محفلِ اغیار سے

ہاں نہ تھی وہ جنبشِ ابرو نہ تھی
سر ہمارا اُڑ گیا تلوار سے

پاس تھا وحشت میں کتنا یار کا
سر نہ پھوڑا آپ کی دیوار سے

ہم بھی وحشت کی دکھائیں گے بہار
دل جو نکلے طرۂ طرار سے

پوچھتے ہیں خود علاجِ دردِ دل
حضرتِ عیسیٰ ترے بیمار سے

غیر کے گھر جا رہا ہوں دیکھنا
تنگ ہو کر حسرتِ دیدار سے

پارسائی خاک میں مل جائے گی
شیخ اُلجھا گر کسی مے خوار سے

پوچھتے ہو ہم سے کیا منکر نکیر
مر گئے پہلے ہی ہم انکار سے

نازِ مژگاں کی کھٹک یاد آ گئی
جب نہ پھوٹا آبلہ بھی خار سے

کیوں نہ ہو مائلؔ فصیحِ روزگار
فیض اُٹھاتا ہے مرے اشعار سے



جلووں کے لطف اُٹھاتے ہیں ہم روزگار سے
نفرت خزاں سے ہے نہ تعلق بہار سے

فرقت ہو یا کہ رشکِ تمنا ہو یا کہ یاس
بڑھ کر نہیں ہے کوئی بلا انتظار سے

اُس کے نہ آنے سے تو نہیں خوف اس قدر
ڈرتا ہوں آپ اپنے دلِ بیقرار سے

کیا پوچھتے ہو مجھ سے مرے دل کا ماجرا
پوچھو تم اپنی ہی نگہِ شرمسار سے

کیا دیکھتے ہیں آپ مجھے بزمِ غیر میں
آیا ہوں تنگ ہو کے دلِ بیقرار سے

کم بخت عندلیب قفس ہی میں مر کہیں
گل بن گئے ہیں داغ نسیمِ بہار سے

امید کس سے داد کی ہو مجھ کو روزِ حشر
نورِ خدا ہے صاف عیاں روئے یار سے

آیا ہے ابر جھوم کے کیا جانے کیا بنے
واعظ اُلجھیو تو نہ کسی بادہ خوار سے

محو اس کے اس قدر ہیں کہ وہ ہی نظر پڑے
آئینہ گر بنائیں ہمارے غبار سے

ٹوٹے خدا کا قہر فرشتوں کی جان پر
جنت میں لے چلے ہیں مجھے کوئے یار سے

اب کے بُری بنے گی مرے چارہ ساز پر
وحشت بڑھی ہے پہلے ہی فصلِ بہار سے

ہاں محتسب جمائے تو رنگ اضطراب کے
اب کے شراب برسے گی ابرِ بہار سے

اک وعدہ کیا وہ سینکڑوں وعدے وفا کرے
پہرا لگ رہے اُسے مرے صبر و قرار سے

کیا دیکھتے ہو سوئے عدو بار بار تم
پوچھو نگہ کے رنگ کسی دلفگار سے

عیسیٰ ہی کیا جو یار بھی آئے تو کچھ نہ ہو
نکلا ہوا ہے کام مرا اختیار سے

کہتے ہو کم ہے طولِ شبِ غم تو واعظو
لو آؤ ہم بدلتے ہیں روزِ شمار سے

رہتا ہوں غرقِ رحمتِ حق ہیں کہ میکدہ
دو ہی قدم تو ہے مری خاکِ مزار سے

مائل گناہ کوئی نہ رہ جائے دیکھنا
کام آپڑا ہے رحمتِ پروردگار سے



لگاؤ تیغ کو کیوں فکر نہ ہو مرے سر سے
سناں کو سینہ سے الفت جگر کو خنجر سے

فلک سے یار سے دل سے عدو سے خنجر سے
پڑا ہے کام محبت میں ہر ستمگر سے

ادا نماز جو کرتے ہیں قلبِ مضطر سے
وضو کیے ہوئے آئے ہیں حوضِ کوثر سے

نثار کیوں نہ ہوں اللہ تیری قدرت پر
بنا دیا ید بیضا ذرا سے اخگر سے

اسی کی صورتِ زیبا نظر میں پھرتی ہے
اسی کی آتی ہے آواز دل کے اندر سے

رہا نہ کوئی بھی بے یار آپ کا ہو کر
اٹھا نہ کوئی بھی محروم آپ کے در سے

سلام کرتے رہے دور ہی سے جنت کو
گئے نہ مر کے بھی عشاق کوئے دلبر سے

ہم آئیں گے تجھے تسکین قبر میں دینے
یہ عہد کر کے گئے ہیں وہ قلبِ مضطر سے

ہمارے داغِ جگر کو یہی رہا ارمان
مقابلہ نہ ہوا آفتابِ محشر سے

خدا کے واسطے اُلٹو نقاب چہرے سے
خدا کے گھر کو ملا نا ہے آپ کے گھر سے

تمھیں جو چاہوں کہ روکوں تو رک نہیں سکتے
کہو تو روک دوں ہفت آسماں کو جگر سے

ابھی تو کہہ نہیں سکتا فلک نہیں ڈوبا
ٹپک رہا ہے ابھی اشک دیدۂ تر سے

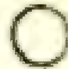
خدا کی شان کہ کعبہ صنم کدے سے کہے
ترے نصیب کو نسبت مرے مقدر سے

شراب خانہ ہی میرا نہیں ہے جنت سا
کمی نہیں حوض بھی لبریز حوضِ کوثر سے

خدا کے سامنے قاتل کا رعب تو دیکھو
ادا ہوئی نہ شہادت زبانِ خنجر سے

کسی کو دخل تو کیا ہو سکے ترے گھر میں
نہ گھر سکا کوئی بُت بھی حرم کے پتھر سے

شراب خانے میں مائل بھی اک تماشا ہے
کبھی ہے اوک سے پیتا کبھی ہے ساغر سے



لکھا ہے اس کو خطِ خونِ جگر سے
نہیں اک حرف بھی خالی اثر سے

الٰہی اس قدر یہ ابر برسے
کہ باہر محتسب آنے کو ترسے

بگڑتے کیوں ہو اے انجمن میں
نہ دیکھیں گے محبت کی نظر سے

تمھیں کچھ آپ سے کھنچتے نہیں ہو
مرے نالے بھی بچتے ہیں اثر سے

جھکا کر آپ بیٹھیں لاکھ گردن
شرارت ٹپکی پڑتی ہے نظر سے

شریک جو رہو تم اس کے نہ ہونا
مجھے ہے لاگ چرخِ فتنہ گر سے

بھڑک اٹھی ہے دل میں آتشِ غم
شرر جھڑنے لگے ہیں چشمِ تر سے

نہ ہو شرمندہ مے پیتے واعظ
خطا بھی ہو ہی جاتی ہے بشر سے

گئی فرہاد یوں ہی جان تیری
نہ نکلا کام الفت میں ہنر سے

نہیں واعظ مجھے دوزخ کا دھڑکا
بجھا دوں گا اسے دامانِ تر سے

کہاں تک خط میں لکھوں حال اپنا
کہوں کیا کیا الٰہی نامہ بر سے

ملایا خاک میں جس کو ملایا
گرایا جو گرایا بس نظر سے

مبارکباد کی آتے ہی تیرے
صدا آنے لگی دیوار و در سے

نہ تم جانو کہ دل آتا ہے کیونکر
نہ تم واقف محبت کے اثر سے

ترا دربان ہو یا ناصح ہو میرا
الجھ پڑتا مجھے ہر فتنہ گر سے

عزیزو کس طرف ہے کوئے جاناں
جنازہ لے چلو میرا ادھر سے

مری نہ کچھی ہوئی ہیں سب بہشتیں
نہیں نسبت تمھاری رہگزر سے

نظر آئے تو باندھے اُس کو شاعر
ہوا ہے تنگ مضموں کمر سے

دعاؤں کی غضب ہی بن پڑے گی
نکل آئے جو وہ دشمن کے گھر سے

پڑے تھے شیخ صاحب منہ چھپائے
درِ میخانہ پر دریوزہ گر سے

کہے دیتا ہے شوقِ پردہ داری
کہ دیکھا آئینہ میری نظر سے

کیا گر ضبط نالہ تو نے بلبل
شرر جھڑنے لگیں گے چشمِ تر سے

پشیماں نعش پر سُن سُن کے ہیں وہ
مری حسرت زبانِ نوحہ گر سے

مری توبہ ہے واعظ کے گھڑی کی
قدم بھر بھی نہیں میخانہ گھر سے

اُسے کچھ اور آئے یا نہ آئے
گرا دینا تو آتا ہے نظر سے

بُری ہے صحبتِ واعظ کہ مائل
مسلماں ہو گیا دوزخ کے ڈر سے

کرنا تھا ان کو کام تو عاشق کا دُور سے
ورنہ تھا کیا علاقہ تجلّی کو طور سے

دھوتا ہوں دل کے زخم شرابِ طہور سے
بھرتا ہوں جام ساقیِ کوثر کے نور سے

اس کا کیا نہ شکر جلایا جو دُور سے
شکوہ رہا یہ برقِ تجلّی کو طور سے

پردوں میں کہہ رہے ہیں وہ چہرے کے نور سے
پہچان جائیں گے تجھے موسیٰ تو دُور سے

دیکھیں جو اُس کے نقشِ قدم کو بھی دُور سے
ہو جائیں کامیاب دل و دیدۂ نور سے

اچھی ہے میکدے کی، شراب طہور سے
بہتر ہے یہ صنم مرے نزدیک حور سے

کہتا ہے بزمِ غیر میں دیکھ آؤں دُور سے
تنگ آ گیا ہوں اپنے دلِ ناصبور سے

یاروں کے ساتھ ساتھ کرے سیر خلد کی
فرصت کہاں ہے شیخ کو غلمان و حور سے

اے شیخ آگ چشمۂ کوثر میں لگ اُٹھے
دُھوؤں جو دل کے داغ شرابِ طہور سے

تم سے ستم شعار کو لے آئے راہ پر
اتنی تو ہے امید دلِ ناصبور سے

آئے ہو بہرِ فاتحہ اُلٹو نقاب کو،
بھر دو تمام گورِ غریباں کو نور سے

جنت میں مل گیا ہے مجھے یہ ہی مشغلہ
اُن کی ادا ادا کو ملاتا ہوں حور سے

چڑھ چڑھ کے سقفِ کعبہ پہ تکتا ہوں ہر طرف
شاید نظر پڑے کوئی میخانہ دُور سے

پوچھیں خدا کی شان سے ایوب سے نبی — راہیں شکیب و صبر کی مجھ ناصبور سے

پامال بھی کیا تو تبختر سے نعش کو — تلوار بھی لگائی تو ناز و غرور سے

معمور تو ہے نور سے اے خانۂ خدا — کچھ کم نہیں چراغ ترا شمعِ طور سے

کرتا ہوں یہ دعائیں شبِ وصل اے خدا — پہلے مجھے اٹھائے سحر کے ظہور سے

دنیا میں ایک چیز ہے بہتر نہیں سہی — انگور کی شراب، شرابِ طہور سے

آیا جو ہوں جہان سے زندہ دلی کے ساتھ — کیا کیا ہوں تنگ صحبتِ اہلِ قبور سے

گردش میں جامِ مے ہو کہ ساقی کی چشمِ مست — اپنا قدم بڑھا نہ بڑھے گا سرور سے

کیا جانے کس خیال سے بیٹھا ہوں بزم میں — تکرار ہو نہ جائے کسی بے شعور سے

اللہ رے پاسِ خاطرِ اغیار دو جھجک — کہتے ہیں دور رہو مرے قاصد دور سے

اللہ رے کرم کہ کہا بخش بخش کر — رحمت مری سوا ہے خطا و قصور سے

ایسی کسی نے پھونک لگائی ہے کان میں — ہو جاتے ہیں وہ آگ جو دیکھیں بھی دور سے

باقی ہے جانِ زار یہ کر دوں گا انکی نذر — تشریف لائیں گے ملک الموت دور سے

تیغِ نگاہِ ساقیِ کوثر ہے کارگر — زخموں کو کیوں نہ دھوؤں شرابِ طہور سے

آتے نہیں ہو در پہ تو آواز ہی سناؤ — آتے ہیں بیقرار بہت دور دور سے

جب تک ملا نہ فلس سے سمجھا گیا یہ میں — بے بہرہ ایک شخص ہے عقل و شعور سے

کس منہ سے میں شکایتِ تیرِ جفا کروں — ٹپکا نہیں ہے خونِ دلِ ناصبور سے

یا رب یہ کس کی زلفِ پریشاں کا دور ہے — خالی نہیں ہے کوئی دماغی فتور سے

بلبل کے خونِ دل سے ہوں رنگیں قبائے گل — نوبت یہ حسن و عشق کے آئے ظہور سے

خالی نہیں ہے شیخ یہ راتوں کا جاگنا — کرتے ہو اختلاط تصور میں حور سے

کہتی ہے رحم کھا کے مدینے کی خاکِ پاک
حائل کروں گی تیری سفارش حضور سے



تارے دکھائی دینے لگے کیا چراغ سے — شرمندہ آفتاب ہوا دل کے داغ سے

گھر گھر میں روشنی ہوئی اپنے چراغ سے
نکلے ہزار کام ہیں اک دل کے داغ سے

عہدِ جنوں میں روضۂ رضواں ہی کیوں نہ ہو
بدلوں نہ اپنے خارِ بیاباں کو باغ سے

جس در کے ہم ہیں اُس کے گدا بھی ہیں وہ غنی
جلتے ہیں چرخ کے سایۂ اہلِ فراغ سے

اُس نے تو ایک رنگ سے اپنی گزار دی
تشبیہ نادرست ہے واعظ کو زاغ سے

گلچیں سے سنگ دل کے بھی آنسو نکل پڑے
جاتے ہوئے بہار کو دیکھا جو باغ سے

ڈوبا ہوا ہے نورِ محبت میں تار تار
چمکا ہے کیا نصیب گریباں کا داغ سے

مجھ کو سنا سنا کے وہ کہتے ہیں بزم میں
پروانے کو ہے کیسی محبت چراغ سے

اُٹھے کبھی روزِ حشر تو سب جھومتے ہوئے
قطرے گرے زمیں پہ جو میرے ایاغ سے

پھر کیا ہے لطفِ عشق جو دلبستگی نہ ہو
نازک مزاج ہے کسی عالی دماغ سے

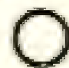
ٹوٹے خدا کا قہر ختم ال تیرے جور پر
دل ہل گیا ہے عرش کا فریادِ داغ سے

اک مہر ہی بنا نہیں دنیا میں دیکھ لو
کیا کیا بنے ہیں کام مرے دل کے داغ سے

اپنے سے میں تو دور رہا تم سے کیا رہا
اپنا پتہ چلا ہے تمھارے سراغ سے

گن لے کہیں نہ عیش پرستوں میں آسماں
چلتا ہوں بچ کے سایۂ دیوارِ باغ سے

کم بخت تاب جلوۂ گل کی نہ لا سکا
کن مشکلوں سے لائے ہیں مائلؔ کو باغ سے



جا نکلے میکدے میں جو ہم اتفاق سے
دیکھا کہ اک جہان ہے خالی نفاق سے

اے توبہ دیکھ دیکھ کے کیونکر نہ روؤں میں
حسرت ٹپک رہی ہے جو شیشوں کے طاق سے

واعظ کی ضد ہی رہنے دو یہ روزِ حشر ہی
اچھا بڑا ہی مرے روزِ فراق سے

ایمان کی کہوں گا سرِ بزم غیر کو
وہ گالیاں تو دیتے ہیں لیکن مذاق سے

کیونکر نہ سنگِ میکدہ سمجھے گا بے وفا
کعبہ کو جا رہا ہوں بڑے اشتیاق سے

اغیار بزمِ ناز میں حیران رہ گئے
بوسہ لیا جو یار کا ہم نے تڑاق سے

واعظ ترا مکان کبھی میخانہ تھا کبھی؟
آتی ہے بو شراب کی جو طاق طاق سے

عشاقِ نامراد کے دل اور جگر کہاں
جل جل کے خاک ہو گئے سوزِ فراق سے

جاتے ہیں ایسی شان سے واعظ نہ پوچھیے
آتے ہیں میکدے میں بڑے طمطراق سے

یارب لکھا ہے کس نے مرا نامۂ عمل
خالی نہیں ہے کوئی بھی فقرہ مذاق سے

کہتے ہیں مجھ سے یہ تو بناوٹ کی بات ہے
نامہ لکھا ہے غیر کو جو اشتیاق سے

گل نے جو عندلیب سے کیں بے حجابیاں
آ کر دیا صبا نے طمانچہ تڑاق سے

یارب جو توبہ رکھنی ہے وہ ناتواں کر
شیشہ اتارنا مجھے مشکل ہو طاق سے

دیکھا سلوک فتنۂ رفتارِ یار کا
پہلے قیامت آ گئی روزِ فراق سے

جادوگری کی داد جو لو سامری سے لو
پوچھو سخن کا لطف تو اہلِ مذاق سے

جاتے ہیں بزمِ غیر میں شوخی تو دیکھیے
مجھ کو بلا رہے ہیں بڑے اشتیاق سے

ساقی نے خم کا خم مرے منہ سے لگا دیا
سرخیلِ میکشاں مجھے کہہ کر مذاق سے

آداب پاسبان کا تسلیم غیر کی
لکھتے ہیں مجھ کو خط میں بڑے اشتیاق سے

زلفِ درازِ یار سے ناپا تو روزِ حشر
تھوڑا سا کم رہا مرے روزِ فراق سے

پردہ پکڑ کے کعبہ کا کرتا ہوں یہ دعا
یارب بچائیو مجھے اہلِ نفاق سے

سمجھے صدائے رعد کو مستی میں بادہ کش
پتھر پہ کوئی شیشہ گرا ہے تڑاق سے

دیوانگی میں سچ ہے کہ رہتا نہیں ادب
ناصح کے مار بیٹھے طمانچہ تڑاق سے

جب تک کہ حسن و عشق رہے ایک ذات میں
دنیا و دیں کے کام بنے اتفاق سے

تو سین ایک نقطہ ہے مائل دوئی کہاں
واحد معاملہ ہے سوارِ براق سے



یاد کرتے ہو بار بار کسے
تم نے سمجھا وفا شعار کسے

سر اڑا دے کہ وہ لگا رکھے
دستِ قاتل پہ اختیار کسے

دل پہ وہ اختیار رکھتے ہیں
نالۂ دل کا اعتبار کسے

دیکھ آیا ہے کیا یہ جنت کو
قولِ واعظ کا اعتبار کسے

مضطرب ہے وہ میرے پہلو میں — تھا خدا جانے انتظار کیسے
ہم اسیرِ قفس ہیں بادِ صبا — دیتی ہے مژدۂ بہار کیسے
آنکھ مجھ پر پڑی ہے ساقی کی — میں سمجھتا ہوں بادہ خوار کیسے
دل ہے ان کی طرف زمانے کا — کیجے دنیا میں رازدار کیسے
لطف اس سے ہے زندگانی کا — غمِ الفت ہو ناگوار کیسے
مرگِ دشمن نے کیا ہی قہر کیا — کہ بنایا ہے سوگوار کیسے
واعظ اس فکر میں ہے مے پی کر — کہ کہوں اب گناہگار کیسے
اس کی ہر ہر ادا ہے طالبِ دل — تجھ کو دوں جانِ بیقرار کیسے
مر گئے تجھ پہ کچھ سمجھ کر ہم — ورنہ ہے زیست ناگوار کیسے
آزمائش کی جا ہے دنیا تو — یاں میسر ہے وصلِ یار کیسے
ہے زمیں کو بھی عجز پہ نازش — اب کہے کوئی خاکسار کیسے
جلوہ گر ہے وہ ذرہ ذرہ میں — ڈھونڈتا ہے مرا غبار کیسے
دل میں تھی وقتِ مرگ یادِ دہن — نظر آئے مرا مزار کیسے

مائلؔ اک رندِ لاابالی ہے
اس کی توبہ کا اعتبار کیسے



پیرِ مغاں نے بادۂ گلگوں کے جام سے — دل کر دیا ہے صاف خیالاتِ خام سے
بدنام سے غرض نہ ہمیں نیک نام سے — ملتے ہیں تیرے واسطے ہر خاص و عام سے
رکھتے ہیں کام ہم تو فقط تیرے نام سے — مطلب نہ بتکدے سے نہ بیت الحرام سے
مانا کہ اک بزرگِ زمانہ ہیں شیخ پیر — نسبت نہیں ہے پیرِ مغاں کے غلام سے
ساقی کی چشمِ مست میں سرخی نہیں ہے یہ — ساغر بھرے ہوئے ہیں مئے لالہ فام سے
ظالم خدا کے واسطے بس اب ہاتھ روک — گھبرا گئی زمیں بھی ترے قتلِ عام سے
ہوتا اگر نہ داغِ رخِ ماہتاب پر — مل جاتی کچھ تو شکل تمہارے غلام سے

موسیٰ کے دل میں آگ لگائی اُسی نے ہے
ہم پا گئے ہیں طور کسی کے کلام سے

برتاؤ سب کے ساتھ کرم کا نہ چاہیے
کرتے ہو کیوں دریغ قدیمی غلام سے

مطلب نکل گیا تو ملاتے نہیں ہیں آنکھ
رکھتے ہیں کام اہلِ غرض اپنے کام سے

کچھ آج ہی نہیں ہے تقاضائے مے فروش
اپنا ہمیشہ کام چلا قرض و وام سے

ایسا نہ ہو کہ آج کہیں شام ہی نہ ہو
وہ وعدہ کر گئے ہیں کہ آئیں گے شام سے

پیرِ مغاں کا شیخ تصرف تو دیکھ تو
مدہوش کر دیا ہے تجھے ایک جام سے

ہونے کو ساتھ ساتھ جنازے کے ہو لیے
مطلب نماز سے نہ تمھیں اذنِ عام سے

قاصد کا ہے کبھی تو کبھی اُن کا انتظار
باز آئے ہم تو ایسے پیام و سلام سے

کیا جانے کیوں جھگڑتے ہیں یہ شیخ و برہمن
آباد دونوں گھر تو ہوئے ایک نام سے

عاشق سمجھ کے وہ بُتِ کافر وفا کرے
یہ بھی ہے اک خیال خیالاتِ خام سے

عمرِ ابد تو پائی مگر راہِ عشق کی
طے ہو سکی نہ خضر علیہ السلام سے

چاروں طرف سے حور و ملائک کا ہے ہجوم
گھبرا رہا ہوں قبر میں اس اژدہام سے

لے اُڑتے باغ تک تو اُسے سکتے سب اسیر
غافل ہوا نہیں کبھی مبادِ صیام سے

جو ہیں تصورِ قدِ جاناں کیے ہوئے
ہوتے ہیں بدمزاج قیامت کے نام سے

بے رحمیاں بجا ہیں کہ سمجھے ہوئے ہیں وہ
کب چھوٹتا ہے مرغِ گرفتار دام سے

ہوتا ہے ہر گھڑی نئے فتنوں کا سامنا
دل بستگی جو ہے کسی محشر خرام سے

دامن کمر سے باندھ کے خنجر ہیں کھینچتے
عاشق کو قتل کرتے ہیں کس اہتمام سے

یہ کہہ کے تم نے ہم کو ستمگر بنا دیا
اُلٹا ڈرا رہے ہیں مجھے انتقام سے

اللہ مغفرت کرے واعظ غریب کی
کاٹی تمام عمر فقط ایک جام سے

کیا جانے کب وہ آئیں گے ارمان و آرزو
مہمان آ رہے ہیں مرے گھر میں شام سے

اے نامہ بر نہ کہہ تری صورت سے کہہ رہی
بڑھ کر ہے یہ پیام اجل کے پیام سے

میں جا کے بزمِ یار میں کیسا ہوا ذلیل
جنبش نہ کی کسی نے بھی اپنے مقام سے

بے ڈھب ہیں دل کے طور خدا خیر ہی کرے
بڑھتا چلا ہے شوقِ پیام و سلام سے

کیونکر مرے سخن سے نہ زندہ ہوں مردہ دل
مائل ہوں فیضیاب خدا کے کلام سے



نہ فرصت ہے ان کو مرے امتحاں سے — نہ مہلت ہے مجھ کو غمِ جاوداں سے
اِدھر دل سے نکلا اُدھر آسماں سے — یہ نالہ رہے گا اِدھر لامکاں سے
شبِ غم جو کی مہربانی اجل نے — ہوئی اور نہ ہوگی کسی مہرباں سے
عیادت کو آئے نہ تم دو قدم پر — اجل کو تو دیکھو کہ آئی کہاں سے
وہاں کس سے احسان رضواں اُٹھے گا — بنا لے چلیں ایک جنت یہاں سے
جفا وہ ہی اُن کی وفا وہ ہی میری — ہوا فائدہ کیا مرے امتحاں سے
مجھے تو سمجھنا نہ دیوانہ اپنا! — اگر سر نہ پھوڑا ترے آستاں سے
شبِ غم میں گھبرا کے کرتا ہوں باتیں — زمیں سے کبھی اور کبھی آسماں سے
ہر اک بات اُلٹی زمانہ ہے اُلٹا — محبت میں تاثیر لاؤں کہاں سے
سلام اِس اسیرِ قفس کا بھی کہنا — ملے تو جو بجلی کبھی آشیاں سے
نکالو تو یوں انجمن سے نکالو — نہ نکلے کوئی بات میری زباں سے
فلک کو گرایا ۔ قیامت اٹھائی — یہ دو کام نکلے ہیں شورِ فغاں سے
وہ کہتے ہیں دلدادہ ہوں میں تو اس کا — مجھے رشک ہے آج اپنے بیاں سے
یہ ہے شکر کعبہ سے نکلا تو نکلا — نکالا گیا میں نہ کوئے بتاں سے
وہ رو رو کے سنتا ہے میرا افسانہ — جُدا جو رہا ہو کبھی کارواں سے
کیا راز افشا زباں کو نہ کاٹا — شکایت ہے اتنی مجھے رازداں سے
کبھی آتشِ عشق بجھتے نہ دیکھی — کفن میں لگی آگ سوزِ نہاں سے
گلے سے لگا کر مجھے کفر رویا — چلا میں جو کعبہ کو کوئے بتاں سے
ہُما کے تو سایہ سے ملتی ہے شاہی — ہما چل رہا ہے مرے استخواں سے
جُدائی میں تیری تو جیتا رہا ہوں — بچے جان کیونکر دلِ بدگماں سے

ہمارا ہے مائل یہیں اُس کو دے دو
یہ جھگڑا ہے کعبہ کا کوئے بُتاں سے



وہ جلوہ ہے تیرے قدم کے نشاں سے
زمیں کم نہیں ہے کسی آسماں سے

الگ جا کے بیٹھا ہوں دونوں جہاں سے
ملا ہے کچھ ایسا ترے آستاں سے

شبِ ہجر کاٹی تری داستاں سے
تجھے گیسوئے یار لاؤں کہاں سے

وہ کیا سر کو پٹکے گا کعبہ میں جا کر
جو آیا ہو ناکام کوئے بتاں سے

یہ بندے تو کیا شئے ہیں میں تو خدا کو
بنا لوں گا اپنا تری داستاں سے

دل و جاں کے سارے کتب خانے دیکھے
بھری ہیں کتابیں تری داستاں سے

گیا دل کے رستے سے ہو کر تو پھر بھی
مکاں دُور نکلا ترا لامکاں سے

جبیں رکھ کے سجدے میں کرتا ہوں کیا کیا
خوشامد کی باتیں ترے آستاں سے

گواہی دلاؤں گا اپنے ادب کی
ترے آستاں سے ترے پاسباں سے

وہ قوت نظر کی کہ دیکھے خدا کو
نہ لے آئے موسیٰ کسی مہرباں سے

مٹا دو نہ جھگڑا ہی دل سے دوئی کا
اُٹھا دو نہ پردہ ہی تم درمیاں سے

ہوا تک نہ پہنچے طلبگار تیرے
بہت بچ کے نکلے ہیں دونوں جہاں سے

وہ جس طرح گزرا ہے ایسا کسی کا
ہوا ہے نہ ہوگا گزر آسماں سے

حقیقت تو بلبل کی اک مشتِ پر ہے
فروغ اس نے پایا تری داستاں سے

تمھیں پائیں کیونکر بتا دو وہ رستہ
خدا کو تو پایا تمھارے نشاں سے

وہ سمجھے ہوئے ہیں اسیروں میں اپنے
وہ کھل جائیں کیونکر مرے رازداں سے

اُٹھیں بزمِ دشمن سے کیونکر اٹھاؤں
قیامت کے فتنے کو لاؤں کہاں سے

مُروّت نے بجلی کی مجھ کو جلایا
گری دور جا کر مرے آشیاں سے

وہ کہتے ہیں میں تو ابھی چھوڑ دوں گا
قسم لو ستم کی تو لو آسماں سے

کہوں یہ نہ ہرگز کہ مرتا ہوں تم پر
کروں وصف اپنا نہ اپنی زباں سے

بہت حسرتیں رہ گئیں دل کی دل میں
بہت اُٹھ گئے یار اپنے جہاں سے
یونہی بات بڑھتی ہے بڑھتے ہی بڑھتے
یونہی آگ لگتی ہے وہم وگماں سے
یہ کوچہ ہے کس عرش منزل کا یارب
زمیں دیکھتا ہوں بلند آسماں سے
انا الحق سرا کا لب و لہجہ دیکھو
زباں کو ملاؤ بشر کی زباں سے
خدا کو سناتا ہوں خلوت کدے میں
بنا راز داں ہوں تری داستاں سے
قفس سے تو چھوٹے نشیمن کا اپنے
پتہ پوچھ لیں گے چمن کے نشاں سے
کرامت تری شیخ جب جانوں، مائل
بگڑ کر چلا آئے پیرِ مغاں سے



محبت ہے کسی جانِ جہاں سے
کہ جھگڑے ہیں زمین و آسماں سے
کیا ہے کام جو تیری نظر نے
یہی ہوتا ہے مرگِ ناگہاں سے
نہیں قابل قیامت کے تو مجھ کو
اُٹھا دیتے وہ اپنے آستاں سے
نظر صیاد کی بدلی ہوئی ہے
بہار اب مجھ کو بدتر ہے خزاں سے
بجا کہتے ہو عالم بے وفا ہے
یہ تم نے بات لی میری زباں سے
فروغ اپنا کبھی ہوتا ہے لیکن
انہی خاشاک و خارِ آشیاں سے
یہ اپنے فکر کی حد ہے وگرنہ
مکاں ہے دور اس کا لامکاں سے
بڑھا دی بات کتنی بوالہوس کی
کہ تم نے ہاتھ کھینچا امتحاں سے
چڑھی ہے تیوری اک دیکھنے پر
بھلے کو کچھ نہ نکلا تھا زباں سے
ہوئی کیا بات ایسی کہہ تو مائل
بہت شرمندہ ہے پیرِ مغاں سے



رُکے کیونکر نگاہِ حسرتِ دیدار دامن سے
جنا بھی ہے کہیں رُکتی ہوئی تلوار دامن سے
کیے ہیں منفعل کیا کیا گل و گلزار دامن سے
ہوا نامی ہمارا دیدۂ خونبار دامن سے

وہ سویا کرتے ہیں ڈھک کر گلِ رخسار دامن سے
یہ جی میں ہے کہ مانگوں طالعِ بیدار دامن سے

خدا کے واسطے مجھ کو نہ کر بیزار دامن سے
نہ لایا کر چھپا کر نامۂ اغیار دامن سے

جو ایسا ہو قیامت کو ابھی پامال کر آئیں
کہا کرتے ہیں اُن کے فتنۂ رفتار دامن سے

کبھی پھولوں سے بھرتے ہیں کبھی گوہر سے بھرتے ہیں
دکھاتے ہیں کرشمے وہ دمِ رفتار دامن سے

جو وحشیوں میں تو زیبا ہے خطابِ ظلِ سبحانی
کہا کرتے ہیں وہ اکثر دمِ گفتار دامن سے

دکھا دیں گے اگر اُس کے کبھی وحشی سنبھل بیٹھے
گرا جائیں گے اے زنداں در و دیوار دامن سے

اُٹھا لا تو بیابانِ جنوں سے میرے اے مجنوں
جھٹک آیا ہوں کتنے وادیِ پُرخار دامن سے

میرے دامن میں جو کچھ ہے سب اسی کی ہی بدولت ہے
جمالِ یار کیوں مانگے دُرِ شہوار دامن سے

خیالِ روئے جاناں میں جو منھ پر ڈال لیتا ہوں
مری تو زندگی ہے اے دلِ بیمار دامن سے

مقدر نے پھنسایا ہے وہ خارستانِ دنیا میں
جو عمرِ نوح بھی پاؤں نہ نکلے خار دامن سے

نہ تھی اتنی بھی گر طاقت کہ لڑتے تار بھی تجھ سے
نہ کرنی تھی مجھے دستِ جنوں تکرار دامن سے

ذرا سی جا پڑی میری جو اُڑ کر خاک دامن پر
بس اتنی بات پر برسوں رہے بیزار دامن سے

کفن کی فکر ہی کیوں ہے کمر باندھی جو مرنے پر
لپٹ جا آپ ہی اپنے دلِ بیمار دامن سے

ہوائے شوق میں اُڑ کر جدھر چاہے ادھر جاؤں
ملے گا کچھ سراغِ کوچۂ دلدار دامن سے

نگاہِ شوق سے پوچھو کہ کیا گزری ترے دم پر
کسی نے منہ چھپایا جب سرِ دیوار دامن سے

کبھی خالی نہ جائے گا یہ پچھلی رات کا رونا
وہ پونچھیں گے ترے آنسو ہزاروں بار دامن سے

ترا ممنونِ منت ہوں کہ اے دستِ جنوں تو نے
نہ چھوڑا اُس کو اتنا بھی کہ اُلجھے خار دامن سے

جنابِ عشق حیراں ہیں کہیں بھی کچھ تو کس کی ہی
کہ ہیں وابستہ دونوں کافر و دیندار دامن سے

محبت میں کہاں ہوتی ہیں عقل و ہوش کی باتیں
کہا کرتا ہوں شب بھر داستانِ یار دامن سے

کیا کرتے ہیں کیا کیا شوخیاں میخوار پی پی کر
چھپا لیتے ہیں جب اغطا سر و دستار دامن سے

جوانی اس کو کہتے ہیں جدھر ہو کر نکلتے ہیں
اُٹھا دیتے ہیں وہ فتنے سرِ بازار دامن سے

مرے آنسو بھی پونچھے ہیں مرے ہمراہ رویا بھی
مرا رونا جو پوچھو تو ہے غمخوار دامن سے

مرا دامن جو ہے ملتا ہوا گُل سے تو اک ٹکڑا
کفن کو مانگتی ہے عندلیبِ زار دامن سے

درِ خواجہ پہ پھیلاؤ جو لینا ہو وہ لے آؤ
سُنا ہے ہم نے یہ فقرہ ہزاروں بار دامن سے

کرم پر کیوں نہ ہوں نازاں کہ دو آنسو ٹپکے ہیں
نظر آنے لگے رحمت کے سے آثار دامن سے

ہم اپنے گھر کے پردوں کو شبِ غم میں سمجھتے ہیں
کہ منھ ڈھک ڈھک کے روتے ہیں در و دیوار دامن سے

وہیں ہوگا مقر حضرتِ موسیٰ وہیں ہوگا
جہاں ٹپکا ہے خونِ حسرتِ دیدار دامن سے

غضب دیکھو وہاں سے بھی چھپا کر منھ وہ نکلا کر
جہاں ٹپکا ہے خونِ حسرتِ دیدار دامن سے

بُرا ہو اس محبت کا کھٹک دونوں میں یکساں ہے
دل و جاں سے نکالوں یا نکالوں خار دامن سے

درِ کعبہ پہ پھیلا کر صنم خانے میں پھیلائے
نہ شرم آئی تجھے اے واعظِ دیندار دامن سے

گری تھی دستِ ساقی سے مے گلرنگ اے واعظ
نہیں ہے بیش قیمت اب سر و دستار دامن سے

نہ چھوٹے پر نہ چھوٹے دستِ رسوائی کے پنجے سے
رہے تو حضرتِ یوسف بہت ہشیار دامن سے

لگا دے صحبتِ واعظ نہ دھبہ پارسائی کا
بہت ہشیار رہنا مائلِ میخوار دامن سے



سہارا کچھ تو دے مجنوں ذرا تو دل کے ہاتھوں سے
گرا پڑتا ہے پردہ صاحبِ محمل کے ہاتھوں سے

اتر آئی ہے سینے تک مرے قاتل کے ہاتھوں سے
بلائیں تیغ کی لے لوں دلِ بسمل کے ہاتھوں سے

نہ چلتی کچھ بھی یوسف کی نہ ہوتی کچھ بھی رسوائی
اگر دامن پکڑ لیتی زلیخا دل کے ہاتھوں سے

تمھاری راہ کے کانٹے فرشتوں نے سمیٹے ہیں
کسی منزل کے آنکھوں سے کسی منزل کے ہاتھوں سے

بچا کر آئے دامن غیر سے جو تم تو کیا آئے
بہت مشکل ہے بچنا عاشقِ کامل کے ہاتھوں سے

خدا کے واسطے یارو مجھے اتنا تو سمجھا دو
کہاں تک سر کو پیٹوں ناصحِ جاہل کے ہاتھوں سے

ہزاروں انقلاب آئے خدا کا گھر ہی کہلایا
بنا ہے خانۂ کعبہ کسی کامل کے ہاتھوں سے

خدا کے سامنے جا کر کروں فریاد کس کس کی
ہوا چورنگ قاصد تک مرا قاتل کے ہاتھوں سے

یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ ہیں اعمال کی خوبی
مصیبت ہم پہ جو[ن] آئی وہ[ن] آئی داغ کے ہاتھوں سے

یہی لکھا ہے کیا گبر و مسلماں کے مقدر میں
کشاکش میں ہیں دونوں حق و باطل کے ہاتھوں سے

ن جب - ن تو

نگاہِ مستِ ساقی نے بنا رکھا ہے دیوانہ
گرا پڑتا ہے ساغر حضرتِ مائل کے ہاتھوں سے

○

تری ہاں میں اثر بڑھ کر نہیں سے
کہوں کیا خاک اپنے ہم نشیں سے

اگر دل میں رہے تم جلوہ آرا
ملالیں گے اُسے عرشِ بریں سے

خدائی ان بتوں کی ہو ہی جاتی
جو رکھتے ساز یہ عشق آفریں سے

نہ کھل جائے کہیں رازِ محبت
اُلجھ پڑتا ہوں ناحق ہم نشیں سے

کروں کیونکر نہ اسکو نذرِ جاناں
کیا تھا عہد یہ جانِ حزیں سے

تصور بھی مرا عاشق ہے اُس کا
وہیں جاتا ہے پھر کر ہر کہیں سے

اثر سا ہے اثر اے گریۂ غم
وہ پونچھیں اشک اپنی آستیں سے

کُھلے عقدے مرے دل کے ہزاروں
تمھاری اک نگاہِ دل نشیں سے

ہوا ہے یہ تو اکثر صبح کر دی
صلاحیں کرتے کرتے ہم نشیں سے

نہ آئیں وہ اجل تو آئے اے آہ
اثر اتنا تو پیدا کر کہیں سے

مجھے ہے دشمنی درباں سے اُن کے
اُٹھیں ہے لاگ میرے ہم نشیں سے

نہ کی تاثیر اُس پر چشمِ تر نے
نہ نکلا کام آہِ آتشیں سے

تمھاری یہ ادائے کافرانہ
نہ چھوڑے گی کسی کو اہلِ دیں سے

یہ جی میں ہے جلا کر خاک کر دوں
دلِ مضطر کو آہِ آتشیں سے

صبا ہے کس قدر گستاخ و بیباک
لپٹ پڑتی ہے زلفِ عنبریں سے

اگر جلتے رہے تو دل میں تیرے
لگا دیں آگ آہِ آتشیں سے

ملا ہے عاشقوں کو دل وہ نازک
کہ پہلے ٹوٹ جاتا ہے نہیں سے

عنایت ہر کسی کے زلف و رخ کی
الگ رہتا ہوں کوسوں کفر و دیں سے

کروں کیا خاک شکوہ نامہ بر کا
محبت ہو ہی جاتی ہے حسیں سے

مزہ تیرے ستم کا کوئی پوچھے
شہیدانِ نگاہ و شرمگیں سے

ملائک اور کریں آدم کو سجدہ
کوئی تھا جلوہ گر اُن کی جبیں سے

رکھوں کیا ہاتھ اپنی چشمِ تر پر
کہیں رُکتا ہے طوفاں آستیں سے

سنبھل جانا کہ اب دم میں آہیں
نکلتی ہیں دلِ اندوہ گیں سے

تمھارے عہد میں سب کو پڑا کام
دلِ بیتاب سے جانِ حزیں سے

وہ تیری چال نے فتنے اٹھائے
فلک ڈرنے لگا آخر زمیں سے

خیالِ خام تو دیکھو ہمارا
امیدِ قتل اور کس نازنیں سے

کسی نے یاد فرمایا ہے مجھ کو
اجل پیغام لائی ہے کہیں سے

تمھیں اے رہزنانِ جادۂ عشق
خدا محفوظ رکھے کفر و دیں سے

سنو اک شب مرے غم کی کہانی
دلِ مضطر سے یا جانِ حزیں سے

ہوا مسجودِ عالم اک جہاں کا
تمھارا نقشِ پا میری جبیں سے

دلِ ناکام کو بیتاب رکھنا
ٹپکتا ہے تری چینِ جبیں سے

اگر ہے جستجوئے یار مائل
الگ چل بچ کے راہِ کفر و دیں سے



کسی کی زیست سے مطلب نہ جان جانے سے
انھیں تو کام ہے محفل میں مسکرانے سے

خدا کے واسطے ذوقِ ستم زیادہ نہ بڑھے
کہیں وہ باز نہ آئیں مرے ستانے سے

بیانِ دردِ فراق اب سنا نہیں سکتا
کہ ان کے دل میں جگہ ہے ستم اٹھانے سے

اٹھائے ہجر کے صدمے عدو کے رشک سے ہے
کسی طرح بھی نہ باز آئے دل لگانے سے

ہجومِ یاس تو دیکھو کہ ہو گیا مایوس
دمِ پیامِ وصال اُن کے مسکرانے سے

وہ جان جان کے بیٹھے ہیں غیر کے اعجاز
مزہ ملا ہے کچھ ایسا مرے جلانے سے

یہ نازشیں ہیں اداؤں پہ دلبری پہ انھیں
کہ جان لیتے ہیں عاشق نظر ملانے سے

سنا رہے ہو یہ کس کو کہ اب آئیں گے
اجل تو آئے گی پہلے تمھارے جلنے سے

شکایتوں پہ عدو کی کہا یہ سُن سُن کے
ہمیں تو کام ہے مائل ترے ستانے سے



جو دیکھنے کو وہ آئے کسی بہانے سے
تو سر کو پھوڑ رکھوں اُس کے آستانے سے

تڑپ تڑپ کے کبھی اور کبھی فسانے سے
شبِ فراق کو کاٹا ہر اک بہانے سے

اُسی کے نور کی ہے دل میں جلوہ آرائی
عروجِ کعبہ ہوا جس کے آستانے سے

ذرا تو شرم کرے آہِ چرخ سوز کہ برق
لپٹ لپٹ کے نکلتی ہے آشیانے سے

تم اور انجمن غیر کچھ کہو تو سہی
کہ تم سے شوخ کو لایا ہے کس بہانے سے

عدو کے گھر میں دلِ رشک پیشہ کے ہاتھوں
کھڑے کھڑے ہیں جانا ہر اک بہانے سے

جہاں میں دھوم ہے جس کی دعا کی وہ مائل
ابھی تو اُٹھ کے گیا ہے شراب خانے سے



بات یہ اُٹھ لگی ہے مجھے دیوانے سے
رکھیے مسجد سے سروکار نہ بتخانے سے

کام رکھتے ہیں محبت میں جو غم کھانے سے
اُن کو ملتا ہے وظیفہ مرے غم خانے سے

شیخ پیتے ہی چھلکتے ہوئے پیمانے سے
خانقاہوں کو بدلنے لگے میخانے سے

باغِ فردوس وہ اُجڑے کہ پھر آباد نہ ہو
جا پڑے خاک جو اُڑ کر مرے ویرانے سے

گر گئے بادہ کشوں کی جو نظر سے دنیا
کیا بنی ہے کسی ٹوٹے ہوئے پیمانے سے

مجھ کو معلوم ہیں سب دیر و حرم کے رستے
راہ دونوں کی ہے ملتی مرے کاشانے سے

آ پڑا رات کو کیا کوئی خدا کا بندہ
صبح آواز اذاں آئی جو میخانے سے

چشمِ ساقی کی جو دل میں ہے بھری کیفیت
حوضِ کوثر ہے چھلکتا مرے پیمانے سے

وہ عیادت کو مری آئیں تو کیونکر آئیں
پاؤں باہر کبھی رکھا نہیں کاشانے سے

ہم تو اس شوق میں ملتے ہیں کہ تو مل جائے
نہ غرض اپنے سے ہم کو ہے نہ بیگانے سے

کبھی جھانکا بھی ہوں جا کر تو قسم لو مجھ سے
دو قدم دیر و حرم ہیں مرے کاشانے سے

مجھے خلوت میں تو مجنوں سے بڑھا دیتے ہیں
انجمن میں وہ گھٹا دیتے ہیں پروانے سے

عید کا لطف تو میخانے میں دیکھو واعظ
کوئی چلّو سے ہے پیتا کوئی پیمانے سے

ہمیں اعجاز تو آتا نہیں پر یہ ہے ضرور
کام جادو کا تو لے لیتے ہیں افسانے سے

بات ناصح سے جو کرتا ہوں تو دل کہتا ہے
کیوں الجھتے ہو خدا کے لیے دیوانے سے

کھل گئی رحمتِ حق سے کوئی کھڑکی شاید
باغِ جنت کی ہوا آئی جو میخانے سے

فلکِ پیر کو مستانہ بنا دیتی ہیں
جو صدائیں کہ نکل جاتی ہیں میخانے سے

بادہ کش حضرتِ مائل سے کہاں ہیں پیدا
خم کے خم پی گئے ٹوٹے ہوئے پیمانے سے

○

کہنے کو ہیں یہ آہ و فغاں تیرے واسطے
کیا جانے کیا ہے دل میں نہاں تیرے واسطے

ایماں ترے لیے دل و جاں تیرے واسطے
دونوں جہاں ہیں جانِ جہاں تیرے واسطے

پروانہ انجمن میں جلا تیرے شوق میں
بلبل چمن میں گرمِ فغاں تیرے واسطے

دیوانہ وار پھرتے ہیں دن کو ترے لیے
کرتے ہیں شب کو آہ و فغاں تیرے واسطے

بینا ہوئی ہے چشم ترے شوقِ دید میں
گویا ہوئی ہے منہ میں زباں تیرے واسطے

آنکھیں بچھا رکھی ہیں تری رہگذار میں
آراستہ ہے دل سا مکاں تیرے واسطے

آخر کو رفتہ رفتہ وہ تجھ میں ہی جا ملے
جو کھو گئے ہیں نام و نشاں تیرے واسطے

ارض و سما کجا و سرِ لامکاں کجا
آیا ہوں میں کہاں سے کہاں تیرے واسطے

مائل کدھر ہے اپنی حقیقت پہ کر نظر
تو ہے جہاں سے اور جہاں تیرے واسطے

○

سیکھی ہے ہم نے طرزِ بیاں تیرے واسطے
پیدا کیا ہے لطفِ زباں تیرے واسطے

سن سن کے ذکرِ حشر بھی آئی مجھکو شرم
لاؤں گا سر کہاں سے فغاں تیرے واسطے

ناوک سے تو بچا دلِ مضطر تو کیا بچا
اُس نے لگا رکھی ہے سناں تیرے واسطے

شاہد گلوئے خشک ہے اے آبِ تیغِ ناز — اک عمر سے ہوں تشنہ دہاں تیرے واسطے
ہم کو نہیں مجاز و حقیقت سے بحث کچھ — ہم نے اُٹھائے نازِ بتاں تیرے واسطے
مئی عزیز اپنی نہ کر میکدے میں تو — واعظ بنا ہے باغِ جناں تیرے واسطے
ویرانیٔ چمن پہ کیا تو نے سحر کیا — رونق گئی ہے فصلِ خزاں تیرے واسطے
رندوں ہی کے نصیب میں واعظ شراب ہے — یاں تیرے واسطے ہے نہ واں تیرے واسطے
رو رو کے چارہ ساز یہ کہتا ہے مجھ سے آہ — لاؤں کہاں سے تاب و تواں تیرے واسطے
کہتے ہیں بزمِ غیر میں وہ مجھ سے دیکھنا — ہم آئے بیقرار یہاں تیرے واسطے
اے دل فلک بھی یار بھی یہ خوب یاد رکھ — آفت ہیں دونوں پیر و جواں تیرے واسطے
کہتا ہے تو ہی کفر کو اے دل بُرا بُرا — اور میں اٹھاؤں نازِ بتاں تیرے واسطے

مائل شرابِ ناب سے کر کے وضو مدام
کرتے دعا ہیں پیرِ مغاں تیرے واسطے



جلد اٹھو بزمِ دشمن سے خدا کے واسطے — ورنہ دیکھو ہاتھ اُٹھتے ہیں دعا کے واسطے
جان و دل دونوں ہیں اس نا آشنا کے واسطے — اک ادا کے واسطے ہے اک حیا کے واسطے
ہے گزر وارفتگی سے اس بیاباں میں جہاں — چاہیے اک راہبر خود رہنما کے واسطے
آہ بے تاثیر ہے اور زندگانی بے ثبات — ہاتھ اٹھائیں کس بھروسے پر دعا کے واسطے
یہ تو مانا ہے تغافل کیش وہ ظالم مگر — ایک ساعت بھی مقرر ہے قضا کے واسطے
جل رہا ہوں آپ اپنی بے کسی کے حال پر — غیر ہے سرگرم میرے مدعا کے واسطے

دیدۂ حق بیں سے دیکھو بتکدے میں کیا نہیں
جاؤ کعبہ کو نہ تم مائل خدا کے واسطے



میں کیا کہوں کہ ہے یہ مزا کس کے واسطے — درد و الم ہیں دل کے سوا کس کے واسطے
زاہد کو نازِ زہد پہ مجھ کو گناہ پہ — یارب بنا ہے روزِ جزا کس کے واسطے

واعظ لشمر پہ نوق ہو حوروں کو دیکھ تو
پیدا ہوئے ہیں ناز و ادا کس کے واسطے

اچھا ہوا ابھی ہے کوئی بیمار عشق کا
لائے ہیں چارہ ساز دوا کس کے واسطے

یہ بھی ہے آزمائشِ عاشق کی ایک طرز
پردے میں ہے وہ جلوہ نما کس کے واسطے

وہ کون ہے کہ صبر زمانے کا لے گیا
ہے بیقرار قبلہ نما کس کے واسطے

لاکھوں بھری ہوئی ہیں مرے دل میں حسرتیں
کعبہ میں جا کے کیجے دعا کس کے واسطے

مضطر ہیں وہ بھی غیر بھی یاں یاد ہی نہیں
کھینچی تھی ہم نے آہِ رسا کس کے واسطے

اب ہم تو کوئی دم کے ہیں مہماں جہان میں
لائے گی بوئے زلف صبا کس کے واسطے

دھونے پڑیں گے ہاتھ دل و جاں سے ایکدن
پیتے ہو خضر آبِ بقا کس کے واسطے

بھرنے دو دم جو عشق کا بھرنے لگا عدو
تم کھینچتے ہو تیغِ جفا کس کے واسطے

ہر چیز میں ہیں اُس کے تو انداز دل فریب
کیا جانے یہ جہان بنا کس کے واسطے

دیکھی ہیں میں نے روزِ ازل سب کی ہمتیں
چھوڑا دلِ جہاں میں نامِ وفا کس کے واسطے

واعظ شراب خانے میں سنتا ہے تیری کون
کوثر کی باندھتا ہے ہوا کس کے واسطے

سب کی نمود تجھ سے ہے اور تجھ کو ہے فنا
پھر یہ بنی ہے راہِ فنا کس کے واسطے

مرگِ رقیب ہی کی سہی پر یہ رنج ہے
کرنی پڑی ہے مجھ کو دعا کس کے واسطے

مائل وہ بت ہے ایک ہی دنیا میں کج ادا
کافر بنے ہو مردِ خدا کس کے واسطے



بھولا ہوا ہوں لطف نگاہِ عتاب کے
آنے دو آتے ہیں جو فرشتے عذاب کے

انداز بات بات میں ہیں پیچ و تاب کے
شوخی میں رنگ کیوں نہ ہوں شرم و حجاب کے

اے جسمِ زار خوب ہی تو نے اثر کیا
کہتے ہیں وہ کہ یہ نہیں قابل عتاب کے

آتے ہی آئے گا مجھے جنت میں حظِ عیش
بھولا نہیں ہوں لطف شبِ ماہتاب کے

جو شکل بن کے آئے زلیخا کے خواب میں
کچھ منتشر خیال تھے میرے بھی خواب کے

دنیا سے کچھ غرض نہ ہمیں دین کی خبر
بندے ہیں ہم تو پیرِ مغاں کی جناب کے

قاصد سے پہلے جائیں گے ملکِ عدم کو ہم
کیا خوب منتظر ہیں کسی کے جواب کے

ہم تو کبھی کے چھوڑ چکے ننگ و نام سب
واں بڑھتے جاتے ہیں ابھی شیوے حجاب کے

یہ بزم ہی رہے گی نہ واعظ رہیں گے آپ
چرچے یہی رہیں گے شراب و کباب کے

تیرے غمِ فراق کے کشتوں کو فتنہ گر
تسکین دے رہے ہیں فرشتے عذاب کے

کم بخت واعظوں نے کلیجہ ہلا دیا
قصے سنا سنا کے عذاب و ثواب کے

زمزم سے دھوتے پھرتے ہیں مائل حرم میں کیا
چھوٹیں گے جا نماز سے دھبے شراب کے

○

دونوں طرف ہیں ایک ہی رنگِ انقلاب کے
واں شوخیِ ادا کے تو یاں اضطراب کے

موسیٰ کو تابِ جلوۂ دیدار تھی کہاں
ہم پر ستم ہوئے ہیں تمھاری نقاب کے

کیا ہو گئی وہ یار کی شوخی کہ بوالہوس
امیدوار ہیں نگہِ کامیاب کے

سامان سب نشاط کے جنت میں ہیں مگر
آئیں گے یاد عیش شبِ ماہتاب کے

کیسا خرامِ ناز کہاں کی ہیں شوخیاں
کچھ ڈھب اڑا لیے ہیں مرے اضطراب کے

کس کی پڑی ہے آنکھ کہ میرا دل خراب
قابل نہیں رہا ہے جہانِ خراب کے

اب بھی تو کچھ دکھائے اثر موسمِ بہار
بس کھل گیا کہ رنگ تھے عہدِ شباب کے

ہے دل میں عکس یار کی آنکھوں کا دیکھنا
رکھے ہوئے ہیں کعبہ میں ساغر شراب کے

تو نے سمجھ کے ہم کو ملایا ہے خاک میں
قائل ہیں آسمان ترے انتخاب کے

مائل، گناہ کرتے ہو گن گن کے سچ کہو
کیا دن قریب آ گئے روزِ حساب کے

○

ہو گئے قہر فتنے قامت کے
کیا یہ انداز ہیں قیامت کے

مجھ پہ طعنے ہیں جذبِ الفت کے
مٹ گئے حوصلے قیامت کے

بسملوں کا نہ کے شمار نہیں
کچھ ستم کے ہیں کچھ محبت کے

وہ بھی کچھ ہوش میں نہیں اپنے
حال سن سن کے میری وحشت کے

لب ہلانے کی بات ہے واعظ
توبہ کرلیں گے وقت فرصت کے

جھکی جاتی ہیں خود بخود آنکھیں
دیکھو کیا رنگ ہیں ندامت کے

تیرے کوچے سے اس کو کیا نسبت
سن چکا ہوں بیان جنّت کے

مجھ سے سنیئے بیان محشر کا
میں نے دیکھے ہیں رنگ فرقت کے

روز افزوں ہے نازکیت نئی
لاکھ کشتے ہیں ایک صورت کے

ضعف یہ ہی رہا تو ہم مائل
کیونکر اٹھیں گے دن قیامت کے



کیا کیجیے اس چمن میں گلے روزگار کے
سو دن یہاں خزاں کے تو دو دن بہار کے

آئے نظر جو رنگ خزاں میں بہار کے
جلوے ہیں باغِ دہر میں کس گلعذار کے

رکھے ہیں آسمان نے عبرت کے واسطے
باقی ہیں جو نشان ہمارے مزار کے

بنتے ہی سرمہ دیدۂ اہلِ نظر میں ہم
ہوتے اگر غبار کسی رہگذار کے

کیا سہل طور سے شبِ فرقت گزر گئی
الجھے رہے خیال میں ہم زلفِ یار کے

مہماں ہے بزمِ غیر میں وہ میزباں بنے
دیکھے اثر بھی نالۂ بے اختیار کے

واعظ شراب خانہ ہے کوثر یہاں کہاں
چھینٹوں میں آ گئے ہو کسی بادہ خوار کے

مذکور بزمِ غیر کے کچھ سن چکے ہیں ہم
کچھ کہہ رہے ہیں ہم سے یہ عالم خمار کے

کھیلا ہے جان پر جو دمِ امتحاں عدو
یہ بھی کرشمے ہیں نگہِ شرمسار کے

وعدہ تمھیں تو یاد نہ آیا تمام رات
صدمے رہیں گے یاد مجھے انتظار کے

ہوتے ہی صبحِ ہجر زمانہ بدل گیا
قائل ہیں ہم تو گردشِ لیل و نہار کے

کیسا فلک کہاں کے عدو پاسباں ہیں کون
یہ سب کرشمے ہیں دلِ الفت شعار کے

لے جا کے کس کی بزم میں مجھ کو بٹھا دیا
اللہ رے حوصلے دلِ بے اختیار کے

ہوتی چلی ہے خو اسے ایفائے وعدہ[ن] کی
کیا جانے دن پھرے ہیں کس امیدوار کے

ن عہد۔

تیرے عدو پہ لطف و کرم دیکھ دیکھ کر ۔۔۔ کرنے پڑے ہیں مجھ کو گلے روزگار کے

کیا جانئے کیا غضب ہے کہ جتنے حسین ہیں ۔۔۔ ہیں دوست ایک دو کے تو دشمن ہزار کے

تصویرِ یار اس کو دکھانی نہ تھی ہمیں ۔۔۔ دشمن ہم اپنے آپ بنے رازدار کے

واعظ نہ چھیڑ بادہ کشوں کو کہ ہیں یہ لوگ ۔۔۔ امیدوارِ رحمتِ پروردگار کے

جب لطفِ سیرِ باغ ہے اتنا تو درد ہو ۔۔۔ نشتر سے دل میں چبھتے ہوں نالے ہزار کے

گرتی ہے کوئے یار میں بجلی جو بار بار ۔۔۔ انداز اڑا لیے ہیں کسی بے قرار کے

تاثیرِ داغِ دل کی تو دیکھو کہ حشر تک ۔۔۔ روشن رہے چراغ ہمارے مزار کے

مائل تمھاری توبہ کا جب آئے کچھ یقیں
کٹ جائیں ساتھ صبر کے یہ دن بہار کے



تھے جو انداز تیغِ قاتل کے ۔۔۔ کوئی پوچھے وہ دل سے بسمل کے

نگہِ ناتمام نے مارا ۔۔۔ سارے ارمان رہ گئے دل کے

تیری ٹھوکر کے بیقرار اب تک ۔۔۔ خاک اڑاتے ہیں خاک میں مل کے

حشر کیا برہمیِ عالم کیا ۔۔۔ ہیں کرشمے تمھارے بسمل کے

بزم سے تیری غیر نکلیں گے ۔۔۔ یہ تو ارمان ہیں مرے دل کے

تم ادھر ایک بار دیکھ تو لو ۔۔۔ پھر نہ ہم ہیں نہ ولولے دل کے

دلِ حسرت فزا سنبھل جانا
تیور اچھے نہیں ہیں مائل کے



دل اور جگر ہے نگہِ یار کے آگے ۔۔۔ سر خم ہے مرا ابروئے خمدار کے آگے

احوال کہے خاک کوئی یار کے آگے ۔۔۔ بنتی ہی نہیں بات تو اغیار کے آگے

کیا حسن پہ دعویٰ ہے کہ مذکورِ تجلی ۔۔۔ آنے نہ دیا سایۂ دیوار کے آگے

گرمی اسے کہتے ہیں کہ بازارِ قیامت ۔۔۔ ہے سرد تری گرمیِ بازار کے آگے

گھر تک بھی تو پہنچا نہیں اک جام میں واعظ ۔۔۔ لوٹا ہی کیا خانۂ خمار کے آگے

گردش میں جو ہیں سات فلک اُن کی حقیقت
کچھ بھی تو نہیں آہِ شرربار کے آگے

آیا تو بہت جھوم کے تھا ابرِ گہربار
ٹھہرا ہی نہیں دیدۂ خونبار کے آگے

جو کچھ کہ شبِ وصل یہ بولا ہے ترے بول
اللہ نہ لائے وہ دلِ زار کے آگے

تقریر کروں آپ سے کیا حضرتِ ناصح
دیوانے کی چلتی نہیں ہشیار کے آگے

اس بات سے کچھ میری طبیعت ہے کھٹکتی
خاموش وہ ہو جاتے ہیں اغیار کے آگے

گو آبلے پا میں ہیں مگر راہ میں تیری
دو چار کے پیچھے ہوں تو دو چار کے آگے

اللہ بچائے تو بچے تیر سے اُس کے
کیا دل کی حقیقت نگہِ یار کے آگے

آتی نہیں جب نیند تو گھبرا کے شبِ غم
کہتا ہوں فسانے در و دیوار کے آگے

تو شوق سے کر قتل، گراں جانیٔ عاشق
چلنے کی نہیں کچھ تری تلوار کے آگے

برہم ہو جہاں جس سے کبھی سر نہ اٹھائے
وہ فتنۂ محشر تری رفتار کے آگے

ہر صبح چلے آتے ہیں پیغام ہزاروں
ہر روز وہ ہو جاتے ہیں دو چار کے آگے

خود کہہ کے پشیمان ہے صیادِ ستمگر
احوالِ چمن مرغِ گرفتار کے آگے

وہ دشت ہے میرا کہ جہاں قیس جنوں کا
لیتا ہے سبق بیٹھ کے ہر خار کے آگے

یا پیرِ مغاں کہہ کے وہ پینے کو جو بیٹھے
پھر میکدہ کیا مائلِ میخوار کے آگے

○

تمھارے کشتۂ تیغِ ادا ہوں گے تو ہم ہوں گے
دل و جاں سے اگر تم پر فدا ہوں گے تو ہم ہونگے

کہا تھا مجھ سے دل نے دیکھ تیری زلفِ پیچاں کو
کسی دن اس بلا میں مبتلا ہوں گے تو ہم ہوں گے

کہے دیتے ہیں پہلے سے نہ ہم کو چھیڑنا ہرگز
تمھاری بزم میں درد آشنا ہونگے تو ہم ہونگے

چمن میں کیوں لیے پھرتی ہے بوئے موئے جاناں کو
ترے ممنونِ منت اے صبا ہونگے تو ہم ہوں گے

وہ کہتے ہیں ابھی سمجھو نہیں ہم کو جفا پیشہ
دلِ مضطر پہ خنجر آزما ہوں گے تو ہم ہوں گے

کہا میں نے نہ رسوا ہو کہا مشہور دنیا میں
بلا سے آپ کی گر بے وفا ہونگے تو ہم ہوں گے

سمجھتے تھے یہی دل میں جدائی غیر سے ہوگی
نہ تھا معلوم یہ ہم کو جدا ہونگے تو ہم ہوں گے

محبت میں اگر تاثیر رکھتے ہیں دکھا دیں گے
ترے دل میں کسی دن مدعا ہوں گے تو ہم ہونگے

ہمیں اس لطف کے تو نے کیا ہے قتل محشر میں
شہیدِ خنجرِ مہر و وفا ہوں گے تو ہم ہوں گے

نہیں میخوار قطرے ہیں ہم اک دریائے رحمت کے
ترے سر کی قسم واعظ فنا ہوں گے تو ہم ہوں گے

ادھر ہے کھیل آہوں کا گزرنا عرشِ اعظم سے
اُدھر کہتے ہیں یہ نالے رسا ہونگے تو ہم ہوں گے

خدا جانے کہ کب ہوں گے وہ کہنے کو تو کہتے ہیں
تری بیماریِ دل کی دوا ہونگے تو ہم ہوں گے

گلے سارے ہوئے بیجا کھلا جب راز یہ ہم پر
اثر ہوں گے تو ہم ہوں گے دعا ہونگے تو ہم ہونگے

دلِ مضطر لیے بر میں کفن پہنے ہوئے خونی
یہاں کیا دیکھنا روزِ جزا ہونگے تو ہم ہونگے

ابھی تو رنگ بدلا ہے ابھی کیا دیکھنا ہم کو
ہوئے ہیں کیا سے کیا اور کیا سے کیا ہونگے تو ہم ہونگے

غریقِ بحرِ رحمت میکدے میں ہو گئے مائل
کہا کرتے تھے اکثر پارسا ہوں گے تو ہم ہونگے

○

ہمیں کو بیگناہوں میں تہِ شمشیر دیکھیں گے
ہماری خاک وہ ہوگی جو دامنگیر دیکھیں گے

نگاہِ ناز کا جب وہ لگا کر تیر دیکھیں گے
تو صحرائے محبت میں ہمیں نخچیر دیکھیں گے

غبار آلودہ جب تک گیسوئے تقدیر دیکھیں گے
تجھے ٹوٹا ہوا اے ناخنِ تدبیر دیکھیں گے

ادائے ناز کی چلتی ہوئی شمشیر دیکھیں گے
تمھارے حسن کو اک روز عالمگیر دیکھیں گے

خدا کے واسطے مشاطہ آئنہ نہ رکھ آگے
مرا سر یاد آئے گا اگر شمشیر دیکھیں گے

سمجھ لینا نہ مردہ تم شہیدانِ محبت کو
ہم ان آنکھوں سے اپنی نعش کی تشہیر دیکھیں گے

سنائیں گے وہ صلواتیں ہزاروں زلفِ لیلیٰ کو
جنوں میں خامِ مجنوں کی اگر تصویر دیکھیں گے

جو خنجر لے کے آئے ہیں تو سینہ چاک کرنے دو
ہم اپنا زخم دیکھیں گے وہ اپنا تیر دیکھیں گے

یہ اچھا مشغلہ ہوگا جو پہنچے بزمِ دشمن میں
کبھی ہم ان کو دیکھیں گے کبھی تصویر دیکھیں گے

سمجھتے ہیں جو دل میں سرنوشتِ غیر کو اچھا
وہ کن آنکھوں سے حیراں ہوں مری تحریر دیکھیں گے

وہ آنکھیں پھیر جو دیکھیں بھی خدا کا گھر تو کیا دیکھیں
صنم خانے کی جن آنکھوں سے ہم تعمیر دیکھیں گے

تری زلفوں کے بڑھنے میں اگر فصلِ بہار آئی
تو اپنے پاؤں میں زنجیر پر زنجیر دیکھیں گے

مشیت کی جہاں بگڑی ہوئی بنتی ہیں تقدیریں
وہاں کیا رنگ لائے گی تجھے تقدیر دیکھیں گے

کہا کرتا ہے یہ تیشہ کبھی فرہاد سے ہنس کر
ترے کس کام آئے گی یہ جوئے شیر دیکھیں گے

یہ کھٹکا ہے ہمارے دل کا سائلؔ نہ ہو حائل
کسی دن چل کے بیت اللہ کی تعمیر دیکھیں گے



ہم اہلِ سوز کو کہتے ہوئے تکبیر دیکھیں گے
ترے نقشِ کفِ پا کی جہاں تنویر دیکھیں گے

کرم سے اس کے جب بگڑی ہوئی تقدیر دیکھیں گے
ہمارے منہ کو بیٹھے صاحبِ تدبیر دیکھیں گے

بلا سے رازِ الفت کا جو کھل جائے تو کھل جائے
ہزاروں میں اٹھا کر ہم تری تصویر دیکھیں گے

نہ کیونکر جوش آئے گا قیامت ہو تو ہو جائے
جو اپنے خون میں ڈوبی تری شمشیر دیکھیں گے

جو مر جائیں سلامِ شوق فصلِ گل سے کہہ دینا
اگر زندہ رہے تو پھر تجھے زنجیر دیکھیں گے

نہ مرتے ہم نہ مرتے ہم بس اس پر جان دیتے ہیں
کہ بس جاتے ہی تربت میں تری تصویر دیکھیں گے

اسے دیکھیں گے جو سینہ پہ بیٹھے ذبح کرنے کو
نہ ہم خنجر کو دیکھیں گے نہ ہم شمشیر دیکھیں گے

ادھر ہے طائرِ سدرہ ادھر ہے مرغِ جاں میرا
کدھر جاتا ہے چھٹتے ہی تمہارا تیر دیکھیں گے

بڑھا دیں گے ذرا سی وہ درازی روزِ ہجراں کی
فغان و آہِ عاشق کو جو بے تاثیر دیکھیں گے

تمہارے دم سے اے عصیاں کسی کی روزِ محشر میں
ہزاروں عذر کے پہلو لیے تقریر دیکھیں گے

ملا دیں گے شہیدوں میں ہی دے کر خون کے چھینٹے
مجھے کیونکر قیامت میں وہ بے توقیر دیکھیں گے

شبِ فرقت میں کر لیں گے تصور ان کی زلفوں کا
بلاؤں کے اترنے میں اگر تاخیر دیکھیں گے

ملا موقع جو ہم سے روسیاہوں کو قیامت میں
غلافِ خانۂ کعبہ تری توقیر دیکھیں گے

سمجھتا ہوں بلاتے ہیں جو مجھ کو بزمِ دشمن میں
وہ کھنچوا کر مری تقدیر کی تصویر دیکھیں گے

ہم ان ہاتھوں سے لے لیں گے بلائیں زلفِ جاناں کی
ہم ان آنکھوں سے اپنے خواب کی تعبیر دیکھیں گے

کسی کو شیخ دیکھیں یا نہ دیکھیں بزمِ رنداں میں
مرے جامِ سفالی کی مگر توقیر دیکھیں گے

سمجھ لیں گے کہ جو لکھا ہے اے شورِ بخت نے
ہماری خاک کو سائلؔ جو وہ اکسیر دیکھیں گے

باتیں یہ جس سے ہنس کے ستم گر بنائیں گے ۔ پھر اس کی جان پر بھی مقدر بنائیں گے
سجدے کریں دعائیں کریں ضد سے غیر کی ۔ ہم جس طرح بنے گا مقدر بنائیں گے
گر آ گئے کبھی تو محبت جتانے کو ۔ باتیں تو جھوٹ سچ کی مقرر بنائیں گے
سر چڑھ رہا ہے خونِ دو عالم خدا بچائے ۔ کیونکر نہ ہر مژہ کو وہ خنجر بنائیں گے
اس کے خرامِ ناز کے انداز دیکھنا ۔ ہر نقشِ پا کو فتنۂ محشر بنائیں گے
کیا ان کی منہ میں وصلِ عدو میں زباں نہ تھی ۔ باتیں وہ میرے سامنے کیونکر بنائیں گے
تو نے تو جامِ بادہ کو توڑا ہے محتسب ۔ ہم تیرے سر کو توڑ کے ساغر بنائیں گے
گیسو ہیں تار تار گریباں ہے چاک چاک ۔ بگڑی ہوئی ہے بات وہ کیونکر بنائیں گے
یہ قتلِ بے گناہ ہے چھپتا نہیں کبھی ۔ اغیار میرے خون کا محضر بنائیں گے
خالی نہ جائے گی دلِ سوزاں کی آہ یہ ۔ کب تک دل و جگر کو وہ پتھر بنائیں گے
گیسو جو روئے یار پہ برہم یونہی رہے ۔ دیوانہ اک جہاں کو مقرر بنائیں گے
لے جا کے بزمِ یار میں اک روز دیکھنا ۔ ہم جان پر تری دلِ مضطر بنائیں گے
تو اپنے آستاں سے اٹھاتا تو ہے ہمیں ۔ جیتے رہے تو دل میں ترے گھر بنائیں گے

تو محتسب بگاڑ جہاں تک بگڑ سکے
سائل کی بات ساقیِ کوثر بنائیں گے



بھلا کب تھے موسیٰ سنبھل جانے والے ۔ ملے ہوش روزِ ازل جانے والے
نہ تھیں ان میں یہ کج ادائی کی باتیں ۔ نہ تھے ان کے تیور بدل جانے والے
مرے دل کے حصہ میں آئے ہی کب ہیں ۔ وہ ارمان جو ہوں نکل جانے والے
کدھر ہے تو اے شمعِ سیما کدھر ہے ۔ تری آگ میں ہم ہیں جل جانے والے
نہیں ہیں یہ آنکھیں کوئی دم میں دیکھو ۔ یہ دونوں ہیں چشمے ابل جانے والے
کہاں تک جفائیں وہ ہم پر کریں گے ۔ ٹلے ہیں وفا سے نہ ٹل جانے والے
نہ ایسے تھیں ہو مِلو ہر کسی سے ۔ نہ ہر جائی ہیں ہیں پھسل جانے والے

خدا جانے کیا ہے کھٹکتے ہیں مجھ سے ۔۔۔ تری راہ میں سر کے بل جانے والے
مرے خط کو پڑھ کر کہا نامہ بر سے ۔۔۔ یہ فقرے نہیں ہم پہ چل جانے والے
نہ آتی اگر اور دم بھر تو ہم تھے ۔۔۔ تجھے لینے کو اے اجل جانے والے
وہ آئے تو کیوں کر مجھے دیں گے جینے ۔۔۔ کہ دل چٹکیوں میں ہیں مل جانے والے

بتوں سے کچھ ایسی ہے بگڑی کہ مائل
سنا ہے کہ کعبہ ہیں کل جانے والے



سوزِ دروں سے کیا فلکِ فتنہ گر جلے ۔۔۔ دو چار اشک جس سے نہ لخت جگر جلے
سوزِ غمِ فراق سے عشاق بھی جلیں ۔۔۔ آتش کدہ میں رہ کے سمندر اگر جلے
کہتی ہے موت آتے ہی عمرت دراز باد ۔۔۔ کیوں کر نہ اس دعا سے مرا چارہ گر جلے
عاشق کو سوزِ عشق سے ملتی نہیں نجات ۔۔۔ جنت میں آ رہے بھی تو آٹھوں پہر جلے
شعلے اٹھے جو دل سے تو آنکھوں کی راہ میں ۔۔۔ کہتے ہیں طفلِ اشک کہ لختِ جگر جلے
انساں کی کیا مجال جو دیکھے تری طرف ۔۔۔ دیکھے جو آفتاب تو اس کی نظر جلے
کہتی ہے رحم کھا کے مجھے آتشِ فراق ۔۔۔ کیا اس کی زندگی ہے جو آٹھوں پہر جلے
بلبل وہ کم نصیب ہے بجلی گری تو کیا ۔۔۔ تھوڑا سا آشیانہ جلا بال و پر جلے
گھبرا کے بزمِ یار سے خود جل دیے رقیب ۔۔۔ جب میری آہِ گرم سے دیوار و در جلے
رونا تو جانتا ہوں پر آنسو کہاں سے لاؤں ۔۔۔ دل میں لگی وہ آگ کہ سب خشک و تر جلے
اے آہِ شعلہ بار جلے ہوں گے آسماں ۔۔۔ یہ تو خبر غلط ہے کہ دو چار گھر جلے
کیوں آہِ شعلہ بار سے پھونکوں درِ قبول ۔۔۔ کرلوں نہ وہ دعائیں کہ جن سے اثر جلے
لیتا ہوں پھر پھرا کے پھر اپنے وطن کی راہ ۔۔۔ غربت میں کیوں نہ مجھ سے مرا ہم سفر جلے
اے شعلۂ فراق نہ اتنا بھی سر اٹھا ۔۔۔ پھولا کا ہے دل کو آج تو کل تک جگر جلے

مائل، نہ کر تصورِ رخسارِ آتشیں
ایسا نہ ہو کہ دیدۂ دل کی نظر جلے



کچھ بے خبر جلے ہیں تو کچھ باخبر جلے
برقِ جمالِ یار سے اہلِ نظر جلے

بھڑکی جو دل میں آگ تو کتنے ہی گھر جلے
پہنچی وہاں لپٹ کہ فرشتوں کے پر جلے

میں نے کہا کہ عشق میں جلنے کا ہے مزہ
کہنے لگے خدا کرے تو عمر بھر جلے

یہ چاہتا ہے دل کوئی ایسا حسیں ملے
تصویر اس کی دیکھ کے وہ فتنہ گر جلے

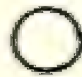
پروانہ جا کے شمع پہ قربان تو ہوا
عشاق بزمِ ناز میں بے دردِ سر جلے

کھینچی جو ایک آہ ترے گھر کی یاد میں
گلزار سب بہشت کے سارے شجر جلے

سوزِ دروں سے بادہ کشوں کے خدا کی شان
کم بخت محتسب کا ذرا سا نہ گھر جلے

اللہ رے سنگ دل کہ نہ آیا وہ بام پر
ہم دھوپ میں کھڑے کھڑے دو دوپہر جلے

سائل وہ تر کیا ہے کہ دنیا کی آگ کیا
دوزخ میں ڈالیے تو نہ دامانِ تر جلے



یہ سہی دل کو حسینوں سے بچا کر نکلے
رو برو ہی کوئی آ جائے تو کیوں کر نکلے

قیس و فرہاد نہ جب میرے برابر نکلے
مجھ سے بہتر عشق میں بڑھ کر کوئی کیونکر نکلے

جل گیا جاتے ہی بے چارہ وہ کیونکر نکلے
خاک پروانہ کی محفل سے مقرر نکلے

رہ گزر میں تری رکھتے ہیں قیامت برپا
نقشِ پا بھی تو ترے فتنۂ محشر نکلے

جذبۂ عشق نے احسان جتائے کیا کیا
اور وہ بھولے سے مری قبر پہ ہو کر نکلے

یہ تو قابو میں فرشتوں کے نہ آیا ہے نہ آئے
نہ تو نکلی ہے نہ جانِ دلِ مضطر نکلے

جانتا ہے کہ ہم ان کے ہیں یہ گھر ان کا ہے
نالہ نکلے بھی تو دل سے مرے کیونکر نکلے

عرصۂ حشر میں رکھنے کو جگہ بھی نہ ملے
دیکھنا میرے گناہوں کے جو دفتر نکلے

ہم نے توبہ تو ترے کہنے سے کر لی واعظ
دل سے کیوں کر ہوسِ بادہ و ساغر نکلے

وہ ہماری کششِ شوقِ شہادت ہی نہیں
بیٹھ کر دل میں اگر یار کا خنجر نکلے

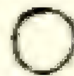
میں تو اس سنگ دلی پر ہوں بتوں کی قرباں
رہ کے عشاق کے دل میں بھی تو پتھر نکلے

یہ تو معلوم نہیں شیخ نے پی کہ نہ پی
خانقہ میں کئی ٹوٹے ہوئے ساغر نکلے

زندگی اب تو کہاں ان کو نہ جلے یہ خیال
خوبصورت کوئی مجھ سا نہ ستم گر نکلے

دل اگر جائے تو ساقی کی ادا پر جائے
دم جو نکلے تو درِ پیرِ مغاں پر نکلے

بے خودی میں جو گرے ہاتھ سے ساغر مائل
دہنِ شیشہ سے یا ساقیِ کوثر نکلے!



ہمت اگر ہو قطرے کی دریا سے جا ملے
دل سے ہو جستجو تو ملے اور خدا ملے

نعمت ملی ہے عشق کی اب اور کیا ملے
وہ چیز مل گئی ہے کہ جس سے خدا ملے

ساقی کی ہے صدا کہ یہ عشرت کی جا نہیں
اس بزم میں ملے بھی کسی سے تو کیا ملے

اس شوق سے ملا ترے پیکاں سے دل مرا
جس طرح باصفا سے کوئی باصفا ملے

دشمن تو کامیاب ہو محروم ہم رہیں
اس کو اثر ملا ہمیں دستِ دعا ملے

کہنا۔ نہ اپنے دل سے اسیروں کو بھولنا
گلشن کے رہنے والوں سے گر تو صبا ملے

دل میں ہیں دردِ غم کے فسانے بھرے ہوئے
برسوں سناؤں گر کوئی درد آشنا ملے

جائیں تو تجھ کو چھوڑ کے ناکامیاں کہاں
کوچے میں غیر کے جو ترا نقشِ پا ملے

میں نے تو اپنے دل سے وہیں ہاتھ اٹھا لیا
جب حسن کو کرشمہ و ناز و ادا ملے

واعظ نہ کیوں ہو صحبتِ رنداں سے بے خبر
کم بخت دوست بھی تو اسے پارسا ملے

اتنا تو ہم میں صحبتِ رنداں کا ہے اثر
دشمن سے بھی ملے ہیں تو ہم بے ریا ملے

پرسش نہ معصیت کی نہ طاعت پہ ہے نظر
تجھ سا تو بے نیاز کہاں دوسرا ملے

سچ ہے کہ ان بتوں میں محبت ذرا نہیں
دم بھر میں وہ گھبرا کے رقیبوں سے جا ملے

جس نے ہمارے قتل کی تجھ کو بتائی راہ
اجرِ عظیم اس کو بھی روزِ جزا ملے

جن کے نہ پائی دل میں کدورت نے بھی جگہ
وہ اس فلک کے ہاتھ سے مٹی میں جا ملے

وہ ہی شہیدِ ناز ہیں عشاق میں ترے
جن جن کے اشکِ سرخ سے رنگِ حنا ملے

اب کیا امیدِ وصل کہ جب قاصدوں کے ہاں
سر تو جدا ملے ہیں مجھے تن جدا ملے

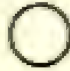
کعبہ میں کر چکے ہیں خدائی یہ مدتوں
کیوں کر نہ بندگی میں بتوں کی خدا ملے

واقف ملا نہ ایک بھی الفت کی راہ کا
ملنے کو خضر سے تو بہت رہنما ملے

کس کس سے انجمن میں اشارے نہیں ہوئے
اب ان کی بزم سے آنکھ ملے بھی تو کیا ملے

ڈالا ہے اضطراب نے کیسا عذاب میں
ملتا ہوں میں قضا سے نہ مجھ کو قضا ملے

مائل رہے ہو خدمت پیر مغاں میں تم
ایسی بتاؤ راہ کہ جس سے خدا ملے



کیا کیا نہ کھائے زخم ہر اک دلفگار نے
پھر بھی تو اس کی کی ہے تمنا ہزار نے

ارمان و جانِ زار و دلِ بے قرار نے
کی میرے ساتھ اس کی تمنا ہزار نے

جب میکدہ کی کی ہے دعا بادہ خوار نے
آمیں کہی ہے رحمت پروردگار نے

تاکا مجھی کو ہائے غم روزگار نے
مارا مجھی کو گردش لیل و نہار نے

ملکِ عدم کی راہ لی ایک ایک یار نے
دو چار دن ہیں اور ہمیں بھی گذارنے

گھبرا دیا یہ آتے ہی فصلِ بہار نے
مشکل ہوئے ہیں طاق سے شیشے اتارنے [1]

جلوؤں سے رنگ رنگ کے دنیائے خار کو
گلزار کر دیا گلِ رخسارِ یار نے

شیشے اٹھاؤ آگے سے یارو غضب ہوا
مہمان رکھ لیا ہے خزاں کو بہار نے

منکر نکیر آتے ہی چپکے چلے گئے
ایسی سنائی ایک ہی میرے مزار نے

اخلاص و درد و سوز سے اتنا بھرا ہوا
دل میں جگہ نہ پائی کسی کے غبار نے

سمجھا کے یہ مجھے چمن آرا ہے کوئی اور
گویا ملا دیا ہے خدا سے بہار نے

پروا رہی نہ خلد کی آنے کے ساتھ ہی
مژدہ سنا دیا مجھے ایسا مزار نے

---

[1] مرزا مائل کی خوش بیانی کا بہترین نمونہ ہے۔ اسی مضمون کو صفدر مرزا پوری شاگرد جناب جلیل نے اس طرح نظم کیا ہے:-

ہاں ہاں نشیلی آنکھ سے پھیر آ نگاہ مست
تم کیا چلے ہو طاق سے مینا اتارنے

داد جمع نکتہ سنج پر موقوف ہے۔ دونوں شعراء اپنے رنگ میں لاجواب ہیں۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

مسجد کی کچھ تمیز نہ میخانے کا ادب — دیوانہ کر دیا مجھے ایسا بہار نے

داغوں سے میرے ملنے کو آئی جو شمع طور — کیسی ہنسی اڑائی چراغ مزار نے

جس سرزمیں پہ یار کا نقش قدم سنا — جا کر کیا طواف ہمارے غبار نے

اس میں کہاں سے آگئیں یہ جلوہ ریزیاں — دیکھا ہے بے نقاب کسی کو بہار نے

گردش نصیب ہم سے تو پیدا نہیں ہوئے — چکر میں رکھ لیا ہے فلک کو غبار نے

فرد گناہ میری جو لائے سنانے کو — مانگی پناہ طول سے روز شمار نے

صبر و قرار عشق میں بے کار جان کر — بجلی کو دے دیے ہیں دل بے قرار نے

ہم بھی عجیب چیز ہیں آنے کو شام کے — اک اک سے کہتے پھرتے ہیں لکھا ہے یار نے

جب سے کہ ان کا رشک مسیحا لقب ہوا — چھوڑا نہ ایک دم بھی عدو کو بخار نے

اس کی شگفتگی یہی کہتی ہے پائی ہیں — زندہ دلوں کی صحبتیں فصل بہار نے

آئی تو لاکھ بار نہ آیا اجل کے ساتھ — کیسا کیا ہے کام دل بے قرار نے

بے ہیر پھیر منزل مقصود کو گئے — رکھی نہ کوئی راہ تری رہگذار نے

پیری میں وہ شباب کی بے تابیاں کہاں — بجلی سے شرط کی ہے دل بیقرار نے

تو اے ادب گواہ ہے اس شوخ کا کبھی — دامن چھوا نہیں ہے ہمارے غبار نے

کیا دے دیا جواب کہ سنتے ہی جان دی — اک آہ کھینچ کر دل امیدوار نے

اب تک کھلا نہ اس کے دہان و کمر کا راز — افشا کیا نہ راز کسی رازدار نے

میخانے پر گمان نہ ہو خانقاہ کا — باہر رکھا نہ پاؤں کسی ہوشیار نے

ایسی لگائی آگ بجھائی نہ بجھ سکی — مجھ پر کیا کرم یہ مرے رازدار نے

دونوں جہاں کو ایک احاطے میں لے لیا — ڈالی بنائے میکدہ کس ہوشیار نے

اک اک سے پوچھتا ہوں کہ سوتے ہیں کس طرح — ایسی اڑائی نیند ترے انتظار نے

گھر میں گیا خدا کے کبھی کم بخت ساتھ ساتھ — چھوڑا نہیں کبھی بھی غم روزگار نے

ذاتی سخن گو ترشہ مرزا مائل دہلوی اس وقت شعرائے دہلی میں اس پایہ کے شاعر ہیں جن کو ہم شعرائے لکھنؤ کے مقابلے میں فخریہ پیش کر سکتے ہیں۔ (صلائے عام اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۳۴)

گستاخیوں سے وصل کی کیسا ہوا خجل
شکوے کیے جوان کے گریباں کے تار نے

شرمندہ کیوں ہوں شیخ سے مجھ روسیاہ کی
رکھ لی ہے بات رحمتِ پروردگار نے

دم بھر میں صاف ظاہر و باطن کو کر دیا
ہنگامِ توبہ گریۂ بے اختیار نے

اس نوبہارِ حسن کو دیکھا تو کر لیا
گل کی طرح سے چاک گریباں کے تار نے

سچ پوچھیے تو درد محبت سے دوستی
اچھی نباہ دی مرے صبر و قرار نے

فرزانگی میں موت جو آئی مزار پر
دو پھول بھی چڑھائے نہ فصلِ بہار نے

یوں مجھ کو چھیڑتے ہیں جوانانِ بادہ خوار
مائل تمھیں سلام کہا ہے بہار نے

○

دست و پا مارے ہیں کیسے عشق کے نخجیر نے
آ گیا خنجر بکف جب حسن سینہ چیر نے

کس لیے دعویٰ کیا کذاب پیرِ تزویر نے
کیا فرشتے آئے تھے اس کا بھی سینہ چیر نے

چھیڑ کی ریشِ درازِ شیخ کی توقیر نے
پر ذرا پروانہ کی میخانہ کی زنجیر نے

اے زلیخا اب تری تقدیر الٹی ہو گئی
اور دیوانہ بنایا خواب کی تعبیر نے

ہے ترقی یا تنزل تو ہی دل میں سوچ لے
بتکدہ سے بھیجے کعبہ کیا تقدیر نے

کر دیا جو کچھ کہ کرنا تھا جہاں میں آشکار
اے نقابِ روئے جاناں اک تری تزویر نے

فرض ہے چھوٹوں پہ آدابِ بزرگاں فرض ہے
کی مجھے تسلیم جھک کر آسمانِ پیر نے

ہوش موسیٰ کے اڑائے طور پھونکا کیا کیا
کھیل لڑکوں کا کیا ہے حسن کی تنویر نے

وہ پشیماں ہو گئے دامن کو اپنے پھاڑ کر
جب کفن اپنا بنایا خاکِ دامنگیر نے

کیوں نہ بن جائے دلِ نگمیں تجلی گاہِ یار
محو اتنا کر لیا ہے جلوۂ تصویر نے

اک ترے بند قبائے ناز کا ہی شکوہ کیا
کوئی بھی عقدہ نہ کھولا ناخنِ تدبیر نے

ان بتوں کے دل سے پوچھو یہ خدائی کرتے ہیں
کیا اثر پیدا کیا ہے کعبہ کی تعمیر نے

اے نگاہِ نوجوانِ فتنہ پروازِ جہاں
کان پکڑا تیرے آگے آسمانِ پیر نے

قتل کیجے اب تو مجھ کو کوئی بھی بیکس نہیں
دو جہاں کو کر لیا ہے اک زباں شمشیر نے

کیا بنائے بتکدہ ڈھاؤں خلیل اللہ کو — خون کے آنسو رلائے کعبہ کی تعمیر نے
مجھ کو مل جائے تو چوموں بانیٔ قدرت کے ہاتھ — بزمِ دنیا کو سجایا اک تری تصویر نے
قتل کرنا اور میرا، یہ بھی کوئی کھیل تھا — مشورے برسوں کیے ہیں خنجر و شمشیر نے
یہ ستم ہے یا کرم ہے کیا کہوں حیران ہوں — مجھ کو روکا عرض سے مرتے آپ کی تحریر نے
کیا عجب ہے بات کی ہو ہیں تو دونوں پاس پاس — غیر کی تصویر سے کچھ یار کی تصویر نے
واعظِ مغرور سے سحر البیاں کہلا لیا — حضرتِ پیرِ مغاں کی شوخیِ تقریر نے
داورِ روزِ جزا سے اس کو ہمت کہتے ہیں — کی سفارش نامۂ اعمال کی تحریر نے
ایک ہو سکتے نہیں شیخ و برہمن حشر تک — یہ فساد ایسا ہے ڈالا کعبہ کی تعمیر نے
کعبہ جا کر پھیر جو آیا اس سے بڑھ کر کیا کہوں — ایک چکر اور بھی کھایا مری تقدیر نے

مائلؔ آخر اعتبارِ دین و دنیا اٹھ گیا
تنگ دست اتنا کیا میخانے کی تعمیر نے



جب جنوں میں کوتہی کی آہ کی تاثیر نے — عرشِ اعظم جا ہلایا نالۂ زنجیر نے
دل برہمن کا ہے توڑا شیخ کی تقریر نے — رخ کعبہ کو دیا بت خانہ کی تحقیر نے
بادہ نوشوں کا جنوں بھی لطف سے خالی نہیں — نالۂ مستانہ پیدا کر لیا زنجیر نے
ناز و اندازِ بتاں حیرت سے تکتے رہ گئے — جب نقابِ رخ کو الٹا حسنِ عالمگیر نے
بے تکلف آہ و اضطراب تو تم سے لے ہی لی — بیعتِ پیرِ مغاں میخانے کی زنجیر نے
ہے انھیں دونوں میں میرے دل کا قاتل کوئی دو — یا ترے ابرو نے مارا یا تری شمشیر نے
شمع سے پہلے ہی ہیں تو انجمن میں جل بجھا — وہ لگائی آگ دل میں یار کی توقیر نے
بے سبب بگڑے ہوئے ہیں ابروئے مژگانِ یار — بے اجل مارا ہے مجھ کو خنجر و شمشیر نے
اک قدم میں طے کیا ہوتا جنوں کا خار زار — پائے مجنوں کی قسم دیدی مجھے زنجیر نے
حضرتِ واعظ کہاں اور محفلِ رنداں کہاں — کس غضب کی کی ہے شوخی کاتبِ تقدیر نے
کیوں نہ روؤں بیٹھ کر پہلو میں تیرے زار زار — خاک کر دی خاکساری عزت و توقیر نے

کانپ اٹھا عرشِ اعظم گونج اٹھے آسماں
زلزلہ ڈالا ہے کیا عشق کی تکبیر نے

عشق رسوائی سے خوش ہے میں سمجھتا کس طرح
لاکھ سمجھایا خیالِ عزت و توقیر نے

وہ تو مر کر بھی نہ نکلا رکھ دیا تھا قیس کو
اپنی آبادی سمجھ کر خانۂ زنجیر نے

دیکھنا شانِ کرم کو اور دونی ہو گئی
سر جھکایا شرم سے جب ادم مری تقصیر نے

مجھ کو مائل اور عطا ہو خلعتِ خونی کفن
یہ کرم مجھ پر کیا ہے حضرت شبیّر نے

○

دیتا ہے حکمِ قتل تو مغرور سامنے
لیکن نہیں ہے نرگسِ مخمور سامنے

ان خود نمائیوں پہ رہے گا کہاں حجاب
ہونا پڑے گا آپ کو مجبور سامنے

لو پردہ تم اٹھاؤ مجھے غش تو آ گیا
ہونا نہیں ہے گر تمہیں منظور سامنے

جلاد سے یہ کہہ کے وہ مقتل سے اٹھ گئے
عاشق کے قتل کا نہیں دستور سامنے

مائل جو میری توبہ کی رکھنی ہے آبرو
لانا نہ بھول کر کبھی انگور سامنے

○

غم ہی غم میں گھلا دیا تو نے
درد تو نے دیا دوا تو نے

ماجرا تجھ سے اپنی الفت کا
بس کہا میں نے اور سنا تو نے

اس کی غفلت تو ہے بجا لیکن
دیر کیوں کی ہے اے قضا تو نے

رازِ الفت جتا دیا اس کو
دلِ مضطر یہ کیا کیا تو نے

پند کا ہو چکا اثر ناصح
کیوں لیا نام یار کا تو نے

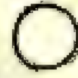
مائل اس کی گلی میں جا جا کر
رتبہ اپنا گھٹا دیا تو نے

○

تیر دل سے جدا کیا تو نے
زخم لذت فزا کیا تو نے

لوگ کیا کیا گمان کرتے ہیں — مجھ کو دیکھا برا کیا تو نے
ان سے خود بیں کو اور بھی مغرور — اے مری التجا کیا تو نے
شرم آنکھوں سے ٹپکی پڑتی ہے — وعدہ کس کا وفا کیا تو نے
دل کو دے کر یہ بے خودی چھائی — اس سے کہتا ہوں کیا کیا تو نے
لوگ دیتے ہیں تہنیت مجھ کو — ذکر کیا جابجا کیا تو نے

تجھ پہ مائل ہے وہ صنم مائل
سحر کیا جانے کیا کیا تو نے



قہر سا قہر کیا دشمنِ ایماں تو نے — قتل جن جن کے کیے حافظِ قرآں تو نے
لے کے جو کھینچ دیا زلفِ پریشاں تو نے — میرے ایمان کو سمجھا نہیں ایماں تو نے
خون دل کا تو کیا خونِ جگر کو پی کر — کام پورا نہ کیا اے غمِ پنہاں تو نے
[1] اس میں ہوتا نہیں عشاق کا کیا سجدہ قبول — نہ اتاری جو نمازِ شبِ ہجراں تو نے
کہہ کے یہ روزِ جزا تیری زمیں سے اٹھا — بات رکھ لی مری اے کوچۂ جاناں تو نے
بزمِ اغیار میں مہمان بلا کر ظالم! — کر دیا آج مجھے سر بگریباں تو نے
[2] آ گیا ابر بھی ساقی بھی گنہ کیا میرا — کر دیے توبہ شکن سارے ہی ساماں تو نے

۱؎ شعر میں دلی کے نامور اساتذہ کے کلام کا حق آپ اور صرف آپ ہی ادا کر رہے ہیں اپنے دعوے کے ثبوت میں اس غزل کے یہ شعر پیش ہیں۔
نمازِ عشا کا حکم دیا اور نمازِ تہجد کا بڑا ثواب فرمایا اس میں شبِ ہجراں کس طرح کٹے۔ شبِ ہجراں تو درازی میں زلفِ یار سے بھی لمبی ہے۔ اگر شبِ ہجراں کی نماز بھی دو چار ہزار رکعت کی ارشاد ہوتی تو کم از کم اس شغل میں رات کٹ جاتی مگر عشاق کا سجدہ و دعا وہاں مقبول نہیں۔ شبِ ہجراں کٹے تو کس طرح کٹے۔ سجدے کا قبول نہ ہونا عشاق کی بدنصیبی ہے اور شبِ ہجراں کی نماز کا نہ اترنا دلیل ہے اس بات کی کہ خدا ہی کو یہ منظور ہے کہ شبِ ہجراں کاٹے نہ کٹے۔

۲؎ یہ مضمون بھی گو بہت پرانا ہے۔ مگر توبہ شکنی کا الزام اپنے سر اب نہ رہا۔ "اصلاحِ عام" دہلی بابتہ دسمبر ۱۹۳۰ء

جسے مارا اسے انداز و ادا نے مارا
کبھی کھینچا ہی نہیں خنجرِ بُرّاں تو نے

اعتبار آئے ترے قول و قسم کا کیونکر
ایسے توڑے ہیں بہت یاد ہے پیماں تو نے

چل چلاؤ کا زمانہ ہے پلا دے اب تو
جو لگا رکھی ہے ساقی مئے عرفاں تو نے

ہنس کے کہنے لگے وہ الی جو جنوں کی میں نے
کیا مرے گھر کو بھی سمجھا ہے بیاباں تو نے

جب نہ تھی اس کی تسلی کی بھی توفیق تجھے
کیوں بلایا دلِ بے تاب کو مہماں تو نے

تو کہاں اور کہاں حضرتِ یوسف کے قدم
پائی تقدیر تو اچھی درِ جاناں تو نے

جا پڑا روزِ جزا پائے کرم پر اس کے
کام ہمت کا کیا دامنِ عصیاں تو نے

ہم اسے دیکھ کے سمجھیں گے تجھے دیکھ لیا
اپنی صورت کا بنایا جو ہے انساں تو نے

مجھے سمجھا نہیں دیوانہ جو اے کلکِ قضا
لکھ دیا قسمتِ مجنوں میں بیاباں تو نے

چارہ گر فصلِ بہار آئی دکھا دے مجھ کو
جو بنایا ہے مرے واسطے زنداں تو نے

آگے گردوں گا فدا کے تجھے اے جوشِ شباب
مجھے دم بھر بھی تو رکھا نہ پشیماں تو نے

کہہ رہا ہے یہ ترا جوشِ جنوں اے مجنوں
کہ مجھے دیکھ لیا چاک گریباں تو نے

اس سلیقہ کو سلیقہ نہیں کہتے واعظ
نذر کیا مے سے نہ اک تارِ گریباں تو نے

کیوں نہ پڑ جائے ستم خانہ میں رونا مائل
بڑے کافر کو کیا آج مسلماں تو نے



یہ لوٹا کیے احسان پہ احساں تو نے
نہ نکالا مرے دل کا مگر ارماں تو نے

اس کے رگ رگ میں کیے راز ہیں پنہاں تو نے
قابلِ حکمت سے بنایا ہمیں انساں تو نے

اہلِ ایماں کو کیا بے سر و ساماں تو نے
کام اچھا نہ کیا زلفِ پریشاں تو نے

قہر تجھ پہ یہ کیا اے دلِ ناداں تو نے
ہاتھ سے چھوڑ دیا دامنِ جاناں تو نے

مل تو جاتا کوئی میخانے میں آتے جاتے
اے خدا تجھ کو دی قسمتِ درباں تو نے

سلہ اپنی کہتے نہیں پھرتے ہو سنے فصلِ بہار
مجھ سے کہتے ہو کہ توڑا درِ زنداں تو نے

سلہ: یہ مضمون بالکل نیا اور بہت پاکیزہ ہے غالب نے اس کے رنگ بھنگ اچھا شعر کہا ہے۔
(باقی حاشیہ صفحہ ٦٣٧ پر ملاحظہ فرمائیے)

ہم لیا کرتے خدا تیری خدائی کے مزے — اس کے در کا نہ بنایا مجھے درباں تو نے
آگیا حشر تری جاں کو روتے روتے — اس قدر طول ہے پکڑا شبِ ہجراں تو نے
کر دیا ایک ہی ساغر میں تجھے اپنا سا — شیخ دیکھی کہ نہیں ہمتِ رنداں تو نے
دل لگانے کا مجھے اپنا مزہ بھی نہ رہا — خاک میں ایسے ملائے مرے ارماں تو نے
خاک آئے گا مزہ اس کے تڑپنے میں مجھے — جس کے زخموں پہ نہ الٹا ہو نمکداں تو نے
کچھ بڑی بات نہ تھی میری طرف سے قاصد — کر دیے ہوتے نثار اس پہ دل و جاں تو نے
پھر بھی کہتا ہے مجھے کفر میں تیرے ہے کلام — دل میں چھوڑا انہیں غارت گرِ ایماں تو نے
ایک عالم کو محبت نے کیا ہے برباد — کچھ مجھی کو نہیں مارا شبِ ہجراں تو نے
درد بن بن کے کبھی اور کبھی سوز و گداز — کر لیا گھر مرے دل میں غمِ ہجراں تو نے
زخم کاری ہے جو بچتا بھی تو یوں مر جاتا — نہ بھرا زہرِ ہلاہل سے نمکداں تو نے
رشکِ جنت ہے بنا میکدہ اے پیرِ مغاں — وہ لگائی ہے سبیلِ مئے عرفاں تو نے
ہے جو کوچہ میں ترے خلدِ بریں کی سی مہک — کہیں چھڑکا ہے مگر خونِ شہیداں تو نے
ہیں تو اس کافر ادائی پہ تری مرتا ہوں — کبھی سمجھا نہ مسلماں کو مسلماں تو نے
واعظوں سے جو سنا کرتے تھے دوزخ کا عذاب — کر دیا مجھ پہ عذابِ شبِ ہجراں تو نے
سن رہا ہوں کہ وہ بت خانے کے درباں نکلے — کر دیے قتل جو دو چار مسلماں تو نے

یہ خبر ہم نے تو کعبہ میں سنی تھی سائل
دے دیا دل کسی بت کو مع ایماں تو نے



تجھے حجاب بھی چشمِ پر آب آتا ہے — یہ جھوم جھوم کے کیسا سحاب آتا ہے
مرے جلانے کو کہتا ہے ایک ایک سے غیر — ہمارے گھر میں کوئی آفتاب آتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٣٦ کا)

چاک مت کر جیب بے ایامِ گل — کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہیے

حضرت سائل نے زیادہ نازک بات پیدا کی کہ زنداں توڑنے کا سبب آپ ہی بتا دیا۔ رسالہ صلائے عام دسمبر ۱۹۳۰ء

له شہیدی نے یہ طرز نبایا ہے :- (باقی حاشیہ صفحہ ٦٣٨ پر دیکھیے)

کسی کو جوشش کسی کا نہیں ہے محفل میں
یہ کس کی باتوں میں لطفِ شراب آتا ہے

جتا جتا کے محبت یہ کیا کیا ہم نے
کہ بات بات میں ان کو عتاب آتا ہے

دلِ ستم زدہ پھرتا ہے میری آنکھوں میں
نظر میں کب یہ جہانِ خراب آتا ہے

جو یاد آتی ہے کم التفاتیِ ساقی
شکستہ توبہ پہ کیا کیا حجاب آتا ہے

گیا ہے نامہ بر اور جذبِ عشق سے ہے امید
وہ آپ آتے ہیں یا کچھ جواب آتا ہے

کہا ہے کیا مری جانب سے چارہ سازوں نے
کہ ان کی شکل سے مجھ کو حجاب آتا ہے

وہ پوچھتے ہیں کہیں منہ سے پھوٹ بھی سائل
سوا سکوت کے کچھ بھی جواب آتا ہے

○

حرم کی راہ میں اے شیخ کیا میخانہ آتا ہے
کہ مجھ کو یاد اپنا نالۂ مستانہ آتا ہے

نگاہِ چشمِ ساقی نے کیا ہے دل میں گھر جس کے
اسی کو کھینچنا کچھ نالۂ مستانہ آتا ہے

مجھے دیکھا تو بولا قیس اک اک خارِ صحرا سے
ذرا ہشیار ہو جانا کہ اک دیوانہ آتا ہے

مجھے اپنا نہیں ہے غم ہجومِ یاس و حرماں میں
مگر افسوس تجھ پر ہمتِ مردانہ آتا ہے

نگاہِ دوربیں کیا مل گئی ہے جوشِ وحشت میں
مجھے کوسوں نظر ویرانہ ہی ویرانہ آتا ہے

لباسِ مرداں بھی وہ ہوں رہنمائے وادیِ وحشت
مری تربت پہ سر کے بل ہر اک دیوانہ آتا ہے

ادائے سرکشی یہ کہہ رہی ہے شمعِ محفل کی
کہ اب قربان ہونے کو کوئی پروانہ آتا ہے

وہ ہوں ناکامِ الفت میں کہ جلنا بھول جاتا ہے
جو میری شمعِ تربت پر کوئی پروانہ آتا ہے

کرشمہ ہے کسی کے حسنِ عالم سوز کا یہ بھی
یہ کیوں کر مان لوں میں شمع پر پروانہ آتا ہے

عدو جلدی سے کہہ اٹھتا ہے ان کو تو نہیں آتا
وہ مجھ سے جب بھی کہتے ہیں کوئی افسانہ آتا ہے

اسی مسجد میں کیا واعظ نمازِ جمعہ پڑھتے ہو
کہ جس سے دو قدم پر قبلہ رو میخانہ آتا ہے

کیا ہے کچھ اثر تو جذبۂ دل نے کئی دن سے
ادھر اڑ کر غبارِ کوچۂ جانانہ آتا ہے

(الحاق حاشیہ صفحہ ۶۲۴ کا)

رومال معطر ہے محبت کی جو بو سے
یہ ہم نے بسایا ہے شہیدی کے لہو سے

"صدائے عام" دہلی بابت دسمبر ۱۹۳۲ء ص ۲

کبھی آنکھوں میں پھر جاتا ہے عالم بزمِ جاناں کا
کبھی دل میں خیالِ کوچۂ جانانہ آتا ہے

تجھے اے آفریں وحشت خصوصیت تو پیدا کی
وگرنہ وہ مجھے کہتے مرا دیوانہ آتا ہے

اجازت شیخ دیتا ہے شکستِ توبہ کی مجھ کو
کچھ اس انداز سے ساقی لیے پیمانہ آتا ہے

نہ یاں جلوہ کوئی دیکھا نہ واں صورت کوئی دیکھی
نظر ہم کو تو یکساں کعبہ و بت خانہ آتا ہے

دمِ فکرِ سخن مضمون چشمِ یار کا دل میں
کبھی تو عاشقانہ اور کبھی رندانہ آتا ہے

اڑا رکھا ہے عالم میں اسے بلبل کی شورش نے
بھلا گل کو کہاں اندازِ معشوقانہ آتا ہے

گئے وہ دن کہ باتوں سے کسی کی دل بہلتا تھا
کہانی اب تو آتی ہے نہ کچھ افسانہ آتا ہے

مرے گھر پر تو آ کر دیکھ کیا وحشت برستی ہے
نظر میں میری کب مجنوں ترا ویرانہ آتا ہے

سمایا ہے مری آنکھوں میں وہ حسنِ بتاں واعظ
نظر کعبہ میں مجھ کو جلوۂ بت خانہ آتا ہے

مسلماں ہونے پر واعظ وہ کافر ہوں اگر چاہوں
مجھے لینے کو کعبہ آپ ابھی بتخانہ آتا ہے

کسی نے خواب میں شاید دعا مانگی ہے مستی میں
کہ ایسا ابرِ قبلہ جھومتا مستانہ آتا ہے

عجب خلوت کدہ ہم کو ملا ہے کنجِ مرقد بھی
کہ اپنا کوئی آتا ہے نہ یاں بیگانہ آتا ہے

یہ نوبت آ گئی آخر دلِ بیتاب کے ہاتھوں
کہ اب گریہ بھی آتا ہے تو بیتابانہ آتا ہے

تجھی کو محترم ہے یا رب شرابِ ناب میں ڈوبا
حرم میں سائلِ میخوار گستاخانہ آتا ہے



کہا یہ کیا کہ قابو سے نکل جانا بھی آتا ہے
ہمیں اے جان کے دشمن سنبھل جانا بھی آتا ہے

یہ میری جانِ مضطر ہے سمجھ کر کیجئے وعدہ
اسے رہنا بھی آتا ہے نکل جانا بھی آتا ہے

کہے جو کچھ وہ اس کے ہاتھ سے لکھوا کے لے آنا
کہ اس بدعہد کو قاصد بدل جانا بھی آتا ہے

مری تنہائی کی تجھ کو عبث ہے فکر اے ہمدم
مجھے رونا بھی آتا ہے بہل جانا بھی آتا ہے

مثالِ شمعِ محفل ایک رونا ہی نہیں آتا
ہمیں مانندِ پروانے کے جل جانا بھی آتا ہے

کہیں طوفاں نہ پھر برپا کرے اشک ڈرتا ہوں
کہ اکثر طفلِ ابتر کو مچل جانا بھی آتا ہے

نہ کیوں کر بدگماں ہوں میں کہ قاصد مجھ سے کہتا ہے
مجھے کوچہ میں اس کے سر کے بل جانا بھی آتا ہے

سکھانا غیر کو منظور ہے اور مجھ سے کہتے ہیں
کہ تجھ کو امتحاں کے وقت ٹل جانا بھی آتا ہے

تجھے آنا تو آتا ہے مرے گھر وصل کی شب میں
سرِ بالینِ دشمن اے اجل، جانا بھی آتا ہے

لپٹ کر تیرے چلنے سے معطر ہو رہا ہوں میں
نسیمِ صبح تجھ کو عطر مل جانا بھی آتا ہے

خدا کے واسطے سائل نہ لے چل سوئے میخانہ
کہ میرے پائے توبہ کو پھسل جانا بھی آتا ہے



وہ جلوے ہیں کہ دل محوِ تماشا ہو ہی جاتا ہے
حرم پر بتکدے کا اب بھی دھوکا ہو ہی جاتا ہے

محبت بھی کہیں دنیا میں بے تاثیر ہوتی ہے
کسی کو تو کسی کے دل پہ دعویٰ ہو ہی جاتا ہے

مرے اشعار سنتے ہی کلیجہ تھام لیتے ہیں
اثر انگیز آخر دردِ دل کا ہو ہی جاتا ہے

تمہاری شوخیاں برہم زنِ عالم ہی ہیں لیکن
ہماری آہ سے بھی حشر برپا ہو ہی جاتا ہے

نہ کھینچے بھول کر آہیں نہ روئے بیٹھ کر تنہا
محبت ہے اگر کچھ بھی تو رسوا ہو ہی جاتا ہے

نکل کر آہ دل سے آسماں رس ہو ہی جاتی ہے
ٹپک کر آنکھ سے قطرہ بھی دریا ہو ہی جاتا ہے

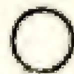
تصور سے تمہارے دل کو تسکیں دے ہی لیتے ہیں
تم آؤ یا نہ آؤ کام اپنا ہو ہی جاتا ہے

دمِ رفتار دنیا میں قیامت ہو ہی جاتی ہے
دمِ گفتار اعجازِ مسیحا ہو ہی جاتا ہے

بگڑتے کیوں ہیں اتنے آپ میری بدگمانی پر
محبت دل میں ہوتی ہے تو کھٹکا ہو ہی جاتا ہے

یہی عالم ہے برسوں سے جہاں فصلِ بہار آئی
نہیں بچتی مری توبہ کچھ ایسا ہو ہی جاتا ہے

بھروسہ مبدءِ فیاض پر رکھتا ہے کیا کیا کچھ
سخن سنجوں میں سائل کو جو دعویٰ ہو ہی جاتا ہے



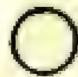
کس ادا سے وہ ہائے جاتا ہے
اک قیامت اٹھائے جاتا ہے

تیغِ الفت میں وہ مزہ ہے کہ دل
زخم پر زخم کھائے جاتا ہے

پاس کیونکر ہو اس ستم گر کا
روز پیغام آئے جاتا ہے

ایسی غفلت پہ کیوں نہ مر جاؤں
یاد اپنی دلائے جاتا ہے

جان کا اب خدا ہی حافظ ہے
آفتیں دل اٹھائے جاتا ہے
دل تو جی چھوڑ بیٹھتا کب کا
عشق ہمت بندھائے جاتا ہے
بے اثر ہی سہی مرا رونا
بات تو کچھ بنائے جاتا ہے
بھید کچھ ہے کہ غیر کو دربان
گالیاں بھی سنائے جاتا ہے
موت کہتی ہے التجاؤں پر
کیوں مری جان کھائے جاتا ہے
کس بلا کا ہے بادہ کش مائل
جام پر جام اڑائے جاتا ہے



اس کے کوچہ سے جو گزرتا ہے
وہ سمجھتا ہے مجھ پہ مرتا ہے
کیوں وہ بنتا ہے کیوں سنورتا ہے
کیا مرا امتحان کرتا ہے
موت کا وہ بہانہ کرتا ہے
نہیں مرتا جو تجھ پہ مرتا ہے
ہم اسی دم کو دم سمجھتے ہیں
جو تری یاد میں گزرتا ہے
ابرِ رحمت برسنے جاتے ہیں
جس طرف ہو کے وہ گزرتا ہے
ہیبتِ حق اسی کو کہتے ہیں
محتسب میکشوں سے ڈرتا ہے
کیوں نہ خوشبو دہن ہو غنچہ کا
رات بھر تیری یاد کرتا ہے
وہ فرشتوں سے ہو نہیں سکتا
جو یہ انسان کر گزرتا ہے
جس کی تجھ پر نگاہ پڑتی ہے
آہ بے اختیار کرتا ہے
جس پہ ہوتا ہے لطفِ پیرِ مغاں
میکدہ میں خدائی کرتا ہے
کوئے جاناں اسی کو کہتے ہیں
خونِ عاشق جہاں بکھرتا ہے
بات الٹی ہے تیرے ان کے
دل کے اندر کا زخم بھرتا ہے
شیخ پھر شیخ ہی نہیں رہتا
بزمِ رنداں میں جب بپھرتا ہے
یہ تو فرمائیے دیکھتے ہی مجھے
خون آنکھوں میں کیوں اترتا ہے
کیوں دکھاتا ہے جابجا جلوے
کیوں مجھے بے قرار کرتا ہے

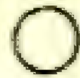
کس قدر شوخ ہے ستم ایجاد | قتل کرتا ہے اور مکرتا ہے
اے حباب اس جہانِ فانی میں | کس بھروسہ پہ تو ابھرتا ہے
وہ ہے میدان دل میں عاشق کے | لشکرِ غم جہاں اترتا ہے

ساری خلقت خدا سے ڈرتی ہے
ایک مائل بتوں سے ڈرتا ہے



کھینچتا ہوں جو کبھی آہ تو گھر جلتا ہے | ضبط کرتا ہوں تو اپنا ہی جگر جلتا ہے
شمع سا جلنے دو گر داغِ جگر جلتا ہے | میرے گھر میں تو چراغ آٹھ پہر جلتا ہے
اس قدر سینہ میں اب داغِ جگر جلتا ہے | کہ مرے سائے سے ہر سنگ و شجر جلتا ہے
کچھ سمجھتے ہیں مجھے دل میں جو یہ کہتے ہیں | جس سے ہم ملتے ہیں اس سے یہ بشر جلتا ہے
دل میں پروانہ کے کیا آگ بھری ہے یا رب | شعلۂ شمع پہ پڑتے ہی نظر جلتا ہے
جوشِ وحشت میں یہ ہیں آہِ شرربار کے رنگ | کہ کبھی دشت ہے پھنکتا کبھی گھر جلتا ہے
اک نہ اک روز جہنم کو بجھا ہی دے گا | اس کے شعلوں سے مرا دیدۂ تر جلتا ہے
ہم ترے دل میں بھی گھر کرتے ہوئے ڈرتے ہیں | کہ جہاں رہتے ہیں جا کر وہیں گھر جلتا ہے
دور اندیش ملا ہے مجھے ناصح کتنا | کہ شبِ وصل کی بھی سن کے خبر جلتا ہے
ایسی کہتا ہے کہ تلووں ہی سے لگ جاتی ہے | مجھ سے کچھ ناصحِ بیدرد مگر جلتا ہے
رنگ لایا ہے مرا دردِ جگر آخر کار | کہ وہ ہر وقت یہ کہتے ہیں کہ سر جلتا ہے
فرقتِ یار میں ہوتا ہی نہیں دل ٹھنڈا | اور جلنے سے ترے بادِ سحر جلتا ہے
لے چلے ہیں مجھے دوزخ میں فرشتے دیکھوں | آج وہ بجھتی ہے یا دیدۂ تر جلتا ہے
عاشقوں کی تو ہے ہر بات سے ہر بات کو لاگ | کہ محبت کی دعا سے بھی اثر جلتا ہے
کیوں لفافے پہ لکھا تم نے قلم سے اپنے | کہ مرے نام سے ہر فردِ بشر جلتا ہے
نہ بجھی آگ پسِ مرگ بھی دل کی نہ بجھی | کہ مری قبر کا ہر سنگ و شجر جلتا ہے

فائدہ کیا کہ کہیں شعر بہت سے مائل
یہ طرح وہ ہے کہ ہر عیب و ہنر جلتا ہے



یوں مرے دل میں داغ جلتا ہے — جیسے گھر میں چراغ جلتا ہے
ہاتھ رکھنا نہ بھول کر بھی کبھی — میرے سینے کا داغ جلتا ہے
مجھ سے واعظ جلا تو کیا ہے عجب — بلبلوں سے تو زاغ جلتا ہے
شب کو کیا آئیں وہ کہ جلووں سے — ہر قدم پر چراغ جلتا ہے
کیا کریں کر کے منتِ درباں — ہم سے وہ بد دماغ جلتا ہے
ضبط کر ضبط بلبلِ ناداں — تیرے نالوں سے باغ جلتا ہے
گرمِ رفتار ایسے کیوں آئے — مثلِ آتش سراغ جلتا ہے
داغِ دل کا مرے نہیں جلتا — اس کے گھر میں چراغ جلتا ہے
بادۂ آتشیں سے سینے میں — میں یہ سمجھا ایاغ جلتا ہے
دل کے داغوں سے شعلے اٹھتے ہیں — آتشِ گل سے باغ جلتا ہے
خشک ہوتا ہے آہ سے دریا — سوزشِ دل سے راغ جلتا ہے
آتشِ عشق جب بھڑکتی ہے — پہلے دل اور دماغ جلتا ہے

میری ہمت کو دیکھ کر مائل
دلِ اہلِ فراغ جلتا ہے



وہ جس رستے سے ہو کر فتنۂ عالم نکلتا ہے — دل و جاں کا ہر اک کرتا ہوا ماتم نکلتا ہے
کوئی پوچھے تو ہم سے تلخ کامی دردِ الفت کی — ہزاروں بار فرقت میں ہمارا دم نکلتا ہے
مجھے حاصل ہیں ہجر و وصل دونوں اک زمانے میں — نہ دل سے وہ نکلتے ہیں نہ ان کا غم نکلتا ہے
دلِ مضطر ہوا پہلو میں آخر اس طرح ٹھنڈا — کہ جیسے مرغِ بسمل کا تڑپ کر دم نکلتا ہے
شبِ فرقت میں کیا امید رکھوں چارہ سازوں سے — مرے دم نکلتے تک آتے اجل کا دم نکلتا ہے

محبت نے اثر اپنا دکھایا ہے دمِ آخر
کہ اس کے زانوئے نازک پہ اپنا دم نکلتا ہے

خدا کے واسطے یارو نہ چھیڑو عشق کا قصہ
یہ ذکرِ خیر سننے سے ہمارا دم نکلتا ہے

گئے الفت بپا کرتے ہیں کیسے بے تکلف ہم
نہ جامِ زر نکلتا ہے نہ جامِ جم نکلتا ہے

غضب حسرت پرستی ہے ہر اک آنسو کے قطرے پہ
لہو بن کر جب آنکھوں سے دلِ پرغم نکلتا ہے

غضب کا حسن پایا ہے قیامت کی ہے زیبائی
اسے جس رنگ میں دیکھا نیا عالم نکلتا ہے

نہ کیوں اہلِ نظر آئیں ترے در پہ سر افگندہ
سمجھتے ہیں جسے تجھ سا نہایت کم نکلتا ہے

بس اب رخصت ہو گلشن سے چمن سے لالہ و گل سے
سحر ہونے کو ہے خورشید لے شبنم نکلتا ہے

پڑیں اس عقل پر پتھر نہ سمجھے ہم کہ ہم کیا ہیں
ہر اک جلوہ سے دیکھا جلوۂ آدم نکلتا ہے

وہ شوخی سے یہ کہتے ہیں مرے گھر میں نہ رہیے گا
کہا میں نے جوان سے یوں کہ تم پہ دم نکلتا ہے

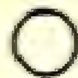
حسیں جتنے ہیں دنیا میں انھیں دیکھا کرے بیٹھا
کسی کا مدعا ان سے نہایت کم نکلتا ہے

نہایت بے تکلف حضرتِ واعظ نکلتے ہیں
نکلنے کو تو میخانے سے اک عالم نکلتا ہے

قیامت کچھ اٹھائیگا دکھائے گا اثر نالہ
کہ جان و دل کو کرکے درہم و برہم نکلتا ہے

پڑا ہے زلفِ جاناں میں مری قسمت کی خوبی ہے
تجھے سودا ہے مشاطہ پیچ و خم نکلتا ہے

یقیں حضرتِ مائل مری مٹی ہے کعبہ کی
کہ جائے اشک آبِ چشمۂ زمزم نکلتا ہے



مثل سچ ہے کہ ناقابل ہی ناقابل سے ملتا ہے
ترا دربان ہمارے ناصحِ جاہل سے ملتا ہے

نشانِ ناوکِ جاناں دلِ بسمل سے ملتا ہے
پتہ سر کا ہمارے خنجرِ قاتل سے ملتا ہے

مرقع خانۂ کعبہ ہے حسن و عشق کا گویا
کہیں محراب ابرو سے کہیں یہ دل سے ملتا ہے

بہت آسان ہے جامِ مے کوثر کا مل جانا
شرابِ ناب کا ساغر بڑی مشکل سے ملتا ہے

ہمارے ساتھ چل کعبہ کو اے واعظ دکھا دینگے
نشانِ صاحبِ خانہ کئی منزل سے ملتا ہے

خدا سے بھی کرے کچھ عرض مقتل میں کہ قسمت سے
جواب اس کا زبانِ خنجرِ قاتل سے ملتا ہے

غبارِ وادیٔ مجنوں کی بے تابی کو دیکھو تو
کبھی ناقے سے ملتا ہے کبھی محمل سے ملتا ہے

رہوں کعبہ میں کیوں بیٹھا دعا مانگوں تو کیا مانگوں
خدا کا ہے کرم مجھ پہ کہ ہر بت دل سے ملتا ہے

ہمیں کیوں فکر ہو اس کی کہ یہ ہی رنگِ دنیا ہے
کوئی ناقص سے ملتا ہے کوئی کامل سے ملتا ہے

تڑپتا ہے ادب سے اس زمینِ پاک پر جا کر
پتہ گنجِ شہیداں کا ترے بسمل سے ملتا ہے

سنوں ناصح کی کیونکر میں سمجھ اتنی تو رکھتا ہوں
یہ رستہ دو قدم چل کر رہِ باطل سے ملتا ہے

خیالِ غیر میں ڈوبی نگاہیں اس کی رہتی ہیں
مجھے کیونکر یقیں آئے کہ وہ بت دل سے ملتا ہے

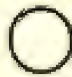
کوئی دیکھے تو اس دم ڈوبتے کی یاس کو دیکھے
جوابِ ناامیدی جب لبِ ساحل سے ملتا ہے

جہاں غنچہ نظر آیا نگاہیں اس کی کہتی ہیں
نشانہ اس کو بھی کر لیں کہ یہ بھی دل سے ملتا ہے

سنا دیتا ہے موسیٰ کو خدا بھی باتوں باتوں میں
جسے انساں کہتے ہیں بڑی مشکل سے ملتا ہے

جو موجیں ہیں تو اس کی ہیں جو طوفاں ہے تو اس کا ہے
حقیقت آشنا قطرہ کہاں ساحل سے ملتا ہے

شرابِ ناب کے ساغر کہا کرتے ہیں یہ اکثر
ہمارا سلسلہ جا کر دلِ مائل سے ملتا ہے



مثل سچ ہے خدا بھی مرشدِ کامل سے ملتا ہے
ہمیں جو کچھ بھی ملتا ہے وہ اپنے دل سے ملتا ہے

رگِ جاں سے بڑھو آگے تو داغِ دل سے ملتا ہے
نشانِ آتشِ ایمن ہر اک منزل سے ملتا ہے

محبت کا مزہ تجھ کو تو سوزِ دل سے ملتا ہے
تجھے ناصح بتا کیا سعیٔ لاحاصل سے ملتا ہے

جہازِ عالمِ ہستی پڑا ہے کس تلاطم میں
کبھی دریا سے ملتا ہے کبھی ساحل سے ملتا ہے

خدا بھی یہ ہی کہتا ہے صنم بھی یہ ہی کہتے ہیں
اسی سے ہم تو ملتے ہیں جو ہم سے دل سے ملتا ہے

وہ کہتا ہے کہ شرق و غرب کے گوشوں میں ڈال آؤ
تڑپنے میں کوئی بسمل اگر بسمل سے ملتا ہے

صدا اعجاز سے حسن کی فلک تک حسن کرتی ہے
ترا لہجہ تو اے واعظ اسی سائل سے ملتا ہے

خدا کے گھر کا رستہ لیں اگر بدلے ذرا تیور
مٹے ہیں اس ادا پہ ہم کہ وہ بت دل سے ملتا ہے

جو پوچھا میں نے مجنوں سے مزاج اچھا ہے حضرت کا
کہا ہنس کر یہ دیوانہ کسی عاقل سے ملتا ہے

جلالِ حسن کے پردے اٹھا کر آزماتے ہیں
خطابِ عاشقِ صادق بڑی مشکل سے ملتا ہے

شبِ مہتاب میں کیونکر مجھے دھوکا نہ ہو جائے
کہ تیرا ہو بہو چہرہ مہِ کامل سے ملتا ہے

دلِ عاشق کو شوخی سے کہیں جمنے نہیں دیتا
کبھی حق سے ہے جا ملتا کبھی باطل سے ملتا ہے

سنانِ غیر کا شکوہ نہ تیرِ یار کا شکوہ
ہم اس پر جان دیتے ہیں جو ہم سے دل سے ملتا ہے

چھلیں چھالے تو چھلنے دو چبھیں کانٹے تو چبھنے دو
مزہ غربت کا دونا دوریِ منزل سے ملتا ہے

نکلواتے ہیں کیوں مجھ کو کہ یہ تو رسمِ دنیا ہے
جو آتا ہے وہ پہلے صاحبِ محفل سے ملتا ہے

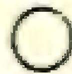
شرابِ عشق سے زاہد ذرا ہشیار کر دل کو
کہ جس کو ڈھونڈتا ہے تو وہ اک غافل سے ملتا ہے

خدا کی تو خدا جانے مگر بت خانے میں یہ ہے
جسے اپنا سمجھتا ہے وہ اس سے دل سے ملتا ہے

مرا ایماں مری توبہ ڈبو دیں گے وہ ساغر میں
کہ آج انداز ان کا ساقیِ محفل سے ملتا ہے

نکل جاتا ہے دیوانہ ہزاروں کوس وحشت میں
جو ہو غافل ذرا دل سے بڑی مشکل سے ملتا ہے

ادائے کج کلاہی کہہ رہی ہے وہ گلِ رعنا
چمن میں میکدے میں میرزا اثل سے ملتا ہے



نہ کہو سینۂ انساں میں جگر ہوتا ہے
یوں کہو اک ہدفِ تیرِ نظر ہوتا ہے

مجھ سے ہی کہتے ہیں وہ حال کو سن کر میرے
کوئی ایسا بھی زمانے میں بشر ہوتا ہے

جس کی عادت ہی تغافل ہو اسے کیا کیجے
یہ تو مانا کہ محبت میں اثر ہوتا ہے

کبھی اس خرقہ و عمامہ پہ واعظ کیجے
بزمِ رنداں میں بھی حضرت کا گزر ہوتا ہے

نہیں ہوتی تو دعا میں نہیں ہوتی تاثیر
اور جو ہوتا ہے تو باتوں میں اثر ہوتا ہے

وہ دعا نوح کی تھی جس نے اٹھایا طوفاں
دیکھیے تجھ سے بھی کچھ دیدۂ تر ہوتا ہے

وہ اثر دے مرے اللہ کہ وہ کہہ اٹھیں
ٹکڑے ٹکڑے تری باتوں سے جگر ہوتا ہے

محو کہتے ہیں اسے دیکھ تو اے رشکِ قمر
داغ بھی دل پہ مرے رشکِ قمر ہوتا ہے

بے اثر دیکھ کے جب کہتے ہیں وہ رونے دو
انفعال اور بھی اے دیدۂ تر ہوتا ہے

مذہبِ عشق بھی کیا چیز ہے جس کا رہرو
دین و دنیا سے بس اک دم میں ادھر ہوتا ہے

ایک ہم ہیں کہ رہی دل میں تمنائے سحر
ایک وہ ہیں جنھیں اندوہِ سحر ہوتا ہے

یاد آتا ہے وطن سے ہمیں اپنا آنا
جب کسی دوست کا دنیا سے سفر ہوتا ہے

آگ کیا دل میں بھری ہے کہ عیاذاً باللہ
لب پہ آتے ہی مرا نالہ شرر ہوتا ہے

نہ رہے وہم تمنا بھی یہ شوخی دیکھو
صاف کہہ دیتے ہیں جو مدِّ نظر ہوتا ہے

نظر آتا ہے مجھے اور ہی کچھ اب تو رنگ
لب سے جو نالہ نکلتا ہے شرر ہوتا ہے

بے دلی میں صنم خانے کو جانا ایسا
جیسے افلاس میں کعبہ کا سفر ہوتا ہے

محتسب جام کہیں دل ہے ذرا دیکھ کے توڑ
دل میں ان ان کے اللہ کا گھر ہوتا ہے

دیکھنے آگئے دیوانہ سمجھ کر مجھ کو
بڑھ کے الفت سے تو وحشت میں اثر ہوتا ہے

صبح کے وقت جو ہوتی ہے تسلی دل کو
آپ سے ملتا ہوا رنگِ سحر ہوتا ہے

کیا ہی ہوتا ہوں خجل اس حرکت سے مائل
کبھی مسجد میں جو بھولے سے گزر ہوتا ہے

○

تصور جب کسی کا جلوہ ریزِ نور ہوتا ہے
تو داغ ایک ایک دل کا رشکِ شمعِ طور ہوتا ہے

کہاں کا وصل کیا ہجر کچھ ہے اور ہی عالم
نہ ظالم مجھ سے نزدیک اور دل سے دور ہوتا ہے

عروجِ عشق تھا جس کے مقدر میں ملا اس کو
انا الحق کہنے کو کہنے کوئی منصور ہوتا ہے

وہی بیجا وہی نفرت وہی کھنچاوہی وحشت
خیالِ یار دل میں رہ کے کوسوں دور ہوتا ہے

دعائے وصل بھی کرلی پیامِ قتل بھی بھیجا
نہ وہ مقبول ہوتی ہے نہ یہ منظور ہوتا ہے

یہ مانا تم نہیں ملتے نہیں ملتے رقیبوں سے
مگر سنتے بھی ہو یاروں میں کیا مذکور ہوتا ہے

اب آگے کون سا برتاؤ ہے اللہ کیا کیجے
پرستش سے وہ کافر اور بھی مغرور ہوتا ہے

نہ دورِ چرخ کا کھٹکا نہ بیمِ مرگ کا دھڑکا
ترے کوچہ میں عاشق ہر خطرے سے دور ہوتا ہے

قبولِ عام تو دیکھو کہ طوفِ کعبہ میں اکثر
زبانوں پر کلامِ مائلِ مغفور ہوتا ہے

○

ذرّے ذرّے سے ترا جلوہ عیاں ہوتا ہے
کب حقیقت کا تری ہم سے بیاں ہوتا ہے

جس میں ہوتا ہے وہی جانِ جہاں ہوتا ہے
ہر بشر میں تو یہ انداز کہاں ہوتا ہے

یہ تو کہنے ہی کی باتیں ہیں کہ یاں ہوتا ہے — وہ خدا جانے ستم گار کہاں ہوتا ہے

بڑھتے بڑھتے تری توقیر بڑھے گی واعظ — رفتہ رفتہ کرمِ پیرِ مغاں ہوتا ہے

وہ مری جان ہے جو نقلِ علی کہتی ہے — وہ ترا نام ہے جو وردِ زباں ہوتا ہے

ایسے مٹتے ہیں کہ مل جاتے ہیں تجھ میں جا کر — خاکساروں کا ترے نام و نشاں ہوتا ہے

اب اڑے جاتے ہیں اس چرخِ بریں کے پرزے — دلِ بے تاب مرا گرمِ فغاں ہوتا ہے

جان سے اس کو سوا رکھتے ہیں عاشق جو عزیز — ان کے دل میں تو کوئی رازِ نہاں ہوتا ہے

حشر سے بھی تو نہیں اشک کو اٹھتے دیکھا — کس قدر آنکھ سے گر کر یہ گراں ہوتا ہے

راہِ الفت بھی غضب راہ ہے دشوار گذار — جو مرحلہ اس میں نہ منزل کا نشاں ہوتا ہے

ان حسینانِ جہاں میں بھی ہے تفریق ضرور — جانِ جاں کوئی، کوئی جانِ جہاں ہوتا ہے

وہ تو ہے مجھ میں سمایا یہ فلک پر پہنچی — اثرِ آہِ رسا اس پہ کہاں ہوتا ہے

میں نے پوچھا کہ فدا غیر بھی ہوتا ہے کبھی — کس ادا سے وہ یہ کہتے ہیں کہ ہاں ہوتا ہے

سن کے بولے مری بے تابیِ دل کا قصہ — ایسی باتوں سے تو مجھ کو خفقاں ہوتا ہے

ہے خدا جانے کہ کس ملت و دیں کا مائل
کہ کبھی شیخ کبھی پیرِ مغاں ہوتا ہے



بندہ جب عذر خواہ ہوتا ہے — جوشِ عفوِ الٰہ ہوتا ہے

دل ہے کیا لے کے وہ بھی کہتے ہیں — لے کے دینا گناہ ہوتا ہے

کچھ عجب رنگ دل کے ہوتے ہیں — جب وہ جادو نگاہ ہوتا ہے

دل نہیں ان بتوں کے ہاتھوں سے — گھر خدا کا تباہ ہوتا ہے

کیوں نہ روؤں کہ نامہ بر میرا — قتل اور بے گناہ ہوتا ہے

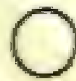
وصفِ مژگاں میں شعر بھی اپنا — ناوکِ بے پناہ ہوتا ہے

عشق میں وہ ہے دشمنِ جانی — جو کوئی داد خواہ ہوتا ہے

روئے ساقی سے بزمِ صہبا میں — جلوۂ مہر و ماہ ہوتا ہے

وہ ہوں بے تاب میں تو جب جانوں کارگر تیر آہ ہوتا ہے
راہِ الفت میں اہل ہمت کا رہنما سنگِ راہ ہوتا ہے
بادہ خواروں کو تو برا کہہ کر شیخ کیوں روسیاہ ہوتا ہے
خط کتابت تو غیر سے رکھیں اور ہم سے نباہ ہوتا ہے
توڑنا محتسب کے دل کا بھی میکدے میں گناہ ہوتا ہے

میکدہ میں جب آتے ہیں مائل
ساتھ اک کج کلاہ ہوتا ہے



اسے جب تک سرورِ بادۂ گلنار رہتا ہے چہکتا شیخ مثلِ بلبلِ گلزار رہتا ہے
اسی کے دستِ گردش میں یہ کاروبار رہتا ہے کبھی غافل نہیں رہتا فلک ہشیار رہتا ہے
ادھر ہی سر فروشوں کا ترے بازار رہتا ہے جدھر ابرو ترا کھینچے ہوئے تلوار رہتا ہے
بلائے توبہ سے کہدو کہ وہ بچ کر نکل جائے مرے در پر گدائے خانۂ خمار رہتا ہے
گرا کرتی ہے برقِ جلوہ ہر رندِ بلاکش پر ہمیشہ میکدہ اپنا تجلی زار رہتا ہے
دلِ بے تاب کہتا ہے نظر آتے ہی مینا نہ جہاں میں رہنمائے کوچۂ دلدار رہتا ہے
لگاتی ہیں عجب بچھا ادائیں اس کے دامن کی دلِ عاشق میں بڑھتا زخم دامندار رہتا ہے
اسے کس نے سکھایا یہ گلاب اتنا شراب آئی مگر صحبت میں واعظ کی کوئی میخوار رہتا ہے
غم و دردو الم ہی کیا امیر آتے ہیں سارے ہی ہماری بارگاہِ دل میں اک دربار رہتا ہے
کرم فرما مرے رضواں کبھی جو آنکلتے ہیں ترا ہی تذکرہ اے کوچۂ دلدار رہتا ہے
کچھ ایسا صور پھنکتا ہے وفاداری کے عالم میں مصیبت کی قیامت میں خدا ہی یار رہتا ہے
کرامت سے تم اپنی خانقہ کو شیخ سرکادو مری دیوارِ میخانہ کا ہم آشنا رہتا ہے
نہ آیا رحم جو اس کو فلک سے خون برسے گا دعا کے ساتھ میرا دیدۂ خونبار رہتا ہے
تجھے کیوں کر پسند آئے ہماری بزم آرائی ترے دل میں خیالِ محفلِ اغیار رہتا ہے

نظر آتے ہیں جو سارے در و دیوار رحمت کے
اسی کوچہ میں شاید مائلِ میخوار رہتا ہے

○

وہ بن کر وصلِ گل کا طرۂ طرار رہتا ہے
کفِ ساقی پہ جب تک ساغرِ سرشار رہتا ہے

مرے دل میں جوشِ شکوۂ اغیار رہتا ہے
دعاؤں سے مری برہم مزاجِ یار رہتا ہے

خدا جانے کہ کیا خوبی ہے واعظ کی بہشتوں کی
ترے کوچہ میں جو رہتا ہے بے آزار رہتا ہے

نقابیں اس کی کس کس کو جوابِ لن ترانی دیں
خدا تک بھی تو اس کا طالبِ دیدار رہتا ہے

نگاہِ ناز نے اس کی کیا ہے مجھ کو دیوانہ
ادھر بے ہوش رہتا ہے ادھر ہشیار رہتا ہے

ٹپک پڑتے ہیں اشکِ خوں مری چشمِ تحمل سے
ترا اخفائے غمِ الفت وہ دل آزار رہتا ہے

در بیت خانۂ الفت وہ زنداں ہے معاذ اللہ
جہاں ایماں اسیرِ حلقۂ زنار رہتا ہے

وہ آئیں کیا عیادت کو عدو نے کہہ دیا ان سے
کہ اس کا موت کے منہ میں دلِ بیمار رہتا ہے

درِ میخانہ پر ساقی پڑا رہتا ہوں جب تک میں
غمِ دنیا غمِ عقبیٰ سے دل بیزار رہتا ہے

نہ پایا گنجِ مرقد بھی مقامِ عافیت ہم نے
قیامت کا یہاں خطرہ پسِ دیوار رہتا ہے

درِ کعبہ سے کہتا ہوں صنم خانہ کو سمجھا تُو
کہ اپنے جاں نثاروں سے وہ کیوں بیزار رہتا ہے

شراب اچھی سے اچھی ہو مگر عادت ہے واعظ کی
کہ جب تک نہ ہو انکار ہی انکار رہتا ہے

شہادت نامۂ عشاق پڑھتی ہے اجل آ کر
جدھر تلوار کھینچے ابروئے خمدار رہتا ہے

اجل تو ہاتھ ملتی ہے شفا قدموں پہ گرتی ہے
ترے کوچہ میں جب آ کر دلِ بیمار رہتا ہے

مرے سر کے مقدر میں ابھی اڑنا نہیں لکھا
وہ کافر کیش کیوں کھینچے ہوئے تلوار رہتا ہے

تنِ خاکی کو جو اپنے بنائے نور کا پتلا
وہی بن کر غبارِ کوچۂ دلدار رہتا ہے

ہزاروں زخم کاری ہیں کوئی اف بھی نہیں کرتا
خدا جانے کہ کس دھن میں دلِ افگار رہتا ہے

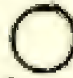
نظر پڑتے ہی میخانہ جنابِ شیخ صاحب کو
نہ توبہ یاد رہتی ہے نہ استغفار رہتا ہے

خدا جانے لگائیں کب وہ تیرِ زہر آلودہ
تمنائے مسیحا میں دلِ بیمار رہتا ہے

جدھر ہو کر نکلتا ہے خرامِ ناز سے اس کے
قیامت کا سا ہنگامہ سرِ بازار رہتا ہے

کسی دن کعبہ جا کر میں خدا کو سونپ آؤں گا
اگر ایماں سے کافر مرے بیزار رہتا ہے

ملا ہے حضرتِ پیرِ مغاں سا ظرف مائل کو
کہ خم کے خم اڑانے پر بھی وہ ہشیار رہتا ہے



کسی کے لب پہ اس کی شان کا اظہار رہتا ہے
کسی کے پردۂ انکار میں اقرار رہتا ہے

ہر اک در پر مرا نالہ ذلیل و خوار رہتا ہے
کبھی بیزار رہتے ہیں جو تو بیزار رہتا ہے

اسیرِ دامِ گیسو کا وہ کا رو بار رہتا ہے
نہ جاں بیکار رہتی ہے نہ دل بیکار رہتا ہے

قیامت کا جہاں فتنہ ذلیل و خوار رہتا ہے
اسی کوچہ میں ان کا فتنۂ رفتار رہتا ہے

مرے نالے کو کیا مشکل قیامت کا بپا کرنا
مرے دل میں خیالِ قامتِ دلدار رہتا ہے

ذرا سے غور کرنے میں قصور اپنا نکل آیا
زباں پر لاؤں کیونکر میں کہ وہ بیزار رہتا ہے

دمِ رفتار پاسِ آبروئے حشر رکھتے ہیں
خیالِ حضرتِ عیسیٰ دمِ گفتار رہتا ہے

نہیں رہتی کسی کی بھی فضیلت بزمِ رنداں میں
سرِ واعظ وہاں ناقابلِ دستار رہتا ہے

سیاہی اپنی زلفوں کی چھڑک دے میرے ایماں پر
اسی سے وہ بتِ کافر اگر بیزار رہتا ہے

سکھاتا ہے چھلکنے کا سلیقہ حوضِ کوثر کو
شرابِ ناب کے ساغر سے جو سرشار رہتا ہے

کہاں کا کفر کیسا کفر بتخانے کی خاطر سے
گلے میں عاشقوں کے رشتۂ زنار رہتا ہے

نہیں کچھ حصر ساقی پر ہر اک ساغر ہر اک شیشہ
ہمارے میکدے میں صاحبِ اسرار رہتا ہے

اسی کی زلف اسی کا رخ سیاہی کیا سفیدی کیا
یہ جھگڑا کیوں تمہارا کافر و دیندار رہتا ہے

کفن کو پردۂ کعبہ لیے جاتا ہے کیوں مائل
صنم خانے کے در پر جب خدائی خوار رہتا ہے



دل میں آنکھوں میں یار رہتا ہے
اور مجھے انتظار رہتا ہے

دے چکے جب کسی کو اے ناصح
دل پہ کب اختیار رہتا ہے

داغ دن کو تو رات کو اختر
یہ بھی ہم کو شمار رہتا ہے

بسملِ نازِ مثلِ قبلہ نما
عمر بھر بے قرار رہتا ہے

نہیں رہتا ہوں آپ میں جب تک
جوشِ فصلِ بہار رہتا ہے

بے خودی کس طرح نہ ہو دل میں
کوئی غفلت شعار رہتا ہے

اور تو اور آپ ہی عاشق
اپنی آنکھوں میں خوار رہتا ہے

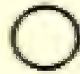
وہ ہی پہلو میں جب مرے نہ رہا
کہیں صبر و قرار رہتا ہے

شوخی و نازکی کے جھگڑے میں
موت کا انتظار رہتا ہے

کبھی دل میں خیال آتا ہے
کبھی آنکھوں میں یار رہتا ہے

دل تو دل ان ستم شعاروں کا
جان پر اختیار رہتا ہے

دن پھرے کیا کہیں آتشی میں
مائلِ بادہ خوار رہتا ہے



ایک ہنگامہ سا ہنگامہ وہاں رہتا ہے
شہر میں جا کے جہاں پیرِ مغاں رہتا ہے

وہ ستم جس سے جہاں گرمِ فغاں رہتا ہے
تیرے اندازِ تغافل میں نہاں رہتا ہے

نہ تو آنکھوں میں نہ وہ دل میں نہاں رہتا ہے
ہم اسے خوب سمجھتے ہیں جہاں رہتا ہے

ہاں شناسا کوئی مل جائے تو پوچھیں اس سے
ہم کہاں آ گئے اور یار کہاں رہتا ہے

توبہ توڑوں گا شبِ مہ میں اسے کر کے گواہ
میرے ہمسایہ میں اک شیخ زماں رہتا ہے

ہم تو مٹ جائیں گے اے چرخ مگر یاد رہے
بے نشانوں کا ہی دنیا میں نشاں رہتا ہے

ہر رگِ سنگ سے جھڑتے ہیں شرارے یارب
کیا کوئی زیرِ زمیں سوختہ جاں رہتا ہے

وہ جوانی ہے نہ وہ جوشِ جنوں اس پر بھی
فصلِ گل رہتی ہے جب تک خفقاں رہتا ہے

میں تو اس بات پہ مرتا ہوں کہ دن میں سو بار
جب میں جاتا ہوں وہ کہتے ہیں کہاں رہتا ہے

چاہتا ہے کہ پسِ مرگ بھی راحت نہ ملے
وہ تصور کہ مرے دل میں نہاں رہتا ہے

کس توقع پہ ہے رحمت کی تمنا واعظ
تیرے ہمسایہ میں کیا پیرِ مغاں رہتا ہے

کبھی تو اور کبھی یاد تری رہتی ہے
کبھی خالی بھی بھلا دل سا مکاں رہتا ہے

کوئی بے کار ہے خونِ نابہ فشانی میری
دم قدم سے مرے گلزارِ جہاں رہتا ہے

شورِ محشر بھی جگائے تو نہ جاگے انساں
زندگی بھر اسے وہ خوابِ گراں رہتا ہے

کس کے اندازِ خموشی نے کیا ہے بے تاب
دل کو جب دیکھیے سرگرمِ فغاں رہتا ہے

لبِ رنگیں کی تبسم دید کا تیرے ہر دم
منتظر دیدۂ خوں نابہ فشاں رہتا ہے

دم بہ دم یاد تری دل میں فزوں رہتی ہے
نام ہر وقت ترا زیبِ زباں رہتا ہے

واعظِ شہر بھی ہے کیا ہی مبارک بندہ
اس کے ہاں بارہ مہینے رمضاں رہتا ہے

ہم نے مائلؔ سا تو دیکھا نہیں رونے والا
ایک دریا ہے کہ آنکھوں سے رواں رہتا ہے



کیا کہوں یہ دلِ پُر داغ چمن کس کا ہے
داغِ نو کس کا ہے اور داغِ کہن کس کا ہے

یہ تو مانا کہ نہیں میری فغاں میں تاثیر
تیری ہر بات میں بے ساختہ پن کس کا ہے

نہ بنا جان پہ تو دوست سمجھ کر اس کو
دلِ ناداں وہ بتِ عہد شکن کس کا ہے

دیکھ تو بے سوا عرصۂ محشر میں تمام
سر بسر خون میں آلودہ کفن کس کا ہے

قطعہ

ایک آزاد سے کل راہ میں پوچھا میں نے
رنگِ عالم میں یہ اے عشق چمن کس کا ہے

جلوہ گر کون ہے اس پردۂ زنگاری میں
حسن ہر ذرے میں یہ عکس فگن کس کا ہے

لبِ معشوق سے دیتے ہیں جو اس کو نسبت
رنگ اڑائے ہوئے یہ لعلِ یمن کس کا ہے

یہ تجلی یدِ بیضا میں کہاں سے آئی ؟
لبِ عیسیٰ پہ یہ جاں بخشِ سخن کس کا ہے

کون ہے وہ جو کنعاں میں گمایا جس کو
اور زلیخا کے لیے چاہِ ذقن کس کا ہے

لبِ منصور سے ہے کون انا الحق کہتا
ہر جگہ تذکرۂ دار و رسن کس کا ہے

ایک عالم یہ حسینانِ جہاں کا دیکھا
نازِ غارتگرِ دیں، توبہ شکن کس کا ہے

طبعِ معشوق میں ہے طرزِ تغافل کس کی
دلِ عاشق میں غم و رنج و محن کس کا ہے

درد میں صبر و شکیبائی کی خو کس کی ہے
جان لے اور مکر جائے یہ فن کس کا ہے

نہ وہ اورنگِ سلیماں ہے نہ تاجِ کاؤس
سکہ کس کا ہے زمانے میں چلن کس کا ہے

وہ اِدھر آئے اگر چار اُدھر جاتے ہیں ملکِ ہستی جسے کہتے ہیں وطن کس کا ہے

چل دیا مصرعۂ برجستہ یہ **مائل** پڑھ کر
اس کے نیرنگ ہیں سارے یہ چمن کس کا ہے



کدھر خیالِ الٰہی اس آسماں کا ہے بناجو دشمنِ جاں مجھ سے خستہ جاں کا ہے

مری ہی فکر میں رہتا ہے رات دن صیاد خیالِ برق کو میرے ہی آشیاں کا ہے

کسی کے آنے نہ آنے کا کچھ نہیں شکوہ اگر گلہ ہے تو کچھ مرگِ ناگہاں کا ہے

عدو کی بزم سے اٹھ آئے آپ گھبرا کر اثر یہ ایک ذرا سا مری فغاں کا ہے

جو وہ ہے درپئے آزار ایک مدت سے خیال ہم کو بھی برسوں سے آسماں کا ہے

ادائے شرم نے تیری کیا ہے راز افشا مرا قصور نہ کچھ میرے رازداں کا ہے

جنوں میں رنج نہیں تنگیِ بیاباں کا خیال میں مرے میدان لامکاں کا ہے

بدل کے طرزِ سخن کی نہ مجھ سے کہہ قاصد سمجھ گیا ہوں یہ جس کے لب و دہاں کا ہے

وہ اٹھتے ہیں مرے پہلو سے دیکھ جذبۂ دل اگر ہے وقت تو یہ ہی کچھ امتحاں کا ہے

خرابیوں سے جو خوش ہوں مرے مقدر میں لکھا ہوا کہیں مضموں مری زباں کا ہے

دلِ فسردہ میں اب بھی ہیں سینکڑوں ارماں یہ مٹ گئے یہ بھی سالارکارواں کا ہے

کبھی چھپاتے ہیں الفت کبھی بگڑتے ہیں جدا جہاں سے کچھ رنگ امتحاں کا ہے

ملی نصیب سے کس در کی آہ دربانی عجیب طالع بیدار پاسباں کا ہے

تمہاری بزم میں روتے ہے شمع کے خوش ہو کسی کے دل میں اثر تو یہ بیاں کا ہے

ملی نہیں ہے ابھی راہ اس کے کوچہ کی خیالِ خام خضر عمرِ جاوداں کا ہے

شراب خانے میں پرتو ہے چشمِ میگوں کا چمن میں عکس تمہارے لب و دہاں کا ہے

سمجھ گیا ترے کوچہ میں پاؤں رکھتے ہی حرم میں دیر میں پرتو جس آستاں کا ہے

چلے ہو دیر سے اٹھ کر جو حضرتِ **مائل**
ارادہ قبلۂ حاجات اب کہاں کا ہے



تو تو وہ صاحبِ اندازِ و ادا ہوتا ہے
نام دنیا میں ترا شانِ خدا ہوتا ہے

یہ تو کہنے کی نہیں بات خدا ہوتا ہے
یوں کہو اس میں کسی روز فنا ہوتا ہے

ان اداؤں کا اگر تیرے سوا ہوتا ہے
تو خدائی میں کوئی اور خدا ہوتا ہے

ہاتھ اٹھاتے ہی مرا بختِ رسا ہوتا ہے
گر مقصد سے بھرا دستِ دعا ہوتا ہے

سر اسی کا تو کہے تیرِ قضا ہوتا ہے
جس کی تقدیر میں شاہِ شہدا ہوتا ہے

میرے سجدے کا نشاں ہو کہ مرا نالۂ دل
کوئے جاناں کا کوئی راہنما ہوتا ہے

مرحلے بے اثری کے ہیں فلک تک لاکھوں
ہمتِ نالۂ شب گیر سے کیا ہوتا ہے

چھوڑنا تم نہ کوئی جور و ستم کا پہلو
کہ مجھے نازشِ اربابِ وفا ہوتا ہے

ایسی بگڑے نہ کسی کی بھی محبت میں ہوا
آہ کھینچوں تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے

کیسے شرمندہ بشر ہیں یہ ملک سے کہہ کر
ان سے کب فرضِ محبت کا ادا ہوتا ہے

میں نے دیکھے ہیں بہت اس کے کرم کے نیرنگ
مجھے معلوم ہے جو روزِ جزا ہوتا ہے

وہ تو آنکھیں ہیں کوئی اور جنابِ موسیٰ
جن کی تقدیر میں دیدارِ خدا ہوتا ہے

آپ آئیں کہ نہ آئیں یہ کہے دیتا ہوں
اک نہ اک روز مرا نالہ رسا ہوتا ہے

بن سنور کر تو گئے مانا، پر آئیں کیوں کر
انھیں باقی ابھی دشمن سے خفا ہونا ہے

رہ گئے پیرِ مغاں در پہ یہ تکتے تکتے
وہی آئے جسے بندے سے غلام ہوتا ہے

ہم قیامت میں دکھا دیں گے جنابِ واعظ
خدمتِ پیرِ خرابات سے کیا ہوتا ہے

ان کی اتری ہوئی مہندی کو اٹھا کر رکھو
اے سوزِ دلِ عاشق کی دوا ہوتا ہے

ہائے ہائے تجھے توبہ کی پڑی ہے واعظ
صور پھنکتا ہے ابھی حشر بپا ہوتا ہے!

آبِ تاثیر میں پیکاں جو بجھا کر ہے چلا
پار اس دل سے تجھے تیرِ دعا ہوتا ہے

دلِ بے تاب تڑپتا جو اُدھر جاتا ہے
تیرے کوچے میں اگر حشر بپا ہوتا ہے

شیخ نازاں ہیں بہت کشف و کرامت پہ بتائیں
کل ہوئی عید تو میخانے میں کیا ہوتا ہے

اس کی حکمت وہی جانے یہ ذرا سا انگور
اس میں وہ قطرہ ہے جو ہوش ربا ہوتا ہے

تم نے میرے سرِ شوریدہ کی کھائی ہے قسم
یہ شکستہ کبھی پیمانِ وفا ہوتا ہے

وہ تو کم بخت کبھی ہوش میں آتا ہی نہیں
حشر میں سائلِ میخوار کا کیا ہوتا ہے



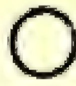
مے کے دو گھونٹ سے واعظ مجھے کیا ہوتا ہے — دو گھڑی کے لیے توبہ سے جدا ہوتا ہے
آج دنیا سے وہ اٹھتا ہے کہ جس کا ماتم — حلقے حلقے میں ترے زلفِ دوتا ہوتا ہے
اک تمھاری ہی جدائی کا نہیں ہے صدمہ — ایک عالم سے شبِ غم میں جدا ہوتا ہے
داورِ حشر کو سنتا ہوں کہ ہے حسن پسند — جو ستم مجھ پہ کریں آپ روا ہوتا ہے
اس کی طرزِ ستم ایجاد کہے دیتی ہے — جو نہ ہونا ہو ستم، اہلِ وفا ہوتا ہے
دیکھ لینا لبِ کوثر پہ جنابِ واعظ — بادہ نوشوں میں یہ انجام مرا ہوتا ہے
رہ کے میخانے میں کیوں شان گھٹاؤں اپنی — قدمِ ساقیٔ کوثر پہ فدا ہوتا ہے
اس میں جو ہے وہ تری تیغِ ادا کا کشتہ — کربلا سا کہیں گنجِ شہدا ہوتا ہے

سوچتا کیا ہے درِ کعبہ پہ مردہ سائل
خاکِ بت خانہ اگر مردِ خدا ہوتا ہے



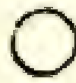
شراب خانے میں ہر اک فقیر اچھا ہے — مرید کیوں نہ ہوں اچھے کہ پیر اچھا ہے
نگاہ کا ہو کہ اس کی کمان کا نکلا ہو — پسند آئے جو دل کو وہ تیر اچھا ہے
اگرچہ رشک ہے پر زلفِ یار کہتی ہے — جنوں کے دام میں مجنوں اسیر اچھا ہے
شراب خانے کے گوشہ میں مر رہو واعظ — گنہ نہ ہو جو صغیر و کبیر اچھا ہے
شراب خانے میں مرنا نہیں برا واعظ — اگر یہاں کا ہے تیرا خمیر اچھا ہے
تمام رات وہ لڑتے ہیں میں جو کہتا ہوں — مرے خیال میں ماہِ منیر اچھا ہے
عطا و لطف و کرم ہو جو ساتھ دولت کے — اسی کو کہتی ہے خلقت امیر اچھا ہے
سحر کو روز ہے جانا مزاج پرسی کو — مری طرف سے یہ نالہ سفیر اچھا ہے

گزر گئے دنیا جہاں میں بڑے بڑے کامل
زمانِ حال میں مائل فقیر اچھا ہے



منصور کہاں رازِ نہاں کھول رہا ہے — اس خاک کے پتلے میں کوئی بول رہا ہے
بلبل ہو کہیں، وقتِ سحر بول رہا ہے — گل بن کے کہیں تیغِ ادا تول رہا ہے
اللہ رے سوزِ دلِ بلبل تری تاثیر — گلزار میں گل بندِ قبا کھول رہا ہے
ہے خوب یقیں وعدہ فراموش نہیں وہ — میزانِ محبت میں ہمیں تول رہا ہے
یہ کس نے ہے کی قطع قبائے گلِ رعنا — ہے تنگ کہیں سے نہ کہیں جھول رہا ہے
یہ زہر ہلاہل تو پلائے گا ہمیں کو — ساقی جو مئے ناب میں تو گھول رہا ہے

مائل نہ رہوں کیونکہ فدا پیرِ مغاں پر
ہر جام سے اسرارِ نہاں کھول رہا ہے



بُرا ہو رہا ہے بھلا ہو رہا ہے — خدا جانے دنیا میں کیا ہو رہا ہے
خبر اس کو کیا ہو کہ کیا ہو رہا ہے — جو اپنا ہی خود مبتلا ہو رہا ہے
یہ پردے ہی پردے میں کیا ہو رہا ہے — کہ دنیا میں محشر بپا ہو رہا ہے
مجھے یاد ہے ہائے کہنا کسی کا — یکایک وہ آ کر کہ کیا ہو رہا ہے
حرم ہے نہ خالی نہ بت خانہ خالی — ترا تذکرہ جا بجا ہو رہا ہے
یہ کس تیغِ ابرو کا ہے دور دورہ — کہ یوں خونِ خلقِ خدا ہو رہا ہے
خدا جانے آگے ہے کیا ہونے والا — ابھی امتحانِ وفا ہو رہا ہے

کوئی سن رہا ہے ترا وردِ مائل
جو یہ حال وقتِ دعا ہو رہا ہے



کس سے خارت ہے الٰہی یہ تماشا کیا ہے (قافیہ بند) کہ تمنا بھی یہ کہتی ہے تمنا کیا ہے

تم تو اندازِ تغافل کا لیے جاؤ مزہ
تم تو پوچھو ہی نہیں تیری تمنا کیا ہے

اک قیامت ہے تری خو میں تغافل کی ادا
ایک آفت ہے مرے دل میں تمنا کیا ہے

اور ہوتا ہے شبِ وصل میں دونا بیتاب
آرزو کیا ہے مرے دل کی تمنا کیا ہے

تم سمجھ لو مری صورت ہی کہے دیتی ہے
میں کہوں کیا کہ مرے دل کی تمنا کیا ہے

سر کے بل لے کے چلی بزمِ عدو میں مجھ کو
میری تقدیر کا لکھّا ہے تمنا کیا ہے

رشکِ ہر ذرّہ ہے مجھ کو کہ ہے یہ کیوں بیتاب
تیرے ملنے کے سوا اور تمنا کیا ہے

یہ تو نکلی ہے نہ نکلے گی مرے دل سے کبھی
تیری الفت ہے مرے دل میں تمنا کیا ہے

ٹھوکریں دیر و حرم کی ہوں میں کھاتا پھرتا
تیری رسوائی ہے یہ میری تمنا کیا ہے

لالہ پُر داغ ہے اور چاک گریباں گل ہر
ان سے پوچھو تو سہی ان کی تمنا کیا ہے

جیسے ارمان مرے دل کے نکالے ہوں کبھی
پوچھتے یوں ہیں وہ مجھ سے کہ تمنا کیا ہے

ہم نے سجدے بھی کیے روئے بھی مر بھی دیکھا
تم نے اتنا بھی نہ پوچھا کہ تمنا کیا ہے

میں سمجھتا ہوں کہ ہے اُن کی طبیعت مجھ پر
وہ بتاتے ہیں یہ کہہ کہہ کے تمنا کیا ہے

زندگی جس کی تصور پہ ترے آ ٹھہرے
اُس کے دل سے کوئی پوچھے کہ تمنا کیا ہے

مجھ کو غم خوار بھی قسمت سے ملا ہے کیا خوب
پوچھتا ہے شبِ غم ہیں کہ تمنا کیا ہے

لن ترانی نے تری آگ لگا رکھّی ہے
ورنہ کیا چیز ہے موسیٰ کی تمنا کیا ہے

اُس کو روتے ہی ہوئے دیر و حرم میں دیکھا
نہیں معلوم کہ مائل کی تمنا کیا ہے



جلوۂ طور ہے کیا اور ید بیضا کیا ہے
اک تبسم نے ترے کام کیا، کیا کیا ہے

ہیں پریشاں نہ سہی آپ کے گیسو ہی سہی
بات تو اتنی ہے پھر اس میں الجھنا کیا ہے

ایک بوسہ پہ جو کہتے ہو تم ایسی تکرار
اس میں نقصان خدا کے لیے ہوتا کیا ہے

ہر نفس موت کے آنے کی خبر دیتا ہے
زندگی کچھ بھی نہیں اس کا بھروسا کیا ہے

حُسنِ یوسف کو کیا مفت جہاں میں بدنام
تیرے نیرنگ ہیں اور خوابِ زلیخا کیا ہے

میری سنتا ہی نہیں اپنی کہے جاتا ہے
تجھ کو اے ناصحِ بے درد یہ سودا کیا ہے

صبح اُٹھتے ہی ترا نام لیا کرتے ہیں
ورنہ گلزار میں غنچوں کا چٹکنا کیا ہے

کس جگر سوختہ کی آنکھ میں آنسو آئے
جو بڑا شور ہے دریا میں کہ دریا کیا ہے

کبھی ہوتے ہیں طلوع اور کبھی ہوتے ہیں غروب
یہ مہ و مہر کا دنیا میں تماشا کیا ہے

یاد دشمن کی اگر دل میں ترے کچھ بھی نہیں
سانس کے ساتھ مرے دل میں کھٹکتا کیا ہے

میں نے دیکھے ہیں بہت اس میں بگڑتے بنتے
میرے دل سے کوئی پوچھے کہ یہ دُنیا کیا ہے

میں نے سمجھا ہے تجھے وہ کہ نہ سمجھے گا کوئی
تو خدا جانے مجھے دل میں سمجھتا کیا ہے

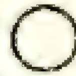
قطرے قطرے سے انا البحر کی آتی ہے صدا
مجھے حیرت ہے کہ پھر ہستیِ دریا کیا ہے

شوق و بیتابی و ارمان و تمنا و امید
ایک دل میں مرے اللہ بھرا کیا کیا ہے

کیا سُناؤں تجھے ہمراز جواب نامہ
کیا کہوں میں مری تقدیر میں لکھا کیا ہے

کبھی کہتا ہوں وہ آئے گا اور اب آئے گا
کبھی کہتا ہوں مری اُس کو تمنا کیا ہے

نہ تو کعبہ ہی میں ٹکتا ہے نہ بت خانہ میں
تجھ کو مائلؔ یہ خدا کے لیے سودا کیا ہے



یار جانی نہیں تو پھر کیا ہے
اک جوانی نہیں تو پھر کیا ہے

دُرِ دنداں کی یاد میں رونا
دُرفشانی نہیں تو پھر کیا ہے

غیر کو کیوں دکھا دیا نامہ
رازدانی نہیں تو پھر کیا ہے

زُلفِ برہم وصالِ دشمن کی
ہاں نشانی نہیں تو پھر کیا ہے

رُخ سے اُٹھتی نہیں نقاب کبھی
لن ترانی نہیں تو پھر کیا ہے

غیر ہے اور آستانۂ یار
پاسبانی نہیں تو پھر کیا ہے

میں نہ بولوں تو چھیڑتے ہیں مجھے
مہربانی نہیں تو پھر کیا ہے

تجھ پہ مرتے ہیں اور نہیں مرتے
سخت جانی نہیں تو پھر کیا ہے

یہ بلا ہجر جس کو کہتے ہیں
آسمانی نہیں تو پھر کیا ہے

سن کے کہتے ہیں وہ مرا احوال
یہ کہانی نہیں تو پھر کیا ہے

گلی کوچوں کی نوجوانی میں
خاک چھانی نہیں تو پھر کیا ہے

چاہے جتنی بڑھے شبِ ہجراں
موت آنی نہیں تو پھر کیا ہے

آہ و زاری سے کام ہے شب و روز
خستہ جانی نہیں تو پھر کیا ہے

کچھ کہوں میں تمھیں یقین نہیں
بدگمانی نہیں تو پھر کیا ہے

لبِ شیریں سے تیرے آبِ حیات
پانی پانی نہیں تو پھر کیا ہے

قابلِ دید ہی سہی یہ جہاں
زندگانی نہیں تو پھر کیا ہے

یہ زمیں اور یہ شوخیاں مائل
خوش بیانی نہیں تو پھر کیا ہے



دوزخ کا کس کو خوف ہے کیوں شعلہ تاب ہے
گر یوں ہی موجزن مری چشمِ پُر آب ہے

دل کش نہ کیوں ادا ہو کہ جوشِ شباب ہے
اور اس پہ یہ غضب ہے کہ مستِ شراب ہے

تاثیرِ آہ میں بھی مگر انقلاب ہے
تسکین ہے کبھی تو کبھی اضطراب ہے

غفلت کا اہلِ دہر کی واعظ گلہ نہ کر
آباد میکدے سے جہانِ خراب ہے

ہمت کو آج بادہ کشوں کی ہے دیکھنا
ساقی کی چشمِ مست کا دورِ شراب ہے

تمکیں یہ چاہتی ہے کسی سے خبر نہ ہو
شوخی یہ کہہ رہی ہے کہاں کا حجاب ہے

واعظ کے کہنے سننے سے توبہ تو کی مگر
ابرِ سیہ نہیں ہے یہ مجھ پر عذاب ہے

کیا چھیڑنے سے فائدہ کہتی ہیں شوخیاں
دو چار روز اور یہ شرم و حجاب ہے

واعظ مجھے بتا تو سہی کیسے توبہ ہو
منہ سے لگا ہوا مرے جامِ شراب ہے

شعلہ جو تن بدن سے نہ نکلے تو ہے عجب
وہ آگ دل میں ہے کہ جگر تک کباب ہے

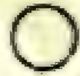
حالت کسی غریب کی ایسی کبھی نہ ہو
جیسی کہ تیری آہ کی مٹی خراب ہے

پیغامبر ہے یار کا یا ہے کوئی رسول
یارب جوابِ خط ہے کہ کوئی کتاب ہے

کیا پوچھتے ہو ہجر میں کب سے ہوں جاگتا
اک عمر سے تو دل میں تمنائے خواب ہے

سچ کہتے ہیں کہ کھینچ کے لے جاتی ہے اجل
قاصد کو واں کے جانے میں کیا اضطراب ہے
قاتل نے ایک ہاتھ میں سر جو اڑا دیا
سب کہہ اٹھے کہ تیغ کی کیا آب و تاب ہے
جلووں کو تیرے دیکھ کے دھوکے میں آ گئے
معلوم یہ نہ تھا ہمیں دنیا سراب ہے
ساقی کو دیکھ دیکھ کے کہتے ہیں بادہ خوار
یا رب یہ ماہتاب ہے یا آفتاب ہے
دیکھی ہیں کیسی کیسی ان آنکھوں نے صحبتیں
ایک ایک داغ دل پہ مرے انتخاب ہے
صورت کو میری دیکھ کے کہتے ہیں اہلِ درد
شاید اس آدمی پہ بھی اس کا عتاب ہے

مائل حضورِ قلب میسر ہو کس طرح
دنیا کے ساتھ دین بھی اپنا خراب ہے



جب کہا، ہوں آپ اب تو جلوہ افگن رات ہے
ہنس کے فرمایا بھلا یہ روزِ روشن رات ہے

بس نہ گھبرا اے دلِ مضطر ہوئی جاتی ہے صبح
اور تھوڑی دیر کر لینے دے شیون رات ہے

وصل میں بڑھتی نہیں اور ہجر میں گھٹتی نہیں
آسماں سے بڑھ کے تو عاشق کی دشمن رات ہے

وصل میں کس کس سے جھگڑیں یا الٰہی کیا کریں
ایک دشمن ہے موذن ایک دشمن رات ہے

بعد مرنے کے بھی عاشق تیرے ہیں کیا تیرہ روز
جس جگہ ان کے بنے دو چار مدفن رات ہے

دن نکلتے ہی کسی جانب چلے جائیں گے ہم
اپنے تو کر لینے دے اپنے در پہ مسکن رات ہے

ایک عالم پھنک رہا ہے خاک اور خس کی طرح
میری آہوں کی شرر باری سے گلشن رات ہے

کیا جہانِ تنگ ہے دیوانگانِ عشق کا
جس میں عکسِ حلقۂ زنجیرِ آہن رات ہے

ہائے وہ بھی کیا ہی دن تھے چلدیے کہتے ہوئے
چاندنی ہے آؤ دیکھیں سیرِ گلشن رات ہے

رات کیسی گر نہیں باور تو آکر دیکھ لے
تیرگی سے دن بھی تو اے شوخِ پُرفن رات ہے

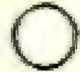
اب بھی یہ دھڑکا ہے کوئی دیکھنے والا نہ ہو
کیوں نہیں در سے اٹھا دیتے ہو چلمن رات ہے

دن کو تیرِ آہ نے سارا جگر چھلنی کیا
آسماں کے دل میں ڈالے گا وہ روزن رات ہے

عشقِ گیسو سے نہیں ہوتی ہے دم بھر بھی نجات
کیا مری تقدیر کی اے شوخ بدظن رات ہے

اب شبِ فرقت کا دنیا سے مٹا جاتا ہے نام
برق ہے آہِ شرر افشاں تو خرمن رات ہے

مانگ لے مائلؔ تجھے جو مانگنا ہے مانگ لے
ہے شبِ قدر آج مثلِ روزِ روشن رات ہے



جس سے ہوتی تھی گفتگو ہم تھے
آپ کہتے تھے جس کو تو ہم تھے

آپ اپنی ہی آرزو ہم تھے
پردہ اٹھا تو ہو بہو ہم تھے

کبھی صہبا کبھی سبو ہم تھے
کبھی مستانہ ہاؤ ہو ہم تھے

وہ تھے لاکھوں میں ایک تیغ بکف
اور ہزاروں میں سرخرو ہم تھے

کچھ سمجھ کر ہی اٹھ گیا ناصح
اُس سے ہونے کو دوبدو ہم تھے

عالمِ قتل کچھ عجب عالم
کبھی خنجر کبھی گلو ہم تھے

کبھی تھے عندلیبِ نالاں ہم | کبھی گلشن کی رنگ و بو ہم تھے
سن کے حیراں نوائے مرغِ سحر | کسے کہتے ہیں تو ہی تو ہم تھے
کبھی وہ پیر کبھی تھے ناصیہ سا | کبھی سرگشتہ کو بہ کو ہم تھے
دلِ بریاں کی تھی تپش ہم سے | چشمِ گریاں کی آبرو ہم تھے
کبھی نامہ تھے اور کبھی پیغام | کبھی اندازِ گفتگو ہم تھے
کبھی پھرتے تھے اپنے دل میں ہم | کبھی آنکھوں کے روبرو ہم تھے
جب حقیقت نظر پڑی تو کھلا | آپ اپنی ہی جستجو ہم تھے
کس کی مائل تلاش تھی ہم کو | کس کی کرتے تھے آرزو ہم تھے

کیوں نہ خوشبو ہو خاک میں مائل
عرقِ صہبائے مشک بو ہم تھے



وہ دن بھی اور وہ راتیں بھی رہیں گی یاد کہتے تھے
ہم اُن کو چھیڑنے کو جب ستم ایجاد کہتے تھے

وہی پیش آگیا آخر کہ ڈالا تفرقہ کیسا
فلک کو کچھ سمجھ کر ہم ستم ایجاد کہتے تھے

کچھ ایسا ہم نے پایا تھا دلِ صیاد پہ قابو
قفس میں تھے پر اپنے آپ کو آزاد کہتے تھے

نہیں کچھ اُن کے جانے سے ہمارے گھر کی ویرانی
ہم اس دنیا کو پہلے سے خراب آباد کہتے تھے

کبھی کھنچتے تھے وہ ہم سے کبھی کھنچتے تھے ہم اُن سے
ہمیں وہ اور ہم اُن کو ستم ایجاد کہتے تھے

وہی ہوں میں ہوس پیشہ کہ سو سو بار جس کو تم
کبھی تو قیس کہتے تھے کبھی فرہاد کہتے تھے

ستم کو لطف مجھے میں اب ایسا دور آیا ہے
کرم کو اک زمانہ تھا کہ ہم بیداد کہتے تھے

کچھ ایسے اب کے بگڑے ہیں کہ ملنے کی قسم کھائی
تلافی اس کی کرتے تھے اگر ناشاد کہتے تھے

نہ آیا وہ بتِ کافر نہ نکلے ہائے وہ ارماں
ہم اپنے دل میں جو جو کچھ دمِ فریاد کہتے تھے

اُسی ظالم نے دیکھو ڈال دی بنیادِ ہجراں کی
ہم اپنے دل میں جس کو چرخِ بے بنیاد کہتے تھے

سخن فہمی نہ کیوں کر حضرتِ محمودؔ[1] کی مانوں
جنابِ میرزا مائلؔ انھیں استاد کہتے تھے

○

آج ہم حالِ شبِ ہجر سنا کر اُٹھے
اُٹھے اُس بزم سے پر حشر اُٹھا کر اُٹھے

غیر کو تیری نگاہوں سے گرا کر اُٹھے
رنگ اپنا ہی سرِ بزم جما کر اُٹھے

تجھ سے محفل میں وہ کیا آنکھ چُرا کر اُٹھے
دلِ افسردہ میں اک آگ لگا کر اُٹھے

اپنے بیگانے ہوئے رازِ نہاں سے واقف
اُن کی محفل سے جو ہم آنکھ چُرا کر اُٹھے

ہم کھڑے بزم میں تکتے ہی رہیں اور وہ شوخ
غیر کو اپنی جگہ ہائے بٹھا کر اُٹھے

وہ یہ کہہ دیں گے کہ ہیں صدمۂ فرقت سے نڈھال
قدم ایسے ہی جو اُس کوچہ میں جا کر اُٹھے

ایک ہم ہیں کہ کھڑے بزم میں منہ تکتے ہیں
ایک وہ ہیں کہ تجھے ساتھ اٹھا کر اُٹھے

میرے شکوے بھی غلط میرے گماں بھی جھوٹے
آپ کیوں شرم سے گردن کو جھکا کر اُٹھے

کچھ نہ کچھ درد تو ہے دل میں تمھارے مائلؔ
باتوں باتوں میں جو یوں ہائے خدا کر اُٹھے

○

برہمن چھوڑ کر بت کو خدا کو یاد کر بیٹھے
طلسم ایسا صنم خانے میں ہم ایجاد کر بیٹھے

---

[1] حکیم محمود علیخاں ارمحمود دہلوی ۱۲

ستم کی صورتیں لاکھوں تو وہ ایجاد کر بیٹھے
کہیں ایسا نہ ہو نالہ دلِ ناشاد کر بیٹھے

بڑی قدرت ہے، اُس بت میں تو میں نے نوں جہاں کیلئے
ہزاروں نقش رنگا رنگ بھی ایجاد کر بیٹھے

وہ کافر کیش ہوں واعظ جو رکھ دوں پاؤں بھولے سے
صنم خانہ میں اک اک بت خدا کو یاد کر بیٹھے

مرے ہوتے نوا سنجی کرے گلزار میں بلبل
تمہارا سامنا گلشن میں اور شمشاد کر بیٹھے

زمانہ کیوں نہ ہو برہم قیامت کیوں نہ ہو برپا
جو کر بیٹھے تمہارا عاشقِ ناشاد کر بیٹھے

دعا مقبول ہو کیونکر کہ کعبہ میں بھی ہم جاکر
کسی کی یاد میں بیٹھے کسی کو یاد کر بیٹھے

نہ اترا پیرہن اترا عکس اُس کے قدِ رعنا کا
بہت اپنی سی کوشش مانی و بہزاد کر بیٹھے

کسی محفل میں مہماں ہو کسی عالم میں بیٹھا ہو
محبت کا مزہ جب ہے کہ ہم کو یاد کر بیٹھے

سبق ایسا پڑھا ہے کہا مجنوں نے مکتب میں
نہ رکھا دین و دنیا کا یہ کیا استاد کر بیٹھے

دل و جاں دین و ایماں مال و زر جو کچھ بھی رکھتے تھے
محبت میں کسی کی ہم سبھی برباد کر بیٹھے

عبث ہے ان حسینوں سے تو امیدِ وفا رکھنی
مرے ہوتے وہ محفل میں عدو کو یاد کر بیٹھے

نوازش مجھ پہ فرما کر چلے آئے عجب کیا ہے
جو اس اجڑے ہوئے گھر کو مرے آباد کر بیٹھے

کہیں روداد کیا یارو کسی سے آشنائی کی
ہماری رفتہ رفتہ پڑ گئی افتاد کر بیٹھے

نہ مجھے یہ بری ہیں عاشقِ ناشاد کی آہیں
کسی کے کہنے سننے سے جو وہ بیداد کر بیٹھے

کہا کرتے ہیں یہ نالے ذرا دل سے تو نکلیں ہم
ہمارا سامنا اور چرخ بے بنیاد کر بیٹھے

حقیقت کچھ نہ دشمن کی نہ درباں کی جو بگڑیں بھی
مگر اُن سے بھی بگڑے گی جو وہ امداد کر بیٹھے

کرے گا میکشی سے جب بھی تو انکار اے واعظ
جنابِ پیرِ میخانہ اگر ارشاد کر بیٹھے

جنابِ عشق جو چاہیں سزا دیدیں کہ مالک ہیں
غلام اُس کا نہیں ہوتا ہے کہ جو آزاد کر بیٹھے

ترحم کر جو اس اتنے نہیں عشاق کیا باقی
کہ تیرے آگے اے کافر تری فریاد کر بیٹھے

ہمیں بھی ہچکیاں آئیں انھیں بھی ہچکیاں آئیں
ہم اُن کو یاد کر بیٹھے وہ ہم کو یاد کر بیٹھے

اگرچہ بے ستوں کا کاٹنا ہے کام ہمت کا
عجب کیا ہے جو جوشِ عشق میں فرہاد کر بیٹھے

کسی کو کچھ کسی کو کچھ بتوں کو فکر رہتی ہے
کہیں ایسا نہ ہو مائلؔ خدا کو یاد کر بیٹھے

وہ جو غم کی شراب دے بیٹھے
دل جگر بھی کباب دے بیٹھے

پھر کہاں ہم جو اپنی مستی بھی
نرگسِ نیم خواب دے بیٹھے

تیری خاطر سے اُس کو ایماں بھی
دلِ خانہ خراب دے بیٹھے

کہیں ایسا نہ ہو شبِ غم میں
زندگانی جواب دے بیٹھے

کوئی ایسا رہا نہ رندوں میں
ہمیں جامِ شراب دے بیٹھے

میں تو کیا چیز ہوں معاذ اللہ
وہ خدا کو جواب دے بیٹھے

اک نفس کی خوشی تو مانگی تھی
عمر بھر کا عذاب دے بیٹھے

اپنے مطلب کی سنتے سنتے وہ
مجھے تعبیرِ خواب دے بیٹھے

اپنی توبہ کا تجھ کو سرمایہ
اے شبِ ماہتاب دے بیٹھے[1]

ہاتھ سے اپنے دونوں عالم کو
ہم سے خانہ خراب دے بیٹھے

سرکشی کا رہے رہے نہ رہے
وہ تو خنجر کو آب دے بیٹھے

مجھے روزِ سیہ جو دے بیٹھا
کیا عجب آفتاب دے بیٹھے

اب تو اتنا کرم ہی کافی ہے
نا امیدی جواب دے بیٹھے

میرے دل کی دعا کو بابِ قبول
حوصلہ ہے جواب دے بیٹھے

خودِ میخانہ، پیرِ بادہ فروش
دخترِ رز کو خطاب دے بیٹھے

---

[1] یہ غزل اساتذۂ دہلی کے رنگ کا بے مثل نمونہ ہے۔ اس میں باوجود اس کے کہ گنجائش بہت کم ہے اور "دے بیٹھے" کے ساتھ مضمون کا باندھنا آسان نہیں پھر بھی اکثر اچھے اچھے مضمون نکال لیے۔ معلوم ہوا کہ یہ غزل مشاعرے میں پڑھی گئی تھی اور بہت مقبول ہوئی۔ میں مشاعرے کی واہ واہ کا قائل نہیں کہ مجمع میں شعر کی داد ازروئے غور و تحقیق مشکل ہے۔ کیونکہ سوچ سمجھ کر شعر کی خوبیوں کی داد کے لیے وقت چاہیے ــــ ہر شعر میں "دے بیٹھے" لاجواب بندھا ہے کہ نثر میں بھی چار پانچ مختصر الفاظ میں ایسے ایسے مشکل مضمون نکالنا آسان نہیں۔ (صلائے عام دہلی مئی ۱۹۲۹ء)

وہ ادائیں ہیں موجِ دریا کی — جان جن پر حباب دے بیٹھے [2]
یہ کرم کم ہے سب خدائی کا — وہ ہمیں انتخاب دے بیٹھے

عزمِ میخانہ کرتے ہو مائل
زہد و تقویٰ جواب دے بیٹھے



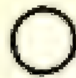
مجھے جامِ شراب دے بیٹھے — اپنے ہاتھوں حجاب دے بیٹھے
ہم تو صہبا کے قطرے قطرے کا — سرِ محشر حساب دے بیٹھے [3]
لاکھ دوزخ وہ بت تو رکھتا ہے — چاہے جس میں عذاب دے بیٹھے
کیا ہے عجز و نیاز کو میرے — جھڑکی اُن کا عتاب دے بیٹھے
کہیں ایسا نہ ہو دعا تم کو — کوئی ناکامیاب دے بیٹھے
ایک صورت حرم میں وہ دیکھی — جیسے حج کا ثواب دے بیٹھے
سمجھے بے نور سا مگر اُس کو — مہر کو جو نقاب دے بیٹھے
شبِ غم جیسی کہاں جو اک ٹھوکر — دلِ پُر اضطراب دے بیٹھے
تیرا درباں نہیں مجھے دشنام — کوئی عالی جناب دے بیٹھے
کیا عجب نذرِ داغِ دل کو مرے — آسماں آفتاب دے بیٹھے
زخم کاری بھی اچھے ہوتے ہیں — چارہ گر کیوں جواب دے بیٹھے [3]
جب مرا امتحاں ہوا منظور — دلِ آفت مآب دے بیٹھے

---

۱ و ۳ یہ دونوں شعر لسان الملک حضرتِ ریاضؔ کی خمریات کا جواب ہیں۔
۲ موجِ دریا کی روانی پر حبابوں کا جان دینا۔ کوئی اس طرح کہہ نہیں سکتا۔ حباب کا جان دینا تو مشہور ہے۔ مگر جان دینے کا سبب کتنا لاجواب نکالا کہ جان دینے کے لیے اداؤں کا ہونا ضرور تھا۔ یوں جان دینی فضول تھی ۱۲ (صلائے عام دہلی مئی ۲۹ء ۲۲)
۳ زخمِ کاری کے بھی اچھے ہونے کی امید ہے۔ (صلائے عام، مذکور)

بے تکلف عدو سے کہتے ہیں — اپنی جھوٹی شراب دے بیٹھے
دل کو مردہ نہ کر ذلیخا تو — کیا عجب وہ شباب دے بیٹھے
نالۂ خوں فشاں تو بلبل کو — گل کو رنگیں نقاب دے بیٹھے
مہر دیکھو کہ داغ کے بدلے — وہ مجھے آفتاب دے بیٹھے[1]
سُنتے سُنتے ہنوز دانی و در — ہائے ہمت جواب دے بیٹھے[2]
اس کو قدرت ہے جو جسے چاہے — بے حساب و کتاب دے بیٹھے
پھر تو جاگے نصیب اک چھینٹا — کبھی چشمِ پُر آب دے بیٹھے
عظمتِ کعبہ کیا کرے گا وہ — دل شکن جو جواب دے بیٹھے
گریہ اس کا ہے گریہ ہو مقبول — جسے چشمِ پُر آب دے بیٹھے
اِس بیٹھے تو اس طرح بیٹھے — صبر کو اضطراب دے بیٹھے
نظرِ بد سے جو انھیں دیکھے — اک طمانچہ نقاب دے بیٹھے
کیا کرے جب کہ بلبلِ بیتاب — گل و غنچہ جواب دے بیٹھے

پی ہی جاتا جو دو دلی مائل
کوئی رندِ خراب دے بیٹھے



جلوے نے کس کے محو تماشا کیا مجھے — سر تا قدم جو چشمِ تمنا کیا مجھے
کب تھا یہ مجھ سے کینہ نکالا کہ چرخ نے — تجھ سے ستم شعار پہ شیدا کیا مجھے

---

[1] بالکل نیا مضمون ہے اور بہت پاکیزہ۔

[2] یہ بالکل سچ کہا، جب تک اس مرتبہ کی طبیعت نہ ہو شعر کہنا بیکار ہے۔ اس غزل کا عنوان میں نے معرکہ کی غزل اس لیے رکھا ہے کہ دیکھوں اور کوئی صاحب اس رنگ میں لکھتے ہیں یا نہیں؟

("صلائے عام" دہلی بابت مئی ۱۹۲۹ء ص ۲۲)

ہیں مردہ آرزو مَیں جِلاتا ہوں بوسہ کی
کس کے خیالِ لب نے مسیحا کیا مجھے

مرنے لگا جو ہجر میں بے طاقتی سے میں
کہتی ہے جان نذرِ تمنا کیا مجھے

دشمن کو مجھ سے رشک نہ کچھ دوست کو خوشی
کیا جانے کیوں جہان میں پیدا کیا مجھے

اے چارہ گر نہ چھیڑ خدا کے لیے نہ چھیڑ
بس حضرتِ مسیح نے اچھا کیا مجھے

بن بن کے رنگ چہرے کا کہتا ہے رازِ دل
خاموشیوں نے میری ہی گویا کیا مجھے

کیسا وصال خواب ہے یہ بھی کہ خواب میں
پہلے کبھی کبھی نظر آیا کیا مجھے

کس کس مزے سے شمع پہ ہوتا رہا نثار
پروانہ تیری بزم میں کھٹکا کیا مجھے

نیرنگِ حسن و عشق کے اللہ رے انقلاب
دریا سے قطرہ قطرے سے دریا کیا مجھے

مائل وہ دن بھی کیا تھے کہ ہم تم سے کہتے تھے
وہ سر جھکائے بزم میں دیکھا کیا مجھے

○

مہرباں ہو کے کیا آپ نے جب یاد مجھے
اب کسی کا نہ رہا شکوۂ بیداد مجھے

اس طرح اہلِ زمیں کرتے ہیں برباد مجھے
کہ فلک کا نہ رہا شکوۂ بیداد مجھے

اُن سے کس منھ سے کہوں کرتے نہیں یاد مجھے
بھول جاتے ہیں مرے نالہ و فریاد مجھے

دے دیا جب غمِ ناکامیِ صیاد مجھے
کیا خوشی ہو کہ ملا طالعِ آزاد مجھے

لب تک آنے نہ دیا روزِ جزا بھی میں نے
داد دیتے ہیں مرے نالہ و فریاد مجھے

ناتوانی میں یہ حالت ہے کہ بس مان گیا
ایک ہی آہ میں چرخِ ستم ایجاد مجھے

سچ ہے افسردہ دلوں کی کہیں پرسش ہوتی ہیں
چھوڑ دیتا ہے قفس توڑ کے صیاد مجھے

عہد و پیماں کا سمجھ لوں تمھیں کیونکر پورا
تم وہی ہو کہ کیے بیٹھے ہو برباد مجھے

دیکھ کر ظرف دیا کرتے ہیں دینے والے
کچھ سمجھ کر ہی دیا ہے دلِ برباد مجھے

مجھ سے ناکامِ محبت تو کہاں پیدا ہیں
دل میں دیتی ہے جگہ حسرتِ فرہاد مجھے

اپنے کانوں سے سنا بھی کبھی نالہ تم نے
کبھی کرتے ہوئے دیکھا بھی ہے فریاد مجھے

نہ رہی ضعف سے ہچکی کی بھی طاقت مجھ میں
یاد بھی ہائے کیا اُس نے تو کب یاد مجھے

مژدہ باد اے دلِ بے تاب کہ وہ کہتے ہیں
کچھ دکھانے ہیں ابھی جوہرِ بیداد مجھے

مہرباں اس کو کیا ہے تو الٰہی دے ڈال
ایک ہی شب کے لیے گلشنِ شداد مجھے

میں نے تقدیر سے یہ جانِ حزیں پائی ہے
میری قسمت سے ملا ہے دلِ ناشاد مجھے

کس کی آواز نے یہ محو بنایا یا رب
کہ سنائی نہیں دیتی مری فریاد مجھے

ابھی تم تلخیِ الفت کا مزہ کیا جانو
کبھی ہوتا ہے تو ہوتا ہے یہ ارشاد مجھے

کام پیری میں مرے بھول کی عادت آئی
کہ جوانی کا زمانہ نہ رہا یاد مجھے

دشتِ وحشت نے کیا میرے قدم رکھتے ہی
بعد مجنوں کے کیا آپ نے آباد مجھے

مجھ پہ جو کچھ کہ ہوا میری محبت سے ہوا
آپ سے کچھ بھی نہیں شکوۂ بیداد مجھے

غم تو اس بات کا ہے رنجِ رہائی کیسا
لوگ سمجھیں نہ کہیں دشمنِ صیاد مجھے

پہلے ہی جام میں سائل جو گرے پڑتے ہو
یہ تو اچھی نظر آتی نہیں افتاد مجھے

○

ملا ہے ہائے وہ قسمت سے رازدار مجھے
کہ بات بات پہ کرتا ہے شرمسار مجھے

جو تو کبھی دے مجھے تسکیں تو کچھ نہ ہو ظالم
خدا نے دل ہی دیا ہے وہ بیقرار مجھے

نگاہ ساتھ ہی کھٹکے کے در پہ جاتی ہے
بھلا وہ آئیں گے کس کا ہے انتظار مجھے

یہ کیسی بن گئی واللہ ان کے جاتے ہی
نہ چین ہے مرے دل کو نہ ہے قرار مجھے

نہیں ملے کوئی تم سا جگر خراش کہاں
نہیں ملا کوئی مجھ سا جگر فگار مجھے

لیا جو وصل میں بوسہ تو مسکرا کے کہا
بتاتے تھے اسی منہ سے ستم شعار مجھے

وفورِ گریہ سے گھبرا کے وہ چلے دیکھو
ڈبوئے دیتی ہے یہ چشمِ اشکبار مجھے

ستم شعار ہے مانا نہ رحم آئے گا
دکھا تو دو کوئی لیجا کے ایک بار مجھے

ڈبوئے گا مجھے رونا یہ سب صحیح مگر
نکال لینے دے دل کا تو کچھ غبار مجھے

وہی ہے بادۂ گلرنگ ابر میں سائل
خدا دکھائے جو پھر موسمِ بہار مجھے

○

وہ گئے جب سے یہ گھر کے در و دیوار مجھے
نظر آتے ہیں قیامت کے سے آثار مجھے

نظر آتے ہیں سبھی تیرے گرفتار مجھے
کوئی کافر نظر آتا ہے نہ دیندار مجھے

آپ کیوں پردۂ رخسار اُلٹ کر بیٹھے
میں نے مانا کہ نہیں حسرتِ دیدار مجھے

میں رہا بھی ہوں تو لو ایسا فلک کے ہاتھوں
رو دیا دیکھ کے کل مرغِ گرفتار مجھے

دل میں جب دیکھیے اک آگ لگی رہتی ہے
زندگی عشق میں کیونکر نہ ہو دشوار مجھے

میں تو سوتا نہ دوا کا نہ شفا کا خواہاں
چین لینے نہیں دیتا دلِ بیمار مجھے

جب وہ کہتے ہیں سرِ بزم کہ تو عاشق ہے
نہ تو اقرار بن آتا ہے نہ انکار مجھے

ابرِ رحمت کی طرح دیدۂ گریاں برسا
یاد کعبہ میں جو آیا درِ خمار مجھے

یوں تو ملنے کو ملے کافر و دیندار بہت
کوئی تیرا نہ ملا محرمِ اسرار مجھے

ایک ہی ساغرِ مے پیرِ مغاں نے دے کر
کر دیا اپنی حقیقت سے خبردار مجھے

لَنْ تَرَانِی، اَرِنِی، دونوں ہیں اسی پردے کے
لے کے پہنچی ہے کہاں حسرتِ دیدار مجھے

کہہ اٹھے حضرتِ یوسف بھی جو دیکھا اس کو
پھونکے دیتی ہے تری گرمیِ بازار مجھے

گو ہوں کعبہ میں مگر دیکھ کے یہ ابرِ بہار
یاد آتا ہے بہت صائلِ میخوار مجھے



کہا ہم نے خوشامد سے کہ ہم تم کو خدا سمجھے
کہا تم سے خدا سمجھے اگر سمجھے تو کیا سمجھے

تمھاری حضرتِ ناصح کوئی بک بک کو کیا سمجھے
نہ میرا مدعا سمجھے نہ دل کا مدعا سمجھے

سمجھ کر سر جھکایا ہے کہیں کیا ہم کہ کیا سمجھے
تری صورت کو دیکھا اور خدا کا مدعا سمجھے

سمجھ میں جب سے یہ آیا کہ ظالم ایک ہیں سارے
جفائے آسماں کو بھی تری تیغِ ادا سمجھے

ملے ہیں حضرتِ ناصح بھی کیسے عقل کے پورے
کہ سارا ماجرا سن کر مجھے بھی بے وفا سمجھے

جو ان کے ہم سے ہوتے ہیں اشارے آنکھوں آنکھوں میں
انھیں سمجھے تو ہاں کوئی حقیقت آشنا سمجھے

خدا جانے کہ ہو کس کس کو حسرت قتل ہونے کی
جو وہ خونِ شہیدِ ناز کو رنگِ حنا سمجھے

یہاں تقریر ہی ایسی کہ مطلب ہی نہیں نکلا
قبول و رد تو جب ہے کہ جب کوئی دعا سمجھے

خدا بھی دیکھتا ہے اُس کے پیچ وتاب کا عالم
مری آہِ رسا کو کیا کوئی زلفِ رسا سمجھے

خوشی کیا اس کو جینے کی الم کیا اس کو مرنے کا
جو اپنی زندگانی کو بھی پیغامِ قضا سمجھے

چمن میں یہ نہ سمجھے ہم کہ نرگس کس کو تکتی ہے
کسی کی چشمِ پرفن کے اشارے بارہا سمجھے

محبت نے کسی کی کر دیا ہے صاف وہ دل کو
ملا رہزن بھی گر ہم کو تو اُس کو رہنما سمجھے

جنابِ شیخ ساری عمر کاٹی ایک گوشہ میں
نہ جینے کا مزہ پایا نہ مرنے میں مزا سمجھے

کیا کرتا ہے منبر پر عجب تقریر مستانہ
کوئی سمجھے بھی واعظ کو تو کیونکر پارسا سمجھے

درِ جنت مزارِ بادہ کش پی کو دل دیتے ہیں
کہ عادی ہے نہ گھبرائے درِ میخانہ وا سمجھے

ہمیں اچھے رہے اُن سے کہ سمجھے اور نہ کچھ سمجھے
بتوں کو حضرتِ مائل خدا سمجھے تو کیا سمجھے



قامت سے تیرے سروِ چمن جو بلند ہے
باغِ جہاں میں ایک حماقت پسند ہے

کل کی پڑی ہے واعظِ ناداں کو دیکھنا
دنیا میں آج شورِ قیامت بلند ہے

یہ عرش جس میں نورِ محبت ذرا نہیں
یہ شانِ کبریائی کے دم سے بلند ہے

دل ہی نصیب سے مجھے ماتم کدہ ملا
جب سے ہے اس میں شورِ قیامت بلند ہے

جانِ اویس پا گئی دنداں شکن جواب
قلبِ بلال آگ پہ اُس کی سپند ہے

لب آشنا نہ ہوگا دعائے وصال سے
جب تک یہ جانتا ہوں کہ نا سودمند ہے

دل کو یہ اضطراب کہ جو کچھ ہو آج ہو
کام اُس سے آ پڑا ہے جو حسرت پسند ہے

دیر و حرم کو رشک ہے اُس کے نصیب پر
جس سرزمیں پہ دفن دلِ دردمند ہے

کیونکر نہ وقتِ گریہ گریباں میں سر رہے
رحمت کو اُس کی اشکِ ندامت پسند ہے

جاتا کشاں کشاں ہے گدا ہو کہ بادشاہ
کہتے ہیں جس کو موت خدا کی کمند ہے

اک شیخ ہی کے ظاہر و باطن پہ طعن کیا
ہر شہسوارِ مکر کا ابلق پسند ہے

سجدے میں مجھ کو دیکھ کے آب آب ہو گیا
وہ حوصلہ کہ جس کو خدائی پسند ہے

مر کے گئے بہشت میں ناچار بادہ خوار
ماہِ صیام ہے درِ میخانہ بند ہے

روزہ ہو یا نماز خودی ہو کہ بے خودی / اچھا ہے وہ ہی کام جو اُس کو پسند ہے

اے کربلا نہ سن دلِ مظلوم کا مرے / اس مرثیے میں پہلے ہی گریہ کا بند ہے

اک اک گھڑی کو دونوں کی گنتا رہا ہوں میں / روزِ فراق روزِ جزا سے دو چند ہے

ہم وقفِ گناہ پہ ہو جائیں گے کھڑے / ہونے دو ہے اگر درِ بخشش بلند ہے

کیونکر یقین ہو کہ مہِ عید ہو گیا / فرما رہے ہیں شیخ کہ میخانہ بند ہے

یہ کہہ کے داد دیتے ہیں اُس کی ادا شناس
مائلؔ ترا کلام خدا کو پسند ہے



اُس کو ہے دل پسند اُسے کعبہ پسند ہے / تو ہے رتبہ دخترِ رز کا بلند ہے

وہ مرغِ بام مرے قفسِ تن میں بند ہے / عرشِ بریں ہے جس کا نشیمن بلند ہے

شعلوں کی راہ میں سے وہ سن سے نکل گیا / انساں کے پر نہیں ہیں مگر وہ پرند ہے

کھینچیں تو اُن کی کیا ہے کہو جس کو کھینچ لے / عاشق کا جذبِ شوق خدائی کمند ہے

اس کا رہے خیال کہ بے بات ہیں ہو تم / پہلو میں دردناک دلِ مستمند ہے

آساں نہیں ہے نالہ موزوں کا کھینچنا / ہر اہلِ بزم اس کا حقیقت پسند ہے

جس پر نگاہِ مہر ہے زلفِ دراز کی / کاخِ بلند یار پہ اس کی کمند ہے

میرا خراب حال سرِ راہ دیکھ کر / اتنا تو کہہ گئے کہ کوئی مستمند ہے

اشعار گرم و سرد پہ میرے ہی طعن کیوں / مضمون زلف و رُخ کا ہی پست و بلند ہے

ناصح خدا کو مان نہ بیٹھ آ کے سامنے / دستِ جنوں کو میرے گریباں پسند ہے

ہوں وہ جنوں نوا سرِ شوریدہ کی قسم / مجنوں مری نگاہ میں اک ہوشمند ہے

پیری کا یہ اثر ہے کہ میرا کلام بھی / ظاہر میں عاشقانہ ہے باطن میں پند ہے

کیفیتیں شراب کی آئیں نہ آئیں گی / ناموس و ننگ شیخ کو جب تک پسند ہے

ایسی تو بے مزہ نہیں کوئی بھی داستاں / بے لطف جیسی حضرتِ ناصح کی پند ہے

سمجھاؤں خاک اپنے دلِ بدگمان کو / جب جا کے دیکھتا ہوں درِ غیر بند ہے

آس کے جو گیسوؤں پہ دیکا یک نظر پڑی
کہنا پڑا ہے کفر کا رتبہ بلند ہے

کر لوں گا ایک روز خوشامد بھی غیر کی
ہر چند جانتا ہوں کہ ناسود مند ہے

ایمان کی تو یہ ہے کہ ناصح کی بات بات
باطن میں فتنہ خیز ہے ظاہر میں پند ہے

لب پر مرے فغاں بھی ہے نالا بھی آہ بھی
ناصح تری زبان پہ اک حرفِ پند ہے

اک سانس تیری یاد سے غافل نہیں رہا
اس کی گواہ حضرتِ ناصح کی پند ہے

پھر بھی تو مجھ کو زہر ہی دیتا ہے چارہ گر
کم بخت جانتا ہے کہ ناسود مند ہے

نائل ہمیں تو رات کہیں رہ کے کاٹنی
مسجد میں جا پڑیں گے جو میخانہ بند ہے



میں نے یہ کب کہا کہ مجھے شوقِ دید ہے
ابرو کوئی کہے نہ کہے ماہِ عید ہے

کیا اور دو کہ سارے ہی دنیا سے اُٹھ گئے
جس بزم میں ہے میری ہی گفت و شنید ہے

دشمن سے ربط ہو تو یہ ہے اک ادائے ناز
مجھ سے اگر ملو تو حیا سے بعید ہے

آنکھوں میں دل میں میرے سمائے ہوئے ہو تم
میں جس کو دیکھتا ہوں تمہاری ہی دید ہے

ماہِ صیام ہی سہی روزہ رہے کہ جائے
یہ ابر ہے تو آج ہی بندے کی عید ہے

ہے وہ ہی ہر ظہور کے ڈھب ہیں جدا جدا
نیرنگِ حسن و عشق قدیم و جدید ہے

کیا جانے کیا کریں گی یہ غفلت شعاریاں
امیدوار جو ہے ترا نا امید ہے

ہم سے کہاں جہان میں آزاد طبع لوگ
ہر شب شبِ برات ہے ہر روز عید ہے

غمزے نے قتلِ عام کیا ہے سنبھل کے چل
ظالم قدم قدم پہ مزارِ شہید ہے

کیا جانے کیا بنی مرے قاصد کی جان پر
پیغام کا جواب نہ خط کی رسید ہے

روزِ جزا کو حضرتِ واعظ لیے پھریں
یاں تو نفس نفس میں عذابِ شدید ہے

نائل تم اور عزمِ حرم کیسے مان لوں
حضرت کی ذات سے تو نہایت بعید ہے



کیونکر کہوں کہ دفن ترا خاکسار ہے — اک اک سے پوچھتے ہیں یہ کس کا مزار ہے

قابو نہ موت پر ہے نہ پہلو میں یار ہے — انساں کو سچ کہا ہے کہ بے اختیار ہے

چل میکدے کو شیخ یہ ابرِ بہار ہے — بندوں پہ آج رحمتِ پروردگار ہے

ہر چیز کائنات کی ناپائیدار ہے — کہتے ہیں جس کو زیست وہی مستعار ہے

یہ تو سہی کہ تیر کلیجے کے پار ہے — آئے نہ آئے موت کسے اعتبار ہے

ساقی یہ ابر آج کھلا ہے نہ کل کھلے — رحمت سے اس کی جوش میں ہر بادہ خوار ہے

وہ آپ لے رہا ہے مزہ حسن و عشق کا — پروانہ بیقرار نہ شمع اشکبار ہے

آئے ہیں مے پیے ہوئے ڈرتا ہوں چھیڑتا — تیور یہ کہہ رہے ہیں کہ دل میں غبار ہے

اس نے تو اک آہ میں دنیا سے کھو دیا — تھا یہ غلط خیال کہ دل رازدار ہے

واعظ سے کیا ہو پیرِ مغاں کی برابری — ڈوبا ہوا شراب میں ہر بادہ خوار ہے

آئے تو ہیں جنازے پہ اللہ رے اضطراب — کہتے ہیں اذنِ عام میں کیا انتظار ہے

اب کے جو میکدے میں گئے چھوڑ آئیں گے — جتنا ہمارے دل میں غمِ روزگار ہے

شاید کہ دل میں تابِ تحمل نہیں رہی — تیرِ نگاہِ ناز سے جو شرمسار ہے

قائم رہے یہ صحبتِ رندانِ بادہ خوار — واعظ کو ہم سے ننگ ہمیں اس سے عار ہے

آنکھوں میں پھر رہا ہے مری شب کا ماجرا — کیا چیز ہائے گردشِ لیل و نہار ہے

اس حوصلے پہ دل کے ہوں میں تو مٹا ہوا — تجھ سے نگاہِ لطف کا امیدوار ہے

کھلتے ہیں جس پہ کھلتے ہیں اسرارِ میکدہ — ہونے کو میکدے میں ہر اک بادہ خوار ہے

اسرارِ حسن و عشق کا دیکھو تو سلسلہ — بندے کا کہتے ہیں کہ خدا رازدار ہے

رندانِ بادہ خوار کو واعظ برا نہ کہہ — پلے پہ ان کے رحمتِ پروردگار ہے

اللہ تو کریم ہے مائل ہے روسیاہ!
ہے شرم تیرے ہاتھ تجھے اختیار ہے



بیتاب و بیقرار ہر اک خاکسار ہے — دامانِ یار پر جو ہمارا غبار ہے

کیا جاؤں سیرِ باغ کو دل کا تو ہے یہ حال
نشتر کا کام دیتی نوائے ہزار ہے

قدرت کا تیری ادنیٰ نمونہ ستارے ہیں
گنتی میں وہ نہ آئیں نہ اُن کا شمار ہے

دردِ فراق سے ترے یہ حال ہو گیا
ہر سانس مثلِ تیر کلیجے کے پار ہے

نیلا لباس اس نے تو بدلا نہیں کبھی
جب سے یہ آسمان بنا سوگوار ہے

مشکل میں کام آئے مصیبت میں ساتھ دے
کہنے کو بے نیاز ہے یاروں کا یار ہے

اہلِ زبان ابر میں بجلی ہے جس کا نام
تصویرِ اضطرابِ دلِ بے قرار ہے

آدم کے حوصلے کی ترقی تو دیکھنا
پتلا تو خاک کا ہے مگر رازدار ہے

آتے ہی میرے دل میں یہ کہتے چلے گئے
کعبہ میں بتکدے میں مرا انتظار ہے

ہستی نہیں حباب کی اس پر بھی اے کریم
لطف و کرم کا تیرے ہی امیدوار ہے

دوڑے مری طرف جو فرشتے عذاب کے
بخشش نے دی ندا کہ ہمارا شکار ہے

رہنے دے آسمان کو اے جوششِ فغاں
اپنی ہی دودِ آہ کا یہ یادگار ہے

باغِ جہاں ہو اس میں کہ باغِ بہشت ہو
ہر باغ تیرے لطف کا امیدوار ہے

پیرانِ مے فروش کا شجرہ پڑھو تو شیخ!
سائلؔ ہے جس کا نام یہی خاکسار ہے

دمِ گریہ جو قابو ہو تو مر جانا ہی بہتر ہے
کہ اس کے سامنے باچشمِ تر جانا ہی بہتر ہے

تری راہِ محبت میں تو مر جانا ہی بہتر ہے
یہاں جس کام کو آئے وہ کر جانا ہی بہتر ہے

پکڑ کر پردۂ کعبہ دعا کرنے سے کیا حاصل
حریمِ کوئے جاناں میں تو مر جانا ہی بہتر ہے

وہاں کی گر نہیں مٹی تو عاشق کے جنازے کا
ترے کوچے کے آگے سے گزر جانا ہی بہتر ہے

تمنا اُن کے خنجر کی نکل جانی ہی اچھی ہے
علاجِ دل بھی یہ ہی ہے کہ مر جانا ہی بہتر ہے

دعا کرتا ہوں بحرِ حسن جب کوئی نظر آئے
یہ پانی بھی مرے سر سے گزر جانا ہی بہتر ہے

خیالِ یار ہے دل میں نہ ذکرِ یار ہے لب پر
حرم میں بیٹھے رہنے سے تو گھر جانا ہی بہتر ہے

ترے رخسارِ تاباں کا چھپا رہنا ہی اچھا ہے
تری زلفِ پریشاں کا سنور جانا ہی بہتر ہے

ترے حق میں سمجھتا ہوں نہیں اچھا نہیں اچھا
مرے حق میں ترا اے نامہ بر جانا ہی بہتر ہے

غرورِ حسن کہتا ہے اداۓ ناز کہتی ہے
کہ کر کے قتل عالم کو مکر جانا ہی بہتر ہے

غرض یہ تو نہیں اپنی کہ اس کوچے میں ہو لیتی
جدھر رہتا ہے وہ کافر ادھر جانا ہی بہتر ہے

یہ مانا ہم نے زہر آلودہ ناوک ہے مگر پھر بھی
نگاہِ یار کا دل میں اتر جانا ہی بہتر ہے

مجھے کہتے ہیں درباں سے کبھی اپنے نہیں کہتے
مرے در سے ترا اے فتنہ گر جانا ہی بہتر ہے

نہیں طاقت جو اڑنے کی تو مرغِ دل یہ اچھا ہے
کہ اس درگاہ میں بے بال و پر جانا ہی بہتر ہے

نہ وہ آئے نہ موت آئی نہ غم جائے نہ دل ٹھہرے
کہ اب ارمان و حسرت کا تو مر جانا ہی بہتر ہے

دلِ عاشق تجلی کا تحمل کر نہیں سکتا۔
رخِ تاباں پہ گیسو کا بکھر جانا ہی بہتر ہے

امیدِ رحمتِ حق میں گلو ہے خشک اے مائل
شرابِ ناب کا قطرہ اتر جانا ہی بہتر ہے



زلف کو واں پیچ و تاب دیکھیے کب تک رہے
دل کو یہاں اضطراب دیکھیے کب تک رہے

ذرہ ہر اک مہتاب دیکھیے کب تک رہے
دہر میں یہ انقلاب دیکھیے کب تک رہے

آپ کی یہ طرزِ ناز دیکھیے کیا کچھ کرے!
تیغ کی یہ آب و تاب دیکھیے کب تک رہے

اے دلِ خانہ خراب تیرے سبب دہر کا
نامِ جہاں خراب دیکھیے کب تک رہے

گو نہیں تاثیرِ آہ ہاں مگر آتی تو ہے
دل میں ترے پیچ و تاب دیکھیے کب تک رہے

صدمۂ آشوب دہر دل سے گیا بعدِ مرگ
فتنۂ روزِ حساب دیکھیے کب تک رہے

ہاتھ میں تسبیح شیخ تیرے رہی ایک عمر
ساغرِ بزمِ شراب دیکھیے کب تک رہے

کہتے ہیں اب روزِ عید ہم کو نہیں ملتے ہیں
شوقِ سوال و جواب دیکھیے کب تک رہے

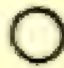
یہ دلِ ناکردہ کار طالبِ صبر و قرار
موردِ قہر و عتاب دیکھیے کب تک رہے

ہو کے خجل ایک بار دیدۂ تر سے مرے
شرم سے ابرِ آب دیکھیے کب تک رہے

ریشِ مقدس سفید ہو تو گئی شیخ کی۔
فکرِ عذاب و ثواب دیکھیے کب تک رہے

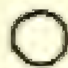
کوئی نہیں حائل اور کچھ بھی نہیں درمیاں
آپ ہی اپنا حجاب دیکھیے کب تک رہے

ہو تو گئے شیخِ وقت مائلِ میکش مگر
پیرِ مغاں کا خطاب دیکھیے کب تک رہے



جانِ جہاں رہے کبھی ہم جانِ جاں رہے / در پر ترے رہے تو بشر پھر کہاں رہے
جب تک رہا نزدِ دلِ بلا شادماں رہے / ہوش و حواس اتنے دم امتحاں رہے
وہ آج آکے مجھ سے تصور میں کہہ گئے / اب معلن ہے پردہ کوئی درمیاں رہے
اے آہ آسماں سے جو بدلہ لیا، لیا / یہ تو مجھے بتا کہ فرشتے کہاں رہے
دامن بھی جن کے پاک تھے سینے بھی صاف تھے / یارانِ بادہ خوار اب ایسے کہاں رہے
تدبیر بر بھی کی تو اچھی ہے ہم نشیں / محفل میں غیر کی مرے غمکیاں رہے
واعظ کا گھر تو حجرۂ مسجد سے تنگ تر / اور چاہتے ہیں دخترِ رز میہماں رہے
آنکھوں سے میری اشکِ ندامت رواں رہیں / دیکھوں کہ پھر یہ دفترِ عصیاں کہاں رہے
کتنے ہو تنگ دل کہ ذرا بھی اثر نہیں / سنتے تمام رات مری داستاں رہے
تم اُس کو کہہ رہے ہو جو دیکھا کرے تمھیں / ہم اُس کو چشم کہتے ہیں جو خونچکاں رہے
کس منہ سے بزمِ سوختہ جاناں میں جاؤ گا / دوزخ سے کم جو نالۂ آتش فشاں رہے
تم مجھ سے پوچھتے ہو کہ کیا حال ہے ترا / میں تم سے پوچھتا ہوں کہ شب کو کہاں رہے
کانپا کرے زمین بھی کوچے کے یار کی / ہمت جو آہ میں ہو تو کب آسماں رہے
تھی وہ بھی اک ہوا کہ یہ جلتے ہیں آشنا / متفق رہے شفیق رہے مہرباں رہے

بدنام اس قدر ہوں کہ شب کو کہیں رہوں
کہتا نہیں ہے کوئی بھی مائل کہاں رہے



اس کا کرم جو باغ پہ اے باغباں رہے / بڑھ کر بہار سے چمن آرا خزاں رہے
اگلے سے نالہ ہائے رسا اب کہاں رہے / ورنہ وہ اور غیر کے گھر میہماں رہے
طولِ شبِ فراق کا غم ہی کہاں رہے / اُن کی ادا ادا کی اگر داستاں رہے
عشاقِ خستہ جاں کی تو سنتا ہی وہ نہیں / کیسی ہی دردناک فغاں پُر فغاں رہے

عشقِ بتاں میں ہم سے خدا سے بگڑ گئی
اس بات پر کہ دل میں نہ یادِ بتاں رہے

اتنی اڑائی خاک کہ گھبرا گئی خزاں
وحشی تری بہار کے جا کر جہاں رہے

بلبل کے سوز و درد سے یہ چاہتا ہے دل
کہتی چمن چمن میں مری داستاں رہے

زلفیں ہوا سے اڑ کے دو عالم پہ چھا گئیں
جا کر رہے تو صاحبِ ایماں کہاں رہے

شیخِ حرم کو صاحبِ نعمت بنانے کو
دو چار روز کعبہ میں پیرِ مغاں رہے

میں اور اس ذرا سے قفس میں ہوں اسیر
جب ٹوٹ جائیں پر ہی تو ہمت کہاں رہے

تو نے ہمیں زمین کا پیوند کر دیا
ہم تو ترے خیال میں اے آسماں رہے

یوسف عزیز ہونے کو زنداں نصیب ہوں
وحشت زدہ غریبِ زلیخا کہاں رہے

ساقی کی چشمِ مست کی گردش نہ ہو نصیب
گردش میں حشر تک بھی اگر آسماں رہے

اپنا ہی میکدہ بھی ہے اپنی بہشت بھی
ساماں کچھ یہاں رہے اور کچھ وہاں رہے

ہو کر اسیرِ زلف بھی بھولے نہ رخ کی یاد
ایسے جہاں میں صاحبِ ایماں کہاں رہے

کیوں بختِ نارسا سے غضب لائیں اور پر
کیوں ساتھ دیں کہ دشت ہی میں کارواں رہے

مسجد نے کی یہ طعن جو پڑھنے لگا قضا
غفلت مآب حضرتِ مائل کہاں رہے



جب تک چھپے رہے تو نہاں ہی نہاں رہے
جب سامنے ہوئے تو عیاں ہی عیاں رہے

اچھا ہے کوئی پردہ اگر درمیاں رہے
جب اٹھ گیا حجاب تو پھر ہم کہاں رہے

بلبل جو اس کی یاد میں گرمِ فغاں رہے
محفوظ ہر بلا سے ترا آشیاں رہے

آیا نہ چاند دیکھ کے واعظ سلام کو
یوں بگڑے بگڑے عید کو پیرِ مغاں رہے

آخر کو رفتہ رفتہ طبیعت سنبھل گئی
اگلے سے ولولے دل میں کہاں رہے

بھرتا ہے ایک ایک محبت کا اب تو دم
دیکھیں گے کون کون دمِ امتحاں رہے

اس سوچ میں کھڑے ہیں سرِ رہگزار ہم
آگے نکل گئے کہ پسِ کارواں رہے

صبحِ شبِ وصال کا پایا کوئی نہ بھید
برسوں شبِ فراق کے ہم رازداں رہے

آواز بر مدار رہا مرگ و زیست کا ہمسایہ میں جو میرے وہ لیکر مکاں رہے
کھنچ آئے سب خدا کی خدائی حرم میں شیخ بتخانے کی جو خاک ذرا سی یہاں رہے
ہے بیقرار کس گُلِ رعنا کے عشق میں بلبل کے اس خیال میں ہم راز داں رہے
یہ دیکھنا ہے ہم کو قیامت تو آگئی حسن و جمالِ یار کہاں تک نہاں رہے
تم جاؤ بزمِ غیر میں شکوہ کریں نہ ہم یہ راز وہ نہیں ہے جو دل میں نہاں رہے
مقتل میں لیکے آئے ہیں خنجر ترا رہا شاید ہی اب رہے تو کوئی سخت جاں رہے
سجدہ کیا جو میں نے تو کہنے لگا وہ شوخ دل پر نشاں پڑے تو جبیں پر نشاں رہے
پردہ وہ کھولتا نہیں ریشِ سفید کا کیونکر جنابِ شیخ نہ چلتی دکاں رہے
کہتا جرس جرس ہے یہ بانگِ بلند سے یہ کارواں رہا ہے نہ وہ کارواں رہے
باغِ ارم کا واسطہ دیتا ہوں اے خدا میخانہ محتسب کی نظر سے نہاں رہے

مائل شراب پی گئے ہم اُن کے ہاتھ سے
دعوے وہ اپنے زہد و ورع کے کہاں رہے



میں نے کہا جو اُن سے کہ شب کو کہاں رہے ہنس کر کہا جہاں ترے وہم و گماں رہے
جورِ فلک کا کچھ تو زمیں پر نشاں رہے ٹوٹا ہوا سبو ہی مرا جاوداں رہے
پوچھوں گا یہ تو کچھ بھی ہو شب کو کہاں رہے تم میہماں رہے کہ عدو میہماں رہے
ایسی شبِ وصال تو قسمت سے ملتی ہے کھٹکا رہا نہ تم کو نہ ہم بدگماں رہے
عشاق پر جو کرنے لگے امتحانِ تیغ اس معرکہ میں ایک بھی نہیں سخت جاں رہے
لاکھوں پہ ہم تو غش رہے موسیٰ تو ایک پر آپے میں ہم نہیں رہے جب تک جواں رہے
کیا آفتاب ہے کہ طلوع و غروب ہو سینے میں میرے داغِ محبت نہاں رہے
آبِ حیات پیتے تو رہتے اسی طرح جیسے جنابِ خضر ہیں کارواں رہے
بیٹھا رہا جو اُن کے تصور میں صبح تک کہتا ہوں آفتاب سے شب کو کہاں رہے
کوتاہ ہمتی ہے یہ سالک کا پوچھنا کے آسمان طے کیے، کے آسماں رہے

جب آ گیا خیال کہ وہ بے نیاز ہے
خطرے طرح طرح کے دمِ امتحاں رہے

وہ شانِ میکدہ ہو کہ جنت کو رشک ہو
توبہ جو کچھ دنوں مری پیرِ مغاں رہے

کیا میں بھی بوالہوس ہوں کہ جنت کی ہو خوشی
میں تو وہیں رہوں گا وہ کافر جہاں رہے

میں تو اٹھا کے آگے سے ساغر اڑا گیا
تکتے کے تکتے حضرتِ پیرِ مغاں رہے

اب ہو گئی تو ہو گئی الفت بتوں کے ساتھ
نامہرباں رہے کہ کوئی مہرباں رہے

مستوں کا ہو وہ جوش کہ کوثر ابل پڑے
قلقل کا ہو وہ شور کہ مست آسماں رہے

خوش کرنے کی خدا کے یہ تدبیر خوب ہے
اک حرفِ کُن کا روزِ قیامت بیاں رہے

توبہ کا میکدے میں بناتا چلوں مزار
کعبے میں نہ آؤں تو میرا نشاں رہے

مائل صنم کدے سے نکالا گیا تو کیا
اُس در پہ جا پڑوں گا خدائی جہاں رہے



ایک عالم تو پسِ مرگ بھلا غم میں رہے
کام وہ عشق میں ہو نام دو عالم میں رہے

مجھ سے کہتے ہیں وہ تیرے دلِ پُرغم میں رہے
کربلا میں کوئی جا کر جو محرم میں رہے

محفلِ یار میں بیٹھے رہے غیروں کی طرح
ہم نہ جنت میں رہے اور نہ جہنم میں رہے

ایک دم شعلہ فشانی شبِ غم میں کی تھی
زندگی بھر مرے ارمان جہنم میں رہے

کوچۂ جاناں میں بھی جا کر نہ بجھی آتشِ رشک
میں رہا خلد میں ہمسایہ جہنم میں رہے

میکدے کے در و دیوار سے آتی ہے صدا
دونوں عالم سے گزر جائے اگر ہم میں رہے

وہی اچھے رہے جو ہو گئے تجھ سے پہلے
نہ ستم تیرے اٹھائے نہ ترے غم میں رہے

تیرے کوچے میں رہے اور نہ ترے کوچے میں
ایک عالم میں رہے ہم نہ دو عالم میں رہے

سیکھ لے ہم سے کوئی ناز اٹھانا تیرا
کر رہے اور تری خاطرِ برہم میں رہے

تشنگی کی کبھی پیاس بجھی ہے نہ بجھے
حشر تک غرق اگر چشمۂ زمزم میں رہے

ہیں مقدر میں تو تلخیاں گل و بلبل دونوں
دن کو یہ دھوپ میں وہ رات کو شبنم میں رہے

پیچ و تابِ دلِ آشفتہ مجھے دیتے ہیں
کر رہے اور ترے گیسوئے پُرخم میں رہے

آئیں بالینِ مریضانِ محبت سے اگر کچھ نہ تاثیرِ لبِ عیسیٰ مریم میں رہے
اس کے ہر قطرے میں طوفان ہیں لاکھوں پنہاں آبرو ابر کی کیا دیدۂ پرنم میں رہے
وہ کہیں بھی نہ رہے اور یونہیں جھگڑے باہم دلِ بیتاب میں اور دیدۂ پرنم میں رہے
تو تو سجدے ہی سے خوش ہے کہ رسولِ دو جہاں عالمِ نور میں پیشانیِ آدم میں رہے

آنکھ وہ آنکھ جو اشکوں سے بھری ہو مائل
ہاتھ وہ ہاتھ جو شبیر کے ماتم میں رہے



اور ہے بختِ سکندر اور ہے خاکساروں کا مقدر اور ہے
اب چلے آتے ہیں کعبہ ہو کہ دیر کوئی دن کا یہ بھی چکر اور ہے
معنیِ صورت پرستی دیکھنا دل میں دلکش ایک دلبر اور ہے
پی چکے سارے جہاں کے میکدے ایک باقی حوضِ کوثر اور ہے
اور تھے اگلے ستم گر اور تھے اور ہے اپنا ستم گر اور ہے
وہ ہی باتوں میں بگڑ کر ہو لیے ہاں ابھی شکووں کا دفتر اور ہے
ناز کیوں نہ ہو نازشِ وفا پر کیوں نہ ہو کب ستم میں کوئی بڑھ کر اور ہے
لطف اگر ہو بھی تو صدمہ رشک کا جان پر ہے اور دل پر اور ہے
نازو تمکین و حیا سب کچھ سہی مے کے پیتے ہی وہ کافر اور ہے
دم بدم آن کا جو عالم ہے نیا رنگ اپنا ہر نفس پر اور ہے
اور تھا وہ جس میں کیا کیا کچھ نہ تھا ہم ہمارے تن پہ یہ سر اور ہے
ملتفت ہو کر وہ میرا ماجرا سنتے ہیں گویا ستم گر اور ہے
واعظ آ نکلے ہیں کیا رکھیں گے یاد خم میں ساقی کوئی ساغر اور ہے
مجھ سے کہتے ہیں عدو کو دیکھ کر ناز کیا اب بھی وفا پر اور ہے

مشکلیں جتنی تھیں مائل ہو چکیں
ایک باقی روزِ محشر اور ہے



ساقی نہ بزمِ یار نہ ساغر کا دور ہے
اللہ زندگی کا کوئی یہ بھی طور ہے

اُس کے ہر ایک جلوے میں جلوہ ہی اور ہے
یہ دہر بے ثبات بھی اک جائے غور ہے

جینے کی کوئی بات نہ مرنے کا طور ہے
جو طرزِ زلف کی ہے وہی طرزِ جور ہے

کب تک نہ شکوہ سنج ہوں انصاف کیجیے
جتنی امیدِ لطف ہے اتنا ہی جور ہے

اتنا بھی محتسب نہ ستم میکشوں پہ کر
مانا کہ دورِ جام نہیں دور اور ہے

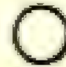
کبر و ریا و زہد و ورع کا واں ذکر ہی نہیں
رندانِ بادہ خوار کی صحبت ہی اور ہے

اتنا جو اُن کو اپنی عبادت پہ ناز ہے
شاید کہ زاہدوں کا خدا کوئی اور ہے

یاں میں ہوں بے قرار تو وہ واں ہیں مضطرب
دونوں کا دردِ ہجر سے بس ایک طور ہے

یہ رشک ہے کہ غیر بھی ہوگا یونہی شریک
ظالم ترے ستم کا اگر یہ ہی طور ہے

جب تک جہاں میں موسمِ گل ہے یہ دیکھنا
مائل ہے اور بادۂ احمر کا دور ہے



کیونکر کہوں کہ مے کدہ رحمت سے دور ہے
ہر لب پہ یاں تو نعرۂ ربِّ غفور ہے

آنکھوں میں دل میں جان میں اُس کا ہی نور ہے
کہنے کی ہے یہ بات کہ وہ ہم سے دور ہے

کس کی ادا ہے گل میں جو اتنا غرور ہے
کر غور ہر چمن میں کہ کس کا ظہور ہے

کیا دخترِ رز کے چہرۂ رنگیں پہ نور ہے
میخانے کی پری ہے کہ جنت کی حور ہے

ساقی کے روئے پاک کا اس میں جو نور ہے
انگور کی شراب شرابِ طہور ہے

نالوں کی میرے ہمتِ عالی کو کیا ہوا
کہتے ہیں آسمان نہایت ہی دور ہے

واعظ شبِ برات ہے کم بخت تو بھی جا
ہر گھر میں آج دعوتِ اہلِ قبور ہے

جس سے کہ دشمنوں کو تمہارے ہو انفعال
کوسوں ہمارے دل سے تو وہ بات دور ہے

جس شب کو جلوہ گر ہو شبِ قدر ہے وہی
جس دن غضب ہوئے وہی روزِ نشور ہے

کی ہے جو کوہ کن نے محبت میں اختیار
اس راہ میں تو جان کا خطرہ ضرور ہے

دانستہ وہ بٹھاتے ہیں پہلو میں غیر کو
اور مجھ سے کہہ رہے ہیں ابھی دل سے دور ہے

غش آ گیا جو حضرتِ موسیٰ کو آتے ہی　　کیا شمعِ انجمن کی تری شمعِ طور ہے
جاتا ہوں دوڑ دوڑ کے بزمِ رقیب میں　　حیلہ سے صلاح کا رِ دلِ ناصبور ہے
مسجد میں میکدے میں تفاوت ہے اس قدر　　جو واں ہے باتمیز وہ یاں بے شعور ہے
کرتا ہے مجھ سے ترکِ محبت کی گفتگو　　ناصح ترے دماغ میں شاید فتور ہے
عشاقِ خستہ جاں پہ خدا جانے کیا بنے　　آ جائے گر خیال کہ وہ ہم سے دور ہے
پھر ہم میں کیا دھرا ہے جیے بھی تو کیا جیے　　دم بھر کا میہمان دلِ ناصبور ہے
رحمت نے اس کی جوش میں دے دی صلائے عام　　وہ ہی قصوروار ہے جو بے قصور ہے
ہمت سے کام لیجے تو ملتا ہے اجرِ شیخ　　مسجد تو گھر کے پاس ہے میخانہ دور ہے
محوِ خرامِ ناز ہو اتنی خبر نہیں　　کیا زیرِ خاک حالتِ اہلِ قبور ہے
ہوتے ہیں آپ کس لیے تاثیر پر خفا　　ہم نے دعائیں کی ہیں ہمارا قصور ہے
کیا جانتے نہیں ہو جو کرتے ہو امتحاں　　سینے میں عاشقوں کے دلِ ناصبور ہے
جب سے پڑا ہے تیغِ محبت سے واسطہ　　اپنا مقام عالمِ ہستی سے دور ہے
کیونکر قدم نہ حضرتِ پیرِ مغاں کے لوں　　جس خم کو دیکھتا ہوں شرابِ طہور ہے
طالب کو جان کے بھی تو محروم پھیرنا　　ہمت سے ہے بعید مروت سے دور ہے
ہر جا پہ اس کا جلوۂ جانانہ ہے جدا　　یاں کچھ ظہور ہے تو وہاں کچھ ظہور ہے
اس برق وش نے کتنے ہی تجھ سے جلا دیے　　کیوں عرش پر دماغ ترا کوہِ طور ہے
تیرے امیدوار کا دیکھا عجیب حال　　آنکھیں ہیں اشکبار تو دل میں سرور ہے
دیتا نہیں وہ شوخ تغافل سے کچھ جواب　　فریاد کی زبان سمجھتا ضرور ہے

مائل یہ زور شور ہے فصلِ بہار کا
توبہ کا توڑنا تو نہایت ضرور ہے



کھلی کھلی نہ کسی سے کبھی رسم و راہ رہے　　وہ چال چل کہ زمانے کو اشتباہ رہے
تمام شب تو مرے گھر میں رشکِ ماہ رہے　　مجھی کو لوگ بتائیں کہ رو سیاہ رہے

سبھی کے تاب و تحمل کا امتحاں کیجے
سبھی سے لڑتی ہوئی بزم میں نگاہ رہے

لکھا ہوا ہے یہ قسمت میں کوئے جاناں کی
کہ عاشقوں کی ہمیشہ یہ قتل گاہ رہے

گلہ ہو پھر ستمِ روزگار کا کس کو
اگر نظر میں کبھی پھرتا وہ رشکِ ماہ رہے

یہ کیا غضب ہے کہ آتے ہی غیر کے ظالم
نہ یہ ادا نہ یہ دلکش تری نگاہ رہے

فلک کو لاگ خدا سے نیاز کیا کیجے
مری طرح سے تو کوئی نہ بے پناہ رہے

شراب پیتے رہے ہیں امیدِ رحمت پر
گناہگار رہے ہم نہ بے گناہ رہے

گلہ نہ آئے زباں تک بھی جان دینے کا
مزا تو جب ہے کہ قاتل ہی عذر خواہ رہے

کسی نے بات بھی پوچھی نہ خستہ جانوں کی
رہے سبھی ترے کوچہ میں پر تباہ رہے

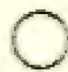
نہ چھیڑ واعظِ ناداں نہ چھیڑ رندوں کو
یہ میکدہ ہی رہے گا نہ خانقاہ رہے

جنابِ شیخ نہ فرمائیں شکل کہتی ہے
گئے تو کعبہ کو لیکن بہت تباہ رہے

نزاعِ شیخ و برہمن کی خوبیاں ہیں سب
چلیں سلوک سے باہم تو ایک راہ رہے

چھپائیں لاکھ محبت، مگر نہیں چھپتی
کسی سے بات کریں پر وہیں نگاہ رہے

کیے ہوئے ہے بھروسہ کسی کی رحمت پر
نہیں یقین کہ مائل سے اک گناہ رہے



کیوں کہوں پاسباں کو تو نہ رہے
بیوفائی کی اس میں بو نہ رہے

دلِ حیراں کو جستجو نہ رہے
جلوہ اُس کا جو سو بہ سو نہ رہے

دل میں جب تیری آرزو نہ رہے
پھر کسی کی بھی جستجو نہ رہے

لختِ دل آ رہے ہیں اشکوں میں
زخمِ دل قابلِ رفو نہ رہے

تو چمن میں جو ہو خزاں میں بھی
موسمِ گل کی آرزو نہ رہے

شیخ صاحب کے ہوش تو دیکھو
میکدے میں بھی بے وضو نہ رہے

درد و غم، ناوک و سناں تو رہیں
آہ پہلو میں ایک تو نہ رہے

چارہ گر دل کے آبلوں کو نہ چھیڑ
میکدہ کیا اگر سبو نہ رہے

جس کے ہر رنگ میں نئی ہو ادا
اُس کی اور دل کو جستجو نہ رہے

یا ہماری نگاہ وہ نہ رہی
یا زمانے میں خوبرو نہ رہے

شیخ صاحب یہ زہد و تقویٰ کی
میکدے میں تو گفتگو نہ رہے

دل ہو کعبہ ہو دیر ہو گھر ہو
ہو نہ آباد جس میں تو نہ رہے

ایک بھی اشک گر نہ ہو مقبول
دیدۂ تر کی آبرو نہ رہے

وہ تو رکھتا ہے حسن عالم گیر
دل میں کس کس کے آرزو نہ رہے

پھر سحر تک اُٹھوں تو کافر ہوں
انجمن میں اگر عدو نہ رہے

چاہتا ہے یہ رشک زاہد کا
درِ میخانہ قبلہ رو نہ رہے

کہہ رہی ہے یہ آبِ خنجر کی
کوئی باقی رگِ گلو نہ رہے

کبھی بگڑو کبھی غلط کہہ دو
بے مزہ شکوۂ عدو نہ رہے

روحِ بلبل اگر کشش کر جاتے
نام کو گل میں رنگ و بو نہ رہے

زلف و رخ سے الگ جو رہے
کفر و ایماں کی گفتگو نہ رہے

بتکدے میں جو دیکھ لیں ہم کچھ
کعبہ جانے کی آرزو نہ رہے

پھر کہاں ہو کلام میں گرمی
گر نظر میں وہ شعلہ رو نہ رہے

ہجر میں جی چکے اگر دل میں
یادِ گیسوئے مشکبو نہ رہے

اس طرح صاف ہو کے ہم سے ملو
درمیاں کوئی گفتگو نہ رہے

گو نظر میں ہو کثرتِ عالم
دل میں مائل دوئی کی بو نہ رہے



غرض ہے سجدے سے وہ مہرباں رہے نہ رہے
جبیں رہے نہ رہے آستاں رہے نہ رہے

یہ سوچ کیا کہ لحد کا نشاں رہے نہ رہے
جہاں سے اٹھ گئے جب ہم جہاں رہے نہ رہے

یہ عرض ہے مری اے ساکنانِ کوچۂ یار
یہ خاکسار تمھارا یہاں رہے نہ رہے

ہزار شکر یوں کرتا ملے جو اک نعمت
دہانِ یار میں میری زباں رہے نہ رہے

مری مجال تو کیا ہے کہ اس کو دیکھوں میں
مرے خیال کو تاب و تواں رہے نہ رہے

خدا کے گھر کا ارادہ کروں تو کیونکر میں
یہ مفلسی ہے کہ گھر کا مکاں رہے نہ رہے

یہی رہے جو بتانِ فرنگ کے انداز
حرم تو دے چکے دل سا مکاں رہے نہ رہے

ذرا سی دیر کو محفل میں اُس کی ہو آیئں
بلا سے دل میں غمِ جاوداں رہے نہ رہے

بگڑ چلا ہے زمانہ چمن میں بلبل کا
بلند شاخ پہ اب آشیاں رہے نہ رہے

سحر تو دور ہے اور مجھ میں دم نہیں باقی
تمام رات یہ آہ و فغاں رہے نہ رہے

ادائے ناز سے محفل میں کام کر اپنا
تری بلا سے کوئی بدگماں رہے نہ رہے

امامِ خانۂ کعبہ تو بن گئے واعظ
شراب خانے میں پیرِ مغاں رہے نہ رہے

نزا تو کیا ہے فرشتے جو جان لیں مجھ کو
دماغِ عرش پہ اے پاسباں رہے نہ رہے

وہ لوگ اور ہیں بے پردہ دیکھنے والے
کلیم آپ کو تاب و تواں رہے نہ رہے

لکھا ہوا ہے یہ لوحِ مزارِ مجنوں پر
مٹا ہوا سا بھی اس کا نشاں رہے نہ رہے

بہت ہی سر پہ اٹھایا ہے گیا ذروں نے
بلند مرتبہ اب آسماں رہے نہ رہے

رہا جو ولولہ یہ ہی خدا پرستوں کا
صنم کدے میں بھی ذکرِ بتاں رہے نہ رہے

بناتے کفر کچھ اس ڈھب سے پڑتی جاتی ہے
خدا کا نام بھی وردِ زباں رہے نہ رہے

کیا تو مے سے لبریز چاہِ زمزم کو
یہ ذکرِ خیر ہمارا یہاں رہے نہ رہے

زبانِ شیخ و برہمن کو کاٹ کر رکھ لو
خدا کا ذکر کہ ذکرِ بتاں رہے نہ رہے

جو چہچے تمھیں کرنے ہیں بلبلو کر لو
چمن میں پھر کوئی ہم داستاں رہے نہ رہے

یہ جان وہ ہے کہ لب تک جو آکے پھر جائے
یہ حلق وہ ہے کہ خنجر رواں رہے نہ رہے

وہ لالہ زار ہے سینہ کہ کچھ نہیں پروا
یہ انقلابِ بہار و خزاں رہے نہ رہے

ہمیشہ یار رہا جو غریب و بیکس کا
غریب خانہ میں وہ میہماں رہے نہ رہے

قفس میں ہے مجھے یہ غم کہ باغ پر بجلی
گرے تو یاد مرا آشیاں رہے نہ رہے

مجھے نہ چھیڑ ستم گر کہ ایک نالہ میں
یہ دور دورہ ترا آسماں رہے نہ رہے

اب آگئے ہیں تو سجدہ بھی کر چلیں مائل
خدا کا گھر ہے یہ کوئے بتاں رہے نہ رہے

○

عاشقِ مسکیں کے دل میں کب خیالِ غیر ہے
جو بلا اس گھر میں آئی نام اس کا خیر ہے

جو نہ ہو ہمدرد کعبہ پھر تو اچھا دیر ہے
جو نہ ہو دل سوز اپنا اُس سے بہتر غیر ہے

اہلِ دیں کو اس مکاں سے کس بنا پر بیر ہے
باعثِ تعظیمِ بیت اللہ شانِ دیر ہے

آج راہِ عاشقی میں جلوہ گاہِ دیر ہے
آج ہمت کا ہماری خاتمہ بالخیر ہے

ہاتھ ہو گا اک جہاں کا اور دامن یار کا
عرصہ گاہِ حشر میں یہ دیکھنے کی سیر ہے

اک بلا سے مجتنب کیا ہر بلا کے واسطے
میکدے میں قلقلِ مینا دعائے خیر ہے

ہم نہ نکلے ہیں نہ نکلیں اُس میں جا کر دیکھنا
صحنِ باغِ یار میں خلدِ بریں کی سیر ہے

بوسہ دیتے ہی جو نکلی دل سے آہِ شعلہ بار
سنگِ بیت اللہ میں پنہاں شرارِ دیر ہے

ہے اگر جھرنا تو جھرنا ہے ہماری آنکھ کا
سیر اگر ہے پھول والوں کی تو اُن کی سیر ہے

یہ نہ سمجھو مجلس کو دیوانہ ہے صحرا نشیں
وادیٔ وحشت تو اُس کا اک مقامِ سیر ہے

وہ ہے آنسو بحرِ رحمت جس کو اپنا جان لے
وہ ہے گریہ آتشِ دوزخ کو جس سے بیر ہے

اپنے کوٹھے پر وہ کافر بے نقاب آیا نظر
جس مکاں کو دیکھتا ہوں جلوہ گاہِ دیر ہے

ہوش آیا جب یہ دیکھا سر ہے اپنے پاؤں
بیخودی میں ہم یہ سمجھے تھے کہ اُن کا پیر ہے

بسمل آپس میں لڑا کرتے ہیں چھینٹے خون سے
مقتلِ عشاق میں یہ دیکھنے کی سیر ہے

منحصر کچھ ساقی و پیرِ مغاں پر ہی نہیں
جس کو دیکھا میکدے میں سر سے پا تک خیر ہے

کب ہوئی میری رسائی اُس تلک و تنگ کب پہنچی
کیوں خدا جانے کہ مجھ سے آسماں کو بیر ہے

شیخ صاحب سر پہ دستارِ فضیلت ہے کہاں
ہاتھ میں ساغر ہے رندوں کے ابھی تک خیر ہے

کیوں گری پڑتی ہے بجلی خانۂ صیاد پر
آشیاں سے دشمنی ہے یا قفس سے بیر ہے

اس دلِ دشمن کے ہاتھوں سے یہ حالت ہو گئی
چارہ گر سے دشمنی ہے نامہ بر سے بیر ہے

کچھ نہیں لغزش مرے ایماں میں اب تک کچھ نہیں
دو قدم فضلِ خدا سے جلوہ گاہِ دیر ہے

جب سے تم کہہ کر گئے ہو الوداع و الفراق
راحتوں سے دشمنی ہے زندگی سے بیر ہے

جن میں تم کو دیکھتے تھے آتے جاتے رات دن
اُن گلی کوچوں میں پھرنا یہ ہماری سیر ہے

آبِ حیواں پی رہا ہوں میں تو یہ آنسو نہیں
لوگ کہتے ہیں کہ اُس کو زندگی سے بیر ہے

پڑھ سکو مائل تو پڑھ لو وہ لکھا ہے عرش پر
اُمتِ ختمُ الرسل کا خاتمہ بالخیر ہے



مہندی تو اُس کے پاؤں میں شب بھر لگی رہے
اور آگ تجھ میں اے دلِ مضطر لگی رہے

کہتے ہیں سوزِ عشق و محبت ہے اُس کا نام
جو آگ جان و دل میں برابر لگی رہے

یا رب کھلا رہے درِ میخانہ حشر تک
زنجیر خانقاہ کی اکثر لگی رہے

مقتل میں سوچتا ہوں کہ دامن پہ ناز کے
اک بوند میری خون کی کیونکر لگی رہے

ہم یہ سمجھ لیں خیر چلو جان تو بچی
اُس کی نگہ کی تاک جو دل پر لگی رہے

کٹ جائے روزِ حشر مرا آبرو کے ساتھ
منھ پر جو خاکِ کوچۂ دلبر لگی رہے

دیکھیں نہ آئے کونسا بدخواہِ مے کدہ
در پر سبیلِ ساقیِ کوثر لگی رہے

رازِ درونِ پردہ زبانوں پر آگیا
پھر مُہر کس طرح مرے منھ پر لگی رہے

جاتے تو وعدہ کرکے ہو ایسا نہ ہو کہیں
کم بخت میری آنکھ سوتے در لگی رہے

کیا پوچھنا ہے اُس کے چراغِ مزار کا
جس کو کہ تیری لوتہِ خنجر لگی رہے

اے ابرِ نو بہارِ کرم جھومتا ہے کیا
ایسی جھڑی لگا کہ برابر لگی رہے

رندوں کے ہاتھ چڑھ گئی داڑھی کبھی شیخ
ممکن نہیں کہ بال برابر لگی رہے

مائل کبھی نہ آئے گا توبہ کا حرف بھی
اک بوند بھر شراب جو لب پر لگی رہے



ممکن نہیں زمانے کی حالت یہی رہے
جلسے یہی رہے ہیں نہ صحبت یہی رہے

خوش تر ترا تصورِ قامت یہی رہے
راضی ہوں جان و دل پہ قیامت یہی رہے

دی تھی دُعا یہ کس نے تجھے اے عروسِ دہر
لاکھوں برس کی عمر ہو صورت یہی رہے

سن لی اگر خدا نے کسی دل فگار کی
ممکن نہیں کہ آپ کی عادت یہی رہے

دیکھا بھی تو نے شیخ گدایانِ میکدہ
انجام کار صاحبِ نعمت یہی رہے

داغوں کی، سوزِ عشق کی یارب کمی نہ ہو
عشاق کے خزانوں میں دولت یہی رہے

پھر دیکھیں کون صاحبِ صبر و قرار ہو
حسن و جمالِ یار کی شہرت یہی رہے

یارب یہ حسن و عشق کے چرچے یہی رہیں
ہر انجمن میں حرف و حکایت یہی رہے

ہم جانتے ہیں خوب زمانے کے رنگ کو
آفت یہی رہے نہ مصیبت یہی رہے

آتی صدا یہ کوہ سے پہلے ہی تیشہ پر
فرہاد مرتے مرتے بھی ہمت یہی رہے

سُن کر مری فغاں کو کہا سوچ سوچ کر
ہاں جانشینِ شورِ قیامت یہی رہے

کل محتسب کے ہاتھ سے سب ہو گئے شہید
ساغر جو رہ گئے ہیں سلامت یہی رہے

مے پی کے خانقاہ میں بکتا ہے شیخ
اور اس پہ چاہتا ہے مشیخت یہی رہے

کرنی پڑی دعا تری رفتار دیکھ کر
عالم میں عاشقی کی قیامت یہی رہے

خالی نہیں ہے لطف سے واعظ بھی شیخ بھی
ان دونوں صاحبوں کی حماقت یہی رہے

مدت میں تیری فرق نہ آیا نہ آئے گا
اس سے سوا ہو اور کہ کثرت یہی رہے

جام شرابِ ناب دیے جاتے شام تک
ساقی کی روزِ عید عنایت یہی رہے

لیلیٰ ابھی کہہ اُٹھی ہے کہ دیوانہ ہے مرا
ممکن نہیں کہ قیس کی وحشت یہی رہے

یا میرے دردِ دل کی نہیں آپ کو خبر
یا چاہتے ہیں آپ کہ حالت یہی رہے

مائل صنمکدہ سے یہ کرتے ہو کیا دعا
دونوں جہاں میں کعبہ کی عظمت یہی رہے



جب تک جہان میں درِ میخانہ باز ہے
ذمہ یہ زاہدوں کے ہماری نماز ہے

وہ بار بار کہتے ہیں تم غیر سے نہیں
اس میں بھی ہم کو اپنی محبت پہ ناز ہے

جاتا تو ہوں نماز کو توبہ کی خیر ہو
مسجد کی راہ میں درِ میخانہ باز ہے

کہتا ہے تجھ کو واعظِ ناداں صنم پرست
سمجھا نہیں کہ اصلِ حقیقت مجاز ہے

عالم بنیں میں بھی ہوں کہ نہیں یہ تو ہاں درست
جو عالم آفریں ہے وہ عالم نواز ہے

ضد سے ہی مہرباں ہو لگتا تو ہوں اسے
کافر ترا ستم بھی غضب دلنواز ہے

مائل شبِ فراق بسر کی ہیں سینکڑوں
پر رات آج کی تو نہایت دراز ہے



وہ گل نہ رنگ و بو میں ہزاروں میں ایک ہے
گلزارِ دو جہاں کی بہاروں میں ایک ہے

خورشید اگر فلک کے ستاروں میں ایک ہے
وہ ماہرو بھی عرش کے تاروں میں ایک ہے

بلبل اگر ہے نغمہ سرائی میں اُس کے فرد
گل بھی چمن میں سینہ فگاروں میں ایک ہے

سجدے سے سر اُٹھاتے ہی تختہ پہ خاک کے
کہتی ہے ہر گیاہ اشاروں میں ایک ہے

حسن و جمال ہی میں نہیں فردِ روزگار
انداز میں ادا میں ہزاروں میں ایک ہے

وہ ساری کائنات سے پہلے ہے اس طرح
جیسے کہ پہلے سب سے شماروں میں ایک ہے

مجھ پر جو مہرباں کبھی ہوتے ہیں کہتے ہیں
میرے ستم کے شکر گزاروں میں ایک ہے

کیونکر نہ اس کے بننے سنورنے پہ جان جائے
وہ نازنیں سلیقہ شعاروں میں ایک ہے

کم بخت کی کھٹک نہیں جاتی کسی طرح
یہ خارِ رشکِ غیر بھی خاروں میں ایک ہے

شاید کہ آج شوقِ شہادت کی بن پڑے
اُن کی کمر میں تیغ ہزاروں میں ایک ہے

کیفیتیں ٹپکتی ہیں ہر ہر ادا کے ساتھ
عمرِ شباب ساری بہاروں میں ایک ہے

کیونکر شراب خانے میں جاتے ہی خوش نہ ہوں
پیرِ مغاں سلیقہ شعاروں میں ایک ہے

وہ کس لیے ہے طائرِ سدرہ کی تاک میں
یہ مرغِ دل تو اُس کے شکاروں میں ایک ہے

اے عشق اپنی آگ مرے دل سے پوچھ تو
دوزخ کا شعلہ اس کے شراروں میں ایک ہے

لکھا جو ماجرائے شبِ غم ذرا ذرا
کہتے ہیں یہ بھی نامہ نگاروں میں ایک ہے

سُن سُن کے میری آہ و فغاں کہہ رہا ہے عشق
میرے کرم کے شکر گزاروں میں ایک ہے

آرائشیں یہ بزمِ جہاں کی ہیں کہہ رہیں
حقا کہ تو سلیقہ شعاروں میں ایک ہے

ہے اُس کی راہ کا اسے آنکھوں میں دو جگہ
یہ وہ غبار ہے کہ غباروں میں ایک ہے

جا کر جو زیرِ عرش اڑایا براقِ ناز غل پڑ گیا یہ شاہ سواروں میں ایک ہے

اس بات پر ہیں ہم تری مائل مٹے ہوئے
پابند اپنی وضع کا یاروں میں ایک ہے

○

بزمِ اغیار میں کہتے ہیں تجھے کیا دیکھے کوئی دیکھے تو اثر اپنی دعا کا دیکھے
رخِ تاباں کو تکے نرگسِ شہلا دیکھے بے نقاب اس کا جو دیکھے بھی تو کیا کیا دیکھے
پھر تو ارمان ہی دل میں نہ تمنا دیکھے چشمِ عبرت ہے جو نیرنگئ دنیا دیکھے
زخم دیکھے تو تری تیغِ ادا کا دیکھے داغ دیکھے تو مرا داغِ تمنا دیکھے
دہن دیکھے نہ خدائی میں وہ دنیا دیکھے وہ ہے کچھ اور جسے دیدۂ بینا دیکھے
چشمۂ کوثر و تسنیم چھلکتا دیکھے چشم توبہ ہے اگر جام چھلکتا دیکھے
تیغِ ابرو سے کہا کرتے ہیں تازہ کر دے دلِ عاشق میں کوئی زخم جو اچھا دیکھے
کہتے ہیں کعبہ ہمیں یاد کیا کرتا ہے دل زبانی کا بتوں کی کوئی دعویٰ دیکھے
اس سے کس بات کا پردہ ہے تجھے اے واعظ میکدے میں جو ترا ہم مصلیٰ دیکھے
نظر آئے اسے جب اپنے تغافل کا اثر میری آنکھوں سے مرا خونِ تمنا دیکھے
تیرے بیمار کو دیکھا نہیں اچھا ہوتے ہم نے دنیا میں بہت رشکِ مسیحا دیکھے
پھر تو وہ ظلم کرے وہ کہ الٰہی توبہ دل میں عاشق کے اگر خوف خدا کا دیکھے
کہہ اٹھے پھر تو قیامت بھی کہیں کچھ بھی نہیں چشمِ حق بیں ہے جو تیرا قدِ رعنا دیکھے
اک ذرا آنکھ کرے بند تو اپنے ہی میں اس کی قدرت کا تماشا ہی تماشا دیکھے
یاد میری بھی دلا دیجو کبھی بادِ سحر اس کو گلشن میں جو بیٹھا ہوا تنہا دیکھے
بزم ہے بزم دہی بادہ کشوں کی اے شیخ تو فرشتوں کو یہاں محوِ تماشا دیکھے
وہ تو سائے سے مرے دور رہا کرتا ہے دل میں آئے تو مرے دل کی تمنا دیکھے
اے صبا اس سے مرا شوق بیاں کر دینا خوبروؤں میں جسے اچھے سے اچھا دیکھے
کفر و اسلام کے جھگڑوں سے جو بچ کر نکلے آنکھ اٹھا کر سوئے کعبہ نہ کلیسا دیکھے

بدگماں کیوں نہ ہوں بلبل سے کہ ہر شام و سحر
تجھے گل گشتِ چمن میں تنِ تنہا دیکھے

یہ تو مانا کہ ہو رسوائے زمانہ لیکن
خواب دیکھے تو کوئی خوابِ زلیخا دیکھے

بادۂ نور سے لبریز تھی دل کی صورت
بزم ساقی میں عجب ساغرِ صہبا دیکھے

کل ہی تو مائلِ میخوار نے رحلت کی ہے
آج تربت پہ چڑھے شیشہ و مینا دیکھے

○

اپنے بیان ہی سے مجھے انفعال ہے
کہتے ہیں وہ کہ سچ ہے تو جینا محال ہے

وحشت میں رازِ عشق چھپاتا ہوں دل ہیں
دیوانگی میں بھی مجھے اتنا خیال ہے

بدلی نظر اُدھر کہ اِدھر دم نکل گیا
ہونا بھی نکتہ سنج ادا کا کمال ہے

اے دل تجھے ہے رات دن آہ و فغاں سے کام
میرا بھی کچھ ہے پاس نہ اپنا خیال ہے

کیا لاؤں شکوۂ شبِ ہجراں زبان پر
پہلو میں یار بھی ہے تو یاں وہ ہی حال ہے

آبِ حیات کے لیے احسان کیوں اٹھائیں
اے خضر کیا شراب کا دنیا میں کال ہے

کیسے گلے کہاں کی جدائی وصال کیا
جھگڑے کا اک نگہ میں یہاں انفعال ہے

شاید کہ خون ہو کے وہ آنکھوں سے بہہ گیا
تھا دل تو میرے سینے میں ایسا خیال ہے

اس سے تو آؤ ملکِ عدم میں چلے چلیں
ہستی میں جس کو دیکھیے آشفتہ حال ہے

ناصح خدا کے واسطے خاموش ہو رہو
یہ ولولہ شباب کا دو چار سال ہے

مائل چلے ہو دیر سے احرام باندھ کر
فرمائیں تو جناب کدھر کا خیال ہے

○

یہی جو دردِ محبت سے حالتِ دل ہے
تو دیکھنا کہ ہم ہیں نہ کوئے قاتل ہے

جو فتنہ خیز جگہ ہے تو کوئے قاتل ہے
جو عافیت کا ہے گوشہ تو گوشۂ دل ہے

جو ہو امید تو کچھ لامکاں بھی دور نہیں
جو یاس ہو تو قدم بھر ہزار منزل ہے

حباب پر ہے یہ احسان بے ثباتی کا
کہ موج کا اُسے خطرہ نہ فکرِ ساحل ہے

نہ ہم میں تاب و تحمل نہ دل میں صبر و قرار
اب اُس کا راہ پہ آنا بہت ہی مشکل ہے

ہوا جو شاد بگولہ کو دیکھ کر مجنوں
بندھا ہوا مگر اُس کو خیالِ محمل ہے

شراب خانے کے در پر پڑا تو ہے واعظ
مگر خبر نہیں ہشیار ہے کہ غافل ہے

نثار جو رخِ رنگیں پہ دی تو کہتے ہیں
خدا کی شان حسینوں میں گل بھی داخل ہے

اگرچہ آپ کو بیعت کا ہے شرف مائل
ہمیں بھی پیرِ مغاں سے نیاز حاصل ہے



ساقی جو دور میں ہے تو پُر نور جام ہے
جو آج میکدے میں ہے جنت مقام ہے

مذکور بھی بتوں کا وہاں تو حرام ہے
کعبہ کو دور ہی سے ہمارا سلام ہے

واعظ نے توبہ توڑی ہے کیا ازدہام ہے
مسجد سے تا بہ میکدہ اک دھوم دھام ہے

ساقی کی چشمِ مست کا زاہد غلام ہے
اس دور میں شراب سے توبہ حرام ہے

واعظ اگر ہے پیرِ مغاں کندہ جام پر
دل پر تو نقش ساقیٔ کوثر کا نام ہے

وحشت کے رنگ ڈھنگ سکھاتے ہمیں نے ہیں
مجنوں کی شہرتیں نہیں اپنا ہی نام ہے

دینا پڑا ہے اب اُسے روح الامیں خطاب
کہتا ہے نامہ بر کہ زبانی پیام ہے

پڑھ کر نماز سب جو کیا کرتے ہیں سلام
مسجد خدا کا گھر ہے کہ دارالسلام ہے

اتنا پتہ چلا ہے خدا ہی کا کیوں نہ ہو
عرشِ بریں سے آگے کسی کا مقام ہے

نیرنگِ عشق سے تھی زلیخا جو بے خبر
یوسف کو کہہ اُٹھی کہ ہمارا غلام ہے

پروانہ وار شمع پہ جلنے سے ہے غرض
ہر خوبرو پہ ہم کو تو مرنے سے کام ہے

یکجا رکھا نہ آہ اسیری میں بھی فلک
کوئی قفس میں ہے تو کوئی زیرِ دام ہے

جائیگی ساتھ شامِ غریبی کہاں کہاں
ہے آج یاں قیام تو کل واں قیام ہے

گھیرے ہوئے ہیں کیوں مری مایوسیاں مجھے
ابرِ کرم ہے تو تری رحمت تو عام ہے

ڈالو نظر جو گردشِ لیل و نہار پر
ہر صبح کہہ رہی ہے مرے پیچھے شام ہے

نالوں کے ضبط کرنے کی طاقت نہیں رہی
گر آج ہی نہ آئے تو دنیا تمام ہے

غفلت ہے یہ حباب ابھرتا ہے کس قدر
ہر چند جانتا ہے کہ دم بھر قیام ہے

جھگڑا ہی اب رہا نہیں رندی و زہد کا
رندانِ بادہ خوار کا زاہد امام ہے

کیا منھ دکھائے ماہ دلِ داغدار کو
ہر داغ کہہ رہا ہے ہمارا غلام ہے

واعظ کو صاف پیرِ مغاں نے یہ کہہ دیا
رندانِ بادہ کش میں یہ صورت حرام ہے

ہر روز میکدے میں ہے ہنگامہ عید کا
ہر ماہ خانقاہ میں ماہِ صیام ہے

ہو تنگ ہی تو ساقیِ کوثر کے آس پاس
رندانِ بادہ خوار کا عالی مقام ہے

محراب کعبہ دیکھ کے مائل اُڑا نہ ہوش
بیت الصنم نہیں ہے یہ بیت الحرام ہے



یہ ہے صفِ مژگاں کہ کوئی فوجِ ستم ہے
یہ ابروئے خمدار ہے یا تیغِ دو دم ہے

طے کرنے کو تیار ابھی راہِ عدم ہے
اتنا تو ہمارے دلِ بیمار میں دم ہے

سچ کہتے ہیں طینت میں حسینوں کی ستم ہے
لیلیٰ مجھے کہتی ہے کہ یہ قیس سے کم ہے

کہتے ہیں کہ عشاق سے کیا ناک میں دم ہے
جو بات وہ کہتے ہیں ہمیں اُس کی قسم ہے

دم بھر میں جو آجائے تو آجائے خبر اور
اب تک تو سنا ہے ترے بیمار میں دم ہے

شوخی سے کوئی بات بھی خالی نہیں ہوتی
کہتے ہیں مرے ہاتھ میں دل ہے کہ رقم ہے

یہ ابر ہے اور عید ہے پی جا جو پلاؤں
واعظ تجھے دستارِ فضیلت کی قسم ہے

دل میں جو تصور ہے رخ و چشم کا اُس کے
آئینہ کبھی ہے تو کبھی ساغرِ جم ہے

کرتا ہوں دعا وقت صبوحی مجھے دے ڈال
چھوٹا سا جو باغوں میں ترے باغِ ارم ہے

کہتے ہیں کہ تم بھی تو نہیں عہد کے پورے
جینے کی قسم ہے کبھی مرنے کی قسم ہے

دل چھین لو اس کا یہ صلاحیں ہیں بتوں کی
اس سال میں پختہ جو مرا عزمِ حرم ہے

تشریف وہ لاتے ہیں تو مٹتے ہیں خیالات
ناصح کی ملاقات مرے حق میں تو سم ہے

ہمت جو کرے تو ہی تو کچھ کام نکل جائے
اے آہ اثر کی ہمیں امید تو کم ہے

کعبہ میں بھی بیٹھوں تو خدا جانے کہ کیا ہو
بتخانے میں بیٹھے ہوئے جب عزمِ حرم ہے

ہونے کو زمانے میں ہزاروں ہیں ستمگار
چلتی ہوئی دنیا میں تری تیغِ ستم ہے

ڈرتا نہیں کوئی بھی تو آہوں سے ہماری
سچ کہتے ہیں دنیا میں بڑی چیز بھرم ہے

پہلو سے کوئی بات بھی خالی نہیں ہوتی
وہ خط میں مجھے لکھتے ہیں کس بات کا غم ہے

فتنے جو اٹھے اس میں دبی اس میں ہیں اٹھتے
کب بزم جہاں محفلِ اغیار سے کم ہے

کیا سبزۂ خط کی ترے خوبی کا بیاں ہو
حق یہ ہے کہ کاتب کوئی اعجاز رقم ہے

حق ہے تو کسی حال میں سائل نہ پھروں گا
بتخانے میں بیٹھا ہوں مگر عزمِ حرم ہے

○

دل سوئے صنم خانہ ہے منھ سوئے حرم ہے
دنیا کی دورنگی سے مرا ناک میں دم ہے

کیا فخر تجھے عرش اگر زیرِ قدم ہے
رتبہ میں ترے سایۂ دیوار سے کم ہے

محروم نہ پھیرو مجھے جو چاہو وہ لکھ دو
یہ آپ ہیں یہ عرش ہے یہ لوح و قلم ہے

بردوں سے زمیں کے جو صدا آئی مبارک
شاید کہ مری خاک ترے زیرِ قدم ہے

کچھ بادہ کشی پر نہیں اے واعظِ ناداں
تو پیرِ خرابات ہے ہر بات میں کم ہے

تنقل بھی کوئی منزلِ تسلیم و رضا ہے
شمشیر بھی خم ہے سرِ عشاق بھی خم ہے

اتنا تو برس آج کہ بہتی پھرے توبہ
اے ابر تجھے ساغر و مینا کی قسم ہے

اوسان بجگڑ جاتے ہیں بت خانے میں ایسے
ہر طفلِ برہمن کو سمجھتا ہوں صنم ہے

اک بات ہے ساقی میں تو اک پیرِ مغاں میں
یہ حسن کا دریا ہے تو وہ ابرِ کرم ہے

اس شورِ قیامت سے تو گھبرا گئے وہ بھی
کس منھ سے کہوں میں مری فریاد سے کم ہے

وہ آنکھ ہے کیا آنکھ جو مستی میں ہو چور
وہ جام ہے کیا جام جو میخانے سے کم ہے

اک موج بہا لے گئی سب دفترِ عصیاں
گریہ ہے مرا جوش میں یا بحرِ کرم ہے

ہے سب سے جدا خانۂ دل کا مرے نقشہ
بتخانے سے ملتا ہے نہ ترکیبِ حرم ہے

گر رندِ خرابات کا خود قلب ہے اچھا
پھر جام جو مل جائے وہی ساغرِ جم ہے

ہونے کو تو ہے پر نظر آتا نہیں ہم کو
گویا کہ دہن غنچۂ گلزارِ ارم ہے

یہ رنگ دکھایا ہے تغافل نے تمھارے
فریاد کے پردے میں تقاضائے ستم ہے

مائل وہ پلائی ہے ہمیں پیرِ مغاں نے
مستانہ پڑے پھرتے ہیں غم ہے نہ الم ہے

○

اگر مجھ سے وہ کافر بدگماں ہے
تو اب میں ہوں اور اس کا آستاں ہے

چلو ہو آؤ یہ اُس کا مکاں ہے
کہ مائل کوئی دم کا میہماں ہے

وہاں پہنچے ہیں ہم تیری طلب میں
کہ کوسوں ہم سے پیچھے لامکاں ہے

ہزاروں بار مر مر کر جیے ہم
جو پھر دیکھا تو وہ ہی آسماں ہے

نہ آنے کا نیا حیلہ ہے کھٹکا
تمھارے جذبِ دل کا امتحاں ہے

نہ ہوتے ہم تو عالم بھی نہ ہوتا
ہماری جان تو جانِ جہاں ہے

عدو کو کہہ رہے ہو بے وفا تم
تمھارے منھ میں کیا میری زباں ہے

ملا لینا چمن باغِ ارم سے
جو ہم ہیں اور ہمارا آشیاں ہے

تمھیں وہ یاد اب کاہے کو ہوگا
ہر اک سے پوچھنا مائل کہاں ہے

○

گو فدا ہر بت پہ اپنی جان ہے
قولِ واعظ پر مگر ایمان ہے

کچھ نکلتی اُس سے ایسی آن ہے
جان بھی ایمان بھی قربان ہے

خانۂ دل شیخ کا ویران ہے
اُس میں حسرت ہے نہ کچھ ارمان ہے

میکدے سے یوں نکالا شیخ کو
پھر نہ آئے گا اگر انسان ہے

دل پہ گر رکھو تو بزمِ غیر سے
تم کو اُٹھ آنا بہت آسان ہے

وصل ہو یا ہجر ہو جب دل دیا
ہر طرح سے موت کا سامان ہے

قطرے قطرے سے ہمارے اشک کے
پانی پانی نوح کا طوفان ہے

ہو رہی ہیں پھر وہاں آرائشیں
پھر کسی کے قتل کا سامان ہے

قتل کر کے پوچھتا ہے یوں مجھے
لوگ یہ جانیں کہ یہ انجان ہے

کر لیا توبہ کا میری اعتبار
سچ تو ہے واعظ بڑا نادان ہے

مال کیا جان کبھی ایمان بھی
جو ہے تیری راہ میں قربان ہے

مے کشی کو ظرفِ عالی چاہیے
یہ سراسر شیخ پر بہتان ہے

میکدے میں عمر ساری کٹ گئی
شکر ہے اللہ کا احسان ہے

جب سے ہو کر وہ گیا ہے فتنہ گر
صحنِ خانہ حشر کا میدان ہے

ہیں غضب مستانہ اُس کی گردشیں
چشمِ ساقی میکدے کی جان ہے

جان مضطر ہے اک آفت میں دل
دل کے ہاتھوں اک غضب میں جان ہے

تیر کو کیونکر نہ دوں دل میں جگہ
یار کا بھیجا ہوا مہمان ہے

ہیں ستمگر سب کے سب آپس میں ایک
ہجر میں موت آئے کیا امکان ہے

کون آیا ہے چمن میں بے نقاب
دیدۂ نرگس جو یوں حیران ہے

دم بھرے جاؤں گا تیرے عشق کا
جان میں جب تک کہ میرے جان ہے

یوں رہیں آوارۂ غربت صنم !
یہ بھی مائل اک خدا کی شان ہے



جہاں مائل کا مسکن ہے وہ بازارِ دل و جاں ہے
جہاں ہے داغ کا مدفن گلستاں ہی گلستاں ہے

کچھ اس ڈھب کا مزاجِ پاسبانِ کوئے جاناں ہے
کہ انسانوں میں انساں ہے نہ حیوانوں میں حیواں ہے

اگر نکلوں بھی میں گھر سے کہاں جاؤں کدھر جاؤں
نہ ہیں آباد میخانے نہ دورِ جامِ عرفاں ہے

یہ کہہ کر آج اپنے غمزۂ خوں ریز پر بگڑا
مرے کوچے میں اب تک ایک ہی گنجِ شہیداں ہے

گزر جائیں کسی کے پردۂ در سے نہیں ممکن
گزرنا آسماں سے میری آہوں کا تو آساں ہے

خدا کے واسطے اے خاطرِ مجموع رخصت ہو
کہ اب دل میں مرے مہماں کوئی زلفِ پریشاں ہے

تم اتنے کیوں بگڑتے ہو جو ڈالا ہاتھ دامن پر
دلِ دیوانہ یہ سمجھا کہ اپنا ہی گریباں ہے

ترے سر سے نہ جائیگا کبھی سودا محبت کا
تری دستار لے مجنوں مرا تارِ گریباں ہے

بلانے خود گئے تھے حضرتِ پیرِ مغاں اُس کو　　نہ کہنا بزم میں شیخ کو ناخواندہ مہماں ہے

جنوں میں ناز ہے اتنا تجھے کس بات پر مجنوں　　نہ میری سی تری وحشت نہ میرا سا بیاباں ہے

دکھایا خط جو دشمن کا کہا میری بلا جانے　　یہ کس کا عہد نامہ ہے یہ کس کا عہد و پیماں ہے

وہ کافر کیش کیونکر عاشقِ صادق مجھے سمجھے　　ابھی تو کچھ مرے دل میں جھلکتا نورِ ایماں ہے

نہ سمجھو پیر مائل کو بہار آنے کی سنتے ہی
وہی سر ہے وہی سودا وہی دیوارِ زنداں ہے



سمجھتے تھے یہ مجنوں کو کہ اک دیوانہ انساں ہے
بیاں اُس نے کیے ایسے کہ سب کی عقل حیراں ہے

کرم فرماؤ جو کچھ بھی وہ اب احساں ہی احساں ہے
دلِ ویراں ہے سینے میں نہ حسرت ہے نہ ارماں ہے

گلو میں صورِ اسرافیل کے کیا شور و افغاں ہے
گلے میں صبحِ محشر کے بھی اپنا ہی گریباں ہے

ادھر زلفِ سیہ سرکش اُدھر رخسارِ تاباں ہے
تمھاری تیغِ ابرو درمیانِ کفر و ایماں ہے

وہی صحرا نوردی ہے وہی پُرزے گریباں ہے
بہار آئے خزاں آئے ہمارا حال یکساں ہے

ہزاروں اس کے پہلو ہیں کوئی سمجھے تو کیا سمجھے
مرے نامہ کو جو پڑھ کر کہا اُس نے کہ انساں ہے

اگرچہ شیخ مفلس ہے مگر ساقی ہے دریا دل
مثل سچ ہے غریبوں کا خدا خود میرساماں ہے

پلا دو شیخ کو اتنی، قیامت تک نہ ہوش آئے
شرابِ ناب کا منکر ہے اور ناخواندہ مہماں ہے

دلِ عاشق جو شاداں ہے پریشانی کے عالم میں
مگر اُس کے تصور میں تری زلفِ پریشاں ہے
دلِ دیوانہ ڈرتا ہوں کہیں گھٹ کر نہ مر جائے
نہیں دنیا بھی تنگ اتنی کہ جتنا تنگ زنداں ہے
بہت ہی شرم آتی ہے مجھے تبخانے میں جاتے
چڑھاؤں کیا وہاں جاکر ذرا سا نورِ ایماں ہے
نبی تھے حضرتِ موسیٰ کہ غش پر ٹل گئی اُن کی
مرے حق میں جلوہ کیا بے پردہ آفتِ جاں ہے
مری میت پہ سچا ہے مرے احباب کا رونا
مرا روزِ وصال آیا اور اُن کا روزِ ہجراں ہے
لگانے آئے تھے ٹانکے مرے زخمِ جگر میں وہ
رفو کرنے لگے اس میں یہ تقدیرِ گریباں ہے
صنم خانے سے جی میں ہے کہ منھ کالا ہی کر جاؤں
ہر اک پتھر یہ کہتا ہے کہ مائلؔ تو مسلماں ہے



نہ ہر دل جلوہ گاہِ روئے پر انوارِ جاناں ہے
نہ ہر ظلمت کدہ سرمایہ دارِ آبِ حیواں ہے
مسلمانوں میں سچ کہنا کوئی ایسا مسلماں ہے
مرے قشقے سے دیکھو تو جھلکتا نورِ ایماں ہے
ترا دامن جو دیکھا پردہ دارِ اہلِ عصیاں ہے
اُٹھا کر اپنے فتنے کو قیامت بھی پشیماں ہے
ہراساں تھا بہت واعظ کہ اتنا بارِ عصیاں ہے
ہوئی بخشش یہ کہتے ہی کہ میخانہ کا ساماں ہے

سکندر چل مشیّت پر جو پیتا آبِ حیواں ہے
بھروسہ خضر پر رکھنا تو ناکامی کا ساماں ہے

یہی رنگِ زمانہ ہے تو اک کانٹے پہ کھٹکے گی
ہمارا اور مجنوں کا شراکت میں بیاباں ہے

یہ ادنیٰ سا کرشمہ ہے کسی نقشِ کفِ پا کا
جو دن ہو مہرِ رخشاں ہے جو شب ہو ماہِ تاباں ہے

سیاہی لکھے چہرے کی کہاں جائیں کدھر جائیں
ہماری پردہ پوشی کو تمہارا دورِ داماں ہے

جنابِ نوح روتا میں تو رحمت جوش میں آتی
ڈبو دینے کا عالم کے مری آنکھوں میں طوفاں ہے

نظر آتی اگر اُس کو ادائے حُسنِ صدیقی
زلیخا خود ہی کہہ دیتی کہ یوسف پاک داماں ہے

نہیں ہے خاک تو اتنی کہ ڈالوں چشمِ وحشت میں
مگر کہنا پڑا یہ ہی بیاباں پھر بیاباں ہے

خدا رکھے قیامت تک تجھے اے پیرِ میخانہ
کہ اب دنیا میں تو ہی یادگارِ بزمِ عرفاں ہے

دکھاتا اپنا میخانہ جو رضواں آنکلتے تم
یہ کیا جنت میں جنت ہے یہ کیا ساماں میں ساماں ہے

جسے جانا جسے سمجھا اُسی کو بھول جاتا ہوں
نہ مجھ سا کوئی دانا ہے نہ مجھ سا کوئی ناداں ہے

یہ سب کہنے کی باتیں ہیں ازل سے تجھ پہ شیدا ہیں
خدا جانے کہ کب سے تو تمنائے دل و جاں ہے

ہوائے تندِ ہجراں سے نہیں بجھتا نہیں بجھتا
چراغِ عمرِ عاشق کیا تمہارے زیرِ داماں ہے

وہاں جھگڑے نہ امکاں کے وہاں قصے نہ واجب کے
جہاں ہم ہیں محبت میں نہ واجب ہے نہ امکاں ہے

کسی کی جلوہ ریزی سے ہوا وہ نور کا عالم
کہ اب کہتا نہیں کوئی کہ دنیا خاک ساماں ہے

مقدر جب بگڑتا ہے تیمم کو نہیں ملتی
غلط سمجھے ہیں جو سمجھے ہیں دنیا خاک ساماں ہے

جو جیتے ہیں تو مٹی ہیں جو مرتے ہیں تو مٹی ہیں
کسی نے سچ کہا ہے یہ کہ دنیا خاک ساماں ہے

وہ پایا ہم نے تربت میں وہ دیکھا ہم نے تربت میں
سنا تھا زندگانی میں کہ دنیا خاک ساماں ہے

مدینے کے سفر میں ہم رہے ہیں ساتھ مائل کے
وہ اپنے عہد کا پورا بڑا پکا مسلماں ہے

○

یہ تو دمِ مسیح نہ آبِ بقا میں ہے — تاثیر جو ترے لبِ معجز نما میں ہے
اندازِ دلبری نری ہر ہر ادا میں ہے — مستی نگاہ میں ہے نہ شوخی حیا میں ہے
تجھ پر نگاہ پڑتے ہی عارف بھی کہہ اٹھے — ملتی ہوئی یہ شان تو شانِ خدا میں ہے
سو بار امتحانِ محبت ہیں کر چکے — کچھ زہر میں اثر ہے نہ آبِ بقا میں ہے
اللہ کس سے جا کے کہوں ماجرائے دل — تاثیر اس زمانے میں کس کی دعا میں ہے
تمثیل ہے حباب کی دریا بھی سرنگوں — دم بھر کی ہے نمود پھر اس کی ہوا میں ہے
مرنے تھے جو عادے وہ پیمان ہو چکے — اب کیا دھرا ہوا مری عرضِ وفا میں ہے
مجلس میں وعظ کی ہے نہ جلسے میں شیخ کے — کچھ لطف ہے تو صحبتِ اہلِ صفا میں ہے

جاتیں تو کیسے جاتیں مری بیقراریاں
تیرِ نگاہِ یار دلِ مبتلا میں ہے

بنتی نہیں کبھی بھی تو سجدہ کیے بغیر
کیا جانے کیا کشش بہ ترے نقشِ پا میں ہے

رہتا نہیں ہے دل میں کدورت کا نام بھی
تاثیر میکدے کی یہ آب و ہوا میں ہے

شاکرِ ستم کو سن کے وہ کہتے ہیں طعن سے
کیا آپ کا شمار بھی اہلِ وفا میں ہے

بحر و حباب و موج ہی پر منحصر نہیں
دیکھا جسے جہان میں اپنی ہوا میں ہے

پوچھو تو میرے دل سے نشیب و فرازِ عشق
سرگشتہ ایک عمر سے راہِ وفا میں ہے

پڑ جائے فرق اُن کے نہ تمکین و ناز میں
کچھ رنگ اور اب مری آہِ رسا میں ہے

دل میں کسی کے لَو نہ ہو جب تک لگی ہوئی
یادِ بتاں میں لطف نہ یادِ خدا میں ہے

جدت پسند طبع قیامت ہی کرتی ہے
جب دیکھتا ہوں یار کو فکرِ جفا میں ہے

پہنچا ہے لے کے منزلِ مقصود پر مجھے
ہمت خضر سے بڑھ کے مرے رہنما میں ہے

یہ کس کے اشکِ خوں ہیں سرایت کیے ہوئے
شوخی جو خونِ دل کی سی رنگِ حنا میں ہے

ناصح کی بات بات پہ اُلجھوں کس طرح
دل تو پڑا ہوا کسی زلفِ دوتا میں ہے

کیا تنگ آ رہا ہوں دلِ بدگماں سے میں
پیلا گلوں کا رنگ جو اُن کی حیا میں ہے

ہر دم ہے ایک تازہ مصیبت کا سامنا
جینے کا لطف ہے تو نزولِ بلا میں ہے

مائل کو فخر کیا ہو قبولِ عوام کا
اُس کے سخن کی جا دلِ دردآشنا میں ہے



نکل کے جان مری تن سے انتظار میں ہے
غضب کی چھیڑ ستم گر ترے قرار میں ہے

ابھی یہ کچھ ترے کشتوں کی ہے پریشانی
کہ جان و دل ترے در پر ہیں تن مزار میں ہے

ہر ایک فصل میں واعظ کی ضد سے پیتا ہوں
اگرچہ لطف مئے ناب کا بہار میں ہے

انھیں قسم ہے ادھر بھول کر بھی آنے کی
مجھے یہ فکر ہے دل کس کے انتظار میں ہے

بگڑتے کیوں ہو نہ ذکر آپ کا نہ میرا نام
کسی کی جان کسی کے تو اختیار میں ہے

کئی ہزار تمنا کے خون کا ہے رنگ
یہ جوش کچھ جو مری چشمِ اشکبار میں ہے

ہزار بار وہ دیکھیں مگر وہ لطف کہاں — مزا جو جان کے جانے کا پہلے وار میں ہے

شعاعِ مہر سے لپٹا سمجھ کے دامنِ یار — ابھی یہ رنگِ جنوں کچھ مرے غبار میں ہے

وہاں نظر میں سماتے نہیں ہیں دونوں جہاں — جو ایک جان بھی دیں ہم تو کس شمار میں ہے

ملا جو میں سرِ راہِ عدو تو کہتے ہیں — عجب طرح کا غبار آج رہگزار میں ہے

نہیں گلوں سے تو کم داغہائے بلبل بھی — خزاں میں کیا نہیں جو موسمِ بہار میں ہے

عدو کی بزم شب و روز گرم رہنے لگی — یہ کیوں کہا کہ اثر آہِ شعلہ بار میں ہے

نہ بولنا کہیں مائل سے حضرتِ ناصحؒ (واعظ)

کہ توبہ توڑ کے آیا ہے اور خمار میں ہے



کیا یہ لطف گردشِ شمس و قمر میں ہے — ہر صبح و شام ایک تماشا نظر میں ہے

جلوہ عروسِ دہر کا دیوار و در میں ہے — جز فتنہ و فساد کیا واعظ کے گھر میں ہے

منبر پہ بیٹھ جانے سے چلتا نہیں ہے کام — تاثیر جو بیان میں تو داخل ہنر میں ہے

کہنے لگے وہ مجمعِ عشاق دیکھ کر — پھر رونما کا آج تو بازار گھر میں ہے

کل سر اٹھاتے فتنۂ محشر تو کیا خبر — اب تک تو وہ غریب تری رہگذر میں ہے

وعدے پہ وہ نہ آئے نہ کیونکر ہوں بدگماں — کھٹکا ہے جس کا مجھ کو وہ ان کی نظر میں ہے

لایا ہے کیا جواب مرے خط کا پوچھ لو — باقی رمق سی جان ابھی نامہ بر میں ہے

لکھا ہے مجھ کو خط میں بڑے ہو وفا شعار — شاید جفائے تازہ دلِ فتنہ گر میں ہے

کل یار کہہ رہے تھے مبارک ہو اندمال — سوزش سی آج پھر مرے زخمِ جگر میں ہے

جو آج کل ہے آپ کا ہمراز و ہم نشیں — اچھا ہے یا برا ہے کھٹکتا نظر میں ہے

اس کو تو عاشقی کی ہوا بھی نہیں لگی — فرہاد کا شمار تو اہلِ ہنر میں ہے

تیرا ہی اے فلک نہیں سب کائنات کا — جو کچھ مآلِ کار ہے میری نظر میں ہے

وقتِ وداع کہتے ہیں ملنا وہاں مجھے — اک باغِ خلد نام مری رہگذر میں ہے

رشکِ عدو کا تیر نہ کیونکر ہو کارگر — اس کی کمر کی تیغ تمھاری کمر میں ہے

یہ کہہ کے بزمِ خاص میں اس نے بلا لیا
مائلؔ ترا شمار تو اہلِ نظر میں ہے



وہ جلوہ حسنِ یار کا دیوار و در میں ہے
گویا تمام نورِ خدا میرے گھر میں ہے

ہے یادِ چشمِ مست کہ میخانہ گھر میں ہے
قامت نظر میں ہے کہ قیامت نظر میں ہے

اب آ گیا تو باغِ جہاں دیکھتا چلوں
اچھا ہے یا برا ہے مگر رہ گزر میں ہے

دامن چھڑا کے جاتے ہو جاؤ گے تم کہاں
دامن مری دعا کا تو دستِ اثر میں ہے

قامت کو تیرے دیکھ کے اے سروِ باغِ حسن
کافر ہوں گر کہوں کہ قیامت نظر میں ہے

اے سوزِ دل گداز یہ تیرا طفیل ہے
ڈوبی ہوئی جو آہ ہماری اثر میں ہے

روتے ہیں میرے ساتھ فرشتے بھی زار زار
اتنا اثر تو اب بھی مری چشمِ تر میں ہے

ساقی بھی ہے شراب بھی شیشے بھی جام بھی
گھر میں خدا کے وہ نہیں جو میرے گھر میں ہے

تو کہہ تو مجھ سے اے دلِ بیتاب کیا بنی
کچھ تازہ تازہ خون مری چشمِ تر میں ہے

تیرا تو اے مصیبتِ غربت گلہ ہو کیا
حب الوطن کا ہاتھ بلا کا سفر میں ہے

وہ دن گئے کہ زندہ دلوں میں شمار تھا
اب زندگی کشاکشِ شام و سحر میں ہے

تازہ ہوں یہ زخمِ کہنہ تو دل کے گنے فلک
اک تازہ زخم اور بھی میرے جگر میں ہے

ہوتا ہے مرگ و زیست کا دم بھر میں فیصلہ
خط ہے کہ میری جان کفِ نامہ بر میں ہے

اے آرزوئے قتل مبارک ہو آج تو
خنجر ہے جس کا نام وہ ان کی کمر میں ہے

قاتل اب اس کو ہے تری ٹھوکر کی آرزو
تن سے جدا پڑا ہے مگر درد سر میں ہے

دل بھی ہے پاش پاش جگر بھی ہے پاش پاش
نالہ کا جو اثر ہے وہ اپنے ہی گھر میں ہے

کیونکر تحیرِ جلوۂ خورشید و ماہ ہو
حسن و جمالِ یار ہماری نظر میں ہے

کیونکر مری دعا سے رہائی قبول ہو
پرواز کی ہوس تو ابھی بال و پر میں ہے

ماتم کدہ جہان کو کہنا بجا ہوا
میرا سا آج دردِ دلِ نامہ بر میں ہے

آ کر وہ میری لاش پہ شوخی سے دیکھنا
کہنے لگے کہ آج یہ سیر و سفر میں ہے

سائل اٹھا نہ سجدے سے روتا نہیں ہوں میں
بحرِ کرم کا جوش مری چشمِ تر میں ہے



یاد ہی آتا نہیں یہ جوشِ وحشت دل میں ہے
ایسے شوخِ بے مروت کی محبت دل میں ہے

عشق کس کا دل میں ہے اور کس کی صورت دل میں ہے
ہے بجا گر یہ کہوں نیرنگِ قدرت دل میں ہے

کیا اشارہ میکشی کا جھوم کر کرتا ہے تو
یہ تو پہلے سے مرے اے ابرِ رحمت دل میں ہے

ایک آہِ آتشیں کے ہیں یہ ساتوں آسماں
آجکل تو وہ ہمارے سوزِ فرقت دل میں ہے

اس طرح وہ درد سے سنتے ہیں میری داستاں
کوئی یہ جانے نہایت ہی محبت دل میں ہے

آج کل تو ظاہر و باطن ہے اپنا ایک سا
اشکِ حسرت چشم میں ہے دردِ فرقت دل میں ہے

مے پلا کر شیخ کو رندوں نے بے خود کر دیا
گو نہیں کہتا مگر ممنونِ منت دل میں ہے

ہو رہا ہوں آپ ہی اپنے تصور پہ نثار
دیکھ تو ملنے کی تیرے کیسی حسرت دل میں ہے

ہے میسر مجھ کو ہر جا جلوۂ دیدارِ یار
وہ ہی آنکھوں میں ہے پھر اُن کی حسرت دل میں ہے

ہر نفس کے ساتھ پیراہن میں لگ جاتی ہے آگ
خاطرِ افسردہ پہ اتنی حرارت دل میں ہے

دو جہاں کے کام کا رکھا ہے بس اس پر مدار
سب خدائی کی جو سچ پوچھو تو قدرت دل میں ہے

محفلِ دشمن کی جانب لے تصور تو نہ جا
صاف ہوں میں اب تو عشقِ بے کدورت دل میں ہے

پھر خدا جانے کہ تجھ سے کیوں نہیں ملتا ہے تو
کچھ گلہ تیرا نہ کچھ تیری شکایت دل میں ہے

درہم و برہم ہوا ہے اک جہانِ آرزو
ہے تصور اس کے قد کا یا قیامت دل میں ہے

ہر فغاں میری ہلا دیتی ہے ساتوں آسماں
یا الٰہی کیا بھرا شورِ قیامت دل میں ہے

وہ گئے دن حسرت و ارماں کا رہتا تھا ہجوم
سر بسر اب تو بھرا شوقِ شہادت دل میں ہے

ناتواں سا ناتواں ہے کچھ بھی اس میں دم نہیں
ناز اٹھانے کی ترے مدت کی ہمت دل میں ہے

بھاگتی ہے دور میری آہ سے تاثیر بھی
دیکھ تو تو کس غضب کا جوشِ وحشت دل میں ہے

اس زمیں میں اک غزل تو اور بھی سائل پڑھو
کچھ دکھاؤں آج جو رنگِ طبیعت دل میں ہے



کوئی کیا جانے یہاں کس کی محبت دل میں ہے
اب یہ وصفِ کعبہ اور دل کی حقیقت دل میں ہے

آرزوئے دید تجھ کو تو چڑھا دوں گا اگر
حضرت موسیٰ کو مل جائیگی تربت دل میں ہے

اب خدا کو سونپتا ہوں خاطرِ مجموع کو
فصلِ گل ہے جوش پر اور جوشِ وحشت دل میں ہے

محو ایسا ہو رہا ہوں کچھ کہا جاتا نہیں
اس کی صورت دل میں ہے یا اپنی صورت دل میں ہے

دل کو میرے آ کے دیکھو کیا تجلی گاہ ہے
بوالہوس کے تو یہی حرف و حکایت دل میں ہے

اک فغاں میں ڈال دے عرش بریں پر زلزلہ
گو نہیں طاقت مگر اتنی تو ہمت دل میں ہے

مجھ سے پوچھے کوئی لطفِ آمدِ فصلِ بہار
سر میں ہے سودائے وحشت جوشِ وحشت دل میں ہے

ہے گراں آسودگی ان خفتگانِ خاک کی
مجھ سے سن لے جو ترے شورِ قیامت دل میں ہے

کیا میں دیکھوں کیا میں جانوں الفتِ اہلِ وطن
شامِ غربت جسم میں روزِ مصیبت دل میں ہے

کیوں نہ بگڑوں سن کے میں ناصح کی بیجا گفتگو
اک حسین پر غضب نازک طبیعت دل میں ہے

تو نہ گھبرا سب دعائیں میری بے تاثیر ہیں
وہ بری ہوگا جو ترے اے بے مروت دل میں ہے

اک ذرا بھی رشکِ دشمن کو جگہ ملتی نہیں
دیکھ تو کیسی محبت سی محبت دل میں ہے

لاؤ الفت تو جتائے میں نہ مانوں گا کبھی
جانتا ہوں جو ترے اے بے مروت دل میں ہے

آہ بھی نکلی تو نکلی خون میں ڈوبی ہوئی
یہ محبت دل میں ہے یا کوئی آفت دل میں ہے

اب کہیں جاتے ہیں اٹھ کر کوچۂ قاتل سے ہم
سر وبالِ دوش ہے شوقِ شہادت دل میں ہے

ناز کیا کرتے ہیں مائلؔ جیتھ کر کعبہ میں آپ
الفتِ بت خانہ تو حضرت سلامت دل میں ہے



ہر چند خبر سب ہے پھر بے خبری کیوں ہے
گم گشتہ تری راہ میں عقلِ بشری کیوں ہے

کیا دل میں سمائی ہے کچھ حال نہیں کھلتا
قاصد کو مرے شوقِ پیغام بری کیوں ہے

بیتا جو نہیں ہے دل ہر گبر و مسلماں کا
حوروں کی ادا کیوں ہے انداز پری کیوں ہے

ہے تو یہی واعظ کی دستارِ فضیلت ہے
زیرِ خمِ میخانہ کیا جانے دھری کیوں ہے

گر جلوہ نہیں تیرا اس خاک کے پتلے میں
ملتا ہی ہوا پھر تجھ سے حسنِ بشری کیوں ہے

تمکین و تغافل میں کچھ فرق نہیں لگ کے
کیا جانے کہ بلبل کی شوریدہ سری کیوں ہے

بگڑے گا بنے گا کوئی کچھ تجھ کو نہیں ملتا
اے پیرِ فلک تیری یہ فتنہ گری کیوں ہے

کب چاک کیا اس نے دامانِ محبت کو
اللہ زلیخا کی یہ پردہ دری کیوں ہے

حیرت میں مجھے ڈالا آنکھوں کے کرشموں نے
یہ شرم و حیا کیا ہے جادو نظری کیوں ہے

کس لطف سے بچتے ہیں خط میں مجھے لکھتے ہیں
گر دل میں محبت ہے پھر بے اثری کیوں ہے

صورت میں تو ایسے ہیں دیکھا ہی کرے بیٹھا
جنت میں حسینوں کی بیداد گری کیوں ہے

کیا دیر و حرم میں ہے سجدے کئے کرتے ہیں
یہ شیخ و برہمن کی بیہودہ سری کیوں ہے

جی میں ہے کہ پوچھوں میں نالوں کو قسم دے کر
اس شعلہ فشانی پر یہ بے اثری کیوں ہے

کہتے ہیں کہ ہوتی ہے سب دل کی خبر دل کو
حالت سے مری تم کو پھر بے خبری کیوں ہے

کس ساقیِ میکش نے دیکھا ہے اسے یارب
آنکھوں کی سی کیفیت نرگس میں بھری کیوں ہے

ہر گل میں ترے رخ کی گر بو نہ سمائی ہے
ہر نالۂ بلبل میں تاثیر بھری کیوں ہے

قلقل پہ ہنسی جو شیشے یوں دخترِ رز ہنس کی
واعظ تری صورت سے یہ اتنی ڈری کیوں ہے

ملتا ہے پانی کیا چشمۂ حیواں کا
اس نخلِ محبت کی ہر شاخ ہری کیوں ہے

ہنگامِ صبوحی ہے کیا حال مائلِ میکش کا
مستوں کی طرح چلتی بادِ سحری کیوں ہے



ہر پست و ہر بلند کا تو ہی مُعین ہے
تیرا ہی آسمان ہے تیری زمین ہے

اس بات کا مجھے تہِ دل سے یقین ہے
گر تو نہیں ہے ساتھ تو دنیا نہ دین ہے

گل بوٹے سبز و سرخ ہیں کیا رنگین ہے
پھر بھی جنابِ شیخ سے جبہ متین ہے

حسن و جمالِ یار کا میں کیا کروں بیان
اللہ شیفتہ ہے وہ ایسا حسین ہے

کہتی ہے یہ زمین کہ میرے ہیں سب کے سب
نادان کہہ رہے ہیں ہماری زمین ہے

ملتا ہے یہ جواب کہ اب تو نہیں رہا
پوچھا ہے جس نے وہ کہاں پہ جاگزین ہے

اتنا ہے فرق ہند میں بت خانہ ہے مرا
کعبہ جہاں بنا ہے عرب کی زمین ہے

آئے گی آج موت بھی آثار ایسے ہیں — تشریف وہ بھی لائیں گے یہ بھی یقین ہے

اے کوئے یار رشک ہے اس مردے پر مجھے — جس کے نصیب میں تری دو گز زمین ہے

موسیٰ سنبھل کے کیجیے اظہارِ شوقِ دید — معشوق باوقار نہایت متین ہے

آتی جو خاکسار ہے یارب [illegible] — عشاق کے غبار سے شاید زمین ہے

کوچہ میں اپنے قتل کریں کیوں نہ مجھ کو وہ — خونِ شہیدِ ناز کی پیاسی زمین ہے

تربت میں سوجھنے لگے مضموں نئے نئے — شاید کہ یہ زمین غزل کی زمین ہے

کھینچا جو ایک نالہ تو کیا دیکھتا ہوں میں — نیچے تو آسمان ہے اوپر زمین ہے

اس وقت تو ہے ہی یہ غنیمت جنابِ شیخ — الجھا ہوا جو ریشِ مقدس میں دین ہے

ہے اُن کو پاسِ خاطرِ یعقوب کس قدر — یوسف کو کہہ رہے ہیں کہ اچھا حسین ہے

ایسے اڑے ہیں ہوش کہ اس کی تلاش میں — پہنچا تو آسمان پہ سمجھا زمین ہے

یہ لطف ہے کہ اس میں کدورت ذرا نہیں — واعظ شرابخانے کی جتنی زمین ہے

یہ بھی ہے ایک رنگِ جہاں دیکھتے چلیں — اس دورِ آخری میں بھی کوئی حسین ہے

مجھ سے نہ بدگمان ہو اے پیرِ میکدہ — حضرت کی بات بات کا مجھ کو یقین ہے

کچھ کفر کی خبر ہے نہ اسلام کی ہمیں — جو اس کا دین ہے وہی اپنا بھی دین ہے

میری طرف سے غیر نے جو کچھ کہا کہا — آفت تو یہ پڑی ہے کہ اس کو یقین ہے

مل کر رہو گے غیر سے کہنی میں شوخیاں — ہو کر رہے گی یہ بھی قیامت یقین ہے

وہ ہے مری نظر میں کہ بازارِ مصر میں — یوسف سے پوچھتا ہوں کہ کوئی حسین ہے

ہر دل میں دیکھتا ہوں کہ مجھ سا ہے درد و سوز — ہر گھر میں ڈھونڈھتا ہوں کہ تجھ سا حسین ہے

جتنے مرید حضرتِ پیرِ مغاں کے ہیں — ہر ایک راست باز ہے ہر اک حسین ہے

دنیا تمام اس کی نظر میں نہ آئے گی — جس کے کہ دل میں ایک ذرا سا بھی دین ہے

مائلؔ سے میکدے میں جو ملنے کو آئے ہیں
سلطانِ دیں[1] ہے نام تخلص مبین ہے

---

[1] مولانا ابو البرہان سلطان الدین احمد مبین جمالی نارنولی ثم جے پوری ۱۲.

کہوں کیا کہ کوئی بھی تجھ سا نہیں ہے
دو عالم میں تیرے سوا کچھ نہیں ہے

فلک جس سے سیکھا جفاؤں کی راہیں
ستم گر وہ کوچے کی تیرے زمیں ہے

کسی کی تلون مزاجی تو دیکھو
کہ جو دم ہے میرا دمِ واپسیں ہے

چمن میں کسی انجمن میں کہیں ہوں
یہی اشک ہے اور یہی آستیں ہے

کسی کے تو جانے کا شکوہ کریں کیا
مرا دل ہی قابو میں میرے نہیں ہے

شبِ ہجر کی ہو گئی صبح یا رب
ابھی تک وہی آسمان و زمیں ہے

زمانے نے کچھ رنگ بدلا ہے ایسا
کسی کی کسی کو خبر ہی نہیں ہے

ترا ناز اٹھانے کو لاؤں کہاں سے
مرا دل تو کم بخت اندوہ گیں ہے

نہ رکھتا ہو حسرت ترے دیکھنے کی
زمانے میں ایسا تو کوئی نہیں ہے

شبِ مہ میں گردوں دکھائیں گے تجھ کو
ہماری نظر میں بھی اک مہ جبیں ہے

تبسم سے بھی شرم آتی ہے تجھ کو
مرے ساتھ مدت سے جانِ حزیں ہے

نکل تو سہی آہ دل سے ذرا تو
یہ دو ہی قدم پہ تو عرشِ بریں ہے

اثر اب کے اٹھا ہوا فصلِ گل کا
جسے دیکھتا ہوں وہ اندوہ گیں ہے

جو دامن مرا تر ہے واعظ تو کیا غم
مرے جام میں بھی مئے آتشیں ہے

نیا رنگ الفت نے اب کے دکھایا
نہ اس کو یقیں ہے نہ مجھ کو یقیں ہے

کہیں لوگ جو چاہیں مجنوں کے حق میں
اسے مجھ سے بڑھ کر تو وحشت نہیں ہے

نظر میں سماتا نہیں عرشِ اعظم
یہ کس آستانے پہ میری جبیں ہے

کہیں ہو نہ ہو ہے یہ وہ آستانہ
کہ خاکِ درِ سیدالمرسلیں ہے

حرم، دیر، میخانہ سنسان سارے
یہ مائلؔ بھی دیکھو تو آخر کہیں ہے



نہ ہو وہ ستم کی جو غایت نہیں ہے
کسی کی یہاں بھی شکایت نہیں ہے

مقدر کی اپنے ہے ساری خرابی
کسی کی بھی ہم کو شکایت نہیں ہے

ستم ہوں ہزاروں جفائیں ہوں لاکھوں — جو کچھ بھی ہو الفت شکایت نہیں ہے
وفا کا گلہ ہے تو ہے دل سے اپنے — مری جان تم سے شکایت نہیں ہے
جو گذری ہے مجھ پر وہی کہہ رہا ہوں — یہ مجنوں کی کوئی حکایت نہیں ہے
لگے کہنے سُن سُن کے شیریں کا قصہ — ستم کی مجھی سے بد ایت نہیں ہے
نہیں ایک دم بھی تو تھمتا ہے آنسو — کہوں کیسے مجھ پہ عنایت نہیں ہے
نہ پوچھو یہ مجھ سے کہ جیتا ہوں کیسے — مگر زہرِ غم میں سرایت نہیں ہے
صنم خانہ کو شیخ جائیں تو کیوں کر — خدا کی طرف سے ہدایت نہیں ہے
رکیں کیسے نالے تھمیں کیسے آنسو — کسی کام میں یاں کفایت نہیں ہے

سخن کیسے مائل کا مانیں ہی مانیں
کلامِ الٰہی کی آیت نہیں ہے

○

جو بات ترے رخ میں ہے وہ گل میں نہیں ہے — جو آنکھ میں مستی ہے بھری گُل میں نہیں ہے
جو درد کہ بُلبل میں ہے وہ گل میں نہیں ہے — جو گل میں ہے انداز وہ بلبل میں نہیں ہے
کیونکر یہ کہوں ہوش غم گل میں نہیں ہے — گنجائش نالہ دلِ بلبل میں نہیں ہے
اس دور میں ہے ساقیِ صہبائے کرم تو — یہ بادہ کشی بزم گل و مل میں نہیں ہے
اللہ تری شان ہے وہ شانِ الٰہی — مجموعۂ عالم کے جز و کل میں نہیں ہے
اب مجھ سے کسی بات کا شکوہ نہ کریں آپ — اب جان مری صبر و تحمل میں نہیں ہے
دی نوح نے یوں داد مرے دیدۂ تر کی — جو جوش کہ قطرے میں ہے وہ کل میں نہیں ہے
اک شورِ قیامت ہی سے مردوں کی اڑی نیند — فریاد مجھے کو مری اس غل میں نہیں ہے
جاروب کش میکدہ ہے شیخ سے بہتر — ہمت کا اثر نام تو کل میں نہیں ہے
روداد کو سن کر مری کہنے لگی بلبل — یہ طرزِ تغافل تو کسی گل میں نہیں ہے
جس کی کہ پریشانیِ عاشق پہ نظر ہو — اک بال بھی ایسا تری کاکل میں نہیں ہے
ہر نالہ موزوں ہے مرا سروِ خراماں — یہ سوزِ خدا ساز تو بلبل میں نہیں ہے

خورشیدِ قیامت کے حوالے اُسے کر دو
جو سایۂ دامان تو گل میں نہیں ہے

ساقی نے بھرا جام تو کہنے لگے واعظ
قلقل میں جو تاثیر ہے وہ قل میں نہیں ہے

آجائے مرے گھر میں شبِ ہجر کے بدلے
کیا اتنی درازی تری کاکل میں نہیں ہے

صیاد کو کیا لطف ملے جور و ستم کا
بلبل کو ذرا ہوش غمِ گل میں نہیں ہے

مانا کہ ہیں دونوں تری قدرت کے نمونے
پر زلف کا انداز تو سنبل میں نہیں ہے

اک عمر میں یہ بات سمجھ میں مری آئی
شوخی کا اثر اس کے تغافل میں نہیں ہے

کیونکر کہوں پیغمبرِ میخانہ ہے ساقی
جبریل کی آواز تو قلقل میں نہیں ہے

جیسی کہ مہک ہے گلِ رخسار میں اس کے
گلزارِ دو عالم کے کسی گل میں نہیں ہے

یا سنگِ درِ یار ہے تسخیر کا عامل
یا تاب مرے صبر و تحمل میں نہیں ہے

تیرے گلِ رخسار نے وہ رنگ جمایا
اب گل کی محبت دلِ بلبل میں نہیں ہے

گردش میں ہے کیوں مہرِ جہاں تاب الٰہی
کیا حسن دل آرا کے تحمل میں نہیں ہے

مائل ہے جو انداز براقِ نبوی میں
وہ حیدرِ کرار کی دل دل میں نہیں ہے



ساقی یہ مری بات بناوٹ کی نہیں ہے
توبہ ہے مئے ناب کی تلچھٹ کی نہیں ہے

عاشق کی کوئی بات بناوٹ کی نہیں ہے
میری وہ دعا ہے جو کبھی بھٹکی نہیں ہے

کعبہ میں اجل آئے یہ حسرت مجھے کیوں ہو
مٹی مری کیا یار کی چوکھٹ کی نہیں ہے

مجھ سے ہی کبھی چھیڑ کی ہو جاتی ہیں باتیں
ہر ایک سے جو اس کی لگاوٹ کی نہیں ہے

ہے حسن خداداد کرشمے ہیں خدا ساز
اک بات بھی اس میں تو لگاوٹ کی نہیں ہے

مجھ سے نہ بنی جب تو کسی سے نہ بنے گی
کھٹکے گی تری غیر سے گر کھٹکی نہیں ہے

کہنے لگے تصویر کو یوسف کی جو دیکھا
صورت تو ہے اچھی مگر اوٹ کی نہیں ہے

کم عرش سے جلوے نہیں کیونکر مرے دل میں
قندیل ترے نور کی کیا اٹکی نہیں ہے

میخانۂ منصور سے پی آئے ہیں واعظ
یہ میکدہ میرا ہے یہاں کھٹکی نہیں ہے

تو آئی ہے جس کام کو وہ کیوں نہیں کرتی
اے مرگ مری جان کہیں اٹکی نہیں ہے

کہتا ہوں بڑی دور کی سمجھے جو ذرا تو
یہ عمر تری شیخ چھپر کھٹ کی نہیں ہے

جس دن سے گیا اٹھ کے وہ پہلو سے ہمارے
اس روز سے عادت ہمیں کروٹ کی نہیں ہے

پہنی ہے خدا جانے قبا کس کی گلابی
کچھ اور ادا اگل میں بناوٹ کی نہیں ہے

گر ہم نہیں شہرِ خموشاں میں تو کیا ہے
پہلے ہی سے عادت ہمیں کروٹ کی نہیں ہے

مرنے کے مزے خضر و مسیحا سے نہ پوچھو
بالیں پہ اجل آکے کبھی پھٹکی نہیں ہے

کیوں کر وہ ترے گھر کی طرف سجدہ کریگا
طاقت ترے بیمار میں کروٹ کی نہیں ہے

کچھ کھیل نہیں ایسے قوافی کا نبھانا
سائل یہ غزل آپ کی چٹ پٹ کی نہیں ہے



گر تو نہیں خیال ترا دلنشیں تو ہے
بیٹھا ہوا بغل میں کوئی نازنیں تو ہے

وہ نقشِ پا نہیں مگر اپنی جبیں تو ہے
جھک جائیگی جہاں یہ خدائی وہیں تو ہے

یارب نجائیں اُن کی کبھی بدمزاجیاں
میری طرح سے غیر بھی اندوہگیں تو ہے

واعظ شراب خانے میں چل کر تو دیکھ تو
دنیا کا جو مزہ ہے وہ سارا وہیں تو ہے

دل تو کہاں سے لاؤں کہ پہلے ہی کھو چکا
نذرِ نگاہِ ناز کو جانِ حزیں تو ہے

کہدو کہ مٹ چکے کہیں امید و آرزو
آتی نہیں زبان پہ گر ہاں نہیں تو ہے

ناصح تری بلا سے مری جان جائے جائے
آشوبِ روزگار سہی مہ جبیں تو ہے

تم تیر تو لگاؤ اگر قابلِ ہدف
جانِ حزیں نہیں دلِ اندوہگیں تو ہے

خط میں لکھا ہے وہ تپشِ دل کا ماجرا
قاصد کے ساتھ ساتھ ہی آئے یقیں تو ہے

عاشق ہیں دل فگار ہوس پیشہ فتنہ گر
جس بزم میں کہ تم ہو قیامت وہیں تو ہے

دو دن کی زندگی ہے بسر ہو ہی جائے گی
عرشِ بریں اگر نہیں فرشِ زمیں تو ہے

ہر شعر اس زمیں میں ہے مظلوم و تشنہ کام
مضمون جس میں قتل ہوں یہی زمیں تو ہے

مائلؔ حرم میں یادِ صنم خانہ کیوں نہ آئے
آخر خیالِ تفرقۂ کفر و دیں تو ہے

○

دل کو خیالِ زلفِ گرہ گیر بھی تو ہے ۔۔۔ وحشت زدہ کے پاؤں میں زنجیر بھی تو ہے
اے تیرگیِ قبر ڈراتی ہے کس کو تو ۔۔۔ سینہ میں داغ، داغ میں تنویر بھی تو ہے
ہاں ساکنانِ میکدہ کیونکر نہ ہوں غنی ۔۔۔ سب اس میں خاک ہی نہیں اکسیر بھی تو ہے
تربت ہے کس شہید کی کیوں پوچھتے ہیں آپ ۔۔۔ سنگِ مزار پر مرے تحریر بھی تو ہے
واعظ برا نہ مانیے جو کچھ کہا کہا ۔۔۔ شاعر ہوں مجھ میں شوخیِ تقریر بھی تو ہے
جانے سے اس کی بزم میں کیوں روکتے ہیں یار ۔۔۔ آخر بری بھلی مری تقدیر بھی تو ہے
کیا جانے کیا بلا ہے کہ عاشق کی آنکھ میں ۔۔۔ بیکارِ محض سرمۂ تسخیر بھی تو ہے
آئینہ دیکھ کر ہی نہیں حسن پر غرور ۔۔۔ یوسف کی اس کے ہاتھ میں تصویر بھی تو ہے
خنجر چلا نہیں جو گلو پر تو کیا ہوا ۔۔۔ پیاسی ہمارے خون کی شمشیر بھی تو ہے
خوئے کرم ہے یار کی خوش ہوں نہ کس طرح ۔۔۔ اغیار کے نصیب میں تقصیر بھی تو ہے
دلکش نہیں ہے رنگ سے دل پر کھچی ہوئی ۔۔۔ حسن و جمالِ یار کی تصویر بھی تو ہے
جنبش نہ ہوگی عرش کو کیونکر یہ مان لوں ۔۔۔ آہوں کے ساتھ نالۂ شب گیر بھی تو ہے
یہ ہی نہیں ہے بات کہ برسا نہیں ہے ابر ۔۔۔ رندانِ بادہ خوار کی تحقیر بھی تو ہے
خنجر گلو پہ رکھ کے مجھی سے ہیں پوچھتے ۔۔۔ عاشق کے ذبح کرنے کی تکبیر بھی تو ہے
بن بن کے لاکھ بار بگڑ جاتی دیکھ لی ۔۔۔ کہنے کی ہے یہ بات کہ تدبیر بھی تو ہے
وہ آ گئے جو وقتِ تلاوت تو کہتے ہیں ۔۔۔ اللہ کے کلام میں تاثیر بھی تو ہے
کس فکر میں ہے دل سے کسی کے گزر بھی جا ۔۔۔ اے آہ ایک نام ترا تیر بھی تو ہے
ممکن نہیں کہ غیر کا ہو کر رہے وہ شوخ ۔۔۔ آخر لڑی ہوئی مری تقدیر بھی تو ہے
دامن جھٹک کے چلنے کی عادت سہی مگر ۔۔۔ اس میں کسی کی خاک کی تحقیر بھی تو ہے
کیونکر نہ ہوگا رحمتِ حق کا ادھر گزر ۔۔۔ دوزخ میں پڑنے والوں کی تقدیر بھی تو ہے

یہ کیا شعاعِ مہر ہے کچھ طول میں سوا — ریشِ درازِ شیخ کی توقیر بھی تو ہے

دیتے ہو ایک بات سے دل پر ہزار زخم — اہلِ زبان جو ہے شمشیر بھی تو ہے

کعبہ کا کیا گناہ ہے بت خانہ گر بنا — دل پر کھنچی ہوئی تری تصویر بھی تو ہے

سائل اٹھو کبھی فتنۂ محشر کا خوف کیا
دل میں بھرا ہوا غمِ شبیر بھی تو ہے



تیری نگاہِ مہر میں تاثیر بھی تو ہے — میں ہی نہیں ہوں خوش مری تقصیر بھی تو ہے

مر جاؤں کیوں نہ رشک سے قاصد کے ہاتھ میں — نامہ کے ساتھ یار کی تصویر بھی تو ہے

اپنے گمان و وہم کو سمجھوں بھی گر غلط — پہلو لیے ہوئے تری تقریر بھی تو ہے

دیتے ہیں میرے نالۂ موزوں کی داد یوں — کم بخت کے کلام میں تاثیر بھی تو ہے

گور و کفن کی فکر ہے یارو ابھی سے کیوں — منظور اس کو نعش کی تشہیر بھی تو ہے

کچھ حسنِ یوسفی سے نہیں کارواں کی دھوم — اس میں کسی کے خواب کی تعبیر بھی تو ہے

باتیں ہی نامہ بر کی نہیں زہر میں بجھی — نامہ میں آج رشک کی تاثیر بھی تو ہے

کیفیتِ شراب سے سرشار ہی نہیں — ساقی کی چشمِ مست میں تسخیر بھی تو ہے

کیونکر نہ آئے ابر کہ جوش و خروش میں — رندانِ بادہ خوار کے تاثیر بھی تو ہے

اٹھ جاؤں بزمِ غیر سے کیونکر کہ سامنے — دل ڈھونڈھتا ہے جس کو وہ تصویر بھی تو ہے

مانا وصالِ یار ہے وہم و گماں سے دور — میرے خیالِ خام کی تقدیر بھی تو ہے

ساغر پہ شیفتہ نہ ہوں کیونکر جنابِ شیخ — بوئے شرابِ ناب میں تسخیر بھی تو ہے

اے شہسوارِ حسن ذرا دیکھ تو سہی — فتراک میں ترے کوئی نخچیر بھی تو ہے

کچھ ریش ہی سے شیخ تقدس پنہ نہیں — ہر شیشۂ شراب پہ تصویر بھی تو ہے

صرفے سے خانقاہ کے گھبرائے کیوں نہ شیخ — باقی شراب خانے کی تعمیر بھی تو ہے

گردش کا کیا گلہ کہ ترے حکمِ ناز سے — لاکھوں برس سے یہ فلکِ پیر بھی تو ہے

مانا کہ میرے واسطے کرتے ہیں وہ جفا — یہ لطفِ خاص باعثِ تاخیر بھی تو ہے

ابرو پہ مرنے والوں سے کیونکر نہ ڈر لگے
ان کا خیال صاحبِ شمشیر بھی تو ہے

جاری رہے گا حضرتِ مجنوں کا سلسلہ
حلقہ میں ان کے حلقۂ زنجیر بھی تو ہے

پرہیزگار شیخ سے پیدا انہیں ہوئے
توبہ کے در پہ آپ کی تصویر بھی تو ہے

دردِ فراقِ یار ہے ناصح مجھے نہ چھیڑ
آنکھوں میں اشک، اشک میں تاثیر بھی تو ہے

فصلِ خزاں نے آ کے اجاڑا چمن ہی کیا
ویران اپنا خانۂ زنجیر بھی تو ہے

کیونکر نہ داد دیں گے شہیدانِ تیغِ ناز
سائلؔ غزل میں قافیہ شمشیر بھی تو ہے



دل پر ہمارے پردۂ غفلت یہی تو ہے
مجھ میں زندگی جسے فرقت یہی تو ہے

اس کے کرم کو دیکھ کے اپنے گناہ پر
شرمندہ ہو رہا ہوں ندامت یہی تو ہے

شاید وہ فتنہ گر ابھی گذرا ہے راہ سے
خلقت یہ کہہ رہی ہے قیامت یہی تو ہے

آیا ہے یار تیغ بکف قتل گاہ میں
ٹل جاؤں کیسے وقتِ شہادت یہی تو ہے

دل میں خیالِ توبہ نہ آنے دیا کبھی
پیرِ مغاں کی مجھ پہ عنایت یہی تو ہے

شیوہ جو ہے ترا وہ نہیں ہے عدو کے ساتھ
اے آسمان تجھ سے شکایت یہی تو ہے

ناصح یہ کیا کہا کہ تصور نہ باندھ تو
جینے کی ہجرِ یار میں صورت یہی تو ہے

جب دیکھتا ہوں آپ کو کہتا ہے دل مرا
عالم کے جزو و کل کی حقیقت یہی تو ہے

دیکھیں جو آ کے میکدہ واعظ تو دیکھنا
بیساختہ نہ کہہ اٹھیں جنت یہی تو ہے

پروانہ جل کے خاک ہوا اور اس کی بزم میں
کہتے ہیں جس کو خوبیِ قسمت یہی تو ہے

وہ سب میں جلوہ گر ہے اور اس کی تلاش میں
حیران اک جہان ہے حیرت یہی تو ہے

تیرے ستم کو سہتے ہیں اور شاد رہتے ہیں
مشہور ہے جو عشق و محبت یہی تو ہے

نیرنگِ حسن و عشق طلسمِ جہاں ہے سب
جو کچھ ہے کثرت و وحدت یہی تو ہے

سب خوبیاں ہیں غیر میں ملتا ہے آپ سے
بس ایک بات قابلِ نفرت یہی تو ہے

اب آ گئے ہیں ہم تو اٹھاتے چلیں نہ فیض
مائل سے بادہ خوار کی تربت یہی تو ہے



مژدہ شوقِ دید وہ مستِ شراب آنے کو ہے
بے نقاب آنے کو ہے اور بے حجاب آنے کو ہے

ناامیدی کہہ رہی ہے نامہ بر کی خیر ہو
شوق کہتا ہے کہ اب خط کا جواب آنے کو ہے

صبح ہونے کو ہے یہ کہتے ہو کیا تم بار بار
یوں نہیں کہتے کہ اب تم پر عذاب آنے کو ہے

آج ہیں کچھ اور ہی جان و جگر کچھ اور ہیں
یعنی وہ سرمایۂ حسن و شباب آنے کو ہے

دوں مبارکباد اپنی آرزوئے قتل کو
وہ یہاں آنے کو ہے اور پُر عتاب آنے کو ہے

موت آئے گی الٰہی یا وہ کافر آئے گا
کہہ رہے ہیں بار وقتِ اضطراب آنے کو ہے

ایک باغِ انگور کا دیکھا ہے میں نے خواب میں
آج میرے گھر میں صہبا بے حساب آنے کو ہے

اب بھی تجھ سے کچھ نہ ہوگا بے اثر اتنی نہ ہو
لختِ دل آنکھوں میں اے چشمِ پُر آب آنے کو ہے

کیسے مانوں وہ نہ آئے ہیں نہ آئیں گے کبھی
میرے قابو میں دلِ پُر اضطراب آنے کو ہے

میکدے سے چلنے والو کچھ تو پیتے چلو
راہ میں واعظ کی اک بزمِ خراب آنے کو ہے

وہ کہیں مائل نہ ہو اک شور ہے کعبہ میں آج
بتکدے سے کوئی ہو کر کامیاب آنے کو ہے



پھر جہاں میں اک ہوائے انقلاب آنے کو ہے
پھر کسی کی بزم میں جامِ شراب آنے کو ہے

اب ہوئے جاتا ہے سب کچھ دین و دل کا امتحاں
انجمن میں وہ ستمگر بے نقاب آنے کو ہے

کوئی پوچھے یا نہ پوچھے مہرباں ہو یا نہ ہو
کچھ نہ کچھ ہوگا ہی یومِ حساب آنے کو ہے

شام ہی سے ایسے کیوں بے نور ہیں شمع و چراغ
انجمن میں کیا وہ رشکِ آفتاب آنے کو ہے

اضطرابِ دل کے ہاتھوں دیکھئے بنتی ہے کیا
آپ تو جانے کو ہیں مجھ پر عذاب آنے کو ہے

زاہد ولانے کو ہوں تم کو بھی اپنی راہ پر
ہاتھ میرے اک نہ اک دن یہ ثواب آنے کو ہے

ہر ادا جس کی ستم ایجاز ہے وہ فتنہ گر
بزم میں آنے کو ہے اور پُر عتاب آنے کو ہے

خط کے پرزے اُڑ گئے قاصد کے ٹکڑے ہو گئے — ہم ہر اک سے کہتے پھرتے ہیں جواب آنے کو ہے
پھر ہوا جاتا ہوں اپنے آپ کیفیت میں محو — پھر کسی کی یادِ چشمِ نیم خواب آنے کو ہے

سائلِ عاصی کی یارب اب تجھی کو شرم ہے
تیرے در پہ عمر بھر ہو کر خراب آنے کو ہے



کچھ ہے اگر تو اپنی طرف سے نباہ ہے — وہ لطف وہ کرم نہ وہ اُن کی نگاہ ہے
واعظ یہ روزِ عید اور ابرِ سیاہ ہے — کیا آج بھی شراب کا پینا گناہ ہے
لطفِ وصال شرم و حیا نے بڑھا دیا — انکار ہے زبان پہ اور دل میں چاہ ہے
ساقی دیار دونوں ملے ہیں نصیب سے — اک رشکِ آفتاب ہے اک رشکِ ماہ ہے
کرتے ہیں قتل عاشقِ مسکیں کو کس لیے — کیا جانتے نہیں ہیں کہ یہ بے گناہ ہے
لاکھوں ہی بے گناہ کا چاٹے ہوئے ہے خون — قہرِ خدا ہے یا تیری تیغِ نگاہ ہے
رحمت سے تیری کس لیے محروم میں رہوں — توبہ کے توڑنے کا تو واعظ گواہ ہے
تیغِ نگہ بلا ہے تو تیغِ ادا قضا — اس کی ہے کوئی روک نہ اس کی پناہ ہے
آنے دے روزِ حشر دکھا دیں گے محتسب — ہم روسیہ ہیں آج کہ تو روسیاہ ہے
عالم کو دیکھتا ہوں تو بسمل بنا ہوا — اور ان کو دیکھتا ہوں تو نیچی نگاہ ہے
بیٹھو نہ بزمِ غیر میں بن بن کے اس قدر — اک بے اثر سی دل میں ہمارے بھی آہ ہے
ہر ہر قدم پہ تازہ مصیبت ہے جان پر — ہر راہِ عشق ایک قیامت کی راہ ہے
بیباک کر دیا تری رحمت کے جوش نے — شرمِ گناہ ہے نہ لبِ عذر خواہ ہے
کہتے ہیں جس کو دین بنا ہے فساد کی — دنیا ہے جس کا نام اک آشوب گاہ ہے

دنیا میں دو ہی چیز ہیں جو دل کے پار ہوں
سائل کے یا تو شعر ہیں یا میری آہ ہے



غیر پہ بے طرح نظر کچھ ہے — یعنی میری انہیں خبر کچھ ہے

غیر کے واسطے ہیں وہ بیتاب ۔۔۔ لو دعا کچھ ہے اور اثر کچھ ہے
اُس پہ مرتے ہیں ہم کہ لوگ کہیں ۔۔۔ ان کی اس کی طرف نظر کچھ ہے
ایسے ایسے فلک ہزار سہی ۔۔۔ میرے نالوں میں بھی اثر کچھ ہے
نہ کہیں ہم نگاہ کہتی ہے ۔۔۔ دل میں کچھ ہے زبان پر کچھ ہے
ہنستے ہیں آپ روئیں گے دشمن ۔۔۔ اثرِ جذبِ دل اگر کچھ ہے
ہو لیا ایک ہی نظر میں بس ۔۔۔ تو سمجھتے تھے ہم جگر کچھ ہے
آپ جائیں کہ حشر برپا ہوں ۔۔۔ دل یہ کہتا ہے ہاں سحر کچھ ہے

کچھ نہ کچھ ہو رہے گا آخر کار
مائلؔ انجامِ عشق اگر کچھ ہے



دشمن اک برق کیا زمانہ ہے ۔۔۔ چار تنکوں کا آشیانہ ہے
شور کیا یہ غائبانہ ہے ۔۔۔ ہر زباں پر ترا فسانہ ہے
بزمِ دشمن میں کیا خوشی کی امید ۔۔۔ نیل گوں اس کا شامیانہ ہے
کس پہ گرتی ہے دیکھ تو اے برق ۔۔۔ یہ قفس ہے کہ آشیانہ ہے
ہم سے لوگوں کا نامۂ اعمال ۔۔۔ تلخ کامی کا اک فسانہ ہے
کبھی دیکھا نہ سننے میں آیا ۔۔۔ یہ زمانہ عجب زمانہ ہے
بدنما گو ہے صورتِ بلبل ۔۔۔ پر طبیعت تو عاشقانہ ہے
یہ تو غنچہ نہیں ہے بادِ صبا ۔۔۔ روحِ بلبل کا آشیانہ ہے
کچھ جوانی کی سرگذشتوں کا ۔۔۔ یاد ہم کو بھی اک فسانہ ہے
جور پر تیرے طعنۂ اغیار ۔۔۔ تازیانے پہ تازیانہ ہے
اب یہ اعجاز کے کرشمے ہیں ۔۔۔ آنکھ جادو کا کارخانہ ہے
بوئے گل سے وہ بد دماغ ہوا ۔۔۔ اس لطافت کا کیا ٹھکانہ ہے
بارِ عصیاں نہیں ہے اے قارون ۔۔۔ تیرے سر پر ترا خزانہ ہے

دردِ اور در دبھی جدا نہ سکا　　اس مصیبت کا کیا ٹھکانہ ہے
تم بلالو نہ خانقاہ میں شیخ　　متصل جو شراب خانہ ہے
نامرادوں کی شاخ ہے وہ شاخ　　جس پہ بلبل کا آشیانہ ہے
فتنۂ حشر سر بلند نہ ہو　　قدِ دلدار در میانہ ہے
اک جنوں پہ ہے ناز مجنوں کو　　اپنی ہر بات عاشقانہ ہے
چشمِ میگوں نہیں تری گویا　　زیرِ مسجد شراب خانہ ہے
گو تعارف نہیں ہوا اُن سے　　سخن اپنا تو عارفانہ ہے
تیری وحدانیت کو یوں مانا　　ساری دنیا میں اک فسانہ ہے
کیوں ابھرتا ہے اے حباب اتنا　　اک نفس کا تو از مانہ ہے
برق اس کو جلا کے کیا لے گی　　یہ اسیروں کا آشیانہ ہے
بوستانِ خیالِ عالم کی　　جلدِ اوّل مرا فسانہ ہے
جو کھٹکتا ہے چشمِ جنت میں　　وہ ہی میر اشراب خانہ ہے
مجھ سے کہتا ہے پھوڑیے سر کو　　یہ تمہارا جو آستانہ ہے
چشمِ ساقی کی ایک گردش میں　　محتسب ہے نہ تازیانہ ہے
میرے دل کا نسکار کرنا کیا　　تیرِ مژگاں کا اک نشانہ ہے
جو نظر پڑ گیا اسے بخشا　　اس کرم کا کہیں ٹھکانہ ہے
ایک نالہ نے یہ کیا رسوا　　آسماں تک مرا فسانہ ہے

کوئے جاناں کا عزم ہے مائلؔ
کعبہ جانے کا اک بہانہ ہے



جان سی کچھ بدن میں آتی ہے　　کہ صبا بوئے یار لاتی ہے
غمِ دل سے بھرا ہے سینہ　　یہ تو انسان ہی کی چھاتی ہے
جان تم کو تو کیا کہوں لیکن　　تمہیں دیکھے سے جان جاتی ہے

ذکرِ وعدہ کیا تو کہتے ہیں — اب قیامت کبھی آئے جاتی ہے
ہائے کافر کے بھولنے کی ادا — دل سے یادِ خدا بھلاتی ہے
ہم سے چھٹتی ہے کیا نظر بازی — کہیں عادت کسی کی جاتی ہے
حسن بدنام ہو یہ بات ہے اور — ورنہ عشق ایک وصفِ ذاتی ہے
وہ بھی ہوں گے کہ جن کے خوب وقت — کام بگڑے ہوئے بناتی ہے

کھیل سمجھے ہو مائل الفت کو
دیکھنا کیا مزے دکھاتی ہے



جب نگاہِ بتِ بے پیر بگڑ جاتی ہے — چارہ سازوں کی بھی تدبیر بگڑ جاتی ہے
کیوں کہیں بنتی ہے تدبیر، بگڑ جاتی ہے — یوں ہی ہونا ہے جو تقدیر بگڑ جاتی ہے
جو زلیخا نظر آیا ہے نہ کہہ اک اک سے — اس طرح خواب کی تعبیر بگڑ جاتی ہے
کوئی دیکھے تو ترے ناز و ادا کا عالم — جب تری زلفِ گرہ گیر بگڑ جاتی ہے
قہر آلودہ نگاہوں میں بھلا کاٹ کہاں — زہر میں بجھ کے یہ شمشیر بگڑ جاتی ہے
پھر کوئی لاکھ بنائے نہیں بنتی ہرگز — قصرِ ہستی کی جو تعمیر بگڑ جاتی ہے
کھینچتا ہوں جو کبھی آہِ شرربار کو میں — شکل تیری فلکِ پیر بگڑ جاتی ہے
کج ادائی پہ جب آتا ہے وہ اپنی ظالم — میں تو میں غیر کی توقیر بگڑ جاتی ہے
نالۂ بیساختہ جب دل سے نکل جاتا ہے — آبروئے فلکِ پیر بگڑ جاتی ہے
آہ نکلتا ہے تری راہ گذر میں جو کبھی — فتنۂ حشر کی توقیر بگڑ جاتی ہے
حال پر شیخ و برہمن کے میں جب روتا ہوں — کعبہ و دیر کی، تعمیر بگڑ جاتی ہے
مختصر ہی اُسے لکھ دوں کہ نہیں تابِ فراق — طول دینے سے تو تحریر بگڑ جاتی ہے
غرضِ مطلب پہ وہ چتون جو بدل جاتے ہیں — ہوش اُڑ جاتے ہیں تقریر بگڑ جاتی ہے
جوشِ گریہ نے بنائی مری حالت ایسی — جس طرح بھیگ کے تصویر بگڑ جاتی ہے
موت بھی مجھ سے خفا ہے کہ گلو پر میرے — چلتے چلتے تری شمشیر بگڑ جاتی ہے

بزمِ رنداں میں بھلا شیخ کی عزت کیا ہو
واں فرشتوں کی بھی توقیر بگڑ جاتی ہے

یہ ترے سامنے یوسف کی حقیقت دیکھی
جیسے کھنچکر کوئی تصویر بگڑ جاتی ہے

گل و گلچیں کا گلہ تجھ کو عبث ہے بلبل
عشق کے نام سے تقدیر بگڑ جاتی ہے

نہ صبا ہوتی ہے گستاخ نہ آہیں اپنی
خود بخود زلفِ گرہ گیر بگڑ جاتی ہے

میری وحشت کے اثر سے ہے غضب میں حداد
طوق بنتا ہے تو زنجیر بگڑ جاتی ہے

جی میں آتا ہے کہ دشمن سے بدل کر دیکھوں
پھر بھی بنتی ہے کہ تقدیر بگڑ جاتی ہے

کیا کہیں موجِ فنا پر ہے جہاں کی بنیاد
جو یہاں ہوتی ہے تعمیر بگڑ جاتی ہے

اشکِ خونی نہ بہا جوشِ جنوں میں سائلؔ
رنگ بھرنے سے یہ تصویر بگڑ جاتی ہے

○

ان کے رخسارے کیا زلف سرک جاتی ہے
آگے آنکھوں کے جو بجلی سی چمک جاتی ہے

کوئی سمجھتے ہیں یہ انداز جنوں کے اپنے
کہیں دل سے تری زلفوں کی لٹک جاتی ہے

زلفِ مشکیں کے تصور میں پڑا رہتا ہوں
طبع اپنی جو کبھی فکر سے تھک جاتی ہے

دیکھتا ہوں جو اسے غیر سے باتیں کرتا
مرے سے پاؤں تلک آگ بھڑک جاتی ہے

تم کہے جاؤ کہ نالے ہیں مرے بے تاثیر
آنکھ دشمن کی مرے آگے جھپک جاتی ہے

وہ تو آئے ہیں نہ آئیں گے تماشا دیکھو
ان کی تصویر بھی پہلو سے سرک جاتی ہے

چارہ گر عشق کی ہے چوٹ ہنسی کھیل نہیں
جان کے ساتھ ہی اس کی تو کسک جاتی ہے

اشک آنکھوں میں جو بھر آتے ہیں بیٹھے بیٹھے
کبھی دل میں وہ نگاہ اب بھی کھٹک جاتی ہے

میری آہوں پہ نہ ہنس یوں ہی کھنچا کرتی ہیں
اے ستمگار طبیعت جو اٹک جاتی ہے

لے ہی آتے ہیں صنم خانے میں پھر خلق کو ہم
کہنے سننے سے جو واعظ کے بھٹک جاتی ہے

باندھ لایا ہے کچھ اس رنگ سے مضموں سائلؔ
بزم کی بزم غزل سن کے پھڑک جاتی ہے

○

بھلا کیوں کر نہ مر جائیں لڑائی ہوتی جاتی ہے
اور انداز و ادا سے دلربائی ہوتی جاتی ہے

مری برباد سازی جبہہ سائی ہوتی جاتی ہے
کہ اس کافر میں شانِ کبریائی ہوتی جاتی ہے

ترقی پر جو وہ کافر ادائی ہوتی جاتی ہے
فدا اس پر خدا کی سب خدائی ہوتی جاتی ہے

بچے کیونکر دلِ عاشق کہ ایما کیا اشارہ کیا
ہر اک انداز سے تیغ آزمائی ہوتی جاتی ہے

سنا ہے بادہ خواروں سے جنابِ شیخ صاحب کی
غرقِ رحمتِ حق پارسائی ہوتی جاتی ہے

عجب کیا ہے ہمارے داغِ دل سا مہر ہو جائے
کہ اس کوچے کے ذروں تک رسائی ہوتی جاتی ہے

جدائی کا نہیں رونا مجھے رونا تو اس کا ہے
کہ اس کافر میں خوئے خود نمائی ہوتی جاتی ہے

مقدر جن کے اچھے ہیں نصیبے جن کے یاور ہیں
برائی کرتے جاتے ہیں بھلائی ہوتی جاتی ہے

مجھے بیٹھے جو دیکھا گوشۂ مجلس میں کہتے ہیں
اک آہِ نارسا کی بھی رسائی ہوتی جاتی ہے

بھلا کیونکر نہ پہنچے منزلِ مقصود پر عاشق
کہ اس کے نقشِ پا سے رہنمائی ہوتی جاتی ہے

کرم فرمائی اور عاجز نوازی اس کو کہتے ہیں
کہ ہم سے خاکساروں کی رسائی ہوتی جاتی ہے

ہمارے ہی کسی سے نامہ و پیغام ہوتے ہیں
ہمیں سے ہاں بجا ہے بے وفائی ہوتی جاتی ہے

یہ آنا ہی ہمارا بارِ خاطر ہے نہ آئیں گے
ہمارے ساتھ کیوں بے اعتنائی ہوتی جاتی ہے

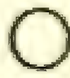
یہ ظرفِ شیخ صاحب ہے کہ اک اک قطرۂ مے پر
گدائے میکدہ سے ہاتھا پائی ہوتی جاتی ہے

خوشی ہو چارہ گر کیونکر دلِ مجروح کو میرے
کہ اک اک تیر سے اس کی جدائی ہوتی جاتی ہے

بھلا انصاف کر ناصح وہ کیونکر چھوٹ سکتا ہے
محبت بڑھتی جاتی ہے لڑائی ہوتی جاتی ہے

قفس میں آشیانہ کا تصور کیوں نہ باندھوں میں
مجھے صیاد امیدِ رہائی ہوتی جاتی ہے

وہی مائل پڑے ہیں آج بیت اللہ کے در پر
کہا کرتے تھے کل تک جو خدائی ہوتی جاتی ہے



تیری صورت مجھے تسکین دیا کرتی ہے
میرے دل میں مری آنکھوں میں رہا کرتی ہے

ان کی زلفوں کو پریشان کیا کرتی ہے
یہ ستم تجربہ مری آہِ رسا کرتی ہے

بے وفا ہو نہ ستم گر ہو نہ سنگیں دل ہو
تم کو بدنام زمانے میں قضا کرتی ہے

ابرِ رحمت بھی برستا ہے غضب گھر گھر کر
دخترِ رز جب مرے ملنے کی دعا کرتی ہے

ایک عالم تری محفل میں رہا کرتا ہے
ایک خلقت تری صورت کو تکا کرتی ہے

اب خدائی میں جو ہوتا ہے وہ ہوگا کیونکر
تیری رفتار تو محشر ہی بپا کرتی ہے

پاسباں تو کبھی ہنستا ہے مری حالت پر
اس کی قسمت مری قسمت پہ ہنسا کرتی ہے

بزمِ دشمن ہی سے اٹھ کر وہ یہاں آئے ہیں
میری قسمت تو بگڑ کر بھی بنا کرتی ہے

شوق کہتے ہیں اسے مر گئے پر بھی ظالم
تیرے کوچے میں مری خاک اڑا کرتی ہے

مجھے جینے نہیں دیتی ہے مری حسرتِ دل
تیرے انداز کو جب یاد کیا کرتی ہے

سحر کیا اس پہ کیا ہے نگہِ ناز کے ساتھ
کہ مری جاں اُسے حسرت سے تکا کرتی ہے

میں وطن میں ہوں کہ غربت میں کہیں ہوں مائل
بیکسی میری مرے ساتھ رہا کرتی ہے

○

ذکرِ عہدِ شباب کرتی ہے
مجھے توبہ خراب کرتی ہے

کام یہ تو شراب کرتی ہے
کہ تجھے بے نقاب کرتی ہے

شیخ صاحب کی روسیاہی کا
زالِ دنیا خضاب کرتی ہے

ساری دنیا میں فتنہ انگیزی
نرگسِ نیم خواب کرتی ہے

دخترِ رز میکشوں میں عالم کے
اک تجھے انتخاب کرتی ہے

بے قراری تری مجھے رسوا
دلِ خانہ خراب کرتی ہے

گل و بلبل جو ہیں صبا سے خوش
یہ سوال و جواب کرتی ہے

تجھ کو فصلِ بہار خود رفتہ
اس کی عمرِ شباب کرتی ہے

وہ تو جاتے ہیں اور اجل میری
جان کو ہم رکاب کرتی ہے

ہچکیاں آئیں جو تجھے توبہ
یادِ موجِ شراب کرتی ہے

زاہدوں سے تو پھر گئے شکوے
یہ شبِ ماہتاب کرتی ہے

رندِ مشرب ہے وہ مرا تقوی
دخترِ رز حجاب کرتی ہے

ہمیں آدابِ عشق کی تعلیم — اک نگاہِ عتاب کرتی ہے

خضر کی عمر اور مرے آگے — زندگی کا حباب کرتی ہے

فلکِ پیر کا ڈبونا کیا — رحم بر چشمِ پُر آب کرتی ہے

آتشِ عشق ایک شعلہ سے — دل جگر سب کباب کرتی ہے

تجھ کو سودا ہے گردشِ ایام — رات دن انقلاب کرتی ہے

وہ نگاہیں ہیں مست ساقی کی — ناز جن پر شراب کرتی ہے

ناز کیا تری کریمی پر — میری فردِ حساب کرتی ہے

وہ طبیعت لطیف رکھتا ہوں — مست بوئے شراب کرتی ہے

بے حجابی سے شیخ صاحب کی — دخترِ رز حجاب کرتی ہے

یہ جو شیشہ میں ہے پری مائل
ذرہ سے آفتاب کرتی ہے



زلیخا خاک اڑاتی ایسی بے توقیر پھرتی ہے — کہ جیسے آسماں پر آہِ بے تاثیر پھرتی ہے

ادھر ہو کر وہ جاتے ہیں جدھر تاثیر پھرتی ہے — دعائیں سچ تو کہتی ہیں کہ اب تقدیر پھرتی ہے

سحر سے شام تک در در مری تقدیر پھرتی ہے — خدا جانے کہ کیا کرتی ہوئی تدبیر پھرتی ہے

جنوں کیسا کہاں وحشت در و دیوارِ زنداں سے — زلیخا خواب کی لیتی ہوئی تعبیر پھرتی ہے

بتوں کی جستجو ہے یا خدا کی کہہ نہیں سکتا — حرم کے گوشے گوشے میں مری تقدیر پھرتی ہے

خدا سے خیر مانگیں آپ اپنے سینہ و دل کی — دعائے دردمنداں بن کے شکلِ تیر پھرتی ہے

خدا جانے ہوا کیا ابروئے قاتل کی غیرت کو — سوئے قبلہ مری گردن تہِ شمشیر پھرتی ہے

انھیں کی روشنی سے روشنی ہے چشمِ عالم میں — جن آنکھوں میں سراپا نور کی تصویر پھرتی ہے

بہار آنے کا مژدہ ہو بسے گا اس کا دیوانہ — تری تقدیر تو اے خانۂ زنجیر پھرتی ہے

چلے جادو بیانی حضرتِ ناصح کی کیا مجھ پر — کہ میرے دل میں اس کی شوخیِ تقریر پھرتی ہے

بیابانِ جنوں میں کوئی دیوانہ نظر آئے — اسی چکر میں برسوں سے مری زنجیر پھرتی ہے

بس اب ڈوبا ہوا سمجھو سفینہ نا امیدی کا
کہ میرے بحرِ غم میں تیری تاثیر پھرتی ہے

مجھے کیونکر یقیں آئے تمہارے عہد و پیماں کا
صلاحیں غیر سے ہو کر مری تحریر پھرتی ہے

اٹھاؤں وقتِ آخر کس لیے احسان توبہ کا
تری رحمت کے کوچے میں مری تقصیر پھرتی ہے

خیالِ آبرو کیوں جائے کوچہ میں محبت کے
وہاں تو ٹھوکریں کھاتی ہوئی توقیر پھرتی ہے

رخِ روشن سے اس کے ہوگئی محفل کی آرائش
سفیدی کے عوض دیوار پر تنویر پھرتی ہے

ہزاروں سجدہ کرنے سے نہیں پھرتا نہیں پھرتی
جو پھرتی ہے تو ہاں باتوں ہی میں تقدیر پھرتی ہے

حرم میں شان و شوکت سے پڑا پھرتا ہے کیا واعظ
تری توبہ تو میخانہ میں لے توقیر پھرتی ہے

بنا ہوں ناتوانی سے جو کاغذ سا تو کہتے ہیں
بڑی ہے جان کیونکر کس طرح تصویر پھرتی ہے

نگاہِ کفر تو حسن و جمالِ کعبہ کیا دیکھے
کہ آنکھوں میں تری بت خانہ کی تعمیر پھرتی ہے

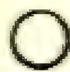
بہت مدت سے پہلو میں دلِ بیتاب رکھتا ہوں
بہت مدت سے میری آہ بے تاثیر پھرتی ہے

خدا جانے پھرے گی کب یہی ارشاد ہوتا ہے
تری تقدیر پھرتی ہے تری تقدیر پھرتی ہے

جو دیکھ آئے ہیں مجنوں کو کہا کرتے ہیں وہ مجھ سے
کہ دشتِ نجد میں کیا آپ کی تصویر پھرتی ہے

یہ کس اہلِ وفا کی عیدِ قرباں آج ہے یارب
کہ خلقت ہر طرف کہتی ہوئی تکبیر پھرتی ہے

خبر لایا ہے یہ مائل سواری پاس آپہنچی
تری تقدیر اب اے آسمانِ پیر پھرتی ہے



بادہ خواروں کی عجب ڈھب سے بسر ہوتی ہے
دین کی ان کو نہ دنیا کی خبر ہوتی ہے

پھر کہاں آبلہ پائی پہ نظر ہوتی ہے
یادِ منزل کی جو ہمراہِ سفر ہوتی ہے

تیر کی طرح گذرتے ہیں فلک سے اے دل
آج نالوں سے کچھ امیدِ اثر ہوتی ہے

شیخ کے زہد کا کیا پیرِ مغاں کو ہو خیال
اہلِ ہمت کی بہت دور نظر ہوتی ہے

گردشِ چشم نے اس کی ہے وہاں پہنچایا
شام ہوتی ہے جہاں اور نہ سحر ہوتی ہے

سچ ہے ہمسایہ ہو ہمدرد تو کام آتا ہے
دل میں بھی روشنی داغِ جگر ہوتی ہے

کیا مجال اہلِ محبت جو زباں پر لائیں
وہ دعا جس سے کہ امیدِ اثر ہوتی ہے

دینے کو آئے ہیں کیا بت بھی فنا کی تعلیم / کہ دہن ان کو ملا ہے نہ کمر ہوتی ہے

یاد کرتا ہے تو کس کی کہ مرے دل کے پار / تیری آواز جو اے مرغِ سحر ہوتی ہے

شیخ کیا سادہ ہے کہتا ہے گنہ جھڑتے ہیں / قطرہ ریزی جو تری دامنِ تر ہوتی ہے

نظر آئیں گے ہم اک روز تمہارے دل میں / کچھ بھی تاثیر محبت میں اگر ہوتی ہے

جوش پر ہوتے ہیں جب حسن و محبت دونوں / نہ ادھر ہوتی ہے پروا نہ اُدھر ہوتی ہے

بات میں جس کی نکلتے ہوں ہزاروں پہلو / بھید کی اس کے بھلا کس کو خبر ہوتی ہے

جب سے دربانیِ میخانہ ملی ہے سائل
خوب ہی عیش سے اپنی تو بسر ہوتی ہے

○

مرے دل سے کوئی پوچھے کہ کیا تاثیر ہوتی ہے / جنوں میں جب صدائے نالۂ زنجیر ہوتی ہے

ادائے جنبشِ ابرو جو واں شمشیر ہوتی ہے / تو یاں بھی آہ لب تک آتے آتے تیر ہوتی ہے

سفارش کیا کرے کوئی کہ اس کے دستِ نازک میں / کسی کی کچھ نہیں چلتی ہے جب شمشیر ہوتی ہے

علامت ہے یہ اے بلبل تری فصلِ بہاری کی / گلے میں طوق میرے پاؤں میں زنجیر ہوتی ہے

وہ کیوں جائیں کہا کس نے جنابِ شیخ صاحب سے / جہاں جامِ شرابِ ناب کی توقیر ہوتی ہے

یہ سن رکھ مجھ سے اے فرہاد الفت میں تری جانب / نہ قصرِ بے ستوں ہوگا نہ جوئے شیر ہوتی ہے

جنابِ شیخ صاحب دیکھیے قبلہ کدھر رکھیں؟ / قریبِ میکدہ مسجد کوئی تعمیر ہوتی ہے

نہ بگڑوں مانی و بہزاد پر کیونکر کہ جب کھینچی / سراپا حضرتِ مجنوں کی وہ تصویر ہوتی ہے

حسینوں سے نہیں ہوتے ہیں کم رتبے میں دیوانے / گلے میں اُن کے ان کے پاؤں میں زنجیر ہوتی ہے

خُم مے کے برابر بیٹھتے ہیں بزمِ رنداں میں / جنابِ شیخ صاحب کی بڑی توقیر ہوتی ہے

وصالِ یار کا ہونا خدا پر ہم نے چھوڑا ہے / نہ ہم تدبیر کرتے ہیں نہ واں تدبیر ہوتی ہے

دلِ مجروح سے میرے نکلتا کیوں ہے گھبرا کر / تری خاطر تواضع تو بہت اے تیر ہوتی ہے

وہ کہہ دیتے ہیں دشمن سے کہ دلوانے سے یاں تجھے / ہماری اور اس کی جب کبھی تقریر ہوتی ہے

بھروسہ ہو تو کیونکر ہو مرے احباب کو دیکھو / خبر دیتے ہیں واں جا کر جو یاں تدبیر ہوتی ہے

نہیں ہوتی نہیں ہوتی کہیں اکسیر اے مائلؔ
جو ہوتی ہے تو وہ خاکِ درِ شبیر ہوتی ہے

○

ہمارا ذکر آنے ہی عجب تاثیر ہوتی ہے
محبت کے فسانوں کی جہاں تقریر ہوتی ہے

ترے رخ کی جہاں عشاق میں تقریر ہوتی ہے
نہ وہ قرآن ہوتا ہے نہ وہ تفسیر ہوتی ہے

شہیدانِ محبت کے جو خوں میں جوش آتا ہے
زمینِ کوئے جاناں سرخ تو تو تیر ہوتی ہے

کروں مقتل میں کیا فریاد اپنی بے گناہی کی
ادھر ہوتے ہیں سب کے سب ادھر شمشیر ہوتی ہے

ادب آموز ہے کتنا مرا گریہ نہیں آتا
شبِ غم میں جو آنکھوں پر تری تصویر ہوتی ہے

جہاں ہوتے ہیں فرزانے مرا اعزاز ہوتا ہے
جہاں ہوتے ہیں دیوانے مری توقیر ہوتی ہے

گماں ہوتا ہے یہ تجھ کو کہ میں زندہ نہیں شاید
کسی کی نعش جب بازار میں تشہیر ہوتی ہے

تمھیں انصاف سے کہدو بنائے سے بنے کیونکر
مجھے دیتے ہو جو پھوٹی ہوئی تقدیر ہوتی ہے

ہماری شانِ وحشت کو نہ پہنچے گا کبھی مجنوں
ہماری سایۂ زلف کی زنجیر ہوتی ہے

نہ لایا کیجئے دشمن کو اپنے ساتھ تربت پر
کہ اس بزمِ خموشاں میں مری تحقیر ہوتی ہے

محبت بھی عجب شے ہے کہ مجنوں تیز کو دیکھو
جہاں ہوتے ہیں اہلِ دل بڑی توقیر ہوتی ہے

رہیں کیونکر نہ جلووں سے بھلا دونوں جہاں روشن
کہیں وہ آپ ہوتے ہیں کہیں تصویر ہوتی ہے

کرمی اس کی کہتی ہے تجھی کو شرم ہے ان کی
ترے بندے ہیں ہوتی ہے اگر تقصیر ہوتی ہے

ہمارے خانۂ دل کی وہ دیکھیں کیوں نہ آرائش
کہیں تنویر کہیں شبیر کی تصویر ہوتی ہے

اذاں بھی ہو چکی مائلؔ کوئی حد بھی ہے سونے کی
چلو مسجد کو اٹھو بس کہ اب تکبیر ہوتی ہے

○

وہ جو پامالِ ناز ہوتی ہے
وہ جبینِ نیاز ہوتی ہے

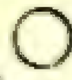
عشق کی جب نماز ہوتی ہے
صفِ اہلِ نیاز ہوتی ہے

اے صبوحی ترے بہانے سے
وقت پر اک نماز ہوتی ہے

شیخ صاحب سے ملنے جلنے میں — عمر تو بہ دراز ہوتی ہے
خوب ہے خانقاہ میں مرنا — روز نذر و نیاز ہوتی ہے
جو برابر ہو خوبرو کوئی — کس مزے کی نماز ہوتی ہے
مر گئے جب کھلا خموشی سے — پردہ داریِ راز ہوتی ہے
کسی جلسے میں شیخ صاحب ہوں — دوش پر جا نماز ہوتی ہے
دل میں چبھتی ہے جو حسینوں کے — نگہِ پاک باز ہوتی ہے
کوئی واعظ ہوں میں بھی جو پڑھ لوں — بے وضو کب نماز ہوتی ہے
آہِ محمود روزِ ہجراں میں — یادگارِ ایاز ہوتی ہے
اثر اپنا دکھا ہی دیتی ہے — بات جو دل گداز ہوتی ہے
ہے یہ معمولِ شیخ عید کے دن — رہنِ مے جا نماز ہوتی ہے
بات بننے کی تجھ سے ہی امید — اے مرے کارساز ہوتی ہے
ہو تصور میں سامنے کوئی — پھر خدا کی نماز ہوتی ہے
اک تبسم پہ حصر کیا اس کے — ہر ادا دل نواز ہوتی ہے
تیرے قدموں پہ مرنے والوں کی — تاقیامت نماز ہوتی ہے
دخترِ رز کی شوخیاں دیکھو — جب وہ سرگرمِ ناز ہوتی ہے
تیرِ مژگاں کی تو جماعت سے — دل کے اندر نماز ہوتی ہے
تم بناؤ جب اپنے ہاتھوں سے — وہ دواخانہ ساز ہوتی ہے
میکدے میں شراب اڑتی ہے — مسجدوں میں نماز ہوتی ہے
وہ مرے سامنے جب آنے میں — ہر ادا مستِ ناز ہوتی ہے
یہ زمانے کی خوبیاں دیکھو — میکدہ میں نماز ہوتی ہے
میری توبہ کا عرس ہونا ہے — میکدے میں نیاز ہوتی ہے
زلف و رخ کو جو زلف و رخ سمجھا — پھر حقیقت مجاز ہوتی ہے
تو کہیں جلائے تیرے زیرِ قدم — خاکِ اہلِ نیاز ہوتی ہے

تو سمجھتے ہیں جس کو دنیا میں خاکِ پاکِ حجاز ہوتی ہے

دخترِ رز آپ کے کبھی جلسوں میں
صائلِ پاک باز ہوتی ہے



صبحِ امید شام ہوتی ہے آج دنیا تمام ہوتی ہے

وہ قیامت کہ دھوم ہے جس کی پائمالِ خرام ہوتی ہے

لطف اٹھاتی ہے ان نگاہوں کے خلق جو زیرِ بام ہوتی ہے

تاب کیسی فراقِ جاناں میں زندگی تک حرام ہوتی ہے

ہم سے پوچھو کہ کیا گزرتی ہے آرزو جب تمام ہوتی ہے

بے محبت نہ مرے گا مائلؔ
موت ایسی حرام ہوتی ہے



نکلتی دل سے آہِ آتشیں معلوم ہوتی ہے حقیقت اب تری چرخِ بریں معلوم ہوتی ہے

دہن میں غنچہ کے خوشبو کہیں معلوم ہوتی ہے جو دل میں بات رہتی ہے نہیں معلوم ہوتی ہے

سراسر بوئے زلفِ عنبریں معلوم ہوتی ہے حقیقت یہ تری اے مشکِ چیں معلوم ہوتی ہے

وہ کہتے ہیں لرزتی جو زمیں معلوم ہوتی ہے کسی بیتاب کی تربت یہیں معلوم ہوتی ہے

ادائے کافرانہ ہی نہیں معلوم ہوتی ہے تری صورت حسینوں میں حسیں معلوم ہوتی ہے

عجب حالت ہے ان شیخ و برہمن سے زمانہ کی زبانوں پر بنائے کفر و دیں معلوم ہوتی ہے

بناوٹ سے بنائیں لاکھ باتیں وہ تو کیا ہوگا الگ سب سے ادائے ہر حسیں معلوم ہوتی ہے

تحمل بلبلِ بیتاب کو ہو بھی تو کیونکر ہو گلستاں میں کلی بھی نازنیں معلوم ہوتی ہے

کہا کرتی ہے جواں کو خلائق فتنۂ اعظم ترے قد کی قیامت ہم نشیں معلوم ہوتی ہے

خدا رکھے تمہاری ریش کو واعظ کہ دنیا میں یہی اک یادگارِ اہلِ دیں معلوم ہوتی ہے

مری شیریں کلامی پر ہیں کہتے پیرِ میخانہ ترے خم میں شرابِ انگبیں معلوم ہوتی ہے

مکافاتِ عمل دنیا کی دنیا ہی میں ملتی ہے
اگر سوچے ذرا انساں یہیں معلوم ہوتی ہے

یہ رندانِ قدح کش میں ذرا تو دیکھ تو واعظ
مجھے تو مجلسِ احباب دیں معلوم ہوتی ہے

چمن میں کیوں نہ ہوں آشفتہ وہ نازک طبیعت ہوں
رگِ گل بھی مجھے چینِ جبیں معلوم ہوتی ہے

جہاں دم بھر کھڑے ہو کر وہ ظالم مسکرایا تھا
شہیدِ ناز کی تربت وہیں معلوم ہوتی ہے

ابھی ایسی نہیں چھائی نہ سوجھے کچھ بھی دشمن کو
فلک معلوم ہوتا ہے زمیں معلوم ہوتی ہے

کسی کا سر جھکا کر مسکرانا یاد آتا ہے
جو بجلی کوند کر گرتی کہیں معلوم ہوتی ہے

یہ آکر میکدے پہ ابر کیوں رویا مگر اسمیں
کسی میخوار کی جانِ حزیں معلوم ہوتی ہے

تجھے بھی زندگانی کی شبِ فرقت کے صدموں میں
کوئی صورت دلِ اندوہگیں معلوم ہوتی ہے

کسی بیتاب عاشق کو کیا ہے قتل کیا تم نے
لہو میں تر تمہاری آستیں معلوم ہوتی ہے

محبت بھی عجب شے ہے کہ مثلِ دشمنِ جانی
دلِ بیتاب کو جانِ حزیں معلوم ہوتی ہے

نکالا پیرِ میخانہ نے واعظ کو یہ فرما کر
کہ اس خم میں کدورت تہ نشیں معلوم ہوتی ہے

تصور سا تصور ہے کہ جب رونے کو بیٹھا ہوں
مری آنکھوں پر اُن کی آستیں معلوم ہوتی ہے

وہ آئے ہیں اور آئے ہیں ذرا تو دیکھ تو واعظ
ہوا میں بوئے زلفِ عنبریں معلوم ہوتی ہے

تہِ خنجر گلا رکھتے ہی پردے اٹھ گئے سارے
کہ مقتل سے مجھے خلدِ بریں معلوم ہوتی ہے

مجھے اپنا سمجھتے ہیں جو یہ دیر و حرم دونوں
مرے دل میں بنائے کفر و دیں معلوم ہوتی ہے

خلافِ مدعائے دردمنداں تو جو کرتا ہے
تری الٹی سمجھ تیرِ رخِ بمریں معلوم ہوتی ہے

کیا ہے قتل کس کافر نے سائل سے مسلماں کو
کہ مقتل کی زمیں گلزارِ دیں معلوم ہوتی ہے



ہر اک منزل مجھے عین الیقیں معلوم ہوتی ہے
الگ راہوں میں وہ تو راہِ دیں معلوم ہوتی ہے

جدھر دیکھو ادا کے دلنشیں معلوم ہوتی ہے
تری یکتائی کثرت آفریں معلوم ہوتی ہے

بلائے جاں نگاہِ سحر آگیں معلوم ہوتی ہے
ادا غارت گرِ دنیا و دیں معلوم ہوتی ہے

خرامِ ناز کا تیرے اب ایسا دور دورہ ہے
قیامت بھی کہیں عزلت گزیں معلوم ہوتی ہے

یہ رونق دو جہاں کی جس کے جلووں کی بدولت ہے — اسی کی روشنی زیرِ زمیں معلوم ہوتی ہے

کہاں جاؤں کسے دیکھوں جو آنکھوں ہی میں گردش ہے — خدا کی سب خدائی تو یہیں معلوم ہوتی ہے

حرم میں بے سبب کب ہے کسی کی جنبشِ ابرو — چمکتی ہر طرف شمشیرِ دیں معلوم ہوتی ہے

کہاں ہے وہ کدھر ہے وہ خبر اس کی کسی ڈھب سے — نہیں معلوم ہوتی ہے نہیں معلوم ہوتی ہے

یہ مانا ہے ترے ابرو کی بھی تصویر کاغذ پر — صنم خانے میں پر شمشیرِ دیں معلوم ہوتی ہے

کسی کے پاؤں رکھتے ہی کہاں تھا تو کہاں پہنچا — تری اب منزلت عرشِ بریں معلوم ہوتی ہے

دہن اس کا نہ سوجھے گا یہ عارف کیوں ہیں مستغرق — گمان و وہم کی صورت کہیں معلوم ہوتی ہے

نہیں ہے نقشِ پا میں نقش اس کے پائے نازک کا — فرشتوں کی یہ تحریرِ جبیں معلوم ہوتی ہے

ترا کلمہ ہی پڑھتا ہے تجھے جو دیکھ لیتا ہے — تری صورت محبت آفریں معلوم ہوتی ہے

سلیمانِ سخن مائلؔ تجھے کیونکر نہ سمجھیں ہم
غزل کی ہر زمیں زیرِ نگیں معلوم ہوتی ہے



کہا میں نے کہ سچ کہنا مری فریاد کیسی ہے — تو کہتے ہیں کہ سچ کہہ دو مری بیداد کیسی ہے

چھپاتا لاکھ ہوں دل میں مگر الفت نہیں چھپتی — محبت کو ذرا دیکھیں ستم ایجاد کیسی ہے

ہمیں تو اے فلک تجھ کو گرانا ایک نالہ میں — غرض اس سے نہیں ہم کو تری بنیاد کیسی ہے

ذرا کہہ تو سہی شورِ قیامت کیا یہ آفت ہے — ستایا ہے تجھے کس نے مری فریاد کیسی ہے

پہنچ کر عرشِ اعظم پر کچھ ایسی برہمی ڈالی — فرشتے کہہ اٹھے سارے تری فریاد کیسی ہے

مزے کیا کیا اٹھائے ہیں مرے دل سے کوئی پوچھے — ترے لطف و کرم کیا تھے تری بیداد کیسی ہے

تمھاری ان جفاؤں پر نہیں آثار مرنے کے — ہماری سخت جانی کی تو دینا داد کیسی ہے

یہ عادت اے فلک تیری ذرا انصاف سے کہہ دے — بنایا اور بنا کر کر دیا برباد کیسی ہے

تماشا ہے کہ جو آتا ہے کہتا ہے مبارک ہو — کوئی سمجھاؤ تو مجھ کو مبارکباد کیسی ہے

تصور گل کا رکھتا ہوں مجھے کیا کام ہو دیکھوں — قفس کی شکل کیا ہے صورتِ صیاد کیسی ہے

عدو ترسیاں نہیں جس سے فلک لرزاں نہیں جس سے — یہ تیری آہ و زاری اے دلِ ناشاد کیسی ہے

مجھے رونا تو اس کا ہے گرا کر مجھ کو نظروں سے
نہ سمجھا وہ بتِ کافر کہ یہ اُفتاد کیسی ہے

ستم میں نقش آجاتا جو شیریں دیکھنے جاتی
تڑپتی بے ستوں میں حسرتِ فرہاد کیسی ہے

بنائے رکھتی ہے ہر دم دل و جانِ دو عالم پر
تری ہر اک ادائے ظالم ستم ایجاد کیسی ہے

مجازی سے حقیقی کے لگا دیتے ہیں رستہ پر
کہوں کیا تم سے اے واعظ بتوں کی یاد کیسی ہے

یہ اسرارِ محبت میں خبر کیا پیرزن تجھ کو
دلِ شیریں پہ ضربِ تیشۂ فرہاد کیسی ہے

بھلا باغِ ارم نظروں سے پوشیدہ نہ کیونکر ہو
ہر اک مہر اس پہ چھائی حسرتِ شداد کیسی ہے

یہ مانا گو نہیں دل سے مگر شرکت نہیں اچھی
بتوں کی یاد میں مائل خدا کی یاد کیسی ہے

○

نہ پوچھ کیوں پسِ مرگ اضطراب باقی ہے
شبِ فراق کا اب تک عذاب باقی ہے

فسوں ہوا نہیں دشمن کا کارگر پورا
کہ تیری آنکھ میں شرم و حجاب باقی ہے

جواب بھی آؤ تو لطفِ وصال آجائے
کسی قدر تو شبِ ماہتاب باقی ہے

شعاع کہتے ہو جن کو یہ تیر ہیں سارے
ہماری آہ سے کب آفتاب باقی ہے

امیدِ وصل سے مایوس ابھی سے کیونکر ہوں
تری زبان سے سننا جواب باقی ہے

نہ اب وہ پیرِ مغاں ہیں نہ ساقی و میکش
فقط جہان میں نامِ شراب باقی ہے

نگاہِ لطف پہ اس کی نہ جائیو اے دل
ادا ادا ہے یہ کتنی عتاب باقی ہے

یہ شورِ حشر ہے اے خفتگانِ خوابِ عدم
بھری ہے نیند کہ آنکھوں میں خواب باقی ہے

وہاں وہی ہے تغافل وہی ہے بے مہری
یہاں نہ صبر ہے باقی نہ تاب باقی ہے

بچا بھی نوح کے طوفاں سے آسماں تو کیا
ابھی ہماری تو چشمِ پر آب باقی ہے

شبِ وصال میں کیا خوش ہو یہ دلِ ناشاد
وہ کہہ رہے ہیں ابھی انقلاب باقی ہے

وہ میرے گھر میں ہیں آتے خدا کرے کوئی
بناؤ سب ہے کیا پر نقاب باقی ہے

یہ جھوم جھوم کے آتے ہیں ابر جو ایسے
جہان میں ابھی بزمِ خراب باقی ہے

پلا دو شیخ کو ہوگا ثواب بادہ کشو
بچی ہوئی جو ذرا سی شراب باقی ہے

لہ:- کافر

ہوا نہ کوئی خریدار اہلِ ہمت سے　　اسی لیے تو جہانِ خراب باقی ہے

بتوں کا لطف بھی دیکھا ستم بھی دیکھ لیا　　خدا کے گھر کا عذاب و ثواب باقی ہے

بہار آنے کی ہم کو خوشی ہو کیا مائل
نہ دل میں جوش نہ عہدِ شباب باقی ہے



نہ آشنا کوئی اپنا نہ یار باقی ہے　　بس اک اجل کا ہمیں انتظار باقی ہے

کوئی کوئی جو گریباں میں تار باقی ہے　　جہاں میں ابھی فصلِ بہار باقی ہے

بنا کے سات فلک دم لیا ہے صانع نے　　ابھی تو دل میں ہمارے غبار باقی ہے

یہ روزِ ہجر تو کاٹا خدا خدا کر کے　　مگر عذابِ شبِ انتظار باقی ہے

نگاہِ لطف پہ ساقی کی رشک کیا واعظ　　ابھی تو رحمتِ پروردگار باقی ہے

خیالِ غیر نہیں تم کو کیسے مانوں میں　　کہ میرے دل میں کھٹکتا سا خار باقی ہے

ہزار جوشِ جنوں ہو ملے نہ مجنوں کو　　ہمارے واسطے وہ خارزار باقی ہے

ہزار نوح کے طوفاں ہوں ایک قطرے سے　　مرادِ گریۂ بے اختیار باقی ہے

تڑپ تڑپ کے شبِ ہجر کاٹ ہی دیں گے　　جو کچھ بھی زندگیِ مستعار باقی ہے

تمام ہونے کو روزِ جزا ہے اور میرا　　شکستِ توبہ کا اب تک شمار باقی ہے

سمجھ چکا ہوں بچیگی نہ تیرے ہاتھوں سے　　یہ زندگی جو دلِ بیقرار باقی ہے

وہ بے سبب نہیں گردن جھکائے بیٹھے ہیں　　مئے شبینہ کا اب تک خمار باقی ہے

کہوں تو حالتِ یارانِ رفتگاں کیا آہ　　کسی کسی کا نشانِ مزار باقی ہے

فغانِ نیم شبی سے ہی تم تو گھبرائے　　ابھی تو نالۂ بے اختیار باقی ہے

جواب لے کے پھر آئے گا نامہ بر میرا　　جو اس کی زندگیِ مستعار باقی ہے

کہے یہ کون کہ اے ساقیِ کرم فرما　　بس اک نگاہ کا امیدوار باقی ہے

جواب دے چکے جو کچھ کہ ان کو دینا تھا　　خدا ہی جانے یہ کیوں انتظار باقی ہے

وہ بے نیاز ہے ایسا کہ اس کی رحمت سے　　نہ بادہ خوار نہ پرہیزگار باقی ہے

یہ عہدِ پیری میں توبہ کا توڑنا مائل
شبابِ رفتہ کا اک یادگار باقی ہے



نہیں ہے داغ دل پر اک ستم گر کی نشانی ہے
نہیں ہے زخم سینے پر یہ خنجر کی نشانی ہے

چراغِ خانۂ کعبہ ترے گھر کی نشانی ہے
صنم خانے کا ہر پتھر ترے در کی نشانی ہے

نہ دولت کی علامت ہے نہ لشکر کی نشانی ہے
یہ آئینہ بھی آئینِ سکندر کی نشانی ہے

درِ کعبہ بھی ایسا ہے کہ ہر سر کی نشانی ہے
مرے دل پر خدنگِ نازپرور کی نشانی ہے

دکھائی عاشقوں نے اپنی تسکیں کی عجب صورت
شبِ غم کو سمجھتے ہیں کہ دلبر کی نشانی ہے

ہر اک طوفاں ہر اک دریا ہر اک قطرہ ہر اک چشمہ
خدا رکھے ہمارے دیدۂ تر کی نشانی ہے

تڑپتے لوٹتے گذری جو ساری عمر بجلی کی
خدا جانے کہ کس کی جانِ مضطر کی نشانی ہے

حسینانِ جہاں شاید پڑھے لکھے نہیں ہوتے
کہ میرے قتل کے محضر پہ اکثر کی نشانی ہے

خدا رحمت کرے مجھ پر کہ اس کافر کو لکھا ہو
یہ میرا خطِ گنہ گاروں کے دفتر کی نشانی ہے

کریں سجدہ جو کعبہ کو تو رخ اس کا بدل جائے
یہ ہم سے خوش نصیبوں کے مقدر کی نشانی ہے

دعائے دردمنداں اور بے تاثیر ہو جائے
قیامت کی علامت ہے یہ محشر کی نشانی ہے

الگ پہچان لوں گا میں بلا دیکھے وہ لاکھوں میں
دلِ مضطر پہ میرے ان کے خنجر کی نشانی ہے

جنابِ شیخ میں تو نذر اب تک کر چکا ہوتا
مصلے پر مرے صہبائے احمر کی نشانی ہے

درِ بیت الحرم پر ہی نہیں پٹکا ہے جا جا کر
تمھارے سنگِ در پہ بھی مرے سر کی نشانی ہے

جنابِ نوح کا طوفاں جو ہے مشہور دنیا میں
ذرا سی وہ ہمارے دیدۂ تر کی نشانی ہے

لگا لیتا ہوں آنکھوں سے ہر اک ٹکڑے کو شیشے کے
سمجھتا ہوں کسی میکش کے ساغر کی نشانی ہے

مرے سینے سے کیونکر بے تامل وہ پٹ جائیں
کہ میرا داغِ دل خورشیدِ محشر کی نشانی ہے

لکھا مہماں نوازی نے خلیل اللہ کے در پر
وہی بندہ ہے جس پر بندہ پرور کی نشانی ہے

دماغِ عاشقی میرا بھلا کیونکر نہ عالی ہو
مرا بختِ سیہ زلفِ معنبر کی نشانی ہے

سرِ شوریدہ سے اپنے لہو پونچھوں تو کیونکر میں
کسی دستِ حنائی کے یہ پتھر کی نشانی ہے

سمجھ کر یہ اٹھاتا ہوں ہر اک ٹکڑے کو شیشے کے — خدا جانے کہ کس میکش کے ساغر کی نشانی ہے
اگر کہہ دوں یہ بلبل سے تو شادی مرگ ہو جائے — نہیں ہے زخم یہ دل پر گلِ تر کی نشانی ہے
کبھی یکتائی میں اس کی نہ فرق آیا نہ آئے گا — نہ کالو بت نہ کعبہ ہے کہ آذر کی نشانی ہے

دلِ مائل جو کیفیت سے اب تک بھی نہیں خالی
یہ بزمِ ساقیِ کوثر کے ساغر کی نشانی ہے



یہ شبِ غم کی جو کہانی ہے — سب مرے دل کی مہربانی ہے
داغِ دل کیوں نہیں عزیز مجھے — کہ محبت کی یہ نشانی ہے
آہ جو ہے وہ آزمائی ہوئی — نالہ جو ہے وہ امتحانی ہے
دل یکایک کسی پہ آجانا — یہ بھی اک مرگِ ناگہانی ہے
شبِ غم میں بچا دلِ بیمار — زندگانی کی یہ نشانی ہے
شور سُن کر مرا وہ کہنے لگے — اس زمانے کا یہ فغانی ہے
دیکھیو قاصد سنبھل سنبھل کے قدم — خط میں مضمونِ ناتوانی ہے
چھیڑتے ہو جو تم فسانۂ غیر — یاد ہم کو بھی اک کہانی ہے

مائلِ اس کا خیال بھی نہ کرو
یہ جہاں تو جہانِ فانی ہے



کبھی کبھی کوئی گھبرا کے آ گیا بھی ہے — یہ نارسا بھی ہے کچھ آہ اور رسا بھی ہے
کسی کا بندہ بھی ہوں میں کوئی خدا بھی ہے — کسی شمار میں آخر مری دعا بھی ہے
رہیں گے زندہ خضر کیا کوئی رہا بھی ہے — بقا کے ساتھ ہی لپٹی ہوئی فنا بھی ہے
مجال کیا کہ قیامت کرے جہاں برہم — شریکِ حال کوئی چشمِ فتنہ زا بھی ہے
زبان تھک گئی یارب خدا خدا کرتے — درازیِ شبِ غم کی کچھ انتہا بھی ہے
نہ وصل سے اُسے تسکیں نہ موت سے راحت — مریضِ عشق کی یارب کوئی دوا بھی ہے

سمجھ کے تیر مرے دل سے کھینچ لے ظالم
کہ اس کے ساتھ مری جانِ مبتلا بھی ہے

خدا کے واسطے شوقِ وصال تو دیکھو
کہ ساتھ آہ کے لب پر مرے دعا بھی ہے

سمجھ گیا کہیں درباں جو منتوں پہ کہا
اس التجا میں ترا کوئی مدّعا بھی ہے

شراب لب سے ہے اور شمع رُخ سے شرمندہ
کسی کا رنگ تری بزم میں جما بھی ہے

خدا کے واسطے ٹھوکر لگا نہ اے درباں
کہ زیرِ سجدہ مرے کوئی نقشِ پا بھی ہے

بس ایک اُس کے نہ ہونے ہی کا نہیں رونا
غضب تو یہ ہے کہ بیگانہ آشنا بھی ہے

حرم سے کیوں نہ ہو مائل کو ہر طرح نسبت
کہ بُت پرست بھی ہے اور با خدا بھی ہے



تو ہے اور آئینہ اور ذوقِ خود آرائی ہے
کیا خبر تجھ کو ترا کون تماشائی ہے

پھر وہی خار وہی بادیہ پیمائی ہے
مُژدہ ہو اہلِ جنوں کو کہ بہار آئی ہے

بے سبب کب یہ تری انجمن آرائی ہے
کچھ نہ کچھ فتنہ اُٹھانے کی تو ٹھہرائی ہے

حُسن اور حُسن پہ یہ اس کی دل آرائی ہے
کہ ہر اک رنگ میں زیبائی ہی زیبائی ہے

کہہ رہی ہے یہ اسی کی چمن آرائی ہے
یہ خموشی نہیں سوسن کی تو گویائی ہے

دور میں تیرے غضب حُسن کی بن آئی ہے
بندہ کیا چیز ہے اللہ بھی شیدائی ہے

حسرتِ عرشِ معلیٰ میں کبھی ارماں تھا
اب تو دل خاک میں ملنے کا تمنائی ہے

بند کرنے جو لگے روزنِ دیوار کو وہ
کسی عاشق کی مگر چشمِ تماشائی ہے

غیر سے کہنے لگے دیکھ کے محفل میں مجھے
کچھ کہیں کی مری اُن کی بھی شناسائی ہے

اپنے دروازے پہ سفاک نے لکھ رکھا ہے
وہ ہی آئے گا یہاں جس کی اجل آئی ہے

رُخ سے پردہ دمِ گلگشت اُٹھا دیں کیونکر
چشمِ نرگس میں سمجھتے ہیں کہ بینائی ہے

کہہ رہے ہیں وہ عیادت کو ہیں آنے والے
ہائے افسوس کہ کس وقت اجل آئی ہے

عمر بھر قبر سے واعظ تو ڈراتا ہی رہا
جا کے دیکھا تو بس اک گوشۂ تنہائی ہے

کیوں نہ گھبرائے مرے جوشِ جنوں سے مجنوں
اُس کو لیلیٰ بھی تو کہتی ہے کہ سودائی ہے

اب کسی بات کا جینے میں مزا ہی نہ رہا
نہ وہ یاروں کے ہیں جلسے نہ وہ تنہائی ہے

حُسن کی اپنے حقیقت مرے دل سے پوچھو
کہ دو عالم کی مری چشم تمنائی ہے

دیکھ کر آئنہ خود کہتا ہے اللہ اللہ
کیا ہی کافر نے قیامت کی ادا پائی ہے

کیسے مر جاؤں تصوّر ہے اُنھیں کا مجھ کو
جن لبوں میں ترے اعجازِ مسیحائی ہے

خدمتِ پیرِ مغاں دل سے کیا کرتا ہے
ہم کو مائلؔ کی یہ اک بات پسند آئی ہے

○

حبیبِ پاکِ رحمٰن[1] کی عجب صورت بنائی ہے
کبھی شانِ محمدؐ ہے کبھی شانِ خدائی ہے

خدا نے دستِ قدرت سے تری صورت بنائی ہے
کہ طرزِ کج ادائی میں ادا سے دلربائی ہے

یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ تجھ میں بیوفائی ہے
ترے ہر ناز پر قرباں خدا کی سب خدائی ہے

طبیعت آئی ہے اور ہائے کس کافر پہ آئی ہے
کہ ہر انداز سے جس کے ٹپکتی بے وفائی ہے

کدھر جاؤ گے بچ کر تم، کہاں بیٹھو گے چھپ کر تم
مرا نالہ یہ کہتا ہے کہ ہر دل میں رسائی ہے

اسیرانِ قفس سن لو کہے دیتا ہوں پہلے سے
جو نالہ کھینچ گیا کوئی تو بس اپنی رہائی ہے

نہ اپنا کوئی ملتا ہے نہ بیگانے سے ملتا ہوں
جُدائی اک تم سے کیا زمانے سے جُدائی ہے

بہت مشکل ہے طے کرنا بیابانِ محبت کا
بنے ہو رہنما میرے خضر کیا موت آئی ہے

جہاں میں جس طرف دیکھو عجب نیرنگ ہیں کچھ
خدا جانے کہ خود بینی ہے یا یہ خود نمائی ہے

تمنّائے حرم ہم کو نہ ہے کچھ شوقِ بت خانہ
تمہارے در کی دل میں آرزوئے جبہ سائی ہے

ابھی سے شکوہ کرتا ہے شکستِ عہد و پیماں کا
ابھی تو اے دلِ ناداں محبت آزمائی ہے

تصوّر دل میں کرتے ہو بتوں کے عہد و پیماں کا
خدا کے واسطے مائلؔ یہ کیسی پارسائی ہے

○

---

[1] مراد حضرت شاہ محمد حبیب الرحمٰن جمالی صمدی ؒ۔ شاعر کے والد پیر ۱۲۔

جسے نہ رحم کسی بیقرار پر آئے خدا کی شان وہ میرے مزار پر آئے
لطافتوں سے یہ عالم ہے سیرِ گلشن کو سوار ہو کے وہ بادِ بہار پر آئے
رہا نہ میں ہی جو دنیا میں پھر تعلق کیوں چراغ و شمع نہ میرے مزار پر آئے
وہ خاکِ پاک ہے میری کہ متقی ہو جائے شراب خوار جو میرے مزار پر آئے
شگفتہ دل ہوں وہ مر کر بھی باغ سے پہلے بہار آئے تو میرے مزار پر آئے
وہ نقشِ پا پہ مرے آئے کوئے دشمن میں بلا نہ ایسی کسی خاکسار پر آئے
شرابخوار کی توبہ کو کب گوارا ہے کہ داغ دامنِ فصلِ بہار پر آئے
یہی دعا ہے خدا سے طفیلِ دامنِ یار بلا نہ کوئی ہمارے غبار پر آئے
یہاں جو آئے درِ میکدہ پہ لکھا ہے امیدِ رحمتِ پروردگار پر آئے
نیا ستم ہے نکالا کہ وصلِ دشمن کی مراد مان کے میرے مزار پر آئے
تڑپ سے ایک بھی بیٹھا نہیں نشانے پر ہزار تیر دلِ بے قرار پر آئے
مجھے یہ ڈر ہے جبینِ ریا سے زاہد کی کہیں نہ حرف ترے رہگذار پر آئے
اُڑا نہ عقل کے گھوڑے یہاں کہ اے ناداں گرے جو اسپ تو آفت سوار پر آئے
دعائے پیرِ مغاں سے ملے تو ٹل جائے عذاب تو نہ اگر بادہ خوار پر آئے
خدا جو پردہ اُٹھا دے نگاہ کا اُس کی نثار ہونے کو فردوس یار پر آئے
وہ دن گئے کہ چہکتے تھے جا کے گلشن میں وہ دل کہاں کہ کسی گلعذار پر آئے
ادب سے خاک نے دامن چھوا نہیں اُن کا ہزار بار وہ میرے مزار پر آئے
بلا جو زلف کو ان کی کہا تو کہتے ہیں خدا کرے ترے صبر و قرار پر آئے

چمن کی سیر ہے معشوق ساتھ ہے مائلؔ
سفید ریش ہوئے جب بہار پر آئے



جو شب کو جلتے پھرتے وہ سراپا نور ہو جائے چراغِ خانہ پہ اپنا چراغِ طور ہو جائے
پھر اس کا نام شیریں سے سوا مشہور ہو جائے جو کارِ عاشقاں کا کوہکن مزدور ہو جائے

مئے الفت سے سب دل کی کدورت دور ہو جائے
جو ساغر صاف ہو تو نور سے معمور ہو جائے

چھلکنے سے ہر اک ساغر اگر منصور ہو جائے
بھڑک کر پھر ہر اک شعلہ بھی برقِ طور ہو جائے

دلِ عاشق سے جو صبر و تحمل دور ہو جائے
کرے کیونکر نہ پھر فریاد جب مجبور ہو جائے

بھڑک اٹھے اگر شعلہ تو دل مسرور ہو جائے
محبت کی وہ آتش ہے کہ آخر نور ہو جائے

اگر مستی میں تو ذرا بد قدا سے دور ہو جائے
گرے پھر ہاتھ سے شیشہ تو چکنا چور ہو جائے

قیامت میں تری رحمت سے کیونکر دور ہو جائے
لقب دنیا میں جس کا مائلِ مغفور ہو جائے

خدا کا پھر کہاں سایہ کہاں پھر ابرِ رحمت کا
جنابِ عشق کا سایہ جو سر سے دور ہو جائے

وہ آہِ گرم ہے اپنی کہ پانی ہو کے بہہ جائے
ہمارے روبرو آئینہ کیا مقدور ہو جائے

یہ واعظ اس بلا کا ہے وہ مے، وا ذِ تنگ ظرفی
گھڑی بھر کو اگر ہم رتبۂ منصور ہو جائے

جسے چاہے بنائے وہ جسے چاہے بگاڑے وہ
کوئی گمنام ہو جائے کوئی مشہور ہو جائے

مری جس بات کو سنتے ہی مجھ سے شب کو بگڑے تھے
خدا کی شان تو دیکھو وہی منظور ہو جائے

یہ فرماؤ بنے گی حضرتِ دل آپ پر کیسی
خوشامد سے جو وہ بت اور بھی مغرور ہو جائے

یہ قدرت حضرتِ پیرِ مغاں نے مے کو بخشی ہے
پری شیشے میں ہو جائے جہاں میں حور ہو جائے

حسد سے مہرِ تاباں کے ہے دھبہ ماہِ کامل میں
سیاہی دل سے دھو ڈالے سراپا نور ہو جائے

کرم اس کے نہیں ایسے کہ اس کو بھول جاؤں میں
خیال اس کا نہیں ایسا جو دل سے دور ہو جائے

اسے منظور ہو خاطر جو اپنے بادہ خواروں کی
عجب کیا آبِ کوثر بادۂ انگور ہو جائے

نوازش پر نوازش ہر کرم پر ہے کرم اس کا
ادھر تو زخم ہو دل پر ادھر ناسور ہو جائے

جو قصہ چھیڑ دیتا ہوں تمہاری سرد مہری کا
یہ خورشیدِ قیامت سا ابھی کافور ہو جائے

حرم سا کیوں نہ ہو پیر دہ مری آنکھوں پہ اے واعظ
نہیں ممکن کہ بت خانہ نظر سے دور ہو جائے

یہ منت میں نے مانی ہے بناؤں لا کے بت خانے
مری توبہ جو شیدائے مئے انگور ہو جائے

وہ کافر جس طرح رکھتا ہے اپنے خستہ جانوں کو
کہیں ایسا نہ ہو یارب یہی دستور ہو جائے

حقیقت پی کہہ دوں گا نہ رو کے مجھ کو رونے سے
غبارِ خاطرِ محزوں ذرا سا دور ہو جائے

عجب کیا ہے کہ اس کے سوختہ جانوں کی گنتی میں
طفیلِ حضرتِ موسیٰ جو کوہِ طور ہو جائے

دعا کرتا ہوں راتوں کو صنم خانے میں جا جا کر
خداوندا یہ کفر و شرک دل سے دور ہو جائے

ہزاروں بادہ کش ایسے ہیں واعظ ایک مائل کیا
نظر ڈالیں جو پانی پر مئے انگور ہو جائے



دعائے خیر میں میری اگر تاثیر ہو جائے
تو پھر غمخوار قاتل کیا دم شمشیر ہو جائے

مری وحشت کی پھر تقدیر تو تقدیر ہو جائے
درازی زلفِ جاناں کی اگر زنجیر ہو جائے

ترے دشنام کے قابل مری تقدیر ہو جائے
اگر دربان پہ ثابت کوئی تقصیر ہو جائے

ذرا سا عکس پڑ جائے جو اُن کے رُوئے تاباں کا
تو مسجودِ ملائک پھر مری تصویر ہو جائے

اُٹھا لے لیلیِ خوش خو کہیں مجنوں نہ بد ظن ہو
کوئی کانٹا بیاباں کا جو دامن گیر ہو جائے

سرک جائے جو اک پردہ کسی روئے انور کا
تو ساری بزمِ عالم۔ عالمِ تصویر ہو جائے

مری فریاد ہو جائے۔ فغاں و آہ ہو جائیں
نہیں ممکن خیالِ یار بے تاثیر ہو جائے

دلِ مضطر ہے سینے میں مرے سیماب کی صورت
جو پھونکے آتشِ الفت تو پھر اکسیر ہو جائے

نظر آؤں گا کوثر پہ جدھر دیکھو گے بس ہی ہیں
ذرا سی بزمِ ساقی میں مری توقیر ہو جائے

صلاح و مشورہ کیا ہے مری قسمت کے لکھنے میں
جو دل میں سوچ رکھا ہے وہی تحریر ہو جائے

حریمِ کعبۂ غم میں نہیں ممکن نہیں ممکن،
فغان و آہ سے خوش تر کوئی تکبیر ہو جائے

مقدر یوں بدلتا ہے کہ بازارِ ندامت میں
پسند اُس کو مری پھوٹی ہوئی تقدیر ہو جائے

جو مجھ سے خستہ جاں کے پاس آ بیٹھے جواں کوئی
فسانہ درد و غم کا سُنتے سُنتے پیر ہو جائے

فرشتہ موت کا آئے تو سوچے کیا اندھیرے میں
شبِ غم میں جو مرنے کی کوئی تدبیر ہو جائے

برستی ہی رہے مستی در و دیوار سے مائل
مری مٹی سے میخانہ اگر تعمیر ہو جائے



جو مقبولِ صنم خانہ مری تصویر ہو جائے
تو بزمِ اہلِ ایماں میں بڑی توقیر ہو جائے

تمہارے سامنے بے ربط سی تقریر ہو جائے
زباں میری اگر چلتی ہوئی شمشیر ہو جائے

مزے کی اور حسن و عشق کی تقریر ہو جائے
جو اُن کے مصحفِ رخسار کی تفسیر ہو جائے

اگر پیدا سخن میں رنگِ خواجہ میر ہو جائے
تو پھر ہر شعر میرا اور درد کی تصویر ہو جائے

جو آجائے کوئی مصرع زبانِ پاک پر انکی
تو پھر ہر شعر میرا آیۂ تطہیر ہو جائے

پڑے گا کام کیا پھر قتل گہ میں تمکو آنے کا
چلے جانا ہماری نعش کی تشہیر ہو جائے

نہ پھر جانا پڑے قاصد کفن لیتے چلے جانا
جوابِ خط کے لانے میں اگر تاخیر ہو جائے

قرار آیا نہ آئے گا دلِ بے تاب کو تیرے
نہ جب تک پار سینے کے تمہارا تیر ہو جائے

یہ واعظ کس بلا کا ہے کہ افطاری میں بھی آ کے
گزک آجائے تھوڑی سی تو دامن گیر ہو جائے

مقدر اپنا اپنا ہے نشانے پر ترے آ کر
کوئی بچ کر نکل جائے کوئی نخچیر ہو جائے

اگر قسمت الٹ جائے مرے شوقِ شہادت کی
نصیبِ دشمناں پھر تو تری شمشیر ہو جائے

بھرا ہے زورِ وحشت کا وہ جسمِ زار میں میرے
اگر چاہوں تو سو ٹکڑے ابھی زنجیر ہو جائے

نصیبِ غیر کیوں ہوگی مرے سر کو اڑا دیکھو
شہادت تو ادھر ہوگی جدھر شمشیر ہو جائے

یہ کھل جائے کہ سودائے محبت کس کے دل میں ہے
ہماری اور مجنوں کی اگر تقریر ہو جائے

وہ زندہ کرنے آتا ہے دلِ مردہ کو عاشق کے
اجل کا رہنما کیونکر تمہارا تیر ہو جائے

الٹ دیں گے زمانے کو یہ ہم نے دل میں ٹھانی ہے
ہمارے خواب کی الٹی اگر تعبیر ہو جائے

ادا کر جاؤں قرضہ مے فروشِ بے مروت کا
کہ محشر میں نہ توبہ کا گریباں گیر ہو جائے

نہ ٹھہرے گا دلِ دیوانۂ مجنوں نہ ٹھہرے گا
خیالِ زلفِ لیلیٰ بھی اگر زنجیر ہو جائے

صبوحی کا ابھی سامان آگے سے نہیں اٹھا
چلا جاؤں گا مسجد میں ذرا تکبیر ہو جائے

تصور کربلا کا ہو تو اپنے آپ ہی مائل
خوشی جو دل میں آجائے غمِ شبیر ہو جائے



[illegible] نمبر ۸ — حضرت میرزا مائل دہلوی کا یہ تازہ دو غزلہ ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ مکرر نظر ڈالنے کی نوبت نہیں آئی ہے غزل بڑے زور کی ہے اور راقم الحروف کی طرح آپ کی عمر ستر پچھتر ۷۵ برس کی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ میں آٹھ دس برس بڑا ہوں۔ (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمایئے)

کہیں وہ بات کہ دشمن بھی ہم زباں ہو جائے
مزہ تو جب ہے کہ تیری نہیں بھی ہاں ہو جائے

غضب میں جان ہے یہ بھی نکال لو ارماں
ہر ایک بات پہ کہتے ہو امتحاں ہو جائے

نیا ہے رنگِ محبت خدا کی قدرت ہے
کہ جان کر مجھے عاشق وہ مہرباں ہو جائے

رہے نہ کوئی بھی طرزِ ستم زمانہ میں
زمین بھی ترے کوچے کی آسماں ہو جائے

اثر نہ کھائیں گے ہم بھی کچھ اپنے نالوں کا
تمھارے نازو تغافل کا امتحاں ہو جائے

مزہ اٹھائے تمھارے ستم اٹھانے کا
مری طرح سے اگر کوئی سخت جاں ہو جائے

وہ دن گئے کہ جتاتے تھے بات بات پہ عشق
اب ایک آہ بھی کھینچیں تو بدگماں ہو جائے

بہشت کی نہ تمنا نہ حور کی خواہش
یہ مشتِ خاک تری خاکِ آستاں ہو جائے

غرض ہے ہم کو تو تجھ سے نہیں ہر رنگ نہیں
کوئی جلیس بنے کوئی رازداں ہو جائے

اثر نہ ہو نہ سہی ایک نام تو ہوگا
جگر سے آہ وہ کھینچیں کہ آسماں ہو جائے

مسیح و خضر بھی کہتے ہیں تیرے کوچے میں
یہ زندگی جو ہے باقی بسر یہاں ہو جائے

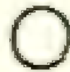
تجھے ہے ناز کرم پر مجھے گناہوں پر
خدا کرے کہیں اس کا بھی امتحاں ہو جائے

نگاہِ ناز کسی کو نہ چھوڑیو زندہ
بلا سے نام ترا مرگِ ناگہاں ہو جائے

جو وصل ہو تو قیامت ہے چھیڑ یاروں کی
جو ہجر ہو تو یہ ناصح بلائے جاں ہو جائے

بس اتنی بات پہ مرتا ہے تیرے در پہ عدو
کہ بعدِ مرگ لقب عرش آشیاں ہو جائے

گر ابر جھوم کے آ جائے حضرتِ مائل
ابھی تو آپ کی توبہ کا امتحاں ہو جائے



ہر ادا زلف کی غارت گرِ ایماں ہو جائے
عالمِ کفر سے گر کوئی مسلماں ہو جائے

(باقی حاشیہ صفحہ ۷۴۲) آپ کے زورِ طبیعت کے ثبوت میں یہ شعر اس غزل سے عرض ہیں۔ (اشعار نمبر زدہ از نمبر ۱ تا نمبر ۸) دِلّی والوں کو ناز کرنا چاہیے کہ اب بھی یہاں کے بزرگوں میں اساتذہ کے مرتبہ کا کلام سننا نصیب ہو جاتا ہے۔ میں نے یہ شعر چھ سات بار پڑھے اور ہر بار تازہ لطف آیا۔ ۱۲
"صلائے عام" دسمبر ۲۹ء ص ۳۶۔

اشک جو آنکھ سے ٹپکے وہی طوفاں ہوجائے
داغ جو دل پہ پڑے مہرِ درخشاں ہوجائے

میں وہ مجنوں ہوں دُعا کرنے کو گھر میں اپنے
دستِ وحشت جو اٹھاؤں تو بیاباں ہوجائے

بن گیا بتکدہ دو چار بتوں سے کعبہ
کفر آئے جو مرے دل میں تو ایماں ہوجائے

کیوں نہ ہوں زلف پرستوں کی عقیدت پہ نثار
ایک کافر نہیں ایسا کہ مسلماں ہوجائے

شوخیاں جب تری اے بادِ بہاری جانوں
میری توبہ کی اگر زلف پریشاں ہوجائے

قراُتِ قلقلِ مینا تو نہ آئے گی کبھی
شیخ ہوجائے اگر قاریِ قرآں ہوجائے

پیرِ میخانہ جو فرمائیں کرامت کا ظہور
اک خُمِ بادہ ابھی واعظِ ناداں ہوجائے

منحصر گل پہ نہیں ہے یہی دُنیا کی بہار
جو یہاں آئے وہی چاکِ گریباں ہوجائے

دوستی سے مری بہتر ہے اُسے سمجھاؤ
دشمنِ عقل اگر ناصحِ ناداں ہوجائے

میں ہوں وہ کافرِ حق گو کہ صنم خانوں میں
سب دُعا کرتے ہیں کافر یہ مسلماں ہوجائے

میں وہ مجنوں ہوں لیلیٰ کا کبھی راز کہوں
ہمنشینوں میں اگر خارِ بیاباں ہوجائے

میں وہ شاعر ہوں دمِ مرگ مری بالیں پہ
ملک الموت بھی آئے تو غزلخواں ہوجائے

میں وہ کافر ہوں مجھے کعبہ لکھا کرتا ہے
آپ آئیں تو یہاں رونقِ ایماں ہوجائے

حال پیری سے کچھ ایسا ہے کہ بُت کہتے ہیں
اب تو اچھا ہے کہ مائلؔ بھی مسلماں ہوجائے



پھر تو عشاق کا دل عالمِ ایماں ہوجائے
لطف آجائے وہ کافر جو مسلماں ہوجائے

میں نہ ٹھہروں جو صنم خانہ قدم بھی بگڑے
کعبہ جانے کا میسر مجھے ساماں ہوجائے

بے نیازی کی عجب شان ہے اُسکی دیکھو
بن بنا کر یہ جہاں خوابِ پریشاں ہوجائے

بانیِ کعبہ نے کہتے ہیں دُعا مانگی تھی
یاالٰہی یہ زمیں کوچۂ جاناں ہوجائے

بُت کدہ بھی نظر آئے مجھے کعبہ بن کر
جو تصور میں وہ سرمایۂ ایماں ہوجائے

نگہِ لطف تری چاہیے تو اے بندہ نواز
کوئی مشکل نہیں ایسی کہ نہ آساں ہوجائے

شکرِ ساقی کی عنایت کا ادا ہو کیونکر
مئے انگور پلائے مئے عرفاں ہوجائے

جب خوشی ہو مجھے مرنے کی وہاں جانے کی — کچھ تو جنت میں مرے عیش کا ساماں ہو جائے
رشک کعبہ سے نہ کیونکر ہو دلِ عاشق کو — بن کے اللہ کا گھر کوچۂ جاناں ہو جائے
تر جو ہو اشکِ ندامت سے تو بخشش کے لیے — اک وسیلہ تو مرا تارِ گریباں ہو جائے
دشتِ وحشت میں جو دو چار بھی کانٹے مل جائیں — دلِ وحشی کو مرے عیش کا ساماں ہو جائے
رشک ہوگا مجھے اس سے بھی ملک ہو کہ بشر — دیکھ کر جو تری تصویر کو حیراں ہو جائے
اُس کی واجب ہوئی خاصانِ خدا کو تعظیم — حضرتِ پیرِ مغاں کا جو ادب داں ہو جائے
کہیں ایسا نہ ہو افسردہ دلی کے ہاتھوں — خاک کا ڈھیر ہمارا دلِ سوزاں ہو جائے

سُن کے اشعار کو مائل یہ کہا سعدی نے
نثر کرتا ہوں تو اک اور گلستاں ہو جائے

○

بلا سے غیر جو ہو جائے نکتہ چیں ہو جائے — کہیں جو بات بنا کر کے دلنشیں ہو جائے
شبِ فراق میں مرنے کی آرزو نہ کریں — تمہارے قول و قسم کا اگر یقیں ہو جائے
عجب طرح کا زمانے نے رنگ بدلا ہے — بھری ہو دل میں محبت تو بغض و کیں ہو جائے
نہیں رہا تنِ لاغر میں خون اتنا بھی — کہ وقتِ گریہ مری سُرخ آستیں ہو جائے
کسی کا کب مرے آگے چراغ جلتا ہے — میں آہِ سرد بھی کھینچوں تو آتشیں ہو جائے
کبھی نہ وعدہ خلافی کا ہم کریں شکوہ — جو زیست کا ترے سر کی قسم یقیں ہو جائے
رہے نہ حُسن میں پھر داغ بے وفائی کا — جو میرے اشک سے تر تری آستیں ہو جائے
مجھے یہ ڈر ہے کہ محشر میں دیکھ کر تجھ کو — فریفتہ نہ کہیں صورت آفریں ہو جائے
حرم سے ہم کو ہے مطلب نہ دیر سے مقصد — غرض نہیں تو ہے دیدار سے کہیں ہو جائے
مٹے یہ روز کی یاس و امید کا جھگڑا — بلا سے ہاں نہیں ہو لی اگر نہیں ہو جائے
ہوا بلند تو ہے غضب اپنی خاکساری کی — کہیں نہ دشمنِ جاں رشک سے زمیں ہو جائے
مزہ جب آئے فلک کو کہ یوں ستاتے ہیں — مقابلے میں جو اُس کے دلِ حزیں ہو جائے
عدو کے ملنے کی دیکھو قسم تو کھاتے ہو — نگاہِ ناز تمہاری نہ شرمگیں ہو جائے

کہیں تو کیسے کہیں بات اس سے مطلب کی — کہ التجا بھی کریں ہم تو خشمگیں ہو جائے
لپٹ لپٹ کے بہت ہی نسیم چلتی ہے — نہ بد دماغ کہیں زلفِ عنبریں ہو جائے

بتوں کی یاد میں کعبہ میں جان دی مائل
مری طرح سے کسی کو تو پاسِ دیں ہو جائے



وہ نقاب اٹھا کے جو آ گئے مرے اجڑے گھر کو بنا گئے — وہ چراغ دل میں جلا گئے مجھے لو وہ اپنی لگا گئے
وہ قرارِ دل کا اڑا گئے وہ سکون و صبر مٹا گئے — وہ نقاب ڈال کے جو بیٹھے تھے وہ آگ دل میں لگا گئے
کہوں بات میں تو بری لگے سوئے کعبہ سجدہ جو کر دیا — یہ بتوں کا حسنِ سلوک ہے کہ خدا کے گھر کو بنا گئے
وہ عدو کو لینے کو جب اٹھے مجھے تابِ صبر نہ ذرا رہی — مرے لب پہ آہ جو آ گئی مجھے انجمن سے اٹھا گئے
پسِ مرگ کس نے کشش یہ کی مجھے ٹھوکر آئی ہے پھر یہیں — یہ مزار کس کا ہے اے خدا کہ وہ پھول آ کے چڑھا گئے
پڑا وقت جب تو یہ کھل گیا کوئی کام آئے نہ جز خدا — جنھیں ہم سمجھتے تھے آشنا وہی آنکھ ہم سے چرا گئے

یہ وہی ہیں مائل مستی بڑی دھوم جن کے ہے زہد کی
وہ شراب خانے میں آتے ہی جو سبو کو منہ سے لگا گئے



کیونکر کہوں وہ لوگ گناہوں سے بچ گئے — دانستہ میکدے کی جو راہوں سے بچ گئے
تاروں نے ایک حملہ میں ان کو گرا دیا — دو چار آسمان جو آہوں سے بچ گئے
ہم کو تو اس کے لطف و کرم نے بچا لیا — کہنے کی ہے یہ بات گواہوں سے بچ گئے
مسجد میں خانقاہ میں کرتے رہے بسر — ساقی جو تیری مست نگاہوں سے بچ گئے
رحمت خدا کی ہو کہ گدایانِ میکدہ — اس راہ سے گئے ہیں کہ شاہوں سے بچ گئے
کی ہے جنابِ عشق نے وہ رہبری کہ ہم — ان کفر و دیں کی پھیر کی راہوں سے بچ گئے
عصمت جو تھی سرشت میں پڑتے ہی ان کی آنکھ — عالم کے روسیاہ گناہوں سے بچ گئے

مائل کو آپ لوگ ہیں شاعر ہی جانتے
ہم اس کے ساتھ رہ کے گناہوں سے بچ گئے



جا جا کے تیرِ آہ ہمارے جو گڑ گئے
سینے میں آسمان کے سوراخ پڑ گئے

ناصح سے زندگی میں مصیبت میں پڑ گئے
پہنچے جو قبر میں تو فرشتے جھگڑ گئے

پتّے تمام گر گئے اور پھول جھڑ گئے
گلشن جو تھے نمود کے سارے اجڑ گئے

نقصان اور کچھ نہیں اُن کے بگاڑ میں
ارمان و آرزو کے مقدّر بگڑ گئے

مالِ بخیل سچ ہے کسی کام کا نہیں
قارون کے ساتھ ساتھ خزانے بھی گڑ گئے

ابرِ بہار نے جو برسنے میں دیر کی
رندانِ بادہ خوار کے تیور بگڑ گئے

اب جائیں کس کے شوق میں اللہ وہی گھر
جن سے کہ آرزوئے وطن بھی اُجڑ گئے

رکھتے نہیں قدم وہ کبھی کوئے یاس میں
پیشانیاں جو آپ کے در پر رگڑ گئے

ہنگامہ مرگ و زیست کا اللہ کی پناہ
جو دل لگی کے یار تھے سارے بچھڑ گئے

باہم ہوا جو عارض و گیسو میں اتحاد
اسلام و کفر دونوں ہی طاقت پکڑ گئے

ہم آئیں یا نہ آئیں تری بزمِ ناز میں
اغیار و پاسباں کے مقدر تو لڑ گئے

کیونکر نہ دل کی آگ کے شعلے بھڑک اٹھیں
دم بھر کو مدّتوں میں وہ آئے تو لڑ گئے

ناز و نیازِ حسن و محبت کو دیکھنا
سجدہ تو سنگِ در کو کیا وہ بگڑ گئے

تو نے لیا سنبھال وگرنہ خلیل تو
شمس و قمر کو دیکھ کے دھوکے میں پڑ گئے

آہ و فغانِ عشق نے جن کو علَم دیے
جھنڈے فصیلِ عرش پہ اُن کے تو گڑ گئے

انسان ہی ہیں شیخ و برہمن ملک نہیں
دیر و حرم کو دیکھ کے دھوکے میں پڑ گئے

رندانِ بادہ خوار سے لے کر ہی کچھ ٹلے
واعظ شراب خانے کے در پر جو اڑ گئے

ہوتا بُرا ہے سچ ہے جوانی کا جوش بھی
تن کر چلا جو یار تو ہم بھی اکڑ گئے

خرمن کا حال آہ نہ پوچھو کہ کیا ہوا
بجلی بھی اس پہ گر گئی اولے بھی پڑ گئے

دعوت میں میکشوں کی اسے صرف کیجیے شیخ
کھنچوائیے شراب جو انگور سڑ گئے

جب سے کہ دل میں عشق کی گرمی نہیں رہی
سردی سے ہاتھ پاؤں ہمارے اکڑ گئے

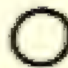
سائل سفید ریش بھی کیا شعر گرم ہوں
ان برف باریوں سے تو مضموں اکڑ گئے

نوبت یہ آئی حسن پرستی سے دیکھنا
وابستہ ایک طفل سے مائل بچھڑ گئے



عالم تمام کشتۂ رفتار ہو گئے — کیا کیا نہ حشر کل سرِ بازار ہو گئے
جوہر تو بدنصیب کو یارب نہ ہو نصیب — ہم نالہ سنجیوں سے گرفتار ہو گئے
تنہا ہیں خانقاہ میں زاہد پڑے ہوئے — آباد ہم سے خانۂ خمّار ہو گئے
نالوں نے کام دل سے نکلتے ہی وہ کیا — شرمندہ ان کے فتنۂ رفتار ہو گئے
تقریر اس کی سنتے ہی دل نے کہا مرے — لو ہم تو قدرِ شوخیِ گفتار ہو گئے
اُٹھا جو اس کی بزم سے میں آہ کھینچ کر — کہتے ہیں کیا کہ آپ بھی بیمار ہو گئے
آخر کو آ گئے وہ حسینوں کے رنگ پر — ہوتے ہی ایک روز ستمگار ہو گئے
اچھوں کے ساتھ ہوتی ہے تائیدِ غیب — یوسف کے چاہ میں بھی خریدار ہو گئے
گھبرا کے خفتگانِ عدم اٹھ کھڑے ہوئے — فتنے جو کوئے یار کے بیدار ہو گئے
اک ہیں جنابِ خضر کہ مرتے ہیں زیست پر — اک ہم کہ اپنی زیست سے بیزار ہو گئے
یوسف تو اک متاع تھے بازارِ مصر کی — محشر کے آپ گرمیِ بازار ہو گئے
افسوس خانقاہ میں غافل پڑے رہے — ہم آئے میکدے میں تو ہشیار ہو گئے
تھے کس سے ہمکلام پسِ پردہ کون تھا — کس کے کلیم طالبِ دیدار ہو گئے
محفل میں کون آئے گئے کچھ خبر نہیں — جاتے ہی ہم تو نقش بدیوار ہو گئے

ساقی کی چشمِ مست کے قربان جائیے
مائل سے شیخ وقت قدح خوار ہو گئے



کچھ جوش پر جو دیدۂ خونبار ہو گئے — صحرا بھی گھر بھی غیرتِ گلزار ہو گئے
واقف نگاہِ ناز سے اغیار ہو گئے — کیا وہ بھی اس کے محرمِ اسرار ہو گئے
ساغر کو منہ لگا کے گنہگار ہو گئے — اچھی کہی کہ شیخ قدح خوار ہو گئے

ساقی کی چشمِ مست سے سرشار ہو گئے
سب رازِ میکدہ سے خبردار ہو گئے

منصور دار ہی کے سزاوار ہو گئے
سب یک زباں جو کافر و دیندار ہو گئے

وہ آنکھ وہ نگاہ وہ تیوری اب نہیں
کچھ اور تم تو پیتے ہی تلوار ہو گئے

وہ آئے وقتِ نزع تو پھولے یہ ہاتھ پاؤں
دو ایک سانس لینے بھی دشوار ہو گئے

واعظ کے کام آ گئیں جادو بیانیاں
توبہ کے میکدے میں خریدار ہو گئے

کل سے سوا ہے آج شبِ غم کی تیرگی
کیا اُن کے بند روزنِ دیوار ہو گئے

اللہ رے شوقِ قتل کا اعجاز دیکھنا
اُن کی کمر کے نیچے تلوار ہو گئے

کل تو مرے غبار سے افلاک ہیں بنے
میرے ہی آج درپئے آزار ہو گئے

پیرِ مغاں کا در درِ رحمت کہیں نہ ہو
داخل جو اس میں سارے گنہگار ہو گئے

برسوں تو یوں ہی ہم کو میسر ہوا نہ وصل
اچھے جو ہم ہوئے تو وہ بیمار ہو گئے

کیوں کر کہوں کہ مجھ سے محبت نہیں انہیں
میرے مزار پہ تو کئی بار ہو گئے

ہم وہ نہیں کہ تم ہمیں دل میں جگہ نہ دو
پر کیا کریں نصیب سے ناچار ہو گئے

کب کہہ سکیں کہ مُہر ہے منھ پہ لگی ہوئی
جو لوگ اُس کے واقفِ اسرار ہو گئے

زُلفوں میں اس کی گبر و مسلماں ہوئے اسیر
اک سلسلہ میں کافر و دیندار ہو گئے

پیرِ مغاں کے ہاتھ پہ بیعت بھی ہو چکے
یہ کیا کہا کہ شیخ بھی میخوار ہو گئے

تصویر اس کی دیکھ کے بازارِ مصر میں
یوسف تو جان و دل سے خریدار ہو گئے

کیا جانے کیا ہے بات کہ کہتے ہیں مجھ سے یار
کچھ اب تو زندگی کے سے آثار ہو گئے

سچ ہے کہ گفتگو ہی بڑھاتی ہے شوق کو
آخر کلیم طالبِ دیدار ہو گئے

مائل دوئی کو دل سے نکالا تو دیکھیے
ہم پیشوائے کافر و دیندار ہو گئے

○

ایسے ملے وہ تجھ سے کہ اک جان ہو گئے
جو لوگ تیری راہ میں قربان ہو گئے

کس ڈھب سے ان کو رحمتِ حق میں کیا شریک
میکش جنابِ شیخ کے مہمان ہو گئے

سنتے ہی سنتے شیخ و برہمن کی داستاں
دل اور دماغ دونوں پریشان ہو گئے

گریہ کو میرے آپ جو ہوتے تو دیکھتے
کتنے تمام رات میں طوفان ہو گئے

میخانہ وہ مقام ہے واعظ کہ بادہ کیا
سب ختم اس میں عیش کے سامان ہو گئے

رونا تو یہ بڑا ہے کہ اب ایک بھی نہیں
دو چار ہر زمانے میں انسان ہو گئے

لے جانے والے ساتھ وہ سامان لے گئے
جس سے کہ گرد خلد کے سامان ہو گئے

اک وہ تمام رات جو دیکھا کیے تجھے
اک ہم کہ بزم دیکھ کے حیران ہو گئے

ہم کو تو داد حشر سے پہلے ہی مل گئی
اپنے کیے پہ آپ پشیمان ہو گئے

جوشِ شباب اس بُتِ کافر کا دیکھ کر
لغزش میں اہلِ دیں کے بھی ایمان ہو گئے

کہتی ہے تیغ ہائے مرے ہو گئے سُرخ رو
خونِ شہیدِ ناز سے پیکان ہو گئے

اک میں نے توبہ کی ہے الٰہی یہ کیا ہوا
میخانے سارے شہر کے ویران ہو گئے

دل مرتبے میں عرشِ معلیٰ سے بڑھ گیا
دم بھر جو میہماں ترے پیکان ہو گئے

کیا پوچھتے ہو حال مریضانِ عشق کا
کھینچی جو ایک آہ تو بے جان ہو گئے

مائل گرے ہوئے تھے بتوں کی نگاہ سے
اچھا ہوا کہ آپ مسلمان ہو گئے



ٹکڑے جو اُن کے گرتے ہی ساغر کے ہو گئے
مستی میں بادہ خوار بھی پتھر کے ہو گئے

بس ہم جو فتنے قامتِ دلبر کے ہو گئے
ہوش و حواس باختہ محشر کے ہو گئے

کچھ انتہا میں رنگ پیمبر جما گئے
کچھ ابتدا میں شانِ پیمبر کے ہو گئے

تو پھونک آشیانے کو میں عندلیب کو
بجلی سے مشورے یہ گُلِ تر کے ہو گئے

کب تک گلہ نہ سنگِ حوادث کا ہو فلک
ٹکڑے ہزار ہا تو مرے سر کے ہو گئے

گو ان کی بزم سا نہیں ہنگامہ حشر کا
پھر بھی تو ہوش باختہ اکثر کے ہو گئے

دیکھو تو ایک طفلِ برہمن کا شعبدہ
ہم بتکدے میں جاتے ہی پتھر کے ہو گئے

آہ ہم کو اپنی جنبشِ مژگاں کی کیا خبر
دونوں جہان ایک ہی خنجر کے ہو گئے

ہم نے قدم بڑھاتے ہی منزل کو جا لیا
وہ رہ گئے جو ہمتِ رہبر کے ہو گئے

ظاہر میں اور آگ لگا کر چلے گئے
باطن میں چارہ گر دلِ مضطر کے ہو گئے

پہنچیں جو عاشقوں کی دعائیں الگ الگ
رستے ہزار کوچۂ دلبر کے ہو گئے

ساقی کی چشمِ مست نے میخانہ بھر دیا
اچھی کہی کہ ایک ہی ساغر کے ہو گئے

ہم سر کو لے کے آئے تھے سجدے کے شوق میں
مقتل میں پاؤں رکھتے ہی بے سر کے ہو گئے

صہبائے مشکِ ناب کی پیدا ہوا بسے
ہم رازدارِ زلفِ معنبر کے ہو گئے

تیرا جنازہ گھر سے نہ نکلا غمِ فراق
زندہ ہزار بار تو ہم مر کے ہو گئے

ٹکڑے ہزار بار تو ان ہاتھوں سے مرے
توبہ کے ہو گئے کبھی ساغر کے ہو گئے

کر لیں گے شیخ صاحبِ رحمت سے ساز باز
افسر شراب خانے کے دفتر کے ہو گئے

شامل تمہارے جام میں، اتنا رہے خیال
دو چار گھونٹ میرے مقدر کے ہو گئے

اللہ رے نصیب کہ جا کر حجاز میں
مائلؔ تو خاکِ پاک کسی در کے ہو گئے

○

شایانِ قدر ساقیِ کوثر کے ہو گئے
دو چار میکدے تو مرے گھر کے ہو گئے

فوارے وہ تو چشمۂ کوثر کے ہو گئے
اے عشق جو گلو ترے خنجر کے ہو گئے

جتنے مرید حضرتِ ساغر کے ہو گئے
سب سلسلے میں ساقیِ کوثر کے ہو گئے

اعجازِ سخت جانیِ عاشق تو دیکھیے
ٹکڑے گلو پہ رکھتے ہی خنجر کے ہو گئے

ٹھوکر سے محتسب کی قیامت ہوئی بپا
ٹکڑے شراب خانے میں ساغر کے ہو گئے

اے دل گلہ نہ کر یہ مقدر کی بات ہے
شفاف مے سے آئینے اکثر کے ہو گئے

آتے ہی ان کے رنگِ قیامت بدل گیا
فتنے تمام ایک ہی ٹھوکر کے ہو گئے

سر پیٹنے کی مجھ کو سزا دی بہار نے
ٹکڑے جو دستِ توبہ سے ساغر کے ہو گئے

ارض و سما میں جتنے ہیں سب آپ کے سوا
ہم پر ستم ہر ایک ستمگر کے ہو گئے

دیکھا جو مشتِ خاک کی شان و شکوہ کو
قائل ملائکہ بھی مقدر کے ہو گئے

فریاد کیسی روزِ جزا، اور مداح خواں
سارے شہید آپ کے خنجر کے ہو گئے

ملحوظ جو رہا ادبِ خاکِ میکدہ
ہم خاکِ پائے ساقیِ کوثر کے ہو گئے

کس کس کو انجمن سے اُٹھایا مرے لیے
کس کس کو رشک میرے مقدر کے ہو گئے

کوثر پہ شیخ اپنے سے آگے ہی دیکھنا
لطف و کرم جو ساقیِ کوثر کے ہو گئے

اپنا اسی طرح سرِ تسلیم خم رہا
گو لاکھ وار آپ کے خنجر کے ہو گئے

کیا کر سکوں طواف ترے گھر کا اے خدا
ساتوں فلک تو ایک ہی چکر کے ہو گئے

مہمان دل میں سنگِ حوادث کو کیا رکھوں
اب کیا لگے گی چوٹ کہ پتھر کے ہو گئے

کم بخت اب تو صید ہوا ہے مرغِ جاں مگر
جبریل تک نگاہِ پیمبر کے ہو گئے

مائل خبر نہیں ہے یہ کس بادہ خوار کو
مجھ پر کرم جو ساقیِ کوثر کے ہو گئے



ہم تو شبِ فراق میں یوں جلتے رہ گئے
طوفانِ گریہ میں ملک الموت بہہ گئے

شاعر سب اپنی اپنی زبانوں میں کہہ گئے
پھر بھی جمالِ یار کے مضمون رہ گئے

جوشِ جنوں کا ضعف سے نکلا نہ حوصلہ
دونوں اُلجھ کے ہاتھ گریباں میں رہ گئے

کیا دُخترِ رز ہے شوخ سرِ بزم کہہ گئی
واعظ بھی میرے پاس تو اک رات رہ گئے

میں اے صنم اشعارِ ادب سے خموش ہوں
جو کہنے والے تھے وہ ترے منہ پہ کہہ گئے

گریہ کی میرے عمر نہ پوچھو جنابِ نوح
بن بن کے آسمان ہزاروں ہی بہہ گئے

جن کے نصیب میں تھی شہادت وہ رہ گئے
گنتی میں عاشقوں کی ہم آ کر بھی رہ گئے

اس چشمِ اشکبار کی ایسی جھڑی لگی
ہمسایہ کے مکان تو سامنے ہی بہہ گئے

اُن کافروں سے ملیے تو آتی ہے بوئے درد
جن کے کہ اُن کی بزم میں ایمان رہ گئے

گلزار میں خلیل کے کرتے ہیں وہ بسر
سوز و گدازِ عشق کو جو لوگ سہہ گئے

ماتم ہے شش جہت میں الٰہی یہ کس لیے
لاشے کوئے یار سے گنتی کے چھٹ گئے

میرے ہی یارِ غار ہوئے ہیں شہید آہ
اُس کی گلی سے آج جنازے جو چھٹ گئے

شاید کہ خاص خاص بلائے گئے ہیں لوگ
ساغر جو اس کی بزم میں گنتی کے چھ گئے

قدموں کو میرے چوم کے کہنے لگا یہ قیس
جو کچھ پڑی ہے عشق میں افتاد سہہ گئے

اب دیکھنا کہ ہوتی ہے کیا گت جنابِ شیخ
رندانِ بادہ خوار کی جھڑکی تو سہہ گئے

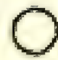
اے چشمِ اشک بار برس زور و شور سے
یہ تو خبر غلط ہے کہ افلاک بہہ گئے

کہتے ہوئے گئے ہیں جو انانِ بادہ خوار
واعظ شرابخانے کی دلدل میں رہ گئے

کیوں کر نہ جل کے خاک ہوں کہتا پھرے جو غیر
میرے غریب خانے میں وہ آکے رہ گئے

ایسے مریض ہم نے تو دیکھے نہیں سُنے
بالیں پہ میری آکے مسیحا یہ کہہ گئے

شاید کہ آگئی کسی کافر ادا کی یاد
مائلؔ جو ہوتے ہوتے مسلمان رہ گئے



جھوٹی شراب اپنی جو اغیار دے گئے
دانستہ زہر مجھ کو ستمگار دے گئے

پھر کیوں نہ شیخِ شہر پہ ہو دخترِ رز حلال
کر کے قبول مہر میں دستار دے گئے

عاشق کی رسمِ فاتحہ وہ کرگئے ادا
دشنام آکے قبر پہ دو چار دے گئے

ٹکراؤں جاکے اب سرِ شوریدہ کو کہاں
گھر کے جواب سب در و دیوار دے گئے

تھے اہلِ کارواں جو حقیقت سے بے خبر
یوسف سی جنس کو سرِ بازار دے گئے

کیونکر گلہ نہ کانٹوں کہ جانے لگے جو وہ
اپنی کمر سے کھول کے تلوار دے گئے

لطفِ جنابِ ساقیِ کوثر تو دیکھنا
کوثر کا مجھ کو ساغرِ سرشار دے گئے

بندِ نقاب اُس کے ابھی تک کھلے نہیں
کتنے ہی جان طالبِ دیدار دے گئے

مقتل میں دستِ غیر سے ہونا پڑا شہید
کم بخت کے وہ ہاتھ میں تلوار دے گئے

پیچھا چھٹا دوئی سے اب اس کا ہی ہو رہا
اچھا ہوا جو اب جو غمِ خوار دے گئے

اے ساکنانِ میکدہ میرا قصور کیا
ایمان کی ہوا تجھے دیندار دے گئے

کس ڈھب سے بات رکھی ہے محرابِ کعبہ کی
حکمِ نماز ابروئے خمدار دے گئے

وہ بت یہ چاہتا ہے کہ دیدے خدا ابھی عرش
دیر و حرم تو کافر و دیندار دے گئے

بے سوز و ساز جانتے جو دیکھا جنابِ عشق
کعبہ کی راہ میں مجھے زنّار دے گئے

گستاخ و بے ادب کو بھی دیتے ہیں ہم عروج
منصور کو یہ مژدہ سرِ دار دے گئے

بیتاب مجھ کو ہجر میں جبریل دیکھ کر
تھوڑی سی خاکِ کوچۂ دلدار دے گئے

بیٹھے تھے دور مائلِ سکیں جو بزم سے
ایک ایک جرعہ رندِ قدح خوار دے گئے

○

کاری جو زخم ناوکِ دلدار دے گئے
تسکیں تو کچھ تجھے دلِ افگار دے گئے

وہ تک کے گالیاں جو کئی بار دے گئے
شاید انھیں مزہ مرے اشعار دے گئے

اٹھ بیٹھ بختِ خفتہ مرے چارہ ساز کی
آمد کا مژدہ صاحبِ اسرار دے گئے

دشمن ہی میرے ہوں گے کہ اکثر شبِ وصال
مسجد میں جو اذان کئی بار دے گئے

اب میں کہوں تو کارکنانِ قضا کو کیا
مجھ سے ضعیف کو دلِ بیمار دے گئے

جس کی ہے دھوم حشر میں وہ میں ہوں روسیہ
دستِ کرم میں دستِ گنہگار دے گئے

دربان تھا قریب ہی عشاق دور تھے
کیا جانے کس کو طالعِ بیدار دے گئے

قرضہ میں مے فروش کے تسبیح و جانماز
آخر کو شیخ ہو کے گرفتار دے گئے

قامت سے تیرے سرو کو بازی نصیب ہو
محشر کو بات فتنۂ رفتار دے گئے

شعر اس کے جو سنے رخِ کعبہ کے وصف میں
دل کو صلے میں عالمِ انوار دے گئے

جاتے ہوئے وہ اپنی نشانی کے طور پر
داغِ فراق دیدۂ خونبار دے گئے

لائے نہ میری قبر پہ دو پھول بھی کبھی
بلبل کے یہ نصیب کہ گلزار دے گئے

غیروں کو انجمن سے نکالیں گے جو مجھے
یوں دیکھنے کو گلشنِ بے خار دے گئے

مسجد کے دوستوں سے نہیں جام کی امید
خم بھر کے میکدے کے مرے یار دے گئے

عاشق کو کیا تمیزِ دعا ہے لگا لیا
جو دے رہو تم وہی اغیار دے گئے

پیغامِ وصل کا نہ سہی موت کا سہی
تسکیں تو کچھ تجھے دلِ بیمار دے گئے

فریاد و بال و پر نے جو دل میں کیا اثر
بلبل کے خونبہا میں وہ گلزار دے گئے

سائل گئے جو کعبہ کو یہ کر گئے کرم
واعظ کو اپنا خانۂ خمار دے گئے

○

چرچہ ہے اُن کا کہوں کہ وہ آکر چلے گئے
روٹھے ہوئے کو اپنے منا کر چلے گئے

پیتے ہوئے تو شیخ کو دیکھا نہیں کبھی
سو بار میکدے میں وہ آکر چلے گئے

اللہ رے ان کا شوقِ ملاقات غیر کا
مہندی وہ دست دہا میں لگا کر چلے گئے

ساقی کی چشمِ مست بے حس پر پڑی ہوئی
وہ میکدے میں رنگ جما کر چلے گئے

شیشہ میں ایک بوند نہ خم میں ہے ایک گھونٹ
تھی جس قدر وہ شیخ اڑا کر چلے گئے

وہ یار تھے کہ دشمنِ توبہ تھے رُوسیاہ
دو چار گھونٹ مجھ کو پلا کر چلے گئے

برسوں سے میرے سینے میں دل تھا بجھا بجھا
اچھا ہوا کہ آگ لگا کر چلے گئے

کم بخت کوہِ طور نے دیکھا بھی تو نہیں
بجلی وہ دور ہی سے گرا کر چلے گئے

اتنا ہوا ضرور بتوں کے ظہور سے
دنیا کو دل فریب بنا کر چلے گئے

آئے تھے شب کو اور اب آگئے کہوں تو کیا
میرے نصیب کو بھی جگا کر چلے گئے

وہ پیرِ میکدہ ہے نہ وہ پیرِ خانقاہ
جنت میں جن کی بزم میں جا کر چلے گئے

دنیا میں آکے شیخ و برہمن نے کیا کیا
دیر و حرم کی خاک اُڑا کر چلے گئے

ہم بھی تھے اک زمانہ میں ایسے رسوخ کے
پردہ درِ حرم کا اُٹھا کر چلے گئے

پتلا بنا گئے مجھے سوز و گداز کا
ایسی وہ دل میں آگ لگا کر چلے گئے

حسنِ بیاں سے حضرتِ واعظ کو دیکھنا
جنت سے میکدہ کو بڑھا کر چلے گئے

میں نے تو دھرہ دُون کو سرسبز کر دیا
موسیٰ تو کوہِ طور جلا کر چلے گئے

سائل تھے کیا دہی کہ جہنم کی آگ کو
دو چار آنسوؤں سے بجھا کر چلے گئے

○

اتنا نہ بیقرار رہا یار کے لیے
جتنا تڑپ رہا ہوں دلِ زار کیلیے

یہ یار کے لیے ہے نہ اغیار کے لیے
دل تو بنا ہے عشق کے آزار کیلیے

وحشت میں کر کے چاک گریباں نئے نئے
محتاج آج بیٹھے ہیں اک تار کے لیے

سر پھوڑنے سے خون ہمارا جو لگ گیا
افسوس کر رہے ہیں وہ دیوار کے لیے

نامے تو لکھے غیر کو شوخی تو دیکھنا
مضمون تو بنو مرے اشعار کے لیے

جُبہ جو بیچتے تو وہ لیتے کئی سُبو
دو چار جام شیخ نے دستار کے لیے

کیا دور آ گیا ہے کہ لینا خدا کا نام
مشکل ہے اس زمانہ میں دیندار کے لیے

بیفکر آب و دانہ و صیاد و دام سے
آزادگی ہے مرغِ گرفتار کے لیے

ہم کو یہ اضطراب کہ جو کچھ ہو آج ہو
ایک عمر چاہیے انھیں اقرار کے لیے

کہنے لگے کہ تو ہے شہیدوں میں خوش نصیب
بوسے جوان کے ابروئے خمدار کے لیے

دیکھی بھی عقل حضرتِ واعظ کہ کعبہ سے
تسبیح لائے سائلِ میخوار کے لیے



تکلیف اے فلک نہ کر آزار کے لیے
میں خود ہوں اپنی آہ شرر بار کیلیے

بت خانہ وہ بناؤں کہ واعظ کا سر جھکے
پتھر منگا کے کعبہ کی دیوار کیلیے

اک چٹکی خاک پائے عدو واہ رے نصیب
بھیجی تو کیا دوا دلِ بیمار کیلیے

جب آئے لطفِ دشت نوردی کہ پاؤں میں
ایک ایک آبلہ نوکِ سرِ خار کیلیے

یہ سر نہیں ہے دوش پہ عشاقِ باوفا
اک تحفہ لائے ہیں تری تلوار کیلیے

گل سے جدا اسیرِ قفس عندلیب زار
کیونکر نہ بیقرار ہوں گلزار کیلیے

میں کب گیا ہوں باغ میں دیکھا ہے گل کہاں
تم کو بہانہ چاہیے تکرار کیلیے

یہ مقتضا ہے یار کی طبعِ لطیف کا
عرشِ بریں سے سایۂ دیوار کیلیے

مشکل جو پیش آئے تو ہمت سے کام لے
ناخن ہوں لاکھ عقدۂ دشوار کیلیے

اس کو ہمارے قتل پہ آمادہ کرنے میں
دل سے دعا نکل گئی اغیار کیلیے

صائلؔ یہ کارِ خیر ہے کعبہ کے آس پاس
لے لو زمین خانۂ خمّار کے لیے

○

ہے دار تیرے واسطے تو دار کیلیے
یہ حکم بھی ہے محرمِ اسرار کیلیے

واعظ جو میکدہ میں نہ چھلکا تو کیا ہوا
کوثر کو جوش آتے ہیں میخوار کیلیے

کہنا بجا ہے مانئے بحرِ کرم اسے
الٹی نہ ہو زبان جو انکار کیلیے

دنیا کے میکدے کے تو ساماں ہیں دینی
بیخود کے واسطے ہیں نہ ہشیار کیلیے

آساں نہیں ہے جوشِ مئے ناب روکنا
عالی ہو ظرف ساغرِ سرشار کیلیے

لطفِ زباں کے ساتھ مضامین بھی تو ہوں
جوہر بھی ہونے چاہئیں تلوار کیلیے

اتنا بدن میں خون کہ طوفان ہو بپا
لاؤں کہاں سے دیدۂ خونبار کیلیے

قسمت کو کیا کروں کہ کوئی پوچھتا نہیں
ہوں فائدہ کی چیز خریدار کیلیے

احباب کے حواس یہاں تک بگڑ گیے
عیسیٰ کو لائے ہیں ترے بیمار کیلیے

جام و سبو کے واسطے ہیں ہاتھ اور دوش
تسبیح کیلیے ہیں نہ زنّار کیلیے

محشر کے وصف کرنے لگے شوخیوں سا تھ
یوں امتحان کشتۂ رفتار کیلیے

عشاق کا تو قبلۂ دیں روئے یار ہے
دیر و حرم ہیں کافر و دیندار کیلیے

میخانہ اس کی راہ میں سارا لٹا دیا
اب کیا کمی ہے صائلِ میخوار کیلیے

○

ہر دم نیا عذاب ہے ہشیار کیلیے
توبہ ہے بڑھ کے موت سے میخوار کیلیے

سب اہلِ راز کہنے لگے بے ادب مجھے
بوسے جو اس کے سایۂ دیوار کیلیے

بلبل تو گل میں شمع میں پروانہ دیکھلے
پردے ہوں لاکھ طالبِ دیدار کیلیے

بنتے ہی مہر و ماہ کے عاشق سمجھ گئے
پردے بنے ہیں حسن کے دیدار کیلیے

لطف و کرم بھی مہر بھی رحمت بھی خو بھی
کس بات کی کمی ہے گنہگار کیلیے

اللہ رے نازِ حسن کہ پروا نہیں اُسے — موسیٰ کھڑے ہیں جلوۂ دیدار کیلیے
ایمن میں آگ تھی نہ تجلی تھی طور پر — سب تھے کرشمے گرمی بازار کیلیے
موسیٰ کو گر خطابِ کلیمی ملا تو کیا — اللہ نے مزے تری گفتار کیلیے
تو وہ کہ تجھ سے گرمیِ بازارِ حسن و عشق — یوسف تھے ایک مصر کے بازار کیلیے
ارض و سما میں ایک ہے لاؤں کہاں کہیں — دو چار آفتاب شبِ تار کیلیے
پیرِ مغانِ عشق نے رکھا نہ تفرقہ — ساغر ہے ایک کافر و دیندار کیلیے
رکھتا اگر نہ داغِ محبت سے سلسلہ — ذرہ ہے آفتاب طلب گار کیلیے
بن کر نگاہِ ناز کہیں تو ہے دل کے پار — مرہم کہیں ہے سینۂ افکار کیلیے

دنیا تمام میرے قدم چومنے لگی
میں نے قدم جو صائلِ میخوار کے لیے

○

کہاں سے لاؤں دل اپنا سا باغباں کیلیے
تلاشِ برق کروں اپنے آشیاں کے لیے

جو دل ملا تو ملا سوزشِ نہاں کے لیے
جگر ملا تو ملا زخمِ جاں ستاں کے لیے

دعائیں پہلے کروں عمرِ جاوداں کے لیے
وہ ناتواں ہوں جو ہمت کروں فغاں کے لیے

شبِ وصال میں تم کو جو ہچکیاں آئیں
یہ ایک بات ہے کافی مرے گماں کے لیے

بتوں کو آپ سے سجدہ کروں تو کافر ہوں
مری جبیں ہی بنی ان کے آستاں کے لیے

تمام عمر رہا یوں ہی دربدر پھرتا
نہ فکرِ گور کرو مجھ سے بے نشاں کے لیے

شراب روز میسر نہ ہو تو اے واعظ
کبھی تو چاہیے کیفیتِ بیاں کے لیے

شبِ فراق نزولِ بلا، بلا کا تھا
کہ تھی نہ گھر میں جگہ مرگِ ناگہاں کے لیے

چمن میں اُس گلِ رعنا نے چشمِ نرگس سے
تمام کام مری چشمِ خوں چکاں کے لیے

خدا کے واسطے گھبرا نہ جانِ مضطر تو
لگا رکھا ہے تجھے ایک مہرباں کے لیے

بلا سے گر رہوں ناکام ہو نہیں سکتا
عزیز جان کروں تجھ سے میہماں کے لیے

بس ایک جام میں کچھ بھی رہا نہ پاسِ ادب
نشے میں خوب ہی بوسے لب و دہاں کے لیے

وہ تشنہ کامِ محبت ہوں دل میں رکھنے کو
جنوں میں قیس نے کانٹے مری زباں کے لیے

پیالہ زہر کا اس کو بھی دو اسی کا سا
یہ مشورے ہیں ہوئے میرے رازداں کے لیے

عدو کی جب سے بگاڑی ہے آبرو اس نے
دعائے خیر ہی کرتا ہوں پاسباں کے لیے

صبا اڑائے جو پھرتی ہے ایک عالم میں
یہ مشتِ خاک ہے میری کہاں کہاں کے لیے

جتا دیا ہے ہمیں آ کے عہدِ پیری نے
بہارِ گلشنِ ہستی کی ہے خزاں کے لیے

وہ بادہ کش ہوں کہ برسات آتے ہی مائل
تڑپ رہا ہوں حرم میں مے و مغاں کے لیے

○

ادائے خاص ہے وہ مجھ سے خستہ جاں کے لیے
نہ دشمنوں کے لیے ہے نہ مہرباں کے لیے

فغانِ دل شدگاں اُس کے کارواں کی درا
جبینِ اہلِ نیاز اُس کے آستاں کے لیے

گلوں سے باغِ محبت کے اُس نے گلدستے
بنا دیا ہے ترے طاق لامکاں کے لیے

گلوں کو بلبلِ بیتاب کی خبر کیا ہو
وہ نازنیں جو ہے سرگرم امتحاں کے لیے

نہ کیوں کہ رشکِ ملائک ہو خاک کا پتلا
بشر سے کام لیے بھی تو دو جہاں کے لیے

ملی نہیں ہے کدورت کو جا مرے دل میں
بنی نہیں ہے شکایت مری زباں کے لیے

اجل نے جب اُسے دیکھا مریضِ الفت کا
ہزار بار قدم تیرے ناتواں کے لیے

کسی کو دخل نہیں سچ ہے کام میں اُس کے
گرایا چاہ میں یوسف کو کارواں کے لیے

اگرچہ نام سے اوروں کے ہیں یہ کافی ہیں
فسانۂ شہدا تیری داستاں کے لیے

الگ الگ تری راہیں ہیں ہر بیاباں میں
جدا جدا ترے جلوے ہیں ہر مکاں کے لیے

رہیں نو کیوں کہ وجود و عدم کے پردے میں
نہاں عیاں کے لیے ہے عیاں نہاں کے لیے
پڑے ہوئے ہیں کبھی سے عدم کے رستے پر
یہ زندگی تو ہے پردہ فقط گماں کے لیے
ملی ہے دردِ محبت کی دل کو وہ نعمت
کہ وہ زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
کسی کے ناوکِ مژگاں کا دور ہے جب سے
سناں نہ دل کے لیے ہے نہ دل سناں کے لیے
وہیں کے ہو رہے مائل یہ شان ہے اُن کی
صنم کدے میں تو ٹھہرے تھے امتحاں کیلئے



جان دے کر بھی تو ہم موردِ الزام ہوئے
تم ستم کرتے رہے پھر بھی نہ بدنام ہوئے
یادِ گیسو میں ترے رُخ کا تصور باندھا
رونقِ کفر ہوئے، بانیِ اسلام ہوئے
پھر حسینانِ جہاں کا کوئی کھنچنا دیکھے،
ایک دو روز جہاں نامہ و پیغام ہوئے
بات ناصح کی سُنوں کیا مجھے رشک آتا ہے
اُن کی قسمت پہ کہ جو عشق میں بدنام ہوئے
رنگ لاکر ہی رہی چشمِ سیہ مست تری
آج واعظ کو سُنا نذرِ مے و جام ہوئے
رُخ پہ بکھرے ہوئے گیسو جو ترے یاد آئے
حشر کیا کیا نہ مرے دل پہ سحر شام ہوئے

میرے نامے نہ پڑھے تم نے کبھی بھولے سے
میرے قاصد نہ کبھی لائقِ انعام ہوئے
جیسی مائل کی ہوئی موت خدا سب کی کرے
ایسے دنیا میں کہاں لوگ خوش انجام ہوئے

○

ایک میرے ہی دوست کیا نہ ہوئے — تم کسی کے کبھی آشنا نہ ہوئے
ان کا گھر کعبہ بن گیا تو کیا — بت تو بت ہی رہے خدا نہ ہوئے
پھرتی ہے دربدر بھٹکتی ہوئی — ہائے دشمن مرے دعا نہ ہوئے
بے وفا فتنہ گر ستم پرور — آپ میرے لیے تو کیا نہ ہوئے
اک دعا میں ہی کیا اثر نہ ہوا — آہ و نالے بھی تو رسا نہ ہوئے
مفت عمرِ ابد کو کھویا خضر — تم کسی پر بھی مبتلا نہ ہوئے
ہائے مسجودِ خلق ہم ہوتے — یعنی اس بت کے نقشِ پا نہ ہوئے
نہ کیا رحم دل کی حالت پر — نہ ہوئے خنجر آزما نہ ہوئے

توبہ کر کے بھی حضرتِ مائل
نہ ہوئے آپ پارسا نہ ہوئے

○

پردہ ہے اس لیے وہ پری رو کیے ہوئے — بٹھا رہوں خیال کو یکسو کیے ہوئے
جنت کو شرمگیں رخ و گیسو کیے ہوئے — طوبیٰ کو سرنگوں قدِ دلجو کیے ہوئے
کیا جا رہا ہے وہ بت کافر الگ الگ — دل کو اسیر حلقۂ گیسو کیے ہوئے
ہم وہ نہیں کہ ہم پہ ہو ناصح ترا اثر — ہم چشمِ سحر فن کے ہیں جادو کیے ہوئے
یہ شرمگیں نگاہ مگر بے سبب نہیں — عاشق کا قصدِ خوں ہے مگر تو کیے ہوئے
واعظ یہ اس سے کہہ کہ تجھے جانتا نہ ہو — توبہ شرابِ ناب سے اور تو کیے ہوئے
فرصت تو مے فروش کا دینا پڑے گا شیخ — توبہ ہزار بار ہے گر تو کیے ہوئے

آئے جو خود بخود ہیں تری دید گاہ میں
جادو میں کیا کسی کے یہ آہو کیے ہوئے

برسوں سے جی رہے ہیں اسی طرح ہجر میں
ہم چاک چاک سینہ و پہلو کیے ہوئے

بیٹھے ہیں انجمن میں اشارے کے منتظر
ہم جاں کو نذرِ جنبشِ ابرو کیے ہوئے

میخانہ تیری چشم سے مستی لیے ہوئے
کعبہ تصورِ خمِ ابرو کیے ہوئے

مسجد میں کیا عجب ہے کہ رحمت ہو شیخ پر
بیٹھا ہے بت کدہ کی طرف رو کیے ہوئے

یہ چاہتا ہے شوق کہ ہو لب بہ لب کوئی
گردن میں طوقِ ساعد و بازو کیے ہوئے

سائل ہمارے ساتھ نہ چل سوئے بت کدہ
کم بخت اگر ہے عزمِ حرم تو کیے ہوئے



ہم پلائیں تم پیو پیمانہ ایسا چاہیے
ہم سنائیں تم سنو افسانہ ایسا چاہیے

میرے طالع کے عوض سو جائے جس سے پاسباں
ہو سکے تو ہم نفس افسانہ ایسا چاہیے

میری صورت دیکھ کر لیلیٰ نے مجنوں سے کہا
خشت ایسی چاہیے دیوانہ ایسا چاہیے

جب سنو واعظ سے یہ ہی بات کوثر ہائے حور
چاہیے تو مشربِ رندانہ ایسا چاہیے

ایک گل کیا جو سُنے دل ہی پکڑ کر بیٹھ جائے
عندلیبو نالۂ مستانہ ایسا چاہیے

دل میں رکھ لینے کے قابل ہیں حسینانِ جہاں
ان بتوں کے واسطے بتخانہ ایسا چاہیے

انتہائے ہر طرب غم ابتدائے ہر امید، یاس
اس کو دنیا کہتے ہیں غم خانہ ایسا چاہیے

سخت جانی کا بُرا ہو آہ کیونکر جل بجھوں
بزم میں کہتے ہیں وہ پروانہ ایسا چاہیے

ایک موسیٰ دیکھتے ہی ہو گئے بیخود تو کیا
غش ہو عالم جلوۂ جانانہ ایسا چاہیے

جورِ الفت میں آئے کہہ کر یا سائل بڑھے
کام ہاں اے ہمتِ مردانہ ایسا چاہیے



رات آدھی ڈھل چکی ہے اب تو سونا چاہیے
ہنس کے بولے آپ کا کہنا بھی ہونا چاہیے

چارہ گر نشتر نہیں خنجر چبھونا چاہیے
زخم کاری ہے بھی کاری ہی دل میں ہونا چاہیے

کچھ نہ کچھ تو عیش اس کا تلخ ہونا چاہیے
بوالہوس کے در پہ جا کر خوب رونا چاہیے

کچھ تو اظہارِ محبت اُن پہ ہونا چاہیے
مرثیہ بر لختِ دل کے خوب رونا چاہیے

خونِ دل خونِ جگر سے پائے جو نشو و نما
رہگذارِ عشق میں وہ تخم بونا چاہیے

نسخۂ مے ہاتھ آیا ہے بیاضِ شیخ کا
آبِ زمزم آبِ کوثر میں بھگونا چاہیے

کچھ نہ کچھ تو کھل ہی جائے گی حقیقت زلف کی
کچھ دنوں کے واسطے کافر بھی ہونا چاہیے

شرم اپنے گھر کی آئے گی کہ یکتا ہے کریم
منہ پہ رکھ رکھ کر غلافِ کعبہ رونا چاہیے

خدمتِ پیرِ مغاں میں التجا ہے یہ مری
فکرِ دینا فکرِ عقبیٰ دل سے کھونا چاہیے

بہرِ تسکینِ دلِ مضطر بت کدے کو چھوڑ کر
بتکدے کو جان کر کعبہ میں رونا چاہیے

چارہ گر دل پہ ہمارے خنجر توبہ کے ہیں
آبِ میخانہ سے ان زخموں کو دھونا چاہیے

فرشِ گل عشرت کدے میں جا بجا اچھا نہیں
اک طرف تو خارِ غم کا بھی بچھونا چاہیے

رہ گیا تو رنگ لائے گا کسی دن دیکھنا
اس سیہ کاری کے دفتر کو ڈبونا چاہیے

سبزۂ خط کا کسی کے اک ذرا سا عکس ہو
سبزۂ تربت ہمارا کچھ تو ہونا چاہیے

چھیڑ کر ذکرِ وفائے غیر چپکے کیوں ہوئے
ایک نشتر اور بھی دل میں چبھونا چاہیے

ہے یہ دیباچہ کتابِ اہلِ سوزِ عشق کا
دشمنوں کا درد اپنے دل میں ہونا چاہیے

دیکھتی کیا ہے مری صورت کو اے چشمِ کرم
جو گنہگاروں پہ ہونا ہے وہ ہونا چاہیے

میرے اشکِ گرم نے تاثیر سی تاثیر کی،
بوند بھر پانی کو کہتے ہیں سمونا چاہیے

چلتے چلتے کہہ گئے مرحوم بھی مغفور بھی
کتبۂ تربت ہمارا یہ ہی ہونا چاہیے

ہے اسی پر شیخ سے اپنا بھی سائل اتفاق
میکدے کی راہ میں اک باغ ہونا چاہیے



پائے ہمت اب تجھے بیدل نہ ہونا چاہیے
دو قدم پر رہ گئی منزل نہ ہونا چاہیے

آزمائش ہے اگر لیلیٰ نگاہِ قیس کی
درمیاں میں پردۂ محمل نہ ہونا چاہیے

یا ہدف ہو کر رہو تیرِ بلائے عشق کا
یا محبت میں سراپا دل نہ ہونا چاہیے

مصلحت سے کام ان کا کوئی بھی خالی نہیں
عیبِ رنداں عیب میں داخل نہ ہونا چاہیے

پردے پردے میں لیا کرتے ہیں میرا امتحاں
سچ تو یہ ہے عشق میں کامل نہ ہونا چاہیے

اے خدا شوقِ شہادت ہے مرا نازک مزاج
کند خنجر، سنگ دل قاتل نہ ہونا چاہیے

یہ تو مانا با اثر ہے نالہ نالہ غیر کا، ہاں مری فریاد میں شامل نہ ہونا چاہیے
ہونے ہوتے ہو ہی جائے گا تعارف ایک دن یاد ہے اس کی مگر غافل نہ ہونا چاہیے
تم عیادت کے لیے اس کی بدولت آ گئے اب کہوں کیونکر کہ دردِ دل نہ ہونا چاہیے
ہائے اس کا روٹھنا میرا منانا پھر کہاں سورۂ اخلاص کا عامل نہ ہونا چاہیے
قدرداں سب اٹھ گئے اب حاسدوں کا دور ہے اس زمانے میں کسی قابل نہ ہونا چاہیے
ہم سفر اس کا تصور ہو گیا تقدیر سے اب خیالِ دوریٔ منزل نہ ہونا چاہیے
یہ خطا مجھ سے ہوئی ہے بے بلائے آ گیا پُرعتاب اتنا سرِ محفل نہ ہونا چاہیے
کھولنا بندِ قبائے یار کا مشکل نہیں پر ہمارا عقدۂ مشکل نہ ہونا چاہیے

جب قویٰ سب مضمحل ہیں دخترِ رز کی طرف
میلِ خاطر میرزا سائلؔ نہ ہونا چاہیے



کچھ علاجِ اضطرابِ دل نہ ہونا چاہیے کاروبارِ عشق میں عاقل نہ ہونا چاہیے
رہگزارِ تیر میں کاہل نہ ہونا چاہیے ایک دم شرمندۂ سائل نہ ہونا چاہیے
کام آساں دید کا مشکل نہ ہونا چاہیے سنگ دل اے صاحبِ محمل نہ ہونا چاہیے
اس لیے تیغِ ادائے ناز سے بچتا رہا محفلِ اغیار میں بسمل نہ ہونا چاہیے
مان لینے چاہئیں اس کے کرشمے بے دلیل پیروانِ عقل کے شامل نہ ہونا چاہیے
آبِ رحمت آبِ کوثر آبِ زمزم ہی سہی میکدے میں بے وضو داخل نہ ہونا چاہیے
جو درِ غلطاں تجھے قسمت نہ ہونے دے نہ ہو پر خس و خارِ لبِ ساحل نہ ہونا چاہیے
ہم تو سنتے آ رہے ہیں خواجگانِ عشق سے مر کے بھی شرمندۂ سائل نہ ہونا چاہیے
ہے بلا کا ہے غضب کا دشمنِ ہوش و حواس فتنۂ محشر سے بھی غافل نہ ہونا چاہیے
تیری ناصح خاک سمجھوں یہ سمجھ میں آ گیا بندگانِ عشق کو غافل نہ ہونا چاہیے
محو رہنا چاہیے اس کے ستم کی یاد میں، چارہ سازِ عشق سے غافل نہ ہونا چاہیے
ایک ہے تیرِ نظر کا اک ادا کا ہے شہید ماتمِ دل اور جگر شامل نہ ہونا چاہیے

ہر کسی کی رہگذر میں لوٹنا اچھا نہیں
ہر کسی کی تیغ سے بسمل نہ ہونا چاہیے

تنکے چنواتا رہے یا خاک اڑواتا رہے
کام جو کچھ ہے جنوں، کاہل نہ ہونا چاہیے

جس سے گر جاؤ نگاہِ حضرتِ ایوب سے
اس قدر بے صبر بھی سائل نہ ہونا چاہیے

○

کس واسطے ہے دیدۂ تر کچھ نہ پوچھیے
کس کام کا ہے سوزِ جگر کچھ نہ پوچھیے

جتنے ہیں انجمن میں سبھی تو ہیں دل فگار
ہے کس غضب کی تیغِ نظر کچھ نہ پوچھیے

کیا جانے کس کی بزم سے آتا ہوں کس طرح
ممنوں آپ کا ہوں اگر کچھ نہ پوچھیے

کھٹکا رقیب کا ہے نہ دھڑکا ہے غیر کا
اب کے جہاں ہوا ہے گذر کچھ نہ پوچھیے

مر جائے کوئی راہ میں مڑ کر نہ دیکھیے
مر جائے کوئی آپ مگر کچھ نہ پوچھیے

خنجر لگا ہوا ہے اور آتی نہیں نظر
کیا جانے کیا ہے ان کی کمر کچھ نہ پوچھیے

کم بخت یوں تو حرمتِ مے جانتا ہے خوب
واعظ کو کس لیے ہے حذر کچھ نہ پوچھیے

آجائے گا ظہور میں کیوں فکر میں پڑیں
کیا جانے کیا ہے مدِ نظر کچھ نہ پوچھیے

اپنا ہی ہوش جب نہیں کیسا دل و جگر
مجھ سے کسی کی آپ خبر کچھ نہ پوچھیے

کہنے لگے ہیں سب مجھے ناکامِ روزگار
میری دعا کے آپ اثر کچھ نہ پوچھیے

ہاں دیکھیے تو شوخیِ رفتار دیکھیے
جو بن رہی ہے راہ گذر کچھ نہ پوچھیے

ہر ناز ہر ادا ہے غضب یوں تو یار کی
پہلے جو پڑ گئی ہے نظر کچھ نہ پوچھیے

اپنا اُسے تو عاشقِ خستہ نہ جانیے
سائل کے آپ عیب و ہنر کچھ نہ پوچھیے

○